وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (القرآن)
الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون (الحديث)

مجموعہ کتب

حیات الانبیاء علیہم السلام

۵



مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ
حضوری باغ روڈ ، ملتان فون : 061-4783486

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ (الحدیث)

مجموعۂ کُتب

حیات الانبیاء علیہم السلام

۵

۳۳ حیاۃ النبیؐ سے متعلق اہلسنت والجماعت یعنی سنی مسلمانوں کا عقیدہ

۳۴ ماہنامہ حنفیہ (حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر)

۳۵ حیات پاک (برزخی) رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق علماء دیوبند کا مسلک)

۳۶ حَیاتِ بَرْزَخِیَّہ

۳۷ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مذاہب اربعہ اہلسنت والجماعت کی نظر میں

۳۸ سَیفِ اُوَیْسِیَّہ بَرْ عَقَائِدِ نَا مَرْضِیَّہ

۳۹ حیات انبیاء علیہم السلام

۴۰ اَلْقَوْلُ الْمَشْهُوْر فِیْ اَحْوَالِ الْقُبُوْر

مکتبہ سرجنیہ لنشر الکتب الاسلامیہ
معصوم شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب : مجموعہ کتب حیات الانبیاء علیہم السلام (جلد پنجم)

مصنفین : حضرت مولانا عبدالکریم کلاچوی رحمہ اللہ
حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحلیم قاسمی رحمہ اللہ
جناب حافظ نذیر احمد نقشبندی مجددی رحمہ اللہ
حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ / جناب حافظ عبدالرزاق (ایم اے)
حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ / مولانا بشیر احمد نقشبندی

صفحات : ۵۲۸

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اول : نومبر ۲۰۲۴ء

اسٹاکسٹ : ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان
0322-6180738

ناشر : مکتبہ سراجیہ للنشر الکتب الاسلامیہ
حضوری باغ روڈ ملتان
0303-7396203 0301-7500173
0344-7121967 0301-7904257

اجمالی فہرست

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَآءُ أَحْيَآءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

السبیل الاقوم فی حیوٰۃ سید العرب والعجم

المعروف بہ

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سے متعلق اہلسنت والجماعت یعنی سُنّی مسلمانوں کا عقیدہ

تالیف:

حضرت مولانا عبدالکریم کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ

مہتمم مدرسہ نجم المدارس کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان

یا اللہ مدد

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

چار یار رضی اللہ عنہم

هٰذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ

السبیل الاقوم فی حیٰوۃ

سید العرب والعجم

(صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم)

المعروف بہ

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سے متعلق اہلسنت والجماعت یعنی سنی مسلمانوں کا

عقیدہ

از ناکارہ: عبدالکریم غفرلہ ولوالدیہ مہتمم مدرسہ نجم المدارس کلاچی (ڈیرہ اسمٰعیل خان)

شائع کردہ: شعبہ نشر و اشاعت مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی ڈیرہ اسمٰعیل خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی رحمہ اللہ

پیدائش: ۱۹۲۰ء ...... وفات: ۸/اگست ۲۰۱۵ء

مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی آپ حضرت قاضی نجم الدین کلاچی کے صاحبزادہ تھے۔ اپنے والد گرامی اور سرگودھا کے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا محمد اسماعیل خوشابی اور خیر المدارس جالندھر میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، حضرت مولانا محمد علی جالندھری سے پڑھا، دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث شریف کیا۔ کلاچی میں نجم المدارس کے نام پر مدرسہ قائم کیا، مدرسہ کے مہتمم، شیخ الحدیث، صدر مدرس، صدر مفتی رہے۔

آپ نے "السبیل الاقوم فی حیات سید العرب والعجم" کے نام سے ایک مختصر مضمون لکھا۔ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب، چکوال والوں سے اس پر تصدیق چاہی۔ آپ نے تقریظ کیا لکھی جو مضمون سے بھی بڑھ گئی۔ دونوں ہمارے مخادیم تھے، جامعہ نجم المدارس کے حضرات نے دونوں تحریروں کو ایک ساتھ شائع کر دیا۔ یہ رسالہ اب تبرکات اکابر ہے۔ اس مجموعہ میں اسے شائع کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزارش احوال

سیدی حضرت والد ماجد مدظلہ بانی و مہتمم مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی جن کے وجود مسعود سے مدرسہ نجم المدارس اور اس سے وابستہ تمام علمی دینی اور تبلیغی پروگراموں کی بزم سجی ہوئی ہے۔ دو چار سالوں سے ان کی صحت غیر تسلی بخش ہوگئی تھی اور اس میں روز بروز اضمحلال ہو رہا تھا سال رواں کے ابتداء میں دو چار مہینے مسلسل صاحب فراش رہے، اس دوران مدرسہ کے خدام جس بے چینی کے عالم میں رہے وہ خدا جانتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور حضرت کے ساتھ دینی تعلق رکھنے والے دوستوں کی دعائیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیں اور حضرت صحت یاب ہو گئے۔ لہ الحمد و المنۃ

نعمت صحت سے مالا مال ہونے کے بعد تدریس اور تبلیغی مشاغل میں مصروف ہونے سے پہلے آپ نے شکرانہ شفاء کے طور پر حیات النبی ﷺ کے پاکیزہ اور مبارک موضوع پر (خاص کر اس لئے بھی کہ اس وقت بعض بدقسمت لوگ اس موضوع پر علماء دیوبند کی غلط نمائندگی کر رہے ہیں) ایک مختصر مگر جامع رسالہ تالیف فرمایا اس رسالہ کے ابتدائیہ کے لئے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ خلیفہ مجاز حضرت شیخ الاسلام المدنی رحمہ اللہ امیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان کی خدمت میں عرض کیا گیا چونکہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ کو اپنے دوسرے محبوب موضوعات کے ساتھ اس موضوع کے ساتھ بھی خاص دلچسپی ہے اس لئے حضرت قاضی صاحب چکوال نے جو ابتدائیہ تحریر فرمایا وہ بجائے خود اس موضوع پر ایک جامع مقالہ ہے اور معاملہ نور علیٰ نور کا ہو گیا ہے۔ اب گویا ان دونوں مقالات کی اشاعت کا شرف مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی کے شعبہ تبلیغ کو حاصل ہو رہا ہے۔ برادر مکرم حافظ سراج الدین صاحب حقانی خطیب ڈومیلی نے رسالہ کی اشاعت میں کافی دلچسپی لی، اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر دے اور دونوں قاضی صاحبان کا سایہ تادیر صحت و سلامتی کے ساتھ امت پر قائم رکھے آمین! اور اس رسالہ سے امت محمدیہ کو متمتع ہونے کی توفیق بخشے۔

قاضی عبدالحلیم حقانی مدرس و نائب مہتمم مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبیین وعلی خلفائہ الراشدین وآلہ واصحابہ المرضیین اجمعین!

دور حاضر کے اعتقادی فتنوں میں سے ایک فتنہ ''انکار عقیدہ حیات النبی ﷺ'' کا ہے جو پاکستان میں نمودار ہوا ہے۔ منکرین حیات النبی کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر چونکہ ''کل نفس ذائقۃ الموت'' کے تحت موت واقع ہو چکی ہے۔ اس لئے قیامت تک آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں مردہ رہیں گے۔ (العیاذ باللہ) آپ کی روح اعلیٰ علیین میں ہے۔ جس کا کوئی تعلق آپ کے جسم مبارک سے ایسا نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے قبر شریف میں آپ کو حیات حاصل ہو۔ اسی بناء پر ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ نہ دور سے امتیوں کا درود شریف ملائکہ کے ذریعہ آپ تک پہنچتا ہے اور نہ آپ قبر مبارک پر درود پڑھنے والے کا صلوۃ وسلام خود سنتے ہیں اور منکرین حیات کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کا یہ عقیدہ قرآن پر مبنی ہے اور حیات النبی ﷺ کے قائلین کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ منکرین حیات النبی ﷺ کا مذکورہ عقیدہ قرآن، حدیث اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ یہ لوگ خود جہل مرکب اور ضد میں مبتلا ہیں اور توحید و قرآن کے عنوان پر ناواقف لوگوں کو عقیدہ حقہ سے ہٹانے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں اس فتنہ کے انسداد کے لئے پاکستان میں عقیدہ حیات النبی ﷺ کے اثبات میں کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور زیر نظر کتابچہ (السبیل الاقوم) بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کتابچہ کے مصنف حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب فاضل دیوبند مہتمم مدرسہ نجم المدارس کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان ہیں۔ ماشاء اللہ حضرت قاضی صاحب زید فضلہم معروف عالم دین ہیں آپ کی علمی اور دینی خدمات مسلم ہیں۔ آپ نے اس فتنہ کو شدت سے محسوس کیا اور اتمام حجت کے لئے یہ مختصر رسالہ اس موضوع پر تحریر فرمایا ہے حضرت قاضی صاحب موصوف نے عقیدہ حیات النبی ﷺ کے اثبات میں احادیث صحیحہ بھی پیش کی ہیں لیکن زیادہ زور آپ نے اس بات پر دیا ہے کہ یہ عقیدہ امت کا اجماعی عقیدہ ہے اس لئے اس سے اختلاف کرنا اور اس کو قرآنی آیات کے خلاف سمجھنا امت کے تمام محققین اہل سنت والجماعت کے متعلق یہ تصور قائم کرتا ہے کہ صدیوں کے علمائے فی اللہ قرآن حکیم کی کتنی آیات کو نہیں سمجھ سکے اور اگر اس تصور کو بالفرض صحیح مانا جائے تو اس کا نتیجہ تو یہی نکلے گا کہ قرآن مجید کا سمجھنا بہت مشکل ہے نہ ان آیات کو مفسرین ومحدثین سمجھ سکے نہ مجددین، مجتہدین۔ تو فرمایا کیا دوسرے عقائد بھی مشکوک نہیں ہو جائیں گے جو صدیوں سے محققین اہل سنت والجماعت مانتے چلے آرہے ہیں۔ مثلاً عقیدہ ختم نبوت، عقیدہ خلافت راشدہ موعودہ اور مہاجرین وانصار وغیرہ صحابہ ﷺ کا جنتی ہونا، مرزا غلام احمد قادیانی دجال نے بھی یہ دعویٰ کیا تھا کہ صدیوں کے علماء اسلام نے قرآن مجید سے ختم نبوت اور حیات مسیح کا جو عقیدہ اجماعی طور پر ثابت کیا ہے وہ قرآن کے خلاف ہے اور شیعہ علماء بھی یہی کہتے ہیں کہ سوائے بارہ اماموں کے کوئی قرآن کو سمجھ نہیں سکتا۔ العیاذ باللہ!

اجماع شرعی حجت ہے

شرعی مسئلہ چار دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے (۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس مجتہد۔ اور

اجماع امت بھی قرآن وسنت کی طرح ایک مستقل دلیل ہے۔ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "ان اللہ لا یجمع امتی او قال امۃ محمد علی ضلالۃ" (مشکوۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر نہ جمع کرے گا۔ علاوہ ازیں قرآن مجید سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مومنین امت کا راستہ حق ہے اور جو بھی ان کے راستہ کی مخالفت کرے گا۔ اس کو جہنم میں گرادیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت قاضی عبدالکریم صاحب نے قرآنی آیت "ومن یشاقق الرسول" سے اجماع امت کا برحق ہونا ثابت کیا ہے اور عقیدہ حیات النبی ﷺ کا متفق علیہ اور اجماعی ہونا بھی ثابت کیا ہے اس کے بعد کسی حق پرست مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ امت کے اجماعی عقیدہ کو ناجائز اور خلاف قرآن کہے یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ محققین امت کا اجماع بلا دلیل نہیں ہوتا بلکہ وہ قرآن وحدیث پر ہی مبنی ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت (بلا فصل) پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا تھا۔ مہاجرین وانصار وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی خلافت تسلیم کرلی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ چنانچہ شیعہ کی مستند کتاب روضہ کافی وغیرہ سے ثابت ہے (گو شیعہ اس بیعت کو تقیہ پر مبنی مانتے ہیں لیکن بیعت تو ہوئی اور ہم اہل سنت تو شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت تقیہ کا تصور نہیں کرسکتے) بہرحال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر جو اجماع ہوا ہے وہ بھی قرآن وحدیث کے دلائل پر مبنی ہے۔ خصوصاً سورۃ نور کی آیت استخلاف اور سورۃ الحج کی آیت تمکین باقتضاء النص نہ صرف حضرت صدیق کی بلکہ حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ موعودہ ثابت ہوتی ہے۔ امام قرطبی اور امام رازی وغیرہ مفسرین نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ اور بندہ کی کتاب خارجی فتنہ حصہ اول اور کشف خارجیت میں بھی اس کا ثبوت موجود ہے۔

قرآنی دلیل: "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات، بل احیآء ولکن لا تشعرون" (البقرۃ: ۱۵۴)

(۱) اور نہ کہو جو کوئی مارا جائے اللہ کی راہ میں مردے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں

(ترجمہ، شاہ عبدالقادر مفسر دہلوی)

(۲) اور مت کہو واسطے ان لوگوں کے کہ مارے جاتے ہیں بیچ راہ اللہ کے کہ مردہ ہیں بلکہ زندہ اور لیکن نہیں تم سمجھتے۔ (ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے راہ خدا میں قتل ہونے والے یعنی شہیدوں کو مردہ کہنے سے منع فرمادیا ہے اور پھر واضح طور پر فرمایا ہے کہ وہ زندہ ہیں علاوہ ازیں (سورہ آل عمران: ۱۷۰) میں فرمایا: "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا، بل احیآء عند ربھم یرزقون، فرحین بما اٰتھم اللہ من فضلہ" اور (اے مخاطب) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کر بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں۔ ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی۔ (ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ)

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کو مردہ کہنے سے منع فرمایا ہے اور دوسری آیت میں ان کو مردہ خیال کرنے سے بھی منع فرمادیا جس سے ثابت ہوا کہ وہ قتل تو ہوئے تھے اور ان پر موت واقع ہوئی۔ لیکن اس کے بعد ان کو اللہ تعالیٰ نے حیات عطا فرمادی ہے جب ان میں حیات ہے اور وہ زندہ ہیں تو ان کو مردہ کہنا اور سمجھنا بہرحال خلاف واقعہ اور ناجائز ہوگا۔

(۲) ایک مغالطہ اور اس کا جواب: منکرین حیات یہاں یہ جواب دیتے ہیں کہ ان کی روح زندہ ہے۔ اس لئے ان کو زندہ کہا گیا ہے۔ مگر جسم ان کے مردہ ہیں جو قبروں میں ہیں لیکن یہ ان کی غلط فہمی یا فریب دہی ہے۔ کیونکہ اس جہان کی موت کے بعد تو کسی کی روح مرتی نہیں اور کفار کی روحیں بھی زندہ رہتی ہیں پھر اس میں شہداء کی زندگی کی کیا تخصیص رہی علاوہ ازیں قابل فہم بات یہ ہے کہ ''من یقتل فی سبیل اللہ'' یعنی جو اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں وہ تو جسم ہی ہیں اور مقتولوں کے بارے میں ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''بل احیاء'' اس لئے ماننا پڑے گا کہ ان کے جسموں کو ہی اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی ہے۔

(۳) دوسرا مغالطہ اور اس کا جواب: منکرین حیات دوسرا مغالطہ یہ دیتے ہیں کہ سورۃ آل عمران کی آیت میں ہے ''عند ربھم'' (اپنے رب کے پاس) یعنی وہ عالم ارواح میں زندہ ہیں نہ کہ زمین کی قبروں میں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''عند ربھم'' کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اللہ کا خصوصی قرب نصیب ہو گیا ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کہ لکھا ہے وہ تو زندہ ہیں۔ اپنے رب کے مقرب ہیں اور قرب خداوندی کی وجہ سے ان کے اجسام پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور ان کو حیات عطا فرما دی ہے۔ نیز جو نعمت اس دنیا کے اسباب ظاہری سے بالاتر ہو کر اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں اس کو عند اللہ سے خصوصی طور پر تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے۔ ''ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقا فابتغوا عند اللہ الرزق واعبدوہ واشکروا لہ الیہ ترجعون'' (العنکبوت:۱۷)

تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو وہ تم کو کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے سو تم رزق خدا کے پاس تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اور تم کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

بے شک جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوا۔ مالک نہیں تمہاری روزی کے، سو تم ڈھونڈو اللہ کے ہاں روزی اور اس کی بندگی کرو اور اس کا حق مانو۔ اس کی طرف پھر جاؤ گے۔ (ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

آیت میں عند اللہ کے الفاظ ہیں تو کیا اللہ کے ہاں رزق کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے بندے عالم ارواح اور عالم برزخ میں بھی پہنچ کر رزق حاصل کریں۔ ہرگز نہیں یہ رزق اس دنیا میں ملے گا البتہ دینے والا وہی اللہ تعالیٰ ہے جو مسبب الاسباب ہے۔ وہ جب چاہے جہاں چاہے جتنا چاہے اپنے بندوں کو رزق عطا کر دیتا ہے۔

(۴) حضرت مریم علیہا السلام کے قصہ میں ہے کہ بند حجرے میں اللہ تعالیٰ ان کو بے موسمی پھل عطا فرما دیتا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے جب ان پھلوں کو دیکھا تو فرمایا: ''قال یامریم انی لک ھذا قالت ھو عند اللہ، ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب'' (آل عمران:۳۷) بولا اے مریم کہاں سے آیا مجھ کو یہ کہنے لگی یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے۔ اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے قیاس۔ (ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی)

(ب) جب کبھی زکریا علیہ السلام ان کے پاس عمدہ مکان میں تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ کھانے کی چیزیں پاتے (اور) یوں فرماتے کہ اے مریم علیہا السلام! یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے استحقاق رزق عطا فرماتے ہیں۔ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

کیا منکرین حیات یہاں بھی یہی کہیں گے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو (من عند اللہ) اللہ کے پاس سے جو رزق ملتا تھا وہ اس زمین پر حجرہ میں نہیں ملتا تھا۔ بلکہ وہ عالم برزخ میں جا کر رزق کھاتی تھیں۔ یہ ظاہر ہے یہ رزق اللہ کے ہاں سے ہی ملتا تھا اور ان کی جسمانی غذا کے طور پر ہی یہ رزق اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرماتے تھے تو اگر قبر میں شہیدوں کے جسموں کو ہی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے (عالم بالا کا) رزق نصیب فرمائیں تو اس کا انکار کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟

اصل حقیقت

موت کے بعد قیامت تک کے جہان کو عالم برزخ اور عالم قبر کہتے ہیں اور جس جہاں میں ہم رہتے ہیں یہ عالم شہادت ہے یہاں انسان کے حالات کو ہم ان ظاہری حواس سے جانتے ہیں۔ آنکھ سے دیکھتے ہیں اور کان سے سنتے ہیں۔ وغیرہ لیکن موت کے بعد انسان کے جسم کے حالات کو ہم ان حواس سے محسوس نہیں کر سکتے خواہ وہ جسم ہمارے سامنے ہی کیوں نہ ہو۔ نص قرآنی سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ شہید جسمانی طور پر زندہ ہیں۔ اس لئے ان کو مردہ کہنے اور سمجھنے سے منع فرما دیا۔ لیکن موت کے بعد جہاں کے بدلنے سے جسم کے احوال و آثار بدل جاتے ہیں۔ جو ان آنکھوں سے نظر نہیں آتے لیکن یہ ہماری آنکھوں کا قصور ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ولکن لاتشعرون'' لیکن تم شعور اور خبر نہیں رکھتے۔ اور گو ہم ان ظاہری حواس سے شہداء کے احوال کا شعور نہیں رکھتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم پر تو ہمارا ایمان ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں اس صریح اعلان کے مطابق کہ وہ احیاء (زندہ) ہیں۔ ہمارا عقیدہ و ایمان یہی ہونا چاہئے کہ وہ زندہ ہیں اگر ہم ان کو از روئے جسم اب بھی مردہ کہیں یا سمجھیں تو یہ قرآن مجید کی مخالفت ہو گی۔ عالم غیب کی باتوں کو بغیر دیکھے بذریعہ وحی ہی ماننا پڑتا ہے۔ اس لئے فرمایا ''یؤمنون بالغیب'' کہ متقین لوگ وہ ہیں جو بن دیکھے ایمان رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ شہداء کہ یہ جسمانی حیات روح کے تعلق سے ہی حاصل ہوتی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ قبر میں روح کا تعلق جسم کے ساتھ بالکل اسی طرح کا ہو جس طرح اس دنیا میں ہوتا ہے اس کی حقیقت وہ قادر و حکیم رب جانتا ہے۔ جس نے ان کو زندہ قرار دیا ہے۔

حیات انبیائے کرام علیہم السلام

قتل کے بعد شہداء کا زندہ ہونا (عالم برزخ کے احوال کے مطابق) تو قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے ثابت ہے جس کو اصطلاح میں عبارت النص کہتے ہیں اور چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام شہداء سے افضل ہیں اور اس امت کے شہیدوں کو یہ فضیلت حضور رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت و اطاعت سے ہی نصیب ہوئی ہے۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کو اپنی قبر شریف میں روضہ مقدسہ میں ان سے بہتر جسمانی حیات حاصل ہے اس کو اصطلاح دلالۃ النص کہتے ہیں۔ جب شہیدوں کو مردہ کہنے اور سمجھنے سے منع فرمایا اور ان کو واضح طور پر زندہ قرار دیا ہے تو بطریق اولیٰ انبیائے سابقین علیہم السلام کو اور خصوصاً امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو روضہ مقدسہ میں زندہ تسلیم کرنا پڑے گا اور پھر انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق تو یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان کے اجسام مبارکہ بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔

انبیائے کرام کے اجسام مطہرہ محفوظ ہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم و فیہ النفخۃ و فیہ الصعقہ

فاکثروا علی من الصلوۃ فیہ فان صلوتکم معروضۃ علیّ، قال قالوا یا رسول اللہ و کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء''

بے شک تمہارے دنوں میں افضل دن جمعہ کا ہے کہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اس میں آپ کی وفات ہوئی اور اسی میں نفحہ اولی ہوگا اور اسی میں صعقہ ہوگا۔ (یعنی دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا) پس تم اس دن میں مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کس طرح آپ پر ہمارا درود پیش کیا جائے گا جب کہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام حرام کر دیئے ہیں۔ (ابوداؤد شریف ج ا ص ۱۸۲)

محدثین کرام نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور منکرین حیات بھی اسی حدیث کی بنا پر آنحضرت ﷺ کے جسد مبارک کے قبر میں محفوظ ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ یہ لوگ جسد اطہر نبوی ﷺ میں حیات نہیں مانتے۔ حالانکہ یہی حدیث شریف نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر میں حیات کی ایک مستقل دلیل ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ عرض کیا تھا کہ جب آپ کا جسم مبارک بوسیدہ ہو جائے گا تو پھر ہمارا درود آپ ﷺ پر کیوں کر پیش کیا جائے گا۔ (کیونکہ ایک بے جان چیز پر درود شریف کا پیش کیا جانا ایک بے معنی بات ہے) تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس تصور کی نفی کرتے ہوئے رسول پاک ﷺ نے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے اجسام (مبارکہ) کو کھانا حرام کر دیا ہے۔ یعنی اجسام انبیاء محفوظ رہیں گے۔ مگر پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ عرض کیا کہ گو اجسام انبیاء محفوظ رہیں گے۔ مگر جب ان میں حیات نہیں ہوگی تو پھر درود کیسے پیش کیا جائے گا۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ارشاد نبوی ﷺ سے سمجھ گئے تھے کہ اجساد انبیاء محض بے جان محفوظ نہیں ہوں گے۔ بلکہ ان میں حیات بھی ہوگی۔ جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ پر قبر شریف میں بھی ہمارا درود شریف پیش ہوتا رہے گا۔ اور اگر اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے استفسار اور آں حضرت ﷺ کے جواب کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا۔ بہر حال آیت مبارکہ ''لاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیآء'' سے شہدائے اسلام کے لئے حیات جسمانی بطور عبارت النص اور انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات جسمانی بطور دلالۃ النص ثابت ہے۔ البتہ زیر بحث حدیث اور دوسری احادیث سے اس حیات کے آثار ونتائج کی کچھ تفصیل معلوم ہو جاتی ہے۔

آیت احیآء غیر اموات

اس اجماعی عقیدہ حیات النبی ﷺ (جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے) کے خلاف منکرین حیات قرآن مجید کی جو بھی ایسی آیات پیش کرتے ہیں جن میں موت اور توفی وغیرہ کے الفاظ مذکور ہیں تو ان میں سے کوئی آیت بھی حقیقتاً اس اجماعی عقیدہ کے خلاف نہیں اور ان میں سے بعض لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور بعض ضد وعناد میں گرفتار ہیں اور ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شہداء کو مردہ کہنے اور سمجھنے سے منع فرما دیا ہے (اور ان کے احیاء (زندہ) ہونے کی بذریعہ وحی خبر دے دی ہے تو پھر کوئی دوسری قرآنی آیت کیونکر اس کے خلاف ہو سکتی ہے۔ منکرین حیات ایک یہ آیت بھی پیش کیا کرتے ہیں ''والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون، اموات غیر احیآء وما یشعرون ایان یبعثون'' (النحل:۲۱)

اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور آپ پیدا ہوتے ہیں مردے ہیں جن میں جی نہیں۔ اور خبر نہیں رکھتے کب اٹھائے جائیں گے۔　　(ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ)

(ب) اور جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں۔ مردے ہیں زندہ نہیں اور ان کو خبر نہیں کہ مردے کب اٹھائے جائیں گے۔　　(ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

''اموات احیاء'' کی تفسیر میں حضرت تھانوی لکھتے ہیں۔ اور وہ (معبودین مردے (بے جان) ہیں (خواہ (دواماً جیسے بت یا فی الحال جیسے جو مر چکے یا فی الحال جو مریں گے مثلاً فرشتے اور جن اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرھم) زندہ (رہنے والے) نہیں (پس خالق تو کیا ہوتے اور ان (معبودین) کو (اتنی بھی) خبر نہیں کہ (قیامت میں) مردے کب اٹھائے جائیں گے الخ　　(بیان القرآن)

توضیح مطلب: آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں غیر اللہ کی عبادت کی نفی مقصود ہے اور پکارنے سے مراد یہاں وہی پکار ہے جس سے شرک لازم آتا ہے یعنی اللہ کے سوا دوسروں کو اس عقیدے سے پکارنا کہ وہ (مافوق الاسباب) دور و نزدیک سے ہر وقت ہر حال میں ان کی پکار سنتے ہیں اور ان کی حاجت روائی کی پوری قدرت ان کو حاصل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کے مافوق الاسباب علم اور قدرت دونوں کی نفی کر دی ہے کہ وہ تو خود مخلوق ہیں کسی کو پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور ان کا علم بھی محیط نہیں چنانچہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ قیامت کب آئے گی (۲) اس آیت کا موت کے بعد عالم برزخ میں ایک نوع کی جسمانی حیات اور قبر پر کسی کی آواز سننے یا نہ سننے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ انبیاء ہوں یا اولیاء وغیرہم سب مخلوق ہیں اور سب کے لئے موت مقدر ہے پھر وہ معبود کیونکر قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

(۳) اگر اموات (غیر احیاء) کا یہ مطلب ہے کہ وہ موت کے بعد اب قیامت تک مردہ ہیں اور ان میں کسی قسم کی کوئی حیات نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کے متعلق خود کہ کیوں فرمایا ہے کہ قتل ہونے کے بعد پھر وہ زندہ ہیں اور تم ان کو مردہ نہ کہو اور نہ ایسا گمان کرو۔ بہر حال جن کو یہاں صراحتاً بل احیاء فرمایا ہے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ سورۃ النحل میں کیونکر یہ اعلان فرماتے ہیں کہ وہ مرنے و قتل کے بعد قیامت تک مردہ ہیں اور ان میں کسی قسم کی کوئی حیات نہیں ہے۔

روح کے تعلق سے جسمانی حیات کی قسمیں

(۱) ماں کے پیٹ میں بھی بچہ زندہ رہتا ہے مگر وہ اس دنیوی خوراک کا محتاج نہیں ہے اور نہ وہ وہاں تھکتا ہے۔ (۲) اس دنیا میں روح کے تعلق سے انسان کی جسمانی حیات کی کیفیت اور ہوتی ہے کہ وہ دنیوی غذا کا محتاج ہے۔ (۳) موت کے بعد زمین کے پیٹ (قبر) میں بھی انبیاء و شہداء کو جسمانی حیات روح کے تعلق سے حاصل ہوتی ہے مگر وہاں کی کیفیت اور ہوتی ہے۔ (۴) جنت میں بھی اہل جنت کو روح کے تعلق سے جسمانی حیات حاصل ہوگی لیکن وہاں بیماری اور تھکاوٹ نہیں ہوگی اور نہ بول و براز کی حاجت ہوگی حالانکہ جنت کے پھلوں کی وہاں کثرت ہوگی مگر وہ جتنا بھی کھاتے رہیں گے نہ قبض کی شکایت ہوگی اور نہ درد کی اس سے معلوم ہوا کہ ہر حیات میں جسمانی حیات کی بھی کیفیات اور آثار جدا جدا ہوتے ہیں۔ ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ ''فتبارک اللہ احسن الخالقین''

حیات برزخی دنیوی حسّی کا مطلب

شہداء وانبیاء کی موت کے بعد جو حیات ہے وہ ہر لحاظ سے اس دنیا کی حیات نہیں ہے۔ جو موت سے پہلے اس دنیا میں تھی۔ اس لئے وہ قبر میں دنیوی رزق کے محتاج نہیں ہیں۔ اس دنیا کی حیات میں تو انبیاء وشہداء جسمانی طور پر تھک بھی جاتے ہیں۔ لیکن عالم برزخ میں ان کے لئے تھکاوٹ اور مرض وغیرہ عوارض لاحق نہیں ہوتے۔ جیسا کہ جنت میں انہی اجسام کو تھکاوٹ وغیرہ نہیں ہوگی۔ دنیوی حیات کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عالم برزخ کی حیات کا تعلق ان کے اسی جسم سے ہے جو دنیا میں تھا۔ نہ کہ ان کے علاوہ کسی اور جسم مثالی سے ان کی حیات کا تعلق ہے۔ اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کے جسم میں رکھ کر جنت کی سیر کرائی جاتی ہے۔ تو یہ ان کی جسمانی برزخی حیات کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ روح ان کی جہاں بھی ہو اس کا ان جسم کے جسم مبارک سے تعلق رہتا ہے۔ اور حیات حسّی کا مطلب ہی یہ نہیں کہ ان کی حیات برزخی جسمانی ہمارے ان حواس ظاہری سے بھی محسوس ہوتی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء وشہداء اپنی اپنی جسمانی برزخی حیات کو خود محسوس کرتے ہیں۔ اور انبیاء کرام اور خصوصا امام الانبیاء ﷺ آپ روضہ مقدسہ پر حاضر ہونے والوں کا درود وسلام وغیرہ خود سنتے ہیں۔ اور چونکہ عند القبر سماع انبیائے کرام علیہم السلام احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اس لئے اہل سنت والجماعت کے کسی مکتبہ فکر کے علماء نے اس کا انکار نہیں جیسا کی قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ﷫ قدس سرہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔'' (فتاوی رشیدیہ)

اور دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث (غیر مقلدین) اور سعودی یعنی نجدی علماء سب کا یہی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک کے پاس درود وسلام وغیرہ سنتے ہیں۔

توضیح عقیدہ حیات النبی ﷺ

حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب زید فضلہم نے اس رسالے میں اصل مسئلہ حیات النبی ﷺ کو مختصرا ثابت کر دیا ہے جس کا کوئی اہل حق انکار نہیں کر سکتا۔ چونکہ منکرین حیات کا عام طور پر یہی پراپیگنڈہ ہے کہ یہ عقیدہ حیات کے خلاف ہے اور وہ آیات موت پڑھ پڑھ کر ناواقف سنی مسلمانوں کو مرعوب کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے بندہ نے حضرت قاضی صاحب موصوف کے پیش کردہ مسلک حق کو توضیح وتفہیم کے لئے بعض آیات واحادیث کی تشریح کر کے منکرین حیات کے مغالطے کا ازالہ کر دیا ہے۔ (وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم)

اس مسئلہ کی تفصیلات کے لئے جن کتابوں کا مطالعہ مفید ہے ان کی حضرت قاضی صاحب نے نشاندہی کر دی ہے ان کے علاوہ حضرت مولانا علامہ سرفراز خان صاحب زید شرفہم شیخ الحدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کی تصنیف لطیف ''تسکین الصدور) کا مطالعہ بھی علماء حضرات اور تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے بہت مفید ہے۔ اس کتاب میں حضرت مولانا موصوف نے اہل حق کے دلائل وشواہد تفصیلا بیان کر دیئے ہیں اور منکرین کے شبہات واوہام کا بھی علمی اور تحقیقی انداز میں اچھی طرح ازالہ کر دیا ہے۔ (واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم) خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ

خطیب مدنی جامع مسجد چکوال وامیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان

۴ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ ۱۷ دسمبر ۱۹۸۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین فعال لما یرید والصلوۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین الذی ھو حی فی قبرہ یسمع[1] من امتہ صلوۃ من صلی علیہ وسلم من قریب وتبلغہ الملائکۃ السیاحون صلوۃ من صلی علیہ وسلم من بعید فیرد[2] علیہ السلام بنفسہ الکریمۃ ویصلی اللہ علیہ عشر الھا لھم من مزید

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ افضل صلوۃ واکمل سلام علی زعم من انکرۃ من عنید ومرید ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب لمن تشاء وترید لا منع لما اعطیت ولا معطی لم منعت وانک حمید مجید۔ اما بعد!

گزارش یہ ہے کہ ان سطور میں مختصر طور پر حیات النبی ﷺ سے متعلق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کرنا مقصود ہے تاکہ جو لوگ اہل سنت والجماعت (سنی مسلمان) رہنا چاہیں انہیں اہل سنت والجماعت (سنی مسلمانوں) کا اس مسئلہ میں عقیدہ مختصراً واضح طور پر معلوم ہوجاوے اور وہ اہل فتنہ کی غوغا آرائی سے متاثر نہ ہوں جو حضرات اس مسئلہ کی مکمل بحث کا شوق رکھتے ہیں۔ وہ اگر علماء حضرات ہیں تو انہیں انباء الاذکیا، شفاء الاسقام، زرقانی، المواہب اللدنیہ، آب حیات از حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور الروح از حضرت مولانا مفتی احمد سعید صاحب سرگودھا نیز مقام حیات از علامہ خالد محمود صاحب کا مطالعہ فرمائیں۔ حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کے رسالہ رحمت کائنات، حیات النبی از برکۃ العصر قطب زمان شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اور رسالہ عقائد علماء دیوبند سے تعلیم یافتہ حضرات اچھا استفادہ کرسکتے ہیں۔

ضد، پارٹی بازی، اور دین سے لاپرواہی رکھنے والوں کا نہ کوئی علاج ہے نہ ہی ان سے ہمیں کوئی سروکار

بز بپائے خویش ومیش بہ پائے خویش

عقیدہ کا معاملہ بڑا اہم ہے عقیدہ خراب ہو تو اعمال بے فائدہ اور بیکار رہتے ہیں" قال تعالی وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منثورا" (الفرقان: ۲۳) اور ہم اس روز ان کے یعنی کفار کے اپنے کاموں کی طرف جو کہ وہ (دنیا میں) کرچکے متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا بیکار کردیں گے جیسے پریشان غبار۔ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ) مطلب یہ ہے کہ کفار ہوں یا غیر کفار جو لوگ اپنے زعم میں کوئی نیک کام کرتے ہیں حالانکہ وہ دراصل خلاف شریعت ہوتا ہے تو قیامت کے دن کے اعمال ضائع ہوجائیں گے۔

---

[1] کما فی الحدیث الصحیح من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ"

(اخرجہ ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید کما فی فتح الباری جزء ۱۳ ص ۲۷۹)

[2] کما فی الحدیث ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام

(ابو داؤد ج ۱ ص ۲۷۱ قال الحافظ ابن الحجر رواتہ ثقات فتح الباری جزء ۱۳ ص ۲۷۹، عقیدۃ الاسلام ص ۵۲)

حیات النبی ﷺ کے متعلق سنی مسلمانوں کا عقیدہ

عقیدہ:(۱) آنحضرت ﷺ کا وصال[1] ہو چکا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو غسل دیا، کفن دیا اور حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں مرقد پاک کے سپرد کر دیا۔

دلیل: دلیل اس کی اجماع امت ہے قرآن پاک میں ایسی نہ کوئی آیت ہے اور نہ ہو سکتی ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ آنحضرت ﷺ کا وصال ہو چکا ہے اور نہ تمام ذخیرہ حدیث میں حضور پاک ﷺ کا ایسا کوئی ارشاد ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ میں وفات پا چکا ہوں بلکہ اس کی دلیل اجماع امت ہے جس کا منشاء صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے۔ "ان محمدا قدمات" ترجمہ، بے شک حضور اکرم ﷺ کا وصال ہو چکا ہے۔

عقیدہ:(۲) جسد اطہر مرقد مطہر میں "الآن کما کان" جیسا تھا اسی طرح محفوظ ہے اس میں ذرہ بھر تغیر نہ آیا ہے اور نہ آ سکتا ہے اس کی دلیل بھی اجماع امت ہے اور منشاء اس کا حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے "ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء" اللہ تعالیٰ نے زمین پر اجساد انبیاء علیہم السلام کو حرام کر دیا ہے (تنقیح الرواۃ ج ا ص ۲۱۴) میں ہے کہ حدیث صحیح ہے اور ابن حزم ظاہری کا طعن مردود ہے۔ (حاشیہ مقام حیات ص ۸۴، نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض رحمہ اللہ کے ج ا ص ۳۹۰، ۳۹۱) میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ سلف یعنی علماء متقدمین نے اس شخص کے کفر میں اختلاف کیا ہے جو یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک میں وصال کے بعد تغیر آ گیا تھا اور وکیع نامی شخص نے جب ایسی روایت بیان کی تو اسے حاکم مکہ مکرمہ کے سامنے پیش کیا گیا اس نے اس کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا کہ اسے حرم پاک کے باہر سولی پر لٹکا دو تا کہ لوگ عبرت پکڑیں۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اس کی سفارش کی کہ اسے قتل نہ کیا جائے (کیونکہ اس کا خیال تھا کہ یہ شخص توہین کے طور پر یہ بات نہیں کر رہا بلکہ کوئی تاویل کر رہا ہے) حاکم مکہ نے اس کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا لیکن پھر بھی وہ یعنی حاکم مکہ پشیمان ہوا (کہ یہ تو غلط راستہ کھل گیا بد دین لوگ حضور ﷺ کے متعلق توہین آمیز باتیں کرتے رہیں گے اور تاویلیں کر کے جان چھڑاتے رہیں گے) اسے معلوم ہوا کہ یہ شخص مدینہ منورہ زادھا اللہ عزا وشرفا جا رہا ہے تو اس نے یعنی حاکم مکہ مکرمہ نے وہاں کے لوگوں (حکام) کو لکھا کہ جب یہ شخص وکیع تمہارے پاس پہنچے تو اسے سنگسار کر کے قتل کر دو۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ فتویٰ اس زمانہ کے مفتی عبدالمجید بن ابی رواد رحمہ اللہ نے دیا تھا کہ اسے قتل کر دیا جائے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے پھر فرمایا اسے قتل کرنا حاکم پر واجب نہیں تھا گویا جواز قتل میں ان کا بھی اتفاق تھا۔ اختلاف تھا تو وجوب قتل میں تھا۔ (بوادر النوادر ص ۱۵۴ حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی رحمہ اللہ صاحب) میں بھی اس واقعہ کو نقل فرمایا گیا ہے۔

چونکہ مخالفین کو بھی حضور پر نور ﷺ کے وصال اور جسد اطہر کے محفوظ رہنے میں زیادہ اختلاف نہیں اس لئے ان دو عقیدوں کے متعلق ناقلین اجماع کے حوالہ جات پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عقیدہ:(۳): اہلسنت والجماعت یعنی سنی مسلمان جس طرح یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا

---

[1] جب اس میں نزاع ہی نہیں تو اس پر بار بار دلائل پیش کرنے کا مطلب عوام کو مرعوب کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

وصال ہو چکا ہے اور جس طرح وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ کا جسد اطہر ہر قسم کے تغیر سے مامون ومحفوظ ہے اسی طرح اہل سنت والجماعت کا یہ بھی اجماعی اور پکا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کے جسد اطہر کے ساتھ آپ ﷺ کی روح پاک کا ایسا اور اتنا مضبوط تعلق ہے کہ جو شخص روضہ پاک پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کرتا ہے تو آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور جو دور سے صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے تو اسے فرشتے آپ کے پاس پہنچا دیتے ہیں دونوں صورتوں میں آپ ﷺ سن کر جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

دلیل: دلیل اس عقیدہ کی بھی اجماع امت ہے جس کا منشاء آنحضرت ﷺ کی یہ دو حدیثیں ہیں۔

پہلی حدیث: (ابوداؤد شریف ج ا ص ۲۷۹) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں جو مسلمان بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح کو میرے اوپر لوٹا دیتے ہیں (مجھے متوجہ فرما دیتے ہیں) اور میں اس کے سلام جواب دیتا ہوں۔ (فتح الباری جزء ۱۳ ص ۲۷۹) شرح بخاری شریف میں ہے رواتہ ثقات اس روایت کے راوی ثقہ قابل اعتماد ہیں۔

اسی طرح (عقیدۃ الاسلام ص ۵۲) میں علامۃ العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی سند کو جید (کھری) فرمایا ہے۔

دوسری حدیث: آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس سلام پڑھتا ہے میں اسے سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے وہ پہنچایا جاتا ہے۔ (یعنی فرشتے پہنچاتے ہیں) (فتح الباری جزء ۱۳ ص ۲۷۹) میں ہے کہ ابو شیخ نے اس روایت کو جید (کھری) سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسے قبر متصلب بلکہ متشدد عالم نے بھی اس روایت کی تصدیق کی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ آپ ﷺ سنتے ہیں قریب سے سلام کرنے والے کا سلام اور آپ کو پہنچایا جاتا ہے دور سے سلام کرنے والے کا سلام۔ (مقام حیات ص ۷۷ بحوالہ رسائل ابن تیمیہ فی مناسک الحج)

بہر حال ان دو صحیح حدیثوں کی بناء پر اہل سنت والجماعت کے آئمہ کرام نے اس پر اتفاق اور اجماع کر لیا ہے کہ جو شخص روضہ پاک پر سلام عرض کرتا ہے حضور اکرم ﷺ خود سن کر جواب مرحمت فرماتے ہیں اور جو دور سے بھیجتا ہے وہ فرشتے پہنچا دیتے ہیں اور آپ ﷺ جواب عطا فرماتے ہیں۔

فیا حسن نبی مشفق ورحمۃ مہداۃ

ناقلین اجماع

ذیل میں اس عقیدہ پر اجماع نقل کرنے والوں کے چند اسماء گرامی بالترتیب ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱...... محدث زمان حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان درود شریف یا جہراً سلام ڈالے تو حضور اکرم ﷺ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ تو اہل سنت والجماعت کا متفقہ اور حق مسئلہ ہے۔ یہ آخری جملہ مقصود ہے کہ آپ نے اس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع نقل فرمایا ہے۔

۲...... قطب الزمان حضرت مولانا احمد علی لاہوری شیخ التفسیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبروں میں زندہ ہونا اہل سنت والجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے حضرت لاہوری نے بھی اجماع سے دلیل پکڑی ہے۔

۳...... فقیہ العصر اور محدث کبیر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں لکھتے ہیں۔ ''انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔'' (مراد اہل سنت والجماعت ہیں ورنہ فرقہ کرامیہ اور معتزلہ جو اہل سنت (سنی مسلمانوں) میں شمار نہیں وہ تو خلاف کرتے ہیں) مزار مبارک کے پاس استشفاع (طلب شفاعت) کر سکتے ہیں۔ کیونکہ بالاتفاق سنتے ہیں۔ دیکھئے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے بھی اس پر اجماع فرمادیا ہے کہ کسی کو خلاف نہیں اور بالاتفاق سنتے ہیں۔ (مقام حیات از علامہ خالد محمود کے آخر میں یہ تینوں حوالے موجود ہیں)

۴...... نواب قطب الدین خان دہلوی نے (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۷۳ مطبع نولکشور) میں لکھا ہے ''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔

۵...... شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ بزبان فارسی میں فرماتے ہیں۔ ''حیات انبیاء علیہم السلام متفق علیہ است ہیچ کس را دروی اختلاف نیست'' حیات جسمانی دنیوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی دیکھا آپ نے حضرت شیخ رحمہ اللہ نے بھی اس عقیدہ پر اجماع کو دلیل ٹھہرایا ہے۔

۶...... علامہ بدرالدین عینی حنفی شارح بخاری شریف تحریر فرماتے ہیں اہلسنت والجماعت کا مذہب یہی ہے کہ قبر میں حیات بھی ہے اور موت بھی (یعنی منکر ونکیر کے جواب کے لئے حیات پھر موت) تو ہر شخص کو دو موت چکھنے پڑیں گے مگر انبیاء علیہم السلام (یعنی ان کو قبر میں حیات کے بعد دوسری موت نہیں آئے گی)

۷...... چنانچہ علامہ عابد سندھی رحمہ اللہ (رسالہ مدینہ ص ۴۱) میں فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اس میں علماء میں سے کسی کا اختلاف نہیں پس آپ ﷺ حیات (زندہ) ہیں ہمیشہ کے لئے۔ (مقام حیات ص ۲۱۵)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ واللہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتیں نہیں چکھائے گا کے یہی معنی ہیں کہ یہ موت تو آگئی لیکن قبر میں حیات کے بعد آپ پر دوسری موت نہیں آئے گی تو جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد ''قد مات'' پر صحابہ کا اجماع ہوگیا تھا۔ ''لن یذیقک اللہ موتتین'' پر بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ثابت ہوگیا۔

بہرحال علامہ سندھی نے بھی اس عقیدہ پر اجماع کو نقل فرمایا ہے کہ مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام میں علماء (یعنی اہلسنت والجماعت) میں سے کسی کو اختلاف نہیں۔

۸...... علامہ سخاوی رحمہ اللہ جو علامہ ابن حجر رحمہ اللہ شارح بخاری کے تلمیذ خاص ہیں (القول البدیع ص ۱۲۵) میں فرماتے ہیں ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کے جسد مبارک کو زمین نہیں کھا سکتی اور اس پر اجماع ہے۔ دیکھا آپ نے علامہ سخاوی نے بھی اس عقیدہ پر اجماع کو نقل فرمایا ہے۔ (مقام حیات ص ۲۱۴)

ضروری وضاحت

یہ واضح رہے کہ کسی روایت کے مضمون پر اجماع ہوجانے کے بعد اس روایت کو جانچنے اور کھنگالنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کیونکہ اس کے مضمون پر اجماع کا ہوجانا خود اس کی دلیل ہے کہ اس کا مضمون واجب التسلیم والتعمیل ہے چاہے ان سلف کے نزدیک خود وہ روایت صحیح ہے اور چاہے اس لئے کہ اس کے شواہد اور مؤیدات ان کو مل چکے ہیں اور

چاہے اس لئے کہ ان کے نزدیک اس پر مضمون کی صحت پر دوسرے قرائن قطعیہ موجود تھے اور چاہے اس لئے کہ انہوں نے کسی اور روایت یا اشارات قرآنیہ کی وجہ سے اس مضمون کو صحیح سمجھا اور صرف کسی ایک نے نہیں بلکہ سب نے۔ جو صورت بھی ہو جب انہوں نے اس پر اجماع کر لیا ہے تو وہ مضمون صحیح ہو گیا۔ فرض کریں وہ روایت جو کسی راوی کی وجہ سے آپ کے زعم اور خیال میں کمزور اور ضعیف ہے تو بھی اصل مقصد میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اجماع بجائے خود دلائل شرعیہ میں سے ایک مستقل دلیل ہے جس سے حکم شرعی ثابت ہو سکتا ہے جس طرح کہ اگر کوئی حکم قرآن مجید میں مذکور نہ ہو لیکن صحیح احادیث سے وہ ثابت ہو چکا ہو تو اس کا ماننا ہر مسلمان پر فرض ہوگا۔ مثلاً تعداد رکعات یا مقادیر زکوۃ کہ قرآن مجید میں بالکل ان کا ذکر نہیں ہے لیکن جب صحیح احادیث سے یہ چیزیں ثابت ہو چکی ہیں تو اب ان کا ان کا ماننا ضروری ہو گیا اور کوئی منکر حدیث ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں یہ اس لئے نہیں مانتا کہ یہ قرآن پاک میں مذکور نہیں ہے ظاہر ہے کہ ایسا شخص نہ صرف اہل سنت والجماعت بلکہ دائرہ اسلام سے بھی خارج ہوگا کیونکہ آیت قرآنیہ "ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا" ترجمہ: جس چیز کا رسول حکم دے اس کو مانو اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔ اور اس قسم کی دوسری آیات نے آنحضرت ﷺ کے ہر حکم کا ماننا فرض قرار دے دیا ہے اسی طرح جب اس پر اتفاق ہے کہ اجماع دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے جس کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں ہر چھوٹے بڑے عالم کو معلوم ہے تو اگر بفرض محال یہ روایتیں ضعیف بھی ہوں یا فرض کریں کہ اس سلسلہ میں نہ کوئی آیت ہے اور نہ کوئی حدیث صحیح تو بھی جب اجماع امت مستقل دلیل ہے تو اب اجماع کے نقل کر دینے کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔ کیا اجماع امت شرعی دلیل نہیں ہے اگر ہے تو پھر اجماع کے ہوتے ہوئے کسی حدیث کا مطالبہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے کسی آیت قرآنیہ کو پیش کرنے کا مطالبہ کرنا اور جیسا کہ وہ مہمل اور متضمن انکار حدیث کو ہے ایسا ہی اجماع کے ہوتے ہوئے کسی حدیث یا آیت کا مطالبہ کرنا۔ مہمل اور انکار اجماع کو مستلزم ہے اور منکر اجماع کے متعلق حکم خداوندی ہے کہ "ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین" (اور جو شخص رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستے ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی) (ترجمہ حضرت تھانوی ﷫)

ہم اسے جہاں پھرنا چاہتا ہے پھیر دیں گے اور دوزخ میں داخل کر دیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

(النساء: ۱۱۵)

ایک وہم

کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ ڈال دیا جاتا ہے کہ حیات النبی ﷺ کا عقیدہ اور حضور اکرم ﷺ کا وصال کے بعد سننا اور جواب دینا "اموات غیر احیاء" یا اس قسم کی دوسری آیات کریمہ کے خلاف ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ امت کا اجماع قرآن پاک کے خلاف ہو گیا حالانکہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت ہرگز گمراہی پر اتفاق نہیں کرے گی۔ یہ بھی فرمایا کہ ہر دور میں حق کہنے والے باقی رہیں گے۔ حضور ﷺ تو فرمائیں کہ گمراہی پر اجماع نہ ہو سکے گا اور آپ کو یہ وہم ہو گیا کہ یہ اجماع قرآن مجید کے خلاف ہوا ہے

اب آپ خود ہی سوچیں کہ یہ رحمانی شبہ ہے یا شیطانی وہم اور وسوسہ۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ آیتیں تو سلف صالحین اور محدثین و مفسرین کرام کو بھی معلوم تھیں کیا کسی مفسر نے اس قسم کی آیات کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت بظاہر تو عقیدہ حیات النبی ﷺ کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے لیکن اس کی تطبیق یہ ہے یا یہ کہ معاذ اللہ چونکہ یہ آیتیں عقیدہ حیات النبی ﷺ کے مخالف ہیں اس لئے یہ عقیدہ ہی غلط ہے۔ کسی ایسی حدیث شریف کے تحت جس میں عقیدہ حیات النبی ﷺ کا ذکر ہوا گر کسی شارح حدیث نے یہ لکھا ہو کہ یہ روایت اموات غیر احیاء وغیرہ کے خلاف ہے یا کسی مفسر نے اس قسم کی آیات کریمہ کے ماتحت لکھا ہو کہ یہ آیت اس حدیث کی تردید کرتی ہے جس میں حیات النبی ﷺ اور سماع صلوۃ وسلام عند القبر کا ذکر ہے تو ہمیں مطلع فرمایا جائے ہم ممنون رہیں گے اور اگر ایسا کسی محدث یا مفسر نے نہیں لکھا اور آج پندرہویں صدی میں یہ بات آپ ہی کو سوجھی ہے تو پھر اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

سر خدا کہ عارف و زاہد بکس نہ گفت   در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

حاصل یہ ہے کہ جو شخص حضور اکرم ﷺ کے وصال کا منکر یا وصال کے بعد آپ کے جسد اطہر کی حفاظت کا انکار کرتا ہے یا روح مبارک کے جسم پاک کے ساتھ ایسے تعلق کا انکار کرتا ہے جس کے اثر سے آپ حاضرین کا سلام بلا واسطہ سنتے ہیں اور غائبین کا بواسطہ ملائکہ سن کر جواب دیتے ہیں۔ تو اہلسنت والجماعت یعنی سنی مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔

فتویٰ دارالعلوم دیوبند

اسی لئے دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم مولانا سید مہدی حسن صاحب نے ۱۳۷۶ھ میں اپنے فتویٰ میں لکھا ہے کہ بے شک آنحضرت ﷺ مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں آپ ﷺ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ ﷺ خود سنتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں... جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، غلط عقیدے والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے آگے لکھتے ہیں وہ بدعتی اور خارج از اہل سنت والجماعت ہے۔ (مقام حیات ص ۲۶۷)

اکابر دیوبند کا متفقہ مسلک

(مقام حیات ص ۲۷۳) میں ہے (آپ ﷺ اور سب انبیاء علیہم السلام) جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس میں جو درود پڑھا جاوے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔ الخ "واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل"

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	مدرسہ اسلامیہ عربیہ کراچی نمبر ۵
عبدالحق عفی عنہ	مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ
محمد رسول خان عفا اللہ عنہ	جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور
مفتی محمد صادق عفا اللہ عنہ	سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ بہاولپور

شمس الحق عفا اللہ عنہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان
مفتی محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دار العلوم کراچی

تعلیم القرآن راولپنڈی کا فتویٰ

اسی طرح جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے مرکزی ادارہ دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی کے مفتی اعظم مولانا عبدالرشید صاحب لکھتے ہیں۔

روضہ اطہر پر حاضری کے وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام خود سنتے ہیں جمہور امت اس پر متفق ہے اور سادات دیوبند کا عقیدہ بھی یہی ہے اس کا انکار جہالت ہے اور قائل پر کفر کا فتویٰ جاہلانہ جسارت ہے۔

ایسے شخص کی تقریر سننا گناہ ہے اہل ایمان پر لازم ہے کہ اپنا ایمان محفوظ رکھیں اور ایسی صحبت سے پرہیز کریں۔''ھذا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عبدالرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن
راجہ بازار راولپنڈی
۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ

یہ فتویٰ رسالہ حیات النبی ﷺ از برکۃ العصر قطب الاقطاب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ میں درج ہے۔''ھذا وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین''

❖❖❖

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (حدیث)

جامعہ حنفیہ لاہور کا خالص دینی تعلیمی اور تبلیغی رسالہ

ماہنامہ حنفیہ

(حیات النبی ﷺ نمبر)

زیر ادارت:

حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحلیم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

حیات النبی ﷺ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

جامعہ حنفیہ لاہور کا خالص دینی تعلیمی اور تبلیغی رسالہ

ماہنامہ

حنفیہ

زیر ادارت

حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحلیم صاحب قاسمی

مقام اشاعت

دفتر جامعہ حنفیہ ٹمپل روڈ، لاہور

فی پرچہ آٹھ آنے ——— سالانہ پانچ روپے

قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول ڈاک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

لاہور سے کسی زمانہ میں ماہنامہ حنفیہ شائع ہوتا تھا۔ مولانا عبدالحلیم قاسمی اس کے ایڈیٹر تھے۔ ٹیمپل روڈ اس کا دفتر ہوتا تھا۔ مولانا عبدالحلیم قاسمی کے دوسرے بھائی کا نام عبدالعلیم قاسمی تھا۔ دونوں حضرات کو قاسمی برادران کہا جاتا تھا۔ یہ دراصل وادی سون کے علاقہ کے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ لبرٹی مارکیٹ گلبرگ میں جامعہ حنفیہ کے نام سے مولانا عبدالحلیم قاسمی نے ادارہ بھی قائم کیا۔ ماہنامہ حنفیہ کی جلد ۱ شمارہ ۵، ۶ بابت ماہ جنوری، فروری ۱۹۶۰ء مطابق شعبان و رمضان ۱۳۷۹ھ کو انہوں نے "حیات النبی ﷺ نمبر" کے طور پر شائع کیا۔ اس کے ۵۶ صفحات تھے۔ یہ حضرات خوب مزاج کے تھے۔ جماعت اسلامی سے بھی راہ و رسم رکھا۔ اتحاد العلماء کو بھی مشرف کیا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی نے ان پر ایک مشہور عالم فقرہ کی پھبتی بھی کسی۔ یہ اس زمانہ کی باتیں ہیں جواب عنقاء ہو چکا۔ ہم ماہنامہ حنفیہ لاہور کے اس ماہنامہ کے حیات النبی ﷺ نمبر کو سوائے دو تین مضامین کے مکمل اس مجموعہ میں لے رہے ہیں۔ اس میں:

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کا مضمون "عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت"

(۲) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (الف) "المولد الفرسخی فی المولد البرزخی"

(ب) "حیات برزخی میں قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں"

(ت) "سرکار دو عالمؐ کے عالم برزخ میں تشریف رکھنے کے بعض احوال"

(۳) حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ "تحقیق حیات النبی فی قبرہ"

(۴) حضرت مولانا ظفر احمد عثانی رحمہ اللہ "وفات کے بعد حضور ﷺ کی حیات، شہداء کی حیات سے اکمل ہے"

(۵) حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ (الف) "مسئلہ حیات النبی کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ"

(ب) "مسئلہ حیات النبی ﷺ"

(۶) حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ "انبیاء کی حیات برزخی اقوی اور اکمل ہے"

(۷) مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ "حضور اقدس ﷺ کے وصل کا ذکر"

سات حضرات کے دس مضامین کو ہم نے اس مجموعہ میں لیا ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ حنفیہ کا حیات النبی ﷺ نمبر

جذبات واحساسات

مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کا صحیح طریق یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن مجید کو دیکھا جائے اور حتی المقدور سعی کی جائے کہ اس سلسلہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد کیا ہے۔

اگر صراحتاً قرآن مجید میں مسئلہ کا حل معلوم نہ ہو سکے تو پھر سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ اس بارے میں حضور سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کا ارشاد گرامی کیا ہے اور آپ کا عمل مبارک کیا تھا۔ اگر احادیث صحیحہ میں بھی صراحت نہ ملے تو فقہاء عظام کی تصریحات کو دیکھا جائے کہ ائمہ عظام نے اس سلسلہ میں کیا تحقیق کی ہے۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کے بارے میں قرآن مجید یا احادیث میں صراحت موجود نہ ہو۔ حضور سرکار دو عالم ﷺ کا اس دار فنا سے دار بقاء کی طرف رخصت صراحتاً تسلیم ہے۔ جب مسئلہ بالکل واضح اور روز روشن کی طرح درخشاں ہے تو پھر اختلاف کیوں ہے؟ یہ ایک سوال جس کے حل کرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید میں دو قسم کی آیتیں ہیں: محکم اور متشابہات۔ محکم آیات کے بارے میں ارشاد ہے: ''ھن ام الکتاب'' کہ یہ قرآن مجید کی فیصلہ کن اور مرکزیت کی حامل آیتیں ہیں۔ مسائل کا حل انہی واضح اور روشن آیات سے کیا جائے۔ صحابہ کرام، ائمہ عظام اور علماء حق کا ہمیشہ یہ شیوہ رہا ہے کہ پیش آمدہ مسائل میں قرآن مجید کی واضح آیات سے استدلال پکڑتے، خود بھی اس کی پیروی کرتے اور دوسروں کو بھی پابند بناتے۔ لیکن ایک طبقہ ہر دور میں ایسا گزرا ہے کہ وہ واضح احکامات اور آیات سے روگردانی کر کے متشابہات کو استدلال میں پیش کر کے خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہی کے راستہ پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔

اسلامی تاریخ میں جتنے گمراہ فرقے اٹھے سب نے محکم آیات کو چھوڑ کر متشابہات کو آڑ بنایا اور عوام کے سامنے متشابہات کو پیش کر کے امت مرحومہ میں افتراق و انتشار پیدا کیا۔ اہل ہوا اور اہل بدعت کا یہ ہمیشہ دستور رہا ہے کہ وہ روشن دلائل کو چھوڑ کر متشابہات کو بطور ڈھال استعمال کرتے ہیں۔ آپ کسی گمراہ فرقہ کے علمبردار سے بات کریں، وہ آپ کے سامنے اسی قسم کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائیں گے۔ بزرگوں کے خواب اور اقوال سند کے طور پر پیش کریں گے اور مکاشفات کو دلیل بنائیں گے۔ یہ ان کی گمراہی کی بیّن دلیل ہے۔

حضور سرکار دو عالم ﷺ سے ذخیرہ احادیث جو ہمیں ورثہ میں ملا ہے۔ اس میں بھی بعض احادیث متشابہات میں سے ہیں جن کی تاویل اور توجیہ کرنا ضروری ہے۔ عقائد و اعمال میں واضح احادیث کو راہ نما بنایا جائے۔ یہ اہل بدعت اور اہل ہوا کا طریقہ ہے کہ ضعیف روایات اور موضوع احادیث کو عوام کے سامنے پیش کر کے خبث باطنی کا اظہار کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہا منہ ابتغاء الفتنۃ و ابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ'' (آل عمران)

مسئلہ حیات النبی کے سلسلہ میں بھی بعض نے یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے جس کی وجہ سے عوام میں خلفشار نظر آتا ہے۔ الحمد للہ ہمارے اکابر نے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ کو بھی نہایت واضح دلائل سے مزین فرما کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے تا کہ کسی کو کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ ہم نے نہایت ہی حزم احتیاط سے اپنے اکابرین کے خیالات نقل کر دیئے ہیں تا کہ مسئلہ میں کسی قسم کی الجھن باقی نہ رہے اور مضامین کے انتخاب میں ان حضرات کو پیش کیا ہے جو سب کے ہاں مسلّم ہیں۔

شروع میں مؤرخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا بلند پایہ مضمون ہے جو عالم برزخ کی وضاحت پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد حکیم الامت محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین ہیں جو عوام وخواص کے لئے تسکین قلب کا باعث ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ اس سلسلہ میں شریک اشاعت ہے۔۔۔۔۔

علاوہ ازیں دیگر حضرات کے مضامین بھی نہایت مدلل اور پر مغز ہیں۔ آخر میں ہم ان سب حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے باوجود کثرت مشاغل کے نہایت محبت اور شفقت سے راہ نمائی فرمائی ہے۔ خاص طور پر شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوری سابقہ صدر المدرسین مظاہر علوم سہارن پور، استاذ العلماء حضرت مولانا محمد چراغ صاحب (جامع عرف شذی)، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری۔ رفع نزاع کے لئے یہ ادنی کوشش ہے اگر بارگاہ صمدی میں شرف قبولیت پاسکے تو فلاں دارین کا ذریعہ ہے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب!

محمد عبدالحلیم قاسمی

۲۰ رجنوری ۱۹۷۰ء

عالم دنیا......عالم برزخ......عالم آخرت

از مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ان تینوں عالموں میں جو فرق ہے وہ یہ کہ اس موجودہ دنیا میں جسم (مادہ) نمایاں اور روح پوشیدہ ہے اور روح کو جو کچھ شدت وتکلیف یہاں پہنچتی ہے وہ صرف اس کے مادی جسم کے واسطے سے پہنچتی ہے ورنہ در حقیقت اس کی براہ راست راحت ولذت کا رس مادی دنیا میں کوئی امکان نہیں۔ دوسرے عالم میں جس کو برزخ کہا گیا ہے۔ روح نمایاں ہوگی اور جسم چھپ جائے گا۔ وہاں جو راحت وتکلیف پہنچے گی وہ دراصل روح کو پہنچے گی اور جسم اس کی معیت میں ضمناً اس سے متاثر ہوگا۔ لیکن اس تیسرے عالم میں جہاں سے حقیقی اور غیر فانی زندگی شروع ہوتی ہے روح اور جسم دونوں نمایاں ہوں گے اور دونوں کی لذت وتکلیف کے مظاہر بالکل الگ الگ ہوں گے۔

عالم برزخ

برزخ کا لفظ قرآن پاک میں تین جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس سے دو چیزوں کے درمیان کا پردہ حاجب اور حائل مراد ہے۔ چنانچہ سورہ رحمن میں دو دریاؤں کا ذکر جن میں ایک میٹھا اور دوسرا کھاری ہے اور اس کے بیچ میں ایک ایک پردہ حائل ہے جو ان کو آپس میں ملنے نہیں دیتا ''بینھما برزخ لا یبغیان'' ان دونوں کے بیچ میں ایک پردہ ہے جس سے ایک دوسرے پر بڑھ کر نہیں جاتا۔

اس عجیب وغریب بحری منظر کا ذکر سورۂ فرقان میں ہے اور وہاں بھی یہی لفظ واقع ہے" وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات و ھذا ملح اجاج و جعل بینھما برزخا و حجرا محجورا" (فرقان)

(اور اس نے دو دریاؤں کو ملا کے چلایا، یہ میٹھا اور پیاس بجھاتا ہے اور وہ کھاری کڑوا ہے اور اس کے بیچ میں ایک پردہ اور روکی ہوئی اوٹ بنائی ہے)

اسی بناء پر موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل اور حاجب ہے اس کا نام برزخ ہے۔ سورۂ مؤمنون میں نزع کے وقت کے بیان میں ہے کہ" ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون" (مومنون)

(اور ان مرنے والوں کے پیچھے ایک پردہ ہے اس دن تک جب کہ وہ قیامت میں اٹھائے جائیں گے)

عربوں بلکہ کل ساری قوموں کے رسم ورواج اور مشاہدات کی بناء پر اسی درمیانی منزل (برزخ) کا نام قبر ہے، خواہ وہ خاک کے اندر ہو، یا قعر دریا میں، یا کسی درندو پرند کے پیٹ میں۔ اسی لئے فرمایا:" وان اللہ یبعث من فی القبور" (الحج:) (بلا شبہ اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا)

اب ظاہر ہے کہ یہ بعث صرف انہیں مردوں کے لئے مخصوص نہیں جو تودۂ خاک کے اندر دفن ہوں بلکہ سب کے لئے ہے۔ خواہ کسی حالت میں اور کسی عالم میں ہو۔ اس لئے قبر سے مقصود صرف وہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد جسم خاکی نے جگہ حاصل کی۔ (سیرۃ النبی ﷺ ج ۴ ص ۶۳۶ تا ۶۳۸)

احادیث میں ہے کہ قبر میں سوال وجواب کے بعد نیکو کاروں سے کہا جاتا ہے کہ" نم کنومۃ العروس" کہ دلہن کی نیند سو جاؤ۔ جس کو وہی جگاتا ہے جو اسے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ یہاں تک کہ خدا اس کو اس خواب گاہ سے اٹھائے گا۔ ان شواہد سے ظاہر ہے کہ برزخ کی زندگی جس میں روح جسم سے الگ ہوتی ہے۔ روح کی ایک طویل وعمیق نیند کے مشابہ ہے۔ (سیرت النبی ﷺ ج ۴ ص ۶۴۲)

عالم برزخ میں ارواح کا مسکن

آخری سوال یہ ہے کہ موت اور قیامت کی اس بیچ کی منزل (برزخ) میں ارواح انسانی کا مسکن کہاں ہوگا۔ قرآن پاک میں اس کا جواب متعدد آیتوں سے ملتا ہے۔ سب سے پہلی آیت تو ان مذکورہ آیات کے بعد ہے جس میں ذکر ہے کہ فرشتے جب منکرین سے سوال وجواب کر چکیں گے تو خدا ان کی روح کو حکم دے گا کہ وہ ساتھیوں کے ساتھ عذاب کی آگ میں داخل ہو جائیں۔ اس کے بعد ہے:" ان الذین کذبوا بآیتنا واستکبروا عنھا لا تفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط" (اعراف:)

(بے شک جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے ماننے سے غرور کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ آیت الٰہی کے منکروں اور جھٹلانے والوں کی روحیں مرنے کے بعد آسمانی بادشاہی کے حدود میں قدم نہ رکھ سکیں گی اور وہ فضا زمین میں آوارہ پھریں گی یا اپنے خاکی جسموں کے لگاؤ سے جہاں وہ سپرد خاک ہیں منڈلاتی رہیں گی اور وہیں سے دوزخ کا منظر دیکھیں گی اور تکلیف اٹھائیں گی۔ اس کے برخلاف ہمہ تن پاکباز مومن روح کا یہ حال ہوتا ہے کہ موت ہی کے وقت رحمت الٰہی کا فرشتہ بلکہ خود زبان رحمت اس کے کانوں

میں یہ صدا دیتی ہے: "یاایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" (اے مطمئن روح اپنے پروردگار کے پاس چلی جا تیرا پروردگار تجھ سے خوش تو میرے بندوں میں شامل اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔) (فجر)

اس سے بڑھ کر وہ پاکباز روحیں ہیں جنھوں نے اپنے خاکی جسموں، فانی زندگیوں، مادی خوشیوں اور زوال پذیر عشرتوں کو خدا کی راہ پر قربان کیا تو ان کو خدا کی طرف سے ایک تمثالی جسم غیر فانی زندگی اور روحانی عیش وعشرت کی لازوال دولت اسی وقت عنایت کردی جاتی ہے۔فرمایا: "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون" (جو خدا کی راہ میں مارے جائیں ان کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں کر سکتے) (بقرہ:۱۱۹)

یہ پُر مسرت زندگی شہداء کو ملے گی اس زندگی کا مقام خدا کے پاس بتایا گیا ہے۔

"بل احیاء عند ربھم یرزقون" (بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں) (آل عمران)

احادیث صحیحہ میں ہے کہ ان زندہ شہیدوں کی روحیں قفس عنصری سے پرواز کرکے جب اڑتی ہیں تو وہ سبز پرندوں کی صورت میں جنت کی سیر کرتی ہیں اور عرش الٰہی کی قندیلیں ان کا نشیمن بنتی ہیں۔اس کے بعد غالباً اتنا عقل تسلیم کرے گا کہ انبیاء علیہم السلام کے روحانی مدارج ومراتب شہداء سے بہرحال اعلیٰ اور برتر ہیں۔ان کا مقام بھی اسی احاطہ قدس کے اندر ہوگا۔اسی لئے آنحضرت ﷺ نے سیر معراج اور اپنے رویاء صادقہ میں بعض پیغمبروں کو آسمان اور بہشت کے مختلف مدارج میں دیکھا ہے۔ (سیرۃ النبی ﷺ ج ۴ ص ۶۷۴ تا ۶۷۷)

المورد الفرشی فی المولد البرزخی

از حکیم الامت حضرت شاہ محمد اشرف علی رحمہ اللہ

یہ وعظ ۷ ربیع الاوّل ۱۳۴۴ھ بروز شنبہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں کرسی پر بیٹھ کر ۳ گھنٹے پچاس منٹ ہوا اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے ضبط کیا۔مضمون وعظ یہ ہے کہ اس میں "یہ ثابت کیا ہے کہ ولادت کی دو قسمیں ہیں: ایک ناسوتی اور ایک ملکوتی جس کو وفات کہا جاتا ہے۔وہ ولادت ملکوتی ہے جو ناسوتی سے افضل ہے اور جس طرح حضور ﷺ کی ولادت ناسوتیہ کے حالات وفضائل وکمال بیان کئے جاتے ہیں۔اسی طرح ولادت ملکوتیہ کے کمالات بھی بیان کرنے چاہئیں۔" اس وعظ میں سے چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔جس سے اندازہ ہوگا کہ مسئلہ "حیات النبی ﷺ" کے بارے میں حضرت حکیم الامت کا نظریہ کیا تھا اور حیات انبیاء کرام علیہم السلام کی حقیقت کیا سمجھ رہے تھے۔

۱...... ولادت کی ایک حقیقت صوریہ ہے اور ایک حقیقت معنویہ۔حقیقت صوریہ تو یہ ہے ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوا اور لغوی حقیقت بھی ولادت کی یہی ہے اور حقیقت معنویہ جو کہ ولادت صوریہ کی طرح ہے۔یہ ہے کہ وہ ابتداء ہے حیات کی اور چونکہ حیات برزخیہ بھی ایک حیات ہے تو اس کی ابتداء بھی اس میں معناً داخل ہوگی اور اس کی ابتداء ہے وفات تو اس بنا پر وفات بھی ولادت ہے اور اس کو وفات کہنا ولادت صوریہ کے اعتبار سے ہے۔یعنی جس حیات کی ابتداء ولادت صوریہ سے ہوئی تھی۔اس وقت اس کا انقطاع ہو جاتا ہے۔لیکن دوسری حیات کے اعتبار سے یہ بھی ولادت ہوگی۔جیسا اوپر مذکور ہوا تو وفات میں دو حیثیتیں ہوئیں۔ایک یہ ختمی ہے۔ایک حیات کا اور وہ حیات ناسوتیہ ہے۔اس حیثیت سے وہ بے شک واقعہ غم ہے۔بعض عشاق کے اس ولادت کے ذکر میں وفات کا ذکر نہ کرے اور طبعاً

اس کا یہی اثر بھی ہے کہ وہ موجب غم ہے۔ چنانچہ یہ اثر عقلاء میں بھی ہوتا ہے۔ حتی کہ حضرات صحابہ جیسے مستقل اور حکیم اور عارف جماعت پر بھی ہوا۔ چنانچہ احادیث میں ایسے ایسے غم کے قصے مذکور ہیں جن کی نظیر نہیں۔ مگر ساتھ ہی خلاف صبر ان کا ایک قول یا فعل بھی منقول نہیں۔ بس ایک حیثیت تو وفات میں یہ ہے اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ مبدأ ہے ایک حیات کا اور حیات ملکوتیہ ہے اور حیثیت سے وہ بھی معناً ولادت میں داخل کر کے اور اس کا ذکر عین ذکر ولادت ہے۔ اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ یہ ولادت ملکوتیہ ولادت ناسوتیہ سے اہم و اعظم ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے بھی اور آثار کے اعتبار سے بھی۔ حقیقت کے اعتبار سے تو اس لئے کہ جس حیات کی یہ ابتداء ہے یعنی حیات ملکوتیہ وہ بہ نسبت اس حیات کے جس کی وہ ولادت ابتداء ہے۔ یعنی حیات ناسوتیہ اقوی و اتم و اصفی و اکمل ہے۔ الخ (ص ۳۵، ۳۶)

۲...... غرض حیات ملکوتیہ حیات ناسوتیہ سے دوام بھی ہے اور اتم بھی اور اقوم بھی اور افضل بھی ہے اور اکمل بھی ہے اور اجمل بھی اور اجلی بھی ہے اور اقوی بھی اور اصفی بھی ہے اور ازکی بھی اور اسنی بھی، انفع بھی ہے اور ارفع بھی اعلی بھی ہے اور اشہی بھی اور انمی بھی۔ جی چاہتا ہے کہ بیس تیس قافیے کہہ ڈالوں، جو شاید سوچنے سے نکل بھی آئیں۔ مگر اس وقت مجھے مولانا کا قول یاد آ گیا:

قافیہ اندیشم و دلدار من گویدم مندیش خبر دیدار من

۳...... جب حیات ملکوتیہ حیات ناسوتیہ سے اعظم ہے تو ولادت ملکوتیہ یعنی حیات ملکوتیہ کی ابتداء کہ سفر آخرت یا وفات ہے۔ ولادت ناسوتیہ یعنی حیات ناسوتیہ کی ابتداء ہے کہ ولادت متعارفہ ہے۔ نیز اہم و اعظم ہوگی اور اس سے زیادہ قابل ذکر ہوگی۔ پھر جب حضور ﷺ کی ولادت ناسوتیہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ کی ولادت ملکوتیہ کا (گو اس کا لغوی نام وفات ہی ہو) کیوں نہ ذکر کیا جائے۔ بہر حال میں نے حضور ﷺ کے سفر آخرت کا ذکر اس حیثیت سے ذکر نہیں کیا کہ سفر آخرت ہے بلکہ اس حیثیت سے اختیار کیا ہے وہ بھی حضور ﷺ کی ایک حیات کا ذکر ہے۔ پس جیسا حیات ناسوتیہ کا ذکر مولد ہے۔ اسی طرح وسعت ملکوتیہ کا ذکر بھی مولد ہی ہے۔ (ص ۴۸)

۴...... اور رنج میں صرف مفارقت دائم کا مؤثر ہونا اور موت کا مؤثر نہ ہونا اس سے بھی متاید ہوتا ہے کہ جب حضور ﷺ کا سچ مچ وصال ہو گیا اور منافقوں اور بددینوں میں کھچڑی پکنے لگی اور وہ باہم چپکے چپکے خوشیاں منانے لگے تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار نکال کر سب کو دھمکایا کہ خبردار! کوئی شخص زبان سے یہ لفظ نہ نکالے کہ حضور کی وفات ہو گئی۔ بلکہ آپ پر غشی طاری ہو گئی ہے اور درگاہ قرب میں روحانی طور پر تشریف لے گئے ہیں۔ ابھی واپس آ کر منافقوں کو قتل کر دیں گے۔ حضور ﷺ کی وفات ابھی نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اسلام کی تکمیل نہ ہو جائے۔ یہ کوئی بات نہیں تھی۔ جیسا کہ اہل ظاہر کا خیال ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال ہی یہ تھا کہ یہ حالت جو حضور ﷺ پر طاری ہے موت نہیں ہے بلکہ آپ کو معراج روحانی ہوئی ہے۔ اگر ان کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ حالت موت ہے تو ان کو اپنے ہوش نہ رہتے۔ چہ جائے کہ ایسی اور تدابیر سوچتے۔ چنانچہ جس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ حضور کا وصال ہو چکا تو اس وقت ان سے بھی کھڑا نہ ہوا گیا۔ قدم لڑکھڑا گئے اور سکتے کی حالت میں آ گئے۔ (ص ۶۲)

۵...... غرض جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خیال رہا کہ آپ کو معراج روحانی ہوئی ہے اس وقت تک سنبھلے رہے نہ رونا آیا نہ رنج و فکر ہوا۔ بلکہ دلیری کے ساتھ منافقوں کو دھمکاتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو

اس حالت کی اطلاع ہوئی تو وہ اس حالت میں اپنے گھر میں تھے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جلدی سے تشریف لائے تو مسجد میں صحابہ کو حیران و پریشان اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ خبردار! حضور ﷺ کی نسبت وفات کا لفظ کسی کی زبان سے نہ نکلنے پائے ورنہ اس تلوار سے دو ٹکڑے کر دوں گا۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی بات پر التفات نہ کیا اور سیدھے حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں تشریف لے گئے اور حضور ﷺ کے چہرہ اطہر سے چادر مبارک کھول کر حضور کو دیکھا تو دیکھتے ہی یقین ہو گیا۔ اس وقت سب سے زیادہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ مضبوط رہے کہ وفات کا یقین ہو جانے کے بعد اتنا تو منہ سے نکلا: واخلیلاہ واحبیباہ طبت حیاً ومیتاً واللہ لا یجمعن اللہ علیک موتتین ابداً اما الموتۃ التی کتب اللہ علیک فقد متھا۔ اس کے بعد نہایت ضبط کے ساتھ حجرہ سے باہر آئے۔ اس وقت صحابہ کی عجیب حالت تھی کہ سب کے سب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے منہ کو تکتے تھے کہ دیکھئے ان کے منہ سے کیا نکلتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اول تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پکار کر فرمایا علی رجلک یار جل اے شخص ٹھہر جا۔ خاموش ہو جا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ خاموش نہ ہوئے تو حضرت صدیق سیدھے ممبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھا۔ اس وقت سب صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے تو آپ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا:

"اما بعد! فمن کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افئن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً۔ وسیجزی اللہ الشاکرین وانک میت وانھم میتون ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون"

یعنی جو رسول اللہ ﷺ کو معبود سمجھتا ہو، وہ سن لے کہ حضور ﷺ کا تو وصال ہو چکا اور جو خدا کی عبادت کرتا ہو اور یہی سمجھ کر اسلام لایا ہو) تو اللہ تعالیٰ زندہ ہیں وہ کبھی نہ مریں گے۔ اس میں جتلا دیا کہ تکمیل اسلام کے لئے اللہ تعالیٰ کا حی لا یموت ہونا کافی ہے۔ حضور ﷺ کے زندہ رہنے کی ضرورت نہیں۔

بس یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالکل ٹھنڈے ہو گئے اور اب اتنی بھی طاقت نہ رہی کہ کھڑے ہو سکیں۔ ایک آہ بھر کر تلوار کے سہارے سے بیٹھ گئے۔ سو بتلایئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ صدمہ پہلے کیوں نہ ہوا۔ حالاں کہ معراج روحانی میں مفارقت روحانی موجود تھی اور وہ بالکل مشابہ موت کے تھی۔ اب کیوں صدمہ ہوا تو ثابت یہ ہے کہ پہلے تو یہ خیال تھا کہ مفارقت دائمہ نہیں تھوڑی دیر کی ہے۔ ابھی حضور ﷺ تشریف لے آئیں گے اور اب یقین ہو گیا کہ اصل سبب رنج کا موت نہیں بلکہ مفارقت دائمہ ہے۔ (ص ۶۳ تا ۶۵)

۶...... صحابہ کو رنج اس کا تھا کہ حضور ہم سے جدا ہو گئے اور آپ کی برکات ہم سے منقطع ہو گئیں۔ چنانچہ مسلم میں ہے۔ ایک بار حضرت شیخین حضور کے وصال کے قریب ہی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کو گئے جو رسول اللہ ﷺ کی کھلانے والی، پالنے والی تھیں۔ حضور ﷺ بھی ان کے ملنے کو گاہے گاہے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس سنت کے مطابق حضرات شیخین رضی اللہ عنہما بھی تشریف لے گئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو یاد کر کے رونے لگیں۔ حضرات شیخین نے فرمایا اے ام ایمن! کیوں روتی ہو؟ کیا تم کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کے پاس نعمتیں حضور ﷺ کے لئے (دنیا سے)

بہتر ہیں (یہ فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں اپنے فرمان سے بتلا رہا ہے) کہ یہ صحابہ کے نزدیک اولیات و مسلمات میں سے تھا۔ اس پر انہوں نے فرمایا یہ تو میں بھی جانتی ہوں: "ولکن الوحی انقطع عنا"۔ لیکن حضور ﷺ کے تشریف لے جانے سے نزول وحی منقطع ہو گیا۔ اس لئے روتی ہوں کہ رنج اس کا ہے کہ ہم حضور سے جدا ہو گئے یا حضور ہم سے جدا ہو گئے اور وہ برکات نبوت منقطع ہو گئیں۔ "فبکی لذالک الشیخان" یہ سن کر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما بھی رونے لگے۔

یہاں اہل ظاہر کو شبہ ہوگا کہ یہ حضرات کیوں رونے لگے؟ یا تو ان کو بھی رونے سے منع کرتے تھے یا خود بھی رونے لگے۔ صاحبو! یہ رونا بھی ان کے محقق ہونے کی دلیل ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم عارف تھے اور عارف بھی کامل اور عارف کامل کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا حق ادا کرتا ہے۔ عقل کا بھی، طبع کا بھی تو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما نے اوّل عقل کا حق ادا کیا کہ عقلاً عاشق کو محبوب کے لئے وہی بات پسند کرنا چاہئے جس کو محبوب خود پسند کرتا ہے اور حضور ﷺ کو آخرت ہی محبوب تھی۔ چنانچہ حدیث متفق علیہ میں ہے کہ وصال سے پہلے حضور ﷺ نے ایک بار فرمایا:

"ان اللہ خیر عبدا بین الدنیا وبین ما عندہ واختار ما عنداللہ فبکی ابوبکر وقال فداک بآبائنا وامہاتنا یا رسول اللہ" یعنی حق تعالیٰ نے بندے کو اختیار دیا ہے کہ چاہے دنیا میں رہے یا خدا کے پاس جائیں تو اس بندہ نے خدا تعالیٰ کے پاس جانا پسند کیا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا مطلب نہ سمجھے۔ یہ خیال کیا کہ حضور ﷺ کسی اور شخص کا قصہ بیان فرما رہے ہیں۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ حضور اپنا ہی واقعہ بیان فرما رہے تھا۔ وہ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اس قصہ میں فرماتے ہیں "فکان ابوبکر اعلمنا" ابوبکر ہم میں سب سے زیادہ عالم تھے کہ وہ مطلب سمجھ گئے۔ اس سے صراحۃً معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو آخرت پسند تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں۔ جن میں اور مصرح ہے۔ چنانچہ بیہقی کی حدیث میں ہے کہ جس وقت وصال کا وقت قریب آیا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام ملک الموت نے عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ بغیر آپ کی اجازت کے کچھ نہ کروں "فنظر الی جبرائیل فقال یا محمد ان اللہ قد اشتاق الی لقائک فقال اقض لما امرت بہ" یعنی اس وقت حضور ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف نظر کی کہ بتلاؤ میں کون سی حالت اختیار کرو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ حق تعالیٰ آپ کے ملنے کے مشتاق ہیں۔ اس کے معنی میں بیہقی نے کہا ہے: "قد اراد لقائک بان یردک من دنیاک الی معادک زیادۃ فی قربک وکرامتک" تو آپ نے فرمایا بسم اللہ! اے عزرائیل اپنا کام شروع کرو کہ مجھے بھی اپنے پروردگار کے لقاء کا اشتیاق ہے۔ نیز عین وصال کے وقت آپ یہ فرما رہے تھے "اللہم الرفیق الاعلی" (رواہ الشیخان) اور یہ بھی فرما رہے تھے "مع الذین انعمت علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین" (رواہ الشیخان) یعنی اے اللہ میں رفیق اعلیٰ کو تلاش کرتا ہوں۔ جہاں ان لوگوں کا ساتھ ہوگا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میں نے سمجھ لیا کہ حضور ﷺ کو اس وقت اختیار دیا گیا تھا اور آپ نے رفیق اعلیٰ کو پسند فرمایا "فاذا لا یختارنا" (رواہ الشیخان) پس ہمارے پاس رہنا آپ کو منظور نہیں ہے۔ یہاں سے موت کی ایک وجہ ترجیح علاوہ وجوہ مذکورہ یہ بھی نکل آئی کہ حضور ﷺ کو یہ حالت محبوب تھی۔ اگر حیات کو ترجیح ہوتی تو حضور ﷺ کو اختیار فرماتے اور جب آپ کو یہ حالت محبوب تھی تو عاشق حقیقی بھی عقلاً آپ کے سفر آخرت کو محبوب سمجھے گا۔ اس لئے اوّل تو شیخین نے ام ایمن

سے یہی فرمایا کہ ما عنداللہ خیر لرسول اللہ ﷺ مگر جب انہوں نے اپنے بکاء کی یہ وجہ بیان کی کہ ہم سے وحی منقطع ہوگئی۔ جس کا حاصل مفارقت کا صدمہ ہے۔ خواہ مفارقت ذات کہو یا مفارقت برکات۔ دونوں کا ایک ہی حاصل ہے۔ کیوں کہ برکات بھی تو ذات کے ساتھ ہیں تو یہ حضرات بھی رونے لگے تو اب طبیعت کا حق ادا کیا۔ کیوں کہ طبعی اقتضاء یہ ہے کہ اس مفارقت دائمہ ظاہر سے جو حقیقت دائمہ ہے کہ کچھ آنسو ٹپک پڑیں۔ (ص ۶۰ تا ۶۷)

۷..... اور یہ جو قید لگائی بہ شکل مفارقت دائمہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مفارقت عارضہ تو ایسی ہے جو حقیقت میں عارضہ ہے اور شکل میں بھی عارضہ ہے۔ جیسے کوئی جلال آباد چلا جائے اور ایک مفارقت عارضہ وہ ہے جو شکلا دائمہ ہو، وہ موت ہے۔ اس کا مقتضائے طبعی یہی ہے کہ کچھ حزن عارضی ہو اور میں نے دائمہ کی تفسیر اوپر کی تھی کہ اس کے عود کرنے سے مایوسی ہو، اس سے ایک شبہ کا رفع کرنا مقصود ہو۔ وہ یہ کہ گو میت تو ہمارے پاس نہیں آتا۔ مگر ہم تو مر کر اس عالم میں جانے والے ہیں۔ پھر مفارقت دائمہ کہاں ہوئی۔

خصوص حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان میں سے خصوص مبشرین بالجنۃ کہ ان کا اجتماع حضور ﷺ کے ساتھ یقینی ہے۔ پھر ان کو کیوں رنج ہوا۔ اسی طرح حضور ﷺ کو اپنے صاحبزادے کی وفات پر کیوں رنج ہوا؟ سو اس قید سے جواب نکل آیا کہ اللہ تعالیٰ نے طبیعت کی ایسی خاصیت بنائی ہے کہ باوجود تیقن اجتماع کے جب عدم عود الی ہذا عالم ہو جانے پر ضرور حزن ہوتا ہے اور یہ ایسا روطبعی ہے کہ اگر کوئی دوسری کیفیت اس پر غالب آجائے تو خیر ورنہ یہ اپنا اثر ضرور کرتی ہے۔ جیسا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے مرض وفات پر مزاج پرسی کے لئے تشریف لائیں "فسارھا فبکت فلما رای حزنھا فسارھا الثانیۃ فضحکت" یعنی حضور ﷺ نے خفیہ طور سے کوئی بات ان سے کہی تو وہ رونے لگیں۔ پھر دوبارہ کوئی بات چپکے سے فرمائی تو ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجھ کو تعجب ہوا کہ ایک ہی جلسہ میں روتی بھی ہیں، ہنستی بھی ہیں ان کو کیا ہو گیا اور فرماتی ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ میں تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک بڑی عاقل جانتی تھی یہ تو معمولی عورت نکلیں۔ پھر دوسرے وقت اس کا سبب پوچھا کہ تم ایک ہی جلسہ میں روتی اور ہنستی کیوں تھیں تو انہوں نے فرمایا یہ حضور ﷺ کا ایک راز ہے جس کو میں ظاہر نہیں کر سکتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد پھر دریافت فرمایا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہاں اب بتلانے میں کوئی عذر نہیں۔ بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اول تو مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام ہر رمضان میں مجھ سے ایک بار قرآن کا دور کرتے تھے۔ اس سال دو مرتبہ کیا ہے۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آگیا ہے۔ یہ سن کر تو میں رونے لگی۔ اس پر دوسری دفعہ آپ نے یہ فرمایا کہ اے فاطمہ! میرے متعلقین میں سب سے پہلے تم میرے پاس آؤ گی۔ یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔

سو اوّل مفارقت دائمہ سے رونا آگیا، گو یہ معلوم ہوتا تھا کہ مفارقت دائمہ اس معنی کو نہیں ہے کہ میں اس عالم میں بھی جمع نہ ہوں گی۔ مگر پھر بھی رنج ہوا۔ مگر جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہو گیا کہ سب سے پہلے آپ کے پاس میں پہنچوں گی تو اس وقت اس کا ایسا غلبہ ہوا کہ باوجود بقائے مقتضائے غم کے سارا غم دھل گیا اور اس لا یعود الینا پر نعود الیہ آگیا۔ (ص ۶۸، ۶۹)

۸..... برزخ میں آپ کے یہ فضائل ثابت ہوتے ہیں۔ اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا یہ حیات میں استعجاب کے

ساتھ نہ تھا۔ آپ کے جسد مبارک کا زمین پر حرام ہونا۔ حیات میں طبعیہ سے تاثر ہوتا تھا۔ قبر میں نماز پڑھنا یہ حیات میں ہر وقت نہ تھا۔ درود پڑھنے والوں کا آپ کو درود شریف پہنچانا یہ حیات میں خائنین کے لئے نہ تھا۔ خاص قبر شریف کا درود خود سننا حیات میں بعض مشاغل سماع قرب سے مانع بھی ہو جاتے تھے۔ آپ کے مزار شریف پر ہر ستر ہزار فرشتوں کا روزانہ حاضر ہونا یہ حیات میں منقول نہیں۔ (ص ۸۴)

۹...... اور اس وعظ کا نام "المورد الفرشی فی المورد البرزخی" رکھتا ہوں۔ اصل میں میں نے اس کا نام المولد البرزخ رکھنا چاہا تھا۔ کیوں کہ اس میں حضور ﷺ کی ولادت برزخیہ کا ذکر ہوا ہے۔ (ص ۹۲)

۱۰...... دوسرے جس عالم کی ولادت کا بیان اس میں کیا ہے۔ یعنی برزخ وہ بھی وسیع ہے۔ اس لئے اس کا نام المورد الفرشی فی المورد البرزخی مناسب معلوم ہوا۔ (ص ۹۲)

تحقیق حیات النبی ﷺ فی قبرہ

از علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ

"ان الانبیاء فی قبورھم اشکل علیھم مرادہ فالروح نفسھا حیاۃ لا فناء لھا، سواء کانت روح الکافر او المومن فالارواح کلھا احیاء فما معنی کون الانبیاء احیاء؟ فاعلم ان تلک الاحادیث لم ترد فی بیان حیاۃ نفس الروح ومدتھا لان حیاتھا مفروغۃ عنھا بل فی تعطلھا عن الافعال وعدمہ وحینئذ معناہ ان ارواح الانبیاء علیہم السلام لیست بمعطلۃ عن العبارات الطیبۃ والافعال المبارک بل ھم مشغولین فی قبورھم ایضا کما کانوا مشغولین حین حیاتھم فی صلوۃ وحج وکذالک حال بعضھم علی قدر المراتب خلاف من کان معطلا عنھا فی حیاتہ فانہ یکون معطلا فی قبرہ ایضا (ومن کان فی ھذہ اعمی) والی ھذا اشار بقولہ یصلون فذکر لھم عبادۃ لینبہ علی معنی حیاتھم فھم یصلون ویحجبون فی قبورھم ویفعلون افعال الاحیاء فھم احیاء بھذا معنی وھذا عرف عام یقال للمعطل عن الافعال انہ میت وان کان حیا العلم ان اصل الحیاۃ عبارۃ عن افعالھا وحقیقۃ الموت عن التعطل عنھا علی اوزان قولھم ان العلم حیاۃ والجھل موت ومن ھنا انحل حدیث آخر رواہ ابو داؤد فی رد روحہ ﷺ حین یسلم علیہ ﷺ لیس معناہ انہ یرد روحہ ای انہ یحیی فی قبرہ بل توجہ من ذالک الجانب الی ھذا الجانب۔ ثم الحیات فیھا مراتب لا یعدھا عاد"

(فیض الباری ج ۲ ص ۶۴، ۶۵)

حیات برزخی میں قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں

از حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ

"ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون" اور جو لوگ اللہ کی راہ میں (یعنی دین کے واسطے) قتل کئے جاتے ہیں۔ ان (کی ایسی فضیلت ہے کہ ان) کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ (معمولی مردوں کی طرح) مردے ہیں بلکہ وہ لوگ (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں۔ لیکن تم (ان) حواس سے (اس حیات کا) ادراک نہیں کر سکتے۔

فائدہ: ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں اور اس کی نسبت گویا کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے۔ لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کو برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے اور اس سے جزا و سزا کا ادراک ہوتا ہے۔ لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے۔ جس طرح انملہ یعنی سرانگشت میں ذکاء حس کہ آثار حیات سے ہے بہ نسبت عقب یعنی پاشنہ کے طبا وحسا قوی ہے کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کہ اس کا جسد باوجود مجموعہ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسد زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے۔ جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں۔ پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ حتی کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مثل ازواج احیاء کے۔ ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔

پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر شہداء پھر اور معمولی مردے۔ البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء وصالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں۔ سو مجاہدۂ نفس میں مرنے کو بھی معنی شہادت میں داخل سمجھیں گے۔ اس طور پر وہ بھی شہداء ہوئے یا یوں کہا جاوے کہ تخصیص شہداء عام مردوں کے اعتبار سے اضافی ہے۔ ان کے خواص کے اعتبار سے حقیقی نہیں اور اگر کسی شخص نے کسی شہید کی لاش کو خاک خوردہ پایا ہو کہ سمجھ لے کہ ممکن ہے کہ اس کی نیت خالص نہ ہو جس پر مدار ہے۔ قتل کے شہادت ہونے کا اور صرف قتل شہادت نہیں ہے اور اگر فرضا ایسا شہید خاک خوردہ پایا جاوے جس کا قتل فی سبیل اللہ اور اس کا جامع شرائط شہادت ہونا دلیل قطعی تواتر وغیرہ سے ثابت ہو (جس کا شبہ صاحب روح المعانی کو ہو گیا ہے) تو اس کی وجہ میں کہا جائے گا کہ حدیث میں حرمت جسد شہید علی الارض وارد ہے غیر ارض سے غیر متاثر ہونا وارد نہیں ہے۔

چنانچہ دوسرے اجسام مرکبہ مثل اسلحہ وادویہ وافذ ویہ واخلاط واجسام بسطیہ مثل آب و آتش و باد کی تاثیر انبیاء علیہم السلام کے اجسام میں ثابت ہے اور شہداء کی حیات بعد الممات انبیاء کی حیات بعد الممات سے اقویٰ نہیں اور بعض حصہ ارض میں بعض اجزاء غیر ارضیہ بھی شامل ہو جاتے ہیں جس طرح دوسرے عناصر میں مخالف عناصر شامل ہو جاتے ہیں۔ سو اگر ان اجزاء غیر ارضیہ سے اس کے اجساد متاثر ہو جائیں تو اس سے ان احادیث پر اشکال نہیں ہوتا۔ جن میں حرمت اجساد علی الارض وارد ہے اور ایک جواب یہ ہے کہ امتیاز اجساد شہداء کے لئے یہ بھی کافی ہے کہ دوسرے اموات سے زیادہ مدت تک ان کے اجساد خاک سے متاثر نہ ہوں۔ گو کسی وقت میں ہو جائیں اور احادیث سے یہی امر مقصود کہا جاوے کہ ان کو محفوظیت اجساد کے خارق عادت ہے اور خرق عادت دونوں صورتیں ہیں۔

حفظ مؤبد اور حفظ طویل اور چوں کہ برزخ حواس سے مدرک نہیں۔ اس لئے لاتشعرون فرمایا گیا۔

(بیان القرآن)

آپ (سرکار دو عالم ﷺ) کے عالم برزخ میں تشریف رکھنے کے متعلق بعض احوال وفضائل

از حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانوی ؒ

۱...... ابن المبارک نے حضرت سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ نبی ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال صبح وشام پیش نہ کئے جاتے ہوں۔ (کذا فی المواہب)

۲...... مشکوٰۃ میں حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسد کو کھا سکے۔ پس خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ (اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا)

فائدہ: (تشریح) پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم (برزخ) کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لئے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل واقویٰ ہیں۔

۳...... بیہقی وغیرہ نے حدیث انس ؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (کذا فی المواہب)

فائدہ: (تشریح) یہ نماز تکلیفی نہیں بلکہ تلذذ کے لئے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ سے پکارنا جائز ہے۔ کیوں کہ مشکوٰۃ میں بیہقی سے بروایت حضرت انس ؓ خود حضور ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے۔ اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے۔ وہ مجھ کو پہنچایا جاتا ہے۔ یعنی بذریعہ فرشتوں کے جیسا کہ مشکوٰۃ ہی میں نسائی اور دارمی سے بروایت ابن مسعود ؓ آپ کا ارشاد مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائکہ زمین میں سیاحت کرنے والے مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے مجھ کو سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

۴...... مشکوٰۃ میں منبہ بن وہب سے روایت ہے کہ کعب الاحبار حضرت عائشہ ؓ کے پاس آئے اور حاضرین نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا تو حضرت کعب ؓ نے کہا کہ کوئی دن ایسا نہیں آتا جس میں ستر ہزار فرشتے نہ آتے ہوں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کو بازو مارتے ہوئے احاطہ کر لیتے ہیں کہ آپ پر درود پڑھتے ہیں یہاں تک کہ جب شام ہوتی ہے وہ آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور دوسرے فرشتے اسی طرح کے اترتے ہیں اور ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب (قیامت کے دن) زمین قبر کی شق ہوگی تو آپ ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ باہر تشریف لائیں گے کہ وہ آپ کو لے کر چلیں گے۔ روایت کیا اس کو دارمی نے۔

فائدہ: (تشریح) اس سے آپ کا شرف عظیم برزخ میں ظاہر ہے۔

۵...... مشکوٰۃ المصابیح میں ابوداؤد وبیہقی سے بروایت ابوہریرہ ؓ ارشاد نبوی نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو واپس کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

فائدہ: (تشریح) اس سے حیات میں شبہ نہ کیا جائے۔ کیوں کہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت ودربار رب میں مستغرق تھی جس طرح کہ دنیا میں نزول وحی کے وقت کیفیت ہوتی ہے۔ اس سے افاقہ ہو کر سلام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں۔ اس کو رد روح سے تعبیر فرما دیا۔ (کذا فی اللمعات ملخص)

مجموعہ روایات سے علاوہ فضیلت حیات واکرام ملائکہ کے برزخ میں آپ کے یہ مشاغل ثابت ہوتے ہیں۔ اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا، نماز پڑھنا، غذا مناسب اس عالم کے نوش فرمانا، سلام کا سننا، نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ سلام کا جواب دینا۔ یہ تو ثابت ہیں اور احیاناً بعض خواص امت سے یقظہ میں آپ کا کلام اور ہدایت بھی آثار واخبار میں مذکور ہے اور حالات رؤیت وکشف میں تو ایسے واقعات حصر واحصاء سے متجاوز ہیں اور ان مشاغل کے ایک وقت میں اجتماع سے تزاحم کا وسوسہ نہ کیا جائے۔ کیوں کہ برزخ میں روح کو پھر خصوصاً روح مبارک کو بہت وسعت ہوتی ہے۔ مگر اس وسعت نے امور غیر ثابتہ بالدلیل الصحیح یعنی منفیہ یا مسکوت کو ثابت یا ثابتاً احیاناً کو ثابت بالدوام ماننا جائز نہیں ہوگا۔ خوب سمجھ لیا جائے۔ (از نشر الطیب ص ۲۹۹ تا ۳۰۱ مطبوعہ تاج کمپنی کراچی)

وفات کے بعد حضور ﷺ کی حیات شہداء کی حیات سے اکمل ہے

از شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ

مکرمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

”قد كتبت في (اعلاء السنن ج ١٠ ص ٣٣٤) تحت حديث ابي هريرة ان رسول الله ﷺ قال: ما من احد يسلم عليّ الا ردّ الله عليّ روحي حتى اردّ عليه السلام رواه ابو داؤد بسند صحيح قال الخفاجي والذي يظهر في تفسير الحديث من غير تكلف ان الانبياء والشهداء احياء وحياة الانبياء اقوى واذا لم يسلط عليهم الارض فهم كالنائمين والنائم لا يسمع ولا ينطق حتى ينتبه كما قال الله تعالى والتي لم تمت في منامها (اي يتوفى الله التي لم تمت في منامها) فالمراد بالرد الارسال الذي في الاية فمعناه انه اذا سمع السلام يتيقظ ويرد السلام لا ان روحه تقبض ثم ينفخ وتعاد فلا اشكال اصلاً كذا في عون المعبود (ج ٢ ص ١٧٠) فلا دلالة فيه على عدم استقرار الحياة كما زعمه بعضهم وقد ورد التصريح بسماعه ﷺ سلام الزائر في الاثر۔ رواه جماعة عن ابي هريرة بلفظ من صلّى عليّ عند قبري سمعته ومن صلّى عليّ نائياً ابلغته وفي لفظ بلغونيه۔

قال السبكي وسياتي ما يدل على انه ﷺ يسمع من يسلّم عليه عند قبري ويرد عليه عالماً بحضوره وكفى بهذا فضلاً حقيقياً بان ينفق فيه مالك الدنيا حتى يتوصل اليه من اقطار الارض۔ (وفاء الوفاء ج ٢ ص ٤٤) ولا شك في حياته ﷺ بعد وفاته اكمل من حياة الشهداء التي اخبر الله تعالى بها في كتاب العزيز ونبينا ﷺ سيد الانبياء وسيد الشهداء واعمال الشهداء في ميزانه وقد قال ﷺ علمي بعد وفاتي كعلمي في حياتي۔ رواه الحافظ المنذري وروى ابن عدي في كامله عن ثابت عن انس قال قال رسول الله ﷺ الانبياء احياء في قبورهم يصلون ورواه ابو يعلى برجال ثقات۔ (رواه البيهقي وصححه وروى ابن ماجه باسناد جيد في حديث طويل ان الله حرّم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء عليهم السلام فنبي الله حي يرزق۔ هذا لفظ ابن ماجه وحاصله ان الانبياء ليسوا كغيرهم من بني آدم اذا ماتوا ينقطع عملهم بل عملهم دائم بعد الموت ايضاً والله تعالى اعلم هذا ما عندي في هذا الباب واما البحث عن كيفية هذا الحياة انما برزخية او دنيوية فلا يسئل عنها يوم القيامة ولا في القبر وانما اشتغل علماء پاکستان بهذا لفراغهم المباحث السياسية ولا

یسمعھم ولا یدیھم من شغل فاشتغلوا بما لا یعنیھم ولا شک فی انہ ﷺ قد مات کما اخبر بہ الصدیق فی خطبتہ حین وفاتہ ﷺ وقال الا من کان یعبد محمداً فقد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت ثم تلا وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم الایۃ ولا شک ان من زار قبرہ ﷺ ورد النبی ﷺ سلامہ لایکون کمثل من سلم علیہ فی حیاتہ الدنیویہ ولا یکون بھذا السلام والجواب صحابیا وان کان کمثلھم فی بعض الوجوہ کما فی روایۃ ابن عمر مرفوعاً من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی وصحبنی تکلم ابن عساکر فی لفظ صحبنی وانکر ورد علیہ السبکی وقال لم ینفرد بہ ابن الطیب فقد رواہ کذالک ابن عدی فی کاملہ من طریق الحسن بن سفیان عن علی بن حجر بالسنۃ المتقدم والتشبیہ من کل وجہ قلت بل التشبیہ من صحبنی کالتشبیہ فی قولہ کمن زارنی فی حیاتی ولا شک ان بزیارۃ القبر لایکون احد صحابیاً وھو مجمع علیہ۔ واللہ اعلم!

ظفر احمد العثمانی التھانوی عفی اللہ عنہ"

۲۲ / جمادی الاول ۱۳۷۹ھ

ترجمہ: مکرمی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۱...... (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۴) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میرے روح کو میرے جسم میں لوٹاتے ہیں اور میں اس سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ انتہی!

۲...... خفاجی کہتے ہیں کہ حدیث کی تفسیر سے بلاتکلف یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انبیاء اور شہداء دونوں زندہ ہیں لیکن انبیاء کی حیاۃ شہداء کی حیات سے اقویٰ ہے۔ پس جب زمین ان پر مسلط نہیں تو وہ نائمین کی طرح ہیں اور ظاہر ہے کہ نائم نہ سنتا ہے اور نہ بولتا ہے۔ جب تک کہ اس کو خبردار اور متنبہ نہ کیا جائے۔ جیسے نائمین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وہ اللہ جو نیند میں موت نہیں دیتا۔ یعنی وہ روح حالت نوم میں مرتی نہیں اور بالکل تعلق جدا نہیں ہوتا۔ ورنہ نائم نائم ہی نہ رہے گا۔ اگر روح کا تعلق نائم سے ختم ہو جائے تو حالت نوم میں روح کا تعلق رہتا ہے۔ اب روح کے لوٹانے سے مراد یہ ہوگی کہ حالت نوم سے حضور کو حالت بیداری میں لایا جاتا ہے نہ کہ ان کی روح کو قبض کر کے پھر دوبارہ لوٹایا جاتا ہے بلکہ نیند کے مشابہ ہے کہ جیسے نائم کو کوئی چیز سنانے کے لئے بیدار کیا جاتا ہے۔ یہی کیفیت نبی علیہ السلام کی قبر میں ہے۔ پس کوئی شک نہیں کہ نبی علیہ السلام زندہ ہیں۔ کذا فی (عون المعبود ج ۲ ص ۱۷۰) پس نبی علیہ السلام کی حیاۃ کے عدم استمرار پر کوئی دلالت ثابت نہیں ہوتی۔ جب کہ بعض کا خیال ہے کہ استمرار حیاۃ ثابت نہیں ہے۔ حالاں کہ حضور کے سماع کی تصریح ثابت ہے۔ جو ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ میری قبر کی زیارت کرنے والا جب میری قبر کے قریب سے مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کو میں سنتا ہوں اور اگر کوئی مجھ پر دور سے سلام بھیجے تو وہ سلام مجھ پر فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے۔

اس پر علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ جو شخص نبی ﷺ پر ان کی قبر مبارک کے قریب سے درود پڑھے تو حضور اس کے درود اور سلام کو سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں۔ پس یہ کتنا بڑا فضل ہے کہ حضور ﷺ کی قبر کے قریب جا کر درود وسلام پڑھا جائے تو آدمی کو چاہئے کہ کتنا ہی مال کیوں خرچ نہ کرنا پڑے لیکن اس فضل کو ضرور حاصل کرے اور اپنا درود اور سلام نبی ﷺ کو سنائے اور جواب حاصل کرے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۰۴)

اس میں کوئی شک نہیں کہ وفات کے بعد حضور ﷺ کی حیات شہداء کی حیات سے اکمل ہے جیسا کہ اللہ نے شہداء کی حیات کے متعلق قرآن میں خبر دی ہے۔ حضور ﷺ تو شہداء اور انبیاء دونوں کے سردار ہیں۔ جب شہداء کی حیات ثابت تو آنحضرت ﷺ کی بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی اور حضور ﷺ نے خود فرمایا کہ میرا علم موت کے بعد بھی ایسا ہوگا جیسے موت سے قبل۔ اس کو حافظ منذری نے روایت کیا ہے۔

اور ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور اس کو ابویعلی نے ثقہ راویوں کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ اللہ نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء دوسرے بنی آدم کی طرح نہیں کہ مرنے کے بعد ان کے اعمال منقطع ہو جائیں بلکہ انبیاء کے اعمال ہمیشہ موت کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حیات النبی ﷺ کے بارے میں جو کچھ ہے میں نے اپنے خیال سے لکھ دیا ہے۔ اب یہ بحث کرنا کہ حیات برزخی ہے یا حیات دنیوی کی کیفیت کیا ہے تو ہمیں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہئے اس لئے کہ ہم سے قبر میں یا قیامت کو حضور ﷺ کی حیات کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔ علماء پاکستان جو اس مسئلہ میں بحث کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ ان کو کوئی دوسرا مشغلہ سیاسیات وغیرہ درپیش نہیں ورنہ یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں تھا کہ اس قدر طول دیا جاتا اور اسے متنازعہ فیہ بنا دیا جاتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور دنیا سے وفات پا چکے ہیں جیسا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا ہے کہ ''خبردار جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا ہے تو وہ یقیناً وفات پا گئے ہیں اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ زندہ ہے کبھی نہ مرے گا۔ پھر آیت وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل کی تلاوت فرمائی۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص نبی علیہ السلام کی قبر کی زیارت کرے اور ان پر سلام کہے ان کا سلام ایسا نہیں ہے کہ جیسا وہ نبی علیہ السلام کو حالت حیاۃ دنیوی میں کرتا ہے اور نہ ہی اس سلام اور جواب سے سلام کرنے والا صحابی بن سکتا ہے۔ اگر چہ بعض وجوہ نے حیات برزخی حیات دنیوی کے مثل ہے۔ لیکن بالکلیہ حیات دنیوی غلط ہے۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے میری قبر کی میری موت کے بعد زیارت کی گویا کہ اس نے میری زیارت کی اور میری صحبت کی۔ ابن عساکر نے صحبتی کے لفظ پر کچھ کلام کیا ہے اور اس کو نہیں مانا۔ علامہ سبکی رحمہ اللہ ابن عساکر کی تردید کے لئے صحبتی کو ثابت کرتے ہیں۔ بہرحال زارنی بھی صحبتی کے معنی میں ہے تو جب زیارت سے کوئی شخص صحابی نہیں ہو سکتا تو حیاۃ دنیوی بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم بالصواب! ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ

۲۲ رجمادی الاوّل ۱۳۷۹ھ

مسئلہ حیات النبی ﷺ کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

از مولانا محمد منظور نعمانی (ماہنامہ الفرقان بابت جمادی الاوّل ۱۳۵۸ھ ج ۶، ش ۵)

کیا رسول اللہ ﷺ پر ایک لمحہ کے لئے بھی موت طاری نہیں ہوئی؟

چنی ضلع لاہور سے ایک صاحب لکھتے ہیں: کسی کا یہ خیال کہ حضرت رسول خدا ﷺ پر ایک لمحہ کے لئے بھی

موت طاری نہیں ہوئی اور ایک لحظہ کے لئے بھی روح مبارک جسد اطہر سے جدا نہیں ہوئی۔ کہاں تک صحیح ہے۔ الفرقان کی قریبی اشاعت میں اس مسئلہ کی تحقیق فرما کر ممنون فرمایا جائے۔

تحقیق

یہ خیال غلط اور نصوص قرآن اور حدیث کے خلاف ہے اور شاید ایسا خیال کرنے والوں کو مسئلہ حیات النبی ﷺ کی حقیقت سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ورنہ آنحضرت ﷺ پر موت کا نفس ورود ایک ناقابل انکار بلکہ ناقابل شک وریب حقیقت ہے۔ قرآن مجید میں صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا گیا ہے "کل نفس ذائقۃ الموت" (ترجمہ) ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور خاص طور پر رسول اللہ ﷺ ہی کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے "انک میت و انھم میتون" (زمر) اے رسول آپ کو بھی ضرور موت سے دوچار ہونا ہے اور وہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں۔ پھر احادیث اس باب میں بکثرت ہیں۔ ازاں جملہ حضور ﷺ کے آخری وقت کے بیان میں حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے اس وقت لکڑی کے ایک پیالہ میں پانی تھا آپ بار بار اس میں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ "لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات" (اللہ تعالیٰ) کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک موت کی کچھ سختیاں ہیں)

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں: "ثم نصب یدہ فجعل یقول فی الرفیق الاعلی حتی قبض و مالت یدہ" پھر آپ نے اپنا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھایا اور فرماتے تھے رب رفیق علیٰ ہیں۔ یہاں تک کہ روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ کا ہاتھ نیچے آ گیا۔ (صحیح بخاری)

اور نیز حضرت عائشہ ؓ و حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے دونوں فرماتے ہیں:

"قالا لما قبض رسول اللہ ﷺ غسل اختلفوا فی دفنہ فقال ابو بکر ما نسیت ما سمعت من رسول اللہ ﷺ یقول ما قبض اللہ نبیاً الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ ادفنوہ فی موضع فراشہ" جب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ کو غسل دے لیا گیا تو مقام دفن کے بارہ میں اختلاف آراء ہو گیا۔ اس وقت صدیق اکبر ؓ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی تھی جس کو میں اب تک نہیں بھولا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کی روح وہیں قبض کراتے ہیں جہاں وہ دفن ہونا چاہتے ہیں۔ لہٰذا حضور ﷺ کو آپ بستر مبارک ہی کی جگہ پر دفن کرنا چاہئے۔ (الترمذی، مجمع الزوائد)

اور صحیح بخاری وشمائل ترمذی حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر آخری وقت کی تکلیف شروع ہوئی تو حضرت سیدہ فاطمہ ؓ کی زبان سے نکلا "واکرباہ" (ہائے کیسی بے چینی ہے) تو حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: "لا کرب علی ابیک بعد الیوم انہ قد حضر من ابیک ما لیس اللہ بتارک احداً" بیٹی آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف ہونی نہیں ہے۔ اب تمہارے باپ کے لئے وہ وقت آ گیا ہے جس سے اللہ پاک کسی کو بھی مستثنیٰ کرنے والے نہیں۔ (الحدیث)

اور وفات نبوی کے بعد حضرت صدیق اکبر ؓ نے جو کچھ اس باب میں ارشاد فرمایا وہ تو نصوص قرآن وحدیث کے بعد اس بارہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ ازاں جملہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی

روایت سے یہ حدیث ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کو وفات نبوی کی خبر پہنچی تو آپ سیدھے حضور کے پاس آئے پہلے پیشانی مبارک کو بوسہ دیا، پھر آنسو گراتے ہوئے کہا: ''بابی انت وامی لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد متھا'' آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو دو دفعہ موت نہ دے گا جو موت آپ کے لئے مقدر ہو چکی تھی وہ بہر حال آپ پر وارد ہو چکی۔

(غالباً) حضرت صدیق اکبر ﷜ کا مقصد اس سے ان لوگوں کو تردید کرنا تھا جو اس وقت یہ سمجھ رہے تھے کہ حضور ﷺ کی یہ وفات آخری وفات نہیں ہے بلکہ عنقریب آپ اٹھیں گے اور فلاں فلاں کاموں کی تکمیل جب خود آپ کے ہاتھوں سے ہو جائے گی۔ اس کے بعد آپ کو آخری وفات آئے گی۔ حضرت صدیق اکبر ﷜ نے اس خیال کی تردید یوں فرمائی کہ ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو دفعہ موت وارد کرے۔ آپ کے لئے بھی ایک ہی موت مقدر تھی جو ہو گئی۔

ایک دوسرا مطلب حضرت صدیق اکبر ﷜ کے اس ارشاد سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر عوام الناس کے لئے دو موتیں ہیں۔ پہلی دفعہ دنیا میں ان پر موت وارد ہوتی ہے۔ پھر قبر میں نکیرین کے سوال و جواب کے وقت ان کو زندہ کر دیا جاتا ہے اور اس سے فراغت کے بعد پھر دوبارہ ان پر موت طاری کر دی جاتی ہے۔ لیکن رسول پاک ﷺ کے لئے صرف اسی دنیا کی ایک موت مقدر تھی جو آپ پر وارد ہو گئی۔ اس کے بعد جب قبر مبارک میں آپ کو حیات بخشی جائے تو وہ برابر قائم رہے گی اور عوام الناس کی طرح ان پر دوبارہ موت طاری نہیں ہوگی۔ (واللہ اعلم)

اور صحیح بخاری و دیگر صحاح میں حضرت عائشہ صدیقہ ﷞ ہی سے مروی ہے کہ وفات نبوی کے دن جب حضرت عمر ﷜ اپنے خیال کے مطابق قسم کھا کھا کر فرما رہے تھے کہ ''واللہ ما مات رسول اللہ ﷺ'' تو حضرت صدیق اکبر ﷜ نے ان کو خاموش کر کے خطبہ دینا شروع کیا جس میں خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت وقال انک میت وانھم میتون وقال تعالیٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین''

جو حضرت محمد ﷺ کو پوجتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت وفات پا گئے اور جو اللہ کا پرستار ہو تو اللہ تعالیٰ بے شک ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کے لئے موت نہیں۔ (پھر وفات نبوی ﷺ کے ثبوت میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اے رسول آپ کو موت آنی ہے اور (آپ کے) یہ (بدخواہ دشمن بھی) مرنے والے ہیں (نیز حضرت صدیق اکبر نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی کہ محمد بس رسول ہی تو ہیں (کوئی حی و قیوم خدا تو ہیں نہیں) تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں گمراہی کی طرف پلٹ جاؤ گے اور یاد رکھو جو بھی اس طرح پلٹے گا تو وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا (بلکہ خود اپنے کو برباد کرے گا) اور اللہ تعالیٰ اپنے شاکر بندوں کو ثواب دے گا۔

پھر واضح رہے کہ حضرت صدیق اکبر ﷜ نے یہ خطبہ صحابہ کرام کے بھرے مجمع میں دیا تھا اور کسی نے اس کے کسی جز پر کوئی تنقید نہیں کی بلکہ خود حضرت عمر ﷜ فرماتے ہیں کہ ابوبکر ﷜ کے اس بصیرت افروز بیان نے خود میری آنکھیں کھول دیں اور میں نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا۔

گویا ایک طرف تو یہ مسئلہ کہ حضور اقدس ﷺ پر خدا کے عام قانون ''کل نفس ذائقۃ الموت'' کے

ما تحت موت طاری ہوئی، نصوص قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور دوسری طرف گویا صحابہ کرام کا اس پر اجماع بھی ہے۔ لہٰذا سوال میں کسی کا جو خیال ذکر کیا گیا ہے اس کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا غالباً ان صاحب کو یہ غلط فہمی مصنفین کے کلام میں مسئلہ حیات النبی کی مراد نہ سمجھنے کے باعث ہوئی ہے۔ شاید انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ علماء کرام جو حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور پر موت وارد ہی نہیں ہوئی۔ حالاں کہ ان کا منشا یہ نہیں ہے بلکہ ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ اس موت کے بعد حضور اقدس کو حیات بخش دی گئی ہے۔ غالباً متقدمین امام بیہقی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مسئلہ حیات الانبیاء پر مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس میں اس مسئلہ کے متعلق تمام احادیث کو جمع کیا ہے انہوں نے خود اس کی تشریح اس طرح کی ہے۔

''وقال البیھقی ان الانبیاء بعد ما قبضوا ردّت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء''
کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح وفات کے بعد ان میں لوٹا دی گئیں ہیں۔ وہ اللہ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہداء کرام۔

(زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۲)

پھر بعد کے دور میں جن اکابر علماء نے اس مسئلہ پر خاص توجہ کی ہے ان میں ایک جلیل القدر شخصیت علامہ تقی الدین سبکی ﷫ کی ہے۔ آپ نے اپنی مشہور تصنیف ''شفاء السقام'' میں حیات الانبیاء پر ایک مستقل باب لکھا ہے۔ جس میں پوری قوت کے ساتھ مسئلہ کا ثبوت دینے کے بعد خود ہی یہ شبہ وارد کیا ہے کہ:

قرآن عزیز صاف حضور ﷺ کی موت کا اعلان کر رہا ہے (انک میت وانھم میتون) اور خود حضور ﷺ فرماتے ہیں ''انی مقبوض'' (یعنی میں قبض کیا جاؤں گا) اور حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں کہ ''ان محمداً قد مات'' (یعنی حضور اقدس وفات پا گئے) اور ساری امت کا اجماع ہے کہ آپ کے متعلق موت کا لفظ بولا جا سکتا ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں ''یقال انہ موت غیر مستمر وانہ احی بعد الموت'' (شفاء السقام ص ۱۴۳)
جواب میں کہا جائے گا کہ یہ موت غیر مستمر ہے اور حضور کو اس موت کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے حیات عطا فرما دی۔

بہر حال حیات انبیاء کا یہ مطلب کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے کہ موت قطعاً طاری نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وفات کے بعد ان حضرات کو پھر حیات بخش دی جاتی ہے اور ان کے اجسام مبارکہ صحیح سالم اور محفوظ رہتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ ھذا ھو الجواب ویتوب اللہ علی من تاب! محمد منظور نعمانی عفی عنہ

انبیاء کی حیات برزخی اقویٰ اور اکمل ہے

از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری المدرسہ العربیہ الاسلامیہ کراچی

مکرمی! مسئلہ دراصل بالکل واضح تھا، لیکن بحث ومناظرہ نے بدیہی کو نظری بنایا۔ اکابر دیوبند کا متفقہ مسلک ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے برزخ میں ایسی حیات حاصل ہے جو اپنی قوت وکمال میں دنیوی حیات کے مماثل ہے۔ بلکہ اس حیات سے اقویٰ ہے اور جسد مبارک پر روح کی کیفیت طاری ہوتی ہے جس کی وجہ سے صلاۃ، حج، انتقال مکانی میں کوئی صعوبت نہیں۔ البتہ ہمیں اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ اس کا تعلق عالم غیب سے ہے۔ اگر کسی نے صرف حیات برزخی کہا ہے تو ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ دنیا مشاہد اور آخرت کے درمیان جو موطن ہے، اس کا نام برزخ ہے۔

حیات برزخی شہداء یا عامۃ الناس کے لئے ہونے سے مراتب کا اتحاد ضروری نہیں بلکہ تفاوت یقینی ہے۔ انبیاء کی حیات برزخی چوں کہ اقویٰ اکمل ہے اور بعض جہات سے دنیا سے بھی اقویٰ ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے اس پر دنیوی کا اطلاق بھی کر دیا ہے اور بعض نے دنیویہ برزخیہ کا اطلاق کیا ہے اور عام حضرات نے صرف برزخی کے لفظ پر اکتفا کیا ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس انداز سے آب حیات میں تقریر فرمائی ہے وہ بھی متفرد نہیں ہیں بلکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ امام الحرمین قرن خامس میں کہہ چکے ہیں اس کے بعد قرطبی محدث اور امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ اس وقت اتنا لکھ سکتا ہوں۔ والموضوع واسع یحتاج الی فرصۃ اوسع! والسلام

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ ۲۹ رجمادی اولیٰ ۹۷ ۱۳ ھ

حضور اقدس ﷺ کے وصال کا ذکر

از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الجامعہ مظاہر علوم سہارن پور (یوپی)

حضور ﷺ کے مرض کی ابتداء سر کے درد سے ہوئی۔ اس روز حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہ کے مکان میں تھے۔ اس کے بعد حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن میں مرض کی شدت پیدا ہوئی۔ اسی حالت میں حضور ﷺ بیبیوں کی تقسیم پوری فرماتے رہے۔ مگر جب مرض میں زیادہ شدت ہوگئی تو حضور ﷺ کے ایماء پر تمام بیبیوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر بیماری کے ایام گزارنے کو اختیار کر لیا تھا۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدہ پر حضور ﷺ کا وصال ہوا۔ کل مدت مرض بارہ یا چودہ ایام ہے اور دوشنبہ کے روز چاشت کے وقت وصال ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وصال دوشنبہ کے روز ہوا اور چاشت کے وقت ہوا۔ اس کے خلاف جو روایت ہوگی اس کی توجیہ کی ضرورت ہوگی۔

۱...... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے جس وقت حضور ﷺ کا آخری دیدار نصیب ہوا، وہ وقت تھا جب کہ حضور ﷺ نے مرض الوفات میں دوشنبہ کے روز صبح کی نماز کے وقت دولت کدہ کا پردہ اٹھایا کہ امتیوں کی نماز کا آخری معائنہ فرمالیں۔ اس وقت آپ کا چہرہ مبارک صفائی اور انوار اور چمک میں گویا مصحف شریف کا ایک پاک صاف ورق تھا۔ لوگ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے (صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو دیکھ کر فرط خوشی میں) پیچھے ہٹنے لگے۔ اس خیال سے کہ شاید آپ تشریف لاتے ہوں۔ اس لئے کہ اس سے پہلے بھی بیماری کے ایام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے اور جس وقت حضور ﷺ کو افاقہ ہوتا تھا تشریف لا کر جماعت میں شرکت فرماتے تھے) حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور اسی دن وصال ہوگیا۔

فائدہ: (تشریح) یہ وہی دوشنبہ کے روز کا آخری نظارہ ہے جس پر حضور اقدس ﷺ نے یہ اندازہ فرمایا کہ نظام شرعی قائم ہوگیا اور قدیمی رفیق ابوبکر رضی اللہ عنہ نیابت کا حق ادا کردے گا اور امت کا بوجھ سنبھال لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جس کو دنیا کی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ حضور کے انتقال کا حادثہ جس کے سامنے دنیا کے سارے ہی حوادث کالعدم اور لاشے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ارتداد کا فتنہ اور ساری دنیا کا مقابلہ لیکن اس کو استقلال سے سب ہی نے

برداشت کیا اور پتھر کی چٹان سے زیادہ سخت بن کر ہر ٹکراؤ کو پاش پاش کر دیا۔ حق یہ ہے کہ نیابت کا حق ادا کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا اسلامی ستون کہ دوست و دشمن سب ہی ان کی بہادری، شجاعت، قوت کی دھاک مانتے تھے، وہ بھی نرمی کی درخواست کریں، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو بزدلی کا طعنہ دیں۔

۲...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت میں نے حضور عالی ﷺ کو اپنے سینے پر سہارا دے رکھا کہ آپ نے پیشاب کے لئے طشت منگایا اور پیشاب سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد وصال ہو گیا۔

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ مفاخر میں ہے کہ آخری تلبس ان کو حاصل ہوا۔ حضور ﷺ جب دنیا سے تشریف لے گئے اور وصال ربی حاصل ہوا تو سر مبارک ان کی گود میں تھا۔

۳...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت حضور اقدس ﷺ کے قریب ایک پیالہ میں پانی رکھا ہوا تھا کہ اس میں حضور ﷺ بار بار ہاتھ ڈالتے تھے اور چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے (کہ یہ شدت حرارت اور گھبراہٹ کے سکون کا سبب ہوتا ہے) اس وقت حضور ﷺ بارگاہ الٰہی میں یہ دعا فرما رہے تھے کہ "یا اللہ موت کے شدائد پر میری امداد فرما"

فائدہ: یہ ایک جانب امت کو تعلیم ہے تو دوسری جانب نزع کے وقت جب روح بدن سے نکل رہی ہو نہایت ثبات اور استقلال اور اللہ جل جلالہ کی طرف عنایت توجہ کا مظہر ہے کہ نزع کے وقت جب کہ روح بدن سے جدا ہو رہی ہو، تکلیف کا ہونا طبعی اور فطری امر ہے۔ اس وقت اللہ سے استدعا اور سہولت کی طلب تھی۔

۴...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی شدت تکلیف کے بعد اب مجھے کسی شخص کے مرض موت میں تکلیف نہ ہونے پر رشک نہیں ہوتا۔

فائدہ: اس لئے کہ شدت مرض گناہوں کے سکوت اور مرتبت کے بلند ہونے کا سبب ہوتا ہے اور مرض کی شدت پیام اجل ہونے کی وجہ سے استغفار کی کثرت اور موت کی تیاری کا ذریعہ ہے۔

۵...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور ﷺ کے وصال کے وقت آپ کے دفن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوا۔ (کسی نے مسجد نبوی کو پسند کیا اور کسی نے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قرب کی وجہ سے بقیع کو۔ کسی کا خیال جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مدفن پر پہنچانے کا ہوا تو کسی کا وطن اصلی مکہ مکرمہ واپس لانے کا۔ غرض مختلف رائیں ہو رہی تھیں) کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود حضور اقدس ﷺ سے ایک بات سنی ہے کہ مجھے خوب محفوظ ہے کہ انبیاء کا وصال اسی جگہ ہوتا ہے جہاں ان کا دفن ہونا پسندیدہ ہو۔ اس لئے حضور ﷺ کو آپ کے وصال ہی کی جگہ دفن کرنا چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ (بعض با عظمت اور قوی القلب آدمی بھی بایں فضل و کمال اور بدیں شجاعت ہمت تحمل نہ فرما سکے اور از خود رفتہ ہو کر برہنہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور یہ فرمانے لگے کہ واللہ (حضور ﷺ کا وصال نہیں ہوا) جو شخص یہ کہے گا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ہے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ کیوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کسی نبی کی وفات کا پہلے تجربہ نہ تھا کہ اس سے پہلے کوئی نبی ان میں نہیں تھا اور عام طور سے ایسے بھی تھے کہ پہلے انبیاء کی کتب اور حالات بھی نہ پڑھ سکے تھے۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر سب ساکت ہو گئے کہ ممکن ایسا ہی ہو۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سالم سے کہا کہ حضور ﷺ کے ساتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر لاؤ۔ (وہ ہی اس طغیانی کے وقت اس کشتی کو کنارہ لگائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افاقہ کی صورت دیکھ کر حضور ﷺ کی اجازت سے گھر والوں کی خبر لینے کے لئے اپنے مکان پر تشریف لے گئے ہوئے

تھے جو تقریباً ایک میل تھا) سالم کہتا ہے کہ میں روتا ہوا متحیرانہ صدیق اکبرؓ کے پاس گیا۔ وہ اس وقت مسجد میں تھے میری مضطربانہ حالت دیکھ کر دریافت فرمایا کیا حضور ﷺ کا وصال ہو گیا۔ میں نے اس کی اطلاع کی اور یہ بھی عرض کیا کہ عمرؓ یہ کہتے ہیں کہ میں جس کو یہ کہتے ہوئے سنوں گا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا اس کی گردن اڑا دوں گا۔

صدیق اکبرؓ میرے ساتھ تشریف لائے اور مجھ کو ہٹا کر حضور ﷺ کے پاس تشریف لے گئے اور حضور کے چہرے مبارک پر گہری نظر ڈال کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور یہ آیت پڑھی ''انک میت وانھم میتون'' اے محمد ﷺ بے شک تم بھی وفات پانے والے ہو اور وہ سب دشمن بھی مرنے والے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے حضور ﷺ کے رفیق! کیا آپ کی وفات ہو گئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ بے شک آپ دارالبقاء کو روانہ ہو چکے ہیں۔ اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کو یقین ہو گیا۔ پھر انہوں نے آپ سے دیگر امور دریافت کئے۔ اس لئے ہر ہر جزو میں احتمال خصوصیت تھا۔ اس لئے اوّل نماز جنازہ کا پوچھا کہ حضور ﷺ پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا پڑھی جائے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کس طرح پڑھیں (تمام اہل مدینہ مشتاق ہیں) آپ نے فرمایا کہ ایک جماعت حجرہ کے اندر جاوے اور بلا جماعت نماز پڑھ کر چلی آوے۔ اسی طرح سب لوگ نماز پڑھیں، پھر صحابہ نے پوچھا کیا حضور ﷺ دفن کئے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا یقیناً دفن کئے جائیں گے۔ انہوں نے پوچھا کہ کس جگہ قبر شریف بنائی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ جس جگہ آپ کو وصال ہوا ہے۔ وہی جگہ مدفن ہے۔ اسی لئے کہ حق تعالیٰ نے آپ کا وصال اسی جگہ فرمایا جو جگہ حق تعالیٰ شانہٗ کو پسند ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہر ہر بات پر اطمینان ہوتا رہا اور بے شک سچ فرمایا کہتے رہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اہل بیت اور حضور ﷺ کے قریبی رشتہ داروں کو تجہیز و تکفین کے انتظام کا حکم فرمایا (اور حفاظت اسلام اور رفع اختلافات کے لئے کسی شخص کو مدار رائے بنانے کی تجویز شروع ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ جب تلوار سونتے ہوئے کھڑے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا۔ اس کی گردن اڑا دوں گا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے اس منصوبہ پر تنبیہ فرمائی اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں کلام پاک کی آیت ''وما محمد الا رسول'' تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا ہو وہ سن لے کہ حضرت محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں اور جو اللہ جل جلالہ کی پرستش کرتا ہو تو اللہ جل جلالہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ سب کے سب حضرات، ابوبکرؓ کے خطبہ کی آواز سن کر ممبر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ دین کی حفاظت کے لئے ایک شخص کی ضرورت ہے جو اس کی نگرانی کرے اور اس کی حفاظت کرے۔ تم لوگ اپنی اپنی رائے اس بارے میں بتاؤ۔ مہاجرین نے آپس میں مشورہ کیا۔ پھر یہ تجویز ہوا کہ انصار کی شرکت بھی اس مشورہ میں ضروری ہے۔ ان کی شرکت سے کوئی اور امر قرار پانا چاہئے۔ اس لئے ان کی مجلس میں یہ حضرات گئے۔ وہاں یہ مسئلہ پہلے سے چھڑا ہوا، انصار نے یہ تجویز کی کہ انصار میں ایک امیر مستقل ہو اور مہاجرین میں علیحدہ امیر ہو۔ (اس پر حضرت ابوبکرؓ نے حضور ﷺ کا ارشاد ''الائمۃ من قریش'' امیر قریش سے ہو نقل کیا) حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کون ہے وہ شخص جس کے لئے ایک ہی واقعہ میں تین فضیلتیں ہوں۔ چہ جائے کہ اور فضائل، اور پھر یہ تین بھی ایسی کہ جن میں سے ہر ایک کمال فضل پر دال ہو۔

اوّل حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اتحاد وارتباط اور تنہائی کے وقت ساتھ دینا۔ جس کو حق تعالیٰ شانہٗ "ثانی اثنین اذھما فی الغار" سے ارشاد فرمارہے ہیں۔ دوسرے حق تعالیٰ شانہٗ ان کو حضور کا ساتھی اور رفیق فرمارہے ہیں "ان اللہ معنا" اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس وقت حضور اور حضرت صدیق اکبر ﷛ دو ہی حضرات وہاں تھے جن کے متعلق حضور ﷺ نے ہمارے ساتھ فرمایا۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ دو کون تھے۔ جن کا آیت میں ذکر ہے کس قدر بڑی ذات ہے ان دونوں حضرات کی (یعنی حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کے برابر کون سی ہستی ہوسکتی ہے) اس کے علاوہ اور بھی گفتگو درمیان میں ہوتی رہی جو مختلف روایات میں وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث شریف ہے کہ حضرت عمر ﷛ نے فرمایا کہ اے انصار کی جماعت تمہیں معلوم ہے کہ حضور ﷺ نے ابوبکر ﷛ کو مصلے پر کھڑا کیا اور بیماری کے زمانہ میں حکماً نماز پڑھوائی، تم میں سے کون گوارا کرسکتا ہے کہ ایسے شخص کو امامت سے ہٹادے۔ جس کو حضور ﷺ نے امام بنایا ہو۔ انصار نے کہا کہ اللہ کی پناہ! ہم ابوبکر ﷛ کے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق ﷛ نے بیعت کے لئے ہاتھ پھیلا دیا اور حضرت ابوبکر صدیق ﷛ سے بیعت کی۔ اس کے بعد سقیفہ کے سب لوگوں نے برضا ورغبت بیعت کی۔

فائدہ: یہ ابتدائی بیعت تھی جو انصار کی مجلس میں ہوئی، اس کے بعد دوسرے دن مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی۔ جس میں اوّل حضرت عمر ﷛ نے ایک خطبہ جس میں حضرت ابوبکر ﷛ کے فضائل بھی تھے اور دیگر امور ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر ﷛ نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم میں کبھی خلیفہ بننے کا خواہشمند نہیں ہوا۔ نہ مجھے کبھی اس کی ترغیب ہوئی، نہ کبھی بھی پوشیدگی یا علانیہ اس کے حصول کی دعا کی۔ میرے انکار پر امت میں فتنہ پیدا ہوجانے کے ڈر سے میں نے اس کو قبول کیا ہے مجھے اس میں کوئی راحت نہیں ہے اور جو کام مجھ پر ڈالا گیا میری طاقت سے باہر ہے۔ اللہ کی مدد سے کچھ کام چل سکتا ہے۔

حضرت انس ﷛ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب مرض الوفات کی سخت تکلیف برداشت فرمارہے تھے تو حضرت فاطمہ ﷞ نے عرض کیا "ہائے بابا کی تکلیف" حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، آج کے بعد تیرے باپ پر کچھ تکلیف نہیں رہے گی۔ بے شک آج تیرے باپ پر وہ اٹل چیز اتری ہے یعنی موت، جو قیامت تک کبھی کسی سے ٹلنے والی نہیں۔ (ماخوذ من شرح شمائل ترمذی، خصائص نبوی)

مسئلہ حیات النبی ﷺ

از مولانا محمد منظور نعمانی (ماخوذ الفرقان ماہ ربیع الآخر ۱۳۷۸ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اب سے ایک سال پہلے میں پاکستان گیا تھا، اس وقت وہاں مختلف صحبتوں میں یہ بات سننے میں آئی تھی کہ دیوبند کے علمی اور دینی سلسلہ کے تلمذ اور عقائد کی نسبت رکھنے والے یہاں کے حضرات علماء میں ایک نیا اختلاف مسئلہ حیات النبی ﷺ کے بارے میں پیدا ہوگیا ہے۔ لیکن جن لوگوں سے میں نے اس بارے میں وہاں کچھ سنا وہ یا تو اصل حقیقت سے واقف نہ تھے یا اپنے علم وفہم کی خاص سطح کی وجہ سے نقطۂ اختلاف کو صحیح طور پر سمجھے ہوئے نہ تھے۔ اس لئے

ان کے بیانوں میں سے کچھ نہ سمجھ سکا کہ اس اختلاف کی اصل حقیقت کیا ہے اور جن حضرات اہل علم کا اس نزاع کے فریق کے طور پر نام لیا جاتا تھا۔ اتفاق سے ان میں سے کسی سے بھی اس سفر میں ملاقات کی نوبت نہیں آئی۔ اس لئے اپنے ان بزرگوں اور دوستوں سے حسن ظن کی بناء پر میرا یہی خیال رہا کہ یہ اختلاف غالباً نزاع لفظی کے قبیل سے ہوگا۔

پھر پاکستان سے میری واپسی کے بعد مختلف اوقات میں اس سلسلہ میں میرے پاس کچھ خطوط بھی آتے رہے اور ان سے معلوم ہوتا رہا کہ یہ کشمکش برابر بڑھ رہی ہے اور ایک نئی تفرقہ کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے۔ اس سلسلہ کے بعض خطوط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کی کتاب ''آب حیات'' کا حوالہ دے کر جماعت دیوبند کا مسلک یہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر موت طبعی وارد نہیں ہوئی بلکہ آپ جس حیات کے ساتھ اس دنیا میں رونق افروز تھے اسی حیات کے ساتھ قبر مبارک میں منتقل کر دیئے گئے۔ ان میں سے بعض خطوط میں یہ بھی تھا کہ بعض دوسرے اہل علم اس مسئلہ کی وجہ سے علماء دیوبند پر سخت طعن وتشنیع کر رہے ہیں اور مجھ سے اقرار کیا گیا تھا کہ اس بارہ میں جو کچھ صحیح سمجھتا ہوں اس کو الفرقان میں لکھوں۔ پھر گزشتہ مہینہ (اکتوبر میں) رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی پاکستان سے تشریف لائے تو انہوں نے بھی بتلایا کہ اختلاف و نزاع وہاں ایک اچھا خاصا فتنہ بنتا جارہا ہے اور اس کے بڑھنے کا خطرہ ہے اور اس بناء پر انہوں نے مجھے مشورہ دیا بلکہ اصرار سے فرمایا کہ اس بارے میں کچھ لکھنا ضروری ہے۔

الغرض یہی باتیں ان سطور کے لکھنے کی محرک ہوئی ہیں۔ میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اس کی حیثیت ہرگز کسی فیصلے اور محاکے کی نہیں ہے۔ مجھے تو ابھی تک بھی معلوم نہیں کہ واقعہ میں اصل نقطہ اختلاف کیا ہے۔ بہر حال جو کچھ اس مسئلہ میں، میں سمجھے ہوئے ہوں اور جو کچھ میرے نزدیک حق ہے اور ہمارے اکابر کا مسلک ہے وہ میں عرض کرتا ہوں۔ پہلے چند مسلمہ دینی اور تاریخی حقیقتیں ذکر کرنا چاہتا ہوں:

۱...... سب جانتے اور مانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تریسٹھ سال (چالیس سال نبوت سے پہلے اور تیئس سال نبوت کے بعد) اس عالم ناسوت میں قیام فرما کر ہجرت سے ٹھیک دس سال بعد ربیع الاوّل کے مہینے میں ''کل من علیہا فان اور کل نفس ذائقۃ الموت'' کے عام قانون کے مطابق داعی اجل کو لبیک کہا اور رفیق اعلیٰ سے واصل ہوگئے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم)

۲...... بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس صدمہ کا ایسا اثر ہوا کہ ہوش و حواس بجانہ رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال تو اس وقت یہ ہوگیا کہ قسم کھا کھا کر رسول اللہ ﷺ کی وفات سے انکار کرتے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ اس وقت اسی معاملہ میں ان کی شدت کا یہ عالم تھا کہ کہتے تھے کہ جو کوئی کہے گا کہ حضور ﷺ کی وفات ہوگئی میں تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔

۳...... جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی قیام گاہ سے واپس تشریف لائے (جہاں حضور ﷺ کی اجازت سے وہ کچھ دیر پہلے چلے گئے تھے) اور آپ نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے اس طرح باتیں کر رہے ہیں۔ اپنے کو سنبھال کے اور سب لوگوں کو جمع کر کے مسجد نبوی میں خطبہ دیا۔ جس میں پوری صدیقی شان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی وفات کا واشگاف اعلان کرتے ہوئے آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان منکم یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت'' تم میں سے جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ تو رحلت کر گئے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بیشک اللہ تعالیٰ زندہ ہیں۔ اس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔

اور اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت بھی تلاوت فرمائی: ''وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزي الله الشاكرين'' اور محمد تو اس کے کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ دشمن کے ہاتھ سے شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھرے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور شکر کرنے والے بندوں کو اللہ تعالیٰ یقیناً اچھا بدلہ دے گا۔ (آل عمران)

اور بعض روایات میں ہے کہ صدیق اکبر ﷜ نے اس موقعہ پر حضور ﷺ کی وفات سے متعلق قرآن مجید کی چند اور آیتیں بھی تلاوت فرمائیں۔ بہر حال آپ کے اس خطبہ کے بعد صحابہ کرام ﷡ اس مسئلہ میں یکسو ہو گئے۔ حضرت عمر ﷜ نے بھی اپنی غلطی محسوس کر لی اور اگلے دن مجمع عام میں اس کا اعلان بھی کر دیا۔

۴...... پھر رسول اللہ ﷺ کے وصال ہی کی بنیاد پر خلافت اور امامت کا مسئلہ اٹھا اور پھر سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر صدیق ﷜ کو آپ کا خلیفہ منتخب کیا گیا اور بیعت ہوئی۔

۵...... پھر رسول اللہ ﷺ کو آپ کے پہنے ہوئے کپڑوں میں غسل دیا گیا، پھر کفن پہنایا گیا۔

۶...... پھر صحابہ کرام ﷡ نے ایک خاص طریقہ اور ترتیب سے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔ یعنی اس طرح کہ چند چند صحابہ کرام ﷡ (بعض روایات کے مطابق دس دس) کی جماعت حجرہ مبارک میں داخل ہوتی تھی اور بغیر کسی کو امام بنائے نماز جنازہ پڑھ کر باہر آ جاتی تھی۔ اسی طرح تمام صحابہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی (اور ابن سعد وغیرہ کی ایک روایت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰ ﷜ نے کسی کو امام نہ بنانے کی وجہ یہ بتائی کہ رسول خدا ﷺ جیسے زندگی میں امام تھے اسی طرح بعد وفات بھی امام ہیں ''هو امامنا حياً وميتاً'' بہر حال یہ مسلم ہے کہ آپ کی نماز جنازہ صحابہ کرام ﷡ نے بغیر کسی امام کے پڑھی۔

۷...... آپ کا وصال دوشنبہ کے دن چاشت کے وقت ہوا تھا، اس دن اس کے بعد کی رات اور سہ شنبہ کا پورا دن جنازہ اسی طرح حجرہ شریف میں رکھا رہا اور لوگوں کی ٹولیاں باری باری نماز جنازہ ادا کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ شب چہارشنبہ میں آپ کو اسی حجرہ مقدسہ میں دفن کر دیا گیا۔

یہ سب وہ مسلمہ دینی اور تاریخی حقائق و واقعات ہیں جو حدیث و سیر کی کتابوں میں عام طور سے مذکور ہیں۔ اس لئے میں نے کسی کتاب کا حوالہ دینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ مجھے یقین ہے کہ ان میں کسی بات سے بھی کسی صحیح العقیدہ صاحب علم کو انکار یا اختلاف نہیں ہوگا۔

۸...... اسی طرح کسی صاحب علم پر یہ بھی مخفی نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید میں ان بندگان خدا کو جو راہ حق میں قتل کیے گئے اور دشمنان حق نے بظاہر جن کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ''احیاء'' یعنی زندہ کہا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس شاداں و فرحاں ہیں اور ان کو وہاں انواع و اقسام کا رزق اور طرح طرح کی نعمتیں مل رہی ہیں۔

۹...... اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام بہر حال ان سے افضل ہیں اور بدرجہا افضل ہیں۔ یقیناً ان کا انجام اور مقام ان شہداء کرام سے خوشتر اور بلند ہی ہونا چاہئے اور اسی لئے دنیا سے جانے کے بعد ان کی حیات شہداء

کی حیات سے اعلیٰ اور اقویٰ ہی ہونی چاہئے[۱]۔

۱۰...... اور نص قرآنی کے اسی "اشارہ" اور اسی ...... کی وضاحت ان احادیث سے ہوتی ہے جو کتب حدیث میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کے بارہ میں روایت کی گئی ہیں۔ جہاں تک اس ناچیز کو علم ہے۔ ان حدیثوں کو سب سے پہلے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ میں جمع کیا ہے اور پھر اس رسالے کے قریب قریب پورے مواد کو ساتویں اور آٹھویں صدی کے جلیل القدر محدث و فقیہ شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "شفاء السقام" میں نقل کر دیا ہے۔

اور متاخرین حفاظ حدیث میں سے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مسئلہ پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔ جس میں اس موضوع سے متعلق حسب عادت ہر طرح کی روایات کو جمع کر دیا ہے۔ زرقانی شرح مواہب میں بھی یہ حدیثیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان سب احادیث اور روایات سے مجموعی طور پر یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ جس طرح اس دنیا سے جانے کے بعد شہداء کو ایک خاص طرح کی حیات حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ دوسرے مؤمنین سے ممتاز ہیں اور جس کی بناء پر قرآن مجید میں ان کو احیاء کہا گیا ہے۔ اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کو ایک خاص الخاص حیات اس دنیا سے منتقل ہونے کے بعد حاصل ہو جاتی ہے اور وہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اور خاص کر خاتم الانبیاء ﷺ کو حاصل ہے[۲]۔

یہاں جو کچھ عرض کیا گیا ہے (جس سے غالباً کسی صاحب علم کو بھی اختلاف نہ ہوگا) اس سے لازمی نتیجہ کے طور پر دو باتیں ثابت ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات ناسوتی کا جو سلسلہ پیدائش سے لے کر ۶۳ سال کی عمر شریف تک جاری رہا تھا وہ تو وفات کے دن ختم ہو گیا اور "کل نفس ذائقۃ الموت" کے قانون عام

۱۔ حافظ ابن القیم نے کتاب الروح میں قرطبی کے حوالے سے شیخ احمد بن عمرو کا ایک قول نقل کیا ہے جس کی ۲، ۳ سطریں یہ ہیں: "ان الشهداء بعد قتلهم وموتهم احياء عند ربهم يرزقون فرحين، مستبشرين وهذان صفة الاحياء في الدنيا واذا كان هذا في شهداء كان الانبياء بذالك احق واولى"

۲۔ علامہ ابن القیم نے قرطبی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کے شیخ احمد بن عمرو حیات انبیاء کے سلسلہ کی ان حدیثوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ "يحصل من جملة القطع بان موت الانبياء انما هو راجع الى ان غيبوا عنا بحيث لا ندركهم" (کتاب الروح ص ۸۴) اس سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ مسئلہ میں اس طرح خیال کرنے والوں میں صرف زرقانی، ابن حجر، ہیثمی، سیوطی، شیخ عبدالحق دہلوی جیسے حضرات ہی نہیں ہیں بلکہ اس فہرست میں ان سے بہت پہلے ابوعبداللہ قرطبی اور شیخ احمد بن عمرو کے نام بھی اس فہرست میں ہیں۔ لیکن ان حضرات کی ایسی عبارتوں کا یہ مطلب قرار دینا کہ انبیاء علیہم السلام پر موت وارد ہی نہیں ہوتی اور ان کو اپنی قبروں میں بعینہ دنیا والی ناسوتی حیات حاصل ہے۔ ایسا سمجھنے والوں کی خوش فہمی کے علاوہ ان بزرگوں پر تہمت بھی ہو۔..... اسی طرح ہمارے یعنی بزرگوں کی تحریروں مثلاً "التصدیقات" میں انبیاء علیہم السلام کی قبر والی حیات کو جو حیوۃ دنیویہ کہا گیا ہے تو اس کا بھی ہرگز یہ مطلب نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ وہ حیات دنیا کی سی ہے۔ یعنی مع الجسد ہے۔ صرف برزخی روحانی نہیں ہے جو تمام مومنین کو بھی حاصل ہے۔ جن کے اجسام مٹی ہو چکے ہیں "التصدیقات" کے اردو ترجمہ ہی میں غور کرنے سے یہ مطلب خود واضح ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان بزرگوں کی ایسی عبارتوں کا یہ مطلب بیان کرنا اور ان کا یہ مسلک بتانا کہ انبیاء علیہم السلام پر موت وارد ہی نہیں ہوئی اور قبروں میں وہ بعینہ دنیا والی ناسوتی حیات کے ساتھ موجود ہیں۔ صریحاً ان پر یہ الزام لگانا ہے کہ اس مسئلہ میں ان کی رائے قرآن و حدیث کے صریح نصوص و بینات اور اجماع صحابہ اور اجماع وقت کے خلاف ہے۔ میں نہیں یقین کرتا کہ ہمارے علماء میں سے کسی نے ایسی لغویات کہی ہو۔ سبحانک هذا بهتان عظیم!

کے مطابق آپ پر وہ کیفیت وارد ہوئی اور آپ اس منزل سے گزرے جس کی تعبیر موت کے لفظ سے کی جاتی ہے۔ آپ کی اس رحلت کو صحابہ کرام نے موت ہی کہا اور موت ہی سمجھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کو کسی وقتی غلط فہمی یا غلبہ حالی کی وجہ سے) اس کے ماننے میں ابتداء جو تأمل اور تردد تھا وہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے بعد ختم ہو گیا اور آخر الامر تمام صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہو گیا کہ آپ کی ناسوتی حیات کا خاتمہ ہو چکا ہے اور آپ پر موت وارد ہو چکی اور قرآن حکیم کی بات "انک میت و انھم میتون" پوری ہو گئی۔

اور پھر اسی بناء پر آپ کو آخری غسل دیا گیا۔ موت کے بعد والا لباس یعنی کفن پہنایا گیا، قبر میں دفن کیا گیا (حالاں کہ اگر کسی آدمی میں ناسوتی حیات کا شائبہ بلکہ شبہ بھی ہو اور اس کی موت کا یقین نہ ہو چکا ہو تو اس کو دفن کر دینا شدید ترین شقاوت اور قطعاً حرام ہے اور کسی پیغمبر کے ساتھ شقاوت وظلم کا یہ معاملہ کرنا تو صرف حرام ہی نہیں بلکہ سخت ترین اور خبیث ترین کفر ہے۔

اور دوسری بات مذکورہ بالا دینی اور تاریخی حقائق و واقعات سے یہ معلوم ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی موت کو بالکل دوسرے آدمیوں کی سی موت نہیں سمجھا بلکہ اس کی نوعیت عام انسانوں سے کچھ مختلف بھی۔ اس لئے آپ کو (۱) آخری پہنے ہوئے کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ (۲) کرتا تک جسم اطہر سے نہیں اتارا گیا۔ (۳) نماز جنازہ بھی عام اموات مسلمین کی طرح نہیں پڑھی گئی۔ بلکہ دوسرے طریقہ سے پڑھی گئی۔ بلکہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معروف نماز جنازہ کے بجائے صرف صلوٰۃ وسلام عرض کیا گیا اور آپ کے احسانات کے اعتراف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے بس دعا کی گئی) اور اس سے بڑھ کر یہ کہ (۴) مردوں کے دفن کرنے کے بارہ میں تاخیر نہ کرنے کا جو عام تاکیدی حکم ہے اس کے بالکل برخلاف قریباً پورے دو دن گزر جانے کے بعد دفن کیا گیا اور اس غیر معمولی تاخیر میں کوئی ہرج نہیں سمجھا گیا اور کوئی (۵) اندیشہ نہیں محسوس کیا گیا اور (۶) کسی ایک صحابہ نے بھی اس معاملہ میں جلدی کرنے کا تقاضا نہیں کیا۔

پھر آپ کی ایک خاص ہدایت آپ کی زندگی کے عزیز مسکن (۷) یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس حجرہ ہی کو آپ کا مدفن اور آپ کی دائمی آرام گاہ بنایا گیا اور آپ اسی میں دفن کئے گئے۔ اسی طرح آپ کی ایک ہدایت کے مطابق (۸) آپ کی املاک میں ترکہ اور وراثت کا عام قانون جاری نہیں کیا گیا۔ بلکہ آپ کی حیات طیبہ میں جو مصرف اور نظام تھا وہی بدستور قائم رکھا گیا۔ اسی طرح (۹) آپ کی ازواج مطہرات کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے مسکونہ حجروں کو تا زیست اپنے استعمال میں رکھیں اور رسول اللہ ﷺ کے املاک سے اپنا نفقہ تا حیات حاصل کرتی رہیں۔ جیسا کہ حضور کے سامنے ان کو یہ دونوں حق حاصل تھے۔ حالاں کہ کسی مسلمان کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ بیوی کے یہ حقوق صرف عدت کی مختصر مدت تک رہتے ہیں۔

ان سب استثنائی اور اختصاصی احکام و معاملات سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ رسول پاک ﷺ کی وفات کی نوعیت دوسرے تمام لوگوں کی موت سے بہت کچھ مختلف ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اتنی بات سے ہمارے حلقے کے کسی صاحب کو اختلاف ہوگا۔ اسی طرح بعض احادیث سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نیز دیگر انبیاء علیہم السلام کو اپنے مدفون میں ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے (جو اس عالم کے مناسب ہے اور بعض حیثیات

سے دنیا والی ناسوتی حیاتؐ سے بھی اعلیٰ واقویٰ ہے) غالباً اس سے بھی کسی صاحب علم کو اختلاف نہ ہوگا۔...... ہاں اس کے آگے موت وحیات کی نوعیت کی تعیین اور تفصیلات میں کچھ اختلاف ہو سکتا ہے اور اس کی گنجائش بھی ہے اور ایسے اختلافات خود اہلسنت بلکہ اہلسنت کے ایک ایک حلقے میں بھی ہمیشہ رہے ہیں اور ان کی اہمیت دنیا اور ان کی باتوں کا باعث تفرقہ بنانا بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔

اس کے بعد چند کلمات میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے رسالہ "آب حیات" کے مضمون کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں: جن حضرات نے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی تصنیفات اور مکاتیب کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ آپ کی اکثر تحریریں اردو میں ہونے کے باوجود مضامین کے لحاظ سے اتنی مشکل اور ادق ہیں کہ آج کل کے ہمارے اصحاب درس علماء میں بھی شاذ ونادر ہی ایسے نکلیں گے جو ان کو پوری طرح سمجھ سکیں اور اس ناچیز کے خیال میں آپ کی تصنیفات میں سب سے مشکل اور دقیق ترین بھی "آب حیات" ہے۔ درس نظامی کے جملہ فنون میں سب سے مشکل منطق وفلسفہ، صدرا اور ان فنون کی درسی کتابوں میں سب سے مشکل ہمارے درسی حلقوں میں قاضی حمد اللہ، صدرا اور خیالی کو سمجھا جاتا ہے۔

اس عاجز نے یہ کتابیں پڑھی بھی ہیں اور ان میں جو مشکل ترین ہیں وہ مدرسی کے زمانے میں پڑھائی بھی ہیں۔ میں خود اپنا تجربہ عرض کرتا ہوں کہ ان میں سے کسی کتاب کے سمجھنے میں مجھے اتنی مشکل پیش نہیں آئی جتنی کہ "آب حیات" کے سمجھنے میں آئی تھی۔ میں نے آب حیات کا مطالعہ پہلی دفعہ اپنی عربی طالب علمی کے آخری دور میں اس وقت کیا تھا جب کہ منطق وفلسفہ اور کلام کی سب درسی کتابیں میں پڑھ چکا تھا اور ان فنون کے وہ مباحث مجھے خوب مستحضر تھے۔ ان کے استحضار کے بغیر آب حیات کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیکن مجھے خوب یاد ہے کہ اس وقت بھی میرا احساس یہی تھا کہ میں نے ساری عمر میں جو کتابیں دیکھی یا پڑھی ہیں ان میں سب سے زیادہ مشکل اور صعب الفہم یہی کتاب ہے۔ اپنے اس ذاتی تجربہ کی بناء پر مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ ہمارے حلقہ کے علماء میں بھی آب حیات کو پوری طرح سمجھنے والے ہندوپاک، طول وعرض میں اب گنتی کے چند ہی ہوں گے[2]

---

[1] اس تحریر میں حیات ناسوتی سے ہر جگہ میری مراد وہ حیات ہے جس کے لوازم اور خصائص اس عنصر مادی عالم کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس کا سلسلہ ختم ہو جانے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے براہ راست وہ استفادہ جو آپ کی اس ناسوتی حیات میں ہر شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کر سکتے تھے۔

[2] مجھے اپنی اس رائے پر مزید اطمینان اپنے مکرم ومحترم مولانا قاری محمد طیب صاحب زید مجدہم سے ابھی حال میں یہ ہوا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمہ اللہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے آخری دور حیات میں ایک دن ان سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تم کو آب حیات پڑھا دوں۔ لیکن مجھے اس کا مطالعہ کرنا ضروری ہوگا۔ اس لئے تم اس کا ایک نسخہ لا کر میرے سرہانے رکھ دو۔ میں رات کو مطالعہ کر لیا کروں گا۔ قاری صاحب کا بیان ہے کہ میں نے نسخہ لا کر رکھ دیا۔ لیکن پھر یا تو مطالعہ کا وقت نہیں مل سکا یا کوئی اور وجہ پیش آ گئی کہ اس کے پڑھنے یا پڑھانے کی نوبت نہ آ سکی۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا کا وقت موعود آ گیا اور یہ کام رہ گیا۔ اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آب حیات کس قسم کی کتاب ہے کہ محمد طیب صاحب جیسے ذکی عالم وفاضل کو بھی اس کے پڑھنے کی ضرورت تھی اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم جیسے راسخ العلم اس کے پڑھانے کے لئے پہلے مطالعہ کر لینا ضروری سمجھتے تھے۔ پھر جب کل ۷ رنومبر کو اس ناچیز نے اپنی یہ تحریر سہارنپور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی کو سنائی تو وہ واقف تھے حضرت ممدوح نے بھی اس کی تائید میں سنائے۔ ایک یہ کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا جب وصال ہوا تو شیخ الہند رحمہ اللہ نے منطق وفلسفہ کی کتابیں پڑھانی چھوڑ دیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور بغیر کسی تکلف اور انکساری کے عرض کرتا ہوں، اب میں بھی ان میں سے نہیں ہوں کیوں کہ اس کے سمجھنے کے لئے منطق وفلسفہ اور کلام کے جو مباحث مستحضر ہونے چاہئیں وہ اب مجھے مستحضر نہیں رہے ہیں۔ تاہم چوں کہ اس کو سمجھ کر مطالعہ کیا تھا اس لئے اس کو حاصل ومدعی اور مرکزی مضمون الحمدللہ اب تک ذہن میں ہے۔ اب ان سطروں کے لکھنے سے پہلے بھی میں نے اسی پوری کتاب کا ایک سرسری مطالعہ حال ہی میں کیا ہے اور میں علیٰ وجہ البصیرت یہ کہنے کا اپنے کو حقدار سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے حیات وممات کے بارہ میں اس میں کوئی بات بھی جمہور امت اور اہل سنت کے ان تمام دینی اور تاریخی مسلمات اور معتقدات کے خلاف نہیں ہے۔ جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کی حیات اور حیات بعد الممات کی خاص نوعیت کی تحقیق اور تعیین میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خاص طرز پر ایک نہایت دقیق وعمیق کلام کیا ہے (اور اس کے ساتھ دجال کی حیات وممات کے خاص نوعیت کے بارے میں بھی اسی طرز پر کچھ کلام کیا ہے اور بلاشبہ یہ تحقیق اتنی دقیق ہے کہ عوام کے علاوہ خواص کے فہم سے بھی بالاتر ہے۔ میں اس کو عوامی مسئلہ بنانا از قبیل اتباع متشابہات اور غریب عوام کو فتنے میں ڈالنا ہے۔ وہ بیچارے اصل حقیقت کو تو سمجھ نہ سکیں گے۔ پھر یا تو کچھ کا کچھ سمجھ کے اندھی عقیدت میں اس کو اپنا عقیدہ بنا کے گمراہ ہوں گے یا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر گمراہی اور بداعتقادی کے فتوے لگائیں گے۔ ہمارے علماء کرام کو للہ سوچنا چاہئے کہ سارے ضلال وفساد کا ذمہ دار عنداللہ کون ہوگا۔

دیوبند کیا ہے

آخر میں چند کلمات دیوبندی مسلک ومشرب کے بارہ میں بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ہمارے اکابر وہ اساتذہ حضرات علماء دیوبند کا کوئی الگ اعتقادی یا فقہی کتب فکر نہیں ہے۔ عقائد میں ہم اہلسنت وجماعت کے طریقے پر اور فقہ میں حنفی ہیں۔ البتہ احناف اہلسنت میں ہمارے اکابر کا ایک خاص رنگ ہے۔ بس اسی کی تعبیر دیوبندیت سے کی جاتی ہے اور وہ رنگ مندرجہ ذیل خصوصیات کے اجتماع سے پیدا ہوتا ہے۔

۱...... فقہ حنفی پر اطمینان اور اس کے مطابق فتویٰ اور عمل کے ساتھ حدیث وسنت سے خاص تعلق وشغف نیز دوسرے ائمہ مجتہدین اور اسی طرح حضرات محدثین کا ادب واحترام اور دل میں ان سب کی عظمت ومحبت۔

۲...... اس فقہ اور علمی خصوصیت کے ساتھ حضرات صوفیائے کرام کی نسبت کی طلب وتحصیل یا کم از کم دل میں ان کی عظمت ومحبت۔

۳...... ان سب کے ساتھ اتباع سنت اور شرک وبدعت سے نفرت اور اس معاملہ میں ایک خاص صلابت وحمیت۔

۴...... اور پھر اس سب کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ اور اس راہ میں مر مٹنے کا شوق بس دیوبندیت دراصل اس

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) حالاں کہ پہلے پڑھایا کرتے تھے۔ جب بہت اصرار کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کتابوں کو ہم صرف اسی لئے پڑھایا کرتے تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سمجھنے میں ان سے مدد ملتی تھی۔ اب جب وہ نہ رہے تو کیوں ہم خواہ مخواہ ان کتابوں پر مغز ماریں۔ دوسرا واقعہ اس سلسلے کا یہ سنایا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تدریسی دور میں بار بار یہ طے ہوا اور اس کا منصوبہ بنا کہ حضرت کے خاص تلامذہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ (جب ان حضرات کے پڑھانے کا زمانہ تھا) حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ لیکن اس کی نوبت غالباً نہیں آئی۔ بہرحال جن حضرات نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشکل تصانیف آب حیات وغیرہ خود نہیں دیکھی ہیں۔ وہ ان واقعات سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کس قسم کی کتابیں ہیں اور اردو خواں عوام تو عام آج کل علماء میں بھی کتنے ہیں جو ان کو سمجھ سکتے ہیں۔

خاص رنگ کا عنوان ہے۔ جو ان عناصر اربعہ کے اجتماع سے پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے اسی سلسلہ کے اکابر و اساطین حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (نور اللہ مرقدہم) اور ان کے خاص تلامذہ مسترشدین ان چیزوں کی جامعیت میں ممتاز تھے۔ ورنہ یہ خصوصیات جدا جدا دوسرے حلقوں میں بھی پائی ہیں۔ میں یہ بھی عرض کردوں کہ دیوبندیت کی یہ تحقیق اور اس کا یہ تجزیہ ایک صحبت میں اس عاجز نے مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم سے سنا تھا۔ اس کے بعد سے جب اور جتنا اس پر غور کیا اتنا ہی اس کو صحیح اور واقعہ کے مطابق پایا۔ بہرحال طریق اہل سنت اور فقہ حنفی سے وابستگی کے بعد یہ ہے کہ وہ خواص رنگ یا خواص مشرب جس کا عنوان دیوبندیت ہے۔ پس جو ہم میں سے جتنا اس رنگ میں کامل یا ناقص ہے تو اتنا ہی وہ دیوبندیت میں کامل یا ناقص ہے اور سب سے پہلے میں اقرار و اعلان کرتا ہوں کہ میں اپنے حال عمل کے لحاظ سے بہت ہی ناقص قسم کا دیوبندی ہوں۔ لیکن الحمدللہ میں نے اصل دیوبندیوں کو دیکھا ہے اور ان کے طریقے اور ان کے حال پر جینے اور مرنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ احب الصالحین ولست منهم لعل اللہ یرزقنی صلاحا!

آخر میں میں پھر عرض کرتا ہوں کہ بخدا نہ مجھے اب تک کسی ذریعہ سے معلوم ہوسکا ہے اور نہ میں خود غور کرکے سمجھ سکا ہوں کہ اس مسئلہ میں ہمارے علماء میں اصل نقطہ اختلاف کیا ہے۔ میں خود جس طرح اس مسئلہ کو سمجھے ہوئے ہوں اور جو میرے نزدیک حق ہے اور ہمارے اکابر کا مسلک ہے وہ میں نے ان صفات میں اپنے امکان کی حد تک صاف اور صحیح طور پر پیش کردینے کی کوشش کی ہے۔ یہ ناچیز دو تین دن سے مخدومنا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت برکاتہم کی خدمت میں سہارنپور آیا ہے۔ اپنی اس تحریر کی تکمیل بھی یہیں کی ہے اور حضرت ممدوح و مخدومی حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث مظاہر العلوم کو یہ تحریر میں نے لفظ بلفظ سنا بھی دی ہے اور میرے اور پوری جماعت کے ان دونوں بزرگوں نے اس کی تصویب بھی فرمائی ہے۔ ہمارے جن بزرگوں اور دوستوں کی رائے میں اس بارے میں کوئی اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ پورے ادب و احترام و اخلاق کے ساتھ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ جو کچھ ناچیز نے اس تحریر میں عرض کیا ہے اگر وہ صرف اتنے پر متفق ہوں تو اختلاف ختم ہوجانا چاہئے اور اس سے آگے کسی نقطہ میں اگر بالفرض اختلاف ہو بھی تو اس کو ہرگز وجہ تفریق نہیں بنانا چاہئے۔ بلکہ اعلان ہونا چاہئے کہ یہ اختلاف اس قسم کا علمی اختلاف ہے جو ایک حلقہ کے اہل علم میں بھی ہوسکتا ہے۔ خود ہمارے اساتذہ اور مشائخ میں بعض مسائل کی تحقیق میں اختلاف ہوا ہے اور ہورہا ہے۔ اگر ضرورت ہو تو یہ عاجز اس کی بیسیوں مثالیں گنا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم غیر ضروری بنیادوں پر تفریق کا باعث نہ بنیں۔

یہ تحریر مکمل کرلینے کے بعد دیوبند بھی حاضر ہوا اور وہاں استاذی حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کو بھی میں نے یہ تحریر سنائی۔ حضرت ممدوح نے آب حیات کے مضمون پر بصیرت افروز روشنی ڈالی جو بلاشبہ آپ ہی کا حق ہے (لیکن جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں وہ صرف خواص اہل علم کے سننے اور سمجھنے والی بات ہے۔ اس لئے میں اس کو اس تحریر کا جز بنانا نہیں چاہتا) ساتھ ہی مجھ سے فرمایا کہ اس تحریر کے آخر میں یہ اضافہ اور کردیا جائے کہ آب حیات کے مضمون کو جو شخص ٹھیک ٹھاک سمجھ لے گا وہ اس کی نصوص قرآن وحدیث یا اجماع امت کے خلاف ہونے کا شبہ بھی نہیں کرے گا۔ یہ شبہ اس کو ہوگا جو اس کا مطلب صحیح سمجھ نہ سکے گا اور جو شخص اس کا مطلب ایسا بیان کرے ...... اور اجماع کے خلاف ہو تو سمجھنا چاہئے کہ اس نے اس کا مطلب صحیح نہیں سمجھا (اس کے ساتھ مولانا ممدوح نے فرمایا کہ) آب حیات والی تحقیق ایک نہایت دقیق علمی تحقیق اور ایک مستقل عمیق علم ہے۔ اس کا سمجھنا اور ماننا نہ اہلسنت ہونے کی شرط ہے نہ دیوبند مشرب ہونے کی۔ لہٰذا اس مسئلہ کو ہرگز وجہ تفریق نہیں بنانا چاہئے۔ دونوں فریق ہمارے ہیں اور ہمارے افراد کے جماعت ہیں۔

دارالعلوم دیوبند، ۱۱ر نومبر ۱۹۵۸ء

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ (الحدیث)

حیات پاک
(برزخی)
رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِینَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق علماء دیوبند کا مسلک

مرتبہ:

جناب حافظ نذیر احمد نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

نہیں کوئی عبادت کے لائق سوائے اللہ تعالیٰ کے
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں

حیاتِ پاک

[برزخی]

رحمۃٌ لِّلعالمینْ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متعلق علماء دیوبند کا مسلک

مُرتّبہ

حافظ نذیر احمد عفی عنہ نقشبندی مُجددی

انجمن نصرۃ القرآن

جامع مسجد مدنیہ، مدنی محلہ، کھنسنز گھر، گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفِ چند)

حافظ نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ گوجرانوالہ

گوجرانوالہ کے حضرت حافظ نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے دوسرے سجادہ نشین مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ (حضرت ثانی) سے بیعت تھے۔ صاحب نسبت، بزرگ تھے۔ گوجرانوالہ میں ان کا کپڑے کا کاروبار تھا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کے دور امارت سے مجلس تحفظ ختم نبوت کی مرکزی شوریٰ کے رکن رہے اور مجلس کے معاون خاص۔ آپ نے ''حیات پاک برزخی رحمۃ اللعالمین'' کے نام سے یہ کتابچہ مرتب فرمایا۔ اس مجموعہ میں ہم اسے شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشاد گرامی سلطان الاولیاء پیر طریقت رہبر شریعت مخدوم العلماء، سیدنا و مرشدنا

حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب نور اللہ مرقدہ

امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی

کتاب رحمۃ للعالمین ﷺ حضور نبی کریم ﷺ کی حیات برزخیہ کے اجتماعی عقیدہ کے بیان میں حافظ نذیر احمد صاحب نے بڑی محنت سے ترتیب دی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اپنے اسی جسم اطہر عنصری کے ساتھ جسم مع الروح اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ جو مسلمان روضہ اطہر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کرتا ہے۔ وہ حضور نبی کریم ﷺ خود سماعت فرماتے ہیں اور دور سے صلوٰۃ وسلام پیش کرنے والے کا صلوٰۃ وسلام فرشتے حضور کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور ان فرشتوں کا کام ہی یہی ہے۔ جو اس کام کے لئے مقرر ہیں۔ یہ امت مسلمہ کا اجتماعی عقیدہ ہے۔ اسی عقیدہ کی حفاظت واشاعت کے لئے حافظ صاحب نے یہ کتاب ترتیب دی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ فضائل درود شریف کا رسالہ بھی ترتیب دیا ہے یہ دونوں کتابیں قابل قدر ہیں۔ تمام مسلمانوں کو ان کتابوں سے اپنے عقیدہ کی اصلاح کے لئے پڑھنا اور اپنے گھر رکھنا بڑا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کی اس محنت کو قبول فرماوے اور مسلمانوں کے لئے نفع مند گردانے۔ آمین!

فقیر خان محمد عفی عنہ، از خانقاہ سراجیہ

رائے گرامی

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث وصدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد!

راقم اثیم نے کتاب حیات پاک (برزخی) رحمۃ للعالمین ﷺ مرتبہ جناب محترم حافظ نذیر احمد صاحب نقشبندی مجددی دام مجدہم جستہ جستہ مقامات سے پڑھی جس میں فضائل درود شریف اور توسل کے مسئلہ کے علاوہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بعد از وفات، حیات پر بھی باحوالہ بحث کی گئی ہے کہ "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" اور یہ کہ حیات ان کے ارواح طیبات کے ان اجسام مبارکہ کے متعلق ہے جو ان کو دنیا میں حاصل تھے نہ صرف ارواح کی حیات ہے اور نہ اجسام مثالیہ کے تعلق سے ہے جیسا کہ بعض لوگوں کو یہ مغالطہ یا شبہ ہے اور چونکہ یہ حیات اجسام عنصریہ اور دنیویہ کے تعلق سے ہے اس لئے اس کو حیات دنیویہ سے تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ اجسام مثالیہ کے تعلق سے حیات کا شبہ نہ ہو اور اس لحاظ سے برزخیہ بھی ہے کہ برزخ میں ہے اور اس جہان میں رہنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہے اور ان کو محسوس نہیں ہوسکتی کیونکہ ان سے زندگی میں ایمان بالغیب مطلوب ہے اور احساس اور مشاہدہ کے بعد ایمان بالغیب نہیں رہتا اور حیات کی اسی تفسیر کے تحت کہ آں حضرت ﷺ کی قبر مبارک میں جسد اطہر کے روح مقدس کے تعلق سے حیات حاصل ہے۔ آپ ﷺ عندالقبر صلوۃ وسلام سنتے اور جواب دیتے ہیں اور دور سے درود شریف بذریعہ ملائکہ آپ ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے جیسا کہ تسکین الصدور وغیرہ میں صحیح احادیث سے اس پر بحث موجود ہے اور تمام ملت اسلامیہ کا یہ اجماعی عقیدہ ہے۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کیونکہ روضہ مبارک پر جو درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ بالاتفاق بلاواسطہ حضور ﷺ پر پیش ہوتا ہے اور آپ ﷺ اس کو سنتے اور جواب دیتے ہیں۔

(امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۱۰)

اور تمام اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا یہی متفقہ نظریہ اور مسلک ہے۔ اب اگر کوئی اختلاف کرتا ہے تو اس کا اپنی رائے پر گھمنڈ اور سینہ زوری ہے اور وہ "اعجاب کل ذی رای برأیہ" کا مصداق ہے۔ اللہ تعالیٰ جناب حافظ صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے حق مسلک کی حفاظت کے لئے کاوش کی ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ الی یوم الدین۔ آمین۔ ثم آمین!

احقر: ابوالزاہد محمد سرفراز

خطیب جامع مسجد گکھڑ وصدر مدرس نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲ رشوال ۱۴۰۶ھ / ۱۰ رجون ۱۹۸۶ء

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب ﷫

نور نظر ولخت جگر فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری ﷫ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

رحمۃ للعالمین رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اپنے دلآویز گوشوں کے اعتبار سے منفرد، ممتاز اور بے مثال واقع ہوئی ہے۔ قرآن مجید نے آپ ﷺ کی بشریت کے کھلے بندوں اعلان کیا اور آثار بشریت آپ ﷺ کی حیات پاک پر ہویدا ہیں، آپ ﷺ کا حلیہ مبارک آپ ﷺ کا سراپا اقدس، نشست و برخاست، بے داری وخواب، رفتار وگفتار، اکل وشرب خوشیوں سے مسرور ہونا، غموں کا تاثر لینا، سب کچھ انسانوں کی طرح ہے۔ نکاح ومناکحت بچوں کی پیدائش، انکی ضروریات کا احساس، گھر گرہستی کا فکر، عیال داری، اس کا انتظام، بھوک کا احساس، تشنگی کا خیال، آخر کن کن چیزوں کا انکار کیا جائے گا اور آپ ﷺ کو بشریت سے نکالنے کے لئے کیا کیا دلائل قائم کئے جائیں گے، قدم قدم پر خود آپ ﷺ کا اعلان کہ میں انسان ہوں پھر آپ ﷺ کی دید وشنید سے آشنا مقدس حلقے یعنی حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کوئی بھی تو آپ ﷺ کی بشریت کا منکر نہیں۔ اب اگر کوئی آپ ﷺ کو بشریت کے حلقہ سے نکالتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے ارشاد، آپ ﷺ کے اعلان، صحابہ ﷺ کے فکر و بیان، سے مزاحم ہوتا ہے مگر اس کے باوجود آپ ﷺ کو عام انسانوں کا درجہ دینا اتنا ہی بڑا ظلم ہے جتنا کہ آپ ﷺ کی بشریت کا انکار کسی شاعر نے کہا ہے اور خوب کہا ہے۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل　　مقام برزخ کبریٰ میں ہے اس حرف مشدد کا

اگر ایک شعر پر غور کر لیا جاتا تو بے سود مباحث کے طومار نہ کھڑے کئے جاتے آپ ﷺ کی وفات کا انداز بھی نرالا ہے۔ انقطاع حیات دنیوی عام انسانوں کی طرح لیکن امتیازی شان لئے ہوئے۔ جنازے کی نماز ضرور ہوئی لیکن متعارف طریقہ سے ہٹ کر؛ پھر جسد اطہر کی تدفین اور یہ سب کچھ ان کے ہاتھوں ہوا جو رمز آشنائے نبوت اور عارف منصب رسالت تھے پھر جھگڑا ہی کیا رہ گیا۔ لیکن بدقسمتی سے آپ ﷺ کی حیات برزخی کے مسئلہ کو بھی نظری بنا دیا گیا۔ حافظ نذیر احمد نقشبندی موصوف، آپ ﷺ کی حیات برزخی کے اثبات وثبوت کے لئے تصنیف کی طرف متوجہ ہوئے اور ضخامت کہتر لیکن بقیمت بہتر مجالہ تیار کر دیا جس میں تمام علماء اسلام اور علماء دیوبند کے عقیدہ کو اس طرح منقح کیا کہ اب نہ کوئی اندھیرا رہا نہ کوئی الجھاؤ نہ کوئی تاریکی اور نہ کوئی ابہام بلاشبہ انہوں نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا وہی علماء حق وحقانی کا عقیدہ اور حلقہ دیوبند کا قاطع فیصلہ ہے۔

حافظ صاحب موصوف کو ذات نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے نسبت عشق ہے جو سرمایہ ایمان اور بضاعت آخرت قرار دی جائے گی چنانچہ آپ نے فضائل درود شریف پر بھی ایک قیمتی رسالہ لکھا بلکہ دوسرے گوشوں پر بھی آپ کا قلم رواں دواں ہے جنہیں دیکھ کر "اللھم زد فزد" کی دعائیں ورد زباں ہوتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ رحمۃ للعالمین کا مطالعہ بصیرت و بصارت کے لئے کارآمد اور دانش وبینش کے لئے انفع ثابت ہوگا۔

وماذالک علی اللہ بعزیز!　　انظر شاہ

۲۸ رشعبان ۱۴۰۶ھ

بدوران سفر طیارہ از دہلی برائے انگلستان

شکریہ معاونین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ و بارک و سلم من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

رحمت للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکریہ ادا نہیں کرے گا۔

اس حدیث مبارک کے مطابق یہ بات نہایت ہی ضروری ہے کہ جن محسنین و بزرگان عظام نے اس کتاب کی تیاری، استفادہ مسودات وتصحیح اور دعاؤں سے معاونت فرمائی، ان سب کا شکریہ ادا کیا جائے۔

اوّل شکریہ کے مستحق مرشد العلماء والصلحاء پیر طریقت، امیر شریعت و امیر مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان، سیدنا و مرشدنا قبلہ حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ مجددیہ نقشبندیہ کندیاں ضلع میانوالی ہیں۔ جنہوں نے سب سے پہلے اس کتاب کا مسودہ دیکھ کر خاص نظر عنایت فرمائی اور خصوصی دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماویں، اور اپنی مخلوق کی ہدایت کا باعث بناویں۔ آمین!

اور شکر گزار ہوں ان ہر دو حضرات، حضرت مولانا قاضی محمد شمس الدین صاحب نقشبندی، مجددی ہزاروی، ہری پوری خلیفہ مجاز سراج الاولیاء حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی، اور حضرت مولانا حاجی عبدالرشید صاحب رحیم یار خان خلیفہ مجاز سلطان الاولیاء حضرت مولانا سیدنا و مرشدنا ابوالخلیل خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ سراجیہ کا جنہوں نے حضرت اقدس سیدنا و مرشدنا و مولانا خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اس کتاب کو حرفاً حرفاً از اول تا آخر دیکھا اور تصحیح فرمائی اور شکر گزار ہوں ان اکابرین کا جن کی کتابوں سے مسودات جمع کئے۔ اللہ تعالیٰ سب کی کوششوں کو مقبول و منظور فرماویں۔ اور اجر عظیم عطا فرماویں اور اللہ تعالیٰ کے حضور التجاء ہے کہ ان تمام حضرات کے لئے جو اس کتاب کا مطالعہ فرماویں کہ مولا کریم ان سب کو رحمت اللعالمین ﷺ کا ادب و احترام سچی محبت اور اتباع کی توفیق نصیب فرماویں، اور اس سیاہ کار کے لئے ذریعہ شفاعت مغفرت و نجات بنادیں۔

آمین بحرمت النبی الکریم علیہ و علی آلہ التسلیم

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا وشفیعنا وحبیبنا ومولٰنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ وذریاتہ واھل بیتہ اجمعین عدد خلقہ ورضا نفسہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ۔ امابعد!

اللہ تعالیٰ رحیم وکریم کا لاکھ لاکھ بار شکر واحسان ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم اور بے حد مہربانی سے اپنے اس عاجز وگناہ گار بندے کو یہ توفیق عنایت فرمائی کہ یہ اس کے اشرف المخلوقات بندے سید الانبیاء والمرسلین شفیع المذنبین رحمت للعالمین حضرت سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ سے متعلق لکھے، حالانکہ اس سے پہلے بے شمار اکابرین ومحدثین مفسرین اولیاء کرام، علماء عظام نے اتنی اتنی بلند وبالا مدلل کتابیں لکھی ہیں جن کا شمار مشکل ہے ان کے موجود ہوتے ہوئے اس ناکارہ کا اس بلند وبالا موضوع اور اشرف الانبیاء ﷺ کی شان اقدس میں کچھ لکھنا ماسواء اس کے کہ ان حضور اکرم رحمت دو عالم ﷺ کی شان مبارک لکھنے والوں کے زمرہ میں اس سیاہ کار کا نام آجائے اور رحمت دو عالم ﷺ کے محبین میں شامل ہو جائے تو بفضلہ تعالیٰ نجات کی امید رکھتا ہے کسی اللہ کے بندے کیا ہی خوب فرمایا۔

احب الصالحین ولست منھم لعل اللہ یرزقنی صلاحا

نیک صالحین لوگوں سے محبت رکھتا ہوں مگر میں ان میں سے نہیں ہوں شاید کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کی برکت سے مجھے بھی ان میں شامل فرمالیں۔

اور یہ ناکارہ اپنی حیثیت ان اکابرین کے ساتھ اس کتے جیسی بھی نہیں تصور کر سکتا۔ جس نے اللہ کے مقبول بندوں اصحاب کہف کا ساتھ اختیار کیا۔ تو اللہ تعالیٰ ان پاک نفوس کی برکت سے اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان اکابرین کی برکت سے اس سیاہ کار کو ان کی رفاقت جنت میں نصیب فرمائے۔ آمین بحرمت نبی الکریم علیہ وآلہ التسلیم

اس کتاب میں مسئلہ حیات النبی ﷺ کے متعلق علماء دیوبند کے روشن مسلک کی وضاحت ہے جو کہ سید الانبیاء ﷺ سے لے کر آج تک امت کا متفقہ عقیدہ ہے۔ موجودہ دور میں معتزلہ عقیدہ کے چند لوگ جو کہ اپنے آپ کو علماء دیوبند کے متبع ظاہر کر کے اکابرین دیوبند کو بدنام کرتے ہیں۔ اور انہوں نے اپنی زندگی کا رخ "ورفعنا لک ذکرک" (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے محبوب ﷺ ہم نے آپ کا ذکر بلند فرمایا)

کے بجائے حضور علیہ السلام کی شان اقدس گھٹانے کی طرف موڑ لیا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا" قرآن پاک سمجھنے میں بہت سے لوگ ہدایت پاتے ہیں اور بہت سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔

بعینہ اسی طرح حامل قرآن جن پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرمایا، رحمت عالم ﷺ کی شان اقدس کو صحابہ کرام، اولیاء عظام کی محبت اور عظمت بھری نگاہوں سے دیکھنے والے ہدایت پر ہیں۔ اور اپنی حالت پر قیاس کرنے والے گمراہی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی حالت پر قیاس کرنے والوں کا قول قرآن پاک میں نقل فرمایا کہ کفار کہتے تھے: "وقالوا مال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی

الاسواق" اور کہنے لگے کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ اور ان کے یہ الفاظ کہنے کا نتیجہ ان کو یہ ملا "خسر الدنیا و الآخرۃ" کہ دنیا اور آخرت دونوں ہی برباد ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رحمت للعالمین ﷺ کی شان بلند کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ خود خدا تعالیٰ ہی اپنے حبیب ﷺ کی شان بلند فرمانے کا قرآن پاک میں اعلان فرما رہے ہیں تو شان بیان کرنا سنت اللہ ہے اور اس پر صحابہ کرام ﷺ نے عمل فرمایا، حضور ﷺ کی شان بیان فرمانے والے حضور ﷺ کے اجل صحابی حضرت حسان بن ثابت ﷜ ارشاد فرماتے ہیں۔

واحسن منک لم ترقط عینی واجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبراء من کل عیب کانک قد خلقت کما تشآء

یارسول اللہ ﷺ میری آنکھ نے آپ ﷺ سے زیادہ حسین کوئی دیکھا ہی نہیں اور آپ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کسی نے جنا ہی نہیں، آپ ﷺ ہر قسم کے عیبوں سے پاک پیدا کئے گئے ہیں۔ گویا کہ جیسے کہ آپ ﷺ ایسے ہی پیدا کئے گئے۔

سبحان اللہ صحابہ کرام ﷺ کو آقائے دو جہاں ﷺ سے کس قدر محبت تھی۔ اور رحمت دو عالم ﷺ کی شان بیان کرنے کا صلہ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ ﷦ کے مبارک الفاظ میں سنئے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی ﷫ اپنے مکتوبات شریف میں نقل فرماتے ہیں: "عن عائشۃ ﷦ قالت کان رسول اللہ ﷺ یضع لحسان بن ثابت منبرا فی المسجد یقوم علیہ قائما یفاخر عن رسول اللہ ﷺ، ان اللہ یؤید حسان بروح القدس ما نافح او فاخر عن رسول اللہ ﷺ (ترمذی شریف)

حضرت عائشہ صدیقہ ﷦ ارشاد فرماتی ہیں کہ رحمت للعالمین ﷺ حضرت حسان بن ثابت ﷜ کے لئے مسجد شریف میں منبر رکھواتے تھے جس پر حسان بن ثابت ﷜ کھڑے ہو کر حضور ﷺ کی شان بیان فرماتے تھے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت حسان ﷜ کی مدد فرماتے ہیں بذریعہ روح القدس سید الملائکہ حضرت جبرئیل ؑ، تو معلوم ہوا حضور ﷺ کی شان بیان کرنے کی وجہ سے حضرت حسان ﷜ کی اللہ تعالیٰ مدد فرماتے تھے۔ حضور ﷺ کی شان بیان کرنے کی وجہ سے شان بیان کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی مدد نصیب ہوتی ہے۔ کسی عاشق نے خوب کہا ہے۔

محمد ﷺ کی محبت دین حق کی شرط اوّل ہے جو اس میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ "لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین" (بخاری شریف)

رحمت للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص بھی ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے والدین اپنی اولاد اپنی جان اور تمام انسانوں سے زیادہ مجھے محبوب نہ رکھے۔ گویا کہ ہر شئے سے زیادہ محبت نبی ﷺ سے ہونی چاہئے ورنہ ایمان نہیں ہے۔

کیا ہی عمدہ فرمایا حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ نے۔

مناجاتے اگر بائید بیان کرد — بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد
محمد از توی خواہم خدارا — خدا یا از تو حب مصطفیٰ را

اگر تو کوئی شے خدا تعالیٰ سے طلب کرنا چاہے تو بس اس بات پر قناعت کر لے۔ یا رسول اللہ ﷺ مجھے اللہ تعالیٰ مل جائے اے اللہ کریم مجھے اپنے پیارے محبوب کی محبت نصیب فرما۔

جس کو اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب ﷺ کی محبت نصیب ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ مل جائے اس کو اور کیا چاہئے اس کو تو سب کچھ ہی مل گیا ان اکابرین کی ہر لمحہ یہی جستجو تھی، اللہ تعالیٰ ان حضرات کے صدقہ سے ہمیں بھی اپنے پیارے محبوب ﷺ کی محبت نصیب فرمائے۔ اور ہمیں حضور ﷺ کے ادب و احترام کی توفیق نصیب فرمائے۔

از خدا خواہیم توفیق ادب — بے ادب محروم شد از فضل رب

اور اللہ تعالیٰ ہمیں رحمت للعالمین کے صدقہ سے اپنا بنا لے آمین! بحرمت نبی الکریم علیہ و آلہ التسلیم

۳/ صفر ۱۴۰۵ھ

موت کی حقیقت

اس کتاب کا اصل مضمون سید الانبیاء ﷺ کی حیات طیبہ ہے جو کہ حیات برزخی ہے یعنی قبر کی زندگی، اور حیات برزخی کا پہلا قدم موت ہے اور دوسرا قدم حیات ہے اس سلسلہ میں چند حقائق پیش خدمت ہیں جن کے سمجھ لینے کے بعد اصل مضمون کا سمجھنا ان شاء اللہ تعالیٰ بالکل آسان ہو جائے گا، اس میں تمام باتیں فرمان اللہ کریم، ارشادات سید الانبیاء ﷺ اقوال صحابہ کرام، تابعین، آئمہ مجتہدین، سلف صالحین کی ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ، اللہ کریم سے التجاء ہے کہ حق تحریر کرنے اور حق کے سمجھنے کو توفیق نصیب فرمائے آمین، "واللہ یھدی من یشآء الی صراط مستقیم" اللہ کریم ہی سیدھے راستے کی راہنمائی فرماتے ہیں جسے چاہیں۔ (سورہ نور)

اللہ کریم اپنی محترم و معزز کتاب قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔ "کل نفس ذائقۃ الموت ثم الینا ترجعون" ہر جان نے موت کا مزا چکھنا ہے پھر تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ان الفاظ مبارکہ پر غور فرمائیں اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے کہ ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد بندے کا تعلق اپنے محبوب حقیقی خدا تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ "الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب" فرمایا کہ موت پل ہے ملاتا ہے حبیب کو حبیب سے۔ یعنی موت کے بعد بھی بندہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور اسی وقت آخرت کی زندگی شروع ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "الذی خلق الموت والحیوۃ" وہ اللہ کریم جس نے پیدا فرمایا موت کو اور حیات کو۔ یعنی جیسے حیات ایک چیز ہے اسی طرح موت بھی ایک شئے ہے فقہ حنفی کی مستند کتاب در مختار میں فرمایا "والموت صفۃ وجودیۃ خلقت ضد الحیوۃ" موت بھی ایک وجودی صفت ہے جو کہ حیات کی ضد کے طور پر پیدا کی گئی ہے۔

موت فنا کا نام نہیں بلکہ ایک جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہونے کا نام ہے اسی لئے موت کو

ولادت ثانیہ یعنی دوسری پیدائش کہا جاتا ہے۔ (مرقاۃ ج ا ص ۱۷۶) اسی وجہ سے موت کو انتقال کہتے ہیں یعنی موت کے بعد انسان ختم نہیں ہوا بلکہ دوسرے جہان میں منتقل ہو گیا اور اس جہان کے مطابق اس کو حیات حاصل ہو گئی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میت اپنے غسل دینے والے، جنازہ اٹھانے والے، کفن دینے والے اور قبر میں اتارنے والے کو پہچانتی ہے۔ (احمد، طبرانی بحوالہ شرح الصدور ص ۹۸)

سید الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میت جب قبر میں رکھی جاتی ہے اور دفن کرنے والے میت کو دفن کر کے واپس ہونے لگتے ہیں تو میت ان کی جوتیوں کی کھنکھناہٹ سنتی ہے۔

(بخاری شریف ج ا ص ۱۸۷، مسلم شریف ج ۲ ص ۳۸۶، تسکین الصدور ص ۲۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سید الانبیاء ﷺ مقتولین بدر (کفار مکہ ابو جہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ) کے پاس کھڑے ہوئے اور ارشاد مبارک فرمایا کہ اے فلاں بن فلاں (ان کفار کے نام لے لے کر پکارا) جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا آیا وہ تم نے پالیا، کیونکہ میں نے اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ آپ ایسے جسموں سے کلام فرما رہے ہیں جن میں روح نہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میری بات ان سے زیادہ نہیں سنتے ہاں فرق یہ ہے کہ یہ جواب نہیں دے سکتے: (شرح الصدور ص ۹۹)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رحمت دو عالم ﷺ کے ساتھ ایک انصاری رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے ساتھ گئے جب قبرستان پہنچے تو ابھی قبر تیار نہیں ہوئی تھی۔ تو آپ ﷺ بیٹھ گئے اور ہم بھی حضور ﷺ کے قریب ہی بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے (ایک لمبی حدیث شریف بیان فرمائی جس میں) مومن اور کافر کی موت کا تذکرہ فرمایا؛ مومن کے بارے میں یہ ارشاد مبارک فرمایا کہ مومن کی موت کے بعد مومن کی روح کو ساتویں آسمان پر پہنچا دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندے کا نام علیین میں درج کرو۔ اور اس روح کو زمین کی طرف واپس لوٹا دو۔ کیونکہ میں نے ان کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اس میں ان کو لوٹاؤں گا اور اس سے دوسری مرتبہ نکالوں گا پھر اس کی روح (قبر میں) اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے تو اس کے پاس دو فرشتے (منکر نکیر) آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر اس سے سوالات کرتے ہیں "من ربک، ما دینک" آگے لمبی حدیث ہے اور اس حدیث شریف میں آگے حضور ﷺ نے کافر کی موت کا تذکرہ فرمایا؛ کہ کافر کی روح کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھلتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی کارگذاری اور نام وغیرہ سجین میں لکھ دو جو کہ ساتویں زمین میں ہے پھر اس کی روح وہاں سے پھینکی جاتی ہے پھر آپ ﷺ نے یہ ارشاد خداوندی پڑھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے پس گویا کہ وہ آسمان سے گرا اور اس کو پرندے اچک کر لے گئے یا ہوا نے گڑھے میں ڈال دیا اور پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اور اس سے سوالات کرتے ہیں "من ربک" آگے لمبی حدیث ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۳، تسکین الصدور ص ۳۹)

دوسری حدیث شریف میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ امام ابو عبد اللہ بن مندہ رحمہ اللہ کے حوالہ سے سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں جس کے آخر میں رحمت عالم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک بھی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ (مومن کی) اس پاکیزہ روح کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دو، اور اس کا وہ ٹھکانا جو جنت میں ہے اس کو دکھا دو اور اس پر عزت اور خوشی کی وہ چیزیں پیش کرو جو میں نے اس کے لئے تیار کی ہیں پھر اس کو زمین کی طرف لے جاؤ کیونکہ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں نے جس طرح ان کو زمین سے پیدا کیا ہے

اس طرح ان کو زمین کی طرف لوٹاؤں گا اور اس سے ان کو نکالوں گا، سو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ وہ روح وہاں سے نکلنے کو ایسا ناپسند کرتی ہے جتنا اس نے جسم سے نکلنے کو ناپسند نہیں کیا تھا اور وہ (روح) کہتی ہے کہ مجھے کہاں لے جاتے ہو کیا اس جسم کی طرف لے جاتے ہو جس میں میں تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں یہی حکم ملا ہے اور تیرے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں پس اس کو نیچے اتار لاتے ہیں، اس اثناء میں کہ لوگ میت کے غسل اور کفن (دفن وغیرہ) سے فارغ ہو چکتے ہیں، پس وہ فرشتے اس کی روح کو اس کے جسم اور کفن میں داخل کر دیتے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۶۱، ۶۲)

ان احادیث مطہرہ سے یہ معلوم ہوا کہ موت سے لے کر قبر میں آنے تک میت کے ساتھ جو روح کا تعلق اس[1] طرح ہے کہ جیسے رحمت عالم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کفار مقتولین جنگ بدر کے متعلق ارشاد فرمایا کہ تم میری بات ان سے زیادہ نہیں سنتے ہاں (موجودہ حیات میں) فرق یہ ہوا کہ یہ جواب نہیں دے سکتے کیونکہ اس وقت مومن کی روح علیین کی طرف اور کافر کی روح سجین کی طرف جاتی آتی ہے۔ مگر اس کا تعلق جسم سے ختم نہیں ہوتا جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میت اپنے غسل دینے والے، اٹھانے والے، دفن کرنے والے کو پہچانتی ہے مگر ہماری باتوں کا جواب نہیں دے سکتی، تو مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس میں روح واپس آجاتی ہے اور پھر وہ میت بیٹھ کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دیتی ہے۔

---

[1] حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ "اللہ یتوفی الانفس" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر روح کا تعلق جسم کے ساتھ رہتا ہے کہ جب بیداری ہوتی ہے تو آنکھ جھپکنے سے پہلے روح واپس آجاتی ہے اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر ایک شعاع روح کی بدن میں رہتی ہے جس سے حیات باطل نہیں ہوتی۔ موجودہ دور میں تو یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے آج کل کے دور میں حساب کرنے والے کلکولیٹر ملتے ہیں جو سورج کی شعاعوں سے چلتے ہیں، اربوں میل دور سورج کی شعاع سے کلکولیٹر کو کنٹرول کیا جاتا ہے یعنی سورج کی شعاع کے تعلق سے وہ چلتا ہے، امریکہ نے ایک کار ایجاد کی ہے جو سورج کی شعاعوں سے چلتی ہے اللہ کریم نے یہ نظام حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہی ایجاد فرما دیا تھا جس کو سائنس دان اب پہنچے ہیں تو معلوم ہوا کہ موت کے بعد جسم کے ساتھ روح کا تعلق اس شعاع کی قسم کا رہتا ہے، جس سے بقول رحمت عالم ﷺ میت غسل کرنے والے، اٹھانے والے، دفن کرنے والے کو جانتی پہچانتی ہے مگر ان لوگوں کی باتوں کا جواب نہیں دے سکتی، چونکہ روح جسم میں نہیں مگر روح کا تعلق جسم کے ساتھ رہتا ہے تو فرمایا رحمت عالم ﷺ نے جب میت قبر میں داخل ہو جاتی ہے تو روح اس میں داخل ہو جاتی ہے تو پھر میت بیٹھ کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دیتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس وقت میت میں دوبارہ زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان ارشادات کی روشنی میں واضح ہے کہ موت کے بعد انسان اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کا بدن روح کا مکان نہیں کہ بدن فنا ہو جائے جلا دیا جائے یا دریا میں غرق ہو جائے تو بدن کے فنا ہونے سے روح بھی فنا ہو جائے بلکہ بدن کی ہیئت بدل جانے کے بعد بھی روح کا تعلق بدن کے ساتھ رہتا ہے۔ (جواہر الغوالی ص ۶۶، رحمت کائنات ص ۴۵)

تو معلوم ہوا کہ بدن کی ہیئت بدل جانے کے بعد چاہے وہ جلانے کی صورت میں ذرات ہوں جیسے کفار کرتے ہیں یا حادثاتی طور پر کوئی مسلمان جل جائے یا جلا دیا جائے یا پانی میں غرق ہو جائے۔ یا کوئی جانور کھا جائے ہر حالت میں جیسی بھی ہیئت ہو روح کا تعلق اس ہیئت کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ اللہ کریم قرآن پاک میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرماتے ہیں: "واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تومن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءا ثم ادعھن یاتینک سعیا واعلم ان اللہ عزیز حکیم" (البقرۃ) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی جو مسجد نبوی کی صفائی کرتی تھی وہ فوت ہو گئی، رحمت عالم ﷺ کو اطلاع نہ ہوئی ایک روز حضور ﷺ قبرستان تشریف لے گئے اس کی قبر دیکھ کر صحابہ سے فرمایا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ ام محجن کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہی جو مسجد میں کام کرتی تھی عرض کیا جی ہاں، یا رسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے صف باندھی اور اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی پھر اس عورت کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ اے عورت کون سا عمل اچھا پایا؟ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ یہ سنتی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس سے زیادہ سننے والے نہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کہتی ہے بہترین عمل مسجد کی صفائی ہے۔ (شرح الصدور ص ۹۹)

مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عباس روایت فرماتے ہیں کہ ایک صحابی ؓ نے ایک جگہ کو خالی سمجھ کر اپنا چھوٹا سا خیمہ لگا دیا مگر اچانک اس جگہ سے ایک انسان کے سورۃ الملک پڑھنے کی آواز آئی جسے یہ سنتے رہے یہاں تک کہ سورت پوری پڑھی گئی جب حضور ﷺ کی خدمت عالی میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ عرض کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "ھی المانعۃ المنجیۃ تنجیہ من عذاب القبر" (مشکوٰۃ شریف، ترمذی شریف) یہ سورت عذاب کو روکتی ہے اور اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے بچا لے گی۔

تو حضور ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ قبر میں راحت بھی ہے اور عذاب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرعون اور اس کی قوم کا ذکر فرماتے ہیں۔

"وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب" (المومن) اور الٹ پڑا فرعون اور اس کی قوم پر بری طرح کا عذاب آگ ہے کہ دکھاتے ہیں ان کو صبح اور شام اور جس دن قیامت قائم ہوگی (کہا جائے گا) داخل کرو فرعونیوں کو سخت عذاب میں۔

(گزشتہ سطر کا حاشیہ) اور یاد کرو جب کہا (حضرت) ابراہیم علیہ السلام نے اے پروردگار میرے دکھلا مجھ کو کیسے زندہ کرے گا مردے فرمایا کہ تو یقین نہیں رکھتا کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ تسکین ہو جائے میرے دل کو فرمایا تو پکڑ چار جانور اڑنے والے پھر ان کو ہلا لے (مانوس کر لے) اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا پھر بلا ان کو چلے آویں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لے کہ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب کہ جانوروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے اور وہ مختلف مقامات پر رکھے گئے ہیئت تبدیل ہونے کے بعد زندہ کر دکھایا اور فرمایا کہ ہم زبردست حکمتوں والے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہیں ان کے لئے کوئی مشکل بات نہیں رحمت عالم ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص نے گناہوں کی وجہ سے اپنی جان پر بڑی زیادتی کی تھی جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم مجھے جلا کر میری راکھ کو خوب پیس کر ہوا میں اڑا دینا۔ بخدا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر تنگی کی تو وہ مجھے ایسی سزا دے گا جو اور کسی کو اس نے نہیں دی، جب اس کی وفات ہوئی تو اس کے ساتھ یہی کارروائی کی گئی اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ اس کے تمام ذرات کو جمع کر دے سو اس نے ایسا ہی کیا جب ذرات جمع کر دیے گئے تو وہ آدمی تھا، جو کھڑا کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کارروائی تو نے کیوں کی اس نے عرض کیا کہ مولا کریم تیرے ڈر سے۔ تو اللہ کریم نے اسے بخش دیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا میری راکھ آدھا حصہ خشکی میں اور آدھا حصہ دریا میں بکھیر دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۹۵، واللفظ لہ مسلم ج ۲ ص ۳۵۶) ان احادیث مطہرہ میں کتنی زبردست وضاحت فرمائی ہے کہ ہر حالت میں حتیٰ کہ ذرات ہو جانے کے باوجود روح کا تعلق ان ذرات سے قائم رہتا ہے۔ (تسکین الصدور ص ۲۴)

اور نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں فرمایا۔ ''اغرقوا فادخلوا نارا'' وہ پانی میں غرق کر دیئے گئے اور اس کے بعد آگ میں داخل کر دیئے گئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ پہلے نوح علیہ السلام کی قوم دنیا میں پانی میں غرق کی گئی اور قبر میں آگ میں داخل کر دیئے گئے۔ (رحمت کائنات ص ۸۸)

گنہگار عذاب قبر میں قیامت تک کے لئے مبتلا کئے جاتے ہیں۔ حضرت سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن سید دو عالم ﷺ نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ دل لگی اور خوشی کی باتیں کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم تمام لذتوں کو توڑنے والی موت کو یاد کرو تو تم اس طرح مسرتوں میں گم نہ ہو جاؤ پس موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، تمہاری قبریں روزانہ یہ بات کہتی ہیں کہ میں اجنبی گھر ہوں میں اکیلا رہنے والوں کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں،

جب ایمان دار بندہ دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس کو خوش آمدید کہتے ہوئے یہ کہتی ہے کہ تو جب مجھ پر چلتا تھا تو مجھے دوسروں سے عزیز اور پیارا معلوم ہوتا تھا، آج تو میرے پاس آ گیا ہے تو دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کس قدر شفقت اور محبت کا برتاؤ کرتی ہوں۔

حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اس کی قبر کو تا حد نظر وسیع کر دیا جاتا ہے اور جنت کی طرف سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور جب کافر یا نافرمان بندہ دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس کو خوش آمدید نہیں کہتی بلکہ یوں کہتی ہے کہ جب تو میری پیٹھ پر چلتا تھا تب بھی تو مجھے برا محسوس ہوتا تھا، آج تو میرے حوالے کر دیا گیا ہے تو دیکھ لے گا کہ میں تجھے کیسے سزا دوں گی، پھر اس پر قبر تنگ کر دی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں پھنس جاتی ہیں، یہ بیان کرتے ہوئے رحمت عالم ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا کر لوگوں کو یہ بات دکھائی، اور فرمایا کہ اس پر ستر سانپ مقرر کئے جاتے ہیں جو اتنے زہریلے ہوتے ہیں کہ اگر ایک سانپ بھی زمین پر آ کر سانس لے تو کبھی بھی اس زمین پر سبزہ نہ اگے، وہ سانپ اس کو ڈستے رہیں گے اور کاٹتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کے دن وہ حساب کے لئے پیش کیا جائے گا۔

رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا، سوا اس کے اور کوئی بات نہیں کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے باغ بن جاتی ہے اور یا آگ کے گڑھوں میں سے گڑھا بن جاتی ہے۔ ''اعاذنا اللہ منہا''

(ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف، باب البکاء والخوف)

مندرجہ بالا حدیث میں کفار اور عام مسلمانوں کے ساتھ قبر میں پیش آنے والے واقعات حضور ﷺ نے بیان فرمائے ہیں اور قرآن شریف میں واضح طور پر شہداء کے متعلق فرمایا گیا کہ ان کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ انعامات خداوندی پر خوش ہیں اور مہاجرین فی سبیل اللہ اور وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے راستے میں لگے ہوئے ہیں جیسے علماء دین پڑھانے والے اور پڑھنے والے اور دین کی تبلیغ کرنے والے ان کو موت کے بعد اللہ تعالیٰ عمدہ رزق عطا فرمائے گا ان کے بعد اولیاء کرام آئمہ مجتہدین تبع تابعین اور پھر ان سے بہت بلند مقام صحابہ کرام

پھر عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر خصوصا خلفاء راشدین اور اہل بیت رسول اللہ ﷺ خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ان حضرات کی کتنی بلند حیات ہوگی اور ان سب سے بلند و بالا حیات انبیاء علیہم السلام کی ہے کہ دنیاوی حیات اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں خدا تعالیٰ کا عمدہ رزق کھاتے ہیں حج کرتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو وہاں آتے جاتے ہیں۔ جیسے کہ معراج شریف میں تمام انبیاء علیہم السلام مسجد اقصیٰ بیت المقدس میں تشریف لائے اور سب نے رحمت عالم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور پھر آسمانوں پر حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت آدم، حضرت یحییٰ، حضرت یوسف، حضرت ادریس، (علیہم السلام) سے ملاقات ہوئی قرآن پاک اور احادیث مطہرہ میں یہ ایسے واقعات ہیں جن سے موت کی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ موت ایک جہان دنیاوی سے دوسرے جہان آخرت میں منتقل ہونے کا نام ہے اور موت صرف ایک آن ہوتی ہے کہ اس کے فوراً بعد دوسرے جہان کی زندگی شروع ہو جاتی ہے اور دنیا میں کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ملنا شروع ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کے مندرجہ بالا ارشادات عالیہ ہمارے لئے حق اور سچ ہیں اور ان پر یقین کامل رکھنے کا نام ہی ایمان ہے جو حضرات ان ارشادات عالیہ کو اپنی ذات اور اپنی عقل پر پرکھتے ہیں ان کی عقل اور سمجھ کبھی بھی ان حقیقتوں کو نہیں پا سکتی ہمیں اللہ تعالیٰ اور رحمت عالم ﷺ کے ہر حکم کے آگے سرخم تسلیم کرنا چاہیے، چاہے کوئی بات ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ موت کے بعد میت اپنے غسل دینے والے، جنازہ اٹھانے والے، کفن دینے والے قبر میں رکھنے والے کو دیکھتی ہے اور جانتی پہچانتی ہے حق ہے حضور ﷺ نے کفار مقتولین بدر کے نام لے لے کر فرمایا کہ تم نے اپنے کئے کا بدلہ پا لیا حالانکہ ان کے تن سر سے جدا تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے حق ہے۔

ام محجن سے فرمایا کون سا عمل اچھا پایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ سنتی ہے؟ فرمایا کہ تم اس سے زیادہ نہیں سنتے اور یہ کہتی ہے کہ بہترین عمل مسجد کی صفائی ہے حق ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت اور دوزخ دکھائی ہے ہم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا، نہ جنت نہ دوزخ کو دیکھا حضور ﷺ نے جو ارشاد فرمایا حق ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قرآن شریف اتارا ہے جبرائیل علیہ السلام لائے ہیں ہم نے جبرائیل علیہ السلام کو نہیں دیکھا مگر رحمت عالم ﷺ کا فرمان حق ہے اور ان تمام باتوں کو بغیر دیکھے ماننے کا نام ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے شروع میں ہی قیامت تک کے لئے یہ شرط لگا دی کہ "الذین یؤمنون بالغیب" ایمان والے وہ لوگ ہیں جو غیب کی (ان دیکھی) باتوں پر (جو اللہ تعالیٰ کے رسول نے بتلائیں ان پر) یقین رکھتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ فرما دیں، اس کو فوراً بلا چوں وچرا آمنا و صدقنا کہا جائے، اس پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مبارک طریقہ کے مطابق ایمان لایا جائے۔ جب سید عالم ﷺ نے واقعہ معراج شریف کفار کو بتایا کفار نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارے حبیب ﷺ آج نئی بات کہتے ہیں کہ میں نے

آسمانوں کی سیر کی، بیت المقدس میں انبیاء کی امامت فرمائی تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تو سچ ہے۔ سبحان اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کو حضور ﷺ سے کتنی محبت تھی، حضور ﷺ کی ہر بات پر آمنا وصدقنا کہتے تھے نکتہ چینی نہیں کرتے تھے اور جس بات کا علم نہ ہوتا، اللہ ورسولہ اعلم" کہتے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں، سبحان اللہ کتنے پیارے طریقے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تھے اور ان کو حضور ﷺ سے اتنی محبت تھی کہ بات بات پر "فداہ ابی وامی یا رسول اللہ" کہتے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ۔

حضور ﷺ جب وضو فرماتے تو صحابہ کرام اس وضو کے پانی کو زمین پر گرنے نہ دیتے بلکہ اپنے چہرہ اور جسم پر مل لیتے تھے۔ اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی محبت میں اس قدر بڑھے ہوئے تھے۔ کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ لکڑی کے پیالہ میں پیشاب کرتے تھے پھر اسے چارپائی کے نیچے رکھ دیا جاتا تھا، حضور ﷺ تشریف لائے اور دیکھا کہ پیالے میں کچھ نہیں ہے تو آپ ﷺ نے برکت نامی عورت سے فرمایا (یہ عورت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں اور وہ ان کو حبشہ سے اپنے ساتھ لائی تھیں، پیالہ کے اندر کے پیشاب کا کیا ہوا؟ اس نے بتایا کہ میں نے پی لیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ہمیشہ کے لئے صحت مند ہو گئیں اے ام یوسف (ام یوسف اس خادمہ کی کنیت تھی) تو وہ کبھی بھی بیمار نہ ہوئی۔ (خصائص کبریٰ ص ۱۷۵)

اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے عاشق صادق تھے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو چاندنی راتوں میں دیکھا، آپ ﷺ سرخ لباس میں تھے تو کبھی میں آپ ﷺ کو دیکھتا اور کبھی چاند کو، تو بلاشبہ آپ ﷺ میری آنکھوں کو چاند سے زیادہ حسین معلوم ہوئے۔ (خصائص کبریٰ ص ۱۷۵)

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے اس قدر متبع تھے کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن ممبر پر تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ تو آپ ﷺ کی آواز مبارک حضرت عبداللہ بن رواحہ نے سنی، ابھی وہ بنی غنم (جو کہ مسجد نبوی سے کافی فاصلہ پر ہے) میں تھے تو وہ وہیں بیٹھ گئے سبحان اللہ وہ کیسے پیارے اور حضور علیہ السلام کے ہر فرمان پر اپنی جان فدا کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضور علیہ السلام کے ہر حکم کو بلا چون وچرا ماننے کی توفیق عطا فرمائے کہ اسی ماننے کا نام ہی مسلمانی ہے۔ مسلمان کے معنی ہی یہ ہیں کہ اپنے اللہ اور رسول ﷺ کے ارشادات عالیہ کو تسلیم کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں "والذی جآء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون" (زمر) اور وہ لوگ جو سچائی لائے اور جنھوں نے تصدیق کی یہ سب لوگ متقی ہے۔

اور وہ نبی ﷺ جو سچائی کو لائے (اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ہر بات ہی سچ ہے۔ اور وہ لوگ جنھوں نے اس کی تصدیق کی یہ سب لوگ متقی ہیں۔ اور فرمایا: "وبشر الذین امنوا ان لھم قدم صدق عند ربھم" یا رسول اللہ ﷺ ان ایمان والوں کو خوشخبری دے دیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔

سبحان اللہ! یہ مرتبہ اس لئے ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ہر بات کو دل وجان سے تسلیم کیا، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صحابہ کرام کی طرح ہر بات کو تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں صحیح معنوں میں مسلمان بنائے۔ آمین!

کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام اس وقت تک اپنے خمیر ہی میں تھے (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک انھیں پیدا نہ فرمایا تھا۔ (احمد بیہقی، نشر الطیب ص ۸)

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا بوسیلہ رحمت للعالمین ﷺ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رحمت للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب آدم علیہ السلام نے گندم کا دانہ کھالیا کہ جس سے منع فرمایا گیا تھا، تو انہوں نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا، اے پروردگار میں آپ سے بواسطہ محمد ﷺ درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما دیجئے تو حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام تم نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا، حالانکہ ابھی تک میں نے ان کو پیدا نہیں کیا، حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا، کہ اے اللہ کریم میں نے اس طرح سے پہچانا کہ جب آپ نے مجھ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ اور اپنی (شرف دی ہوئی) روح میرے اندر پھونکی تو میں نے سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تو میں نے جان لیا کہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ ایسی ہی شخصیت کے نام کو ملایا ہوگا جو آپ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہوگا، حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد مبارک فرمایا، اے آدم علیہ السلام تم سچے ہو۔ حقیقتاً وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں اور جب تم نے ان کے واسطہ سے مجھ سے عرض کی تو میں نے تمہاری مغفرت کر دی۔ اور اے آدم علیہ السلام اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا وہ تمہاری اولاد میں سب انبیاء علیہم السلام سے آخری نبی ہیں۔ (بیہقی طبرانی بحوالہ نشر الطیب ص ۱۵)

__فائدہ:__ اس حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کا نور پیدا فرماتے ہی تمام جہانوں کو پیدا فرمانے سے پہلے آپ ﷺ کو رحمت للعالمین بنا دیا تھا اور سب سے پہلے رحمت اللعالمین ﷺ کے وسیلہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً بخش دیا، تو سب سے پہلے حضور ﷺ کی رحمت حضرت آدم علیہ السلام پر ظاہر ہوئی اور قیامت تک کے لئے حضور ﷺ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات طلب کرنے کا طریقہ حضرت آدم علیہ السلام نے بتلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب شئے نہیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو اے آدم علیہ السلام میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا تو معلوم ہوا کہ ہر شئے محمد ﷺ کے لئے پیدا فرمائی گئی۔ کسی اللہ کے بندے نے دربار رسالت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ۔

سب جہاں تیرے لئے اور تو خدا کے واسطے

اس حدیث شریف میں جھوٹے مدعیان نبوت کا قیامت تک کے لئے خاتمہ فرمایا کہ آپ ﷺ تمہاری اولاد میں سب انبیاء علیہم السلام سے آخری نبی ہیں اور اگر صاحب بصیرت غور فرمادیں جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ عقل مند کے لئے اشارہ ہی کافی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس حدیث شریف میں حیات النبی ﷺ کا مسئلہ بھی قیامت تک کے لئے حل فرما دیا: کہ اسی وقت فرما دیا کہ اے آدم علیہ السلام محمد ﷺ آخری نبی ہیں یہ نہیں فرمایا کہ نبی بنیں گے بلکہ فرمایا کہ نبی ہیں۔ بلکہ مندرجہ بالا احادیث مطہرہ سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پہلے ہی۔ آپ ﷺ کو نبوت مل چکی تھی اور آپ ﷺ قیامت تک کے لئے نبی ہیں۔ آپ ﷺ حیات ہیں صرف کیفیات میں فرق ہے۔ جسم اطہر کے ساتھ دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہی بلکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے ہی آپ ﷺ کو نبوت مل چکی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہو چکی تھی، آپ ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ جس وقت آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان میں تھے۔ یعنی ان کے جسم اطہر میں جان بھی نہ آئی تھی۔ پھر دوسری کیفیت آئی کہ آپ ﷺ جسم اطہر کے ساتھ اس جہان میں تشریف لائے۔ پھر تیسری کیفیت ہوئی کہ آپ ﷺ نے اس جہان سے پردہ فرمایا تو آپ ﷺ تینوں حالتوں میں ہی نبی ہیں۔ یارب صل وسلم دائما ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم۔ (ترمذی شریف، نشر الطیب ص ۸)

رحمت دو عالم ﷺ قیامت تک تمام انسانوں کے رسول ہیں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا" یارسول اللہ ﷺ فرمادیجئے اے تمام انسانو (قیامت تک کے لئے) میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کے لئے؛ سبحان اللہ! اللہ پاک نے قیامت تک کے لئے فیصلہ فرمادیا کہ جب تک بھی کوئی ایک انسان دنیا میں موجود ہے اس وقت تک آپ تمام انسانوں کے رسول ہیں اور آخرت میں بھی ہمیشہ ہمیشہ اللہ کے رسول ہیں۔

تمام انبیاء علیہم السلام سے عہد

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں۔" واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال ءاقررتم واخذتم علیٰ ذٰلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشھدین"

اور جب اللہ تعالیٰ نے عہد لیا انبیاء علیہم السلام سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا، کتاب اور اس کا علم پھر جب آئے تمہارے پاس کوئی رسول کہ تصدیق کرے تمہارے پاس والی کتاب کی تو تم اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے فرمایا کہ تم نے اقرار کیا، اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا، تمام انبیاء علیہم السلام نے عرض کیا، ہم نے اقرار کیا، فرمایا تو اب گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

معارف القرآن میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عہد تمام انبیاء علیہم السلام سے صرف رحمت للعالمین ﷺ کے بارے میں لیا تھا کہ اگر وہ ان کا زمانہ پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی تائید و نصرت کریں۔ اور اپنی اپنی امتوں کو بھی یہی ہدایت کر جائیں۔ (معارف القرآن)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارک کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائیں گے تو کتاب اللہ (قرآن کریم) اور تمہارے نبی (ﷺ) کے احکام پر فیصلے کریں گے۔ (تفسیر شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ)

محشر میں شفاعت کبریٰ کے لئے پیش قدمی کرنا اور تمام بنی آدم کا آپ ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور شب معراج میں بیت المقدس کے اندر تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کرانا اور سب انبیاء علیہم السلام کا آپ ﷺ کو امام تسلیم کرنا یہ اسی عہدہ کا پورا کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام حیات ہیں اور انہوں نے اپنا عہد پورا کرنے کے لئے حضور ﷺ کی امامت میں نماز پڑھی رحمت للعالمین ﷺ جب جنگ تبوک سے مدینہ منورہ واپس تشریف

لائے تو حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو اجازت دیجئے کہ آپ ﷺ کی مدح بیان کروں۔

آپ ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا۔ کہو اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سالم رکھے تو انہوں نے یہ اشعار حضور ﷺ کے سامنے پڑھے۔

من قبلها طبت فی الظلال وفی مستودع حیث یخصف الورق
ثم هبطت البلاد لابشر انت ولا مضغة ولا علق
بل نطفة ترکب السفین وقد الجسم نسرا واهله الغرق
تنقل من صالب الی رحم اذا مضی عالم بدا طبق
وردت نار الخلیل مکتتما فی صلبه انت کیف یحترق
حتی احتوی بیتک المهیمن من خندف علیاء تحتها النطق
وانت لما ولدت اشرقت الارض وضاءت بنورک الافق
فنحن فی ذالک الضیاء وفی النور سبل الرشاد نخترق

زمین پر تشریف لانے سے پہلے آپ ﷺ جنت کے سایہ میں خوش حالی میں تھے۔ اور نیز ودیعت گاہ میں جہاں (جنت کے درختوں کے) پتے اوپر تلے جوڑے جاتے تھے یعنی آپ ﷺ صلب آدم علیہ السلام میں تھے اور زمین پر تشریف لانے سے پہلے جب آدم علیہ السلام جنت میں تھے تو آپ ﷺ بھی جنت میں تھے (جیسا کہ اس آیت کریمہ فمستقر ومستودع کی تفسیر میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ مستقر سے مراد ماں کا رحم اور مستودع سے مراد باپ کی صلب ہے اور پتوں کا جوڑنا اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے اس گندم کے منع کئے ہوئے درخت سے کھالیا تو آپ سے جنت کا لباس اتر گیا، تو آپ جنت کے درختوں کے پتے ملا ملا کر جسم کو ڈھانکتے تھے) اور اے رحمت للعالمین ﷺ اس وقت بھی آپ صلب آدم علیہ السلام میں تشریف فرما تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ صلب آدم علیہ السلام کے ساتھ زمین پر تشریف لائے اور آپ ﷺ اس وقت نہ بشر تھے نہ مضغہ اور نہ علق بلکہ آدم علیہ السلام کی صلب میں ایک مادہ تھے کہ وہی مادہ کشتی نوح علیہ السلام میں سوار تھا، اور حالت یہ تھی کہ نسر بت اور اس کے ماننے والے طوفان میں غرق ہو رہے تھے اور آپ ﷺ صلب نوح علیہ السلام میں تھے آپ ﷺ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی کشتی کو محفوظ[1] رکھا۔ اسی طرح آپ ﷺ واسطہ در واسطہ ایک صلب سے دوسرے صلب تک منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی صلب میں نار خلیل میں بھی ورود فرمایا، اور آپ ﷺ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلب میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی برکت سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے محفوظ رکھا، پھر اسی طرح آپ ﷺ منتقل ہوتے رہے۔

یہاں تک کہ آپ ﷺ کا خاندانی شرف جو کہ آپ ﷺ کی فضیلت پر شاہد و ظاہر ہے آپ ﷺ سب سے بلند خاندان میں دنیا میں تشریف لائے اور تمام عالم روشن ہو گیا سو ہم سب رحمت للعالمین ﷺ کے نور ہدایت کے

---

[1] حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت نے رحمت للعالمین ﷺ کی رحمت سے طوفان سے نجات پائی۔ اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو رحمت للعالمین ﷺ کی رحمت سے اللہ تعالیٰ نے آگ سے محفوظ رکھا۔

راستوں کو ہی قطع کررہے ہیں۔ (نشر الطیب ص ۲)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ تمام اشعار سنے تو یہ تمام مضامین امت کے لئے حجت ہو گئے۔ (نشر الطیب ص ۱۲)

رحمت للعالمین ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نشر الطیب میں یہ حدیث شریف نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا نور مبارک جب عبدالمطلب میں منتقل ہوا اور وہ جوان ہو گئے تو ایک دن حطیم میں سو گئے، جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ آنکھ میں سرمہ لگا ہوا ہے سر میں تیل پڑا ہوا ہے اور حسن و جمال کا لباس زیب بر ہے ان کو سخت حیرت ہوئی کہ کچھ معلوم نہیں یہ کس نے کیا، ان کے والد ان کا ہاتھ پکڑ کر کاہنان قریش کے پاس لے گئے اور سارا واقعہ بیان کیا، انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو نکاح کا حکم دیا ہے چنانچہ انہوں نے قیلہ سے نکاح کیا، ان کی وفات کے بعد فاطمہ سے نکاح کیا اور ان سے حضور ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ پیدا ہوئے اور حضرت عبدالمطلب کی پیشانی سے حضور ﷺ کا نور چمکتا تھا اور جسم سے مشک کی خوشبو آتی تھی، اور جب قریش میں قحط ہوتا تھا تو حضرت عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر جبل ثبیر پر لے جاتے تھے اور ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کرتے تو اللہ تعالیٰ ببرکت نور محمدی ﷺ رحمت کی بارش عطا فرماتے۔

یارب صل وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلھم

حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ فرماتی ہے کہ جب آپ ﷺ میرے بطن سے جدا ہوئے تو آپ ﷺ کے ساتھ ایک نور نکلا جس کے سبب مشرق و مغرب کے درمیان سب روشن ہو گیا پھر آپ ﷺ زمین پر آئے اور دونوں ہاتھوں پر سہارا دیئے ہوئے تھے پھر آپ ﷺ نے خاک کی ایک مٹھی بھری اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ (مواہب، نشر الطیب ص ۲۳)

اسی نور کا ذکر ایک دوسری حدیث شریف میں اس طرح ہے کہ اس نور سے آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے شام کے محل دیکھے اور اس میں یہ بھی آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ "وکذالک امھات الانبیاء یرین" یعنی انبیاء علیہم السلام کی مائیں ایسا ہی نور دیکھا کرتی ہیں۔ (طبرانی شریف، بیہقی شریف)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک یہودی مکہ مکرمہ میں آرہا تھا جس شب میں حضور ﷺ پیدا ہوئے اس نے کہا اے گروہ قریش کیا تم میں آج کی شب کوئی بچہ پیدا ہوا ہے انہوں نے کہا کہ ہم کو معلوم نہیں کہنے لگا کہ دیکھو کیونکہ آج کی شب اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نشانی ہے جس کا لقب مہر نبوت ہے چنانچہ قریش نے تحقیق کی تو خبر ملی کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ وہ یہودی آپ ﷺ کی والدہ کے پاس آیا انہوں نے آپ ﷺ کو ان لوگوں کے سامنے کر دیا، جب اس یہودی نے وہ نشانیاں دیکھیں تو بے ہوش ہو کر گر پڑا اور کہنے لگا کہ بنی اسرائیل سے نبوت رخصت ہوئی۔ اے گروہ قریش سن رکھو واللہ یہ تم پر ایسا غلبہ حاصل کریں گے کہ مشرق و مغرب سے اس کی خبر شائع ہو گی۔ روایت کیا اس کو یعقوب بن سفیان نے اسناد حسن سے یہ فتح الباری میں کہا ہے کذا فی المواہب۔ (نشر الطیب ص ۲۷)

رحمت للعالمین ﷺ کا خاندانی شرف

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں محمد ﷺ ہوں عبداللہ کا بیٹا

اور عبدالمطلب کا پوتا، اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھ کو اچھے گروہ میں بنایا، یعنی انسان بنایا، پھر انسانوں میں دو فرقے پیدا فرمائے، عرب اور عجم، مجھ کو اچھے فرقے عرب میں پیدا فرمایا۔ پھر عرب میں کئی قبیلے بنائے اور مجھ کو سب سے اچھے قبیلہ میں پیدا فرمایا، یعنی قریش میں، پھر قریش میں کئی خاندان بنائے۔ اور مجھ کو سب سے اعلیٰ خاندان بنی ہاشم میں پیدا فرمایا۔ پس میں ذاتی طور پر بھی سب سے اچھا ہوں اور میں خاندان مین بھی سب سے اچھا ہوں۔ (مشکوۃ شریف، ترمذی شریف)

رحمت اللعالمین ﷺ کی خاندانی پاکیزگی

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں اور سفاح (بدکاری) سے نہیں پیدا ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک سفاح (بدکاری) کا کوئی لوث مجھ کو نہیں پہنچا۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں جو بے احتیاطی ہوا کرتی ہے میرے آباؤ و امہات سب اس سے محفوظ رہے پس میرے نسب میں اس کا کوئی میل نہیں۔ (طبرانی شریف، مواہب لدنیہ، نشر الطیب ص ۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک کہیں بھی کوئی مرد و عورت بطور سفاح کے نہیں ملے (کبھی کا مطلب یہ ہے جس قربت کو میرے نسب میں دخل بھی نہ ہو۔ مثلاً حمل نہ ٹھہرا ہو وہ بھی بلا نکاح نہیں ہوئی۔ یعنی آپ ﷺ کے تمام مرد و عورتیں ہمیشہ برے کام سے پاک رہے) اللہ تعالیٰ مجھ کو ہمیشہ اصلاب طیبہ سے ارحام طاہرہ کی طرف مصفیٰ و مہذب منتقل کرتا رہا، جب کبھی دو شعبے ہوئے (جیسے عرب و عجم) میں بہترین شعبے میں رہا۔ (مواہب، نشر الطیب ص ۱۹)

رحمت دو عالم ﷺ سب سے افضل ہیں

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ میں تمام مشارق و مغارب میں پھرا، میں نے کوئی شخص محمد ﷺ سے افضل نہ دیکھا اور نہ کوئی خاندان بنی ہاشم سے افضل دیکھا۔ (طبرانی شریف، مواہب، نشر الطیب ص ۱۹)

کسی اللہ کے بندے نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے الفاظ کو فارسی میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

آفاقہا گردیدہ ام مہر و ماہ ورزیدہ ام بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ میں نے تمام جہان پھرے، بہت بہت خوبیوں والے لوگ دیکھے لیکن آپ ﷺ کی ذات اقدس سب سے نرالی ہے۔

یارب صل وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلهم

رحمت اللعالمین ﷺ کے نام مبارک کی فضیلت

اللہ کریم و رحیم نے اپنے پیارے مکرم و معظم لاڈلے محبوب کا اسم مبارک محمد ﷺ رکھا دنیا میں اور احمد ﷺ رکھا آسمانوں میں، حضور اقدس ﷺ کے پیارے صحابی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

وشق له من اسمه ليجله فذو العرش محمود و هذا محمد

اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم مبارک سے محمد ﷺ کا نام مبارک نکالا، عرش کا مالک محمود اور اپنے حبیب پاک ﷺ کا نام مبارک محمد رکھا (ﷺ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ''من انه اذا کان یوم القیامة نادی مناد الا لیقم من اسمه محمد او احمد و لیدخل الجنة کرامة لمحمد ﷺ'' قیامت کے دن اللہ کا منادی فرشتہ اعلان کرے گا کہ خبردار جس کسی کا نام محمد[1] (ﷺ) یا احمد (ﷺ) ہے وہ کھڑا ہو اور جنت میں داخل ہو جائے۔ یہ اعزاز ہے حضور ﷺ کی وجہ سے دونوں اسم مبارک کتنے پیارے ہیں، جن کی برکت سے حضور ﷺ کی امت کے بے شمار لوگ جنت میں چلے جائیں گے۔

حضور ﷺ کی رفعت شان

محمد ﷺ کا معنی ہے کہ خدا تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا، اور احمد ﷺ کے معنی ہیں کہ جس کی خدا تعالیٰ خود سب سے زیادہ تعریف فرمائے، جس کی اللہ تعالیٰ تعریف فرمائے کسی بشر کے بس میں نہیں ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی شان کے مطابق تعریف کر سکے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محمد حامد حمد خدا بس — خدا مدح آفریں مصطفیٰ بس

حضور ﷺ پر خدا تعالیٰ کی تعریف فرمانا ختم ہے جیسے حضور ﷺ نے اپنے رب کی تعریف فرمائی دنیا کا کوئی بھی شخص ایسی تعریف نہیں کر سکتا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کی جو تعریف بیان فرمائی وہ خدا تعالیٰ پر بس ہے حضور ﷺ کی شان کے مطابق کوئی بھی شخص تعریف نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ''ورفعنا لک ذکرک'' اے پیارے محبوب ﷺ ہم نے آپ ﷺ کا ذکر بلند فرمایا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا بھر میں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں جہاں اذان نہ ہو رہی ہو چونکہ ہر جگہ کی وقت کی کمی بیشی ہے اور ہر جگہ اذان دینے والا باآواز بلند کہتا ہے۔

''اشھد ان محمد رسول اللہ'' میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس اعلان میں جو کہ دنیا کے کونے کونے پر ہر لمحہ ہوتا رہتا ہے حضور ﷺ کی کتنی شان بلند ہے سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نے شان بلند

---

[1] دیکھئے حضور ﷺ کے نام پاک میں کتنی برکت ہے کہ بے شمار امت اس مبارک نام کی وجہ سے جنت میں اللہ تعالیٰ داخل فرمائیں گے، لیکن موجودہ دور میں ہم نے اپنے ناموں کے ساتھ سید دو عالم ﷺ کا مبارک نام لینا چھوڑ دیا ہے، اگر کسی کا نام محمد طاہر ہے اور باپ کا نام محمد شفیع ہے تو بجائے محمد طاہر کے وہ آج کل طاہر شفیع بن گیا ہے اور اگر کسی کا نام محمد فاروق ہے اور باپ کا نام محمد عبداللہ تو وہ اس دور میں فاروق عبداللہ بن گیا ہے حضور ﷺ کے اسم مبارک سے باپ کے نام کو زیادہ ترجیح دی جانے لگی ہے جو اسم مبارک اسلام کی نشانی تھا وہ چھوڑ دیا، حالانکہ عیسائی ابھی تک اپنے نام کے ساتھ مسیح بولتے اور لکھتے ہیں، ہندو اپنے نام کے ساتھ رام بولتے اور لکھتے ہیں اور سکھ اپنے نام کے ساتھ سنگھ لکھتے اور بولتے ہیں۔ افسوس صد افسوس ہے ہمیں اپنے مسلمانوں پر کہ غیر مسلم تو اپنے بڑوں کے ساتھ اپنی نسبت قائم رکھیں حالانکہ دنیا میں اور آخرت میں انہیں وہ نسبت کام نہ دے گی لیکن حضور ﷺ کی نسبت ہر جگہ کام دے گی اس کے باوجود ہم اس اسم مبارک سے محروم ہوتے جاتے ہیں۔ ہمارے اکابرین میں سے بے شمار لوگ ایسے گذرے ہیں جو کہ پشت در پشت کہ باپ کا نام بھی محمد اور بیٹے کا نام بھی محمد تھا اور یہ اس لئے ہے کہ ان کو اس نام کی عظمت اور قدر معلوم تھی۔

فرمانے کا کتنا عظیم اہتمام فرمایا، اپنے محبوب ﷺ کے لئے اور اس اعلان میں ہر اذان دینے والا دوبار یہ کہتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور قیامت تک یہی کہتا رہے گا۔ آج تک کسی اذان دینے والے نے یہ نہیں کہا اور نہ ہی قیامت تک کوئی بھی اذان دینے والا یہ کہے گا کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے بلکہ یہی کہے گا" اشھدان محمدا رسول اللہ " میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

اس اعلان سے جو کہ قیامت تک ہوتا رہے گا کتنی عظیم وضاحت ہے کہ حضور ﷺ حیات ہیں۔ قیامت تک کے لئے خداوند تعالیٰ نے بے شمار مخلوق کو اس اعلان کرنے پر مقرر فرما دیا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وضم الله اسم النبی الی اسمه　　　اذا قال فی الخمس المؤذن اشهد

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام مبارک اپنے نام کے ساتھ ملا یا جب مؤذن پانچوں وقت " اشھدان لا الہ الا اللہ " کہتا ہے تو اس کے ساتھ ہی " اشھدان محمدا رسول اللہ " کا بھی اعلان کرتا ہے۔ (خصائص کبریٰ ص ۱۸۸)

حضور ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا " الا وانا حبیب الله ولا فخر وانا حامل لوآء الحمد یوم القیامة تحته آدم فمن دونه ولا فخر وانا سید ولد آدم یوم القیامة واول من تنشق عنه القبر واول شافع واول مشفع " فرمایا یاد رکھو میں اللہ کا حبیب ہوں اور یہ کوئی غرور کی بات نہیں، اور میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کا جھنڈا قیامت کے دن اٹھاؤں گا جس کے نیچے آدم علیہ السلام اور ان کی تمام اولاد ہوگی اور یہ کوئی غرور کی بات نہیں اور میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔ اور میری ہی قبر سب سے پہلے کھولی جائے گی اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا۔ اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔　　　(مشکوٰۃ شریف)

اور فرمایا۔" انما انا رحمة مهداة " میں اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہوں جو اس نے تمام مخلوق کو عطا فرمائی۔ اور فرمایا" انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحو الله بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب والعاقب الذی لیس بعده نبی " میں محمد (ﷺ) ہوں اور میں احمد (ﷺ) ہوں اور میں مٹانے والا ہوں اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے کفر کو مٹائے گا اور میں حاشر ہوں سب لوگ میرے قدموں پر اکٹھے کئے جائیں گے اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کسی کو نبوت نہ دی جائے۔　　　(بخاری شریف)

اور فرمایا۔ وانا اکرم الاولین والاخرین علی الله ولا فخر" میری عزت اللہ تعالیٰ کے ہاں سب پہلے اور پچھلے لوگوں سے زیادہ ہے اور یہ کوئی غرور کی بات نہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

یا صاحب الجمال ویا سید البشر　　　من وجهک المنیر لقد نور القمر

اے بے حد و حساب حسن و جمال کے مالک اور تمام انسانوں کے سردار۔ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کے نور نے چاند کو منور فرما دیا،

لا یمکن الثناء کما کان حقه　　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کسی بشر کی یہ طاقت نہیں کہ آپ ﷺ کی تعریف بیان کر سکے جیسا کہ اس کا حق ہے خدا بزرگ و برتر کے بعد آپ ﷺ ہی کی ذات والا صفات ہے۔ اللھم سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم علیہ"

آپ ﷺ رحمت اللعالمین ہیں

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد مبارک فرماتے ہیں:" وما ارسلنک الا رحمة للعالمین " اے

پیارے نبی ﷺ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور یہ رحمت اللعالمین ﷺ کی رحمت دنیا و آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنایا ہے دنیا میں تو آپ ﷺ تمام مخلوق کے لئے رحمت ہیں۔ دنیا میں کافروں کو بھی حضور ﷺ کی رحمت سے قرب قیامت تک نفع ملتا رہے گا ان کی صورتیں مسخ نہ ہوں گی، سابقہ امتوں میں اگر کوئی گناہ کرتا تھا تو اس کی صورت مسخ ہو جاتی تھی، مگر رحمت دو عالم ﷺ کی برکت سے قرب قیامت تک صورتیں مسخ نہ ہوں گی۔ اور اس کے علاوہ بے شمار فوائد کفار کو بھی نصیب ہوئے حضور ﷺ رات دن تمام کفار کے لئے ہدایت کی دعائیں مانگتے اور ہر وقت ان کو دین کی طرف بلاتے حالانکہ طائف شریف میں کفار نے رحمت اللعالمین ﷺ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ حکم فرمائیں تو ان تمام کفار کو ابھی دونوں طرف کے پہاڑوں کو ملا کر ختم کر دیا جائے یا جو سزا آپ تجویز فرمائیں ان کو دی جائے حضور ﷺ کی رحیم و کریم ذات نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوئے تو ان کی اولاد میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور رحمت اللعالمین ﷺ نے بجائے بددعا کے ان کے لئے دعا فرمائی۔

"اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون" اے میرے پیارے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرمائیے یہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔ کتنی ہمدردی فرمائی آپ ﷺ نے کفار کے ساتھ اور رحمت اللعالمین ﷺ نے فرمایا۔ "والذی نفسی بیدہ لا قتلنھم ولا صلبنھم ولا ھدینھم وھم کارھون انی رحمۃ بعثنی اللہ ولا یتوفنی حتی یظھرہ اللہ دینہ"

رحمت اللعالمین ﷺ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں ضرور ان کو قتل کروں گا اور میں ان کو سولی چڑھاؤں گا اور میں ضرور (ہر طرح سے) ان کو راہ راست پر لاؤں گا۔ حالانکہ وہ اس دین کو پسند نہیں کرتے بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ مجھے وفات نہ دیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ دین غالب نہ ہو جائے، (ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ) تو رحمت اللعالمین ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں ہر طریقہ سے کفار کو راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گا جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کریں، کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے رحمت بنا کے بھیجا ہے تو حضور ﷺ رحمت اللعالمین ہونے کی وجہ سے رات دن اس کوشش میں لگے رہتے کہ کوئی بھی کافر نہ رہے، سب مسلمان بن جائیں اور اس لگن میں اتنے بے چین رہتے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "لعلک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین" اے محبوب ﷺ کیا آپ ﷺ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے اگر یہ کافر ایمان نہ لائے۔ تو رحمت اللعالمین ﷺ رات دن اسی غم[1] اور فکر میں رہتے کہ کوئی کافر نہ رہے سب ایمان والے بن جائیں اور جہنم سے بچ جائیں اور آپ ﷺ مسلمان کے لئے تو ہر حالت میں ہی رحمت ہیں دنیا میں موت کے وقت قبر میں حشر میں جنت میں آپ ﷺ ہر جگہ رحمت اللعالمین ہیں۔ دنیا میں آپ ﷺ کی رحمت سے دولت ایمان نصیب ہوئی موت کے وقت کلمہ نصیب ہوگا اور قبر میں رحمت اللعالمین ﷺ کی شکل مبارک دکھائی جاتی ہے حدیث شریف میں ہے۔ "فیقولان لہ ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم فیقول ھو رسول اللہ" اہل قبر سے سوال کیا جاتا ہے یہ کون مرد ہیں جو تم میں بھیجے گئے تو

---

[1] ہم مسلمانوں نے حضور ﷺ کا یہ غم اور فکر بالکل ہی چھوڑ دیا ہے کہ غیر مسلموں کو دین کی تبلیغ کریں جیسے یہ صرف حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کام تھا۔ ہمیں اس طرف توجہ دینی چاہئے آپس کے خواہ مخواہ کے جھگڑے جن سے مسلمان بھی دین سے بیزار ہو رہے ہیں فوراً چھوڑ کر آپس میں محبت و اتفاق پیدا کرنا چاہئے اور تفرقہ بازی ختم کرنی چاہئے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے ہی میں نجات ہے۔

مومن جواب دیتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ﷺ۔

پھر اس حدیث میں آگے ارشاد ہے۔ ''فینادی مناد من السمآءان صدق عبدی فافرشوہ من الجنۃ والبسوح من الجنۃ وافتحوا لہ بابا الی الجنۃ'' پھر آسمان سے ندا آتی ہے میرے بندے نے سچ کہا اس کا اوڑھنا بچھونا جنت سے کر دو اور جنت کی طرف سے اس کے لئے دروازے کھول دو۔

اور حشر میں رحمت اللعالمین ﷺ کی رحمت کا اظہار اس وقت ہوگا، جب تمام مخلوق حساب وکتاب کے لئے پریشان ہوگی سوا نیزے پر سورج ہوگا، گرمی کی شدت ہوگی لوگ پسینہ میں غرق ہوں گے نفسی نفسی کا عالم ہوگا لوگ پریشانی کے عالم میں انبیاء علیہم السلام کی خدمت میں سفارش کے لئے حاضر ہوں گے تمام انبیاء علیہم السلام انکار فرماویں گے آخر میں سب لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے حضور ﷺ کی سفارش سے حساب وکتاب شروع ہوگا اور اس اذیت ناک عذاب سے نجات ہوگی، جنت میں بھی داخلہ ایمان والوں کو رحمت اللعالمین ﷺ کی رحمت دولت ایمان جس کے لئے رحمت دو عالم ﷺ نے رات دن کوشش فرمائی کے سبب سے ہوگا؛ آپ ﷺ کی رحمت کا حصہ مومن کو ہر مقام پر نصیب ہوتا ہے اور ہوگا، اللہ تعالیٰ تمام ایمان والوں کو رحمت اللعالمین کی رحمت سے وافر حصہ نصیب فرمائے۔ آمین!

اسلام کی بنیاد عقیدہ حیات النبی ﷺ

''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ''نہیں کوئی معبود سواء اللہ تعالیٰ کے محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (ﷺ)

حضرت عبداللہ بن عمر ﷠ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے۔

سب سے پہلی بنیاد: ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی دینا یعنی اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی رسالت کا موجود ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دائمی حیات عطاء فرمائی ہے آپ ﷺ کے حیات النبی ﷺ ہونے کا کلمہ طیبہ قیامت تک اعلان کرتا رہے گا۔ آج بھی جو شخص کلمہ طیبہ پڑھے یا قیامت تک جو شخص بھی مسلم ہو یا غیر مسلم اسلام میں داخل ہو، جب تک وہ اسلام کی بنیاد اول کلمہ طیبہ نہیں پڑھے گا اور دل وزبان سے اقرار نہیں کرے گا قطعاً مسلمان نہ ہوگا؛ مسلمان ہونے کے لئے یا اسلام قبول کرنے کے لئے کلمہ طیبہ کا پڑھنا اور اس کا اقرار کرنا شرط اول ہے اور کلمہ طیبہ کے دوسرے جزء کا ترجمہ ہی یہی ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، اب نہیں ہیں تو وہ ہرگز مسلمان نہ ہوگا، ہمارے تمام اسلاف واکابرین کا یہی عقیدہ ہے جو کہ تفصیل کے ساتھ سیدنا صدیق اکبر ﷠ سے لے کر موجودہ دور تک کے علماء کے عقائد کی شکل میں آئندہ صفحات میں آپ پڑھیں گے اور یہی عقیدہ علماء دیوبند کا ہے آپ کو آئندہ صفحات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ علماء دیوبند کا عقیدہ حضرت سیدنا صدیق اکبر ﷠ تمام خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین، آئمہ مجتہدین اولیاء کرام وعلماء امت کے عین مطابق ہے اور یہی علماء صحیح راستہ کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں ان میں نہ افراط ہے کہ کسی بات کو حضور ﷺ صحابہ کرام، تابعین، آئمہ مجتہدین کے فرمان عالیہ سے زائد بڑھایا جائے اور نہ تفریط ہے کہ کسی بات کو حضور ﷺ صحابہ کرام، تابعین مجتہدین کے فرمان عالیہ سے کم کیا جائے اس مبارک طریقہ میں نہ زیادتی ہے نہ کمی ہے بلکہ متوسط طریقہ ہے جس کے متعلق رحمت للعالمین ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ وہ فرقہ میرے اور میرے صحابہ ﷡ کے

طریقہ پر ہوگا، آپ کو آئندہ صفحات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ یہ گروہ علماء دیوبند رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر ہے بلکہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ہی خود رحمت للعالمین ﷺ کے لگائے ہوئے نشانوں پر رکھی گئی ہے۔

علماء دیوبند نے کتاب المہند علی المفند عقائد علماء دیوبند لکھ کر قیامت تک کے لئے اپنے عقیدہ کا اعلان کر دیا ہے اور حیات النبی ﷺ کا عقیدہ حضور ﷺ کے ارشاد مبارک "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں (فیض الباری شرح بخاری ص ۱۱) کے عین مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ارشاد مبارک فرماتے ہیں "ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یآایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما" بے شک[1] اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں (آگے اللہ تعالیٰ حکماً ارشاد فرماتے ہیں) اے ایمان والو درود بھیجو نبی ﷺ پر اور سلام بھیجو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنے محبوب ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم فرمایا اور اس کا ایسا عمدہ اور بہترین طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی انتخاب فرمایا کہ ہر لحہ مسلمان خود بخود رحمت للعالمین ﷺ پر درود و سلام بھیجتے رہیں۔

نماز میں درود و سلام پڑھنا واجب کر دیا کہ جب تک کوئی بھی مسلمان نماز میں درود و سلام نہ پڑھے گا اس کی نماز مکمل نہ ہوگی اور وقت کی کمی بیشی کے باعث کوئی ساعت ایسی نہ رہی کہ جس میں مسلمان نماز نہ پڑھتے ہوں اور ہر نماز میں درود و سلام پڑھنا ضروری کر دیا کہ کوئی لحہ بھی ایسا نہ گذرے کہ جس میں میرے پیارے محبوب ﷺ پر درود و سلام نہ پڑھا جائے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت اللعالمین ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے ایک فرشتہ میری قبر (روضہ اطہر) پر مقرر کر رکھا ہے جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت عطا فرما رکھی ہے پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا رہے گا وہ فرشتہ مجھ کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر درود پہنچاتا ہے کہ فلاں شخص جو کہ فلاں کا بیٹا ہے اس نے آپ ﷺ پر درود بھیجا ہے۔ (القول البدیع، فضائل درود شریف ص ۱۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رحمت اللعالمین ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں۔
(نسائی شریف، فضائل درود شریف ص ۱۸)

دارالعلوم دیوبند کی ابتدائی عمارت نودرہ کی بنیاد سید دو عالم ﷺ کے فرمان عالی اور نشان زدہ خطوط پر رکھی گئی تاریخ دیوبند میں مفصل واقعہ تحریر ہے اور دارالعلوم دیوبند کے ترانہ میں یہ اشعار موجود ہیں۔

خود ساقی کوثر ﷺ نے رکھی مے خانے کی بنیاد یہاں　　　تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی روداد یہاں

(رحمت کائنات ص ۲۶۴)

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کو خواب میں سید دو جہاں ﷺ کی زیارت ہوئی۔ رحمت دو عالم ﷺ مدرسہ کے کنوئیں پر تشریف فرما ہیں اور کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے ایک بڑا ہجوم

[1] اللہ تعالیٰ کا درود بھیجنا نبی ﷺ پر رحمتیں نازل فرمانا ہے فرشتوں اور انسانوں کا درود بھیجنا حضور ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرنا مراد ہے اسی طرح سلام بھیجنا اللہ تعالیٰ کا نبی ﷺ پر سلامتی نازل فرمانا ہے اور فرشتوں اور انسانوں کا سلام بھیجنا نبی ﷺ کے لئے سلامتی کی دعا کرنا مراد ہے۔

لوگوں کا سامنے ہے لوگوں کے پاس چھوٹے اور بڑے برتن ہیں رحمت اللعالمین ﷺ سب کے برتنوں کو دودھ سے بھر رہے ہیں۔ (تاریخ دیوبند)

بزرگوں نے اس کی تعبیر یہ بیان فرمائی کہ کنوئیں سے مراد دارالعلوم دیوبند ہے دودھ سے مراد حضور رحمت للعالمین ﷺ کی شریعت مطہرہ کے علوم ہیں جو کہ خود رحمت للعالمین ﷺ اپنے وارثوں کے ذریعہ سے (حضور ﷺ نے فرمایا "العلماء ورثة الانبياء" علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں) قیامت تک اس دارالعلوم سے تعلیم حاصل کرنے والوں کے برتن دودھ علم شریعت سے بھر رہے ہیں سبحان اللہ۔

سید دو عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص مجھ پر میری قبر (روضہ اطہر) کے پاس درود شریف پڑھتا ہے اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو شخص مجھ پر دور دراز سے درود شریف پڑھتا ہے وہ بذریعہ ملائکہ پہنچا دیا جاتا ہے۔ (بیہقی شریف)

تو جس وقت بھی چاہے نماز میں درود و سلام پڑھا جائے یا نماز کے علاوہ اگر روضہ اطہر کے پاس پڑھا جائے تو رحمت اللعالمین ﷺ خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر فرمائے ہوئے ہیں جو فوراً حضور ﷺ کے حضور پہنچا دیتے ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اوپر جمعہ کے دن کثرت سے (یعنی زیادہ سے زیادہ) درود شریف پڑھا کرو اس لئے کہ یہ ایسا مبارک دن ہے کہ اس دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جب کوئی شخص مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو وہ درود شریف اس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد بھی، حضور ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا ہاں انتقال کے بعد بھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات حرام کر دی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے بدنوں کو کھائے پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے رزق دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ شریف)

حضور رحمت اللعالمین ﷺ نے مندرجہ بالا ارشادات فرما کر قیامت تک کے لئے اپنی تمام امت کو تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات کے سلسلہ میں زبردست وضاحت بیان فرما دی اور قربان جائیں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے کہ انہوں نے کتنی وضاحت کے ساتھ سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد بھی، رحمت اللعالمین ﷺ نے کتنی وضاحت کے ساتھ ارشاد مبارک فرمایا، ہاں انتقال کے بعد اور مزید وضاحت فرمائی کہ اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے آپ ﷺ نے اس پر بس نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ رزق دیا جاتا ہے سبحان اللہ رزق کے لئے جسم اور روح دونوں کی حیات لازمی ہے ورنہ رزق نہیں کھایا جا سکتا۔ ان واضح ارشادات عالیہ کے ہوتے ہوئے جو کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمائے اس کے خلاف گفتگو کرنا تو درکنار ان میں ذرا سا وہم یا شبہ کرنا، گویا حضور ﷺ کے ارشاد عالیہ کا انکار کرنا ہے۔ جس سے ایمان کے ہی چلے جانے کا خطرہ ہے کیونکہ رحمت اللعالمین ﷺ کے ارشادات عالیہ پر یقین رکھنے کا نام ہی ایمان ہے۔

شب معراج شریف میں رحمت اللعالمین ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر گزر ہوا، موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے (فیض الباری)

اور ایک موقعہ پر حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تھی آپ ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا، کہ میں موسیٰ علیہ السلام اور یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ "لبیک اللھم لبیک" کہہ رہے ہیں (مسلم شریف)

محدث کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حدیث دلیل ہے اس پر کہ انبیاء علیہم السلام

اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (عقیدۃ السلام ص ۲۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت دوعالم ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ الروحا کے علاقہ سے ستر انبیاء علیہم السلام پیدل بیت اللہ شریف کے حج کے ارادہ پر تشریف لے گئے جنہوں نے عبا پہنے ہوئے تھے۔

(التعرف ص ۲۲، رحمت کائنات ص ۱۷۲)

ان احادیث مطہرہ سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں نزدیک سے صلوٰۃ وسلام بھی سنتے ہیں، رزق بھی کھاتے ہیں حج بھی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہاں چاہیں جا آ بھی سکتے ہیں جیسے کہ معراج شریف کے موقعہ پر مسجد اقصیٰ بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم السلام تشریف لائے اور حضور ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ رحمت اللعالمین کے اس جہان سے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک تمام امت کا یہ طریقہ رہا ہے جو لوگ حج کرنے جاتے ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمام لوگ رحمت اللعالمین ﷺ کے روضہ مطہرہ کے پاس باادب طریقہ سے اس بات کا یقین کرتے ہوئے کہ ہم سیدالانبیاء ﷺ کے حضور حاضر ہیں اور حضور ﷺ ہمیں دیکھ رہے ہیں ہماری معروضات سن رہے ہیں صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہیں اور اس حاضری کے متعلق رحمۃ اللعالمین ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا۔ "قولہ ﷺ من جاءنی زائر الا تحملہ حاجۃ الا زیارتی کان حقا علی ان اکون شفیعا لہ یوم القیامۃ" نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو میری زیارت کو آیا اور میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کی نہ لائی تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں۔ (المسند ص ۲۵)

اس بات پر غور فرماویں کہ رحمت اللعالمین ﷺ کیا فرما رہے ہیں کہ جو میری زیارت کو آیا۔ تو آپ خود سوچیں کہ زیارت کس کی ہوتی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میری زیارت کو آیا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مدینہ منورہ حاضر ہونے والا یوں کہے کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں۔ (وعظ التبلیغ نمبر ۳ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ، مقام حیات ص ۲۴۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب بھی مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوتے حضور ﷺ کے حضور حاضر ہو کر عرض کرتے "السلام علیک یارسول اللہ، السلام علیک یا ابابکر، السلام علیک یا ابت"

(رسائل ابن تیمیہ ص ۱۶۳، ۳۹۰، رحمت کائنات)

یہ سلام عرض کرنے والے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں جب بھی مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوتے ہیں حضور ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اپنے باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں گویا کہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ تینوں حضرات سلام سنتے ہیں اور حیات ہیں، سبحان اللہ!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سلام پیش کر کے اپنے عمل سے قیامت تک کے لئے حیات النبی ﷺ اور حیات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو ثابت کر دیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس عقیدہ کے خلاف تمام شکوک وشبہات رفع فرما دیئے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرہ مبارک میں حضور ﷺ آرام فرما ہیں۔ حضور ﷺ کے پردہ فرمانے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پردہ فرمانے کے بعد اس کمرہ میں ام المومنین بغیر پردہ کے تشریف لاتی تھیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پردہ فرمانے کے بعد کمرہ میں باپردہ تشریف لاتی تھیں، چونکہ پہلے خاوند اور والد

تھے، جن سے کوئی پردہ نہ تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری کے بعد پردہ فرمایا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ حضرات دیکھتے ہیں قبر ان حضرات کے سامنے حجاب نہیں ہے، سبحان اللہ!

حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ "لیھبطن ابن مریم عدلا واماما مقسطا ویسلکن فجا حاجا او معتمرا ولیاتین قبری حتی یسلم علیّ ولارذنّ علیہ" (رواہ ابو ہریرہ اخرجہ الحاکم وصح عقیدۃ الاسلام ص ۲۲)

محدث کبیر استاذ العلماء حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث شریف کو اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام میں درج فرما کر یہ بتایا ہے کہ اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے سبحان اللہ۔ اس حدیث شریف کے ترجمہ پر غور فرمائیں کہ اس میں رحمت اللعالمین ﷺ نے کتنے مسائل حل فرما دیئے۔

فرمایا حضور ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریم کا بیٹا ضرور آسمان سے اترے گا وہ انصاف اور عدل والا پیشوا ہوگا اور وہ دور دراز کے راستہ سے سفر کر کے حج یا عمرہ کے لئے آئے گا اور پھر وہ ضرور میری قبر (روضہ اطہر) پر بھی آئے گا یہاں تک کہ مجھے سلام کہے گا اور میں ضرور اس کے سلام کا جواب دوں گا۔

۱...... فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے پیدا نہیں ہوں گے، مرزائی مرزا غلام احمد قادیانی کو عیسیٰ کہتے ہیں فرمایا کہ حضرت مریم کا بیٹا ہوگا۔ مرزائیوں کا سارا جھوٹ قیامت تک ختم فرمایا۔

۲...... اور فرمایا کہ وہ دور دراز (دمشق) سے سفر کر کے حج یا عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائیں گے۔

۳...... پھر مدینہ منورہ حضور ﷺ کے حضور سلام عرض کرنے کے لئے حاضری دیں گے، اور حاضر ہو کر سلام عرض کریں گے۔

۴...... آپ ﷺ ان کے سلام کا جواب عنایت فرمائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کی زیارت کے لئے دور دراز سے سفر کر کے حاضر ہونا سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ اور آپ ﷺ کے حضور سلام عرض کرنا سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کے سلام کا جواب دوں گا، تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ حاضر ہونے والے کا سلام سنتے ہیں، اور جواب عنایت فرماتے ہیں اور اسے جانتے ہیں یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ نبی الانبیاء ﷺ کی شان مبارک کی بلندی کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔ حضور ﷺ کے شہداء امتیوں کے لئے اللہ کریم نے اپنی مقدس کتاب قرآن پاک میں جس سے زیادہ عزت والی کوئی کتاب نہیں علی الاعلان قیامت تک کے لئے ارشاد مبارک فرما دیا۔

"ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیآء ولکن لا تشعرون" اور مت کہو ان کو جو قتل کئے گئے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں اور فرمایا۔ "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیآء عند ربھم یرزقون فرحین بمآ اٰتھم اللہ من فضلہ" اور آپ ان لوگوں کو ہرگز مردہ نہ سمجھیں جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کئے گئے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش ہیں اس انعام پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے اپنے فضل سے۔

کتنی بڑی وضاحت کے ساتھ فرمایا کہ یہ خیال دل میں نہ لانا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید ہونے والا مردہ ہے بلکہ فرمایا کہ وہ زندہ ہے۔ اور ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ شہدا خدا تعالیٰ کے انعام و اکرام پر خوش ہیں سبحان

اللہ! یہ تو شان ہے سید الانبیاء ﷺ کے امتیوں کی چاہے وہ امتی کتنا ہی گناہ گار رہو، شہادت پانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اس کو یہ انعام و اکرام ہے کہ دائمی زندگی نصیب ہوتی ہے رزق دیا جاتا ہے اور ہر لمحہ کی خوشی اور راحت ہے تو مخصوص لوگ، حفاظ قرآن شریف، علماء کرام، اولیاء عظام، تابعین، صحابہ کرام، اہل بیت انبیاء عظام، خلفاء راشدین، ان کی برزخی زندگی کتنی عظیم ہوگی اور خدا تعالیٰ نے ان کے لئے کتنے کتنے بلند اعزاز و اکرام رکھے ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رحمت دو عالم ﷺ جنگ احد سے واپس لوٹے تو حضرت مصعب بن عمیر اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبور کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تم زندہ ہو اللہ کے ہاں (اور اپنے ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا) پس تم ان کی زیارت کیا کرو اور انہیں سلام کہا کرو قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو شخص انہیں سلام کہے گا یہ جواب دیں گے اور یہ قیامت تک جاری رہے گا۔

(اخرجہ الحاکم وصححہ والبیہقی)

قربان جائیں خاتم النبیین ﷺ کے کتنے واضح الفاظ میں شہداء صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم زندہ ہو اور فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں سبحان اللہ! جس بات کی حضور ﷺ تصدیق فرما دیں، شہادت دیں اور اللہ تعالیٰ اس بات کا اعلان قرآن پاک میں کریں کہ شہداء زندہ ہیں اور پھر قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ قیامت تک جو بھی ان کو سلام کہے گا یہ اس کو جواب دیں گے۔

یہ تو شان ہے سید الانبیاء ﷺ کے امتیوں کی کہ رحمت دو عالم ﷺ کا کلمہ پڑھ لینے کے بعد ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی اور ان سب سے بلند و برتر انبیاء علیہم السلام ہیں اور پھر سب انبیاء علیہم السلام سے ارفع و اعلیٰ مقام تو ہمارے آقا و مولا سید الرسل خاتم النبیین ﷺ کا ہے جن کے بعد پھر اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

تو سید الانبیاء ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا کیا انعام و اکرام اور مہربانیاں اپنے پاس رکھی ہیں وہی جانتے ہیں کہ جن کی خاطر یہ سب جہان بنائے اور سارے عالم ان کے طفیلی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''زمین وزمان را بطفیل او خلق فرمودہ است'' ہر شئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے طفیل پیدا فرمائی۔ بلکہ یہ ارشاد مبارک فرمایا: وچوں وجود آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام در عالم ممکنات نباشد، بلکہ فوق ایں عالم باشد، ناچار او را سایہ نبود و نیز در عالم شہادت سایہ شخص از شخص لطیف تر است، وچوں لطیف تر از وی در عالم نباشد، او را سایہ چہ صورت دارد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات'' (دفتر سوئم حصہ نہم مکتوب نمبر ۱۰۰)

فرماتے ہیں کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کی ذات عالی کو خدا تعالیٰ نے عجیب شے بنایا ہے کہ آپ ﷺ کا وجود مبارک عالم ممکنات میں سے ہی نہیں ہے بلکہ رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا ''خلقت من نور اللہ'' میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں، کیونکہ آں حضرت ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے تو فرمایا کہ آپ ﷺ کا وجود مبارک اس عالم سے برتر ہے تو یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا نیز عالم شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جب تمام جہان میں آں حضرت ﷺ سے زیادہ کوئی لطیف شئے نہیں تو پھر آپ ﷺ کا سایہ کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ سبحان اللہ!

سید الانبیاء ﷺ کی شان مبارک کو تو سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی جان ہی نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کو کیا بنایا تھا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ ''وتعزروہ وتوقروہ'' میرے پیارے محبوب ﷺ کی

عزت واحترام کرو۔ اور فرماتے ہیں۔ "یاأیہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی" اے ایمان والو! اپنی آواز کو سید الانبیاء ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ اور فرمایا: "لا تجعلوا دعآء الرسول بینکم کدعآء بعضکم بعضا" جناب رسول اللہ ﷺ کو ایسے مت پکارو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مقام پر اپنے محبوب ﷺ کے ادب واحترام کا حکم فرمایا ہے پس ہمیں حضور ﷺ کے امتی ہونے کے سبب کسی لمحہ بھی آپ ﷺ کے ادب واحترام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد مبارک فرماتے ہیں اگر تم نے ادب واحترام کا دامن چھوڑ دیا تو "ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون" تمہارے تمام اعمال ضائع کر دئے جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہر لمحہ سید الانبیاء ﷺ کے ادب واحترام کی توفیق نصیب فرمائے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین!

بلغ	العلیٰ	بکمالہ	کشف	الدجیٰ	بجمالہ
حسنت	جمیع	خصالہ	صلوا	علیہ	والہ

سید الانبیاء ﷺ کے خصائص بوقت سفر آخرت

۱...... جناب رسول اللہ ﷺ کو غسل پہلے پہنے ہوئے کپڑوں میں ہی دیا گیا، کرتہ تک جسم سے نہ اتارا گیا۔

(مقام حیات ص ۱۶۴)

۲...... نماز جنازہ بھی عام مسلمانوں کی طرح نہ پڑھی گئی بلکہ دس دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حجرہ مطہرہ میں داخل ہو کر درود شریف پڑھتے تھے اور وہ درود شریف یہ ہے۔ "ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یآیہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ اللھم ربنا لبیک وسعدیک صلوۃ اللہ البر الرحیم والملائکۃ المقربین والنبیین والصدیقین والشھدآء والصالحین وما سبح لک من شئی یا رب العالمین علی محمد بن عبد اللہ خاتم النبیین وسید المرسلین وامام المتقین ورسول رب العالمین الشاھد البشیر الداعی الیک باذنک السراج المنیر وبارک وسلم علیہ" (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۳، رحمت کائنات ص ۳۶۴)

۳...... آپ ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک میں ہی آپ ﷺ کے لئے آرام گاہ (قبر شریف) بنائی گئی۔

۴...... آپ ﷺ کے حکم کے مطابق آپ کی املاک میں ترکہ اور وراثت کا قانون جاری نہیں کیا گیا، بلکہ آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں جو ان کا مصرف تھا وہی بدستور قائم رکھا گیا اور وہ خلافت کی تولیت میں رہیں۔

۵...... اسی طرح آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے مسکونہ حجروں کو تا زندگی اپنے استعمال میں رکھیں اور نبی ﷺ کی املاک سے اپنا نفقہ تا حیات حاصل کرتی رہیں جیسا کہ حضور ﷺ کی ظاہری حیات کے زمانہ میں ان کو یہ دونوں حقوق حاصل تھے حالانکہ کسی مسلمان کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ کو یہ حقوق صرف عدت کی مدت تک رہتے ہیں۔ (مقام حیات ص ۱۶۴)

۶...... سید الانبیاء ﷺ کی ازواج مطہرات سے نکاح امت پر حرام کر دیا گیا حالانکہ ہر مسلمان کی وفات کے

بعد اس کی بیوی سے نکاح جائز ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ حضور ﷺ کے حجرہ مبارک کے سامنے رکھ دینا اگر دروازہ کھل جائے اور قبر انور سے آواز آئے کہ ابوبکر کو اندر لے آؤ تب تو حجرہ مبارک میں دفن کر دینا ورنہ عام مومنین کے قبرستان میں دفن کر دینا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، جب حجرہ مبارک کے سامنے جنازہ رکھا گیا تو دروازہ کھل گیا اور قبر انور سے آواز آئی۔ "ادخلو الحبیب الی الحبیب" لے آؤ محبوب کو اپنے محبوب کے پاس۔ "صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم" (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۸۵)

سبحان اللہ! سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قیامت تک کے لئے حیات النبی ﷺ کا مسئلہ حل فرما دیا، اور یقیناً وہی اس مسئلہ کے حل فرمانے کا حق رکھتے تھے کہ دین کے ہر معاملہ میں آپ نے سبقت فرمائی۔ رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب کسی مہم سے فارغ ہو کر واپس مدینہ طیبہ تشریف لاتے تو سب سے پہلا کام جو آپ کرتے وہ سید الانبیاء ﷺ کے حضور حاضر ہو کر سلام عرض کرتے اور اسی کی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ تلقین فرماتے۔

(جذب القلوب ص ۲۰۰، مقام حیات ص ۱۸۱)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے مجھے کنکری ماری، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، آپ نے فرمایا ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لے آؤ میں انہیں آپ کے پاس لے آیا، آپ نے ان سے پوچھا تم کہاں کے ہو، انہوں نے کہا کہ ہم طائف سے آئے ہیں، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم اہل مدینہ سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، اس لئے کہ تم مسجد رسول ﷺ میں اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۷۰، مقام حیات ص ۱۷۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا حضور ﷺ کی مسجد میں بلند آواز سے گفتگو کرنا جس حضور ﷺ کو اذیت ہو برداشت نہ ہو سکا تو معلوم ہوا کہ جس طرح حضور ﷺ کے سامنے آواز بلند کرنا جرم تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تمہاری آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے بلند ہو گئیں تو تمہارے تمام اعمال ضائع کر دئے جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو گی، اسی طرح آپ ﷺ کے روضہ مطہرہ کے قریب آواز بلند کرنا بھی اپنے اعمال کو ضائع کرنا ہے۔ اس لئے کہ آپ روضہ مطہرہ میں تشریف فرما ہیں۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مہمان ہونے کی حیثیت سے درگزر کرتا ہوں ورنہ تمہیں سزا دیتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام سے جس وقت تشریف لائے تو سب سے پہلے مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوئے اور حضور ﷺ کے حضور سلام عرض کیا۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۹۹، دعوۃ الانصاف ص ۸۴)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا جب باغیوں نے محاصرہ کر لیا، تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ بہتر ہے آپ شام تشریف لے جائیں وہاں کی افواج مضبوط ہیں، اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ میں

اسے جائز نہیں سمجھتا کہ اپنے دار الہجرت کو چھوڑ کر جاؤں اور حضور ﷺ کی ہمسائیگی چھوڑ دوں۔
(جذب القلوب ص ۲۰۰، مقام حیات، ص ۱۸۱)

حضرت علی ابن ابی طالب ﷛ کا عقیدہ

حضرت علی ﷛ فرماتے تھے "من زار قبر رسول اللہ کان فی جوار رسول اللہ ﷺ" جو حضور ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس حاضر ہو وہ اس وقت حضور کی ہمسائیگی میں ہوتا ہے۔ (جذب القلوب ص ۱۸۰)

"وما عمل علی ابن ابی طالب مصراعی دارہ الا بالناصع توقیا لذالک" حضرت علی المرتضیٰ ﷛ نے اپنے گھر کے دروازے مدینہ منورہ سے باہر ایک جگہ میں بنوائے تاکہ کواڑ بننے کا کہیں شور پیدا نہ ہو اور حضور ﷺ کو اذیت نہ ہو۔ (شفاء السقام ص ۱۷۳، مصر)

حضرت علی ﷛ نے اپنے یقین کامل کی بنیاد پر کہ سید دوجہاں ﷺ کو دروازوں کے شور سے اذیت ہوگی۔ دروازے باہر بنوائے۔ حضرت علی ﷛ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی حضور ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ آپ نے جو پروردگار سے سنا ہم نے آپ سے سن لیا اور جو کچھ آپ نے خدا تعالیٰ سے یاد کیا ہم نے آپ سے یاد کر لیا۔ آپ پر جو آیات نازل ہوئیں ان میں یہ آیت شریفہ بھی ہے۔ "ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جآءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما" (النساء: ۶۴) اور جب ان لوگوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو اگر آتے آپ کے پاس اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور آپ بھی ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگتے تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔ روضہ مطہرہ سے آواز آئی اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا۔
(جذب القلوب ص ۱۹۶، خلاصۃ الوفاء ص ۵۱، مقام حیات ص ۱۵۳)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ﷝ کا عقیدہ

"عن عائشۃ ﷝ قالت کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ ﷺ والی واضع ثوبی و اقول انما ھو زوجی و ابی، فلما دفن عمر ﷛ معھم فو اللہ ما دخلت الا و انا مشدودۃ علی ثیابی حیاء من عمر ﷛"
(رواہ احمد وکذا فی المشکوۃ ص ۱۵۴، مقام حیات ص ۱۸۷)

حضرت عائشہ صدیقہ ﷝ فرماتی ہیں کہ میں اپنے حجرے میں جس میں کہ رسول اللہ ﷺ تھے چادر کھلی داخل ہو جایا کرتی تھی، مجھے یہی خیال ہوتا تھا کہ میرے خاوند اور میرے والد ہی تو یہاں ہیں جب حضرت عمر ﷛ وہاں دفن ہوئے تو خدا کی قسم تو میں پردے ہی سے جاتی تھی اور یہ حضرت عمر ﷛ سے حیاء کے باعث تھا۔

علامہ سبکی ﷫ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ ﷝ جب کبھی ان گھروں سے جو مسجد نبوی ﷺ کے ساتھ تھے کسی میخ یا کیل لگائے جانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ حضور ﷺ کو اس آواز سے اذیت نہ دو۔ (شفاء السقام ص ۱۷۳)

سبحان اللہ ام المومنین نے قیامت تک کے لئے اس بات کی وضاحت فرما دی کہ سید الانبیاء ﷺ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق ﷟ حیات ہیں اور دیکھتے ہیں اور یہ قبروں کی دیواریں ان کے سامنے کوئی حجاب (پردہ) نہیں ہیں اور سنتے ہیں حتی کہ ہمسائے کے مکانوں لگنے والے کیلوں (میخ) کی آواز بھی سنتے ہیں تبھی تو مسجد نبوی کے ہمسایوں کو میخ ٹھوکنے سے منع فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمر ﷠ کا عقیدہ

حضرت عبداللہ بن عمر ﷠ جب بھی کبھی سفر پر روانہ ہوتے تو مسجد نبوی میں حاضر ہوتے نماز پڑھتے اور پھر روضہ اطہر پر حاضر ہوتے اور عرض کرتے۔ "السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابا بکر، السلام علیک یا اباہ" (ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۳، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۰، جذب القلوب ص ۲۰۰، موطا امام محمد ص ۳۹۲، مقام حیات ص ۱۹۲)

اور پھر جب سفر سے واپس آتے تو اپنے گھر جانے سے پہلے پھر اسی طرح سلام عرض کرتے۔

حضرت نافع ﷜ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷠ کو میں نے دیکھا کہ وہ روضہ اطہر پر سلام عرض کرتے تھے میں نے ایک ایک دن میں نہیں سو سو مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بار روضہ اطہر پر آتے دیکھا اور "السلام علیک یا رسول اللہ" پڑھتے دیکھا۔ (منتھی المقال ص ۱۷۳ مفتی صدر الدین، مقام حیات ص ۱۹۳)

حضرت ابو ایوب انصاری ﷜ کا عقیدہ

طبرانی شریف میں یہ واقعہ نقل کیا ہے جس کے راوی داؤد بن صالح ہیں۔ ایک دن مروان مسجد نبوی ﷺ میں آیا تو اس نے ایک شخص کو روضہ اطہر پر منہ رکھے ہوئے دیکھا، اس نے ان کو گردن سے پکڑ کر ہٹایا، اور کہا جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے انہوں نے کہا ہاں جانتا ہوں، جب مروان نے دیکھا تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری ﷜ تھے، آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں پتھروں کے پاس نہیں آیا، میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اس وقت دین پر نہ رونا جب اس کے والی اس کے اہل ہوں بلکہ اس وقت رونا جب کہ دین کی ولایت غیر اہل ہاتھوں میں آجائے۔ (اخرجہ الحاکم ج ۴ ص ۵۱۵، مقام حیات ص ۱۹۵)

کتنے پیارے الفاظ ارشاد فرمائے حضرت ابو ایوب انصاری ﷜ نے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں گویا کہ میں حضور ﷺ کے پاس بیٹھا ہوں، اور اس کی اس حرکت پر فرمایا کہ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق اس وقت رونا چاہئے کہ تم جیسے نااہل حکمران بن گئے۔

حضور ﷺ کے اجل صحابی حضرت بلال بن حارث ﷜ کا عقیدہ

حضرت عمر فاروق ﷜ کے زمانہ خلافت میں جب قحط پڑا تو بلال بن حارث ﷜ سید الانبیاء ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضر ہوئے اور یوں عرض کی، "یارسول اللہ استسق اللہ لامتک فانھم قد ھلکوا" "یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالٰی سے اپنی امت کے لئے بارش کے پانی کی درخواست فرمائیں آپ کی امت قحط سے ہلاک ہو رہی ہے۔ تو سید عالم ﷺ نے ان کو خواب میں آکر فرمایا کہ عمر ﷜ کو جا کر میرا سلام کہہ دے اور یہ بھی کہہ دے کہ بارش ہو جائے گی چنانچہ جلد ہی بارش کا نزول ہوا۔ (فتح الباری شرح بخاری، رسائل کوثری ص ۳۸۱، رحمت کائنات ص ۳۵۵)

سید المرسلین ﷺ کے اجل صحابی حضرت عثمان بن حنیف ﷜ کا عقیدہ

حضرت عثمان بن حنیف ﷜ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت سیدنا عثمان ﷜ کے زمانہ خلافت میں ان کے پاس اپنے کسی ضروری کام کے لئے بار بار جاتا اور حضرت عثمان ﷜ (غالباً بوجہ مصروفیت) نہ تو اس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ ہی اس کی حاجت پوری کرتے وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور ان سے شکایت کی تو انہوں نے

فرمایا کہ وضو کی جگہ جا اور وضو کر پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ پھر کہہ "اللھم انی اسئلک و اتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة یامحمد انی اتوجه بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللھم فشفعه فی "

(ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۹۷، ابن ماجہ ص ۱۰۰، مستدرک ج ۱ ص ۳۱۳)

یا اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کی طرف آپ کے نبی محمد ﷺ جو کہ رحمتوں والے نبی ہیں کے وسیلہ سے عرض کرتا ہوں، یا محمد ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف میری اس حاجت کے لئے توجہ فرماویں (عرض کریں) تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے یا اللہ آپ میرے حق میں حضور ﷺ کی شفاعت (سفارش) قبول فرماویں۔

یہ دعا پڑھنے کے بعد وہ شخص حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ بڑی مہربانی سے پیش آئے اور اس کی حاجت پوری فرمائی۔

اس حدیث شریف سے تین باتیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ یہ طریقہ نماز قضائے حاجت ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات پوری کرانے کے لئے یہ خدا تعالیٰ کا خزانہ ہے ہر مسلمان کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ دوسری بات یہ کہ اس دعاء سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کے اس جہان سے پردہ فرمانے کے بعد بھی حضور ﷺ کا توسل کرنا اللہ تعالیٰ کے حضور وسیلہ پیش کرنا سنت صحابہ ہے کہ یہ طریقہ بتانے والے اجل صحابی ہیں۔

تیسری بات اس سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یا محمد، اے محمد ﷺ میری اس حاجت کے سلسلہ میں خدا تعالیٰ کی طرف توجہ فرماویں، یہ مسجد نبوی کا واقعہ ہے اور حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے تو ان صحابی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ مسجد نبوی میں اس عرض کرنے والے کی بات سنتے ہیں اور حیات ہیں اور اس شخص کی حاجت کے سلسلہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سفارش فرمادیں گے۔ سبحان اللہ! قربان جائیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کہ قیامت تک کے لئے کتنے مسائل حل فرمادیئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ۔

مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کا مشاہدہ

فرماتے ہیں کہ میں نے کئی راتیں مسجد نبوی ﷺ میں اس طرح گزاریں کہ سوائے میرے کوئی بھی انسان مسجد میں عبادت کے لئے نہ آتا تھا۔ جب شامی بدبخت مسجد میں بے ادبی کے لئے آتے تو مجھے دیکھ کر کہتے اس بوڑھے پاگل کو دیکھو جب نماز کا وقت ہوتا تو روضہ اقدس سے اذان کی آواز آتی اور پھر اقامت بھی کہی جاتی، میں اکیلے نماز ادا کرتا۔ (وفاء الوفاء ج ۱ ص ۱۲۴، رحمت کائنات ص ۲۶۱)

ذوالحجہ ۶۳ھ میں مشہور واقعہ جو کہ واقعہ الحرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس واقعہ میں دس ہزار سے زائد اہل مدینہ منورہ شہید کر دیئے گئے تھے اور مسجد نبوی بھی ان شامی بدبختوں سے محفوظ نہ رہ سکی، لوگ گھروں میں نماز ادا کرتے تھے۔ صرف یہی ایک تابعی حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ مسجد نبوی میں رہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی مشہور کتابوں کی تحریریں

"ولما ھو مقرر عند المحققین انه ﷺ حی یرزق متمتع بجمیع الملا ذ العبادات غیر انه احجب عن ابصار القاصرین عن شرایف المقامات" (نور الایضاح ص ۱۷۷)

محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ حضور ﷺ زندہ ہیں آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور عبادات سے آپ لذت بھی اٹھاتے ہیں ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان نگاہوں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں۔

۲.... "ینبغی لمن قصد زیارۃ النبی ﷺ ان یکثر الصلوۃ علیہ فانہ یسمعھا و تبلغ الیہ" (ص ۴۰۵)

جو شخص حضور اکرم ﷺ زیارت کرنے کے لئے آئے اسے چاہئے کہ کثرت سے درود شریف عرض کرے کیونکہ آپ خود سنتے ہیں اور دور سے آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

۳.... (فانہ یسمعھا) ای اذا کانت بالقرب منہ ﷺ (و تبلغ الیہ) ای یبلغھا الملک اذا کان المصلی بعیدا" (طحاوی ص ۴۰۵ مصر)

آپ ﷺ صلوٰۃ وسلام کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جا رہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جا رہا ہو۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کی مشہور

(کتاب طبقات شافعیہ ج ۲۲ ص ۲۸۲) میں تحریر فرماتے ہیں کہ "عندنا رسول اللہ ﷺ حی یحس و یعلم و یعرض علیہ الاعمال الامۃ و یبلغ الصلوۃ و السلام" ہم شافعیہ کے نزدیک حضور ﷺ زندہ ہیں۔ اور آپ ﷺ میں احساس و شعور موجود ہے۔ آپ ﷺ کے حضور امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ (مقام حیات ص ۱۹۸)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مسلک کی مشہور کتاب

(الروضۃ البھیۃ ص ۱۴) میں تحریر فرماتے ہیں: "قال ابن عقیل من الحنابلۃ ھو ﷺ حی فی قبرہ یصلی" حضرت ابن عقیل فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

(مقام حیات ص ۱۹۹)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ میں نے حضور ﷺ کی قبر (روضہ مطہرہ) کی زیارت کی، حضرت امام کے مقلدین میں سے ابن ارشد رحمہ اللہ اس کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ اس ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کا لفظ عام طور پر موتی کے متعلق استعمال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ وفات شریفہ کے بعد اب حیات تامہ سے زندہ ہیں اور یہ حیات آئندہ بھی اسی طرح رہے گی یہ صرف آپ ﷺ کا خاصہ نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام اس وصف میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہیں۔ آپ ﷺ غذائے حسی دنیوی سے استغناء کے باوجود حیات کاملہ سے زندہ ہیں۔ (مقام حیات ص ۱۹۶، ۱۹۷، نور الایمان ص ۱۴، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۳، ۴۱۴ طبع مصر)

حضرت علامہ سمہودی رحمہ اللہ کا عقیدہ

فرماتے ہیں اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ سید دو عالم ﷺ وصال کے بعد زندہ ہیں اور اسی طرح تمام

انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ زندگی شہداء کی اس زندگی سے بہتر ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے۔ (وفاء الوفاء ۴۱۵ تسکین الصدور)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سید المرسلین ﷺ کی قبر (روضہ اطہر) میں زندگی ایسی ہے جس پر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۲۲، تسکین الصدور ص ۱۱۸)

حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے مجھ پر یہ بھی احسان اور انعام ہے کہ سید دو عالم ﷺ کے دربار عالی کا حاضر باش ہوں، اکثر اوقات یوں ہوتا ہے کہ میرے درمیان اور روضہ اقدس کے درمیان فاصلہ بہت ہی کم رہ جاتا ہے۔ میں اپنے ہاتھ کو روضہ اطہر پر پاتا ہوں اور اسی طرح محبوب دو عالم ﷺ کے ساتھ کلام کرتا ہوں، جس طرح اپنے پاس بیٹھے ہوئے کے ساتھ بات کی جاتی ہے۔ (السنن الکبریٰ مطبوعہ مصر ص ۱۴۲، رحمت کائنات ص ۲۵۶)

سلطان نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کو سید الانبیاء ﷺ کا حکم

سلطان نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ نے تین رات متواتر نماز تہجد کے بعد یہ دیکھا کہ سید الانبیاء ﷺ دو بد بخت انسانوں کی طرف اشارہ فرما کر یہ حکم دے رہے ہیں کہ مجھے ان دو بدبختوں سے بچاؤ اور ان ظالموں کی شکلیں دکھائیں۔ سلطان نے تیسرے دن اپنے سعادت مند وزیر جمال الدین موصلی سے یہ واقعہ بیان کیا تو اس نے یہ مشورہ دیا کہ یہاں اب بیٹھنا نہیں چاہئے بلکہ خفیہ طور پر فوراً مدینہ منورہ پہنچ کر اس صورت حال سے نمٹنا چاہئے چنانچہ سلطان اپنے بیس ملازم اور کافی مال ساتھ لے کر سولہ دن سفر طے کر کے مدینہ منورہ پہنچا اور حکم دیا کہ سب اہل مدینہ آئیں تا کہ ان کو انعام دیا جائے تمام اہل مدینہ آئے مگر جو دو شکلیں سید الانبیاء ﷺ نے دکھلائی تھیں وہ نا آئے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ دو ایسے پردیسی یہاں قیام پذیر ہیں جو رات دن عبادت میں مصروف رہتے ہیں کسی کے ہاں نہیں جاتے آخر سلطان نے ان کو بلوایا تو وہ وہی نکلے جن کی شکل دکھائی گئی تھی۔ سلطان خود ان کے حجرہ میں گیا تو چٹائی کے نیچے ایک سرنگ کو پایا جو روضہ اطہر کے قریب پہنچ چکی تھی سلطان کے استفسار پر انہوں نے راز کھول دیا کہ وہ اندلس کے عیسائی ہیں اور عیسائی حکومت نے ان کو اس لئے بھیجا ہے جسد اطہر کو نکال کر لے آؤ اور ساری کارروائی جو انہوں نے کی تھی بیان کر دی، سلطان نے ان کی گردنیں اڑا دیں، اور پھر ان کی لاشوں کو جلا دیا، اس کے بعد پانی تک زمین کھدوا کر سیسہ اور قلعی پگھلا کر دیوار بنا دی جو حجرہ اطہر کے اندر ہے اور جالیوں سے نظر آتی ہے۔ (وفاء الوفاء، رحمت کائنات ص ۲۶۳)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک فریادی آیا اور اس نے درخواست کی کہ آپ سلطان قائتبائی خاں کے پاس جا کر میری سفارش کریں، آپ نے اس کو جواب میں کہا کہ اے میرے بھائی میں پچھتر دفعہ سید دو عالم ﷺ کی

زیارت سے جاگتے اور نیند کی حالت میں بھی مشرف ہو چکا ہوں اور آپ ﷺ سے بعض احادیث کی صحت کے متعلق پوچھ چکا ہوں مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر میں آپ کے ساتھ سلطان کے پاس سفارشی ہو کر چلا جاؤں تو اس سے ہو سکتا ہے کہ زیارت پھر مجھے نصیب نہ ہو، میں اس شرف اور بزرگی کو جو زیارت سید دو عالم ﷺ سے مجھ کو حاصل ہے اس شرف سلطانی پر ترجیح دیتا ہوں۔ (سعادت دارین ص ۴۴۷)

حضرت سید احمد رفاعی ﷫ کے لئے سید عالم ﷺ نے اپنا دست مبارک روضہ اطہر سے باہر نکالا

حضرت سید احمد رفاعی ﷫ صوفیائے امت اور اولیائے ملت میں سے گزرے ہیں ان کا واقعہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ﷫ کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔ وہ حضور اقدس ﷺ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور شدت شوق میں یہ اشعار پڑھے۔

فی حالة البعد روحی ارسلها　　تقبل الارض وهی نائبتی

فهذه دولة الاشباح قد حضرت　　فامدد یمینک کی تحظی بها شفتی

جب میں جناب سے دور تھا (وطن میں) تو اپنے روح کو بھیج دیتا تھا اور وہ اس پاکیزہ زمین کو چوم لیا کرتی تھی اب تو میں اپنے بدن کے ساتھ حاضر ہوں اس لئے از راہ کرم اپنا ہاتھ مبارک ظاہر فرما دیں تاکہ میرے ہونٹ بھی بوسہ لے کر شرف حاصل کر سکیں۔

فوراً حضور ﷺ کا دست مبارک روضہ مبارک سے ظاہر ہوا انہوں نے دوڑ کر بوسہ دیا اور بے ہوش ہو گئے اس وقت حضور سرور کائنات ﷺ کے نور سے سورج بھی ماند ہو گیا تھا لکھا ہے کہ اس وقت نو ہزار کا مجمع تھا جس میں بڑے بڑے قطب اور غوث ابدال اور بزرگ بھی موجود تھے۔ (فضائل درود شریف شیخ الحدیث ص ۱۵۱، رحمت کائنات ص ۲۵۳)

امام اشعری ﷫ کو سید الانبیاء ﷺ کی زیارت

امام اشعری ﷫ کا پہلا مسلک اعتزال تھا، آپ کو تین مرتبہ سید الانبیاء ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا، اے ابوالحسن میری احادیث کی تائید کرو اس لئے کہ وہ صحیح ہیں چنانچہ ابوالحسن اشعری نے احادیث کا مطالعہ شروع کر دیا، اور بالآخر اعتزال سے تائب ہو کر اہل سنت کا مسلک اختیار فرمایا۔ (طبقات کبریٰ ج ۱)

حضرت امام بوصیری ﷫ کی رحمت عالم ﷺ سے محبت

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی ﷫ نشر الطیب میں فرماتے ہیں عطر الوردہ میں قصیدہ بردہ شریف کی برکات میں لکھا ہے کہ صاحب قصیدہ یعنی امام ابوعبداللہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد بوصیری قدس سرہ کو فالج ہو گیا تھا جس سے نصف بدن بیکار ہو گیا تھا انہوں نے بالہام ربانی یہ قصیدہ تصنیف کیا اور رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے خواب مشرف ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے بدن پر پھیرا، فوراً شفایاب ہو گئے۔ یہ صبح اپنے گھر سے نکلے تھے کہ ایک درویش ملا اور اس نے درخواست کی کہ مجھے وہ قصیدہ سنا دیجئے جو آپ نے مدح نبوی ﷺ میں کہا ہے انہوں پوچھا کون سا قصیدہ اس نے کہا کہ جس کے اول میں یہ ہے۔

امن تذکرہ جیران بذی سلم

ان کو تعجب ہوا کیونکہ انہوں نے اس قصیدہ کے لکھنے کی کسی اطلاع نہیں دی تھی۔ اس درویش نے کہا واللہ میں نے اس کو اس وقت سنا ہے جب کہ یہ حضور ﷺ کی خدمت عالی میں پڑھا جارہا تھا اور آپ ﷺ خوش ہو رہے تھے۔ سو انہوں نے یہ قصیدہ اس درویش کو دے دیا، اور اس واقعہ کی شہرت ہوگئی اور یہ خبر صاحب بہاؤالدین وزیر ملک ظاہر کو پہنچی اس نے نقل کرایا وہ اور اس کے گھر والے اس سے برکت حاصل کرتے تھے انہوں نے بڑے بڑے آثار اس کے اپنے دنیوی و دینی امور میں دیکھے اور سعد الدین فاروقی جو کہ توقیع نگار وزیر مذکور کا تھا، آشوب چشم میں مبتلا ہوا کہ قریب تھا کہ آنکھیں جاتی رہیں کسی نے خواب میں کہا کہ وزیر کے پاس جاؤ اس سے قصیدہ بردہ لے کر آنکھوں پر رکھو، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، اور بیٹھے بیٹھے اس کو پڑھا فی الفور اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا بخش دی۔

اس قصیدہ مبارکہ کے چند اشعار اس نیت سے درج کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی رحمت اللعالمین ﷺ کی محبت نصیب فرماویں۔ اور اسی نیت سے اکابر دیوبند نے دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں قصیدہ بردہ کو شامل فرمایا ہوا ہے۔

منتخب اشعار قصیدہ بردہ شریف

محمد سید الکونین والثقلین　　والفریقین من عرب ومن عجم

حضرت محمد ﷺ سردار ہیں دو جہان کے اور سردار ہیں انسانوں اور جنات کے اور سردار ہیں دو گروہ یعنی عرب اور عجم کے۔

سریت من حرم لیلا الی حرم　　کما سری البدر فی داج من الظلم

آپ ﷺ ایک رات کے کچھ حصہ میں حرم شریف مکہ سے حرم محترم مسجد اقصیٰ تک (باوجودیکہ اس میں فاصلہ چالیس روز کے سفر کا ہے) ایسے کمال نورانیت کے ساتھ تشریف لے گئے جیسا کہ چاند تاریکی کے پردہ میں درخشانی کے ساتھ جاتا ہے۔

وبت ترقی الی ان نلت منزلۃ　　من قاب قوسین لم تدرک ولم ترم

اور آپ ﷺ نے بحالت ترقی رات گزاری یہاں تک ترقی فرمائی کہ ایسا قرب الٰہی حاصل کیا جس پر مقربان خداوندی سے کوئی نہیں پہنچایا گیا بلکہ اس رتبہ کا بسبب غائیت رفعت کسی نے قصد نہیں کیا تھا۔

وقدمتک جمیع الانبیاء بھا　　والرسل تقدیم مخدوم علی خدم

اور آپ ﷺ کو بیت المقدس میں تمام انبیاء اور رسولان عظام نے اپنا امام اور پیشوا بنایا جیسا مخدوم خادموں کا امام اور پیشوا ہوتا ہے۔

وانت تخترق السبع الطباق بھم　　فی موکب کنت فیہ صاحب العلم

اور من جملہ آپ ﷺ کی ترقیات کے یہ ہے کہ آپ ساتوں آسمانوں کو طے کرتے جاتے تھے جو ایک دوسرے پر ہے ایسے ہی لشکر ملائکہ میں جو بلحاظ آپ کی عظمت شان و تالیف قلب مبارک آپ کے ہمراہ تھا اور جس کے سردار اور صاحب علم آپ ہی تھے۔

حتی اذا لم تدع شاء والمستبق　　من الدنو ولامرقا لمستنم

آپ ﷺ رتبہ عالی کی طرف برابر ترقی کرتے رہے اور آسمانوں کو برابر طے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ

جب آگے بڑھنے والے کی قرب و منزلت کی نہایت نہ رہی اور کسی طالب رفعت کے واسطے کوئی موقعہ ترقی نہ رہا۔

خفضت کل مکان بالاضافۃ اذ　　نودیت بالرفع مثل المفرد العلم

جس وقت آپ ﷺ کی ترقیات نہایت درجہ کو پہنچ گئیں تو آپ نے ہر مقام انبیاء علیہم السلام گویا ہر صاحب مقام کو بہ نسبت اپنے مرتبہ کے جو خداوند تعالیٰ سے عنایت ہوا پست کر دیا جب کہ آپ ﷺ کو قریب آ جا کہہ کر واسطے ترقی مرتبہ کے مثل یکتا و نامور شخص کے پکارے گئے یہ ندا یا محمد ﷺ اس لئے تھی کہ

کیما تفوز بوصل ای مستتر　　عن العیون وسر ای مکتتم

آپ ﷺ کو وہ وصل حاصل ہوا جو نہایت درجہ آنکھوں سے پوشیدہ تھا اور کوئی مخلوق اس کو دیکھ نہیں سکتی اور تا کہ آپ کامیاب ہوں اس اچھے بھید سے جو غایت مرتبہ پوشیدہ ہے۔

نبینا الآمر الناھی فلا احد　　ابر فی قول لامنہ ولا نعم

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے حبیب ہیں جو نیکی کرنے کا حکم دیتے ہیں اور برائی کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

ھو الحبیب الذی ترجٰی شفاعتہ　　لکل ھول من الاھوال مقتحم

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے پیارے محبوب ہیں کہ جن کی شفاعت اور مدد کی امید دنیا و آخرت میں ہر مصیبت کے وقت کی جاتی ہے۔

دعا الی اللہ فالمستمسکون بہ　　مستمسکون بحبل غیر منفصم

نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا انہوں نے ایسی مضبوط رسی کو پکڑ لیا جو اللہ کریم تک پہنچانے والی ہے۔

فاق النبیین فی خلق وفی خلق　　ولم یدانوہ فی علم ولا کرم

آپ ﷺ حسن و صورت و حسن سیرت میں سب انبیاء علیہم السلام پر سبقت لے گئے اللہ کریم کی طرف سے ان سب پر جو انعامات ہوئے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے حضور کو عطا فرمائے۔

منزہ عن شریک فی محاسنہ　　فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ نے کوئی شریک ہی نہیں بنایا کہ جو آپ کی خوبیوں حسن صورت و سیرت یا اور کسی بھی بات میں ثانی ہو۔

فان فضل رسول اللہ لیس لہ　　حد فیعرب عنہ ناطق بفم

رسول اللہ ﷺ کی فضیلت اور بلندی شان کی کوئی حد نہیں صرف اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ اس کے بعد جتنے چاہو فضائل بیان کرو۔

ومن[1] تکن برسول اللہ نصرتہ　　ان تلقہ الاسد فی اجامھا تجم

جس شخص کو رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے مدد پہنچ جائے اگر اسے شیر بھی نیستانوں میں ملیں تو دم بخود ہو جاتے ہیں۔

ولن تری من ولی غیر منتصر　　بہ ولا من عدو غیر منقصم

---

[1] حضور ﷺ کے غلام حضرت سفینہ ﷛ سمندر میں کشتی پر سوار تھے کشتی ٹوٹ گئی ایک تختہ پر بیٹھ گئے وہ تختہ بہتا بہتا ایک جنگل کے کنارے جا لگا جس میں شیر تھے ناگاہ ایک شیر آپ کی طرف آیا آپ نے اس کی آواز دی کہ اے شیر میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں یہ سن کر وہ دم ہلاتا ہوا آپ ﷺ کے پاس آ کھڑا ہوا پھر آپ کے ساتھ ہو لیا یہاں تک کہ آپ کو راستے پر ڈال دیا۔

تو حضور ﷺ کے کسی بھی دوست کو ایسا نہ دیکھے گا کہ آپ ﷺ نے اس کی مدد نہ فرمائی ہو اور آپ کا کوئی ایسا مخالف نہ ہو گا جو شکستہ حال نہ ہو۔

احل امته فی حرز ملته کاللیث حل مع الاشبال فی اجم

حضور ﷺ نے اپنی امت کو اسلام کی پناہ میں اتار دیا جس طرح شیر اپنے بچوں کے ساتھ اپنے بن میں رہتا ہے اور بچوں کو کوئی خوف نہیں ہوتا۔

حاشاہ ان یحرم الراجی مکارمه او یرجع الجار منه غیر محترم

حضور ﷺ کی ذات اقدس سے اس بات کا خیال کرنا بھی غلط ہے کہ آپ اپنی بخششوں کے امیدوار کو محروم رکھیں یا آپ ﷺ کی مدد چاہنے والا محروم واپس ہو۔

ولن یفوت الغنی منه یدا تربت ان الحیآء ینبت الازهار فی الاکم

حضور اقدس ﷺ کی فیاضی کسی محتاج کے ہاتھوں کو خالی نہ چھوڑے گی حضور ﷺ کی شفاعت سے سب امت بہرہ ور ہو گی جیسا کہ بارش سب پر برستی ہے۔

یا اکرم الخلق مالی من الوذبه سواک عند حلول الحادث العمم

یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام مخلوق سے برگزیدہ کیا، آپ ﷺ کے سوا میرا کوئی نہیں جس سے میں قیامت کے ہولناک منظر سے پناہ لوں۔

ولن یضیق رسول اللہ جاهک بی اذا الکریم تجلی باسم منتقم

یارسول اللہ ﷺ جب اللہ کریم حشر میں صفت منتقم میں جلوہ فرمائیں گے تو آپ ﷺ اپنے اس گناہ گار امتی کی شفاعت فرمادیں۔

فان من جودک الدنیا وضرتها ومن علومک علم اللوح والقلم

یارسول اللہ ﷺ موجودات پر فیضان وجود اور ہر نعمت ظاہری و باطنی میں آپ ﷺ واسطہ ہیں اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر علم دیا ہے کہ لوح وقلم کا علم آپ ﷺ کے علوم میں سے ایک حصہ ہے۔

یانفس لا تقنطی من زلة عظمت ان الکبآئر فی الغفران کاللمم

اے عاجز بندے تو بڑے گناہوں کی بخشش سے نا امید نہ ہو کیونکہ اللہ رحیم و کریم کی بخشش کے آگے بڑے گناہ مثل چھوٹے گناہوں کے ہیں۔

لعل رحمة ربی حین یقسمها تاتی علی حسب العصیان فی القسم

امید ہے کہ جب میرا اللہ کریم اپنی رحمت کو تقسیم فرمائے گا تو وہ رحمت گناہ گاروں کے گناہوں کے موافق حصہ میں آئے گی جس کا گناہ بڑا ہو گا اس پر حصہ رحمت بھی زیادہ ہو گا۔

یارب واجعل رجآئی غیر منعکس لدیک واجعل حسابی غیر منخرم

یا اللہ رحیم وکریم میں آپ سے امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھ پر رحم و کرم فرمانا اور میرا نامہ اعمال مغفرت حاصل کرنے والوں سے علیحدہ نہ کرنا۔

والطف بعبدک فی الدارین ان له صبرا متی تدعه الاهوال ینهزم

اے اللہ کریم اپنے عاجز بندے پر دونوں جہان میں لطف و مہربانیاں فرمانا کیونکہ اس بیچارے کا صبر اتنا کمزور ہے کہ جب مصیبتیں اس کو مقابلہ کے لئے بلاتی ہیں تو صبر ان کے آگے بھاگ جاتا ہے۔

واذن لسحب صلوٰۃ منک دائمۃ　　علی النبی بمنھل ومنسجم

اے میرے اللہ کریم آپ اپنی دائمی رحمت کے بادلوں کو حکم فرمایئے کہ رحمت دو عالم ﷺ پر موسلا دھار لگاتار بارش رحمت صلوٰۃ وسلام کے برساتے رہیں۔

مارنحت عذبات البان ریح صبا　　واطرب العیس حادی العیس بالنغم

اے اللہ کریم تیرے محبوب ﷺ پر تیری رحمتیں نازل ہوتی رہیں جب تک کہ باد صبا درخت بان کی شاخوں کو جھکاتی رہے اور اونٹوں کو راگ سے چلانے والا اپنے نغموں سے اونٹوں کو سرور میں لاتا رہے۔

والآل والصحب ثم التابعین لھم　　اھل التقی والنقی والحلم والکرم

اے اللہ کریم حضور ﷺ کی آل اور اصحاب اور تابعین پر بھی اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرما جو کہ پرہیز گار برگزیدہ اوصاف حلم اور کرم والے ہیں۔

ثم الرضی عن ابی بکر وعن عمر　　وعن علی وعن عثمان ذالکرم

پھر رضاء حق ہو حضرت سیدنا ابوبکر اور حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا علی اور حضرت سیدنا عثمان ذی الکرم رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے (تقدیم نام علی رضی اللہ عنہ کی نام عثمان رضی اللہ عنہ پر بضرورت وزن شعر کے ہے)

فاغفرلنا شدھا واغفر لسامعھا　　سالتک الخیر یا ذاالجود والکرم

اے اللہ رحیم وکریم آپ مغفرت فرما دیجئے قصیدہ کے کہنے والے اور سننے والے کی میں آپ سے خیر کا سوال کرتا ہوں اے صاحب جود اور کرم کے

یارب صل وسلم دائما ابدا　　علی حبیبک خیر الخلق کلھم

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

فرماتے ہیں: برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد واحوال ایں موطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحشہ دارد الانبیاء یصلون فی قبورہم شنیدہ باشند" (مکتوبات دفتر سوئم ص ۲۹ طبع لکھنو، تسکین الصدور)

چھوٹا برزخ (یعنی قبر) جب ایک وجہ سے دنیوی جگہوں میں سے ہے تو یہ ترقی کی گنجائش رکھتا ہے اور مختلف اشخاص کے اعتبار سے اس جگہ کے حالات خاصے متفاوت ہیں آپ نے (نبی ﷺ کا یہ فرمان) تو سنا ہی ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

"بدانکہ حیات انبیاء علیہم السلام متفق علیہ است میان علماء ملت وہیچ کس را خلاف نیست دراں کہ آں کامل تر وقوی تر از وجود شہداء ومقاتلین فی سبیل اللہ است کہ آں معنوی اخروی است عند اللہ وحیات انبیاء علیہم السلام حیات حسّی دنیاوی است واحادیث وآثار دراں واقع شدہ۔" (مدارج النبوۃ ص ۲۴۷)

کافی دلائل بیان فرمانے کے بعد محدث صاحب یہ فیصلہ صادر فرماتے ہیں ''از یں جا معلوم می شود کہ حیات انبیاء علیہم السلام حیات حسّی دنیاوی است نہ مجرد بقائی ارواح'' (ص ۴۴۸)

''بدانکہ در حیات انبیاء علیہم السلام وثبوت ایں صفت مر ایشاں را وترتیب احکام وآثار برآں ہیچ کس را از علماء اختلافی نیست''۔ (مدارج النبوۃ ص ۴۴۹)

اچھی طرح سمجھ لو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی اتفاق شدہ ہے اس میں علماء میں سے کسی شخص کو اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ ان کی زندگی شہداء کرام اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں سے کامل تر اور قوی تر ہے کیونکہ ان کی حیات روحانی واخروی ہے، اور انبیاء کی زندگی حسّی اور جسمانی دنیاوی ہے۔ یہ احادیث وآثار صحابہ سے ثابت ہوگیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کی زندگی حسی اور دنیاوی ہے نہ کہ صرف روحانی کسی شخص کو علماء میں سے اس میں اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء کی زندگی جسمانی اور دنیاوی ہے۔

سلطان الاولیاء حضرت مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی حضور ﷺ سے محبت

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سیاہ کار کو ان فضائل کے رسائل لکھنے کے زمانہ میں بعض مرتبہ خود کو اور بعض مرتبہ بعض دوسرے احباب کو کچھ مناجات اور مبشرات بھی آئے اس رسالہ فضائل درود شریف کے لکھنے کے زمانہ میں ایک رات خواب میں یہ دیکھا کہ مجھے یہ حکم دیا جارہا ہے کہ اس رسالہ میں قصیدہ ضرور لکھیو لیکن قصیدہ کی تعیین نہیں معلوم ہوسکی البتہ خود اس ناکارہ کے ذہن میں خواب میں ہی یا جاگتے وقت دو خوابوں کے درمیان میں اس لئے کہ اسی وقت دوبارہ بھی اسی قسم کا خواب دیکھا تھا یہ خیال آیا کہ اس کا مصداق مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ نعت ہے جو یوسف زلیخا کے شروع میں ہے۔

جب اس ناکارہ کی عمر تقریباً دس گیارہ سال کی تھی گنگوہ میں اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کتاب پڑھی تھی، اس وقت ان کی زبانی اس کے متعلق ایک قصہ بھی سنا تھا کہ مولانا جامی نور اللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ، یہ نعت کہنے کے بعد جب ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ روضہ اقدس ﷺ کے پاس کھڑے ہوکر اس نظم کو پڑھیں گے جب حج کے بعد مدینہ منورہ حاضری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی۔ حضور اقدس ﷺ نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں۔ امیر مکہ نے ممانعت کردی مگر ان پر جذب وشوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ آرہا ہے اس کو یہاں نہ آنے دو۔ امیر نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑ کر بلایا، ان پر سختی کی اور جیل خانہ میں ڈال دیا، اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور ﷺ کی زیارت ہوئی حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آکر پڑھنے کا ارادہ کررہا ہے اگر ایسا ہوا تو قبر (روضہ اقدس سے) مصافحہ کے لئے ہاتھ نکلے گا۔ جس میں فتنہ ہوگا، اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا، اور بہت اعزاز واکرام کیا گیا، اس قصہ کے سننے میں یا یاد میں تو اس ناکارہ کو تردد نہیں لیکن اس وقت اپنے ضعف بینائی اور امراض کی وجہ سے مراجعت کتب سے معذوری ہے۔ ناظرین میں سے کسی کو کسی کتاب میں اس کا حوالہ اس ناکارہ کی زندگی میں ملے تو اس ناکارہ کو بھی مطلع فرمادیں اور مرنے کے بعد اگر ملے تو حاشیہ میں اضافہ فرمادیں۔ (فضائل درود شریف از مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ)

مثنوی مولانا جامی ﷫ معہ ترجمہ حضرت مولانا اسعد اللہ ﷫ خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ﷫

ز مجوری بر آمد جان عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم

یارسول اللہ ﷺ آپ کے فراق سے کائنات عالم کا ذرہ ذرہ جاں بلب ہے اور دم توڑ رہا ہے اے رسول خدا نگاہ کرم فرمایئے اے ختم المرسلین رحم فرمایئے۔

نہ آخر رحمت اللعالمینی ز محروماں چرا غافل نشینی

آپ ﷺ یقیناً رحمت اللعالمین ہیں ہم حرماں نصیبوں اور ناکاماں نے قسمت سے آپ کیسے تغافل فرما سکتے ہیں۔

ز خاک اے لالہ سیراب بر خیز چوں نرگس خواب چند از خواب بر خیز

اے لالہ خوش رنگ اپنی شادابی و سیرابی سے عالم کو مستفید فرمایئے اور چونرگس خواب سے بیدار ہو کر ہم محتاجاں ہدایت کے قلوب کو منور فرمایئے۔

بروں آور سر از برد یمانی کہ روئے تست صبح زندگانی

اپنے سر مبارک کو یمنی چادروں کے کفن سے باہر نکالئے کیونکہ آپ کا روئے انور صبح زندگانی ہے۔

شب اندوہ مارا روز گرداں زرویت روز ما فیروز گرداں

ہماری غمناک رات کو دن بنا دیجئے اور اپنے جمال جہاں آرا سے ہمارے دن کو فیروز مندی و کامیابی عطا کر دیجئے۔

بہ تن در پوش عنبر بوئے جامہ بسر بر بند کافوری عمامہ

جسم اطہر پر حسب عادت عنبر بیز لباس آراستہ فرمایئے اور سفید کافوری عمامہ زیب سر فرمایئے۔

فرود آویز از سر گیسواں را فگن سایہ بپا سرو رواں را

اپنی عنبر بار و مشکیں زلفوں کو سر مبارک سے لٹکا دیجئے تا کہ ان کا سایہ آپ کے بابرکت قدموں پر پڑے، کیونکہ مشہور ہے کہ قامت اطہر و جسم اطہر کا سایہ نہ تھا، لہٰذا گیسوئے مشکوں کا سایہ ڈالئے۔

ادیم طائفی نعلین پا کن شراک از رشتہ جان ہائے ما کن

حسب دستور طائف کے مشہور چمڑے کی مبارک نعلین (پاپوش) پہنئے اور ان کے تسمے اور پٹیاں ہمارے رشتہ جاں سے بنایئے۔

جہانے دیدہ کردہ فرش رہ اند چوں فرش اقبال پابوس تو خواہند

تمام عالم اپنے دیدہ و دل کو فرش راہ کئے ہوئے اور بچھائے ہوئے ہے اور فرش زمین کی طرح آپ ﷺ کی قدم بوسی کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ز حجرہ پائے در صحن حرم نہ بفرق خاک رہ بوساں قدم نہ

حجرہ شریف یعنی گنبد خضرا سے باہر آ کر صحن حرم میں تشریف رکھیئے راہ مبارک کے خاک بوسوں کے سر پر قدم مبارک رکھیئے۔

بدہ دستی ز پا افتادگاں را بکن دلداریے دل دادگاں را

عاجزوں کی دستگیری بے کسوں کی مدد فرمائیے اور مخلص عشاق کی دل جوئی و دلداری کیجئے۔

اگرچہ غرق دریائے گناہم فتادہ خشک لب بر خاک راہم

اگرچہ ہم گناہوں کے دریا میں از سرتا پا غرق ہیں لیکن آپ ﷺ کی راہ مبارک پر تشنہ و خشک لب پڑے ہیں۔

تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے کنی برحال لب خشکاں نگاہے

آپ ﷺ ابر رحمت ہیں شایان شان گرامی ہے کہ پیاسوں اور تشنہ لبوں پر ایک نگاہ کرم بارڈالی جائے۔

خوشا کز گرد رہ سوئے رسیدیم بدیدہ گرد راہ کویت کشیدیم

ہمارے لئے کیسا اچھا وقت ہوتا کہ ہم گردراہ سے آپ ﷺ کی خدمت گرامی میں پہنچ جاتے اور آنکھوں میں آپ ﷺ کے کوچہ مبارک کی خاک کا سرمہ لگاتے۔

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم خاک در رسول کا سرمہ لگائیں ہم

بمسجد سجدہ شکرانہ کردیم چراغت را زجاں پروانہ کردیم

مسجد نبوی ﷺ میں دوگانہ شکر ادا کرتے سجدہ شکر بجالاتے، روضہ اقدس کی شمع روشن کا اپنی جان حزیں کو پروانہ بناتے،

بگرد روضہ ات گشتیم گستاخ دلم چوں پنجرہ سوراخ سوراخ

آپ ﷺ کے روضہ اطہر اور گنبد خضراء کے اس حال میں مستانہ اور بے تابانہ چکر لگاتے کہ دل صدمہائے عشق اور وفور شوق سے پاش پاش اور چھلنی چھلنی ہوتا۔

زدیم از اشک ابر چشم بے خواب حریم آستاں روضہ ات آب

حریم قدس اور روضہ پرنور کے آستانہ محترم پر اپنی بے خواب آنکھوں کے بادلوں سے آنسو برساتے اور چھڑکاؤ کرتے۔

گہے رفتیم زاں ساحت غبارے گہے چیدیم زو خاشاک وخارے

کبھی صحن حرم میں جھاڑو دے کر گردوغبار کو صاف کرنے کا فخر اور کبھی وہاں کے خس وخاشاک کو دور کرنے کی سعادت حاصل کرتے۔

ازاں نورے سواد دیدہ دادیم وزیں بر ریش دل مرہم نہادیم

گو گردوغبار سے آنکھوں کو نقصان پہنچتا ہے مگر ہم اس سے مردمک چشم کے لئے سامان روشنی مہیا کرتے اور گوخس وخاشاک زخموں کے لئے مضر ہے مگر ہم اس کو جراحت دل کے لئے مرہم بناتے۔

بسوئے منبرت رہ برگرفتیم ز چہرہ پایہ اش در زر گرفتیم

آپ ﷺ کے منبر شریف کے پاس جاتے اور اس کے پائے مبارک کو اپنے عاشقانہ زرد چہرہ سے مل مل کر زریں وطلائی بناتے۔

ز محرابت بسجدہ کام جستیم قدم گاہت بخوں دیدہ شستیم

آپ ﷺ کے مصلائے مبارک ومحراب شریف میں نمازیں پڑھ پڑھ کر تمنائیں پوری کرتے اور حقیقی مقاصد میں کامیاب ہوتے اور معلے میں جس جائے مقدس پر آپ ﷺ کے قدم مبارک ہوتے تھے اس کو شوق کے اشک خونیں سے دھوتے۔

بپائے ہر ستون قدر است کردیم مقام راستاں درخواست کردیم

آپ ﷺ کی مسجد اطہر کے ہر ستون کے پاس ادب سے سیدھے کھڑے ہوتے اور صدیقین کے مرتبہ کی درخواست ودعا کرتے۔

ز داغ آرزویت بادل خوش زویم از دل بہر قندیل آتش

آپ ﷺ کی دل آویز تمناؤں کے زخموں اور دل نشین آرزوؤں کے داغوں سے (جو ہمارے دل میں ہیں) انتہائی مسرت کے ساتھ ہر قندیل کو روشن کرتے۔

کنوں گرتن نہ خاک آں حریم ست بحمد اللہ کہ جاں آنجاں مقیم است

اب اگرچہ میرا جسم اس حریم انور وشبستان اطہر میں نہیں ہے لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روح وہیں ہے۔

بخود در ماندہ ام نفس خود رائے ببیں درماندہ چندیں بہ بخشائے

میں اپنے خود بیں وخود رائے نفس امارہ سے عاجز آچکا ہوں، ایسے عاجز وبے کس کی جانب التفات فرمایئے۔اور بخشش کی نظر ڈالئے۔

اگر نہ بود چو لطفت دست یارے زدست ما نیاید ہیچ کارے

اگر آپ ﷺ کے الطاف کریمانہ کی مدد شامل حال نہ ہوگی تو ہم عضو معطل ومفلوج ہوجائیں گے اور ہم سے کوئی کام انجام نہ پاسکے گا۔

قضائی افگند از راہ مارا خدا را از خدا درخواہ مارا

ہماری بدبختی ہمیں صراط مستقیم وراہ خدا سے بھٹکارہی ہے خدارا ہمارے لئے خداوند قدوس سے دعا فرمایئے۔

کہ بخشد از یقیں اول حیاتے وہد آنگہ بکار دین ثباتے

یہ دعا فرمایئے کہ خداوند قدوس اولا ہم کو پختہ یقین اور کامل اعتقاد کی عظیم الشان زندگی بخشے اور پھر احکام دین میں مکمل استقلال اور پوری ثابت قدمی عطا فرمائے۔

چو ہول روز رستا خیز خیزد بآتش آبروئے ما نہ ریزد

جب قیامت کی حشر خیزیاں اور اس کی زبردست ہولناکیاں پیش آئیں تو مالک یوم الدین، رحمن ورحیم ہم کو دوزخ سے بچا کر ہماری عزت بچایئے۔

کند بایں ہمہ گمراہی ما ترا اذن شفاعت خواہئ ما

اور ہماری غلط روی اور صغیرہ کبیرہ گناہوں کے باوجود آپ ﷺ کو ہماری شفاعت کے لئے اجازت مرحمت فرمایئے۔کیونکہ بغیر آپ کی اجازت کے شفاعت نہ فرمائیں گے۔

چو چوگاں سر فگندہ آوری روے بمیدان شفاعت امتی گوے

یارسول اللہ ﷺ ہمارے گناہوں کی شرم سے آپ ﷺ سر خمیدہ چوگان کی طرح میدان شفاعت میں سر جھکا کر نفسی نفسی نہیں بلکہ "یارب امتی امتی" فرماتے ہوئے تشریف لائیں گے۔

بحسن اہتمامت کار جامی طفیل دیگراں یا بد تمامی

آپ ﷺ کے حسن اہتمام اور سعی وجمیل سے دوسرے مقبول بندگان خدا کے صدقہ میں جامی کا کام بھی بن جائے گا۔ (فضائل درود شریف از شیخ الحدیث ص ۱۲۳)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشاہدات وعقائد

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایسی عظیم شخصیت ہیں جن کے متعلق سلطان الاولیاء حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بقول حضرت مولانا حسین احمد مدنی یہ ارشاد مبارک فرمایا، مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی سیر مثل کف دست (جیسے کہ میں اپنے ہاتھ کو دیکھ رہا ہوں) کرائی میں نے اپنے زمانے میں شاہ ولی اللہ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔

(الفرقان ولی اللہ نمبر، رحمت کائنات ص ۲۴۴)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے یہ نعمت بھی عطا فرمائی کہ مجھے ۱۱۴۳ھ میں حج بیت اللہ اور زیارت جناب رسول اللہ ﷺ کو توفیق دی اور سب سے بڑی نعمت ملی کہ میرا حج مشاہدہ کے ساتھ ہوا اور معرفت کے ساتھ۔ (مقدمہ فیوض الحرمین)

اور میں نے دیکھا کہ رحمت عالم ﷺ کو اکثر امور میں اسی صورت جس میں آپ تھے بار بار باوجود یکہ میری کمالی آرزو تھی کہ روحانیت میں دیکھوں جسمانیت میں ﷺ کو نہ دیکھوں، مجھ کو دریافت ہوا کہ آپ ﷺ کا خاصہ ہے روح کو صورت جسم میں کرنا اور یہی بات جو فرمایا آپ نے کہ انبیاء کرام نہیں مرتے اور نماز پڑھا کرتے ہیں اپنی قبور میں اور وہ زندہ ہیں اور جو جو فرمایا ہے۔

اور جب میں نے آپ ﷺ پر درود شریف پڑھا، تب ہی مجھ سے خوش ہوئے اور انشراح فرمایا اور ظاہر ہوئے اور یہ اس واسطے کہ آپ ﷺ رحمت اللعالمین ہیں۔ (مشاہدہ نہم)

مجھ کو سالک بنایا خود رسول اللہ ﷺ نے اور آپ نے تربیت فرمائی پس میں اویسی ہوں اور شاگرد ہوں حضرت ﷺ کا بلا کسی واسطہ کے۔ (مشاہدہ نمبر ۱۷، فیوض الحرمین، رحمت کائنات ص ۲۴۵)

اور فرمایا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے میرے والد نے مجھ سے فرمایا کہ وہ ایک دفعہ بیمار ہوئے تو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، حضور ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا، میرے بیٹے کیسی طبیعت ہے اس کے بعد شفاء کی بشارت عطا فرمائی اور اپنی داڑھی مبارک سے دو بال مرحمت فرمائے مجھے اسی وقت صحت ہوگئی اور جب میری آنکھ کھلی تو وہ دونوں بال مبارک میرے ہاتھ میں تھے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے ان دو بالوں میں سے ایک مجھے مرحمت فرمایا تھا۔ (فضائل درود شریف مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ رحمت کائنات ص ۲۶۶)

تمام اکابرین و بانیان دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا ذوالفقار علی والد حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ ان تمام اکابرین کے پیر

ومرشد سراج الاولیاء شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی

رحمت عالم ﷺ کے حضور محبت بھری عرض

چہرہ سے پردے کو اٹھاؤ یا رسول اللہ ﷺ — مجھے دیدار تک اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ ﷺ
کرو روئے منور سے میری آنکھوں کو نورانی — مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یا رسول اللہ ﷺ
اٹھا کر زلف اقدس کو ذرا چہرہ مبارک سے — مجھے دیوانہ اور وحشی بناؤ یا رسول اللہ ﷺ
پیاسا ہے تمہارے شربت دیدار کا عالم — کرم کا اپنے اک پیالہ پلاؤ یا رسول اللہ ﷺ
خدا عاشق تمہارا اور ہو محبوب تم اس کے — ہے ایسا مرتبہ کس کا سناؤ یا رسول اللہ ﷺ
شفیع عاصیاں ہو تم وسیلہ بے کساں ہو تم — تمہیں چھوڑ اب کہاں جاؤں بتاؤ یا رسول اللہ ﷺ
چھپیں خجلت سے جا کر پردہ مغرب میں ماہ وخور — گر اپنے حسن کا جلوہ دکھاؤ یا رسول اللہ ﷺ
لگے گا جوش کھانے خود بخود دریائے بخشائش — کہ جب حرف شفاعت لب پہ لاؤ یا رسول اللہ ﷺ
یقیں ہو جائے گا کفار کو بھی اپنی بخشش کا — جو میدان میں شفاعت کے تم آؤ یا رسول اللہ ﷺ
مجھے بھی یاد رکھیو ہوں تمہارا امتی عاصی — گناہ گاروں کو جب تم بخشواؤ یا رسول اللہ ﷺ
ہوا ہوں نفس اور شیطاں کے ہاتھوں سے بہت رسوا — میرے اب حال پر تم رحم کھاؤ یا رسول اللہ ﷺ
اگرچہ نیک ہوں یا بد تمہارا ہو چکا ہوں میں — تم اب چاہو ہنساؤ یا رلاؤ یا رسول اللہ ﷺ
کرم فرماؤ ہم پر اور کرو حق سے شفاعت تم — ہمارے جرم وعصیاں پر نہ جاؤ یا رسول اللہ ﷺ
جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں — بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ ﷺ
مشرف کر کے مجھ کو کلمہ طیب سے اپنے تم — پھر اب نظروں سے اپنی مت گراؤ یا رسول اللہ ﷺ
پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ناخدا ہو کر — میری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ ﷺ

(حوالہ کلیات امدادیہ، گلزار معرفت ص ۲۰۵)

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی امداداللہ اس جوار پاک شہ لولاک میں پہنچے اور شرف جواب صلوۃ وسلام حضرت خیر الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام سے مشرف ہوئے۔ (امداد المشتاق ص ۱۲)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا عقیدہ

فرماتے ہیں: قبر کے پاس انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

اور فرماتے ہیں جن الفاظ میں شبہ ہو وہم ہو کہ ان سے حضور ﷺ کی شان میں بے ادبی ہے وہ باعث ایذا جناب رسالت مآب ﷺ ہیں اور آخر میں فرمایا بس ان کلمات کفر لکھنے والے کو سختی سے منع کرنا چاہئے اگر قدرت ہو، اگر باز نہ آوے قتل کرنا چاہئے کہ موذی وگستاخ شان جناب کبریا تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول امین ﷺ کا ہے اور

فرماتے ہیں کہ جو الفاظ موہم تحقیر حضور سرور کائنات ﷺ ہوں اگر چہ کہنے والے نے نیت حقارت نہ کی ہو مگر ان سے بھی کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ (الشہاب الثاقب ص ۵۰، ۵۳، ۵۷۔ بارگاہ رسالت ص ۱۸)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

فرماتے ہیں "انبیاء کرام علیہم السلام کو انہیں اجسام دنیاوی کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔" (قصائد قاسمیہ ص ۳)

حضرت نے "آب حیات" کے نام سے ایک کتاب حیات النبی ﷺ پر لکھی ہے جو مشہور و معروف ہے آپ حج کو جاتے ہوئے پنج لاسہ ضلع انبالہ کے ایک باکمال بزرگ راؤ عبد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے تشریف لے گئے اور ان سے دعا کے لئے عرض کیا اس پر ان بزرگوں نے فرمایا کہ بھائی میں تمہارے لئے کیا دعا کروں میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں سید عالم ﷺ کے سامنے بخاری پڑھتے دیکھا ہے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۱۹۳)

آپ نے رحمت عالم ﷺ کے عشق و محبت میں قصیدے بھی لکھے ہیں جو قصائد قاسمی کے نام سے مشہور ہیں اس میں فرماتے ہیں

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اس کی ﷺ — کہ جس پہ ایسا تیری ذات خاص کا ہو پیار
جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو — نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں یا رسول اللہ — تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
گرفت ہو تو تیرے اک بندہ ہونے میں — جو ہو سکے تو خدائی کا اک تیری انکار
بجز خدائی نہیں چھوٹا تجھ سے کوئی کمال — بغیر بندگی کیا ہے کہ جو تجھ کو عار
جو انبیاءؑ ہیں وہ آگے تیری نبوت کے — کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبی ﷺ اقرار
لگاتا ہاتھ نہ پتلے کو ابو البشرؑ کے خدا — اگر ظہور نہ ہوتا تمہارا آخر کار
امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ — کہ ہو سگان مدینہ میں میرا نام شمار

نومبر ۱۹۵۷ء کے ماہنامہ دار العلوم دیو بند میں لکھا ہے کہ "حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ ﷺ کو خلوت گزیں سے تعبیر فرمایا ہے اور آپ ﷺ کی حیات جسمانی کو عوام و خواص کا اجماعی عقیدہ قرار دیتے ہوئے ایک گراں قدر کتاب آب حیات تصنیف فرمائی ہے مقام حیرت و حسرت ہے کہ آج بعض اہل علم حیات النبی ﷺ کے اجماعی عقیدہ سے انحراف کر رہے ہیں۔" حالانکہ یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ آں حضرت اس وجود پاک کے ساتھ زندہ تشریف فرما ہیں جس طرح دنیا میں تشریف فرما تھے۔ (ماہنامہ دار العلوم دیو بند نومبر ۱۹۵۷ء)

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

آپ نے اپنی کتاب نشر الطیب میں آپ ﷺ کے عالم برزخ میں تشریف رکھنے کے متعلق ایک مستقل فصل قائم کی ہے وہ حرف بحرف تحریر ہے۔

پہلی روایت: ابن المبارک نے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ نبی ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال صبح و شام پیش نہ کئے جاتے ہوں۔ (کذا فی المواہب)

دوسری روایت: مشکوٰۃ میں ابو الدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسد کو کھا سکے، پس خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

ف: پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا، اور رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لئے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے مگر انبیاء علیہم میں ان سے اکمل واقوائی ہے۔

تیسری روایت: بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (کذا فی المواہب)

ف: یہ نماز پڑھنا تکلیفی نہیں بلکہ تلذذ کے لئے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے، کہ آپ ﷺ کو ہر جگہ سے پکارنا جائز ہے کیونکہ مشکوٰۃ میں بیہقی سے بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ خود حضور ﷺ کا ارشاد مبارک مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچایا جاتا ہے۔ یعنی بذریعہ فرشتوں کے جیسا کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں سیاحت کرنے والے مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے مجھ کو سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

چوتھی روایت: مشکوٰۃ میں نبیہ بن وہب سے روایت ہے کہ کعب الاحبار رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور حاضرین نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کوئی دن ایسا نہیں آتا جس میں ستر ہزار فرشتے نہ آتے ہوں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کا احاطہ نہ کر لیتے ہوں اور آپ پر درود پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب شام ہوتی ہے وہ آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور دوسرے (ستر ہزار) فرشتے اسی طرح اور اترتے ہیں اور ایسا ہی کرتے ہیں یہاں تک کہ جب (قیامت کے دن) زمین قبر مبارک کی شق ہوگی تو آپ ﷺ ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ باہر تشریف لائیں گے کہ وہ آپ کو لے چلیں گے روایت کیا اس کو دارمی نے۔

ف: اس سے آپ ﷺ کا شرف عظیم برزخ میں ظاہر ہے۔

پانچویں روایت: مشکوٰۃ میں ابوداؤد و بیہقی سے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی ﷺ نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو واپس کر دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

ف: اس سے حیات میں شبہ نہ کیا جائے کیونکہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت و جبروت میں (مشاہدہ الٰہی میں) مستغرق تھی جس طرح کہ دنیا میں نزول وحی کے وقت کیفیت ہوتی تھی اس سے افاقہ ہو کر سلام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں اس کو رد روح سے تعبیر فرما دیا۔ (کذا فی المواہب)

تلخیص: مجموعہ روایت سے علاوہ فضیلت حیات و اکرام ملائکہ کے برزخ میں آپ ﷺ کے یہ مشاغل ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا (۲) نماز پڑھنا (۳) غذا مناسب اس عالم کے نوش فرمانا۔ (۴) سلام کا سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ، سلام کا جواب دینا یہ تو دائما ثابت ہے، اور احیانا بعض امت سے جاگتے میں کلام اور ہدایت فرمانا بھی آثار و اخبار میں مذکور ہے اور حالت رویا و کشف میں تو ایسے واقعات حصر و احصار

سے متجاوز ہیں اوران مشاغل کے ایک وقت میں اجتماع سے تزاحم کا وسوسہ نہ کیا جائے کیونکہ روح کو برزخ میں پھر خصوصاً روح مبارک ﷺ کو بہت وسعت ہوتی ہے مگر اس وسعت سے امور غیر ثابت بالدلیل الصحیح یعنی منفیہ یا مسکوت عنہا کو ثابت یا ثابتہ احیاناً کو ثابت بالدوام ماننا جائز نہیں ہوگا خوب سمجھ لیا جائے۔

من الروض

تاللّٰہ اقسم ما واتاک منکسر الا واصبح منہ الکسر ینجبر

میں قسم کھاتا ہوں کہ آپ کے پاس (مزار شریف پر) کوئی شکستہ حال (دعا کے لئے عرض کرنے کو) نہیں پہنچا مگر اس کی شکستگی کی اصلاح ہوگئی (اس طرح سے کہ حیات برزخیہ کے سبب آپ ﷺ نے سن کر دعا فرمائی اور وہ کامیاب ہوگیا)

ولا احتمی بحماک المحتمی فزعا الا وعاد بامن ما نہ خضر

اور نہ کسی پناہ لینے والے نے گھبرا کر آپ کے دربار میں پناہ لی مگر کہ امن وامان کے ساتھ واپس ہوا، اس حالت سے کہ اس کو (اپنی حاضری پر) شرمندگی نہیں ہوئی (جیسا ناکام جانے میں ہوتی ہے)

ولا اتاک فقیر الحال ذو امل الا وفاض من الاثر لہ نہر

اور نہ آپ کے پاس (مزار شریف پر) کوئی فقیر حال امیدوار (دعا کے لئے عرض کرنے کو) حاضر ہوا مگر کہ اس کے نشان قدم ہی سے اس کے لئے نہر (تکمیل حوائج کی جاری ہوگئی اس طرح سے کہ حیات برزخیہ کے سبب آپ نے سن کر دعا فرمائی اور وہ کامیاب ہوگیا۔

ولا اتاک امرء من ذنبہ وجل الا وعاد بعفو وھو مغتفر

اور نہ آپ کے پاس (مزار شریف) پر کوئی شخص اپنے گناہ سے ڈرتا ہوا دعائے مغفرت کے لئے عرض کرنے کو آیا مگر کہ وہ عفو کے ساتھ بخشا ہوا گیا (اس طرح سے کہ حیات برزخیہ کے سبب آپ ﷺ نے سن کر دعا فرمائی اور وہ کامیاب ہوگیا۔

ولا دعاک لھیف عندنازلۃ الا ولباہ منک العون والیسر

اور نہ کسی مغموم نے کسی حادثہ کے وقت آپ کو (مزار پر حاضر ہوکر دعا کے لئے) پکارا مگر آپ کی جانب سے عون اور آسانی نے اس کو جواب دیا (اس طرح سے کہ حیات برزخیہ کے سبب آپ نے سن کر دعا فرمائی اور وہ کامیاب ہوگیا۔ (نشر الطیب ص ۲۴۸ تا ۲۵۰)

یارب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک من زانت بہ العصر

نشر الطیب لکھنے کے وقت تھانہ بھون کے اردگرد طاعون پھیلا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی برکت سے اس قصبہ کو طاعون سے محفوظ رکھا، اس کتاب میں حضرت نے ایک رسالہ ’’بنام شیم الحبیب‘‘ مصنفہ مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی ﷫ شامل فرمایا اور اس رسالہ کے متعلق حضرت نشر الطیب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی فصاحت وبلاغت کو دیکھ کر دل چاہا کہ اس کو بتمامہا اپنے رسالہ کا جزو اعظم مانا جائے بلکہ اپنے رسالہ کو اس رسالہ کا ترجمہ قرار دیا جائے۔ تو ہم نے بھی اس رسالہ کو کتاب ہذا کے ساتھ آخر میں شامل کردیا ہے یہ رسالہ حضور ﷺ کے

شمائل پر ہے اور اس رسالہ کے آخری اشعار جو کہ نشر الطیب کے ص ۱۹۴ پر ہیں جن کا ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ۱۳۲۸ھ میں خود ہی فرمایا۔ عربی عبارت معہ حضرت کے ترجمہ سے درج ذیل ہے۔ دیکھئے (نشر الطیب ص ۱۹۵)

یاشفیع العباد خذ بیدی — انت فی الاضطرار معتمدی
دستگیری کیجئے میرے نبی ﷺ — کشمکش میں تم ہی ہو میرے نبی ﷺ

لیس لی ملجأ سواک اغث — مسنی الضر سیدی سندی
جز تمہارے (ﷺ) ہے کہاں میری پناہ — فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی

غشنی الدھر یا ابن عبد اللہ — کن مغیثا فانت لی مددی
ابن عبداللہ (ﷺ) زمانہ ہے خلاف — اے میرے مولا (ﷺ) خبر لیجئے میری

لیس لی طاعۃ ولا عمل — بید حبیک فھو لی عتدی
کچھ عمل ہے اور نہ طاعت میرے پاس — ہے مگر دل* میں محبت آپ (ﷺ) کی

یارسول الالٰہ بابک لی — من الغمام الغموم ملتحدی
میں ہوں بس اور آپکا در یا رسول (ﷺ) — ابر غم گھیرے نہ پھر مجھ کو کبھی

جد بلقیاک فی المنام وکن — ساترا للذنوب والفند
خواب میں چہرہ دکھا دیجئے (ﷺ) مجھے — اور میرے عیبوں کو کردیجئے مخفی

انت عاف ابر خلق اللہ — ومقیل العثار واللددی
در گزر کرنا خطاؤ عیب سے — سب سے بڑھ کر ہے یہ خصلت آپ ﷺ کی

رحمۃ للعباد قاطبۃ — بل خصوصا لکل ذی اود
سب خلائق کے لئے رحمت ہیں آپ ﷺ — خاصکر جو ہیں گناہ گار وغوای

لیتنی کنت ترب طیبتکم — فالتمثت النعال ذاک قدی
کاش ہوجاتا مدینہ کی میں خاک — نعل بوس ہوتی کانی آپ کی (ﷺ)

فاصلی علیک بالتسلیم — متحفا عند حضرۃ الصمدی
آپ ﷺ پر رحمتیں ہوں بےانتہا — حضرت حق کی طرف سے دائمی

بعداد الرمال والانفاس — والنبات الکثیرۃ منتضدی
جس قدر دنیا میں ہیں ریت اور سانس — اور بھی ہے جس قدر روئیدگی

وعلی الآل کلھم ابدا — بالغا عند منتھی الامد
اور تمہاری آل پر اصحاب پر (ﷺ) — تا بجائے عمر دار اخروی

فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کا عقیدہ

فرماتے ہیں ”یقیناً نبی کریم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جیسے کہ سب انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔“ (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۱۷)

حضور ﷺ کے روضہ اطہر پر حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی، آواز نکالنا تو کیا مواجہہ شریف کے قریب یا مقابل بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے خوفزدہ مودبانہ، دبے پاؤں آتے اور مجرم وقیدی کی طرح دور کھڑے بکمال

خشوع صلوۃ وسلام عرض کرتے، اور چلے آتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ آں حضرت ﷺ حیات ہیں، لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے۔ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت ﷺ خود سنتے ہیں۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۳۰۶)

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

فرماتے ہیں حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ "فنبی اللہ حی یرزق والانبیاء احیآء فی قبورھم یصلون" (تحیۃ الاسلام ص ۳۶) اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

حضرت نے جناب رسول اللہ ﷺ کی تعریف میں بہت سے عربی اور فارسی قصیدے لکھے ہیں اور ابتدائی زمانہ میں اردو اشعار بھی تحریر فرمائے ہیں جن میں حضرت کا حضور کے ساتھ والہانہ عشق و محبت کا اظہار ہے؛ فرماتے ہیں۔

الغرض از جملہ عالم مصطفیٰ مجتبیٰ — خاتم دور نبوت تا قیامت بے مرا
افضل و اکمل ز جملہ انبیاء نزد خدا — نعت اوصاف کمال او فزوں تر از عدید
تا صبا گلگشت گیہاں کردہ می باشد مدام — بوئے گل بردوش دے گردد بعالم صبح وشام
باد بروے از خدائے وے درود وہم سلام — نیز بر اصحاب وآل وجملہ اخیار صید
وز جناب وے رضا بر احقران مستہام — خاصہ آں احقر کہ اقفر ہست از جملہ انام
مستغیث ست الغیاث اے سرور عالی مقام — در صلہ از بارگاہت در نشید ایں قصید

(انوار انوری ص ۱۲)

شاہ جانباز اگر ہمارا ہے — کیا ہے غم جب کہ وہ سہارا ہے
گر وہ نہیں تو کچھ نہیں میرا — وہ اگر ہے تو میرا سارا ہے
وصف تیری زباں کی زینت ہے — بزم کو اس نے کیا سنوارا ہے
دونوں جگ میں ہے وہ بآسانی — جس کے اوپر تیری مدارا ہے
اپنے در سے نہ کھید انور کو — حلقہ در گوش جب تمہارا ہے

(ماہنامہ قائد مرادآباد، ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ)

شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

فرماتے ہیں کہ ایک روز اشعار کی ایک کتاب دیکھ رہا تھا اس میں ایک مصرعہ تھا

ہاں اے حبیب رخ سے اٹھا دو حجاب کو

یہ اس وقت بہت بھلا معلوم ہوا میں مسجد شریف میں حاضر ہوا اور مواجہ شریف میں بعد ادائے آداب وکلمات مشروعہ انہیں الفاظ کو پڑھنا اور شوق دیدار میں لانا شروع کیا، دیر تک یہی حالت رہی جس پر یہ محسوس ہونے لگا کہ مجھ میں اور جناب رسول اللہ ﷺ میں کچھ حجاب دیواروں اور جالیوں وغیرہ کا حائل نہیں ہے اور آپ کرسی پر سامنے تشریف فرما ہیں آپ کا چہرہ مبارک سامنے ہے اور بہت چمک رہا ہے۔ (سوانح حضرت مدنی ص ۱۰۷)

۲، مارچ ۱۹۵۲ء کو حضرت مدنی رحمہ اللہ کا داہنا حصہ سن ہو گیا، ڈاکٹروں نے کہا، یہ فالج کا اثر ہے آپ کو بڑا صدمہ ہوا، دوسرے یوم آپ نے فرمایا کہ آج رات خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ مجھ کو آپ ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ نے داہنے ہاتھ پر دعا پڑھی اور دم فرمایا اور فرمایا کہ حسین احمد تشویش کی کوئی بات نہیں ہم صرف تمہاری عیادت کو آئے ہیں، چنانچہ حضرت بفضلہٖ تعالیٰ تندرست ہو گئے۔ (الصدیق بحوالہ مکتوبات شیخ الاسلام)

حضرت مولانا مفتی مشتاق احمد مالیر کوٹلہ والے بیان کرتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ گیا تو مشائخ وقت سے یہ تذکرہ سنا کہ اس سال روضہ اطہر سے عجیب کرامات کا ظہور رہا ہے ایک نوجوان نے جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا تو دربار رسالت سے وعلیک السلام کے پیارے الفاظ سے اس کو جواب ملا سمجھے یہ ہندی نوجوان کون تھا، یہ تمہارے استاذ مولانا سید حسین احمد مدنی تھے۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر)

آپ آخری بار ۱۳۷۴ھ میں جب زیارت بیت اللہ شریف وزیارت النبی ﷺ کے لئے تشریف لے گئے تو محمدی جہاز میں آپ نے ایک تقریر فرمائی، جس کا ایک ایک جملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق ومحبت سے لبریز ہے۔ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کا عشق لے کر جا رہے ہو تو جس قدر ممکن ہو عجز وانکسار اختیار کرو، جملہ عاشقوں کے سردار آقائے نامدار ﷺ پر جس قدر ممکن ہو درود شریف پڑھتے رہئے تلاوت کر کے ہدیہ کیجئے، اس راہ عشق کے سردار آں حضرت ﷺ ہیں اس لئے میرے نزدیک اور علماء کے ایک گروہ کے نزدیک پہلے مدینہ منورہ جانا افضل ہے۔" ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جآءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما "ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ تمام امت کے لئے رحمت ہیں آپ کے پاس حاضری دے کر عرض کرو، یارسول اللہ ﷺ ہم حاضر ہوئے ہیں، ہمارے لے حج کی قبولیت کی دعا فرمائیے، شفاعت فرمائیے، پھر جناب باری سبحانہ کے گھر کی طرف لوٹا جائے، تاکہ آپ ﷺ کے وسیلہ سے اللہ پاک حج کی اس عاشقانہ عبادت کو قبول فرمائے۔" اپنے ایک مرید کو خط کے جواب میں لکھتے ہیں۔ "بارگاہ نبوت سے استفادہ کرنا سوء ادب کیوں ہوگا، بارگاہ میں حاضر ہو کر بعد ادائے صلوٰۃ وسلام مذکورہ درود شریف کی کثرت بصیغہ خطاب زیادہ مفید ہے اس کے استفادہ کی عمدہ صورت یہ ہے کہ مراقبہ ذات الٰہیہ میں مشغول رہیں جو کچھ فیوض پہنچنے والے ہیں پہنچتے رہیں گے اس کے قصد یا سوال کی ضرورت نہیں، حاضری روضہ مبارک کے وقت میں آں حضرت ﷺ کی روح پر فتوح کو وہاں جلوہ افروز سننے والی، جاننے والی غایت جمال وجلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہ عالم کے دربار کی حاضری خیال کی جائے اور جملہ طرق وادب کا لحاظ رکھا جائے جو لوگ مقصر آداب وسنن ہوں، ان کی تحقیر وتوہین کی طرف خیال نہ کیا جائے، اور نہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف بلاضرورت شدیدہ توجہ کی جائے، فضول باتوں اور لوگوں کی مجالس میں بلاضرورت حاضری سے گریز کیا جائے، اوقات کو درود شریف، ذکر، مراقبہ، قرآت قرآن، نوافل سے معمور رکھا جائے۔" (ارشادات ص ۱۰۲)

جناب رسول اللہ ﷺ کے متعلق اپنے اکابر کے نظریات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں "ہمارے حضرات اکابر کے اقوال وعقائد کو ملاحظہ فرمائیے۔ یہ جملہ حضرات ذات حضور پرنور علیہ السلام کو ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک واسطہ فیوضات الٰہیہ ومیزاب رحمت غیر متناہیہ اعتقاد کئے ہوئے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل سے ابد تک جو جو رحمتیں عالم پر ہوئی ہیں اور ہوں گی عام ہے کہ وہ نعمت وجود کی ہو یا اور کسی قسم کی، ان سب میں آپ ﷺ کی ذات پاک اس طرح پر واقع ہوئی ہے کہ جیسے آفتاب سے نور چاند میں آیا ہو اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں، غرض کہ

حقیقت محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ واسطہ جملہ کمالات عالم وعالمیاں ہے یہی معنی "لولاک لما خلقت الافلاک" "اور" اول ما خلق اللہ نوری "اور" انا نبی الانبیاء "وغیرہ کے ہیں۔" (ارشادات ص ۸۵)

"یہ جملہ حضرات ذات سرور کائنات ﷺ کو باوجود افضل الخلائق وخاتم النبیین ماننے کے آپ ﷺ کو جملہ کمالات کے لئے اہل عالم کے واسطے واسطہ مانتے ہیں یعنی جملہ کمالات خلائق علمی ہو یا عملی، نبوت ہو یا رسالت، صدیقیت ہو یا شہادت علم ہو یا مروت، فتوت ہو یا وقار وغیرہ وغیرہ، سب کے ساتھ اولاً بالذات، آپ ﷺ کی ذات والاصفات جناب باری عز وشانہ، کی جانب سے متصف کی گئی، اور آپ ﷺ کے ذریعہ سے جملہ کائنات کو فیض پہنچا۔ (الشہاب الثاقب ص ۵۴)

ایک مرتبہ درس بخاری شریف میں ارشاد فرمایا کہ "ایک حاجی صاحب مدینہ منورہ پہنچے اور یہ کہہ دیا کہ مدینہ منورہ کا دہی کھٹا ہوتا ہے۔ رات کو جناب رسول اللہ ﷺ خواب میں تشریف لائے اور ارشاد مبارک فرمایا کہ جب مدینہ کا دہی کھٹا ہے تو آپ یہاں کیوں تشریف لائے، یہاں سے چلے جاؤ۔

یہ صاحب جب بیدار ہوئے تو بہت گھبرائے، لوگوں سے پوچھتے پھرتے تھے کہ اب کیا کروں، کسی صاحب نے فرمایا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار شریف پر جا کر دعا کرو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر رحم فرمائے چنانچہ یہ صاحب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار شریف پر گئے اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں۔ رات کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا مدینہ منورہ سے چلے جاؤ ورنہ ایمان کا خطرہ ہے۔" اس کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کی چیزوں میں ہرگز عیب نہ نکالنا چاہئے بلکہ وہاں کی مصیبتوں کو خوشی سے برداشت کرنا چاہئے۔ مدینہ منورہ کے باشندوں کا احترام کرنا چاہئے اگر ان کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو ہنسی خوشی برداشت کرنا چاہئے۔ (انفاس قدسیہ ص ۲۵۹، بارگاہ رسالت ص ۳۷)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا عقیدہ

فرماتے ہیں "انبیاء کرام علیہم السلام اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے۔"
(فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

اور فرماتے ہیں: بے شک حضور ﷺ زندہ ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف (روضہ مطہرہ) میں اذان واقامت سے نمازیں پڑھتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۹، تسکین الصدور ص ۱۲۶)

حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ مہتمم دار العلوم دیوبند کا عقیدہ

فرماتے ہیں مسئلہ زیر بحث میں جہاں تک اپنے بزرگوں کی کتابوں، فتاویٰ، مقالات اور متوارث ذوق کا تعلق ہے دیوبندیت تو یہی ہے کہ برزخ میں آں حضرت ﷺ کو حیات دنیوی کے ساتھ زندہ مانا جائے کیونکہ دیوبندیت کی موجودہ جماعتی تشکیل قیام دار العلوم دیوبند سے شروع ہوتی ہے جس کی ابتدا حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو جلیل القدر خلفاء حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے ہوئی ان تینوں کا مسلک بھی حیات دنیوی ہے (کہ اس عالم برزخ کی حیات اس جسد اطہر کے ساتھ ہے جو اس دنیا میں تھا) پھر آخر الذکر دو بزرگوں کے تلامذہ مثل حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ، حضرت مولانا احمد

حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اعظم دیوبند وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک تھا جو ان کے مطبوعہ فتاویٰ و مقالات میں محفوظ ہے پھر ان اکابر کے تلامذہ مثل حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، اور دوسرے اساتذہ دارالعلوم دیوبند وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ یہی حضرات دیوبندیت کے اساطین کہلاتے ہیں؛ اس لئے دیوبندیت تو حیات النبی ﷺ کے بارے میں حیات دنیوی ہی ہے۔ جو برزخ میں قائم ہے۔" (الصدیق ملتان شمارہ، ۳۰ ماہ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ بحوالہ مقام حیات ص ۲۵۵)

اور پھر فرماتے ہیں: "احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو المہند وغیرہ میں بالتفصیل مرقوم ہے یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام بجسد عنصری زندہ ہیں جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔" (مقام حیات ص ۲۵۵)

متفقہ عقیدہ علماء دیوبند اور تصدیقات علماء حرمین شریفین

۱۸۵۷ء کا دور مسلمانوں کے لئے پسپائی اور عام مایوسی کا دور تھا، دہلی کے تاج و تخت پر انگریز قابض ہو چکے تھے، مسلمانوں کی عسکری قوت مفلوج ہو گئی اور اسلامی مدارس کے اوقاف ضبط کر کے ان کا نظام تعلیم درہم برہم کر دیا گیا تھا، ان حالات میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی علوم و شعائر کی حفاظت اور مسلمانوں میں جوش جہاد اور جذبہ آزادی پیدا کرنے کے لئے دینی ادارہ کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا۔ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء کرام و اولیاء عظام کے تعاون سے ۱۲۸۷ھ ۱۸۶۷ء میں دیوبند میں دارالعلوم کے نام سے اسلامی مدرسہ قائم کیا جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں اسلام کے ایک مضبوط قلعہ اور چھاؤنی کی حیثیت اختیار کر لی اس مدرسہ نے ہزاروں مفسر، محدث، اور مجاہد پیدا کئے جنہوں نے ہندوستان اور پوری دنیا میں پھیل کر علوم نبویہ کی قندیلیں روشن کیں اور ہر محاذ پر اسلام دشمن قوتوں کا پوری ہمت اور پامردی سے مقابلہ کیا۔ اسلام کے چالاک اور عیار دشمن انگریز نے اس مدرسہ کے ہاتھوں اپنی جڑیں کھوکھلی ہوتی دیکھیں تو اس کے خلاف تمام حربے استعمال کرنے شروع کئے۔ جن میں ایک خطرناک حربہ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے اور مسلمانوں کو اس عظیم مدرسہ سے متنفر کیا جائے چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے علماء نفس پرست کی خدمات حاصل کی گئیں اور ان میں بعض کی علانیہ جن میں مرزا غلام احمد قادیانی[۱] اور اس کے حواری ہیں، سرپرستی کی گئی اور جھوٹی نبوت کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا اور بعض کی

---

[۱] مرزا غلام احمد قادیانی اپنی تصنیف تحفہ قیصریہ ص ۱۶ پر لکھتا ہے کہ "میرے دادا مرزا غلام مرتضیٰ دربار گورنری میں کرسی نشیں بھی تھے اور سرکار انگریز کے ایسے خیر خواہ اور دل کے بہادر تھے کہ مفسدہ ۱۸۵۷ء میں پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس جنگجو بہم پہنچا کر اپنی حیثیت سے زیادہ اس گورنمنٹ عالیہ کو مدد دی تھی۔ میرے والد صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکار میں مصروف رہا۔" (ستارہ قیصریہ ص ۴) میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید و حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھیں ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ (تریاق القلوب ص ۲۵) انگریز ملکہ قیصر ہند کے نام اپنے ایک خط میں لکھا ہے "سو یہ مسیح موعود جو دنیا میں آیا تیرے وجود کی برکت اور دلی نیک نیتی اور سچی ہمدردی کا ایک نتیجہ ہے۔" (ستارہ قیصریہ ص ۸)

۳

در پردہ خدمت کی گئی اوران کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ علماء دیوبند پر گستاخ اور بے ادب اور وہابی ہونے کا الزام لگائیں، چنانچہ ان نفس پرست لوگوں نے اکابرین دیوبند کے خلاف ایک غلط اور گمراہ کن فتویٰ پر دھوکہ دہی اور کذب بیانی سے حرمین شریفین کے علماء کی تصدیقات حاصل کر لیں اور ۱۳۲۵ھ میں وہ فتویٰ ہندوستان میں شائع کر دیا۔

ان ایام میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ مدینہ منورہ میں تھے اور مسجد نبوی ﷺ میں درس دیا کرتے تھے ان کو جب اس کارروائی کا علم ہوا تو انہوں نے صحیح حقیقت حال سے علماء حرمین شریفین کو مطلع کیا تو ان حضرات نے اپنی طرف سے چھبیس سوالات تحریر کر کے اکابرین دیوبند کو جواب کے لئے بھیجے، اس وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ وصال فرما چکے تھے تو علماء حرمین شریفین کے سوالات کے جوابات فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے فصیح عربی زبان میں تحریر فرمائے، اس وقت کے تمام جید علماء دیوبند حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا حافظ محمد احمد نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند، اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے تصدیقات فرمائیں، اور جوابات علماء حرمین شریفین کو بھیج دیئے، علماء حرمین شریفین ان جوابات کو دیکھ کر بہت ہی متاثر ہوئے اور انہوں نے تصدیقات فرمائیں اور یہ تحریر فرمایا کہ یہ عقائد صحیح ہیں ان کی وجہ سے نہ کوئی کافر ہو سکتا ہے نہ بدعتی اور نہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہوگا بلکہ صحیح اہل سنت کا مسلک یہی ہے۔

جب علماء دیوبند کو علماء حرمین شریفین کی تصدیقات وصول ہوگئیں تو انہوں نے اس کو کتابی شکل میں "المہند علی المفند" کے نام سے شائع کر دیا، اس رسالہ میں چھبیس سوالات کی روشنی میں اکابرین دیوبند کے عقائد حق کی تشریح اور وضاحت کی گئی ہے جس سے علماء دیوبند کا صحیح حقیقی مسلک واضح ہو جاتا ہے گویا کہ المہند اکابرین دیوبند کی ایک ایسی متفقہ تاریخی دستاویز ہے جو قیامت تک قائم رہے گی انشاء اللہ تعالیٰ اس میں دیوبندی مسلک اصولی طور پر محفوظ کر لیا گیا ہے۔

<u>اس کتاب کا پانچواں سوال یہ ہے:</u> کیا فرماتے ہو جناب رسول اللہ ﷺ کی قبر میں حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے۔

جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی حیات دنیا کی سی ہے۔ بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے حضور ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ (برزخی نہیں ہے جو کہ حاصل ہے تمام مسلمانوں کو) بلکہ سب انسانوں کو چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ انباء الاذکیا بحیٰوۃ الانبیاء میں لکھا ہے کہ علامہ تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا ایک مستقل رسالہ بھی ہے جو بے مثل ہے اور طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے اس کا نام آب حیات ہے تو اس مندرجہ بالا تحریر سے یہ بات سارے علماء دیوبند کی متفقہ اور علماء حرمین شریفین کی تصدیق شدہ ہوگئی کہ سید الانبیاء ﷺ اپنی قبر شریف میں دنیاوی جسد اطہر کے ساتھ حیات ہیں۔ (المہند ص ۲۷ تا ۲۹)

اور سوال کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین ہماری جانیں آپ پر قربان ہوں اعلیٰ درجہ کہ قربت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے گو شدرحال اور بذل جان و مال سے نصیب ہو اور سفر کے وقت آپ ﷺ کی زیارت کی نیت کرے، اور ساتھ ہی مسجد نبوی اور دیگر مقامات و زیارت گاہ ہائے متبرکہ کی بھی نیت کرے بلکہ بہتر یہ ہے کہ جو علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ خالص قبر شریف کی زیارت کی نیت کرے پھر جب وہاں حاضر ہوگا تو مسجد نبوی ﷺ کی بھی زیارت حاصل ہو جائے گی اس صورت میں جناب رسالت مآب ﷺ کی تعظیم زیادہ ہے۔ اور اس کی موافقت خود حضور ﷺ کے ارشاد مبارک سے ہو رہی ہے کہ فرمایا سید المرسلین ﷺ نے کہ جو میری[1] زیارت کو آیا اور میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں، اور ایسا ہی عارف کامل حضرت ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے زیارت کے لئے حج سے علیحدہ سفر کیا اور یہی طرز مہذب عشاق کا ہے اور اسی جواب میں آگے تحریر فرماتے ہیں کہ وہ حصہ زمین جو جناب رسول اللہ ﷺ کے اعضاء مبارکہ کو مس کئے ہوئے ہے۔ کعبہ اور عرش اور کرسی سے بھی افضل ہے۔ (المہند ص ۲۵)

مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر دیوبند کا مسلک اور متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس پر جو درود پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے۔

اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تو مستقل تصنیف حیات انبیاء علیہم السلام آب حیات کے نام سے موجود ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ راشد میں سے ہیں۔ ان کا رسالہ المہند علی المفند بھی اہل انصاف و اہل بصیرت کے لئے کافی ہے اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل"

1...... محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کراچی نمبر ۵

2...... عبد الحق عفی عنہ مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

3...... (مفتی) محمد صادق عفا اللہ عنہ سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ بہاول پور

---

[1] اسی حدیث شریف کے مطابق حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زیارت کرنے والا یہ نہ کہے کہ میں نے قبر شریف کی زیارت کی ہے بلکہ یہ کہے کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی ہے کیونکہ حضور ﷺ حیات ہیں۔ ہر دو حضرات کے عقائد میں یہ بات بیان ہو چکی ہے۔

۴... رسول خان عفا اللہ عنہ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور
۵... شمس الحق عفا اللہ عنہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان
۶... مفتی محمد حسن جامعہ اشرفیہ لاہور
۷... ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار، سندھ
۸... بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دارالعلوم کراچی

(مقام حیات ص ۲۷۲)

ہمدردانہ عرض

للہ عرض ہے کہ خدارا حضور ﷺ کی ذات اطہر کو اپنی طرح نہ سمجھیں بلکہ یہ یقین رکھیں کہ ہم اور آپ تو کیا دنیا بھر میں کوئی غوث، قطب، ابدال حضرات امامین، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کوئی بھی شخص کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی رضی اللہ عنہ کے مقام تو کیا، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں یہ کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام بلند ہے یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جنگ میں تشریف لے جاتے تو آپ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے پاؤں سے چلنے کی وجہ سے جو گرد (مٹی) اڑ کر گھوڑے کے ناک میں پڑتی تھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ سبحان اللہ کتنا بلند مقام ہے صحابہ کرام کا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ وہ ہستی ہیں کہ انہوں نے صحابہ کرام کی زیارت کی، اور ان کو سید التابعی کہا جاتا ہے تو ان کا مقام صحابہ کرام کے آگے گھوڑے کے ناک میں پڑنے والی گرد جتنا بھی نہیں تو سید الانبیاء ﷺ جو کہ تمام انبیاء اور رسولوں کے سردار ہیں ان کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا بلند و برتر ہوگا ہم اس کا کوئی کسی طرح اندازہ نہیں کر سکتے اس لئے ہمارے تمام اکابرین نے یہ ہی عرض کر دی کہ

لا یمکن الثناء کما کان حقہ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یارسول اللہ ﷺ کسی انسان کے بس میں ہی نہیں کہ آپ ﷺ کی تعریف بیان کر سکے جیسا کہ اس کا حق ہے بس ہم اتنی ہی عرض کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے بعد تمام جہانوں میں بزرگ و برتر اگر کوئی ہے تو وہ آپ ﷺ کی ہی ذات گرامی ہے۔

دوسری عرض یہ ہے کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ جو کہ کتاب ہذا میں اتنی وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کے مبارک زمانہ سے لے کر موجودہ دور تک کے تمام حضرات خلفاء راشدین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، امامین، اولیاء امت، علماء امت تمام متفقہ طور پر تسلیم و تصدیق کرتے ہیں اور تمام حضرات کی تصدیقات بصورت عقائد آپ پڑھ چکے ہیں اب بھی اگر خدانخواستہ کوئی صاحب مطمئن نہ ہوں تو ان کی خدمت میں درخواست ہے کہ براہ کرم اللہ کے لئے بجائے سید الانبیاء ﷺ کی شان اطہر میں نکتہ چینی کرنے اور اسلاف کے اقوال کے خلاف باتیں کرنے کے جو کہ ہر حال میں ہم سے زیادہ حضور ﷺ کے قریبی زمانوں میں سے گزرے ہر حال میں ہم

سے زیادہ صاحب علم تھے ہر حال میں ہم سے زیادہ خدا تعالیٰ کا ڈر رکھنے والے تھے۔ صاحب تقویٰ تھے ان کے معاملہ میں خاموشی اختیار فرماویں، اور خدا تعالیٰ سے ہر وقت ہدایت کی دعا کریں، کہ اللہ تعالیٰ بطفیل سید الانبیاء علیہ السلام ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرماویں۔ اور خاتمہ ایمان پر ہو۔ آمین!

اس بات کو اچھی طرح یاد رکھیں کہ حضور اقدس ﷺ کی شان اقدس میں نکتہ چینیاں کرنا، قرآن پاک کی آیات اپنی مرضی کی تفسیر و ترجمہ کرنا، بعض احادیث مطہرہ کو مان کر ان کا اپنی مرضی کا ترجمہ و تفسیر و تاویل کرنا، اور بعض احادیث مطہرہ صحیحہ کا انکار کرنا اور اپنی خواہش کے مطابق سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے ان کو ضعیف کہہ دینا، یہ طریقہ یہودیوں، معتزلہ، مرزائیوں، چکڑالویوں، اور منکرین حدیث کا ہے اللہ تعالیٰ یہودیوں کے حالات بیان کرتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض" کیا تم ایمان رکھتے ہو قرآن پاک کی کچھ آیات کا اور انکار کرتے ہو کچھ آیات کا۔ "فما جزآء من یفعل ذالک منکم الا خزی فی الحیوٰۃ الدنیا ویوم القیامۃ یردون الیٰ اشد العذاب" پس بدلہ تمہارے اس کام کا رسوائی (ذلت) ہے دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاؤ گے سخت عذاب میں۔ "وما اللہ بغافل عما تعملون" اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔

ان آیات مطہرہ میں اللہ تعالیٰ نے کتنی عظیم وضاحت فرمائی کہ اپنی مرضی کی آیات، (واحادیث) کا ماننا اور جو اپنی سمجھ ناقص میں نہ آئے ان آیات مبارکہ (واحادیث مطہرہ) کا انکار کرنا، اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا طریقہ بتلایا ہے اور اس انکار کا نتیجہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا کی ذلت و رسوائی اور آخرت کا سخت عذاب ہے۔ حضرت شیخ الہند ﷫ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں "ایسا کرے یعنی بعض احکام کو مانے اور بعض کا انکار کرے تو ایمان کا تجزیہ تو ممکن نہیں تو اب بعض احکام کا انکار کرنے والا بھی کافر مطلق ہوگا، صرف بعض احکام کو ماننے سے کچھ بھی ایمان نصیب نہ ہوگا، اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی شخص بعض احکام شرعیہ کی تو متابعت کرے اور جو حکم کہ اس کی طبیعت یا عادت یا غرض کے خلاف ہو تو اس کے قبول میں قصور (انکار) کرے تو بعض احکام کی متابعت اس کو کچھ نفع نہیں دے سکتی، لہذا اس سے بچیں اور جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں ان سے بھی بچیں، عافیت اور سلامتی اپنے اسلاف کے راستہ پر چلنے میں ہے اور ان سے علیحدہ ہونے میں گمراہی ہے آپ نے کتاب ہذا میں پڑھا ہے کہ ہمارے اسلاف کو حضور رحمت اللعالمین ﷺ سے کس قدر عشق و محبت تھی وہ کتنے مؤدب تھے اور یہی ایمان کی ت ہے۔ سید الانبیاء ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا۔ "لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین" (بخاری)

فرمایا رحمت دو عالم ﷺ نے خبردار تم میں سے کوئی ایک شخص بھی ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ مجھ سے اپنے والدین، اپنی اولاد، اپنی جان اور تمام انسانوں سے زیادہ محبت نہ رکھے۔

حضور اقدس ﷺ کی اطاعت و محبت اور ادب و احترام ہی ایمان ہے اللہ ہم سب کو سچا مسلمان بنائے، صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور رحمت اللعالمین ﷺ کی محبت اطاعت ادب و احترام نصیب فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ آمین!

سبحٰن ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین، والحمد للہ رب العالمین

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

حیاتِ برزخیہ

از افادات:

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ:

جناب حافظ عبدالرزاق (ایم اے)

وَمِن وَّرَائِهِم بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

حیاتِ برزخیہ

از افادات

حضرت العلامہ مولانا اللہ یار خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

مرتبہ: حافظ عبدالرزاق ایم اے

ناشر

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ چکوال پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

حضرت مولانا اللہ یار چکڑالوی رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش: ۱۹۰۴ء ...... وفات: ۱۸ر فروری ۱۹۸۴ء

چکڑالہ ضلع میانوالی کے بزرگ عالم دین، مناظر اسلام، دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ تصوف میں اویسی سلسلہ کے بزرگ تھے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ کے شاگرد حافظ عبدالرزاق ایم اے نے آپ کے افادات کو "حیات برزخیہ" کے نام سے شائع کیا۔ جسے ہم نے اس مجموعہ میں شامل کیا۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد وآلہ وصحبہ واھل بیتہ اجمعین!

علمائے کرام میں سے چند احباب اور کچھ دوسرے عزیزوں نے مطالبہ کیا کہ میں ایک رسالہ لکھوں جس میں "احوال برزخیہ" اور "سماع موتیٰ" کو زیر بحث لایا جائے اور افراط وتفریط سے دامن بچا کر قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلہ کی اصل حقیقت کی وضاحت کی جائے۔ میرے خیال میں اس مطالبہ یا مشورہ کا محرک یہی جذبہ ہے کہ "الدین النصیحۃ"

چونکہ آج کل سماع موتیٰ کا مسئلہ ایک گروہ بندی کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ جس کی وجہ سے عوام اور علماء میں انتشار اور منافرت کی صورت پیدا ہو رہی ہے۔ باہمی محبت کی جگہ دلوں میں نفرت اور بعد صرف پیدا ہی نہیں ہو رہا بلکہ روز بروز بڑھ رہا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف ایک گروہ کے کسی سربرآوردہ شخص نے انکار کیا تو اس گروہ کے عام افراد محض عقیدت یا اندھی تقلید کی وجہ سے انکار کر بیٹھے۔ عوام تو خیر عوام ٹھہرے، حیرت ان علمائے کرام پر ہوتی ہے جو اپنے علم وفضل کے باوجود گروہ بندی میں بہے جا رہے ہیں اور صرف انکار پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ضد میں آ کر یہ فتویٰ بھی صادر فرما دیتے ہیں کہ سماع موتیٰ کا قائل ہونا ہی شرک اور کفر ہے۔ (العیاذ باللہ) افسوس کہ ان کے اس فتویٰ کی زد میں ایسے ایسے مفسر، محدث، فقیہ اور ائمہ دین آتے ہیں۔ جن کا علم وتقویٰ اور تحقیق امت کے نزدیک مسلّم ہے۔

دوسری طرف قائلین سماع موتیٰ میں ایک جماعت نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اصحاب قبور اولیاء کرام، مشکل کشا، حاجت روا اور مختار مطلق ہیں۔ (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہر معاملہ میں افراط وتفریط سے بچائے۔ (آمین)

ہماری نگاہ میں نہ تو منکرین سماع موتیٰ اور اس پر کفر وشرک کا فتویٰ دینے والے حضرات حق بجانب ہیں۔ نہ قائلین سماع موتیٰ کی وہ جماعت جو اصحاب قبور اولیاء کرام کو اپنے خیال کے مطابق حاجت روا اور مشکل کشا گردانتی ہے۔ یہ دونوں فریق افراط وتفریط میں ہیں۔ حتیٰ کہ فریق اوّل سماع کا انکار کرتے ہوئے اس حد کو پہنچا کہ ثواب وعذاب قبر کا بھی انکار کر دیا کہ اس گڑھا محضورہ میں نہ ثواب ہے نہ عذاب بلکہ اس گڑھے کے قبر ہونے سے بھی انکار کر دیا اور ظاہر ہے کہ عذاب وثواب کا انکار کفر ہے۔ یہ افراط وتفریط کا نتیجہ ہے۔ اگر ہر فریق اپنی تحقیق پر ہی قائم رہتا اور فریق ثانی کو برا بھلا نہ کہتا تو اس قدر انتشار اور بدمزگی پیدا نہ ہوتی۔

چونکہ اس مسئلہ کا تعلق احوال برزخ سے ہے اور برزخ کی تفصیلات کا سمجھنا کشف سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اگر اہل کشف صوفیاء کرام اس سلسلے میں کچھ بحث کرتے تو حق بجانب تھے۔ علمائے کرام کا منصب تو یہ ہے کہ ایسے مسائل جو مختلف فیہ چلے آتے ہیں۔ ان میں اپنی تحقیق کے مطابق راجح مذہب تو بیشک اختیار کریں لیکن اپنے خیال کے مطابق مرجوح کو مرجوح رہنے دیں۔ اس کو مردود قرار دینے میں احتیاط برتیں۔ اسی میں ان حضرات کی بہتری اور عوام کی بھلائی ہے ورنہ ایک طرف تو عوام میں انتشار بڑھے گا اور دوسری طرف علماء کرام کا وقار ختم ہو جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو طاقتیں دین کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں وہ علماء کا نام لے کر دین کے انہدام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گی۔ حافظ عبدالرزاق ایم اے عربی لیکچرار گورنمنٹ کالج (جہلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ طبع ثانی

حال ہی میں حضرت مولانا محمد سرفراز صفدر صاحب نے "تسکین الصدور" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس میں اہل السنۃ والجماعت کے صحیح عقائد کی وضاحت کی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر جمہور اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک متفق علیہ چلے آتے ہیں۔ تمام متقدمین و متاخرین علمائے ربانی ان عقائد پر متحد ہیں۔ ان عقائد کی بنیاد دلائل قطعیہ پر ہے۔ لہٰذا ان عقائد کی مخالفت کرنا صرف اس صورت میں ہی ممکن ہے کہ انسان اہلسنت والجماعت کے مسلک سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست شاگردوں اور سلف صالحین پر اس کا اعتماد نہ ہو اور خود مجتہد بن کر ایک نئی راہ نکال لے۔ اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ آدمی ان متفق علیہ عقائد کی مخالفت بھی کرے اور اس بات کا مدعی بھی ہو کہ وہ اہل السنت والجماعت کا مسلک رکھتا ہے اور اسی مسلک کا مبلغ ہے۔

جب یہ کتاب منظر عام پر آئی تو ایک مختصر سا گروہ جھنجلا اٹھا اور اس گروہ نے ایک فرد مولوی محمد امیر بندیالوی نے مولوی محمد حسین نیلوی کے تعاون سے ایک کتاب "ندائے حق" کے نام سے لکھی۔ جس میں تین امور کا اہتمام کیا گیا۔ اوّل تسکین الصدور میں بیان کردہ متفق علیہ عقائد کی تردید (بزعم خویش) دوم اپنے عقائد فاسدہ کی تبلیغ، سوم اس امر کا دعویٰ کہ وہ ایک عالم اہلسنت والجماعت کی حیثیت سے اس مسلک کی وکالت کر رہے ہیں۔ جہاں تک "تسکین الصدور" کے جواب کا تعلق ہے۔ ندائے حق کی حیثیت وہی ہے جو تحفہ اثنا عشریہ کے جواب میں لکھی گئی، کتابوں کی ہے کہ بس وہ کتابیں ہیں کہ لکھ دی گئی ہیں۔ مگر تحفہ کا جواب آج تک نہیں بن پڑا۔ جہاں تک مصنف کے اپنے یا اپنے ایک مختصر سے گروہ کے عقائد کا تعلق ہے۔ اس کی بنیاد صرف اس نظریہ پر ہے کہ بخاری، مسلم، بلکہ صحاح ستہ کا ذخیرہ شرح احادیث مفسرین اور فقہاء متکلمین اور جمہور علمائے اہلسنت والجماعت کے نظریات صرف غلط عقائد کے مجموعے ہیں۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ یہ دلیل اس لحاظ سے تو وزنی ہے کہ آدمی کہہ دے مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔

مگر حقیقت کے اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیوں کہ دین نقل ہو کر ہمارے پاس پہنچا ہے۔ اگر ان ناقلین دین، محدثین، فقہاء، متکلمین، مفسرین اور شارحین حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا تو دین ہم تک کیسے پہنچا۔ سلف صالحین جو نبوت کے دونوں پہلوؤں یعنی علوم ظاہری اور باطنی کے امین تھے نا قابل اعتماد ٹھہرے تو مجتہد دین کا تیار کردہ دین کیسے قابل اعتماد اور قابل قبول ہوگا اور حدیث کی من مانی تاویل ہی دلیل ٹھہری تو تلعب بالحدیث اور تمسخر بالحدیث کسے کہیں گے؟

چنانچہ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ان الامۃ اجتمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفۃ الشریعۃ فالتابعون اعتمدوا علی الصحابۃ وتبع التابعین اعتمدوا علی التابعین وھکذا فی کل طبقۃ اعتمد العلماء علی من قبلھم والعقل یدلّ علی ذالک لان الشریعۃ لا یعرف الا بالنقل والاستنباط والنقل لا یستقیم الا بان یأخذ کل طبقۃ عمن قبلھا بالاتصال ولا بد فی الاستنباط ان یعرف مذھب المتقدمین لئلا یخرج من اقوالھم فیخرق الاجماع وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم۔" (عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید ص ۳۴)

تمام امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف صالحین پر اعتماد کریں تابعین نے صحابہ پر اعتماد کیا، تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا اور یہی صورت ہر زمانہ میں ہر طبقہ میں رہی کہ وہ اپنے زمانہ کے علماء پر اعتماد کریں اور وہ سابقہ علماء پر اعتماد کریں۔ عقل سلیم کا تقاضا بھی ہے۔ کیوں کہ شریعت کی معرفت کا مدار نقل اور استنباط پر ہے اور نقل میں صحت کا ہونا اس بنا پر ہوگا کہ متقدمین پر اعتماد ہو اور ہر طبقہ اپنے متصل سابقہ طبقہ سے شریعت حاصل کرے اور اس حصول میں بھی متقدمین کا مذہب سامنے ہوتا کہ ان کے اقوال سے باہر نہ نکلے ورنہ اجماع سے خارج ہوگا۔ اجماع امت اور تواتر سے خارج ہو تو دین کہاں رہا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ سواد اعظم سے وابستہ رہو۔

اپنے شاندار ماضی سے کٹ کر اور سلف صالحین سے بے نیاز ہو کر جو عقائد تیار ہوں گے وہ خواہ کتنی ہی لفظی موشگافیاں ہوں۔ عقائد صحیح نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ بلکہ ان کی حیثیت تو یہ ہوگی:

"قال النبی ﷺ لحبر لیھودی الذی یقال لہ مالک ابن الضیف ھل تجد فی التوراۃ ان اللہ تعالٰی لیبغض الحبر السمین و کان سمین فغضب فقال ما انزل اللہ شئاً علی بشر" (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۶۲)

حضور ﷺ نے یہودی عالم مالک ابن الضیف سے فرمایا کیا تورات میں تم پاتے ہو کہ اللہ تعالٰی لحیم و شحیم عالم کو غضب کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ خود موٹا تھا۔ غصہ میں آ کر کہنے لگا کہ خدا نے کسی انسان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل ہی نہیں فرمائی۔

یعنی خدا کی کتاب میں ایک بات اپنی پسند کے خلاف نظر آئی تو کتاب الٰہی کا ہی انکار کر دیا۔ اسی طرح اگر اس امت کا کوئی "حبر سمین" اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی حدیث سے یہی سلوک کرے تو غضب الٰہی کا مستحق کیوں نہ ٹھہرے گا۔

تفسیر مظہری میں دوسرے مقام پر ایک حدیث بیان ہوئی کہ: "ان اللہ لیبغض الجسد السمین" اللہ تعالٰی موٹے جسم کو غضب کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ (ایضاً ج ۳ ص ۲۴۷)

بہرحال دین کی اصل اور اس کے معتمد الیہ ناقلین کو نا قابل اعتماد قرار دینا ایک یہودیانہ حرکت ہے۔

جہاں تک اس کتاب کی تیسری خصوصیت کا تعلق ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ اہلسنت والجماعت کا مسلک نہیں۔ ہاں صالحیہ، کرامیہ، معتزلہ اور خوارج کے مسلکوں کی خوشہ چینی ہے اور ملت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی وہی کوشش ہے جو یہ باطل فرقے اپنے طور پر کرتے رہے۔ ایسی کوششوں کا پہلا نشانہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ ہوتے ہیں کہ کسی طرح سلف صالحین سے امت کا اعتماد اٹھ جائے۔ یہ ایسی کامیاب کوشش ہے کہ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد دین کی من مانی تعبیر کرنے اور دین کو اپنی پسند کی شکل و صورت دینے میں صرف آسانیاں پیدا نہیں ہوتیں۔ بلکہ اس راہ سے تمام موانع اٹھ جاتے ہیں۔ اس لئے باطل فرقوں میں ہمیشہ یہ قدر مشترک پائی جاتی رہی ہے کہ وہ ناقلین دین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کو اپنی افتراء پردازیوں کا نشانہ بناتے رہے ہیں۔

ان حضرات نے اسی روش پر چل کر سلف صالحین کی دینی کاوشوں کی داد جس انداز میں دی ہے۔ اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

۱...... شفاء الصدور میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مسند کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔ (ص ۹۰) پر یہ افتراء کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سماع موتی کے منکر ہیں اور شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حسن بن زیاد رحمہ اللہ کو کذاب لکھا ہے۔

۲...... شفاء کے (ص ۹۹) پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حق میں لکھا ہے کہ ان کا مذہب ان کی احادیث منقولہ کے خلاف ہوتا ہے۔

۳...... شفاء کے (ص۱۰۰) پر علامہ علی القاری ترجمان حنفیت کو غلط بیانی کرنے والا اور غیر معتبر لکھا ہے۔
۴...... (ص۹۴) پر حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کو مردود لکھا ہے۔ ان کا قول غیر معتبر لکھا ہے۔
۵...... (ص۱۰۰) پر علامہ محمود آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی کے اس قول کو مردود لکھا ہے "ان الصحیح المعوّل علیه انه لتقبل وقت السلام عند الدعاء"
۶...... (ص۹۷) پر اجلہ فقہاء، محدثین و مفسرین متکلمین کو فسادی لکھا ہے اور علامہ سبکی اور علامہ سیوطی کو مردود القول لکھا ہے۔
۷...... علامہ شامی ابن عابدین کے متعلق (ص۱۰۱) پر لکھا ہے۔

"واما ابن عابدین فقد کان خلافا لمحمد بن عبدالوهاب النجدی ولم یراه وانما قال ما قال فی شانه کما سمع من افواه الناس" اور ابن عابدین یعنی علامہ شامی، محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مخالف تھے۔ حالاں کہ انہیں دیکھا نہ تھا۔ بس لوگوں کی زبانی سن کر النجدی کے خلاف کہتے رہے۔

یعنی حنفیوں کے نزدیک جس علامہ شامی کے فتاویٰ قول فیصل کا حکم رکھتے ہیں۔ اس کے متعلق ان "حنفیوں" کا کہنا یہ ہے کہ وہ بس افواہوں پر اعتبار کر کے النجدی کے خلاف کہتے رہے جو کہتے رہے۔ خود تحقیق نہیں کی۔ لہٰذا ان کی ثقاہت اور دیانت معلوم؟

نجدی ابن عبدالوہاب نجدی کے متعلق علامہ انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں:

"اما محمد بن عبدالوهاب النجدی فانه کان رجلاً بلیداً قلیل العلم فکان یتسارع الی الحکم بالکفر ولا ینبغی ان یقتحم فی هذا الوادی الا ان یکون متیقظا متیقناً عارفا بوجوه الکفر واسبابه"
(فیض الباری ج۱ ص۱۷۱)

ابن عبدالوہاب نجدی ایک غبی آدمی تھا، معمولی علم رکھتا تھا۔ کفر کا فتویٰ دینے میں بڑی سرعت سے کام لیتا تھا۔ اس وادی میں قدم رکھنا اس کو زیبا ہے جو بڑا بیدار مغز ہو، کفر کے وجوہ واسباب کا حقیقی علم اور پوری معرفت رکھتا ہو اور اس شخص کی ذہانت اور بیدار مغزی کا عالم یہ تھا کہ: "کان یدق الهاون فی المسجد" (فیض الباری ج۲ ص۴۸)

اور مسجد نبوی میں بیٹھ کر ہاون دستہ سے دوا کوٹتا تھا۔ یعنی "لاترفعوا اصواتکم" کی عملی تفسیر کرنے کی یہ صورت اختیار کی تھی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متعلق (ج۴ ص۲۶۲) پر لکھا ہے:

"باب مطلب فی اتباع عبدالوهاب، الخوارج فی زماننا ما وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوهاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحون مذهب الحنابلة ولکنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشرکون واستباحوا بذالک قتل اهل السنة وعلمائهم"

مطلب عبدالوہاب کے اتباع میں ہمارے زمانے میں خوارج ایسے ہی ہیں جیسے متبعین عبدالوہاب، جو نجد سے خارج ہوئے اور مکہ اور مدینہ پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اور اپنے آپ کو حنبلی مذہب سے منسوب کرتے تھے۔ لیکن ان کا اصل عقیدہ یہ تھا کہ مسلمان صرف وہی ہیں اور جو ان کے مخالف ہیں وہ مشرک ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے اہلسنت مسلمانوں کے قتل کو حلال سمجھا اور علمائے اہلسنت کو قتل کیا۔

اس کے مقابلہ میں ''ندائے حق'' پارٹی کے ایک ممتاز فرد ملا شیخ بیری نے اپنی کتاب ''کشف الشبہات'' کے مقدمہ میں محمد بن عبدالوہاب کے متعلق لکھا ہے:

''واختص الحرمین الشریفین وبلادالعرب الشیخ، القدوۃ، ناصرالسنۃ، قامع الشرک والبدعۃ الامام، الشیخ الاسلام محمد بن عبدالوھاب النجدی'' حرمین شریفین اور ممالک عرب کے لئے اللہ تعالیٰ نے شیخ کبیر سنت کے حامی، شرک اور بدعت کے قلع قمع کرنے والے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی کو مختص فرمایا۔

اس تقابل سے واضح ہے کہ اس پارٹی کو جو اپنے آپ کو حنفی کہتی ہے، مفتی اعظم احناف علامہ شامی سے کیوں کد ہے۔ ان کے بزعم خویش شیخ الاسلام کو علامہ شامی نے خارجی عقیدہ کا متبع قرار دیا تو انہیں علامہ شامی سے بغض کیوں نہ ہو؟ دیکھئے وہ وقت کب آتا ہے۔ جب ان کے قلم وزبان سے استاد الکل اور استاد الدنیا علامہ انور شاہ کاشمیری کے خلاف گوہر افشانی شروع ہوتی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے ان لوگوں کے شیخ الاسلام کو بلید اور قلیل العلم وغیرہ قرار دیا ہے۔

محمد بن عبدالوہاب کا ذکر ضمناً آ گیا تو ان کے متعلق مفتی حرمین شریفین شیخ الاسلام سید احمد بن زینی دحلانی کے خیالات سنئے۔ فرمایا: ''واحرق دلائل الخیرات وغیرھا من کتب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ وکان یمنع اتباعہ من مطالعۃ کتب الفقہ والتفسیر والحدیث واحرق کثیرمنھا واذن لکل واحد من اتبعہ ان یفسر القرآن بحسب فھمہ وامرھم ان یعلموا ویحکموا بما یفھمونہ وجعل ذالک مقدما علی کتب العلم ونصوص العلماء ویقول ان الشریعۃ واحدۃ فماھؤلاء جعلوھامذاھب اربعۃ وخلاصۃ الکلام فکان قانون الحق والعدل عندہ ما وافق یھواہ وان خالف نصوص الشریعۃ واجماع الامۃ وضابطۃ الباطل عند مالم یوافق مزاہ وان کان علی نص جلی واجتمعت الامۃ علیہ۔ وکان ارکان الدین خمسۃ عنداللہ وعند رسولہ وعند جمیع الائمۃ وجعل النجدی السادس عندہ وھو من لم یتبعہ فھو لیس بمسلم ھذا عندہ رکن سادس للاسلام وکان اتباعہ یحملون الایات القرآنیۃ التی نزلت فی کفار المشرکین وجعلوھا علی المومنین الموحدین والم یقبلوا من دین نبینا الاالقرآن یعؤلونہ ویفسرونہ علی حسب مرادھم کما امرھم ابوھم محمدبن عبدالوھاب النجدی''

محمد بن عبدالوہاب نے دلائل الخیرات اور دوسری ایسی کتب جن میں فضائل درود تھے جلا دیں اور وہ اپنے پیروؤں کو فقہ تفسیر اور حدیث کی کتابوں کے مطالعہ کرنے سے منع کرتا تھا اور ایسی اکثر کتابیں اس نے جلا دیں اور اپنے ہر متبع کو حکم دے رکھا تھا کہ قرآن کی تفسیر اپنے فہم کے مطابق کیا کریں اور حکم دے رکھا تھا کہ قرآنی احکام کے متعلق فیصلے اور ان پر عمل اپنی سمجھ کے مطابق کیا کریں اور اس نے اپنی اس فاسد رائے کو علمی کتب اور نصوص علمائے ربانی سے مقدم سمجھ رکھا تھا اور کہتا تھا کہ شریعت تو ایک ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ چار مذاہب بنا ڈالے۔

مختصر یہ کہ اس کے نزدیک حق وانصاف صرف وہی تھا جو اس کی خواہش کے مطابق ہو۔ اگرچہ وہ بات شریعت کے خلاف اور اجماع امت کے برعکس ہو اور باطل یا بے انصافی اس کا نام تھا جو اس کی خواہش نفس کے خلاف ہو۔ اگرچہ اس کے لئے نص جلی موجود ہو اور امت کا اس پر اتفاق ہو چکا ہو اور اللہ اور رسول کے نزدیک ارکان دین پانچ ہیں اور نجدی نے ایک چھٹا رکن بنایا۔ وہ یہ کہ جو شخص اس کی اتباع نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس کے متبعین نے قرآن کی ان آیات کو جو کفار اور مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھیں۔ وہ اہل ایمان پر چسپاں

کردیں۔ دین کے ماخذوں میں سے صرف قرآن کے الفاظ قبول کئے۔ اس کی تاویل وتفسیر اپنی منشا اور اپنے مقصد کے مطابق کرنے لگے جیسا کہ ان کے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے انہیں حکم دیا تھا۔

مفتی حرمین نے محمد بن عبدالوہاب کی شخصیت اور اس کی تعلیمات وعقائد کا جو تجزیہ کیا ہے۔ اس سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱...... محمد بن عبدالوہاب نے ایسی کتابیں جلادیں، جن میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کے فضائل درج تھے۔ یعنی حضور اکرم ﷺ کی ذات آپ کے مقام ومنصب سے اسے چڑ تھی۔

۲...... فقہ، تفسیر اور حدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے روکتا تھا۔

۳...... قرآن مجید کی تفسیر ہر شخص اپنے فہم کے مطابق کرے اور وہی تفسیر مستند ہوگی۔ قرآن فہمی کے لئے قرآن لانے والے یا اس کے شاگردوں سے استفادہ کرنا منع ہے۔

۴...... قرآن کے احکام کی تعمیل کی صورت معین کرنا ہر شخص کا اپنا کام ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے نبی بھیج کر ایک زائد کام یا فعل عبث کیا ہے۔

۵...... اپنے قول کو سند سمجھتا تھا کسی اہل علم کا قول اس کے نزدیک درخور اعتنا نہ تھا۔

۶...... حق وباطل کا فیصلہ اللہ ورسول، کتاب وسنت کی روشنی میں نہیں کرنا چاہئے بلکہ حق وہی ہے جسے وہ حق سمجھے اور باطل وہ ہے جسے وہ باطل قرار دے۔

۷...... مسلمان ہونے کے لئے اقرار شہادتین یا ارکان خمسہ پر ایمان کافی نہیں بلکہ مسلمان ہونے کی شرط یہ ہے کہ آدمی اس کا اتباع کرے یعنی اپنے آپ کو رسالت کے مقام پر لاکھڑا کیا۔

۸...... قرآن کریم کو اس نے بازیچہ اطفال تو بنا یا ہی تھا۔ ستم بالائے ستم یہ کیا کہ جو آیات کفار ومشرکین کے متعلق نازل ہوئی تھیں وہ اہل ایمان پر چسپاں کر کے اپنے مخالفین کو بے دریغ کافر قرار دینے کا مشغلہ اختیار کر لیا۔

۹...... حدیث رسول کو ماخذ شریعت اور شارح کتاب الٰہی کی حیثیت سے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شیخ القرآن پارٹی نے ''شیخ الاسلام'' (نجدی) کو روشنی کا مینار کیوں قرار دیا۔

گزشتہ صفحات میں شیخ القرآن پارٹی کے عقائد اجمالی طور پر بیان ہوئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ بلکہ یوں لگتا ہے کہ اسی چراغ سے یہ چراغ روشن ہوا ہے۔ مثلاً:

۱...... شیخ القرآن پارٹی نے ''حیات النبی'' کے مسئلہ کی آڑ میں حضور اکرم ﷺ کے متعلق جو عقائد پھیلائے وہ شیخ الاسلام کی ذہنیت کی جھلک ہے۔

۲...... کسی مفسر کا قول ان کے نزدیک قابل قبول تو کیا قابل توجہ بھی نہیں، البتہ اپنی تفسیر خواہ تحریف ہی ہو وہی سند ہے۔

۳...... حق وباطل کا معیار بھی وہ شیخ الاسلامی ہے۔ اپنی منشاء اور پسند کے خلاف کوئی آیت نظر آئی تو اس کی تحریف کردی۔ کوئی حدیث سامنے آئی تو اسے ضعیف کہہ کر رد کر دیا۔

۴...... شیخ القرآن پارٹی نے مذاہب اربعہ کا انکار نہیں کیا بلکہ اہلسنت والجماعت اور حنفی ہونے کا دعویٰ کیا اور لطف یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تک ہر شخص کو ناقابل اعتماد بھی قرار دیا اور ان کی حنفیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

۵...... شیخ الاسلام (مہدی) کی تقلید میں قرآن کی وہ آیات جو کفار اور مشرکین کے حق میں نازل ہوئیں۔ وہ اہل ایمان پر چسپاں کرکے انہیں بے دریغ کافر قرار دینے کی مہم شروع کردی۔

۶...... ان کے اس شغل تکفیر کی زد سے ان کے اساتذہ اور مشائخ بھی محفوظ نہ رہ سکے۔

۷...... ان کے نزدیک مسلمان ہونے کی سند صرف یہ ٹھہری کہ ان کی پارٹی کا رکن ہو تو مسلمان ورنہ مشرک۔

ان امور سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ القرآن پارٹی کا دیوبند کے فقہی مکتب فکر سے وابستہ ہونے کا دعویٰ اور حنفی مسلک کا پیروہونے کی یقین دہانی خودفریبی یا ابلہ فریبی سے زیادہ کچھ نہیں۔ اصل میں ان کے عقائد اور اعمال شیخ الاسلام کے واسطے سے خوارج سے ماخوذ ہیں۔

دینی عقائد واعمال کے متعلق خوارج نے جو روّیہ اختیار کیا وہ ان کی خصوصیت اور ان کی تحریک کا شعار بن گیا۔ چنانچہ ان کی چند خصوصیات بیان کی جاتی ہیں۔

۱...... اس امر کا دعویٰ کرنا کہ دین کا ماخذ صرف قرآن ہے، یعنی حضور اکرم ﷺ کی باقی تینوں حیثیتوں یعنی تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کا انکار ہے۔

"عن علیؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول یأتی فی آخر الزمان قوم حدیث الاسنان سفہا الاحلام یقولون من خیر قول البریۃ" حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا کہ آخری زمانہ میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو نوجوان اور احمق ہوں گے اور قرآن پاک پکاریں گے۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۱۰ باب قتل الخوارج، اور ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۶)

"عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال ینشؤ نشؤ یقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیھم کلما خرج قرن قطع قال، ابن عمر سمعت رسول اللہ ﷺ کلما خرج قرن قطع اکثر من عشرین مرۃ حتی یخرج فی اعراضھم الدجال" ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ایک جماعت پیدا ہوگی وہ قرآن پڑھیں گے، مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا (یعنی قرآن کے الفاظ کے متعلق موشگافیاں کریں گے۔) مگر عملی لحاظ سے بدکار ہوں گے۔ جب یہ فرقہ سر اٹھائے گا، اس کی جڑ کاٹی جائے گی۔ پھر ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ بیس مرتبہ سے زیادہ ان کی جڑ کاٹی جائے گی۔ ان سے دجال بھی ہوگا۔

"شیخ الاسلام" نے اپنے پیروؤں کو یہی تلقین کی تھی کہ بس اپنے فہم کے مطابق قرآن کی تفسیر کرو "شیخ القرآن" پارٹی بھی تفسیر قرآن اور فہم قرآن کے سلسلے میں حدیث سے بے نیاز ہوگئی۔ صاف انکار کرنے کی بجائے فنکاری سے کام لیا گیا کہ جب کوئی حدیث پیش کی گئی۔ اسے ضعیف موضوع ناقابل اعتماد کہہ کے ٹھکرا دیا۔ چوہدری غلام احمد پرویز صاحب نے اس میں ایک آسانی پیدا کردی کہ حدیث تو عجمی سازش ہے۔ لہٰذا قرآن کی تفسیر صرف قرآن سے کرو یا چوہدری صاحب کی بصیرت سے رہنمائی حاصل کرو۔

۲...... مشکوٰۃ میں باب ذکر الیمن میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی تو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ نجد کے حق میں بھی کچھ فرمائیں:

"قال وفی نجدنا فاظنه قال فی الثالثة هناک الزلازل والفتن وبها یطلع قرن الشیطان" عرض کیا ہمارے نجد کے لئے بھی برکت کی دعا فرمائیں تو راوی کہتا ہے میرا خیال ہے کہ تیسری بار آپ ﷺ نے فرمایا نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے، وہاں شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا۔

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اس کی شرح یوں لکھی ہے: "وھی تزلزل القلوب واضطرب اھلھا والفتن البلیات والمحن الموجب لضعف الدین وقلة الدیانة ولا یناسبه دعوة البرکة ویطلع قرن الشیطان ای حزبه واھل وقته وزمانه واعوانه" دلوں کی دنیا متزلزل ہوجائے گی۔ وہاں کے باشندے اضطراب اور بے چینی کا شکار ہوں گے اور فتنے وہ مصائب ہیں جن سے دین میں ضعف آجائے گا۔ دیانت میں کمی آجائے گی۔ اس لئے دعا مناسب نہ تھی اور شیطان کے سینگ سے مراد اس تحریک کے اعوان وانصار ہیں۔

اور تاریخ نے ثابت کردیا کہ واقعی نجد سے فتنہ اٹھا جس نے دین کو اور کلام الٰہی کو بازیچۂ اطفال بنادیا اور مخلوق کا تو ذکر ہی کیا۔ خالق کے ساتھ پرلے درجے کی بددیانتی کا رویہ اختیار کیا گیا۔

۳...... (بخاری فیض الباری ج ۴ ص ۴۷۵ باب قتل الخوارج والملحدین وزنادقہ) میں کچھ تفصیل دی گئی ہے:

"وکان مالک یفتی بکفر الخوارج والملحدون ھم الذین یؤلون فی ضروریات الدین لاجراء ھواھم" اور امام مالک کا فیصلہ یہ ہے کہ خارجی کافر ہیں اور ملحد وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین میں تاویل کرتے ہیں تاکہ اپنی خواہشات کو رائج کرسکیں۔

اور (ج ۴ ص ۴۷۲) پر ہے: "والزنادیق: قلت والزندیق من یحرف فی معانی الالفاظ مع بقاء الالفاظ الاسلام فھذا اللعین فی القادیان یدعی انه یؤمن بختم النبوة ثم یخترع له معنی من عنده یصلح له بعد الختم دلیلاً علی فتح باب النبوة فھذا ھو الذندقة حقاً ای التغیر فی المصادیق وتبدیل المعنی علی خلاف ما عرفت عند اھل الشرع وصرفھا الی اھوائه مع بقاء اللفظ علی ظاھرہ"

میں کہتا ہوں زندیق وہ ہے جو الفاظ کو برقرار رکھ کر معانی میں تحریف کرے۔ پس قادیانی ملعون دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا ختم نبوت پر ایمان ہے۔ پھر اپنے پاس سے اس لفظ کے ایسے معنی اختراع کرتا ہے کہ اجرائے نبوت کا مفہوم نکل سکے اور باب نبوت کے کھلا رہنے کی دلیل بن سکے۔ یہی حقیقی زندقہ ہے۔ یعنی قرآن کے معانی مصداق میں تبدیلی پیدا کردی جائے۔ ایسی تبدیلی جو شریعت کے مسلمہ حقائق کے بالکل خلاف ہو اور الفاظ کو برقرار رکھ کر معانی کو اپنی خواہش نفسانی کے مطابق بنانا ہی زندقہ ہے۔

یعنی خوارج کی عادت ہے کہ الفاظ قرآن کو علیٰ حالہا قائم رہنے دیتے ہیں۔ مگر ان کے معانی میں ایسے پیچ ڈالتے ہیں کہ ان کے مخترعہ اور مزعومہ عقائد کی تائید ہونے لگے۔ خواہ وہ معانی اہل شرع کے مسلمہ اور متفقہ حقائق کے بالکل برعکس ہوں۔

۴...... (بخاری مع فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۳۳) "کان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین وقال ایضاً اعلم ان علامتھم انھم یطبقون الآیات الواردة فی الاصنام علی اولیاء اللہ کما ھو یحملون الایات التی نزلت فی الکفار علی المؤمنین الموحدین فی زماننا ھذا" ابن عمر رضی اللہ عنہ

خارجیوں کو اللہ کی بدترین مخلوق سمجھتے تھے۔ فرمایا کہ جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ یہ لوگ ان آیات کو مومنوں پر منطبق کرتے ہیں اور فرمایا ان کی بڑی علامت یہ ہے کہ جو آیات بتوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ لوگ انہیں اولیاء اللہ پر منطبق کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں کفار کے متعلق نازل شدہ آیات کو ایسے لوگ اہل توحید مومنوں پر کرتے ہیں۔

اور (فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۳۲) "عن بکیر بن عبداللہ بن الاشج انہ سأل نافعا کیف کان رأی ابن عمر فی الحروریۃ قال کان یراھم شرار خلق اللہ انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار جعلوھا علی المؤمنین" بکیر بن عبداللہ بن اشج نے حضرت نافع سے پوچھا کہ ابن عمر کا خارجیوں کے متعلق کیا خیال تھا۔ جواب دیا کہ ابن عمر انہیں بدترین مخلوق سمجھتے تھے۔ کیونکہ جو آیات قرآنی کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ لوگ ان کا مصداق اہل ایمان کو ٹھہراتے ہیں۔

اور (تفسیر اتقان ج ۲ ص ۱۹۶) "عن حذیفۃ ان النبی ﷺ قال ان فی امتی قوما یقرؤن القرآن ینثرونہ نثر الدقل یتأولونہ علی غیر تاویلہ" حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میری امت میں ایک قوم ہوگی جو قرآن کے الفاظ منہ سے یوں پھینکے گی جیسے خستہ خرما پھینکا جاتا ہے اور وہ لوگ قرآن کے الفاظ کو اپنے اصلی معنی سے پھیر دیں گے۔

علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب الصارم میں خارجی کی تعریف یوں کرتے ہیں: "ما کان من دینھم ھو وضع القرآن فی غیر موضعہ قال تعالٰی یلؤون السنتھم بہ ای یحرفون معانیہ وتاویلہ وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ تعالٰی وقال انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار جعلوھا علی المؤمنین وھو وضع القرآن فی غیر موضعہ والتاویل فی غیر محلہ وقد قال اللہ تعالٰی وانّ منھم لفریق یلوون السنتھم بالکتاب لتحسبوہ من الکتاب وماھو من الکتاب وقال تعالٰی ان الذین یلحدون فی آیاتنا قال ابن عباس یضعون الکلام فی غیر موضعہ"

خارجیوں کی عادت تھی کہ قرآن کریم کو اپنے اصل معانی سے پھیر دیتے ہیں۔ جس طرح یہودی زبان کو بل دے کر تورات پڑھتے تھے کہ لوگ سمجھیں تورات کے الفاظ ہیں۔ تحریف معنوی بھی کرتے اور غلط تاویل کرتے تھے اور ابن عمر خارجیوں کو اللہ کی بدترین مخلوق کہا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ قرآن کی ان آیات کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ اہل ایمان پر چسپاں کرتے ہیں اور یہ قرآن کو اپنے معنی سے پھیرنا ہے اور بے محل تاویل ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ان یہودیوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں کو بل دے کر پڑھتے تھے تاکہ لوگ سمجھیں یہ بھی کتاب الٰہی ہے۔ حالانکہ وہ کتاب الٰہی کے الفاظ نہ ہوتے تھے اور فرمایا وہ لوگ جو میری آیات میں کجی پیدا کرتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ قرآن کو اپنے محل سے ہٹا رکھتے تھے۔

"قلت دخل دینہ غلاۃ الموحدین والروافض والقادیانی والپرویزی" میں کہتا ہوں اس میں حال کے غالی "موحدین" روافض قادیانی اور پرویزی داخل ہیں۔

ان اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱...... ملحد وہ ہے جو ضروریات دین میں تاویل کرے اور ایسی تاویل بمنزلہ انکار کے ہے اور ضروریات دین کا انکار کفر ہے۔

۲...... زندیق وہ ہے جو آیات قرآن کو اپنے محل اور مصداق سے ہٹا کر دوسرے محل میں رکھے۔ جیسے قرآن کی آیات جو بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ انہیں اولیاء اللہ اور پیشوایان دین پر چسپاں کرنا اور یہ کہنا کہ یہ پیروں کے حق میں ہیں۔ حالانکہ معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی جانتا ہے کہ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے وہ اولیاء کو کہاں مانتے تھے اور ان کا عقیدہ جب یہ تھا کہ موت عدمی چیز ہے جس کو مس کرتی ہے اس کو بھی معدوم کر دیتی ہے اور اعادہ معدوم محال ہے۔ لہٰذا قیامت کا انکار کیا۔ اس لئے قبور پر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳...... خارجی کی علامت یہ ہے کہ جو آیات قرآنی کفار اور مشرکین کے حق میں نازل ہوئیں انہیں مسلمانوں پر چسپاں کرنا اور کہنا کہ یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔

اب آپ عقائد کا جائزہ لیں جو ندائے حق یا شفاء الصدور وغیرہ کتابوں میں شیخ القرآن پارٹی نے بیان کئے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہیں گے کہ یہ عقائد خوارج سے لئے گئے ہیں اور ان میں الحاد اور زندقہ کی حقیقی روح پائی جاتی ہے اور یہ موحد، حنفی اور دیوبندی ہونے کا دعویٰ خود فریبی اور خدا فریبی کے علاوہ کچھ نہیں۔ عنوان اور اوصاف، صورت اور حقیقت ظاہر اور باطن میں اتنا بڑا تضاد بہت بڑی علمی اور اعتقادی بددیانتی ہے اور کتاب الٰہی کے الفاظ میں اپنے پسند کے معنی داخل کرنا اور اس کی آیات کا محل اور مصداق اپنی خواہش کے مطابق متعین کرنا۔ تحریف قرآن کی مہلک ترین قسم ہے اور لطف یہ کہ اسے تفسیر کے نام سے پیش کر کے اللہ کی مخلوق کو گمراہ کرنا بہت بڑی جرأت ہے۔

برزخ کیا ہے؟

"قال اللہ تعالی حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون" یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آتی ہے اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو پھر واپس بھیج دیجئے تاکہ جس کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کروں ہرگز نہیں۔ یہ ایک ہی بات ہے جس کو یہ کہے جا رہا ہے اور ان لوگوں کے آگے ایک آڑ ہے، قیامت کے دن تک۔ (المؤمنون:۹۹، ۱۰۰)

لغوی تحقیق

۱...... "البرزخ، الحاجز والحدبین الشیئین۔" برزخ حجاب حاجز اور حد بندی ہے۔ دو چیزوں کے درمیان۔ (مفردات امام راغب ص ۴۲)

۲...... برزخ: بازداشت میان۔ برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ ہے۔

دو چیز: "وتقال ما بین الدنیا والاٰخرۃ من وقت الموت الی البعث فمن مات دخل البرزخ" برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ ہے اور یہ بولا جاتا ہے (اس زمانے اور مکان پر) جو موت کے وقت سے لے کر حشر تک ہے۔ پس جو شخص مر گیا وہ برزخ میں داخل ہو گیا۔ (صراح علامہ ابوالفضل محمد بن عمر القرشی)

فائدہ: برزخ ایک غیر محسوس پردہ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان حائل ہے اور عقل انسانی کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

برزخ کا تفصیلی بیان

علامہ سیوطی (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۳۲۷) میں برزخ کی تشریح یوں فرماتے ہیں: "البرزخ علی ثلاثۃ

اقسام مکان و زمان و حال فالمکان من القبر الی علیین تعمرہ ارواح السعداء و من القبر الی سجین تعمرہ ارواح الاشقیاء و اما الزمان فھو مدۃ بقاء الخلق فیہ من اوّل من مات او یموت من الجن و الانس الی یوم یبعثون و اما الحال فاما منعمۃ و اما معذبۃ او محبوسۃ حتی فتخلص بالسوال من الملکین الفتانین'' برزخ تین چیزوں سے عبارت ہے۔ مکان، زمان اور حال۔ پس مکان، قبر سے علیین تک جسے نیک روحیں آباد کرتی ہیں اور قبر سے سجین تک جسے بدکار لوگوں کی روحیں آباد کرتی ہیں اور زمان، اس میں مخلوق کی بقاء کی مدت ہے جو کسی جن یا انسان کے مرنے سے شروع ہو کر اس وقت تک ہے جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا اور وہاں حال تو یا وہ انعام یافتہ ہوگا یا معذب ہوگا یا محبوس ہوگا حتی کہ سوال و جواب نکیرین سے خلاصی پائے۔

فائدہ: مکان برزخ قبر سے علیین اور قبر سے سجین تک ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ علیین اور سجین کی ابتداء قبر سے ہوتی ہے اور قبر کا گڑھا علیین یا سجین کی حدود میں داخل ہے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق جب قبر پر جا کر السلام علیکم کہا جاتا ہے تو روح اسے کیسے سنتی ہے جب کہ وہ علیین یا سجین میں ہے اور قبر خالی ہے۔ بلکہ یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ قبر ہی تو علیین یا سجین کا نقطۂ آغاز ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ روح کے ادراکات بعد موت بہت تیز اور وسیع ہو جاتے ہیں تو مذکورہ بالا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

جہاں تک حال کا تعلق ہے میت پر انعام یا عذاب برزخ میں ہی شروع ہو جاتا ہے اور وہ اسی وسیع مکان میں ہوتا ہے جو علیین یا سجین کہلاتا ہے اور جو قبر سے شروع ہوتا ہے۔ یہی حقیقت حضرت ابوسعید کی حدیث سے واضح ہوتی ہے کہ: ''قال رسول اللہ ﷺ انما القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النار'' فرمایا رسول اکرم ﷺ نے کہ قبر بجز اس کے نہیں کہ یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ (مشکوۃ ص ۴۵۸)

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۹۲) ''والحاصل ان شیئاً من العذاب یبداء من القبر ثم یتم العذاب عند دخولہ فی جھنم کما قال تعالٰی و یوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشدّ العذاب و کما قال تعالٰی (۲) اغرقوا فادخلوا نارا''

قبر سے کیا مراد ہے

لفظ قبر اور اس کی جمع قبور قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید کی روشنی میں ہی اس لفظ کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے لغت نے اس کا مفہوم کیا بیان کیا ہے۔ قرآنی آیات میں اس لفظ کا مفہوم سمجھنا آسان ہو جائے۔

صراح: قبر، گور و در گور کردن مقبرہ بالفتح والضم گورستان قولہ تعالٰی ''ثم اماتہ فاقبرہ ای جعلہ ممن یقبر ولم یجعلہ مما یلقی للکلاب و کان القبر مما اکرم بہ بنو ادم'' قبر کے معنی گڑھا اور گڑھے میں دفن کرنا ہے اور مقبرہ بہ فتح میم یا بہ ضم میم قبرستان، فرمان باری تعالیٰ ہے پھر مارا اس کو پھر دفن کیا اس کو یعنی اسے ان لوگوں سے کیا جن کو دفن کیا جاتا ہے اور ان لوگوں میں سے نہ کیا جنہیں کتوں کے آگے ڈال دیا جاتا ہے اور وہ قبر وہ مکان ہے جس سے بنی آدم کو عزت بخشی گئی۔

مفردات: ''القبر مقر المیت و مصدر، قبرته جعلته فی القبر و اقبرته جعلت له مکانا یقبر فیه نحو استقیته جعلت له ما یسقی منه قال الله تعالی ثم اماته فاقبره قیل معناه الهم کیف یدفن و المقبرة و المقبرة موضع القبور و جمعها مقابر'' قبر میت کے قرار کی جگہ ہے اس کا مصدر ہے اور قبرتہ کے معنی میں نے اسے قبر میں دفن کیا اور اقبرتہ کے معنی میں نے اس کے لئے مکان بنایا۔ جس میں اسے دفن کیا جائے۔ جیسے مقولہ عرب ہے۔ استقیتہ میں نے اسے پانی پلایا کے معنی ہیں میں نے اس کے لئے پانی کی جگہ بنائی۔ فرمان باری تعالیٰ 'ثم اماته فاقبره'' (عبس: ۲۱) اس کے معنی ہیں میں نے انسان کو الہام کیا کہ کیسے دفن کرے اور مقبرہ قبروں کی جگہ ہے اور اس کی جمع مقابر ہے۔

ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہ گڑھا ہے جو کھودا جاتا ہے اور اس میں جسد عنصری کو دفن کیا جاتا ہے۔

مفسرین کے نزدیک قبر کا مفہوم

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں ''ثم اماته فاقبره'' کے تحت فرماتے ہیں: ''فلم یقل فقبره لان القابر هو الدافن بیده و المقبر هو الله تعالی یقال قبر المیت اذا دفنه و اقبر المیت اذا امر غیره بان یجعله فی القبر'' اللہ تعالیٰ نے فقبرہ نہیں فرمایا بلکہ فاقبرہ فرمایا کیوں کہ قابر وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے دفن کرے اور مقبر تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہا جاتا ہے، قبر المیت جب میت کو دفن کرے اور اقبر المیت اس وقت کہا جاتا ہے جب دوسرے کو دفن کرنے کا حکم کرے۔

صاحب روح المعانی (ج ۳۰ ص ۴۴) میں فرماتے ہیں: ''قال تعالی ثم اماته فاقبره ای جعله ذا قبر توارى فیه جیفته تکرمة له و لم یجعله مطروحا علی الارض یستنقذر من یراه وتقتسمه السباع و الطیر اذا ظفرت به کسائر الحیوان یقال لقبر المیت اذا دفنه بیده و قبره اذا امر بدفنه'' فرمان باری تعالیٰ ہے ثم اماتہ فاقبرہ یعنی اس کو صاحب قبر کیا۔ جس میں میت کی نعش کو چھپا دیا جاتا ہے۔ اس کے اکرام کی خاطر اور اسے زمین پر نہیں پھینک دیا گیا کہ جو دیکھے برا محسوس کرے اور پرندے اور درندے جب اسے پائیں تو اسے نوچ نوچ کر کھائیں۔ جیسا کہ دوسرے حیوانوں سے کرتے ہیں۔ قبر المیت اس وقت کہا جاتا ہے جب اسے اپنے ہاتھ سے دفن کرے اور اقبرہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اسے دفن کرنے کا حکم کرے۔

ان مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ بیان فرمایا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہ گڑھا ہے جس میں ایک میت کسی زندہ انسان کے ہاتھوں دفن کیا جاتا ہے۔ اسی آیت کی تفسیر عزیزی نے جس انداز سے بحث کی ہے۔ اس سے کئی اور اشکال بھی رفع ہو سکتے ہیں۔ فافهم وتدبر!

''قال تعالی ثم اماته فاقبره'' (عبس: ۲۱)

دور دفن کردن چوں اجزائے بدن بتمام یکجا میباشد علاقہ روح بابدن از راہ نظر وعنایت بحال می ماند وتوجہ روح بزائرین ومستانسین ومستفیدین بسہولت میشود کہ بسبب تعیین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است وآثار ایں عالم از صدقات وفاتحہ ہائے وتلاوت قرآن مجید چوں درآں بقعہ کہ مدفن بدن اوست واقع شود بسہولت نافع میشود پس سوختن گویا روح را بے مکان کردن است ودفن کردن گویا مسکن برائے روح ساختن۔ بنابریں است کہ از اولیائے مدفونین ودیگر صلحا مومنین انتفاع واستفادہ جاری است۔ (تفسیر عزیزی ص ۵۰)

دفن کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ جب بدن کے اجزاء تمام یکجا ہوں گے تو بدن سے روح کا تعلق کامل ہوگا اور سارے بدن سے ہوگا اور وہ زائرین اور انس رکھنے والوں اور استفادہ کرنے والوں کی طرف روح سہولت سے متوجہ ہوگی کیوں کہ بدن کے مقام کے تعین سے روح کا مکان بھی متعین ہوگا اور اس دنیا سے ملاقات، فاتحہ اور تلاوت قرآن کا ثواب بدن کے مدفن میں پہنچے گا تو خوب نافع ہوگا۔ اس لئے بدن کو جلانا گویا روح کو بے گھر کر دینا ہے اور دفن کرنا گویا روح کے لئے ایک مسکن بنانا ہے۔ اسی بناء پر ان اولیائے کرام اور صالح مؤمنین سے نفع اور استفادہ کا سلسلہ جاری ہے جو دفن کئے گئے۔

(بخاری باب ما جاء فی قبر النبی ﷺ وابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما) ''قول اللہ عزوجل فاقبرہ اقبرت الرجل اذ جعلت لہ قبراً و قبرتہ دفنتہ کفاتا یکونون فیھا احیاء و یدفنون فیھا امواتا'' اور بخاری میں ہے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے فاقبرہ اقبرت الرجل کے معنی ہیں جب تو نے اس کے لئے قبر بنائی اور قبرتہ کے معنی تو نے اس کو دفن کیا اور کفاتا یعنی زندگی میں اس میں آباد ہوں گے اور بعد موت اسی زمین میں دفن ہوں گے۔ ثم اماتہ فاقبرہ: یعنی انسان کو اس مخلوق سے بنایا جسے دفن کیا جاتا ہے اور ان میں سے نہیں بنایا جنہیں یوں ہی پھینک دیا جاتا ہے کہ اسے کتے کھاتے رہیں اور فرمان باری تعالیٰ الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا یعنی ہم نے زمین کو سمیٹنے والی اس طرح بنایا کہ زندگی میں اس پر رہیں اور بعد موت اسی میں دفن کئے جائیں۔ (المرسلات:۲۶،۲۵)

فائدہ: ان اقوال سے ظاہر ہے کہ وہ زمین جس پر انسان زندگی گزارتا ہے بعد موت اسی میں دفن کیا جاتا ہے اور جس گڑھے میں اسے دفن کیا جاتا ہے اسی کو قبر کہتے ہیں اور میت کو درندوں کا لقمہ بننے سے بچانے کے لئے قبر میں ہی چھپا دیا جاتا ہے جو زمین میں کھودی جاتی ہے مسطح، مربع، عمیق اسی قبر کی صفات ہیں۔ سجین و علیین تو غیر محسوس اور قدرت انسانی سے باہر ہیں۔ وہاں میت کو دفن کرنے کون جاتا ہے۔

''قال تعالیٰ ولا تقم علیٰ قبرہ والمراد ولا تقف عند قبرہ للدفن والزیارۃ والقبر فی المشھور مدفن المیت ویکون بمعنی الدفن'' فرمان باری تعالیٰ ہے ولا تقم علیٰ قبرہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس کی قبر کے پاس دفن کرنے یا زیارت کرنے کے لئے مت کھڑے ہوں۔ قبر کا مفہوم مشہور ہے کہ میت کو دفن کرنے کی جگہ اور دفن کرنے کے معنی بھی ہیں۔ (روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۳۸)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مخاطب کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اس کی قبر کے پاس مت کھڑے ہوں۔ اگر قبر سے مراد زمینی گڑھا نہ لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مخاطب کو حکم ہو رہا ہے کہ سجین کے پاس کھڑے نہ ہوں پھر اس حکم کی تعمیل کیونکر ہوئی۔

مختصر یہ کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے۔ ان میں خواہ کوئی کتنا ہیر پھیر یا تاویل کرلے بات بنتی نہیں۔ ہاں تحریف قرآن کا مرتکب ضرور ہوگا۔

(۱) ''ثم اماتہ فاقبرہ'' (عبس:۲۱)، (۲) ''ولا تقم علیٰ قبرہ'' (توبہ:۸۴)، (۳) ''وان اللہ یبعث من فی القبور'' (الحج:۷)، (۴) ''وما انت بمسمع من فی القبور'' (فاطر:۲۲)، (۵) ''کما یئس الکفار من اصحاب القبور'' (الممتحنۃ:۱۳)، ''حتیٰ زرتم المقابر'' (التکاثر:۲)، (۷) ''افلا یعلم اذا بعثر مافی القبور'' (العدیات:۹)، (۸) ''واذا القبور بعثرت'' (انفطار:۴)

اس دور کا کوئی مفسر قرآن اگر ان آیات کی تفسیر اس انداز سے کرے کہ قبر کڑ ہ زمین سے نابود ہو کر علیین یا سجین پر پہنچ جائے تو ان صاحب کی جرأت کی داد دینی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائے۔

فائدہ: جو لوگ بشریت انبیاء کا انکار کرتے ہیں، ان پر فتویٰ لگایا جاتا ہے کہ یہ لوگ نصوص قرآنی کا انکار کرتے ہیں۔ جن میں بشریت انبیاء صاف صاف مذکور ہے اچھا ذرا یہ تو بتائیں کہ جو لوگ اس گڑھے کو قبر نہیں کہتے بلکہ قبر علیین سجین کو کہتے ہیں۔ وہ ان مذکورہ آیات قرآنی کے منکر نہیں؟ کیا وہی فتویٰ ان پر عائد نہیں آتا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار (الحشر: ۲)!

احادیث نبوی میں قبر کا مفہوم

۱...... ''عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ ﷺ فی مرضہ الذی لم یقم منہ لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم وصالحیھم مساجد'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اس مرض کے دوران فرمایا جس کے بعد آپ صحت یاب نہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۶۵)

ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء اور صلحا کی انہی قبروں کو سجدہ کرتے تھے جو زمین پر موجود تھیں۔ علیین میں قبروں کو سجدہ کرنے کے لئے جانا بھلا کب ان کے بس کا روگ تھا۔

۲...... ''عن القاسم قال دخلت علی عائشۃ فقلت یا امۃ اکشفی لی عن قبر رسول اللہ ﷺ وصاحبیہ فکشف لی عن ثلاثۃ قبور'' حضرت قاسم فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گیا اور کہا اماں جان مجھے حضور ﷺ کی قبر اور آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں دکھایئے تو ام المؤمنین نے مجھے، تین قبریں دکھائیں۔ (ابوداؤد ص ۱۹۲)

ظاہر ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہی قبریں دکھائیں جو زمین پر موجود تھیں۔ اگر قبر سے مراد علیین ہے تو کوئی بتائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سائل کو علیین پر کیوں کر لے گئیں۔

۳...... ''نھی (رسول اللہ ﷺ) ان یقعد علی القبر وان یجصص ویبنی علیہ'' نبی کریم ﷺ نے قبر پر بیٹھنے اور اسے پختہ کرنے اس پر مقبرہ بنانے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد باب بناء علی القبور)

قبر پر بیٹھنا اسے چونے گچ کرنا یا اس پر قبہ بنانا کوئی علیین کے متعلق تو ہے نہیں کہ حضور ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہو۔

۴...... ''ان النبی ﷺ قال یوم احد احفروا واوسعوا واعمقوا واحسنوا وادفنوا الاثنین والثلاثۃ فی قبر واحد'' حضور اکرم ﷺ نے احد کے دن فرمایا کہ قبریں کھودو کشادہ اور گہری بناؤ اور خوبصورت کھودو اور ایک ایک قبر میں دو دو تین تین میت دفن کرو۔ (مشکوۃ ص ۱۴۸)

حضور اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کی گئی کون کہہ سکتا ہے کہ صحابہ علیین میں گئے، وہاں قبریں کھودیں وسیع اور گہرا کیا اور وہیں جا کر شہداء کو دفن کیا۔

۵...... "عن ابن عمر ان النبی ﷺ اذا دخل المیت القبر قال بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ (ﷺ)" ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب میت کو قبر میں داخل کرتے تو بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ پڑھ کر داخل کرتے۔ (مشکوۃ ص ۱۴۸)

۶...... "ان النبی ﷺ حثی علی المیت ثلاث حثیات بیدیہ جمیعا و انہ رش علی قبر ابنہ ابراھیم ووضع علیہ حصباء" حضور اکرم ﷺ میت کی قبر پر تین بار دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے تھے اور حضور ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر سنگریزے رکھے۔ (مشکوۃ)

۷...... "عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ صلی علی جنازۃ ثم اتی القبر فحثی علیہ قبل راسہ ثلاثا" ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کی نماز جناہ پڑھائی پھر اس کی قبر پر آئے اور اس کے سر کی طرف سے تین بار مٹی ڈالی۔ (مشکوۃ ص ۱۴۹)

۸...... "عن انس قال شھدنا بنت رسول اللہ ﷺ تدفن و رسول اللہ ﷺ جالس علی القبر فرایت عینیہ تدمعان فقال ھل فیکم من احد لم یقارف اللیلۃ فقال ابو طلحۃ انا، قال فانزل فی قبرھا فنزل فی قبرھا" حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی بیٹی کی تدفین کے وقت ہم موجود تھے۔ حضور قبر پر بیٹھے تھے میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ پھر فرمایا تم میں سے کوئی ہے جس نے آج رات اقتراف مع المرأۃ نہ کیا ہو۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں ہوں فرمایا اس کی قبر میں اتر جا۔ پھر وہ بنت رسول ﷺ کی قبر میں اترے۔ (مشکوۃ)

۹...... "عن عمرو بن حزم قال رانی النبی ﷺ متکئا علی قبر فقال لا تؤذ صاحب ھذا القبر" عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے دیکھا تو فرمایا کہ صاحب قبر کو ایذا نہ دو۔ (مشکوۃ ص ۱۴۹)

ان احادیث کو ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ میت کو جس قبر میں داخل کرتے اور جس قبر پر دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے اور صحابہ کرام حضور ﷺ کا یہ عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے وہ اسی زمین پر ہی ہو سکتی ہیں۔ علیین میں مٹی ڈالنے کون جاتا ہے اور کون دیکھتا ہے جس قبر میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اترنے کا حکم دیا گیا اور وہ اترے اور صحابہ نے دیکھا۔ بھلا کوئی سمجھے اور باور کرے کہ وہ قبر علیین میں تھی اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ جس قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ اس کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ وہ علیین میں تھی اور عمر بن حزم رحمۃ اللہ علیہ وہاں جا کر قبر سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

۱۰...... "عن ابی مرثد الغنوی قال قال رسول اللہ ﷺ لا تجلسوا علی القبور و لا تصلوا الیھا" ابو مرثد الغنوی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قبر پر نہ بیٹھا کرو اور نہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرو۔ (مشکوۃ)

حضور ﷺ کا یہ عمومی حکم اگر ان قبروں کے متعلق دیا گیا جو علیین میں ہیں تو ماننا پڑے گا کہ اس دور میں عوام آزادانہ اور بے تکلفی سے علیین میں جاتے قبروں پر بیٹھتے اور ان کے سامنے کو ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

۱۱...... "وعن ابی سعید فاکثروا ذکر ھاذم اللذات الموت فانہ لم یأت علی القبر یوم الا تکلم فیقول انا بیت الغربۃ و انا بیت الوحدۃ و انا بیت التراب و انا بیت الدود و اذا دفن العبد المؤمن قال القبر مرحبا و اھلا اما ان کنت لاحب من یمشی علی ظھری الیّ فاذ ولیتک الیوم و صرت الی فستری صنیعی بک قال فتسع لہ مد بصرہ و یفتح لہ باب الی الجنۃ" فرمایا حضور ﷺ نے کہ لذتوں کو مٹا دینے والی یعنی موت کو اکثر یاد کیا کرو۔ قبر پر کوئی

ایسا دن نہیں گزرتا مگر وہ کہتی ہے کہ میں مسافری کا گھر ہوں میں تنہائی کا گھر ہوں اور میں مٹی کا گھر ہوں اور کیڑوں کا گھر ہوں اور جب مومن کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے خوش آمدید، میری پشت پر چلنے والوں میں سے تو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا آج جب تو مجھے سونپ دیا گیا ہے اور میرے پاس آچکا ہے اب تو دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہوں۔ فرمایا کہ قبر اس کے لئے حد نگاہ تک فراخ ہو جاتی ہے اور اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ (مشکوۃ ص ۴۵۷)

کیا یہ پکار اس قبر کی ہو سکتی ہے جو علیین میں بتائی جاتی ہے کیا وہی علیین والی قبر کہہ رہی ہے میں مٹی کا گھر ہوں میں کیڑوں کا گھر ہوں کیا علیین میں بھی مٹی اور کیڑے ہوتے ہیں۔ عبد مومن کیا اسی قبر کی پیٹھ پر چلتا تھا جو علیین میں بنی ہوئی ہے۔

۱۲...... ''واذا دفن العبد الفاجر او الکافر قال له القبر لا مرحبا و الا اھلاً اما ان کنت لا بغض من یمشی علی ظھری الیّ فاذا ولیتک الیوم و صرت الیّ فستری ضیعی قال فیلتئم علیه حتی تختلف اضلاعه الخ''

اور جب کوئی بدکار یا کافر دفن کیا جاتا ہے تو اسے قبر کہتی ہے تجھ پر پھٹکار ہو میری پشت پر چلنے والوں میں سے تو مجھے سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا۔ آج جو تو مجھے سونپ دیا گیا ہے اور میرے پاس پہنچ چکا ہے اب تو دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔ فرمایا پھر قبر مل جاتی ہے اور اس کی پسلیاں چور ہو جاتی ہیں۔ (مشکوۃ ص ۴۵۷)

اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ قبر تو سجین یا علیین میں ہوتی ہے تو کوئی فاجر یا کافر اس دنیوی زندگی میں اس کی پشت پر کیسے چلا کرتا تھا۔ مومن ہوں یا کافر چلتے تو زمین پر ہیں اور اسی زمین میں دفن ہوتے ہیں یا زمین میں ہی ان کے اجزا مل جاتے ہیں۔ اس لئے قبر سے مراد وہی گڑھا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے اور زبان رسالت سے قبر کا لفظ اسی گڑھے کے لئے بولا گیا ہے جو اس زمین میں کھودی جاتی ہے اور میت کو اس میں دفن کیا جاتا ہے۔

تمام احادیث سے جو فرمان رسول خدا ﷺ ہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں اس جسم کو ثواب عذاب ہوتا ہے جو دنیائے عالم میں زمین پر چلتا تھا اور اعمال صالحہ اور غیر صالح کرتا تھا۔ جسم مثالی کے عذاب کا قصہ خلاف حدیث رسول ﷺ اور غلط ہے۔ جسم مثالی نہ دنیا کی زمین پر چلا۔

ثواب وعذاب قبر اور سوال وجواب نکیرین کا محل

ذخیرہ احادیث نبوی میں عنوان بالا کے متعلق کثرت سے احادیث موجود ہیں۔ چند احادیث یہاں بیان کی جاتی ہیں تا کہ یہ معلوم کرنا آسان ہو جائے کہ قبر سے زمین میں محفورہ گڑھا مراد ہے یا علیین و سجین ہے؟

۱...... ''عن عثمان بن عفان قال کان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال استغفروا لاخیکم و اسئلوا له بالتثبیت فانه الان یسأل'' حضرت عثمان ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کیوں کہ اس وقت اس سے سوال و جواب ہو رہے ہیں۔

حضور ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ بعد دفن میت کی قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اب اس سے سوال و جواب ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سوال و جواب اسی قبر میں ہوتے ہیں۔ جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔

۲...... حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد ؓ بن معاذ کی وفات پر ہم لوگ جنازہ کے لئے رسول کریم ﷺ کے ہمراہ گئے'' فلما صلی علیه رسول اللہ ﷺ و وضع فی قبرہ و سوی علیه سبح رسول اللہ فسبحنا طویلا ثم

کبر فکبرنا فقیل یا رسول اللہ لم سبحت ثم کبرت قال لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ عنہ" جب حضور ﷺ نے (حضرت سعد کی) نماز جنازہ پڑھ لی اور انہیں قبر میں اتارا گیا اور مٹی ڈال دی گئی تو حضور ﷺ نے تسبیح پڑھی۔ ہم بھی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے تکبیر پڑھی ہم نے بھی تکبیر پڑھی۔ عرض کیا گیا رسول اللہ! آپ نے کیوں تسبیح پڑھی، پھر تکبیر پڑھی۔ فرمایا اس نیک بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں فراخی پیدا کردی۔

وضع فی القبر، تسویہ قبر، تنگ ہونا، پھر فراخ ہونا، جس قبر کے متعلق ہے وہ یہی گڑھا ہے۔ علیین میں وضع اور تسویہ وغیرہ کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔

۳...... "عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ یسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل الخ" حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی وہاں سے لوٹتے ہیں اور وہ ان کے پاؤں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے تو دو فرشتے اس کے پاس آجاتے ہیں پھر اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تو اس شخص (حضور اکرم) کے متعلق کیا کہتا تھا۔

۴...... "عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قبر المیت اتاہ ملکان اسودان ازرقان یقال لاحدھما المنکر والاخر النکیر فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل الخ" ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے سیاہ فام زرد آنکھوں والے آتے ہیں، ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا تھا۔

۵...... "عن براء بن عاذب عن رسول اللہ ﷺ قال یاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک الخ" حضرت براء بن عاذب رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (قبر میں میت کے پاس) دو فرشتے آتے ہیں۔ پھر اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ الخ

میت کو قبر میں رکھنا، نکیرین کا آنا، میت کو بٹھانا اور سوالات کرنا یہ سب اس قبر کی صفات ہیں جو زمین میں کھودی جاتی ہے اور اس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے نہ تو علیین میں اسے دفن کیا جاتا ہے اور نہ وہاں اسے پاؤں کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔

۶...... حضرت عمرو بن عاص نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ "فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمھا حتی استأنس لکم واعلم ما اذا ارجع بہ رسل ربی" حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب مجھے دفن کر کے مٹی ڈال چکو تو میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تمہارے ساتھ انس پکڑوں اور جان لوں کہ میرے رب کے بھیجے ہوئے کیسے لوٹتے ہیں۔[1] (مشکوٰۃ ص ۱۴۹)

---

[1] عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت اپنے بیٹوں کو کرنی کہ میرے گرداگرد کھڑے ہونا۔ بیٹے جس جسم کے بیٹے تھے اسی جسم کے ساتھ گرداگرد کھڑے ہوئے یا آپ کے جسم مثالی کے ساتھ؟ یہ جسم مثالی کے تو بیٹے نہ تھے بلکہ اس جسم عنصری سے پیدا ہوئے۔ معلوم ہوا کہ سوال و جواب، انس پکڑنا وغیرہ سب جسم عنصری کے ساتھ تھا جو دفن ہوا۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ یہی تھا کہ سوال و جواب اسی قبر میں ہوتا ہے جو زمین میں کھودی جاتی ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وصیت کا مطلب یہ کون لے سکتا ہے کہ بیٹے کو کہہ رہے ہیں۔ علیین میں آکر میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ میت کو علم ہوتا ہے، وہ سنتا ہے، بولتا ہے اور سوال و جواب روح مع الجسم سے ہوتا ہے۔

علامہ ابن حجر نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے: ''وقد ثبت الاحادیث بما ذهب اليه الجمهور كقوله انه يسمع خفق نعالهم وقوله تختلف اضلاعه لضمة القبر وقوله يسمع صوته اذ ضربه بالمطراق قوله يضرب بين اذنيه وقوله فيقعدانه وكل ذالك من صفات الاجسام'' احادیث سے وہی مذہب ثابت ہوتا ہے جو جمہور نے اختیار کیا ہے۔ مثلاً فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ وہ ان کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے اور تنگی قبر سے اس کی پسلیاں ٹوٹتی ہیں اور یہ کہ جب میت کو ہتھوڑوں سے مارتے ہیں تو اس کی آواز سنی جاتی ہے اور یہ کہ اس کے کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے اور یہ کہ اسے بٹھاتے ہیں، یہ سب جسم کی صفات میں سے ہیں۔

جمہور کا یہی مذہب ہے کہ سوال و جواب اور عذاب و ثواب روح معہ الجسم کو ہوتا ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف احادیث سے ظاہر ہے یہ سب اوصاف جسم کے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے قبر میں قعود و جلوس میت کو قعود و جلوس باطنی پر محمول کیا ہے۔

''لكن المقصود ان ما ذكره النبى صلی اللہ علیہ وسلم من اقعاد الميت مطلقا هو تناول لقعودهم بهواطنهم وان كان ظاهر البدن مضطجعاً'' لیکن فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو اقعاد میت سے متعلق ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قعود باطنی کو شامل ہے اگرچہ ظاہر بدن لیٹا ہوا ہے۔

۷...... ''عن زيد بن ثابت قال بينا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم في حائط لبنى النجار على بغلة له ونحن معه اذ جاءت به فكادت تلقيه واذا اقبر ستة او خمسة فقال من يعرف اصحاب هذه القبر قال رجل انا قال فمتى ماتوا قال فى الشرك فقال ان هذه الامة تبتلى فى قبورها فلو لا ان لا تدافنوا الدعوت الله ان يسمعكم من عذاب القبر اسمع منه'' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ہو کر بنی نجار کے باغ میں جا رہے تھے ہم آپ کے ساتھ تھے، اچانک خچر بدک گیا۔ قریب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا دیتا، وہاں پانچ چھ قبریں تھیں آپ نے فرمایا کوئی ان قبروں کے متعلق جانتا ہے؟ ایک آدمی نے کہا میں جانتا ہوں۔ فرمایا کب مرے؟ عرض کیا حالت شرک میں۔ فرمایا یہ لوگ قبروں میں ابتلاء میں پڑے ہیں۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذاب قبر سنا دیتا جو میں سن رہا ہوں۔

اس واقعہ کو سامنے رکھ کر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ قبریں علیین میں نہیں تھیں۔ خچر تو زمین پر چل رہا تھا۔ عذاب قبر سن کر بدک گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان قبروں کے پاس کھڑے تھے جو زمین میں کھودی گئی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کے متعلق فرمایا کہ ان لوگوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بہائم کو عذاب کا شور سنائی دیتا ہے۔ گو اس کے متعلق صریح احادیث بھی موجود ہیں۔ مثلاً:

۸...... "ویضرب بمطارق من حدید ضربة فیصیح صیحة یسمعها من یلیه غیر الثقلین" (بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۶) اور (منافق کو) لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا جاتا ہے وہ زور سے چیختا ہے اس کی چیخ جن اور انسان کے بغیر سب سنتے ہیں۔

امام مہلب نے لفظ یلیہ سے قرب وجوار کے ملائکہ مراد لئے ہیں اور ابن حجر نے اس کا رد کیا ہے۔

"ولا وجه لتخصیصه بالملائکة فقد ثبت ان البهائم تسمعه وفی حدیث البراء یسمعه من بین المشرق والمغرب وفی حدیث ابی سعید عند احمد یسمع خلق الله کلهم غیر الثقلین وهذا یدخل فیه الحیوان والجماد لکن یمکن ان یخص منه الجماد ویؤید ان فی حدیث ابی هریرة عند البزار یسمعه کل دابة الا الثقلین" اور ملائکہ سے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ یہ محقق ہو چکا ہے کہ معذب میت کی آواز چار پائے بھی سنتے ہیں اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مشرق سے مغرب تک سب سنتے ہیں۔ ابوسعید کی حدیث میں ہے کہ اس کی آواز تمام مخلوق سنتی ہے سوائے جن وانس کے اور اس میں تو حیوان اور پتھر بھی داخل ہیں لیکن ممکن ہے پتھر کو مخصوص کیا جائے اور اس کی تائید حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے کہ اس کی آواز کو ہر جانور سن سکتا ہے سوائے جن اور انسان کے۔

ظاہر ہے کہ حیوان زمین پر ہی چلتے پھرتے ہیں اور معذبین قبور کی آواز سنتے ہیں، علیین میں حیوان نہیں جاتے۔

۹...... حضرت ابوایوب کی روایت ہے کہ: "خرج النبی ﷺ وقد وجبت الشمس فسمع صوتا فقال یهود یعذب فی قبورها فقال اتسمع ما اسمع قلت الله ورسوله اعلم قال اسمع اصوات الیهود ویعذبون فی قبورهم" حضور اکرم ﷺ غروب آفتاب کے بعد باہر تشریف لے گئے۔ آپ نے آواز سنی، پھر فرمایا یہود کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ پھر (ابوایوب سے) فرمایا کیا تم سنتے ہو جو میں سنتا ہوں۔ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا کہ میں یہود کی آوازیں سن رہا ہوں، انہیں اپنی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ (بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۷)

۱۰...... "عن ابن عباس ان النبی ﷺ مرّ علی قبرین فقال انهما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر اما هذا فکان لایستتر من بوله واما هذا یمشی بالنمیمة" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ میں نہیں ایک تو اپنے پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا، دوسرا چغل خور تھا۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۱)

۱۱...... "ثم قال ان هذه القبور مملوّة ظلمة علی اهلها وان الله ینورها لهم بصلوتی علیهم" پھر فرمایا یہ قبریں ظلمت سے بھری ہیں اور میرے نماز جنازہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ انہیں منور کر دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۴۵)

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا گزر ان قبروں کے پاس ہوا جو زمین پر موجود تھیں اور انہی کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان قبروں میں عذاب ہو رہا ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ حضور ﷺ کا گزر معاذ اللہ علیین پر ہوا اور وہاں آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ یہاں ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ قبر محفورہ فی الارض میں نکیرین کے سوال وجواب اور اسی میں عذاب وثواب کے متعلق احادیث کثرت سے ہیں۔ ستر سے زائد احادیث متواتر ہیں اور یہ امر مخفی نہیں کہ متواترت کا انکار کفر صریح ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حقیقت کو قول فیصل سے بیان فرمایا ہے: "وقد اطبق اهل السنة على اعتباره ولم يتخالف فيه الا المعتزلة فقالوا لا يجوز ان تسمى الملائكة منكر ونكير ولم يلتفت اهل السنة الى قولهم اعتمادا على ما جاء في بعض طرق الحديث الى غير ذالك من الزيادات الواقعة في احاديث السوال على كثرتها فانها اكثر من سبعين حديثا ما من حديث فيها الا وفيه زيادة ليست في غيره فمن لم يقف الا على حديث واحد من سبعين حديثا حقه ان يسكت مع الساكتين ولا يقدم على رد الاحاديث والغائها"

اور اہل السنت والجماعت (عذاب وثواب قبر اور سوال وجواب قبر) پر متفق ہیں۔ اس مسئلہ میں ان میں سے کوئی مخالفت نہیں۔ ہاں معتزلہ مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ کا نام منکر اور نکیر رکھنا جائز نہیں اور اہل السنۃ نے ان کے اس قول کی طرف کوئی توجہ نہیں دی بوجہ اعتماد کر لینے کے ان احادیث پر جن میں بعض زیادات واقع ہو چکی ہیں۔ جو سوال کے متعلق کثرت سے وارد ہوئیں۔ وہ احادیث ستر سے زائد ہیں۔ ان میں کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں کوئی زیادتی نہ ہو جو دوسری حدیث میں نہیں ہے جو شخص ان ستر احادیث میں سے صرف ایک حدیث سے واقف ہو اس کا حق یہ ہے کہ وہ خاموش رہے اور ان احادیث کو رد کرنے اور ان کو لغو ثابت کرنے کا اقدام نہ کرے۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۳۳۹)

ہاں جسے چپ رہنا پسند نہ ہو وہ احادیث رسول ﷺ کے رد میں اور ان کو معاذ اللہ لغو ثابت کرنے میں شوق سے منہمک رہے۔ مگر اتنا ضرور کرے کہ اپنے آپ کو اہلسنت میں شمار کرنے کی غلطی نہ خود کرے نہ دوسروں کو دھوکا دے۔

ان تمام احادیث رسول خدا سے یہ ثابت ہوا کہ جس بدن انسانی کو غسل، کفن کے بعد قبر میں دفن کیا گیا ہے، وہی بدن ہے جس سے سوال وجواب ہوتا ہے۔ اسی بدن عنصری کو ثواب عذاب ہوتا ہے نہ جسم مثالی کو اور نہ نسمہ کو جو لوگ عذاب وثواب جسم مثالی اور نسمہ کو دیتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں، نہ جسم مثالی کو نہ نسمہ کو غسل دیا گیا، نہ کفن دیا گیا اور نہ دفن کیا گیا نہ ہی عذاب ہوگا۔

علامہ ابن قیم نے بھی اس بارے میں کثیر احادیث کی بنا پر یہی عقیدہ بیان فرمایا ہے۔

"ونحن نثبت ما ذكرناه فاما احاديث عذاب القبر ومسألة منكر ونكير فكثيرة متواترة عن النبی ﷺ" اور ہم ثابت کرتے ہیں اس حکم کو جو ہم نے ذکر کیا ہے، جہاں تک عذاب قبر اور نکیرین کے سوال کا تعلق ہے تو ان کے متعلق نبی کریم ﷺ کی احادیث کثرت سے ہیں اور متواتر ہیں۔ (کتاب الروح ص ۶۴)

فقہائے اہلسنت کے نزدیک قبر کا مفہوم

قرآن مجید کی آیات اور نبی اکرم ﷺ کی احادیث سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ قبر اس گڑھے کو کہتے ہیں جو زمین میں کھودا جاتا ہے اور میت کو اس میں دفن کیا جاتا ہے۔ اب فقہائے کرام کی آراء پیش کی جاتی ہیں:

"يحفر القبر ويلحد ويدخل فيه مما يلي القبلة ويقول واضعه بسم الله وعلى ملة رسول الله ﷺ ويوجه القبلة ويسوى اللبن والقصب ويسجى قبرها بثوب ولا قبره ويهال عليه التراب ويسنم القبر ولا يسطح" قبر کھودی جائے، لحد بنائی جائے اور میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کیا جائے اور قبر میں رکھنے والا کہے، بسم اللہ الخ میت کا منہ قبلہ کی طرف کیا جائے۔ لحد پر کچی اینٹیں اور سرکنڈا برابر کیا جائے اور عورت کی قبر پر ایک کپڑے سے پردہ کیا جائے مرد کی قبر کو نہیں اور قبر پر مٹی ڈالی جائے اور قبر کو کوہان کی طرح بنایا جائے اور مسطح نہ بنایا جائے۔ (شرح وقایہ ج ۱ ص ۲۵۷)

حیات پاک رحمت للعالمین ﷺ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"التحیات للہ والصلوٰت والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللھم صل علی محمد وعلی اٰل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی اٰل ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد وعلی اٰل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی اٰل ابراھیم انک حمید مجید اما بعد!

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم، صدق اللہ العظیم

تمام زبانی بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اے نبی ﷺ آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، اے اللہ تعالیٰ رحمت بھیجئے محمد ﷺ پر، اور آپ کی آل پر جیسا کہ آپ نے رحمت بھیجی ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر یقیناً آپ تعریف کے لائق اور بزرگی والے ہیں، اے اللہ تعالیٰ برکت نازل فرمایئے محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر جیسا کہ آپ نے برکت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام پر، اور ان کی آل پر یقیناً آپ تعریف کے لائق بزرگی والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ایمان والوں کو ارشاد مبارک فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ایمان والوں پر کہ بھیجا ان میں رسول ﷺ انہی میں سے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو تم پر میرا بہت بڑا احسان ہے کہ میں نے تم ہی سے تمہارے پاس اپنا رسول بھیجا ﷺ۔

ہر شئے رحمت للعالمین ﷺ کے لئے بنائی گئی

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک فرمایا۔ "لولاک لما خلقت الافلاک" (خصائص کبریٰ ص ۱۸) اے پیارے محبوب ﷺ اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو کسی چیز کو پیدا نہ کرتا۔ سبحان اللہ، تو معلوم ہوا کہ تمام جہان حضور ﷺ کے لئے پیدا فرمائے تو تمام جہانوں کی ہر شئے رحمت دو عالم ﷺ کی طفیلی ہے کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری کی خاطر تمام جہان بنائے گئے۔

نور محمدی ﷺ

ہر شئے سے پہلے خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یارسول اللہ ﷺ مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز کو پیدا فرمایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا۔ "یا جابر ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ"

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کا یہ ترجمہ فرماتے ہیں۔ اے جابر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے (یہ نہیں کہ نور الٰہی اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا فرمایا۔ (نشر الطیب ص ۶)

رحمت دو عالم ﷺ کب نبی بنائے گئے

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ بے شک میں حق تعالیٰ

قبر کھودنا، لحد بنانا، میت کو اس میں رکھنا، قبلہ رخ کرنا، قبر پر کچی اینٹیں لگانا، اس پر مٹی ڈالنا اور اس کی شکل اونٹ کی کوہان کی طرح بنانا ایسے عمل ہیں جو علیین یا سجین میں نہ کوئی کرسکتا ہے اور نہ کسی نے کئے ہیں۔ ہاں کہیں ایسے انسان بستے ہوں جو یہ تمام اعمال علیین میں جا کر کرتے ہوں تو انہیں حق پہنچتا ہے کہ اس عقیدہ کی اشاعت کرتے پھریں کہ قبر سے مراد علیین اور سجین ہے۔ لیکن زمین پر چلنے پھرنے والے گوشت پوست کے، انسان ایسی ان ہونی باتیں بنانا شروع کردیں تو ان کی دماغی حالت قابل رحم ہے۔

قبر درحقیقت نام ہے اسی زمین میں کھودے ہوئے گڑھے کا ہاں، جو شخص جل جائے یا پانی میں غرق ہوجائے یا جانور کھا جائے وہ بہرحال زمین میں ہی رہے۔ جہاں اس کا جسم یا اجزائے جسم ورود کرکے قیام کریں گے وہ اس کی قبر ہوگی۔ پانی میں غرق ہوا تو زمین پر ہی رہے گا۔ درندہ کھا گیا تو وہ بھی مرکر زمین میں ہی رہے گا۔ آگ میں جل گیا تو بھی اجزائے بدن زمین پر رہیں گے۔ جبھی تو اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ ''الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا (المرسلات: ۲۵، ۲۶) وقال منھا خلقناکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخریٰ'' (طٰہٰ: ۵۵)

کتاب وسنت اور فقہائے امت کے صریح فیصلوں کے ہوتے ہوئے اور کثرت سے موجود ہوتے ہوئے نہ جانے کچھ لوگوں کو کیسے جرأت ہوتی ہے کہ ایسے دعوے کر بیٹھتے ہیں جیسے: ''صحیح حدیث کی رو سے قدرے بیان پیش احباب کرتا ہوں......سوال جواب علیین یا سجین میں ہوتے ہیں اور وہ بھی صرف روح سے، نہ بدن سے، اور علیین سجین ہی قبریں ہیں۔'' (شفاء الصدور ص ۳۶)

غور کرنے کا مقام ہے کہ کتاب وسنت کے صریح خلاف یہ نئی تحقیق کوئی کیوں کر تسلیم کرے۔ اس انوکھی تحقیق میں بظاہر تین دعوے کئے گئے ہیں۔ اوّل، علیین سجین ہی قبریں ہیں۔ دوم سوال جواب علیین یا سجین میں ہوتے ہیں۔ یہ دعویٰ دراصل پہلے دعویٰ کی فرع ہے۔ جب جناب محقق نے قبر علیین یا سجین میں تسلیم کی تو ظاہر ہے کہ سوال جواب بھی وہیں ہوں گے۔ سوم: سوال وجواب صرف روح سے ہوتے ہیں۔

اور یہ دعویٰ بزعم خویش ''صحیح حدیث کی رو سے'' بیان فرمائے۔ صحیح احادیث اور آیات قرآنی کے ذریعہ یہ تو واضح کردیا گیا ہے کہ قبر سے مراد وہی گڑھا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے اور میت کو اس میں دفن کیا جاتا ہے۔ تیسرے دعویٰ کے متعلق اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ پیش کردینا ضروری ہے۔ اب ہم ان محقق صاحب سے یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ذرا وہ صحیح حدیث پیش تو کریں جس کی بنیاد پر اتنا بڑا دعویٰ کرنے کی جسارت آپ نے فرمادی۔ کہیں اس حدیث کا مصداق بننے کا شوق تو نہیں چرایا کہ: ''من کذب علیٰ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار''

ثواب وعذاب قبر

سوال وجواب اور عذاب وثواب قبر پر فقہاء کی تصریح

سوال وجواب قبر وعذاب قبر کے سلسلے میں فقہائے کرام نے یہاں تک صراحت فرمادی کہ: ''والسؤال فی القبر بان مات ولم یدفن ایاما بان جعل فی التابوت لیحمل من مصر الی مصر آخر مالم یدفن لا یسئل'' جو

شخص مر گیا اور اسے دفن نہیں کیا گیا بلکہ تابوت میں ایک شہر سے دوسرے شہر لے جایا گیا تو اس کا سوال قبر کا معاملہ مؤخر کیا جاتا ہے جب تک دفن نہ کیا جائے سوال نہیں ہوتے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۶)

میت سے سوال و جواب اس وقت ہوں گے جب دفن کیا جائے گا یعنی جب تک زمین میں جو اس کا ٹھکانہ ہے قرار نہ پکڑے گا۔ سوال و جواب نہیں ہوں گے اور ظاہر ہے کہ سوال و جواب کے بعد ہی عذاب قبر شروع ہوگا۔

عذاب قبر کے عقیدہ کے متعلق فقہائے کرام نے جو وضاحت فرمائی اس کا مختصر بیان کر دینا ضروری ہے۔

۱...... ''وتکفیر من انکر الرؤیۃ والحوض والشفاعۃ وعذاب القبر'' (احناف نے) رویت باری تعالیٰ حوض کوثر، شفاعت اور عذاب قبر کے منکر کی تکفیر ہے۔ (الفرق بین الفرق ص ۳۲۷)

۲...... ''والمراد بالمبتدع من یعقتد شیئا علی خلاف مایعتقدہ اہل السنۃ والجماعت انما یجوز الاقتداء بہ مع الکراھۃ اذا لم یکن ما یعتقدہ یؤدی الی الکفر عند اھل السنۃ اما لو کان مؤدیا الی الکفر فلا یجوز اصلاً کالغلات من الروافض الذین یدعون الالوھیۃ لعلیؓ او ان النبوۃ کانت لہ فغلط جبرائیل فھو ذالک مما ھو کفر و کذا من یقذف الصدیقۃ او ینکر صحبۃ الصدیق او خلافتہ او لیسب الشیخین و کالجھمیۃ والقدریۃ والمشبھۃ القائلین بانہ تعالیٰ جسم کالاجسام ومن ینکر الشفاعۃ او الرویۃ او عذاب القبر او الکرام الکاتبین......وان کان ماذھب الیہ عند التحقیق فی حد ذاتہ کفر المنکر الرویۃ وعذاب القبر''

اور بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جو اہلسنت کے خلاف عقیدہ رکھے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ اگر اس کا عقیدہ کفر تک نہ پہنچا ہو اور جب اس کا عقیدہ کفر تک پہنچ جائے تو نماز ہرگز جائز نہ ہوگی۔ مثلاً غالی رافضی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل ہو یا اس بات کا قائل ہو کہ نبوت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا، جبرائیل علیہ السلام نے غلطی کی اور اسی طرح جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا منکر ہو یا ان کی خلافت کا منکر ہو یا شیخین کو گالیاں دے اور فرقہ جہمیہ اور قدریہ اور مشبہ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہے جیسے دوسرے اجسام ہیں اور وہ شخص جو شفاعت کا انکار کرے یا رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو یا عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا منکر ہو اور یہ محقق ہو چکا ہے کہ انکار رویت باری تعالیٰ اور انکار عذاب قبر کفر ہے۔ (کبیری ص ۴۷۶)

اب منکرین عذاب قبر اپنے متعلق سوچ لیں کہ وہ اپنے آپ کو کس منہ سے اہلسنت والجماعت میں شامل کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔

۳...... ''ولایجوز الصلوٰۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی ﷺ وینکر کرام الکاتبین وعذاب القبر و کذا من ینکر الرویۃ لانہ کافر'' اور جو شخص شفاعت رسول ﷺ کا انکار کرے کراماً کاتبین اور عذاب قبر کا انکار کرے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں اسی طرح جو رویت کا منکر ہو اس کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں، کیوں کہ وہ کافر ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۴۹)

۴۔ عذاب قبر کا عقیدہ رکھنا ضروریات دین سے ہے

(بریقہ محمودیہ ج ۱ ص ۲۲۹) ''ومن التصریح ان احادیث عذاب القبر بالغۃ الی حد التواتر المعنوی وایضاً قالوا بان عذاب القبر حق بالاجماع مستندا بالکتاب والسنۃ قبل ظھور المخالف فلا یضر وقوع

الخلاف لتقرر الاجماع اذ الاختلاف الاحق لا یضر الاجماع السابق بل نفس الخلاف ساقط لکونہ خرقا للاجماع و خرق الاجماع باطل فاقول و الذی تقتضیہ القاعدۃ ھو کفر انکار عذاب القبر علی انہ لا یبعد ان یکون من قبل الضروریات الدین"

اور صاف بات یہ ہے کہ عذاب قبر کی احادیث تواتر معنوی تک پہنچ چکی ہیں اور کہا کہ عذاب قبر بالاجماع حق ہے۔ یہ مسئلہ مخالفت کے ظہور سے پہلے کتاب وسنت سے مستند ہو چکا ہے اس لئے بعد کا خلاف معتبر نہ ہوگا۔ بوجہ تقرر اجماع کے کیوں کہ اختلاف لاحق، اجماع سابق کو نقصان نہیں دے سکتا بلکہ اختلاف ساقط ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اختلاف خارق اجماع ہے اور خرق اجماع باطل ہے۔ پس قانون کا تقاضا یہ ہے کہ عذاب قبر کا انکار کفر ہے۔ بعید نہیں کہ عذاب قبر کا مسئلہ ضروریات دین سے ہو۔

۵...... عذاب قبر کا عقیدہ رکھنا ضروریات دین سے ہے اور ضروریات دین میں تاویل کر کے اصل کو ہی مسخ کر دینا نا قابل التفات ہے: "ولا تجوز الصلوٰۃ خلف من انکر بعض ماعلم من ضرورۃ للکفر ولا یلتفت الی تاویلہ و اجتھادہ" اس کے پیچھے نماز جائز نہیں جو بعض ضروریات دین کا انکار کرے اور یہ بوجہ اس کے کفر کے ہے اور اس کی تاویل اور اجتہاد کی طرف مطلق توجہ نہ دی جائے۔ (طحطاوی ج ۱ ص ۱۷۶)

۶...... علامہ شامی نے منکرین عذاب قبر کو معتزلہ میں شمار کیا ہے: "وجھل المبتدع کالمعتزلۃ مانعی الثبوت الصفات الزائدۃ و عذاب القبر و الشفاعۃ" اور معتزلہ مبتدعین کی جہالت ہے کہ ثبوت زائدہ صفات باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور عذاب قبر اور شفاعت کے منکر ہیں۔ (شامی ج ۱ ص ۵۰۴)

۷...... (بریقہ محمودیہ ج ۱ ص ۲۷۴) "ثم انہ ھل یکفر جاحد عذاب القبر و فی بعض الفتاوی کالتتارخانیہ یکفر و فی بعضھا لا یکفر و ھو مشکل مع دعوی للتواتر احادیثھا کما سبق الاشارۃ الیہ قال الدوانی الاحادیث الصحاح ھنا بالغۃ الی التواتر المعنوی" پھر یہ کہ کیا عذاب قبر کا منکر کافر ہے؟ بعض فتاویٰ مثلاً تاتارخانیہ میں ہے کہ کافر ہے اور بعض میں ہے کہ کافر نہ ہوگا مگر یہ عدم کفر کا فیصلہ مشکل ہے۔ جب کہ تواتر احادیث کا دعویٰ بھی کیا جائے جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے اور دوانی نے کہا ہے کہ عذاب قبر کی احادیث صحیحہ تواتر معنوی تک پہنچ چکی ہیں۔

۸...... ابوالشکور السالمی نے تمہید (۱۲۵) پر فرمایا: "فاما عذاب القبر للمؤمنین من الجائزات و للکافرین من الواجبات و اللہ تعالٰی یقول النار یعرضون علیھا غدوا و عشیاً یعنی فرعون و قومہ دلّ انہ کان صحیحاً فی ای موضع و علی ای حال و من انکر ھذا فھو بصیر کافر" جہاں تک عذاب قبر کا مسئلہ ہے مومن کے لئے جائز اور کافر کے لئے واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "النار یعرضون علیھا الخ" یعنی عذاب نار فرعون اور قوم فرعون کو صبح و شام ہوتا ہے۔ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عذاب ہوتا ہے۔ جہاں ہوں جس حال میں ہوں اور جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

۹...... مولانا عبدالعلی بحر العلوم فرماتے ہیں: "منکر الشفاعۃ لاھل الکبائر و الرویۃ و عذاب القبر و منکر کراما الکاتبین کافر" اہل کبائر کے لئے شفاعت کا منکر رویت، عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا منکر کافر ہے۔ (رسائل ص ۹۹)

۱۰...... علامہ قرطبی فرماتے ہیں: "فاعلموا ایھا الاخوان ان عذاب القبر و نعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ و لکن اللہ تعالی یاخذ بابصار الخلائق و اسماعھم من الجن و الانس عن رویۃ عذاب

القبر لحکمۃ الٰہیۃ و من شک فی ذالک فھو ملحد" برادران من اخوب سمجھ لو کہ عذاب قبر اور اس کی نعمتیں حق ہیں جیسا کہ احادیث صحیحہ تصریح کرتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ حکمت الٰہیہ کے تحت مخلوق کی آنکھوں اور کانوں کو عذاب قبر دیکھنے اور سننے سے باز رکھتا ہے جو شخص شک کرے وہ ملحد ہے۔ (تذکرہ ص ۳۹)

۱۱...... صاحب بریقہ فرماتے ہیں کہ منکر عذاب قبر سے تو بہ کرائی جائے ورنہ: "والا فھو خارج عندنا من الدین فلا یصلی علیہ ولا تتبع جنازتہ لما فیہ موالستھم ونحن مامورون بمقاطعتھم ومعاداتھم" ہمارے نزدیک وہ دین سے خارج ہے اس لئے اس کے جنازہ میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔ کیوں کہ ایسا کرنے میں انس ثابت ہوتا ہے اور ہمیں ایسے لوگوں سے مقاطعہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (بریقہ ج ۱ ص ۲۴۳)

۱۲...... رئیس الفقہاء ورأس المحققین حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں: "ولا تجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرویۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتوارث ھذہ الامور عن الشارع علیہ السلام" شفاعت، رویت، عذاب قبر اور کراماً کاتبین کے منکر کے پیچھے نماز جائز نہیں کیوں کہ وہ کافر ہے ان امور کا انکار کرتا ہے جو بطور تواتر اور توارث کے شارع علیہ السلام سے ثابت ہیں۔

۱۳...... (کوکب دری ج اوّل ص ۳۲۵) "قال اھل السنۃ والجماعۃ عذاب القبر حق وسوال منکر ونکیر حق وضغطۃ القبر حق لکن ان کان کافراً فعذابہ یدوم الی یوم القیامۃ ویرفع عنہ یوم الجمعۃ وشھر رمضان فیعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسم فیتألم الروح مع الجسد وان کان خارجا منہ" اہل السنت والجماعت نے کہا کہ عذاب قبر حق ہے۔ سوال وجواب نکیرین حق ہے اور قبر کی تنگی حق ہے لیکن کافر کو عذاب دائمی ہوتا ہے اور جمعہ کے روز اور ماہ رمضان میں عذاب اٹھ جاتا ہے۔ پس عذاب گوشت کو ہوتا ہے جب کہ روح اس سے متصل ہوتی ہے۔ پس عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ اگرچہ روح بدن سے باہر ہو۔

اہلسنت والجماعت کے فقہائے کرام کا حاصل تحقیق پیش کر دیا گیا۔ اس سے اہلسنت کا عقیدہ واضح ہو گیا۔ ہمارے جدید محققین جو بہ تکلف اپنے آپ کو اہلسنت میں شامل سمجھتے ہیں۔ مگر جمہور کی مخالفت کرنا مقصد زندگی بھی سمجھتے ہیں۔ مگر سادگی و پرکاری ملاحظہ ہو کہ فرماتے ہیں کہ "ہم عذاب وثواب قبر کے منکر نہیں۔ مگر عذاب وثواب سجین وعلیین میں ہوتا ہے اور قبر میں میت کو اگر عذاب وثواب بوجہ حیات بسیط کے ہو تو ممکن ہے۔"

یہ اگر اور ممکن آخر کیا معنی رکھتا ہے، جب صحیح اور متواتر احادیث کی رو سے عذاب وثواب قبر کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے تو یہ اگر اور ممکن کا تکلف کیوں؟ سجین اور علیین دفتر اعمال ہیں۔ قرآن نے سجین کو سجین اور علیین کو علیین فرمایا ہے۔ قبر کو نہ سجین فرمایا ہے نہ علیین بلکہ قرآن مجید، احادیث نبوی اور فقہائے اہلسنت کی تصریح گزر چکی ہے کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے جس کا محل زمین ہے تو عذاب وثواب قبر بھی اسی گڑھے سے متعلق ہے۔

مانا! کہ آپ سجین وعلیین میں عذاب وثواب کے قائل ہیں۔ قبر کے عذاب وثواب کے تو منکر ہی ہیں اور اس انکار کو آپ "اگر" اور "ممکن" کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کیوں فرماتے ہیں۔ صاف فرمادیں کہ ہم عذاب وثواب قبر کو نہیں مانتے ہیں۔ آخر معتزلہ، کرامیہ اور صالحیہ بھی تو اتنی جرأت دکھا گئے ہیں۔

عذاب وثواب قبر کے متعلق اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ

عذاب وثواب قبر کے متعلق اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ملاحظہ ہو:

1...... (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۷۷) "والعقد الاجماع علی أن عذاب القبر علی الروح والجسد معاً" امت برحق کا اجماعی عقیدہ ہے کہ عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

2...... (کتاب الروح ص ۶۲) "وقد سئل شیخ الاسلام عن هذه المسئلة ونحن نذکر لفظ جوابه فقال بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعاً" اس مسئلہ کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سوال کیا گیا اور ہم ان کے الفاظ بیان کرتے ہیں کہ فرمایا کہ عذاب اور نعمتیں روح اور بدن، دونوں کے لئے ہیں۔

3...... (ایضاً ص ۶۳) "ان مذهب سلف الامة والمتها ان المیت اذا مات یکون فی نعیم او عذاب وان ذالک یحصل لروحه وبدنه" سلف صالحین اور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ بعد موت میت یا راحت میں ہے یا عذاب میں اور یہ دونوں (عذاب وثواب) روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

4...... (ایضاً ص ۶۶) "وهذا بین فی اٰکاب العذاب علی الروح والبدن مجتمعین" اور یہ ظاہر ہے کہ عذاب روح اور بدن دونوں پر اکٹھا ہوتا ہے۔

5...... (شرح الصدور ص ۹۴) "وفی القبور یشترک الروح والجسد ای فی العذاب" اور قبروں میں روح اور جسم عذاب میں شریک ہیں۔

6...... (شرح عقیدۃ الطحاوی ص ۳۳۰) "وکذالک عذاب القبر یکون للنفس والبدن جمیعاً باتفاق اهل السنة والجماعة" اسی طرح عذاب قبر روح اور جسم دونوں کے لئے اکٹھا ہے۔ اس پر اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے۔

7...... (کتاب الروح ص ۱۰۸) "والظاهر والله اعلم کل نبی مع امته کذالک وانهم معذبون فی قبورهم بعد السوال لهم واقامة الحجة علیهم کما یعذبون فی الاخرة بعد السوال واقامة الحجة" ظاہر تو یہ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہر نبی (سوال وجواب) میں اپنی امت کے ہمراہ ہوگا اور سوال کے بعد وہ اپنی قبروں میں معذب ہوں گے۔ جب حجت قائم ہو جائے گی۔ جس طرح آخرت میں بعد سوال اور اقامت حجت معذب ہوں گے۔

8...... (ایضاً ص ۱۴۲) "والسنة والصریحة المتواترة وقول هؤلاء وهؤلاء وتبین ان العذاب علی الروح الجسد مجتمعین ومنفردین" اور سنت صریح اور متواتر ان دونوں کے قول کو رد کرتی ہے (جو صرف روح کے عذاب کے قائل ہیں اور جو صرف بدن کے عذاب کے قائل ہیں) اور ظاہر ہے کہ عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ خواہ اکٹھے ہوں خواہ منفرد ہوں۔

9...... (شفاء السقام ص ۱۹۴) "ان عذاب القبر ونعیمه للجسد والروح جمیعا" عذاب قبر اور قبر کی راحتیں جسم اور روح دونوں کے لئے ہیں۔

اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ اجمالی طور پر پیش کیا گیا ہے۔

عذاب وثواب قبر کے متعلق فرق باطلہ کے عقائد

اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ بیان ہو چکا ہے کہ قبر سے مراد زمینی گڑھا ہے۔ سوال وجواب اسی قبر میں ہوتے ہیں اور عذاب وثواب قبر روح مع الجسم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اہل باطل نے مختلف عقائد کا اعلان اور پرچار کیا ہے۔ ان کی کچھ تفصیل دی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو لوگ عقائد اہل باطل کے رکھتے ہیں مگر اپنے آپ کو اہلسنت ظاہر کرتے ہیں وہ اپنے رویے پر نظر ثانی کر کے خود فریبی سے بچ جائیں اور اللہ کے بندوں کو گمراہ نہ کریں۔

ا۔ عذاب وثواب قبر کا مطلق انکار

یہ عقیدہ ضرار بن عمرو بشر المریسی اور متاخرین معتزلہ کا ہے: "وانکرہ مطلقا ضرار بن عمرو وبشر المریسی واکثر المتاخرین من المعتزلۃ" ضرار بن عمرو، بشر مریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے۔ (شرح مواقف ص ۷۱۵)

"وانکر جماعۃ منھم عذاب القبر راساً مثل ضرار ویحیی بن کامل وھو قول المریسی فھذہ اقوال اھل الحیرت والضلال" اور ایک جماعت نے عذاب قبر کا بالکل انکار کر دیا۔ مثلاً ضرار، یحیٰی بن کامل اور بشیر المریسی۔ پس یہ اقوال اہل حیرت اور اہل ضلال کے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۷۱)

۲۔ عذاب قبر صرف کفار کے لئے ہے

یہ عقیدہ جبائی اس کے بیٹے اور بلخی کا ہے: "والبت الجبائی وابنہ والبلخی عذاب القبر ولکنھم نفوہ عن المؤمنین والبتوہ لاصحاب التخلید من الکفار والفساق علی اھوائھم" جبائی اور اس کے بیٹے اور بلخی نے عذاب قبر کا اقرار تو کیا ہے۔ مگر مومنوں کے لئے نفی کر دی ہے اور عذاب قبر کو کفار یا فساق کے لئے ثابت کیا ہے جو ان کے عقیدہ کے مطابق ہمیشہ کے لئے جہنمی ہیں۔

۳۔ سوال وجواب اور عذاب وثواب دو نفخوں کے درمیان ہوں گے

یہ عقیدہ ابوالہذیل اور مریسی کا ہے: "واما اقوال اھل البدع والضلال فقال ابو الھذیل والمریسی عن خرج عن سمۃ الایمان فانہ یعذب بین النفختین والمسئلۃ القبر انما تقع فی ذالک الوقت" رہا اہل بدعت اور اہل ضلال کے اقوال کا سوال تو ابوالہذیل اور مریسی نے کہا ہے کہ جو شخص ایمان سے نکل چکا ہے اس کو دو نفخوں کے درمیان عذاب ہوگا اور سوال وجواب قبر بھی اس سے دو نفخوں کے درمیان ہی ہوں گے۔ (کتاب الروح ص ۷۰)

اور (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲) "وذھب الھذیل ومن تبعہ الی ان المیت لایشعر بالتعذیب ولا بغیرہ الا بین النفختین قالوا حالہ کحال النائم والمغشی علیہ لا یحس بالضرب ولا بغیرہ الا بعد الافاقۃ والاحادیث الثابت فی السوال حالۃ تولی اصحاب المیت منہ ترد علیھم" الہذیل اور اس کے اتباع کا عقیدہ یہ ہے کہ میت کو عذاب وثواب کا شعور صرف دو نفخوں کے درمیان ہوگا وہ کہتے ہیں کہ ان کی حالت ایک محو خواب یا بیہوش آدمی کی سی ہے۔ اسے مار پیٹ کا احساس نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ حالت خواب یا بیہوشی سے

نکل آئے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سوال اس وقت ہوتا ہے جب میت کے ساتھی اسے دفن کر کے لوٹ رہے ہوتے ہیں۔ یہ احادیث اہل ضلال کے اقوال کی تردید کرتی ہیں۔

۴۔ بدن کو عذاب تو ہوتا ہے مگر حیات بسیط سے

جو بغیر اعادہ روح اور بغیر اتصال روح کے ہوتا ہے یعنی بدن انسانی ایک پتھر کی طرح ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ کرامیہ، صالحیہ اور صالح قبہ کا ہے۔

"وقال الصالحی و صالح قبة عذاب القبر يجری علی المؤمن من غير رد الارواح الی الاجساد والميت يجوز ان يألم ويحس ويعلم بلا روح وهذا قول جماعة من الكراميه" صالحی اور صالح قبہ نے کہا کہ عذاب قبر مومن کو ہوتا ہے مگر روح کو جسم میں لوٹائے بغیر ہوتا ہے اور میت کے لئے جائز ہے کہ روح کے بغیر الم کو محسوس کرے اور یہی قول کرامیہ کی ایک جماعت کا بھی ہے۔ (کتاب الروح ص ۷۱)

یہاں نئی تحقیق کا ماحصل بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا وہاں بات کرامیہ کی ہے اور اپنا عقیدہ بنا کر وہ حضرات پیش کر رہے ہیں جو اپنے آپ کو خالص اہلسنت والجماعت کہتے ہیں۔

۱...... "باقی اس جسم عنصری کی صورت نوعیہ بعد از موت ختم ہو جاتی ہے حیات ترکیبی ختم ہونے کے بعد اگر باری تعالیٰ اس کو حیات بسیط کے ساتھ عذاب دیں تو کچھ بعید نہیں۔" (اقوال مرضیہ ص ۵۲)

۲...... "ہاں کبھی کبھی مرنے کے بعد اس جسد عنصری پر بھی ثواب و عذاب کے آثار نمایاں ہوتے ہیں بندوں کی عبرت و رغبت کے لئے اور اس کو عالم مثال میں بغیر تعلق روح کے حیات بسیط کے ساتھ عذاب و ثواب ہوتا ہے۔" (اقوال مرضیہ ص ۵۵)

کیا ہی اچھا ہوتا کہ صاحب اقوال مرضیہ فرما دیتے کہ وہ کرامیہ اور صالحیہ کے عقائد رکھتے ہیں۔ کیوں کہ ہر شخص کو آزادی ہے جو عقیدہ پسند کرے اپنا لے۔ مگر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینا تو موزوں نہیں۔

۵۔ سوال و جواب اور عذاب و ثواب قبر صرف بدن کو ہوتا ہے

یہ عقیدہ ابن جریر اور کرامیہ کی ایک جماعت کا ہے: "وقد اخذ ابن جرير وجماعة من الكرامية من هذه القصة۔ ان السؤال فی القبر يقع علی البدن فقط" ابن جریر اور کرامیہ کی ایک جماعت نے قلیب بدر کے قصہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوتا ہے۔ (یہ ابن جریر کرامی ہے امام ابن جریر مفسر نہیں)

علامہ ابن تیمیہ نے اس کی تردید فرمائی ہے: "مع سائر الاحاديث الصحيحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن اذا المسئلة للبدن بلا روح قول قاله طائفة من الناس والكره الجمهور" باوجودیکہ احادیث صحیح متواترہ عود روح الی الجسد پر دلالت کرتی ہیں۔ مگر ایک جماعت پھر بھی کہتی ہے کہ سوال و جواب بدن بلا روح سے ہوتے ہیں۔ جمہور نے ان کے قول کا انکار کیا ہے۔

۶۔ عذاب و ثواب صرف روح کو ہوتا ہے

یہ عقیدہ ابن ہبیرہ، ابن میسرہ اور ابن حزم ظاہری کا ہے: "قول من يقول ان النعيم والعذاب لا يكون

الاعلی الارواح وان البدن لا ینعم ولا یعذب وھذا لقولہ الفلاسفۃ۔ المنکرون لمعاد الابدان وھولاء کفار باجماع المسلمین" اور یہ قول کہ عذاب و راحت صرف روح کے لئے ہے بدن کو نہ عذاب ہے نہ راحت اور یہ قول ان فلاسفہ کا ہے جو حشر جسمانی کے منکر ہیں اور مسلمانوں نے بالاتفاق ان کو کافر قرار دیا ہے۔ (کتاب الروح ص ۶۲)

"ذھب ابن حزم وابن ھبیرۃ الی ان السوال یقع علی الروح فقط من غیر عود الروح الی الجسد و خالفھم الجمھور۔" ابن حزم اور ابن ھبیرہ کا عقیدہ ہے کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور روح جسد میں لوٹائی نہیں جاتی مگر جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۹۲)

۷۔ عذاب وثواب نہ بدن کو ہوتا ہے نہ روح کو

یہ عقیدہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کا ہے یہ وہ عقیدہ ہے جو نمبرا پر ضرار بن عمرو، بشیر المریسی اور متاخرین معتزلہ کا بیان ہو چکا ہے۔ (جواہر القرآن ج ۲ ص ۹۰۴)

"فالقول الثابت ان اجزاء البدن من المیت لا سماع لھا ولا شعور ولا فرح ولا سرور فی البرزخ" صحیح قول یہ ہے کہ میت کے اجزائے بدن نہ سنتے ہیں نہ ان میں شعور ہوتا ہے اور نہ عالم برزخ میں فرحت اور سرور ہوتا ہے۔ (جواہر القرآن ج ۲ ص ۹۰۵)

حضرت مولانا شیخ القرآن کی تحقیق

"شیخ قدس سرہ کی تحقیق یہ ہے کہ برزخ میں لذت والم اور سرور و عذاب روح کو ہرگز نہیں ہوتا۔ روح ایک ایسی چیز ہے جو احساس الم سے ماوراء ہے اسے تکلیف تو کسی حال میں نہیں ہوتی البتہ اسے لذت وسرور کا احساس ضرور ہوتا ہے۔

۱...... اگر یہ شیخ کی تحقیق ہوتی تو ماخذ ضرور بیان کیا جاتا ہے۔ اس لئے شیخ سے مراد شیخ القرآن خود ہی ہو سکتے ہیں۔

۲...... بیان میں تضاد ظاہر ہے۔ پہلے جملے میں ہے لذت وسرور کا احساس ہرگز نہیں ہوتا۔ دوسرے جملے میں ہے لذت وسرور کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ عبارت سے تضاد رفع نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ان کے عام رویہ سے مطابق پہلا قول راجح ہوگا کہ روح کو عذاب وثواب کا احساس نہیں ہوتا۔

دونوں تحقیقوں کو ملا کہ نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب وثواب برزخ نہ روح کو ہوتا ہے نہ جسم کو۔

علامہ ابن قیم اور ابن حجر کی تحقیق اور وضاحت

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن حجر نے ان حقائق کی وضاحت فرمائی ہے:

۱...... ابن ھبیرہ اور ابن حزم کا عقیدہ ہے کہ سوال صرف روح سے ہوتے ہیں جسم میں عود روح نہیں ہوتا اور جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے۔

۲...... جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے وہ معاد ابدان کے منکر ہیں اور بالاجماع اسلام سے خارج ہیں۔ اب ذرا ان عبارتوں پر غور کیجئے:

۱...... احادیث میں عذاب وثواب کے واقعات اکثر جو آئے ہیں اس سے روح کے عذاب وثواب کو بتایا گیا ہے۔ (شفاء الصدور ص ۳۶)

۲...... جس سے منکرین سوال بھی کرتے ہیں دراصل وہ روح کی قبر ہے۔ (شفاء الصدور ص ۳۶)

۳...... منکرین کے سوال و جواب روح سے علیین سجین میں ہوتے ہیں نہ اس قبر میں۔ (اقوال مرضیہ ص ۲۲)

جو عقیدہ انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دے اسے شفاء الصدور کا نسخہ کہا جائے اور جس قول کو جمہور بالاجماع مردود قرار دیں اسے اقوال مرضیہ میں شمار کیا جائے: اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

علامہ ابن قیم نے ان تمام مبتدعین ہوئی کے متعلق فرمایا ہے کہ

"فجمیع ھولاء الطوائف ضلال فی امر البرزخ" یہ تمام مذاہب برزخ کے معاملے میں بھٹکے ہوئے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۶۳)

اس باب میں جن عقیدہ کا بیان ہوا ہے بالاجماع سب باطل ہیں۔

اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ

اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے:

۱...... قبر وہی ہے جو انسان اپنے ہاتھوں سے اس زمین میں کھودتے ہیں اور میت کا بدن جہاں قرار پکڑتا ہے۔

۲...... منکرین کے سوال اسی زمینی گڑھے میں ہوتے ہیں۔

۳...... عذاب و ثواب قبر اسی گڑھے میں ہوتا ہے اور جسم اور روح دونوں کو، ہوتا ہے۔

۴...... علیین اور سجین کی حدود اسی گڑھے سے شروع ہوتی ہیں۔

سوال: اگر یہ امور تسلیم کیے جائیں تو متعدد حدیثوں کا انکار کرنا پڑتا ہے مثلاً جانور کھا جائے یا جل جائے یا پانی میں غرق ہو جائے تو ان صورتوں میں میت کے لئے قبر کھودی ہی نہیں گئی تو پھر اس قبر میں عذاب و ثواب کیسا؟

الجواب: اس اشکال کا اجمالی جواب تو گزشتہ باب میں دیا جا چکا ہے۔ مگر اب تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

۱...... جانور کے کھا جانے کا واقعہ: "قال اللہ تعالیٰ: فلولا انه كان من المسبحين للبث فی بطنه الی یوم یبعثون" اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک جانور زندہ ہے اس کا بطن ہی قبر ہے اور جانور مرنے کے بعد زمین پر ہی قرار پکڑے گا اور وہی قبر ہوگی جو لازماً زمین پر ہی ہوگی۔ (الصافات: ۱۴۳، ۱۴۴)

۲...... آگ میں جل جانے کا واقعہ: بخاری اور مسلم میں ایک واقعہ موجود ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا جسم جلا دینا۔ نصف راکھ خشکی پر بکھیر دینا اور نصف سمندر میں پھینک دینا۔

"فلما حضره الموت اوصی بنیه اذا مات فحرقوه ثم اذروا نصف فی البر و نصفه فی البحر و من قال فامر اللہ البحر فجمع ما فیه و اما البر فجمع ما فیه ثم قال له لم فعلت هذا قال من خشیتک یا رب"

جب اس کی موت کا وقت آیا اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو اسے جلا دینا اس کی راکھ آدھی تو خشکی پر اڑا دینا آدھی سمندر میں پھینک دینا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا اور اس کی راکھ جمع ہوئی پھر خشکی پر کی راکھ اکٹھی ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا تو نے یہ سب کچھ کیوں کیا۔ اس نے کہا اے میرے پروردگار تیرے ڈر سے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۰۷)

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ بحر و بر سے راکھ جمع ہوئی بحکم رب العالمین۔ پھر اس بدن سے جو جمع شدہ راکھ سے بنا تھا روح کا تعلق قائم کیا گیا پھر روح مع البدن سے سوال کیا گیا۔ اگر سوال علیین یا سجین میں ہوتا ہے اور صرف

روح سے ہوتا ہے تو راکھ کے ذرات کو جمع کرنے کا تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔

۳...... "ما کلم اللہ احدا قط الا من وراء حجاب واحیاء اباک فکلمه کفاحا فقال یا عبدی تمن علیّ اعطیک قال یا رب تحیینی فاقتل فیک ثانیة ای جابر" (اے جابر) اللہ تعالیٰ نے کسی بندے سے بالمشافہ گفتگو نہیں کی۔ اگر کی تو پس پردہ اور تیرے باپ کو اللہ نے زندہ کیا پھر بالمشافہ کلام کیا اور فرمایا اے میرے بندے مانگ جو مانگتا ہے۔ میں تمہیں دوں گا، عرض کیا اے میرے رب مجھے زندہ کرتا کہ پھر تیری راہ میں جان دوں۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۲۵)

احیا اباک سے ظاہر ہے کہ کسے زندہ کیا۔ روح تو زندہ تھی جسم کا تعلق روح سے قائم کیا پھر بالمشافہ گفتگو ہوئی۔ یعنی اعادہ روح، برزخ میں کلام روح مع الجسم ثابت ہوا گر کلام کرنے کے لئے سماع فہم وادراک اور حیات شرط ہے تو یہ سب امور ثابت ہیں۔

۴...... پانی میں غرق ہونے کا واقعہ: "قال اللہ تعالیٰ: اغرقوا فادخلوا نارا" (نوح:۲۵)

فادخلوا میں "فا" تعقیب بلا مہلت کے لئے ہے جوں ہی پانی میں غرق ہوئے آگ میں داخل کئے گئے اور ظاہر ہے پانی میں روح غرق نہیں کئے گئے تھے بلکہ جسم غرق کئے گئے تھے تو جو غرق ہوئے وہی آگ میں بھی جھونکے گئے اور یہ سارا معاملہ وہیں ہوا جہاں غرق کئے گئے۔ سجین میں تو غرق نہیں کئے گئے تھے کہ وہاں ان سے یہ معاملہ ہوا اور جسم سجین میں غرق کیوں کر ہوئے یعنی یہی زمین ان کی قبر بنی اسی میں عذاب روح مع الجسم کو دیا گیا۔

۵...... "وقال تعالیٰ وحاق بآل فرعون سوء العذاب" "النار یعرضون علیها غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب" (المؤمن:۴۵،۴۶)

فرعونی بھی اسی بحیرہ قلزم میں غرق ہوئے جو زمین پر موجود تھا اور اب بھی ہے۔ غرق ہونے کے بعد زمین ہی ان کے لئے قبر بنی۔ صبح وشام دوام واستمرار کے لئے ہے۔ مگر صبح شام کا تعلق زمین ہی سے ہے۔ سجین میں صبح وشام نہیں۔

حافظ ابن کثیر نے اس آیت پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا: "وهذه الایة اصل کبیر فی استدلال اهل السنة علی عذاب البرزخ فی القبور" یہ آیت قبر میں عذاب برزخ کے بارے میں اہلسنت کے استدلال کی بہت بڑی بنیاد اور اصل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۳۲ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

قرآن وسنت سے ثابت ہو گیا کہ آدمی خواہ جل جائے، غرق ہو جائے جانور کھا جائے۔ اس کے بدن کے اجزاء منتشر ہو جائیں۔ ہر حال میں زمین ہی اس کی قبر ہو گی۔

اور سوال وجواب اسی قبر میں ہوتے ہیں جہاں میت کا جسم یا اس کے اجزاء قرار پکڑتے ہیں اور سوال وجواب روح مع الجسم سے ہوتا ہے۔ یعنی بعد اعادہ روح الی الجسد اور ثواب وعذاب اسی قبر میں ہوتا ہے اور روح مع الجسم کو ہوتا ہے اور سوال وجواب کے لئے حیات علم، فہم، ادراک شرط ہیں۔ اسی لئے سماع موتی بھی ثابت ہے۔

اعادہ روح

نکیرین کے سوال وجواب اور عذاب قبر جب زیر بحث آتے ہیں تو قدرتی طور پر یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ وہ سوال وجواب میت سے کیسے ہوتے ہیں قبر میں تو جسد بلا روح ہے اور اس سے سوال کیوں کر ہوتا ہے؟ اس لئے ضروری ہے کہ اعادہ روح کے متعلق شریعت حقہ کی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا جائے۔

۱...... حضور اکرم ﷺ نے مؤمن کے متعلق فرمایا: ”حتی ینتھی بہ الی السماء السابعۃ فیقول اللہ عزوجل اکتبوا کتاب عبدی فی علیین و عیدوہ الی الارض فانی منھا خلقتھم و فیھا اعیدھم و منھا اخرجھم تارۃ اخری قال فتعاد روحہ فی جسدہ فیأتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک الخ“ یہاں تک کہ مؤمن کی روح کو ساتویں آسمان تک پہنچایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کا نام اور اعمال علیین میں درج کردو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیوں کہ میں نے اسے زمین سے پیدا کیا اور اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی میں سے دوبارہ اسے اٹھاؤں گا۔ پس اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ پھر اسے بٹھاتے ہیں اور اسے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے۔

پھر کافر کے متعلق فرمایا: ”فیقول اللہ عزوجل اکتبوا کتابہ فی سجین فی الارض السفلی فتطرح روحہ طرحا ثم قرأ و من یشرک باللہ فکانما خر من السماء الی ان قال فتعاد روحہ فی جسدہ فیأتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک“ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام اور اعمال سجین میں جو ارض اسفل میں ہے لکھ دو پھر اس کی روح وہاں سے پھینک دی جاتی ہے۔ پھر حضور ﷺ نے پڑھا کہ و من یشرک باللہ الخ فرمایا تو اس کی روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ پھر اسے بٹھاتے ہیں پھر اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے۔ (مشکوۃ ص ۱۴۲، ۲۵، ابن کثیر ج ۲ ص ۵۳۱، مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۸۷، الروح ص ۱۲۵)

اس طویل حدیث سے ذیل کے امور ثابت ہوئے:

۱...... علیین اور سجین دفتر اعمال ہیں۔

۲...... روح کو جسد میں لوٹایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جسد زمین پر ہے قبر میں ہے۔

۳...... اس اعادہ کے بعد جسد مع الروح کو بٹھایا جاتا ہے اور فرشتے سوال کرتے ہیں۔

حدیث کی حیثیت

امام بخاری اور مسلم سمیت تمام محدثین (رحمہم اللہ) اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں اور اس کی سند کے تمام راویوں سے احتجاج کرتے ہیں کسی راوی کو مجروح نہیں کہا اور تمام محدثین نے ثواب و عذاب قبر اور دیگر اہم مسائل قبر کے بارے میں اس حدیث کو اہلسنت والجماعت کی حجت اور دلیل تسلیم کیا ہے۔

اس حدیث کے متعلق علامہ ابن قیم کی رائے

علامہ ابن قیم نے اس حدیث کے متعلق فرمایا: ”وراہ ابو عوانۃ السفرائنی فی صحیحہ و ذھب الی القول بموجب ھذا الحدیث جمیع اھل السنۃ و الحدیث من سائر الطوائف“ ابوعوانہ الاسفرائنی نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اہلسنت والجماعت کے تمام فرقے اور اہل حدیث عذاب قبر کے ان احکام کے قائل ہیں جو اس حدیث سے ثابت ہیں۔ (کتاب الروح ص ۵۳)

اس حدیث کے متعلق علماء و محدثین اور متکلمین کا یہ اقرار موجود ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث عود روح پر صریح دال ہے۔ اس صراحت کے بعد تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔ اگر اب بھی کوئی جسارت کرے تو وہ تاویل نہیں بلکہ تلعب بالحدیث ہوگا۔

عود روح کے متعلق متقدمین کے اقوال

۱...... امام سبکی (شفاء السقام ص ۱۹۸) "ففیه التصریح بعود الروح الی الجسد" اس میں اعادہ روح الی الجسد کی تصریح ہے۔

۲...... "وقد دل علیه النص الصریح الصحیح وهو قوله ﷺ فتعاد روحه فی جسده" اور عود روح پر نص صریح اور صحیح دال ہے اور وہ ارشاد ہے نبی کریم ﷺ کا کہ پھر اس کی روح اس کے جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۲)

۳...... مولانا عبدالعزیز (نبراس ص ۳۲۲) "وهو ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح یعاد فی الجسد عند السؤال" صحیح احادیث صاف اعلان کر رہی ہیں کہ سوال کے وقت روح جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔

۴...... علامہ سیوطی (شرح الصدور ص ۶۰) "ان الاحادیث مصرحة باعادة الروح الی البدن عند السؤال" احادیث صاف صراحت کرتی ہیں کہ سوال کے وقت روح کو بدن میں لوٹایا جاتا ہے۔

۵...... علامہ سلفی (بشری الکئیب ص ۹۷) "عود الروح الی الجسد فی القبر ثابت علی الصحیح لجمیع الموتی وانما الخلاف فی استمرارها فی البدن" قبر میں روح کا جسم میں لوٹایا جانا صحیح حدیث سے ثابت ہے جو تمام مردوں کے لئے ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ عود کے بعد روح ہمیشہ بدن میں رہتی ہے یا نہیں۔

فائدہ: عود روح کے متعلق احادیث متواترہ صاف اور صریح موجود ہیں اور اس پر اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے۔ عود روح کا منکر حدیث کا بھی منکر ہے اور اجماع کا بھی منکر ہے۔ اہلسنت والجماعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں تو پھر وہ کیا ہے؟

علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق

اس کے متعلق علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق ملاحظہ ہو (شرح حدیث النزول ص ۸۲) "ان سائر الاحادیث الصحیة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن او المسئالة للبدن بلا روح قول طائفة من الناس وانکره الجمهور وکذالک السؤال للروح بلا بدن قاله ابن میسرہ وابن حزم ولو کان کذالک لم یکن للقبر بالروح اختصاص" تمام احادیث صحیح متواترہ روح کے بدن میں اعادہ پر دلالت کرتی ہیں کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ سوال بدن بلا روح سے ہوتا ہے اور جمہور نے اس کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح ابن میسرہ اور ابن حزم نے کہا ہے کہ سوال روح بلا بدن سے ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو قبر کا اختصاص روح سے نہ ہوتا۔

عود روح کے انکار کا عقیدہ ابن میسرہ کا ہے اور ابن حزم نے اسی سے لیا ہے اور ان کا اہلسنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

علامہ ابن تیمیہ کے دعویٰ تواتر کی تصدیق اور تائید علامہ ابن قیم اور علامہ سیوطی نے کی ہے۔

"قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت

السؤال وسوال البدن بلا روح قول قال طائفة من الناس والكره الجمهور وقابلهم الاخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن وهذا قاله ابن مره وابن حزم كلاهما غلط والاحاديث الصحيحة ترده'' شیخ الاسلام نے فرمایا کہ احادیث صحیح متواترہ سوال کے وقت عود روح الی البدن پر دلالت کرتی ہیں، کچھ لوگوں نے کہا سوال بدن بلا روح سے ہوتا ہے۔ جمہور نے اس کورد کیا ہے۔ ان کے مقابلے میں کچھ لوگوں نے کہا کہ سوال روح بلا بدن سے ہوتا ہے۔ یہ بات ابن مرہ اور ابن حزم نے کہی۔ مگر دونوں قول غلط ہیں۔ صحیح احادیث اس کی تردید کرتی ہیں۔ (کتاب الروح ص ۶۲)

اور (شرح الصدور ص ۶۰) ''قال ابن تیمیة الاحادیث متواترة علی عود الروح الی البدن وقت السؤال'' ابن تیمیہ نے فرمایا کہ سوال کے وقت عود روح الی البدن پر احادیث متواتر ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے (شرح حدیث النزول ص ۸) پر تصریح فرمائی ہے کہ زاذان جو حدیث بذریعہ براء بن عازب ؓ بیان فرماتے ہیں اس پر تمام امت کا سلف سے خلف تک اتفاق رہا ہے۔ گویا قبر میں عود روح الی البدن کے مسئلہ پر ۴۰۰ سال تک اتفاق رہا اور غالباً اس کی مخالفت کا عام اظہار سب سے پہلے ابن حزم ظاہری نے کیا اور حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کے قلم سے بھلا کون شریف آدمی بچ سکا ہے۔ اس بناء پر جمہور نے ابن حزم کے قول کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی۔ حتیٰ کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ:

''قرون ثلاثہ میں یہ حدیث اسی طرح منقول ہو کر نیچے تک چلی آئی ہے لیکن تعلق کا قصہ کسی نے نہیں چھیڑا۔ البتہ چوتھی صدی کے بعد سے شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلے میں تعلق روح بجسد عنصری کا مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے۔ کسی نے اتصال معنوی سے کسی نے اشراق سے کسی نے حسن تعلق صاحب خانہ بخانہ دعاشق بہ معشوق وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ (جواہر القرآن ج ۱ ص ۱۹۴)

ذرا آگے چل کر مولوی صاحب فرماتے ہیں: ''متقدمین میں ایک کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے۔''

اس اقرار سے صاف ظاہر ہے کہ ۴۰۰ سال تک عود روح الی البدن کا عقیدہ متفق علیہ چلا آیا۔ چوتھی صدی کے بعد یہ بحث چھڑی کہ روح کا تعلق بدن سے کس نوعیت کا ہوتا ہے۔ یعنی یہ بحث پھر بھی نہ چھیڑی گئی کہ تعلق نہیں ہوتا بلکہ ''تعلق کیسے ہوتا ہے۔'' پر اظہار خیال کیا جانے لگا۔ گویا سلف صالحین اور خلف صالحین نفس عود روح الی البدن کے مسئلہ کے قائل ہی چلے آئے۔ کسی کو اختلاف نہیں تھا۔ کوئی مفسر قرآن یا محدث، متکلم یا فقیہ عود روح الی الجسد کا مخالف نہیں پایا گیا اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا۔ کیوں کہ احادیث صحیحہ متواترہ کے موجود ہوتے ہوئے بھلا کوئی صاحب ایمان مخالف ہو سکتا تھا۔ یہ جرأت تو موجودہ دور کا ہی خاصہ ہے: چنیں دور آسماں کم دیدہ باشد

جناب قاضی شمس الدین صاحب نے تسکین القلوب کے لئے (تسکین القلوب ص ۶۸ تا ۷۰) تک بڑی خامہ فرسائی ہے کہ جمہور کے اس اجماعی عقیدہ کی مخالفت میں کوئی سند فراہم کر سکیں گے۔ مگر بات نہ بن سکی۔ آخر مجبور ہو کر فرماتے ہیں۔''

''عبارات علماء میں عود روح کے متعلق اضطراب بلکہ ہجوم اضطراب سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عذاب قبر حق ہے۔''

حضرت قاضی صاحب اگر اپنے اندر جھانک لیتے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اضطراب علماء کی عبارات میں نہیں بلکہ ہجوم اضطراب آپ کے اندر ہے کہ اس طائفہ نے اسلاف واخلاف کی راہ سے ہٹ کر ایک نئی پگڈنڈی پر سرپٹ دوڑنا شروع کر دیا ہے۔ مگر سامنے تو جھاڑ جھنکار کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ بس یہ ہے وجہ اضطراب۔ مگر اندر کا اضطراب باہر کی کوششوں سے سکون میں تبدیل کیسے ہو۔ کیوں کہ سنت اللہ بھی ہے کہ "ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدٰی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی" (النساء:۱۱۵) اس سے آگے کا حال اللہ ہی جانے۔

یہاں ایک مخلصانہ مشورہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات کسی بات پر متفق ہو کر کوئی آواز اٹھاتے تو چلو آواز میں کوئی زور تو ہوتا۔ مگر یہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے سے فائدہ؟ جناب عنایت اللہ شاہ صاحب اور جناب محمد امیر بندیالوی صاحب تو عود روح اور تعلق روح کے سرے سے منکر ہیں اور صالحیہ کرامیہ معتزلہ کی سر میں سر ملا کر بیکار گلے پھاڑ رہے ہیں اور جناب مولوی غلام اللہ خان صاحب کے قلم سے نہ جانے کیسے نکل گیا کہ ۴۰۰ سال تک اس عقیدہ کو اسی طرح قبول کیا گیا اور بعد میں بھی تعلق روح کی نفی پر بحث کسی نے نہیں چھیڑی۔ ہاں تعلق کی کیفیت یا نوعیت زیر بحث آتی رہی اور حضرت قاضی صاحب یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ عذاب قبر حق ہے۔ مگر اپنے باطنی اضطراب کی وجہ سے قبر کو اٹھا کے علیین اور سجین میں رکھ دیا۔ ذرا اتنا تو غور فرما لیتے کہ اللہ کی کتاب نے قبر کا مفہوم کیا پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں جو آٹھ آیتیں ہم نے پیش کی ہیں۔ ذرا ان پر غور فرمالیں۔ ممکن ہے سارا قرآن پڑھنے کی فرصت نہ ملے۔

اعادہ روح کے متعلق احادیث

لیجیے اعادہ روح کے متعلق چند احادیث اور پیش کی جاتی ہیں: شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات

۱...... (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲) "وعن البراء مطولا بینا اخرجه اصحاب السنن و صححه ابو عوانة وغیره وفیه من الزیادة فی اوله استعیذوا بالله من عذاب القبر وفیه فترد روحه فی جسده وفیه فیاتیه ملكان فیجلسانه فیقولان له من ربک وفیه ان الکافر تعاد روحه فی جسده فیأتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک" حضرت براء ؓ سے طویل حدیث بیان ہوئی جس کو اصحاب سنن نے بیان کیا اور ابوعوانہ وغیرہ نے اس کو صحیح کہا اور اس میں ابتداء میں یہ الفاظ زائد ہیں استعیذوا باللہ من عذاب القبر اور اس حدیث میں ہے کہ روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس میں ہے کہ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں پھر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے اور اس میں ہے کہ کافر کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے پھر دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں تیرا رب کون ہے۔ روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے اور ظاہر ہے جسد قبر میں ہے اور قبر وہی گڑھا ہے جس میں جسد کو رکھا گیا۔ جسد کو علیین یا سجین میں لے جا کر وہاں عود روح ہونے کا مفہوم یہاں سے تو نکل نہیں سکتا۔

۲...... (الفتاوی الحدیثیہ ج ۱ ص ۲۸) "وقد اخرج ابن ابی الدنیا و ابن ابی حاتم ابو نعیم عن جابر بن عبدالله سمعت رسول الله ﷺ الی ان قال فاذا حضره الموت ارتفع ذالک الملکان و جاءه ملک الموت لیقبض روحه فاذا دخل قبره ورد الروح الیه فی جسده وجاءه ملکان القبر۔ الخ" ابن ابی الدنیا نے اور ابن ابی حاتم نے اور ابو نعیم نے حضرت جابر ؓ سے اس حدیث کو اخراج کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے

سنا۔ جب انسان کے پاس موت آتی ہے تو یہ دو فرشتے چلے جاتے ہیں اور موت کا فرشتہ آ جاتا ہے کہ اس کی روح قبض کرے۔ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے اور قبر کے دو فرشتے آ جاتے ہیں۔

میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے علیین یا سجین میت کے جسد کو رکھنے کے لئے جاتے ہوئے نہ کسی کو دیکھا گیا نہ اس کا امکان ہے۔ میت کے جسد کو اسی قبر میں رکھتے ہیں جو زمین پر ہوتی ہے اور ہاتھوں سے کھودی جاتی ہے۔ آپ حضرات قبر کو زمین سے اٹھا کر علیین یا سجین میں کیونکر لے گئے؟

۳...... مشکوٰۃ میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث میں مذکور ہے: "ثم یقیض له اعمٰی و اصم معه مرزبة من حدید لو ضرب بها جبل لصار ترابا فیضربه بها ضربة یسمعها ما بین المشرق و المغرب الا الثقلین فیصیر ترابا ثم یعاد فیه الروح" پھر اس میت کے لئے ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کے پاس آہنی ہتھوڑا ہوتا ہے۔ اس سے میت کو مارتا ہے اگر اس سے پہاڑ پر ضرب لگائی جائے تو مٹی ہو جائے، اس کی آواز مشرق و مغرب کی مخلوق سنتی ہے۔ سوائے جن و انس کے پھر وہ مٹی ہو جاتا ہے پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔

ہاں تو یہ روح کو ہتھوڑے لگتے ہیں اور روح مٹی ہو جاتی ہے یا جسد؟ اور یہ حالت تو جسد سے ہی متعلق ہے تو جسد اس قبر میں پڑا ہے۔ جس کے متعلق کسی میں "اضطراب" پایا جاتا ہے۔

مٹی وہی چیز ہوتی ہے جو مٹی سے پیدا ہوئی، بدن مٹی سے پیدا ہوا وہی مٹی ہوا نہ جسم مثالی، جسم مثالی فرضی چیز جو نہ مٹی سے پیدا ہوا نہ مٹی ہوتا ہے۔ اسی طرح روح بھی مٹی نہیں ہوتا ہے۔

۴...... (شرح حدیث النزول ص ۸۱) "عن ابی هریرة قال ان المیت تحضره الملائکة الی ان قال فترسل بین السماء و الارض فتصیر الی قبره فیجلس الرجل الصالح فی قبره" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میت کے پاس فرشتے آتے ہیں اس کی روح آسمان اور زمین کے درمیان روانہ کی جاتی ہے۔ پھر وہ قبر میں پہنچ جاتی ہے تو مرد صالح قبر میں بیٹھ جاتا ہے۔

(ص ۸۲) "و المقصود انه فی حدیث ابی هریرة قوله: فیصیر الی قبره کما فی حدیث البراء بن عازب و حدیث ابی هریرة روی من طرق تصدق حدیث البراء بن عازب اذا وضعت الجنازة فاحتملها الرجال علی اعناقهم فان کانت صالحة قالت قدمونی و ان کانت غیر ذالک قالت لاهلها یا ویلها ان یذهبون بها سمع صوتها کل شیء الا الانسان" حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں فیصیر الی قبرہ سے مقصود وہی ہے جو حدیث براء بن عازب سے ہے اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کئی طریقوں سے بیان ہوئی ہے جو حدیث براء بن عازب کی تصدیق کرتی ہے۔ جب میت کے جنازہ کو آدمی اٹھا کے لے چلتے ہیں تو اگر وہ نیک ہو تو کہتا ہے۔ مجھے آگے لے چلو اور اگر برا ہو تو کہتا ہے ہائے مجھے کہاں لے چلے ہو۔ انسان کے بغیر سب اس کی آواز کو سنتے ہیں۔

۵...... (بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۲۰، اور فتح الباری ج ۳ ص ۱۲۰) پر "فی آخر الحدیث یسمع صوتها کل شیء دال علی ان ذالک بلسان القال لا بلسان الحال" ہر شے اس کی آواز سنتی ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لسان قال سے کہتا ہے لسان حال سے نہیں۔

۶...... (فتح الباری ص ۱۹۷) "وتاکید الکلام بمالا یحتمل المجاز وھو قول یسمع صوتھا کل شیٔ اللانسان ولولا ھذا لامکن ان یحمل علی القول بلسان الحال لکن بعد ھذا لا یسوغ ھذا الحمل" اور تاکیدی کلام ایسے الفاظ سے کی گئی ہے کہ مجاز کا احتمال نہیں اور وہ الفاظ "یسمع صوتھا کل شیٔ الا الانسان" اگر یہ الفاظ نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ اسے قول حالی پر محمول کیا جاتا لیکن ان الفاظ کے بعد جائز نہیں کہ مجاز پر محمول کریں۔

اس میت محمولہ کی آواز جن سن لیتا ہے لیکن انسان نہیں سن سکتا۔ عذاب قبر جن اور انسان دونوں نہیں سن سکتے۔ مادی آنکھوں اور کانوں سے جن اور انسان کے بغیر تمام حیوان دیکھا اور سن لیتے ہیں۔ مگر جدید اجتہاد اور جدید ترین تحقیق ملاحظہ ہو۔

"اس کی چیخ و پکار کو برزخ کے تمام حیوان سن لیتے ہیں۔ مگر ثقلین نہیں سنتے۔" (اقوال مرضیہ ص ۲۳)

معلوم ہوتا ہے کاتب سے سہو ہو گئی غالباً اصل عبارت یوں تھی کہ "برزخ کے تمام حیوان سن لیتے ہیں مگر برزخ کے ثقلین نہیں سنتے۔" کیوں کہ یہ بے جوڑی بات معلوم ہوتی ہے کہ مجتہد صاحب نے حیوانوں کے لئے برزخ تجویز کیا ہو اور ثقلین کے لئے یہ مادی دنیا دونوں کا محل ایک ہی ہونا مناسب ہے۔

اور جناب قاضی شمس الدین صاحب نے (تسکین القلوب ص ۷۲، ۷۳) پر برزخ کے حیوان مراد لئے ہیں۔ لیجیے حقق گردید رائے بوعلی بارائے من۔

ان "صاحبین" سے گزارش ہے کہ یہ مراد لینے کے لئے کوئی ثبوت بھی پیش فرمایا ہوتا عقل کا تو خیر وہاں گزر ہی نہیں۔ مگر کوئی نقلی ثبوت پیش کرنا چاہیے تھا۔ کس محدث نے کس شارح حدیث نے کس فقیہ نے، کس متکلم نے بلکہ کس پڑھے لکھے آدمی نے آپ سے پہلے برزخ کے حیوان مراد لئے ہیں کوئی ایک قول سہی۔ قول رسول، قول صحابی، قول تابعی، قول مجتہد، کوئی تو دلیل نقلی پیش کیجئے ورنہ یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ یہ ذہن رسا چودہ سو سال میں کسی اللہ کے بندے کو ودیعت نہیں کیا گیا۔ زہر کو تریاق کا نام دے کر پیش کرنا کوئی معقول رویہ نہیں بلکہ دیانت کے خلاف ہے۔

اعادہ روح کے متعلق فقہائے کرام اور صوفیائے عظام کا عقیدہ

جو شخص اپنے آپ کو اہلسنت والجماعت میں شمار کرتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس مسلک کے ان محقق علمائے متقدمین کی تحقیق کے خلاف نہ جائے۔ جنہوں نے قرآن وسنت کے مطالعہ میں اور استنباط مسائل میں عمریں صرف کر دیں اور ورع، تقویٰ اور اعتصام بالکتاب والسنۃ میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ورنہ وہی کیفیت ہو جاتی ہے کہ:

تنگ بر ما رہگذار دیں شدہ ہر لئیمے راز دار دیں شدہ

اس سلسلے میں چند چوٹی کے علماء کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں:

۱...... (فقہ اکبر ملا شرح ملا علی القاری ص ۱۲۰) "واعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق" اس کی شرح میں فرمایا "واعادۃ الروح ای ردھا وتعلقھا الی الجسد ای جسدہ بجمیع اجزاءہ او ببعضہ مجتمعۃ او متفرقۃ فی قبرہ حق" اور قبر میں بندہ کی طرف روح کو لوٹایا جانا حق ہے اور اعادہ روح کے معنی اس کا لوٹانا اور اس کا تعلق قبر میں بندہ کے ساتھ یعنی اس کے تمام اجزاء کے ساتھ یا بعض اجزاء کے ساتھ کرنا خواہ وہ متفرق ہوں یہ حق ہے۔

اور اسی کتاب کا (ص ۱۲۱) ''واعلم ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالی یخلق فی المیت نوع حیاۃ فی القبر قدر مایتألم ویتلذذ ولکن اختلفوا فی انہ ھل یعاد الروح الیہ والمنقول عن ابی حنیفۃ التوقف الا ان کلامہ مما یدل علی اعادۃ الروح اذ جواب الملکین فعل اختیاری فلا یتصور بدون الروح'' خوب سمجھ لو کہ اہل حق اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالی قبر کے اندر میت میں ایک قسم کی حیات پیدا کرتا ہے جس سے اس کو الم اور لذت کا احساس ہو سکے لیکن اس میں اختلاف کیا ہے کہ کیا روح کا اعادہ اس کی طرف قبر میں ہوتا ہے اور امام صاحب سے توقف منقول ہے۔ مگر امام صاحب کا کلام اعادہ روح پر دلالت کرتا ہے۔ کیوں کہ قبر میں سوال و جواب فعل اختیاری ہے اور بغیر روح کے اس کا تصور کرنا محال ہے۔

اس توقف کے بارے ملا علی القاری رحمہ اللہ نے تصریح فرمادی ہے ''ولعل توقف الامام فی ان الاعادۃ متعلق بجزء البدن او کلہ'' اور شائد امام صاحب کا توقف اس امر میں ہو کہ اعادہ روح سارے بدن کی طرف ہوتا ہے یا جزو بدن کی طرف۔ (مرقات ج ۱ ص ۱۹۸)

۲...... (کتاب الصلوٰۃ امام احمد بن حنبل ص ۲۱۵) ''والایمان بالحوض والشفاعۃ والایمان بمنکر ونکیر وعذاب القبر والایمان بملک الموت بقبض الارواح ثم الرد فی الاجساد فی القبور فیسئالون عن الایمان والتوحید'' حوض کوثر، شفاعت، منکر نکیر، عذاب قبر ملک الموت کے روح قبض کرنے۔ پھر قبر میں روح الی الجسد لوٹائے جانے اور ایمان اور توحید کے متعلق سوال ہونے پر ایمان لانا۔

اعادہ روح کا مسئلہ اجتہادی نہیں بلکہ صریح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے اس لئے امام صاحب اسے ایمان سے تعبیر فرماتے ہیں۔ جب اعادہ روح کا عقیدہ ایمان سے ہے تو عدم اعادہ روح کا عقیدہ کیا ہونا چاہئے؟

۳...... امام محی الدین النووی (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶) ''ثم العذاب عن اھل السنۃ الجسد بعینہ او بعضہ بعد اعادۃ الروح الیہ او الی جزء منہ وخالف فیہ محمد بن جریر عبداللہ کرام وطائفۃ فقالوا لا یشترط اعادۃ الروح قال اصحابنا ھذا فاسد لان الالم والاحساس انما یکون فی الحی'' اہلسنت کے نزدیک عذاب بعینہ جسد عنصری یا اس کے جزو کو ہوتا ہے جو بعد اعادہ روح کے ہوتا ہے۔ مگر محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام اور ایک جماعت نے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ عذاب کے لئے اعادہ روح شرط نہیں۔ ہمارے علماء کہتے ہیں کہ یہ بالکل غلط ہے کیوں کہ درد اور احساس صرف زندہ کو ہو سکتا ہے۔

نوٹ: محمد بن جریر سے مراد امام ابن جریر مفسر اور محدث نہیں بلکہ کرامیہ فرقہ کا پیشوا محمد بن جریر مراد ہے۔ اس کے متعلق مولانا عبدالحکیم نے حاشیہ خیالی میں تصریح فرمادی ہے۔

''ذھب الصالحی من المعتزلۃ وابن جریر الطبری من الکرامیۃ الی جواز تعذیب غیر الحی وھو سفسطۃ ظاھرۃ لان الجماد لا حس لہ فکیف یتصور تعذیبہ'' معتزلہ میں سے صالحی اور کرامیہ سے ابن جریر حیات کے بغیر عذاب کے قائل ہیں۔ لیکن یہ جہالت محض ہے کیوں کہ پتھر میں احساس نہیں تو اس کو عذاب دینے کا تصور کیوں کر کیا جا سکتا ہے۔ (ص ۱۱۸)

اہلسنت والجماعت کے ان شارحین حدیث اور مجتہدین کرام کے مقابلہ میں جو۔ تحقیق ملاحظہ ہو: ''جس عذاب ثواب کا ذکر نصوص یا احادیث وآثار میں آتا ہے۔ دراصل اس کا محل روح ہی ہے...... اس جسم عنصری کی صورت نوعیہ بعد از موت ختم ہو جاتی ہے۔ حیات ترکیبی کے ختم ہونے کے بعد اگر باری تعالیٰ اس کو حیات بسیط کے ساتھ عذاب دیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔'' (اقوال مرضیہ ص ۵۲)

امام نووی رحمہ اللہ فرمائیں کہ اہلسنت کے نزدیک معذب جسد اعادہ روح کے بعد ہوتا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرمائیں کہ جسد کے جمیع اجزاء یا بعض اجزاء میں اعادہ روح ہوتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اعادہ روح اور عذاب قبر کو ایمانیات میں شمار فرمائیں۔ مگر ہمارے بندیالوی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ اعادہ وغیرہ تکلف محض ہے۔ بس روح ہی محل ہے اور لطف یہ کہ احادیث وآثار کا فہم اور نصوص کے مفہوم کی سمجھ آئی تو بندیالوی صاحب کو اور یہ ''اگر'' کی بیخ لگا کے جو حیات بسیط کا ذکر فرمایا تو ذرا اس کے لئے کوئی دلیل تو پیش فرمائیں۔ آپ تو خیر کسی دلیل کے محتاج نہیں کیوں کہ آپ کا مسلک ہے: مستند ہے میرا فرمایا ہوا

مگر ''برعکس نام زنگی نہند کافور'' اقوال مرضیہ کا مطالعہ کرنے والوں کا حق ہے کہ آپ سے دلیل نقلی کا مطالبہ کریں۔

پھر حضرت بندیالوی فرماتے ہیں: (اقوال مرضیہ ص ۲۶) ''ان المیت جماد لا حیات له ولا ادراک له فتعذیبه محال'' ''میت تو پتھر ہے اس میں نہ زندگی ہے نہ ادراک اس لئے اس کو عذاب ہونا محال ہے۔

اہلسنت والجماعت کے مستند محققین فرمائیں کہ ''قال اصحابنا هذا فاسد لان الالم والاحساس انما یکون فی الحیی'' اور آپ کے نزدیک جماد محض ہے۔ لہٰذا تعذیب محال ہے۔ ذرا اپنے مسلک کا سلسلہ نسب حقدمین اہلسنت والجماعت میں سے کسی کے ساتھ جوڑنے کی کوشش بھی فرمائیں۔

۴...... علامہ شعرانی (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۳۹) ''فترد روح المعذب الی جسده کله او مابقی منه فان لا یمتنع احیاء بعض الجسد'' پھر معذب کی روح اس کے سارے جسم یا جو حصہ باقی ہو اس میں لوٹائی جاتی ہے۔ کیوں کہ جزو بدن میں حیات ہونا ممتنع نہیں۔

پھر اسی کے (ص ۱۴۰) پر معتزلہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وهذا لیس بشیء لما صح فی ابو داؤد وغیره مرفوعا ان الروح تعود الی الجسد'' اور معتزلہ کا یہ قول کوئی چیز نہیں کیوں کہ ابوداؤد وغیرہ کی صحیح مرفوع حدیث کی رو سے اعادہ روح الی الجسد ثابت ہے۔

پھر فرماتے ہیں: ''فیسئلان العبد بعد رد روحه الیه کله او مابقی منه'' پھر دونوں فرشتے بندے سے سوال کرتے ہیں۔ جب روح اس کے سارے جسم میں یا جزو بدن میں لوٹا دی جاتی ہے۔

۵...... امام قرطبی (تذکرہ ص ۳۶) ''حتی اذا جاءه ملک الموت یقبض روحه کان معه حتی یدخل حضرته وترد الروح الی جسده'' جب مرنے والے کے پاس موت کا فرشتہ روح قبض کرنے آجاتا ہے تو اس کے ساتھ رہتا ہے حتی کہ قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے اور اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹایا جاتا ہے۔

اسی کتاب کے (ص ۲۱) پر فرماتے ہیں: ''فاذا وصل المصلی وصلی علیه ودفن ردت فیه الروح وقعد ذا روح وجسد ودخل علیه الملکان الفتانان فلیسئلانه'' جب میت کی نماز جنازہ پڑھ لی جاتی ہے اور سے دفن کر دیا جاتا ہے تو اس میں روح لوٹائی جاتی ہے اور روح اور بدن سمیت بیٹھا ہے پھر دو فرشتے آتے ہیں اور سے سوال کرتے ہیں۔

اسی طرح امام سیوطی نے (بشریٰ الکئیب اور شرح الصدور) میں کوئی دس مقامات پر تعادالروح الی جسدہ لکھا ہے۔

۶ ...... علامہ عبدالعزیز فرہاروی (نبراس ص ۳۲۲)"وعندی فی هذاالجواب بعث وهو ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح یعادفی الجسد عند السؤال فالجواب بانکار الاعادة غیر موجه" میرے نزدیک اس جواب پر اعتراض ہے وہ یہ کہ صحیح احادیث اعلان کر رہی ہیں کہ سوال کے وقت روح کو جسم میں لوٹایا جاتا ہے۔اس لئے اعادہ روح کے انکار کا حاصل جواب دینا درست نہیں۔

"وحاصل الجواب ان الحیاة للمیت لیست کحیوة غیره باعادة الروح فی الجسد اعادة کاملة" حاصل جواب یہ ہے کہ میت میں حیات وہ نہیں ہوتی جو دوسروں میں ہوتی ہے۔

یہ اس جواب کا ذکر ہے جو علامہ تفتازانی نے معتزلہ کے جواب میں اختیار کیا ہے۔جس میں ایک قسم کی حیات قبر میں تسلیم کی ہے۔مگر یہ قول صحیح حدیث کے مخالف تھا۔اس لئے اس کی تردید فرمائی ہے۔

تعلق روح

گزشتہ باب میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ روح کا تعلق جسد عنصری مدفونہ فی القبر کے ساتھ ہوتا ہے۔خواہ وہ ریزہ ریزہ ہوجائے۔اسی تعلق سے بدن کو تلذذ وسرور اور درد والم کا احساس ہوتا ہے۔اسی تعلق سے بدن میں نوع حیات پیدا ہوتی ہے۔کیوں کہ حیات کے بغیر نہ تألم نہ تلذذ، جماد محض کو عذاب وثواب کا کیا مطلب۔

تعلق کلی مشکک ہے یہ باعتبار زمان، اشخاص اور اوقات متفاوت ہوتا ہے۔جیسا (روح المعانی ج ۲۳ ص ۴۸،۴۹)"وعندی ان التعلق ایضاً لیتفاوت قوة وضعفا بحسب الاشخاص بل ویجب الازمان" اور میرے نزدیک تعلق روح متفاوت ہے بلحاظ قوت وضعف باعتبار اشخاص اور باعتبار زمانہ۔یعنی یہ تعلق انبیاء، صدیقین، صالحین، عوام مومنین اور کفار میں متفاوت ہوگا۔

۱ ...... اور (کتاب الروح ص ۱۲۵)"بل لها اشراف واتصال بالقبر وفنائه وذالک القدر منها یعرض علیه مقعده فان للروح شانا اخر تکون فی الرفیق الاعلی فی اعلی علیین ولها اتصال بالبدن بحیث اذا سلّم المسلّم علی المیت رد الله علیه روحه فیرد علیه السلام وهی فی ملاء الاعلی" بلکہ روح کے لئے قبر اور صحن قبر کے ساتھ اشراف واتصال ہے اور اسی اتصال کی بناء پر اسے عذاب وثواب ہوتا ہے۔روح کے لئے ایک شان ہے اور وہ علیین میں ہو تو بھی بدن کے ساتھ اتصال ہوتا ہے۔چنانچہ جب کوئی میت کو سلام کہے تو اللہ تعالیٰ روح کو میت کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور وہ سلام کا جواب دیتا ہے اور روح اس وقت ملاء اعلیٰ میں بھی ہوتا ہے۔یعنی روح جہاں بھی ہو اس کا تعلق بدن مدفونہ کے ساتھ ہوتا ہے۔جس کی بناء پر بدن کو ثواب وعذاب کا احساس ہوتا ہے۔

۲ ...... اور (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲)"ولا یمنع من ذالک کون المیت قد تتفرق اجزائه لان الله قادر ان یعید الحیاة الی جزء من الجسد ویقع علیه السؤال کما هو قادر علی ان یجمع اجزائه" اور اس میں کوئی چیز مانع نہیں کہ میت کے اجزائے بدن بکھر جائیں (تو حیات پیدا ہوجائے) کیوں کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جزو بدن میں حیات لوٹا دے اور اس سے سوال ہو جیسا کہ تمام اجزاء کے جمع کرنے پر قادر ہے۔

۳...... (روح المعانی ج۱۵ ص ۱۹۳) "ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا یختص بجزء دون جزء بل ھی متصلة مشرقة علی سائر اجزائه وان تفرقت و کان جزء بالمشرق و جزء بالمغرب " پھر خوب سمجھ لو کہ بدن کے ساتھ روح کا اتصال ایک جزو کا چھوڑ کے دوسرے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ یہ اتصال، متصل ہے اور تمام اجزائے بدن میں روح پہنچ جاتی ہے۔خواہ ایک جزو مشرق میں ہو اور ایک مغرب میں۔

یعنی اجزائے بدن خواہ کتنے باریک ہوں بکھرے ہوئے ہوں روح کا تعلق واتصال ان اجزاء سے تا ہے۔

۴...... اور امام نووی (شرح مسلم ج۲ ص ۳۸۵) "قال اصحابنا ولا یمنع من ذالک کون المیت قد تفرقت اجزائه کما نشاھده فی العادة او اکله السباع او حیتان البحر او نحو ذالک فکما ان اللہ تعالٰی یعیده للحشر و سبحانه وتعالٰی قادر علی ذالک فکذا یعید الحیاة الی جزء منه وان اکله السباع و الحیتان " ہمارے اہلسنت والجماعت کے بزرگوں نے فرمایا کہ اس امر میں کوئی مانع نہیں کہ اگر میت کے اجزائے بدن بکھر جائیں جیسا کہ ہمارے مشاہدہ میں آتا ہے یا اسے درندے کھا جائیں یا مچھلیاں نگل جائیں یا ایسی ہی کوئی اور صورت پیش آئے تو جس طرح اللہ تعالیٰ حشر میں روح کو لوٹائے گا اور اس پر قادر ہے اسی طرح وہ اس بات پر قادر ہے کہ بدن کے کسی حصہ میں حیات پیدا کر دے اگر چہ اسے درندے کھا گئے ہوں یا مچھلیاں نگل گئی ہوں۔یعنی ہر جزء میں حیات ہوتی ہے۔

۵...... (شفاء السقام ص۱۹۷) "واما الادراک فیدل له مع ذالک الاحادیث الواردة فی عذاب القبر وھی احادیث صحیحة متفق علیھا رواھا البخاری ومسلم وغیرھما واجمع علیھا ومدلولھا اھل السنة والاحادیث فی ذالک متواترة " اور جہاں تک ادراک کا تعلق ہے تو یہ اس پر (حیات) دلالت کرتا ہے۔اس کے ساتھ وہ احادیث جو عذاب قبر کے متعلق آئی ہیں اور جو صحیح اور متفق علیہ ہیں اور ان کو بخاری اور مسلم اور اس کے علاوہ دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے ان پر اور ان کے مدلول پر اہلسنت کا اجماع ہے اور اس امر میں یہ حدیثیں متواتر ہیں۔

۶...... (ایضاً ص۲۰۵) "وقد عرف بھذا ان حیاة جمیع الموتٰی بارواحھم واجسامھم فی قبورھم لاشک فیھا " اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ حیات قبر تمام مردوں کے لئے جو روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

۷...... (ایضاً ص۲۰۲) "مع دلالة بقیة الاحادیث المتفق علیھا علی السماع والکلام والقعود وغیرھا مما یستلزم الحیاة وعود الروح۔ وقد اجمع اھلسنة علی اثبات الحیاة فی القبور " باقی احادیث جو متفق علیہ ہیں سماع،کلام،قعود وغیرہ پر دلالت کرتی ہیں جو حیات اور عود روح کو مستلزم ہے اور حیات فی القبر پر اہلسنت کا اجماع ہے۔

۸...... "قال امام الحرمین فی الشامل اتفق سلف الامة علی اثبات عذاب القبر واحیاء الموتٰی فی قبورھم ورد الارواح فی اجسادھم " امام الحرمین نے شامل میں کہا ہے کہ سلف صالحین کا اجماع ہے۔عذاب قبر وحیات قبر اور جسم میں روح کے اعادہ پر۔

۹...... "وقال الفقیه ابوبکر بن العربی فی الامد الاقصی فی تفسیر اسماء الحسنی ان احیاء المکلفین فی القبر وسوالھم جمیعاً لاخلاف فیه بین اھل السنة " فقیہ ابوبکر بن العربی نے اپنی کتاب تفسیر اسماء الحسنیٰ میں کہا ہے کہ تمام مکلفین کے قبروں میں زندہ کرنے اور ان سے سوال کے بارے میں اہلسنت میں کوئی اختلاف نہیں۔

۱۰...... "وقال سیف الدین الامدی فی کتاب "الابکار الافکار" اتفق سلف الامة قبل ظهور المخالف واکثرهم بعد ظهوره علی اثبات احیاء الموتی فی قبورهم ومسئالة المکلفین لهم واثبات عذاب القبر للمجرمین والکافرین وقوله تعالی امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین ای حیاة المسئالة فی القبر وحیاة الحشر لانها احیاتان عرفوا الله بها الحیاة الاوّل فی الدنیا لم یعرفوا الله بها" سیف الدین آمدی نے اپنی کتاب الابکار الافکار میں کہا ظہور اختلاف سے پہلے تمام علماء امت نے اور اس کے بعد اکثر نے ان امور پر اتفاق کیا، حیات، قبر، مکلفین سے سوال، عذاب قبر کا اثبات مجرموں اور کافروں کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب، سوال کے لئے حیات قبر اور حیات حشر ہے۔ کیوں کہ دونوں زندگیاں ہیں۔ جن سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔ پہلی زندگی تو دنیوی زندگی ہے جس میں انہیں خدا کی معرفت حاصل نہ ہوئی۔

۱۱...... "وقال القرطبی ان الایمان به مذهب اهل السنة والذی علیه الجماعة من اهل الملة ولم یفهم الصحابة الذین نزل القرآن بلسانهم ولغتهم من نبیهم ﷺ غیر ذالک وکذالک التابعون بعدهم" قرطبی نے کہا کہ اس پر ایمان لانا اہلسنت کا مذہب ہے اور اسی پر اہل حق کی، جماعت قائم رہی اور صحابہ کرام ؓ جن کی زبان اور محاورے پر قرآن نازل ہوا۔ رسول کریم ﷺ سے اس کے بغیر دوسرا مطلب نہ سمجھا۔ اسی طرح تابعین نے بھی صحابہ سے یہی سمجھا۔

۱۲...... (ایضاً ۴۵۴) "واما من تفرقت اجزائه خیر والله الروح الی کل جزء یسئال الملکان" جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جس کے اجزائے بدن بکھر گئے ہوں تو اللہ تعالیٰ ہر جزو بدن میں روح کو لوٹاتا ہے اور ملائکہ ان سے سوال کرتے ہیں۔

۱۳...... (شرح مواقف ص ۵۱۷) "احیاء الموتی فی قبورهم ومسئلة منکر ونکیر وعذاب القبر للکافر والفاسق کلها حق عندنا واتفق علیه سلف الامة قبل ظهور الخلاف واتفق علیه الاکثرون بعده" قبروں میں مردوں کو زندہ کرنا، سوال نکیرین عذاب قبر کافر اور فاسق کے لئے ہمارے نزدیک سب حق ہے اور ظہور اختلاف سے پہلے ساری امت کا اتفاق رہا ہے اور ظہور اختلاف کے بعد اکثر کا اتفاق رہا۔

سلف صالحین کا عقیدہ، جو مذکرہ بالا اقوال میں پیش کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱...... عود روح الی البدن حق ہے۔ سوال نکیرین اور عذاب قبر حق ہے۔

۲...... روح کا تعلق بدن مدفونہ کے ساتھ ہوتا ہے اور تمام اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب اجزاء بکھر جائیں۔

۳...... صحابہ کرام، تابعین اور سلف امت کا اس پر اتفاق ہے۔

۴...... اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قبر میں مدفونہ جسد میں عود روح ہوتا ہے اور عذاب وثواب قبر حق ہے۔

دور جدید کے اہلسنت کا عقیدہ

اب دور جدید کے مدعیان اہلسنت کا عقیدہ ملاحظہ ہو:

(شفاء الصدور ص ۱۰) "بل الارواح کلهم فی مستقراتهم ومقاماتهم اما معذبون واما منعمون لهم اجساد مثالیه فی عالم البرزخ لا تعلق لهم بهذالاجساد الترابیة الارضیة العنصریة للمدفونة فی

حفر الارضیۃ'' بلکہ تمام ارواح اپنے اپنے مقام پر یا عذاب میں ہیں یا راحت میں عالم برزخ میں ان کے لئے جسم مثالی ہیں ان مٹی کے جسموں سے ان کا کوئی تعلق نہیں جو ارضی ہیں۔ عنصری ہیں اور زمین کے گڑھوں میں دفن ہیں۔

یعنی روح کا تعلق اس جسد سے مطلق نہیں ہوتا جو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تمام اسلاف واخلاف اہلسنت کے اجماعی عقیدہ اور متواتر احادیث صحیحہ کے مفہوم کے بالکل الٹ ایک عقیدہ پیش کیا جارہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ:

۱...... متواتر احادیث کا انکار (۲) اہل سنت کے اجماعی عقیدہ کی مخالفت کیا خوب کہا ایک عارف نے:

جفائیں بھی ہیں فریب بھی ہیں نمود بھی ہے سنگھار بھی ہے
اور اس پر دعویٰ حق پرستی اور اس پہ یاں اعتبار بھی ہے

۲...... (جواہر القرآن مولوی غلام اللہ خان ج ۱ ص ۱۹۴) '' بلکہ یہ تعلق بے کیف ہے اور اس کی حقیقت اور کنہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اس لئے عالم برزخ میں تعلق بابدان عنصریہ کے بارے میں سکوت سب سے احوط مسلک ہے۔ کیوں کہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں تعلق کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ لیکن اگر کوئی شخص غیر معلوم الکیفیت تعلق اثبات کرتا ہے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں ہے کیوں کہ متقدمین کی ایک کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے۔'' انداز بیان بڑا محتاط ہے۔ مگر چند امور قابل غور ہیں۔

۱...... قرون ثلاثہ میں اعادہ روح کی احادیث سب کے سامنے تھیں اور عود روح الی الجسد پر سب متفق تھے تو بحث کیوں چھیڑی۔

۲...... متقدمین کی ایک کثیر تعداد جب اس تعلق کی قائل رہی تو قلیل تعداد میں شامل ہونا آخر کیوں ضروری ٹھہرا۔

۳...... ''عالم برزخ میں تعلق روح بابدان عنصریہ کے بارے میں سکوت احوط مسلک ہے'' کیا اسی احتیاط کا اظہار (شفاء الصدور ص ۱۰) پر کیا گیا ہے کیا ''لاتعلق لھم بھذہ الاجساد الترابیۃ الارضیۃ العنصریۃ المدفونۃ فی حفر الارض'' مسلک سکوت کی ترجمانی ہے۔

۴...... کیا قرون ثلاثہ متقدمین سے خارج ہیں؟ اگر متقدمین کا لفظ قرون ثلاثہ کے لئے بولا جاتا ہے تو ان کی کثیر تعداد اس کی قائل رہی تو پھر کیسے درست ہوا کہ قرون ثلاثہ میں اس کا ذکر نہیں تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جس کا کوئی ذکر نہیں تھا کثیر تعداد اس کی قائل تھی: کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

۳...... (مسالک العلماء قاضی شمس الدین صاحب ص ۹۶، ۹۷) ''یہ سارے حضرات اس اتصال اور اشراق خصوصی کا ذکر کہیں نہیں کرتے جو انبیاء علیہم کی ارواح کے ساتھ مختص ہے اور جو اجسام پر حیات کا اثر ڈالے۔ وہی عمومی اتصال ذکر کرتے ہیں جو ہر ایک روح کا خواہ وہ علیین میں ہو یا سجین میں جسم سے ہے جو حیات کا اثر ڈالنے کے لئے نہیں ہے اور اگر ہے تو صرف تألم اور تلذذ تک اور وہ بھی انبیاء علیہم کے ساتھ مختص نہیں بلکہ عام جس کو علماء علم الکلام نے بیان کیا ہے۔''

جناب قاضی صاحب نے عذاب وثواب برزخ کا صاف انکار کرنے کی جرأت نہیں فرمائی۔ وضعداری کا تقاضا یہی ہے کچھ تو رکھ رکھاؤ ہونا چاہئے۔ مگر اس اقرار نما انکار کے کئی پہلو قابل غور ہیں:

۱...... جناب کے نزدیک نبی کے تعلق روح اور کافر کے تعلق روح میں کوئی فرق نہیں۔ کیا آپ کو خیال نہ آیا کہ یہ تو انبیاء علیہم کی صریح توہین ہے؟ روح المعانی کا حوالہ گزر چکا کہ ''وعندی ان التعلق ایضا مما یتفاوت قوۃ وضعفا بحسب الاشخاص بل وبحسب الازمان ایضاً'' (روح المعانی ج ۲۳ ص ۴۸، ۴۹)

مگر آپ نے سب تفاوت مٹا کے رکھ دیئے۔

۲...... جناب نے تعلق روح بالبدن کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تعلق تالم وتلذذ کے لئے ایک حیات کے لئے مگر اس کے لئے کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی۔

۳...... جب یہ تعلق حیات کے لئے تو نہیں فرمایئے حیات کے بغیر تالم وتلذذ کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے۔ کیا پتھر کے لئے بھی تالم وتلذذ کہیں تسلیم کیا گیا ہے۔

کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح صاف انکار کر دیتے تو اس (ملمع سازی) کی ضرورت نہ ہوتی۔ تالم وتلذذ کے لئے احساس ادراک اور فہم ضروری ہے اور یہ حیات کے بغیر محال ہے۔ علم فہم اور احساس کے لئے شرط ہے۔ یہی اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

(شوکانی: ارشاد الفحول ص ۱۵۳)"فالعقلی کالحیاۃ للعلم فان العقل ھو الذی یحکم بان العلم لا یوجد الا بحیاۃ فقد توقف وجودہ علی وجودھا عقلا" پس دلیل عقلی یہ ہے کہ حیات علم کے لئے شرط ہے۔ عقل ہی کا یہ فیصلہ ہے کہ حیات کے بغیر علم نہیں پایا جاتا۔ اس لئے علم کا وجود حیات کے وجود پر موقوف ہے۔

اور علامہ عبدالقاہر بغدادی (الفرق بین الفرق ص ۳۴۷)"واجمعوا علی ان الحیاۃ شرط فی العلم والقدرۃ والارادۃ والرویۃ والسمع وان من لیس بحیی لا یصح ان یکون عالما قادرا مریدا مبصرا وھذا خلاف الصالحی واتباعہ من القدریۃ فی دعواھم جواز وجود العلم والقدرۃ والرویۃ والارادۃ فی المیت" تمام اہلسنت کا اجماع ہے کہ علم، قدرت، ارادہ، رویت اور سمع کے لئے حیات شرط ہے اور جو زندہ نہیں اس کا عالم قادر، مرید اور مبصر ہونا صحیح نہیں۔ یہ قول صالحیہ اور قدریہ کے مخالف ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ علم، قدرت، رویت اور ارادہ حیات کے بغیر بھی میت میں ہونا جائز ہے۔

جناب قاضی صاحب نے تالم وتلذذ کے لئے حیات کو شرط قرار نہیں دیا تو یہ کوئی نئی بات نہیں کیوں کہ فرقہ صالحیہ اور ان کے متبعین قدریہ بھی یہ بات مدت ہوئی کہہ چکے ہیں۔ مگر یہ بات اہلسنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے اور قاضی صاحب اپنے آپ کو اہلسنت میں شمار بھی کرتے ہیں اب کون اس تضاد کو رفع کرے۔

صحت حیات کے لئے انسانی ڈھانچہ محفوظ ہونا شرط نہیں

اہلسنت کی تحقیق کے مطابق علم، سماع، کلام، تلذذ وتالم وغیرہ کے لئے وجود کا پورا ڈھانچہ ہونا شرط نہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ بدن کے ذرات سے روح کا تعلق قائم کر کے سنا سکتا ہے۔ لیکن معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ان تمام امور کے لئے وجود کا صحیح ہونا شرط ہے۔

اہلسنت کے دلائل

۱...... "قال تعالٰی رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تؤمن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھم جزأ الخ" اے پروردگار! مجھ کو دکھا کہ تو مردے کس طرح زندہ کرے گا۔ فرمایا کہ تم یقین نہیں لاتے کہا کیوں نہیں۔ لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسکین ہو جائے

فرمایا تو چار پرندے پکڑ لے پھر انہیں اپنے ساتھ ہلالے پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے۔ (البقرۃ: ۲۶۰)

علامہ رازی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں: "وقد احتج اصحابنا بهذا الاية على ان البنية ليست شرط فى صحة الحياة وذالك لانه تعالى جعل كل واحد من تلك الاجزاء والابعاض احياء فاهما للنداء قادرا على السعى والعدد فدل ذالك على ان البنية ليست شرط فى صحة الحياة۔ ولما دلت الاية على حصول فهم النداء والقدرة على السعى لتلك الاجزاء حال تفرقها كان دليلا قاطعا على ان البنية ليس شرطا للحياة" ہمارے اہلسنت نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ صحت حیات کے لئے انسانی ڈھانچہ کا محفوظ ہونا شرط نہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اجزاء اور حصوں کو زندہ کیا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز سنی۔ دوڑنے پر قدرت حاصل ہوئی۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حیات کے لئے پورے جسم کا محفوظ ہونا شرط نہیں ......اور جب یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ان اجزاء میں ندا کا فہم اور دوڑنے کی قدرت حاصل ہوئی جب کہ وہ بکھرے ہوئے تھے تو یہ قطعی دلیل ہے اس امر کی کہ حیات کے لئے انسانی ڈھانچہ کا محفوظ ہونا شرط نہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۲۰)

۲...... (شرح مواقف ص ۲۱۰) اس امر کی بحث کرتے ہوئے کہ عذاب وثواب کے لئے انسان کی صورت نوعیہ کی بقا شرط نہیں۔ "واما الصورة الاخرىٰ......فان ذالك اى التمسك بها مبنى على اشتراط البنية فى الحياة وهو ممنوع عندنا" رہی دوسری صورت ...... یہ تمسک اس بات پر مبنی ہے کہ حیات کے لئے ڈھانچہ کا محفوظ ہونا شرط ہے اور اہلسنت کے ہاں یہ شرط ممنوع ہے۔

۳...... (فتح القدیر ج ۴ ص ۹۹) "ولذا كان الحق ان الميت للمعذب فى قبره توضع الحياة بقدر مايحس به الالم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة والجماعة حق لو كان تفرق الاجزاء بحيث لا تتميز الاجزاء بل هى مختلطة بالتراب فعذب جعلت الحياة فى تلك الاجزاء التى لا ياخذها البصر وان الله تعالىٰ على ذالك لقدير" حق یہ ہے کہ میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے اس میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے کہ اسے الم کا احساس ہو جائے اور اہلسنت والجماعت کے نزدیک جسم کا محفوظ ہونا شرط نہیں حتیٰ کہ جسم کے اجزاء بکھر جائیں مٹی میں مل جائیں اور ان کو عذاب دیا جائے تو ان اجزاء میں اور ذرات میں بھی حیات رکھی جاتی ہے۔ جنہیں انسانی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری طرح قادر ہے۔

۴...... (مسامرہ ج ۲ ص ۱۱۸) "فان ذالك الامر الذى فتكلم فيه من سوال الملكين وعذاب القبر ونعيمه ممكن اذ لا شرط فى الحياة البنية كما قدمناه" تو جس امر میں ہم گفتگو کر رہے ہیں مثلاً فرشتوں کا سوال، عذاب قبر اور اس کی راحتیں یہ ممکن ہے۔ کیوں کہ حیات کے لئے جسم کا محفوظ ہونا شرط نہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

۵...... (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۷۷) "قال تبارك وتعالى واستمع يوم ينادى المناد من مكان قريب يوم يسمعون الصيحة بالحق قال يقف اسرافيل على صخرة بيت المقدس ويقول يا ايتها العظام النخرة والجلود المتفرقة والاشعار المنقطعة ان الله يامركم ان تجمعين بفضل الخطاب"

اور توجہ سے سنئے جس دن پکارنے والا پاس سے پکارے گا جس دن وہ ایک چیخ کو بخوبی سنیں گے فرمایا کہا اسرائیل بیت المقدس کے صخرہ پر کھڑے ہو کر کہیں گے۔ اے بوسیدہ ہڈیو! اور چورہ چورہ کھالو! اور بکھرے ہوئے کٹے ہوئے بالو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ حساب کے لئے اکٹھے ہو جاؤ۔

اس پر دو سوال ہوئے (۱) کہ منادی ارواح کے لئے ہو (۲) منادی کا تعلق امر تکوینی سے ہو تو فرمایا:
''قلت ما ذكر من كلام اسرافيل خطاب للعظام والجلود لاللارواح فلا فائدة فى سماع الارواح يوم يسمعون صريح فى اثبات السماع'' میں کہتا ہوں کہ کلام اسرافیل کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ ہڈیوں اور چمڑوں کو خطاب ہے، ارواح کو نہیں۔ روحوں کے سننے کا یہاں کوئی فائدہ نہیں۔ یوم یسمعون سماع موتی پر صریح دلیل ہے۔

۲...... (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۲۰۳) ''ويقدر على تعليق الروح بالجزء الاصلى منها حالة الانفراد وتعليقة به حال الاجتماع فان البنية عندنا ليست شرطا للحياة'' اور اللہ تعالیٰ قادر ہے اس پر کہ روح کا تعلق بدن کے اصلی اجزاء سے قائم کر دے جب کہ وہ بکھرے ہوئے ہوں اور اس حالت میں بھی جب وہ مجتمع ہوں کیوں کہ ہمارے نزدیک جسم کا محفوظ ہونا حیات کے لئے شرط نہیں ہے۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اہلسنت کے نزدیک سماع وغیرہ کے لئے میت کے بدن کا سالم ہونا شرط نہیں۔

اعادہ روح کے بعد جسم اور روح کا تعلق قائم رہتا ہے

اعادہ روح کے متعلق نصوص اور اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ بیان ہو چکا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ سوال وجواب کے لئے قبر میں جو اعادہ روح ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ تعلق قائم رہتا ہے یا منقطع ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اتصال صرف سوال وجواب کے لئے ہے تو منقطع ہو جانا بعید نہیں اور اگر سوال وجواب کے بعد برزخ کے عذاب وثواب کے لئے بھی ہو تو اس تعلق کا قائم رہنا عقلاً بھی ضروری ہے۔ کیوں کہ تألم وتلذذ کے احساس کے لئے حیات شرط ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (جذب القلوب ص ۱۸۶): بدانکہ تمام اہل سنت وجماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراکات مثل علم وسمع مر سائر اموات راا ز احاد بشر خصوصا انبیاء علیہم وقطع می کنم بعود حیات مر ہر میت را در قبر چنانکہ در احادیث ورود یافتہ است وورده نہ شدہ کہ بعد از عود حیات در بدن بار دیگر موت عود میکند۔ بلکہ نعیم قبر وعذاب قبر آنرا تا قیام قیامت ادراک می کند وشک نیست کہ ادراک مشروط بحیات است۔

تمام اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ ادراکات مثلاً علم اور سمع تمام اموات کے لئے اور بالخصوص انبیاء علیہم کے لئے ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ قبر میں ہر میت کے لئے حیات ثابت ہے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے اور کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ قبر میں عود حیات کے بعد موت آتی ہے بلکہ قبر کی نعمتیں اور عذاب قبر کا ادراک قیامت تک رہے گا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ادراک کے لئے حیات شرط ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے تشریح فرما دی کہ اعادہ روح کے بعد قبر میں موت کا حدیثوں سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح علامہ سبکی نے بھی وضاحت فرمائی ہے کہ احادیث میں میت کے لئے قبر میں حیات ثابت ہے۔ مگر دوبارہ موت قبر میں حدیثوں سے ثابت نہیں جن علماء نے اجتہاداً قبر میں موت ثانی کا اقرار کیا ہے وہ بھی اس امر کے قائل ہیں کہ اتنی حیات یہ تعلق روح ضرور ہوتی ہے کہ بدن بھی تألم وتلذذ کا احساس کر سکے۔ بہر حال محدثین کے عود روح کا مسلک احادیث صحیحہ غیر مؤول پر مبنی ہے اور اتصال روح یا تعلق روح یا تاثیر روح کا مسلک اجتہادی ہے۔ اسی طرح عود روح منصوص اور متواتر ہے اور دوبارہ انقطاع غیر منصوص اور غیر ثابت ہے۔

(شفاء السقام ص ۲۰۳) "وقد وردت بها الاخبار الصحيحة فيجب التصديق بها ويقع بان الحياة تعود الى الميت واما انه هل يموت بعد ذالك موتة ثانية لم يرو فى الاحاديث تصريح بذالك" اس امر میں صحیح حدیث وارد ہو چکی ہیں، جن کی تصدیق کرنا واجب ہے اور یہ قطعی اور یقینی بات ہے کہ میت کے لئے قبر میں حیات ثابت ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کے بعد میت پر آیا دوبارہ موت آتی ہے؟ تو احادیث میں اس دوسری موت کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔

سماع موتی

انسان روح اور بدن سے مرکب ہے۔ انسان کے قیام وقرار کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین زمانے مقرر فرمائے ہیں۔ دنیا، برزخ اور دارالقرار۔ ان تینوں زمانوں کے احکام جدا ہیں۔ ایک محل اور زمانے کے احکام کا اطلاق دوسرے محل اور زمانہ پر نہیں ہوتا۔

(کتاب الروح ص ۷۸) "وجعل لكل دار احكاما تختص بها مركب هذا الانسان من بدن ونفس وجعل احكام دار الدنيا على الابدان والارواح بتعالها فكما تبعت الارواح الابدان فى احكام الدنيا فاذا كان يوم حشر الاجساد وقيام الناس من قبورهم صار الحكم والنعيم والعذاب على الارواح والاجساد ظاهرا باديا اصلا" اور اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے کے احکام جدا بنائے ہیں جو اسی دور سے مختص ہیں اور انسان کو روح اور جسم سے مرکب بنایا اور احکام دنیا کا اجراء بدن پر کیا اور ارواح اس کے تابع ہیں اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری کئے جسم ان کے تابع ہیں۔ جیسا کہ احکام دنیا میں ارواح تابع اجسام ہیں اور جب حشر اجساد ہوگا اور لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے تو حکم اور نعمتیں اور عذاب ارواح اور اجسام دونوں کے لئے ظاہر و باہر ہوں گے۔

تابع و متبوع کی مثال یوں سمجھئے کہ زید ایک محفوظ مقام پر سو رہا ہے خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ جنگل میں ہوں، سامنے سے شیر آرہا ہے۔ زید ڈر کے مارے بھاگتا ہے۔ بیدار ہونے پر محسوس کرتا ہے کہ اس کا جسم خوف کے مارے کانپ رہا ہے اور پسینے میں شرابور ہے۔ اس تکلیف کا اثر بالذات تو روح پر ہوا۔ مگر بالتبع جسم کو احساس ہوا جو لرزہ اور پسینے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہی صورت تلذذ کی ہے۔ محتلم کو خواب میں جو تلذذ ہوتا ہے وہ بالذات تو روح کو ہوتا ہے۔ مگر بالتبع جسم بھی متاثر ہوتا ہے اور اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں احکام شرعی کا مکلف بالذات بدن ہے اور بالتبع روح اور برزخ میں بالذات روح پر عذاب وثواب کا اثر ہوتا ہے اور بالتبع بدن پر۔ خواہ بدن کے ذرات منتشر ہو جائیں۔ حیات بالذات روح کی صفت ہے بالتبع بدن کی اور عذاب وثواب کے لئے حیات شرط ہے۔ اس لئے روح اور بدن دونوں متاثر ہوتے ہیں۔ روح بالذات اور بدن بالتبع۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے روح اور بدن کے لئے جزا وسزا کے دو محل مقرر فرمائے ہیں گویا دو معاد ہیں اور دو بعثیں ہیں: (کتاب الروح ص ۹۱) "فان الله تعالى جعل لابن آدم معادين وبعثين يجزى فيها الذين اساؤا بما عملوا ويجزى الذين احسنوا بالحسنى فالبعث الاوّل مفارقة الروح البدن ومصيرها الى دار الجزاء الاوّل والثانى يوم يبعثهم الله من القبور الى الجنة او النار فان البعث الاوّل لا ينكره احد وان انكر كثير من الناس الجزاء فيه" تو اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لئے دو معاد اور دو بعثیں مقرر فرمائی ہیں تا کہ ان میں بروں کو اپنے

کرتوتوں کی سزا اور نیکوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔ پہلی بعثت روح کا جسم سے الگ ہونا اور پہلی دار الجزا میں جانا ہے اور دوسری بعثت وہ ہے جب اللہ تعالیٰ ان کو قبروں سے اٹھا کر جنت یا دوزخ میں بھیج دے گا۔ پس بعثت اوّل کا انکار کسی نے نہیں کیا۔ البتہ اکثر لوگوں نے اس میں جزا کا انکار کیا ہے۔

مادی دنیا میں انسان کے لئے احکام ظاہر ہیں جو مادی آنکھوں سے نظر آتے ہیں۔ مگر عالم برزخ کے احکام مادی حواس سے محسوس نہیں ہوتے جو حکم روح کے لئے تسلیم کیا جائے وہ عالم برزخ میں بالذات روح کے لئے ہوگا اور بالتبع بدن کے لئے جیسا کہ مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہے۔

روح اور بدن کے احکام کی حقیقت کی وضاحت کے بعد اب سماع موتیٰ کے دلائل ایک خاص ترتیب سے پیش کئے جاتے ہیں۔

قرآن مجید سے سماع موتیٰ کے دلائل

''واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحیی الموتی......ثم اجعل علی کل جبل منھن جزأ ثم ادعھن یاتینک سعیا'' اور یاد کر جب ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار مجھ کو دکھا کہ تو مردے کس طرح زندہ کرے گا...... پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے پھر ان کو بلا۔ تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ (البقرۃ:۲۶۰)

اس آیت کے تحت امام رازی فرماتے ہیں: ''لانہ تعالی جعل کل واحد من تلک الاجزأ والابعاض احیاء فاھما للنداء قادرا علی السعی والعدد'' کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر جزو میں حیات پیدا کی آواز کی سمجھ پیدا کی اور دوڑ کر آنے کی قدرت پیدا کی۔ (کبیر ج ۲ ص ۳۲۹)

ان پرندوں کے اجزاء نے جو متفرق تھے ندا کو سنا سمجھا اور دوڑ کر حاضر ہوئے۔ اگر سننے اور سمجھنے کی نفی کریں گے تو دوڑ کر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر اجزاء کا حاضر ہو جانا تسلیم کریں گے تو سننا تسلیم کرنا پڑے گا۔

قاضی صاحب کا ایک سوال

اس پر ایک سوال جناب قاضی شمس الدین صاحب نے وارد کیا ہے کہ حضرت عزیرکو'' جب اپنے حالات کا علم نہیں جو حضوری ہے تو غیروں کے اقوال کا علم کیسے ہو جو حصولی ہے۔'' (تسکین القلوب ص ۵۶) قاضی صاحب کا سوال عوام کو گمراہ کرنے کے لئے بظاہر بڑا وزنی معلوم ہوتا ہے مگر اس کی علمی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ اب پوری آیت اور اس کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

''او کالذی مرّ علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحی ھذہ اللہ بعد موتھا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام فانظر الی طعامک وشرابک لم یتسنہ'' یا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا، جو ایک شہر پر گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گرا ہوا تھا کہا اے اللہ مرنے کے بعد کیوں کر زندہ کرے گا پھر اللہ نے اسے سو برس تک مار ڈالا پھر اسے اٹھایا کہا کہ تو یہاں کتنی دیر رہا۔ کہا ایک دن یا اس سے کم۔ فرمایا بلکہ تو سو برس رہا ہے اب تو اپنا کھانا اور پینا دیکھ وہ تو سڑا نہیں۔ (البقرۃ:۲۵۹)

اس کی تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ثم بعثه يدل انه عاد كما كان اولا حيا عاقلا فاهما مستعدا للنظر والاستدلال فى المعارف الالهية ولو قال ثم احياه لم تحصل هذه الفوائد (کبیر ج ۲ ص ۳۲۹) لبثت يوما او بعض يوم يدل على عدم تغير ماله فى بدنه وشعره ولباسه" ثم بعثہ کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام جب اٹھے تو پہلے کی طرح عقل فہم استدلال اور معرفت الٰہیہ کی استعداد موجود تھی۔ اگر اس کی جگہ لفظ ثم احیاہ ہوتا تو یہ فوائد حاصل نہ ہوتے۔ "لبثت یوما او بعض یوم" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے بدن، بال اور لباس میں کوئی تغیر نہ آیا۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا جواب ہے کہ "لبثت یوما او بعض یوم" یعنی آپ کو نفس لبث کا علم تھا، وقت کی تعیین درست نہ ہو سکی۔ ان صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے قاضی صاحب نے عدم علم کہاں سے اخذ کر لیا؟ یہ کوئی پوچھے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے یہ الفاظ نفس واقعہ کا علم ہونا ظاہر کرتے ہیں یا عدم علم؟ انہی الفاظ سے ثابت ہوتا ہے (جیسا کہ امام رازی نے فرمایا کہ حضرت کے حال میں کوئی تغیر نہ آیا۔ نہ بدن میں نہ لباس میں نہ بالوں میں) کہ انبیاء کے جسم موت کے بعد بھی محفوظ ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں آتا۔

"بل لبثت مائة عام" اس امر پر دال ہے کہ یہ موت للتغیر اجلہ ہے۔ لاجلہ نہیں۔ کیوں کہ موت لاجلہ ماۃ عام کی قید سے مقید نہیں ہو سکتی اور موت للتغیر اجلہ میں میت پر امور برزخیہ پیش نہیں کئے جاتے۔ جیسے سوال نکیرین، جنت دوزخ وغیرہ۔ کیوں کہ امور برزخیہ پیش کئے جانے کے بعد انسان مکلف نہیں رہتا۔ مگر حضرت عزیر علیہ السلام اس کے بعد تورات کی تبلیغ کرتے رہے۔ پڑھتے پڑھاتے رہے اور ظاہر ہے کہ یہ موت للتغیر اجلہ ہے۔ اس کے متعلق امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ان يقال انهم عاينوا الاحوال والاحوال التى معها صارت معارفهم ضرورية واما ما شاهدوا اشيئا من تلك الاحوال بل الله اماتهم بغتة كالنوم الحادث من غير مشاهدة الاهوال البتة الى ان قال واما ان يقال انهم بقوا بعد الاحياء غير مكلفين وليس فى الاية ما يمنع منه او يقال ان الله تعالى حين اماتهم اما اراهم شيئا من الايات العظيمة تصير معارفهم عندها ضرورية وماذالك الموت كموت سائر المكلفين الذين يعاينوا الاحوال عند قرب الموت" یہ کہا جائے کہ انہوں نے سختیوں اور حالات کا مشاہدہ کیا تھا جن سے علم بدیہی ضروری ہو جاتا ہے یا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اچانک انہیں مار دیا تھا۔ جیسے نیند آ جاتی ہے۔ بغیر مشاہدہ احوال کے یا کہا جائے کہ بعد موت زندہ ہو کر غیر مکلف رہے اور آیت میں اس سے کوئی مانع نہیں یا کہا جائے کہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ نے امور عظیمہ سے کوئی چیز نہیں دکھائی جس کی وجہ سے علم ضروری ہو جاتا اور یہ موت دوسرے مکلفین کی موت کی طرح نہ ہو گی جو قرب موت کے وقت امور برزخیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۸۴)

یعنی حضرت عزیر علیہ السلام کی موت لاجلہ تو تھی نہیں اس لئے اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ بصورت غشی تھی یا بصورت امتحان تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آیات عظیمہ کا مشاہدہ نہیں کروایا۔ بہر حال یہ موت ایسی نہ تھی۔ جیسی مکلفین کی موت ہوتی ہے کہ قرب موت کے وقت احوال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

لبث یوما سے یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو برزخ میں ٹھہرنے کا علم تو تھا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دوران وہ کس حالت میں تھے۔ (۱) درد و غم میں (۲) یا لذت و سرور میں۔ سو شق اوّل کے متعلق تو کوئی مومن تصور

بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے لازماً دوسری شق ہی تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو خوشی اور لذت کا علم تھا یا نہیں؟ اگر یہ کہیں کہ علم نہ تھا تو پھر نہ سرور سرور ہے نہ لذت لذت رہی اور اگر کہیں کہ انہیں اپنے احوال کا علم تھا اور اس کے بغیر اور کیا کہا جا سکتا ہے تو کسی ''بزرگ'' کا یہ فرمانا کہ ان کو اپنے احوال کا علم ہی نہ تھا۔ معقولیت سے بعید ہے۔ اب رہا تعیین وقت کا مسئلہ کو یوماً اور بعض یوم جو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرما دی تو اس کی حقیقت کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ دن رات کا تصور زمین اور سورج کے باہمی تعلق کے ذریعے ہے۔ برزخ میں اس کا وجود نہیں اس لئے حضرت عزیر علیہ السلام کو وقت کی طوالت کا اندازہ نہ ہو سکا اور عنداللہ وہ سو سال کے برابر ہو۔ جیسے قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا مگر مومن کو اتنا معلوم ہوگا جیسے نماز کے وقت کے برابر ہے۔ اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کے لئے تو واقعی یوم یا بعض یوم ہی ہو جیسا کہ طعام و شراب اور ان کے لباس اور بدنی حالات سے معلوم ہوتا تھا۔ مگر عنداللہ وہ سو سال کے برابر ہو۔

صاحب تسکین القلوب نے بھی اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ خوشی اور سرور کی حالت میں طویل زمانہ بھی بالکل چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ البتہ آپ نے اس آیت سے دلالت النص کے طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو جب اپنے حالات کا علم نہیں جو حضوری ہے تو غیروں کے حالات اور اقوال کا علم کیسے ہو۔ جو حصولی ہے۔ نیز فرمایا کہ اس طرز استدلال کو سب سلف جانتے اور مانتے ہیں۔

اس کے متعلق دو امور غور قابل ہیں:

اوّل: اس آیت سے دلالت النص کے طور پر سلف میں سے کسی صاحب نے عدم حیات انبیاء علیہم السلام اور عدم سماع کا عقیدہ سمجھا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ان علمائے سلف کے نام بیان فرمائیں اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہ تو سلف پر بہتان تراشی ہے یا عوام کو گمراہ کیا گیا ہے۔

دوم: دلالت النص کے طریق استدلال کو ہر وہ شخص جانتا ہے جس نے علم اصول پڑھا ہو، مگر دلالت النص کے نام سے غلط استدلال کرنا کم ہی جانتے ہیں۔

نص یہ ہے کہ کم لبثت یعنی سوال تعیین وقت کا ہے۔ جواب سے ظاہر ہے کہ وقت کا علم تھا البتہ تعیین وقت کا علم نہیں تھا۔ اس لئے دلالت النص کے طور پر استدلال صحیح یہ ہے کہ جب حضرت عزیر علیہ السلام کو اپنے قیام برزخ کے زمانہ کا علم نہیں تو غیروں کے قیام برزخ کے زمانہ کی تعیین کیسے کر سکتے ہیں۔ جب نص میں اقوال و احوال کا ذکر تک نہیں تو دلالت النص سے احوال و اقوال کا استدلال کیوں کر درست ہوگا۔ تعیین وقت کے علم کی نفی سے سماع کی نفی نکالنا بھلا دلالت النص کی کون سی قسم ہے۔ انسان سینکڑوں چیزوں کا علم نہیں رکھتا تو کیا اس عدم علم سے عدم سماع بھی ثابت ہوگا۔

عدم سماع اس صورت میں ثابت ہو سکتا تھا جب کوئی شخص حضرت عزیر کو آواز دیتا۔ بعد احیاء ان سے کہتا کہ میں نے آواز دی تھی اور آپ سماع کا انکار کرتے۔ لیکن اس قسم کی کوئی صورت قرآن سے نہیں ملتی۔ پھر اس آیت سے عدم سماع کا استدلال کرنا تاویل کی بدترین قسم ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں پرندوں کے متفرق اجزاء کو آواز دی گئی انہوں نے آواز سنی اور تعمیل حکم کی۔ اگر حضرت عزیر علیہ السلام کو اس سو سال کے دوران کسی نے آواز دی اور انہوں نے نہیں سنی تو اس کی دلیل لائیے۔ جب کوئی آواز دینے والا ہی نہیں اور کسی نے آواز دی ہی نہیں تو عدم سماع کہاں سے اخذ کر لیا گیا۔

اگر یہاں یہ سوال کیا جائے کہ بعد موت ان کو سو سال تک دنیا سے اوجھل کر دیا گیا۔ اگر یہ صورت مان لی جائے تو یوں کہا جائے گا کہ وہ دنیا سے غائب کر دیئے گئے اور دنیا اس سے اوجھل کر دی گئی۔ کیوں کہ سو سال میں بارشیں بھی ہوئیں۔ آندھیاں بھی چلیں، موسم بدلے اور طوفان آئے ہوں گے۔ مگر ان تمام چیزوں نے نہ تو حضرت عزیر علیہ السلام کے وجود پر کوئی اثر کیا نہ لباس پر نہ کھانے پینے کی چیزوں پر نہ عقل وفہم پر نہ بدن پر۔ اسی لئے یہ کہنا درست ہوگا یہ غائب کرنے کا معاملہ جانبین سے ہوا۔ اس صورت میں یہ اعتراض ہی بے جا ہوگا کہ ان کو علم نہ ہوا۔ جب سب اشیاء غائب کر دی گئیں تو علم کیسے ہو سکتا تھا مگر عدم علم سے پھر بھی عدم سماع ثابت نہیں ہوگا۔

۲...... ''فتول عنهم وقال يقوم لقد ابلغتكم رسالة ربي ونصحت لكم ولكن لا تحبون الناصحين'' پھر صالح علیہ السلام ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمایا اے میری قوم میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (اعراف: ۷۹)

''ابن کثیر: قال لهم صالح ذالك بعد هلاكهم تقريعا وتوبيخا وهم يسمعون ذالك'' حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کی ہلاکت کے بعد ان سے یہ خطاب بطور توبیخ کیا اور وہ یہ بات سن رہے تھے۔

اگر قوم حضرت صالح علیہ السلام کی یہ توبیخ نہیں سن رہی تھی تو آخر اس کہنے سے غرض کیا تھی۔ اگر وہ مر کر پتھر ہو گئے تھے تو پتھر کو یہ خطاب کرنے کا فائدہ کیا تھا؟

۳...... حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب اسی قسم کا ہے: ''قال يقوم لقد ابلغتكم رسلت ربي ونصحت لكم فكيف اسى على قوم كافرين'' فرمایا اے میری قوم تحقیق میں نے تمہیں اپنے رب کے احکام پہنچا دیئے اور میں نے تمہارے لئے خیر خواہی کی پھر کافروں کی قوم پر میں کیوں کر غم کھاؤں۔ (اعراف: ۹۳)

تفسیر مظہری: ''فان قيل كيف خاطبهم بقوله ابلغتكم بعد ما اهلكوا بالرجفة قيل كما خاطب النبی ﷺ قتلى بدر بعد ما القوا فى القليب۔ رواه الشيخان فى الصحيحين'' تو اگر یہ کہا جائے کہ ہلاکت کے بعد یہ خطاب کیسے کیا۔ کہا جائے گا کہ جیسے حضور اکرم ﷺ نے مقتولین بدر سے خطاب کیا تھا۔ جب وہ قلیب میں پھینکے جا چکے تھے۔ اس کو شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر اور صاحب تفسیر مظہری جس نکتے کو نہ سمجھ سکے وہ زمانہ حال کے ایک محقق نے پا لیا۔ چنانچہ یہ صاحب (اقوال مرضیہ ص ۹۴، ۱۰۰) پر فرماتے ہیں:

''غرض خطاب لفظ کم سے یا لفظ یا سے سماع پر استدلال کرنا مغلطہ ہے کیوں کہ خطاب تو ہوا چاند، سورج، پتھروں کو خیال اور در و دیوار سے بھی کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ وہاں سنوانا مقصود نہیں ہوتا۔

الجواب: تحقیق تو آپ نے خوب فرمائی مگر خطاب پر بحث کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ مخاطب ذوالعقول ہیں یا غیر ذوالعقول۔ جب خطاب ذوالعقول کو کیا جائے تو اس کو منادی حقیقی کہتے ہیں اور اس سے مقصود سنانا اور متوجہ کرنا ہی ہوتا ہے اور جب مخاطب غیر ذوالعقول ہوں تو اس سے سنانا یا متوجہ کرنا مقصود نہیں ہوتا اس کو منادی حکمی کہتے ہیں۔ یہ ملحق بالمنادیٰ ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو خطاب کرنا منادی حکمی ہے اور اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل کو خطاب کرنا واضح نا کم منادی حقیقی ہے۔ کیوں کہ حاضرین ذوالعقول تھے اور اپنے آباؤ اجداد کے افعال پر راضی تھے۔ اس لئے ان افعال کی نسبت حاضرین کی طرف کی گئی اور یا ھامان ابن لی صرحا یہ حکایت ہے حال ماضیہ کی۔ ہامان کو سنوانا مقصود نہیں۔

خطاب کے اس فرق کو اگر آپ خود نہیں سمجھے تو آپ کی حالت قابل افسوس ہے اور اگر سمجھتے ہوئے اپنی بات کی لاج رکھنے اور عوام کو گمراہ کرنے کے لئے یہ حرکت فرمائی تو آپ کی حالت قابل رحم ہے۔

۴...... ''قالوا یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا (شفاء السقام ص ۲۰۴) فھو یشعر بالحیاۃ لان الرقاد للحی'' کہیں گے کہ ہائے افسوس کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اٹھایا۔ یہ قول میت کی حیات ظاہر کرتا ہے کیوں کہ نیند تو زندہ کے لئے ہے۔ جب حیات ہے تو مدرکات حیات فہم سماع کلام ثابت ہوئے۔

۵...... ''قیل ادخل الجنۃ قال یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی و جعلنی من المکرمین'' کہا گیا جنت میں داخل ہو جا۔ اس نے کہا اے کاش ! میری قوم بھی جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے، بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں کر دیا۔ (یٰسین:۲۶،۲۷)

اس آیت سے (۱) حیات برزخ ثابت ہوئی (۲) کلام کرنا ثابت ہوا (۳) دنیوی زندگی کے حالات کا محفوظ ہونا ثابت ہوا۔ جب حیات ثابت ہوئی تو مدرکات حیات جن میں سماع بھی ہے لازماً ثابت ہوئے۔

۶...... ''اذ یتوفی الذین کفروا الملائکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم وذوقوا عذاب الحریق'' جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں۔ ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں جلنے کا عذاب چکھو۔ (الانفال:۵۰)

۷...... ''فکیف اذا توفتھم الملائکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم'' (محمد:۲۷) پھر کیا حال ہوگا جب ان کی روحیں فرشتے قبض کریں گے ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مار رہے ہوں گے۔

۸...... ''ولو تریٰ اذ الظالمون فی غمرات الموت والملائکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون الخ'' اگر تو دیکھے جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھانے والے ہوں گے کہ اپنی جانوں کو نکالو آج تمہیں ذلت کا عذاب ملے گا۔ (انعام:۹۳)

ان تینوں آیتوں میں فرشتوں کا خطاب کرنا محض خطاب برائے خطاب نہیں بلکہ سنانے کے لئے ہے۔ چہروں اور پیٹھوں پر مارنا عذاب کی ایک شکل ہے اور یہ صفات بدن کی ہیں اور عذاب کے احساس کے لئے حیات لازم ہے جب حیات ثابت ہوئی تو مدرکات حیات ثابت ہوئے۔

۹...... ''حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون'' یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو کہے گا اے میرے رب مجھے پھر بھیج دے تاکہ جسے میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کرلوں۔ ہرگز نہیں ایک بات ہی بات ہے جسے یہ کہہ رہا ہے اور ان کے آگے قیامت تک ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔ (المومنون:۹۹،۱۰۰)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد برزخ میں:

۱...... اپنی دنیوی زندگی کی بداعمالیوں کا علم ان کے حافظے میں محفوظ ہے۔

۲...... ملائکہ سے کلام کر رہے ہیں۔ ان کا کلام سن کر جواب دے رہے ہیں۔

۳...... علم سماع کلام ثابت ہوئے اور ان کے لئے حیات شرط ہے۔

اس لئے حیات بھی ثابت ہوئی۔

اگر کہا جائے کہ ملائکہ لطیف مخلوق کا کلام تو سن لیتے ہیں مگر غیر لطیف مخلوق انسان کا کلام نہیں سن سکتے تو اس کے لئے کوئی دلیل پیش کیجئے۔

۱۰...... ''ان الذین توفھم الملائکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض'' بے شک جو لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے۔ انہوں نے جواب دیا ہم اس ملک میں بے بس تھے۔ (النساء:۹۷)

۱۱...... ''حتی اذا جاء تھم رسلنا یتوفونھم قالوا این ما کنتم تدعون من دون اللہ قالوا ضلوا عنا'' یہاں تک کہ جب ان کے ہاں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو کہیں گے کہ وہ کہاں گئے اللہ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے۔ کہیں گے ہم سے سب غائب ہو گئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔ (اعراف:۳۷)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد ملائکہ کا کلام سنتے ہیں۔ جواب دیتے ہیں گزشتہ زندگی کے اعمال یاد ہوتے ہیں۔ فہم، حافظہ، کلام اور سماع ثابت ہوئے۔

۱۲...... ''ولقد اٰتینا موسٰی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ وفی الکشاف قیل من لقائک موسٰی علیہ السلام لیلۃ الاسراء کان قتادۃ یفسرھا ان النبی ﷺ قد لقی موسٰی علیہ السلام ووافقہ علیہ جماعۃ منھم المجاھد والکلبی والسدی ومعناہ فلا تکن فی شک من لقائک موسٰی'' اور البتہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی پھر آپ اس سے ملنے میں شک نہ کریں اور کشاف میں ہے کہ کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیکھنا شب معراج میں مراد ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر یوں کیا کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات حضور ﷺ سے ہوئی۔ یہی بات ایک جماعت نے کہی جن میں مجاہد، کلبی اور سدی ہیں اور اس کے معنی ہیں کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کریں۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۹)

اور (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۶۳) ''فلا تکن فی مریۃ من لقائہ انہ قد رای موسٰی ولقی موسٰی لیلۃ اسری بہ'' فلا تکن سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور شب معراج میں ملاقات کی۔

اور (ابن کثیر ج ۳ ص ۱۵) ''کان قتادۃ یفسرھا ان نبی اللہ قد لقی موسٰی علیہ السلام'' حضرت قتادہ اس کی تفسیر یوں کرتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کی۔

۱...... ''واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن اٰلھۃ یعبدون'' اور آپ ان پیغمبروں سے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کیا ہم نے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا لیے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔ (زخرف:۴۵)

(اتقان ج ۱ ص ۲۰) ''قال ابن حبیب نزلت ببیت المقدس لیلۃ الاسراء'' ابن حبیب نے کہا کہ یہ آیت بیت المقدس میں شب معراج میں نازل ہوئی۔

(خازن ص ۱۳۷، اور معالم التنزیل ص ۱۶۳) ''نزلت ھذہ الایۃ ببیت المقدس لیلۃ اسری بالنبی ﷺ'' یہ آیت بیت المقدس میں اتری جس رات حضور ﷺ معراج پر گئے۔

آیت کے متعلق (مسالک العلماء ص ۱۰۳) پر ایک تفسیر پیش کی گئی ہے کہ من لقائہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔ اس تفسیر کے متعلق دو امور قابل غور ہیں اوّل یہ کہ ضمیر کا مرجع قرآن۔ کیا نبی کریم ﷺ نے بتایا۔ کیا کسی مفسر نے لکھا کسی محدث نے بیان کیا؟ متقدمین اور متاخرین علماء میں سے کسی نے یہ دعویٰ کیا؟ اگر ایسا ہے تو نشاندہی کی جائے اور اگر ایسا نہیں تو کیا یہ تکلف اس لئے کیا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ثابت ہوگئی تو بار بار ملنا بھی ثابت ہو جائے گا۔ پھر پانچ نمازوں کی فرضیت کا واقعہ بھی ثابت ہو جائے گا اور سماع موتی بھی ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے یہ جھگڑا اسی طرح مٹتا ہے کہ قرآن کی تفسیر ہی نئے انداز سے کی جائے۔ یہ کوشش اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے تو ممکن ہے مفید ہو مگر آدمی قرآن کی تحریف کا مجرم تو بن ہی جائے گا۔ ممکن ہے کسی ایسے ہی واقعہ سے متاثر ہو کر کہا گیا ہو:

زمن بر صوفی وملا سلامے کہ پیغام خدا گفتند ما را
ولے تاویل شان در حیرت انداخت خدا وجبرئیل ومصطفیٰ را

اور آیت (ص ۱۳) کے متعلق (شفاء السقام ص ۱۸۶): ''ان النبی ﷺ سألهم ليلة الاسراء'' کہ نبی کریم ﷺ نے ان رسل سے شب معراج میں سوال کیا۔

اب رہا یہ سوال کہ حضور ﷺ نے یہ سوال ارواح انبیاء سے کیا یا ارواح مع اجساد سے؟ یہ دونوں احتمال دلائل السلوک میں بیان کئے گئے تھے مگر مرتب کی غلطی یا کاتب کی سہو سے دوسرا احتمال ساقط ہو گیا ہے۔ اب اس کی تفصیل بیان کرنا ضروری ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۱۲): ''ان النبی ﷺ قال ليلة اسری بی مررت علی موسی وهو يصلی فی قبره'' فرمایا حضور ﷺ نے جس رات مجھے معراج کرایا گیا میرا گزر موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہوا وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

(القول البدیع علامہ سخاوی ص ۱۶۸): ''ثم اجتمعوا (الانبیاء) فی بیت المقدس فحضرت الصلوٰة فامهم نبينا ﷺ'' پھر انبیاء اکٹھے ہوئے نماز کا وقت ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے ان کی امامت کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضور ﷺ کا گزر اس حالت میں کہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے، ہوا ظاہر کرتا ہے کہ یہ ملاقات روح مع الجسد ہوئی اور امامت انبیاء کے سلسلے میں دونوں احتمال ہیں۔

انبیاء کو اپنے اپنے مقام پر دیکھنا

پھر آسمانوں پر انبیاء کو اپنے اپنے مقام پر دیکھنے کی تفصیل یہ ہے: (حاشیہ نسائی ج ۱ ص ۲۴۳) زیر حدیث موسی قائم يصلی فی قبره۔ ''هذا صريح فی اثبات الحياة لموسى فی قبره فانه وصفه بالصلوٰة وانه قائم يصلی فی قبره ومثل ذالک لا يوصف به الروح انما يوصف به الجسد وفی تخصيصه بالقبر دليل علی هذا فانه لو كان من اوصاف الروح لم يحتج لتخصيصه وقال الشيخ تقی الدين السبكی فی هذاالحديث ان الصلوٰة لتستدعی جسدا حيا'' یہ حدیث قبر میں حیات موسیٰ کے ثبوت میں صریح ہے۔ کیوں کہ ان کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور یہ وصف روح کے متعلق بیان نہیں ہوتا بلکہ یہ تو جسم کا وصف ہے اور قبر کی تخصیص اس کی دلیل ہے۔ اگر یہ وصف روح کا ہوتا تو قبر کی تخصیص کی ضرورت نہ تھی۔ شیخ تقی الدین سبکی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔

اور (شفاء السقام ص ۱۹۱) "وقد ذکرناہ عن جماعۃ من العلماء وشھد لہ صلوۃ موسیٰ فی قبرہ فان الصلوۃ تستدعی جسدا حیاو کذالک الصفات المذکورۃ فی الانبیاء لیلۃ کلھا صفات الاجسام" اور ہم نے علماء کی ایک جماعت سے ذکر کر دیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا اس امر کا شاہد ہے کیوں کہ نماز پڑھنا زندہ جسم کو چاہتا ہے اور اسی طرح صفات مذکورہ انبیاء کے متعلق تمام کی تمام اجسام کی صفات ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا اور انبیاء کا نماز باجماعت پڑھنا زندہ جسم کو چاہتا ہے۔ رہا احتمال یہ کہ ارواح نے متشکل ہو کر پڑھی تھی تو ملاحظہ ہو۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۶) "فیحتمل الارواح خاصۃ ویحتمل الاجساد بارواحھا وقد استشکل رویۃ الانبیاء فی السموات مع ان اجسادھم مستقرۃ فی قبورھم بالارض واجیب بان ارواحھم تشکلت بصور اجسادھم او احضرت اجسادھم لملاقات النبی ﷺ تلک اللیلۃ تشریفا لہ وتکریما ویؤیدہ حدیث عبدالرحمن بن ھاشم عن انس ففیہ وبعث لہ آدم ومن دونہ من الانبیاء"

اس بات کا احتمال ہے کہ صرف ارواح ہوں اور اس کا احتمال بھی ہے کہ ارواح معہ اجساد ہوں اور اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ آسمانوں پر حضور ﷺ کا انبیاء کو دیکھنا کیسے ہو جب کہ ان کے اجسام زمین میں اپنی اپنی قبروں میں تھے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یا ان کے ارواح کو اجسام کی شکل دی گئی یا اجسام کو ہی حضور ﷺ کے استقبال کے لئے حاضر کیا گیا۔ اس دوسری شق کی تائید عبدالرحمن بن ہاشم کی حدیث سے ہوتی ہے جس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کے لئے حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کو حاضر کیا گیا تھا۔

ان تمام عبارات سے یہی ثابت ہوا کہ جس جسم سے نمازیں پڑھیں وہ جسم عنصری تھا جو دفن ہوا نہ جسم مثالی جیسا صاف الفاظ حدیث کے موجود ہیں۔ بعث لہ آدم ومن دونہ من الانبیاء چوں کہ مبعوث جسم عنصری سے ہوئے تھے نہ کہ جسم مثالی سے جس جسم کو نبوت ملی تھی اس جسم سے حاضر ہوئے۔ جسم عنصری نبوت کا موصوف تھا نہ کہ جسم مثالی۔

پھر (فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۹) "اختلف فی حال الانبیاء عنہ لقی النبی ﷺ ایاھم لیلۃ الاسریٰ ھل اسری باجسادھم لملاقات النبی ﷺ تلک اللیلۃ وان ارواحھم مستقرۃ فی الاماکن التی لقیھم النبی ﷺ ارواحھم متشکلۃ بشکل اجسادھم کما جزم بہ ابو الوفاء بن عقیل واختار الاول بعض شیوخنا" انبیاء سے شب معراج میں حضور ﷺ کی ملاقات کے متعلق اختلاف کیا گیا۔ کیا یہ ملاقات ان کے اجسام کے ساتھ ہوئی اور ان کے ارواح اپنے اپنے مقامات پر قیام کئے ہوئے تھے یا ان کے ارواح اجسام کی شکل میں متشکل کئے گئے جیسا کہ ابو الوفاء نے کہا ہے۔ ہمارے بعض شیوخ نے پہلی شق کو اختیار کیا ہے۔

۱...... راجح قول یہ ہوا کہ انبیاء روح مع الجسد حاضر ہوئے۔

۲...... ملاقات کے لئے انبیاء حاضر ہوئے اور النبی کا لفظ روح مع الجسم کے لئے بولا جاتا ہے صرف روح کے لئے نہیں۔

۳...... بعض شیوخنا کے نزدیک بھی قول راجح یہی ہے۔

۴...... جب حدیث صریح میں آچکا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء کو حضور ﷺ کے استقبال کے لئے بھیجا گیا اور احتمال اول کسی دلیل سے ناشی نہیں ہے۔

۵...... محدثین کا اقرار ہے کہ نماز جسم کو چاہتی ہے۔ ثابت ہوا کہ قبر میں اور بیت المقدس میں انبیاء مع جسم حاضر ہوئے۔

آسمانوں میں ملاقات

آسمانوں میں ملاقات کے متعلق (قول البدیع ص ۱۶۸) ملاحظہ ہو: "فقد یری موسی قائما یصلی فی قبرہ ثم یری بموسی وغیرہ الی بیت المقدس کما اسری لنبینا فیراھم فیہ ثم یعرج بھم الی السموات کما عرج نبینا فیراھم فیھا کما اخبر قال حلولھم فی اوقات مختلفۃ جائز فی العقل کما ورد بہ خبر الصادق وفی کل ذالک دلالۃ علی حیاتھم" حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا پھر حضور ﷺ کو معہ دوسرے انبیاء کے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی اور حضور ﷺ نے ان کو بیت المقدس میں دیکھا۔ پھر سب کو آسمان کا معراج کرایا گیا۔ پس حضور ﷺ نے ان کو آسمانوں میں دیکھا جیسے حضور ﷺ نے خبر دی۔ صاحب قول البدیع نے فرمایا کہ مختلف اوقات میں ان کا حلول کرنا عقلاً جائز ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے خبر دی اور ان سب واقعات میں حیات انبیاء پر دلالت پائی جاتی ہے۔

اور (فتح الباری ج ۶ ص ۳۱۲) "وفی حدیث ابی ذر ومالک بن صعصعۃ فی قصۃ الاسرای انہ لقیھم بالسموات وطرق ذالک صحیحۃ فیحمل علی انہ رای موسی قائما یصلی فی قبرہ ثم عرج بہ ھو ومن ذکر من الانبیاء الی السموات فلقیھم النبی ﷺ" پھر فرمایا "وصلوتھم فی اوقات مختلفۃ وفی اماکن مختلفۃ لا یردہ العقل وقد ثبت بہ النقل فدل ذالک علی حیاتھم" اور حدیث ابی ذر اور مالک بن صعصعہ میں قصہ اسریٰ میں ہے کہ حضور ﷺ نے انبیاء کی ملاقات آسمانوں میں کی اور اس حدیث کے تمام طرق صحیح ہیں۔ پھر یہ حدیث اس بات کا احتمال رکھتی ہے کہ حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ پھر ان کو اور تمام انبیاء کو آسمان کی طرف معراج کرایا گیا اور نبی کریم ﷺ نے ان کی ملاقات کی اور ان کا نماز پڑھنا مختلف مقامات اور مختلف اوقات میں عقل کے خلاف نہیں اور نقل سے ثابت ہو چکا ہے اور یہ ان کی حیات پر دلالت کرتی ہے۔

اور (فتاویٰ الحدیثیہ ج ۲ ص ۲۵۶) "وسائر الانبیاء ردت الیھم ارواحھم بعد ما قبضوا واذن لھم فی الخروج من قبورھم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی" اور تمام انبیاء کی ارواح بعد وفات ان کی طرف لوٹائی گئیں اور انہیں اپنی قبروں سے نکلنے اور عالم علوی اور سفلی میں تصرف کی اجازت دی گئی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی، ابن حجر مکی، محدث سخاوی اور علامہ سیوطی کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ انبیاء کو اسی طرح معراج کرایا گیا جس طرح رسول اکرم ﷺ کو معراج ہوا اور وہ روح مع الجسم تھا۔ ہاں ابن حجر مکی سے صاحب روح المعانی نے اس قدر اختلاف کیا کہ میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ انبیاء اپنی قبور سے نکل کر عالم علوی میں تصرف کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ ابن حجر کا نظریہ غلط ہے یا یہ کہ میں حیات انبیاء روح معہ جسم کا قائل نہیں ہوں بلکہ اس کی تصریح کر دی کہ:

"فحصل من مجموعۃ ھذاالکلام والاحادیث النبی ﷺ حیی بجسدہ وروحہ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۳۴)" اس ساری کلام سے یہ حاصل ہوا اور احادیث سے بھی یہی ثابت ہوا کہ حضور ﷺ مع جسم اور روح کے زندہ ہیں۔

محدثین اور مفسرین کی ان تصریحات کے برعکس حضرت قاضی شمس الدین صاحب نے تسکین القلوب میں محض ذاتی اجتہاد کی بناء پر فتوی صادر فرما دیا کہ قیامت سے قبل جسموں میں حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ محدثین تو فرمائیں کہ نماز پڑھنا جسم کا وصف ہے اور روح مع الجسم نے بھی حرکت کی اور قاضی صاحب فرمائیں جسم میں حرکت ہوتی ہی نہیں۔ سوچنا پڑتا ہے کہ کس کی بات مانی جائے۔ عقل تو یہی کہتی ہے کہ ان مقدس حضرات کے مقابلے میں قاضی صاحب کا فرمان ایک مجذوب کی بڑ سے زیادہ کوئی وزن نہیں رکھتا۔

برزخ اور قیامت میں دنیا کا علم محفوظ رہنے کا ثبوت

گزشتہ ابواب میں بحث ہو چکی ہے کہ برزخ میں علم، سماع اور کلام کے لئے انسان وجود کا بتمامہا محفوظ ہونا شرط نہیں۔ اب اس امر کی تفصیل پیش کرنا مقصود ہے کہ میت کا علم جو اس نے دنیا میں حاصل کیا وہ معلومات جو اسے دنیوی زندگی میں حاصل ہوئیں اور وہ احوال جو اس پر گزرے یا اس کے مشاہدہ میں آئے بعد موت اس کے پاس محفوظ ہوتے ہیں۔

قرآن مجید کی شہادت

۱...... ”وبرزوا اللہ جمیعا فقال الضعفاء للذین استکبروا انا کنا لکم تبعا فھل انتم مغنون عنا من عذاب اللہ من شیء قالوا لو ھدانا اللہ لھدینا کم“ اور سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں تب کمزور متکبروں سے کہیں گے ہم تو تمہارے تابع تھے سو ہمیں اللہ کے عذاب سے کچھ بچاؤ گے وہ کہیں گے اگر ہمیں اللہ ہدایت کرتا تو ہم تمہیں ہدایت کرتے۔ (ابراہیم:۲۱)

اس آیت سے دو باتیں ظاہر ہیں، اوّل ضعفاء کو یاد ہے کہ دنیا میں ہماری گمراہی کا سبب امراء تھے۔ دوم امراء کو یاد ہے کہ وہ دنیا میں گمراہی کی زندگی گزارتے رہے۔

۲...... ”یقول الذین استضعفوا للذین استکبروا لو لا انتم لکنا مؤمنین“ جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ ان سے کہیں گے جو بڑے بنتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار ہوتے۔ (سبا:۳۱)

وہ جواب دیں گے ”انحن صددنا کم عن الھدٰی بعد اذ جاء کم بل کنتم مجرمین“ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا بعد اس کے کہ وہ تمہارے پاس آ چکی تھی۔ بلکہ تم خود ہی مجرم تھے۔ (سبا:۳۲)

پھر ضعفاء کہیں گے ”اذ تامروننا ان نکفر باللہ ونجعل لہ اندادا“ جب تم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اللہ کا انکار کر دیں اور اس کے لئے شریک ٹھہرائیں۔ (سبا:۳۳)

اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ مستضعفین اور مستکبرین اپنے دنیوی حالات کے محفوظ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو جواب دیں گے۔

۳...... ”قال قائل منھم انی کان لی قرین یقول ءانک لمن المصدقین ءاذا متنا وکنا ترابا وعظاما ءانا لمدینون“ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو تصدیق کرنے والوں میں ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں بدلہ دیا جائے گا۔ (الصافات:۵۱تا۵۳)

یہ بات یاد ہوگی کہ دنیا میں میرا ایک دوست تھا وہ دوست جو تبلیغ کرتا تھا وہ بھی محفوظ ہوگی۔

۴...... ’’قالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فهل الی خروج من سبیل‘‘ وہ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دوبار موت دی اور تو نے ہمیں دوبار زندہ کیا۔ پس ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا۔ پس کیا نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے۔ (المومن:۱۱)

دنیوی اعمال یاد ہونے کی وجہ سے اعتراف گناہ کریں گے۔

’’ونادیٰ اصحاب الجنة اصحاب النار ان قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقاً فهل وجدتم ما وعد ربکم حقا قالوا نعم‘‘ اور بہشت والے دوزخیوں کو پکاریں گے کہ ہم نے وعدہ سچا پایا جو ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا آیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا کہیں گے ہاں۔ (اعراف:۴۴)

انبیاء علیہم السلام نے جو وعدے فرمائے تھے دونوں فریقوں کو یاد ہوں گے۔

۶...... ’’کلما القی فیها فوج سألهم خزنتها الم یأتکم نذیر قالوا بلی قد جاءنا نذیر فکذبنا وقلنا ما نزل الله من شیء ان انتم الا فی ضلال کبیر وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر‘‘ جب اس میں ایک گروہ ڈالا جائے گا تو ان سے دوزخ کے داروغہ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے ہاں بیشک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا پر ہم نے جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم خود بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور کہیں گے کہ اگر ہم نے سنا یا سمجھا ہوتا تو ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ (ملک:۸ تا ۱۰)

انبیاء کا آنا ان کا تبلیغ کرنا یاد ہوگا، پھر ان کی تعلیمات کی تکذیب کرنا یاد ہوگا اور تکذیب کرتے ہوئے جو کچھ کہتے رہے وہ بھی یاد ہوگا۔

(اربعین رازی ص ۳۸۸) ’’لان من خاض فی علم التفسیر علم ان ورد هذه المسئلة فی القرآن لیس بحیث یقبل التاویل‘‘ جس نے علم تفسیر کا مطالعہ کیا وہ جان لے گا کہ قرآن میں یہ مسئلہ (علم الموتیٰ) اس حیثیت سے وارد ہوا ہے، جو قابل تاویل نہیں۔

حدیث نبوی کی شہادت

(مشکوٰۃ ص ۲۶) قبر میں میت سے سوال وجواب ہو چکنے کے بعد ایک مومن کہے گا ’’دعونی اصلی‘‘ پھر اس سے کہا جائے گا کہ نم (سو جا) پھر وہ کہے گا ’’ارجع الی اهلی فاخبرهم‘‘ میں اپنے گھر والوں کی طرف جا کر انہیں اطلاع دیتا ہوں۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ دنیا میں نماز کا پابند تھا۔ چنانچہ قبر میں بھی نماز پڑھنے کا ارادہ ظاہر کرے گا۔ پھر اسے اپنے اہل وعیال یاد ہوں گے ان کی خیر خواہی کا جذبہ موجود ہوگا۔ چنانچہ اہل وعیال میں لوٹ جانے کی آرزو کرے گا کہ انہیں آگاہ کرے کہ اللہ کی اطاعت کا یہ ثمرہ ملتا ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۱) نیز شک نیست در حصول علم مر موتی را در آخرت وبرزخ وبخفیف دین اسلام چنانچہ عائشہ گفتہ ومتفق علیہ است در مراد بحدیث پس ممکن است علم باحوال دنیا واہل دنیا وچیست دلیل بر زوال ایں علم؟ ونسیان آں یاد بود بقاء روح وآمدہ است کہ کافراں تمنی خواہند کرد عود بدنیا وآمدہ است کہ چوں میت از سوال منکر ونکیر جواب بخیر دہد وراحت یابد آرزوی کند وی گوید اے کاش کسے کہ خبر کند باہل من کہ من درراحتم وبالجملہ کتاب وسنت مملو

وشونند کہ دلالت می کند بر وجود علم موتی را بدنیا واہل آں پس منکر آں نشود آنرا مگر جاہل باخبار ومنکر دین۔

اموات کے لئے برزخ اور آخرت میں علم کے حاصل ہونے میں شک نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا اور مراد حدیث متفق علیہ ہے پس دنیا اور اہل دنیا کے احوال کا علم ممکن ہے اور اس علم کے زوال پر دلیل کون سی ہے؟ باوجودیکہ روح کے لئے بقا ہے اور قرآن میں آچکا۔ ہے کہ کافر دنیا میں لوٹ کر آنے کی تمنا کریں گے اور یہ بھی آچکا ہے کہ میت جب نکیرین کے سوال کے جواب ٹھیک دیتا ہے، راحت پاتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ کاش میرے پسماندگان کو کوئی بتائے کہ میں راحت میں ہوں۔

حاصل کلام یہ کتاب وسنت ان دلائل سے بھرے پڑے ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ میت کو دنیا اور اہل دنیا کا علم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا منکر صرف جاہل یا بے دین ہی ہوسکتا ہے۔

لیجئے! حضرت شاہ صاحب نے وہ بات کہہ دی جو انہی کے پایہ کا کوئی بزرگ ہی کہہ سکتا ہے کہ اس حقیقت کا انکار کرنے والا یا تو جاہل ہے یا منکر دین۔ کاش اقوال مرضیہ اور تسکین القلوب کا سامان دینے والے حضرات غور فرماتے۔

احادیث نبوی اور سماع موتی

۱...... (م ت ا ج ۴ ص ۱۱۶) ”عن ابی ھریرۃ قال قال ابورزین یا رسول اللہ ان طریقی علی الموتی فھل من کلام اتکلم بہ اذ مررت علیھم قال قل السلام علیکم یا اھل القبور من المسلمین والمؤمنین انتم لنا سلف ونحن لکم تبع وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون قال ابورزین یسمعون؟ قال یسمعون ولکن لا یستطیعون ان یجیبوا ای جوابا یسمعہ الحیی والافھم یروون حیث لا نسمع“ حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے ابورزین نے پوچھا کہ میرا گزر مردوں کے پاس سے ہوتا ہے کیا کوئی کلام ہے کہ وہاں سے گزرتے وقت پڑھ لوں فرمایا السلام علیکم الخ! کہا کرو۔ ابورزین نے پوچھا کیا وہ سنتے ہیں۔ فرمایا وہ سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔ یعنی ایسا جواب جسے زندہ آدمی سن سکے ورنہ وہ جواب دیتے ہیں۔ مگر ہم سن نہیں سکتے۔

اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے سماع موتی کی جو تصریح فرمادی اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں، مگر فن کار حضرات کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتے ہیں۔ چنانچہ (شفاء الصدور ص ۸۵) پر اس حدیث پر اعتراض کیا گیا ہے:

”قلنا فیہ محمد ابن الاشعث لا یعرف وقال العقیلی حدیثہ غیر محفوظ“ ہم کہتے ہیں کہ اس میں محمد بن الاشعث ہے جو غیر معروف ہے اور عقیلی نے کہا کہ اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔

الجواب: یہ جرح مبہم ہے جب تک جرح مفصل نہ ہو لایعرف کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ محدثین کی عادت ہے کہ جس شخص کے حق میں اس کے معاصر یا تلمیذ معاصر نے کلمات تعدیل نہیں کہے اس کے حق میں یہ ”لایعرف حال“ کہہ دیتے ہیں جو مقصود کو معتبر نہیں ہوتے۔

۲...... عقیلی کی جرح قابل اعتبار ہی نہیں۔ دیکھئے (السعی المشکور ص ۸۳، ص ۲۷۲، ۲۷۳)

۳...... لفظ غیر محفوظ خود مبہم ہے۔ عقیلی نے غیر محفوظ کا سبب کیا بیان کیا ہے؟

۴...... خود عقیلی نے اس حدیث کا استخراج کیا ہے۔ اگر یہ غیر محفوظ تھی تو عقیلی نے ایسا کیوں کیا؟ چنانچہ (شرح الصدور ص ۸۴) پر علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ ”واخرج العقیلی عن ابی ھریرۃ قال قال ابورزین یا رسول اللہ ان طریقی علی الموتی

فهل من كلام التكلم به اذا مررت عليهم قال قل السلام عليكم "اس لیے یہ غلط ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔

اور (تسکین القلوب ص ۱۴۱ و کتاب القول الجلی ص ۹۷) پر یہ ارشاد ہوا ہے: "اور ظن غالب یہ ہے کہ یہ حکم پہنچنا تو بلحاظ اثر اور ثمرے اور نتیجے کے ہے۔ جیسے "اذا قال السلام علينا وعلى عباده الله الصالحين اصحاب كل عبد صالح في الارض او في السماء"

اور (شفاء الصدور ص ۱۱۴) پر "ثم اعلم ان المراد ببلوغ الصلوة والسلام انما هو بلوغ ثواب وهو يعم لكل متوفي عندنا اهل السنة"

اور (اقوال مرضیہ ص ۱۰۳) پر سلام زائرین کو سلام دعا و نداء میں داخل کیا اور بلا حوالہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ذمہ لگا دیا۔

لیجئے شفاء الصدور، اقوال مرضیہ اور تسکین القلوب کی مثلث میں حدیث رسول گھر گئی اور "عندنا اهل السنة" کا نعرہ بلند کر کے ناقابل تاویل حدیث میں بھی فنکارانہ مہارت کا اظہار فرما دیا۔

الجواب: قرآن کریم نے سلام دو قسم بیان کیا ہے سلام تحیۃ اور سلام دعا۔

پہلی قسم کے متعلق فرمایا "واذا حييتم بتحية فحيوا باحسن منها او ردوها" (النساء: ۸۶) اس سلام کا جواب دینا ضروری ہے کہ موجب رد ہے۔ اس کی تصریح حدیث نے کر دی کہ وہ سنتے ہیں جواب دیتے ہیں۔ دوسری قسم سلام دعا موجب رد نہیں۔ اس کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے جیسے ارشاد ہے؟ "سلام على المرسلين (الصافات: ۱۸۱)، سلام على ابراهيم (الصافات: ۱۰۹)، سلام على نوح في العالمين (الصافات: ۷۹)، سلام على موسى وهارون (الصافات: ۱۲۰)"

حافظ ابن کثیر نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے:

"وقد شرح السلام على الموتى والسلام على من لم يشعر ولا يعلم بالمسلّم محال وقد علّم النبي ﷺ امته اذا راؤ القبور ان يقولوا دار قوم مومنين الخ۔ فهذا السلام والخطاب والنداء لموجود يسمع ويخاطب ويعقل ولولا هذا الخطاب لكانوا بمنزلة الخطاب المعدوم والجماد والسلف مجموعون على هذا وقد تواترت الاثار عنهم بان الميت يعرف بزيارة الحيي له ويستبشره" (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

اور موتی کو سلام کہنا مشروع کیا گیا ہے اور ایسے شخص کو سلام کہنا جو نہ شعور رکھتا ہو نہ سلام کہنے والے کو جانتا ہو محال ہے اور حضور ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے کہ جب قبریں دیکھو تو سلام کہو۔ یہ سلام خطاب اور ندا ہے۔ موجود کے لئے جو سنے سمجھے اور اسے خطاب کیا جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ خطاب معدوم اور پتھر کو ہوگا اور سلف کا اس پر اجماع ہے۔ متواتر روایات میں آ چکا ہے کہ میت زندہ زائر کو پہچانتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔

لیجئے ابن کثیر تو کہتے ہیں کہ سلف کا اجماع اس پر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل قبور کو جو سلام کہنے کی تعلیم دی وہ موجود کے لئے ہے جو سنتا اور سمجھتا ہے اور یہ بزرگ جو عندنا اہل السنۃ کہہ رہے ہیں۔ وہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ اب کون فیصلہ کرے کہ یہ اہل سنت کا نیا ایڈیشن درست ہے یا سلف صالحین کا اجماع قابل قبول ہے۔

اور "عندنا اهل السنة" فرمانے والے حضرات نے حضور اکرم ﷺ کو بھی سلام کا ثواب ہی پہنچنے کا فیصلہ دے دیا۔ حالانکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ رسول خدا ﷺ کے روضہ اطہر کے پاس جو درود سلام پڑھا جائے حضور ﷺ خود سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

چلئے اگر آپ بضد ہیں کہ ثواب ہی پہنچتا ہے تو دلیل پیش کیجئے۔ سلام کے الفاظ سننے اور اس کا جواب دینے کے متعلق تو صریح احادیث موجود ہیں آپ کوئی دلیل پیش کریں کہ بس ثواب ہی پہنچتا ہے۔

آپ کے عقیدہ کی تاریخ یہ ہے کہ اس عقیدہ کا اعلان ہکندری متوفی ۴۴۵ھ نے کیا کہ رسول خدا ﷺ روضہ اطہر میں بے حس، بے شعور پتھر کی طرح پڑے ہیں (معاذ اللہ) اس کی کما حقہ تردید علامہ قشیری اور علامہ بیہقی نے فرمائی۔ پھر یہی عقیدہ مولوی محمد بشیر سہسوانی (غیر مقلد) نے اختیار کیا تو مولانا عبدالحیؒ نے السعی المشکور میں اس کی خوب خبر لی۔ اب یہ عقیدہ اقوال مرضیہ، شفاء الصدور، تسکین القلوب وغیرہ میں یادرفتگان کے طور پر تازہ کیا گیا۔

خلاصہ بحث: ۱...... حدیث رسول اللہ ﷺ سے میت کا سننا صاف الفاظ میں ثابت ہے۔ عدم سماع پر حدیث رسول پیش کی جائے حدیث کے مقابل میں غیر کا قول حجت نہیں۔

۲...... اصول حدیث کے مطابق مثبت نافی پر مقدم ہوتی ہے۔

۳...... اہل قبور کو جو سلام دیا جاتا ہے وہ سلام تحیۃ ہے جو موجب رد ہے۔

۴...... رسول کریم ﷺ نے جو تعلیم دی اگر اس کا انکار کیا جائے تو سلام دینا ایسا ہوگا جو معدوم یا پتھر کو ہے جو محال ہے۔

حدیث نمبر ۲: (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۱۶، اور اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۵۷) "واخرج ابن عبدالبر فی الاستذکار والتمهید عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ما من احد یمر بقبر اخیه المؤمن کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الا عرفه ورد علیه السلام۔ صححه عبدالحق" اور اقتضاء کی عبارت "وقد روی حدیث صححه ابن عبدالبر" علامہ ابن عبدالبر نے استذکار اور تمہید میں اخراج کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جواسے دنیا میں پہچانتا ہو اور وہ اسے سلام کہے تو میت اسے پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔ اس حدیث کو عبدالحق نے بھی صحیح کہا اور ابن عبدالبر نے بھی صحیح کہا۔

۳...... (السعی المشکور فی رد المذهب الماثور ص ۲۴۷) "قال الحافظ ابو محمد عبدالحق الاشبیلی فی کتاب العاقبه ذکر ابو عمرو بن عبدالله من حدیث ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ما من احد یمرّ بقبر اخیه المؤمن یعرف فی الدنیا الا عرفه ورد علیه السلام وهو صحیح الاسناد" حافظ ابو محمد عبدالحق اشبیلی نے اپنی کتاب العاقبۃ میں ذکر کیا کہ حافظ ابن عبدالبر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جواسے دنیا میں پہچانتا تھا تو میت اسے پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

۴...... (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۱۶) "اخرج ابن ابی الدنیا والبیهقی فی الشعب عن ابی هریرة قال اذا مر الرجل بقبر یعرفه فسلّم رد علیه السلام وعرفه واذا القبر لا یعرفه فسلّم رد علیه السلام ولم یعرفه" ابن ابی الدنیا نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ جب کوئی شخص ایسی قبر سے گزرے کہ صاحب قبر اسے دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ سلام کہے تو میت اس کو پہچانتا بھی ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور اگر ایسی قبر سے گزرے کہ وہ اسے نہ پہچانتا ہو اور سلام کہے تو میت سلام کا جواب دیتا ہے اور پہچانتا نہیں۔

۵...... (السی المسلک رص ۲۲۸)"اخرج ابن ابی الدنیا فی القبور و الصابونی فی المائتین عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ مامن عبد مرّ علی قبر رجل یعرفه فی الدنیا فسلّم علیه الاعرفه ورد علیه السلام" ابن ابی الدنیا اور الصابونی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے واقف کی قبر سے گزرے اور سلام کہے تو میت اسے پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔

۶...... (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)"عن عائشة قالت قال رسول اللہ ﷺ مامن رجل یزور قبر اخیه ویجلس عنده الا استانس به و رد علیه حتی یقوم" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ فرمایا حضور ﷺ نے جو شخص اپنے بھائی کی قبر پر جائے اس کے پاس بیٹھے تو صاحب قبر اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اٹھ کھڑا ہو۔

۷...... (شرح الصدور ص ۸۴)"اخرج الحاکم و صححه و البیهقی عن ابی هریرة عن النبی ﷺ انه وقف علی مصعب بن عمیر حین رجع من احد فوقف علیه و علی اصحابه فقال اشهد انکم احیاء عند اللہ فزوروهم و سلّموا علیهم فو الذی نفسی بیده لا یسلّم علیه احد الا ردوا علیه الی یوم القیامة" جب حضور ﷺ احد سے لوٹے تو مصعب بن عمیر اور دوسرے ساتھیوں کی قبر کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ تم زندہ ہو اللہ کے ہاں۔ پس تم ان کی زیارت کیا کرو اور انہیں سلام کہا کرو اور قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ جو شخص انہیں سلام کہے گا یہ جواب دیں گے اور یہ قیامت تک جاری رہے گا۔

۸...... (وفی الاربعین الطائیہ و شرح الصدور ص ۸۵)" روی عن النبی ﷺ انه قال انس مایکون المیت فی قبره اذا زاره من کان یحبه فی دار الدنیا" فرمایا حضور ﷺ نے کہ قبر میں میت اس شخص سے انس پکڑتا ہے۔ جس سے وہ دنیا میں محبت کرتا تھا جب وہ میت کی قبر کی زیارت کرے۔

۹...... (مشکوۃ ص ۱۵۴)"عن عائشة قالت کنت ادخل البیت فاضع ثوبی و اقول انما هو ابی و زوجی فلما دفن عمر معهما ما دخلته الا و انا مشدودة علیّ ثیابی حیاء من عمر۔ حاشیه مشکوٰۃ حیاء من عمر اوضح دلیل علی حیات المیت۔ (مرقات ج ۴ ص ۱۱۷) قال الطیبی فیه ان احترام المیت کاحترام المیت حیاً" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حجرہ میں پردہ کے بغیر داخل ہوا کرتی تھی اور کہتی کہ ایک میرے شوہر ہیں دوسرے والد، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو میں عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کی وجہ سے بغیر پردہ کبھی داخل نہیں ہوئی۔ حیاء من عمر میت کی زندگی پر واضح ترین دلیل ہے۔ طیبی نے کہا اس میں دلیل ہے اس امر کی کہ میت کا احترام اسی طرح کیا جائے جیسا زندگی میں کیا جاتا تھا۔

اور (لمعات ج ۱ ص ۷۶۷) و دریں حدیث دلیلے واضح است بر حیات میت و علم وے و آنکہ واجب است احترام میت نزد زیارت وے خصوصاً صالحاں۔ اس حدیث میں واضح دلیل ہے میت کی حیات اور میت کے علم پر اور اس امر کی دلیل ہے کہ زیارت میت کے وقت اس کا احترام کیا جائے بالخصوص صلحاء کا۔

اس حدیث پر اقوال مرضیہ کے مصنف نے جاہلانہ سوال کئے ہیں:

۱...... حیاء عمر رضی اللہ عنہ سے ایسا تھا جیسا بول و براز کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ نہیں کیا جاتا واسطے حیاء بیت اللہ کے۔ کیا بیت اللہ دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہیں دیکھ رہے۔

(فتح الملہم ج ۱ ص ۴۸۱): ستر عورت کا حکم خدا نے دیا ہے۔اس حکم کے پابند کو خدا تعالیٰ حالت حیاء میں دیکھتا ہے۔ غیر ستر عورت کی حالت بے حیائی کی ہے۔اس کو بے حیائی کی حالت میں دیکھتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ دونوں حالتوں میں دیکھتا ہے۔ مگر ایک کو حیاداری میں دوسرے کو بے حیائی میں اور بیت اللہ کے لئے یہ حکم نہیں ہے" وان كان الله يرى المستور كما يرى المكشوف لكنه يرى المكشوف تارك اللادب والمستور وهذا الادب واجب مراعاته عند القدرة عليه"

الجواب: بیت اللہ سے تشبیہ ملاحظہ ہو: کوئی پوچھے کون سا وصف مشترک ہے جسے وجہ شبہ قرار دیا۔ بیت اللہ ایک عمارت ہے جو پتھروں سے تیار کی گئی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ عظیم الشان انسان ہیں جو شہید ہوئے اور شہید از روئے نص قرآنی زندہ ہیں۔ کیا بیت اللہ کوئی جاندار چیز ہے جسے زندہ کہا جاسکتے؟ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز میں قبلہ بنایا جاتا ہے؟ بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے جو عبادت ہے۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طواف کیا جاتا ہے؟ اس بیچارے کو کون سمجھائے کہ قضائے حاجت کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ نہ کرنا شعائر اللہ کی تعظیم کی وجہ سے ہے جو عبادت ہے اس کو حیا قرار دینا صرف اقوال مرضیہ کے مصنف ہی کا کام ہے۔

۲...... دوسرا سوال کیا کہ جب مٹی سے نظر پار چلی جاتی ہے تو کپڑا کس طرح پردہ بن سکتا ہے؟

الجواب: اس سوال میں تو مصنف کا باطن اور اس میں چھپا ہوا چور صاف نمایاں ہیں۔

اوّل: مصنف کے نزدیک یہ حدیث غلط ہے۔

دوم: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اتنی سمجھ بھی نہ تھی کہ جب مٹی پردہ نہیں بن سکتی تو کپڑا کیسے پردہ بن سکتا ہے۔ یہ لال بجھکو اپنے آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ سمجھدار سمجھتے ہیں۔

سوم: مصنف کو مرقاۃ یا لمعات دیکھنے کی فرصت نہیں ملی۔ میت کا احترام اسی طرح کرنا چاہئے جیسے زندگی میں اس کا احترام کیا جاتا ہے۔ زندگی میں کپڑے کو پردہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح میت سے پردہ کرنے کے لئے بھی کپڑے سے ہی کام لیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل

۱...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل سے کئی امور ثابت ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہیں۔

۲...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ تھا کہ اہل برزخ کے لئے مٹی بمنزلہ شیشہ کے ہے۔ جس طرح شیشے سے نظر پار چلی جاتی ہے اسی طرح مٹی سے پار چلی جاتی ہے۔

۳...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کرنے کے لئے کپڑے کا استعمال امتثال امر کے طور پر کیا۔ "قال تعالی وليضربن بخمرهن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن الا لبعولتهن او آبائهن" (النور: ۳۱)

۴...... قلیب بدر کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو غلط معنی پہنا کر انہیں عدم سماع کا قائل قرار دیا جاتا ہے۔ اگر اس قول کے وہی معنی لئے جائیں جو منکرین سماع موتی لیتے ہیں تو اس حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع ثابت ہوا۔ کیونکہ یہ واقعہ قلیب بدر کے بعد کا واقعہ ہے۔

اس لئے حضرت عائشہ ﷝ کا عدم سماع کا عقیدہ جو شخص ثابت کرنا چاہے وہ اس کے بعد کا قول پیش کرے۔

"فمن ادعا فعلیہ البیان بالبرھان ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین"

۱۰...... (ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۹)"ان شابا کان یتعبد فی المسجد فھو تیہ امرأۃ فدعتہ الی نفسھا فما زالت بہ حتی کاد یدخل معھا المنزل فذکر ھذہ الایۃ انّ الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون فخر مغشیاً علیہ ثم افاق فاعلوھا فمات فجاء عمر فعزی فیہ اباہ وکان قد دفن لیلا فذھب علی قبرہ بمن معہ ثم ناداہ عمر فقال یافتی ولمن خاف مقام ربہ جنتان فاجابہ الفتی من داخل القبر یاعمر! قد اعطانیھا ربی عزوجل فی الجنۃ مرتین"

ایک جوان مسجد میں عبادت کیا کرتا تھا ایک عورت اس پر مائل ہوگئی اور اس نوجوان کو برائی کی دعوت دی یہ سلسلہ جاری رہا حتی کہ قریب تھا کہ اس کے گھر میں داخل ہوتا۔ پس اس جوان کو یہ آیت یاد آئی ان الذین اتقوا الخ تو غش کھا کے گر پڑا۔ پھر کچھ افاقہ ہوا پھر بے ہوش ہوکر گر پڑا اور مر گیا۔ پس حضرت عمر ﷜ اس کے باپ کے پاس تعزیت کے لئے آئے اور انہیں رات کو دفن کیا گیا تھا۔ حضرت عمر ﷜ اس کی قبر پر گئے اور اپنے ساتھیوں سمیت دعا کی۔ پھر حضرت عمر ﷜ نے اسے آواز دی اے جوان جو شخص اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنت ہیں تو قبر سے اس نے جواب دیا کہ اے عمر ﷜! یہ دونوں چیزیں میرے رب نے جنت میں دو دفعہ دی ہیں۔

۱۱...... (مرقاۃ ج ۴ ص ۴۲، اور الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۳۰۵)"عن ابی سعید الخدری ان النبی ﷺ قال ان المیت یعرف من یغسلہ ومن یحملہ ومن یکفنہ ومن یدلیہ فی حفرتہ" فرمایا حضور ﷺ نے کہ میت پہچانتا ہے، غسل دینے والے کو اور جو اسے اٹھاتا ہے جو کفن دیتا ہے اور جو اسے قبر میں اتارتا ہے۔

۱۲...... (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۹۶)"عن ابی ھریرۃ ان امرأۃ سوداء کانت تقم المسجد ففقدھا رسول اللہ ﷺ فسأل عنھا بعد ایام فقیل لہا انھا ماتت" ایک سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو دیتی تھی۔ ایک روز حضور ﷺ نے اسے نہ پایا۔ چند روز کے بعد اس کے متعلق پوچھا۔ عرض کیا گیا کہ مر گئی ہے۔

دوسری روایت ابن مرزوق سے (الترغیب ج ۱ ص ۱۹۷)"فمرّ علی قبرھا فقال ماھذا القبر فقالوا ام محجن قال التی تقم المسجد قالوا نعم وصف الناس فصلی علیھا ثم قال ای العمل وجدت افضل؟ قالوا یا رسول اللہ ﷺ السمع؟ فقال ما انتم باسمع منھا فذکر انھا اجابۃ تقم المسجد" حضور ﷺ کا اس کی قبر پر گزر ہوا پوچھا یہ کس کی قبر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ام محجن کی فرمایا وہی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ عرض کیا جی ہاں۔ پھر صف باندھی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر حضور ﷺ نے ام محجن سے سوال کیا تم نے کون سا عمل افضل پایا۔ صحابہ نے عرض کیا رسول اللہ! کیا یہ آپ ﷺ کی آواز سن رہی ہے۔ فرمایا تم اس سے زیادہ نہیں سنتے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ جواب دے رہی ہے کہ مسجد میں جھاڑو دینے کو افضل عمل پایا۔

۱۳...... (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۹) حضرت عمرو بن العاص ﷜ نے بیٹے کو وصیت فرمائی: "ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر الجزور ویقسم لحمھا حتی استأنس بکم واعلم ماذا اراجع رسل ربی" پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر رکنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انس پکڑوں اور جان لوں کہ میرے رب کے بھیجے ہوئے کیسے لوٹتے ہیں۔ (اور مسلم ج ۱ ص ۷۶)

۱۴...... (طحاوی شرح مراقی الفلاح ص ۳۵۵) "عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا مات احدکم فسویتم علیہ التراب فلیقم احدکم علی رأس القبر ثم لیقل یا فلان بن فلانۃ فانہ یسمع ولا یجیب ثم لیقل یا فلان ابن فلانۃ فانہ یقول ارشدنا یرحمکم اللہ تعالٰی ولکنکم لا تسمعون۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر روی مرفوعا" فرمایا حضور ﷺ نے کہ جب تم میں سے کوئی مرجائے جب اس پر مٹی ڈال چکو تو کوئی شخص قبر کے سرہانے کھڑا ہوکر کہے اے فلاں بن فلاں وہ کلام سن لے گا مگر جواب نہ دے گا۔ پھر کہے اے فلان بن فلاں اب وہ کہے گا اللہ تجھ پر رحم کرے ہماری رہنمائی کر۔ لیکن تم نہیں سنتے۔

اور (تذکرہ قرطبی ص ۳۴) پر ہے کہ اس پر علامہ طحاوی نے لکھا ہے: "اذا فرغوا من دفنہ یستحب الجلوس عند قبرہ بقدر ما ینحر الجزور ولیقسم لحمہ یتلون القرآن ویدعوا للمیت فقد ورد انہ یستأنس بھم وینتفع بہ" دفن سے فارغ ہونے کے بعد قبر کے پاس اتنا بیٹھنا مستحب ہے جتنی دیر میں اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ اتنی دیر قرآن کی تلاوت کریں۔ میت کے لئے دعا کریں اور حدیث میں آیا ہے کہ میت ان سے مانوس ہوتا ہے اور اسے فائدہ ہوتا ہے۔

پھر اسی میں (ص ۳۶۲) پر فرماتے ہیں: "وقال ابن القیم الاحادیث والآثار تدل علی ان الزائر حتی جاء علم بہ المزور وسمع سلامہ وانس بہ ورد علیہ السلام وھذا عام فی حق الشھداء وغیرھم" ابن قیم کہتے ہیں حدیث اور آثار دلالت کرتی ہیں کہ جب زائر میت کی زیارت کو آتا ہے، میت کو علم ہوجاتا ہے اس کا سلام سنتا ہے اور اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور یہ حکم شہداء اور غیر شہداء کے لئے عام ہے۔

جدید محققین کی تحقیق

اسی حدیث پر "جدید محققین" (شفاء القلوب ص ۹۵) پر فرماتے ہیں:

"قلت الاستیناس غیر السماع وکذا القرأۃ القرآن علی ما روی عن ابی یوسف ومحمد کما یستأنس المیت بتسبیح الحشیش والنباتات الرطبۃ فی المقبرۃ الخ" میں کہتا ہوں کہ "استیناس تو سماع کا غیر ہے" اسی طرح قرآن کی تلاوت جیسا کہ ابو یوسف و محمد سے مروی ہے جس طرح میت نباتات اور سبز گھاس کی تسبیح سے مانوس ہوتا ہے جو قبرستان میں اگ رہی ہوتی ہے۔

یہ حضرت کتنے سادہ و پرکار ہیں خود اپنی بات کی تردید کئے جارہے ہیں اور سمجھتے نہیں اور ساتھ ہی دوسروں کو دھوکہ بھی دے رہے ہیں۔ اول تو آپ فرماتے ہیں کہ استیناس غیر السماع ہے اور پھر جو حوالہ دیتے ہیں وہ اس کی تردید کرتا ہے۔ جیسے سبزہ کی تسبیح سے میت انس پکڑتا ہے، سبزہ کی تسبیح سن کر ہی تو مانوس ہوتا ہے پھر استیناس غیر السماع کیوں کر ہوا۔ اگر نباتات خدا کی تسبیح سن کر میت مانوس ہوتا ہے تو اشرف المخلوقات کی قرأت سننے کے لئے راستے میں کون سا ہمالیہ حائل ہوتا ہے۔

اب اس استیناس غیر السماع کی حقیقت سنئے:

"المنجد: آنسۃ وانس الساضد توحش انس الشیٔ ابصرہ وعلمہ اللہ یؤنسہ ایناسا بمعنی انسہ" انس ضد ہے توحش کی۔ کسی چیز سے انس پکڑا یعنی دیکھا اور معلوم کیا۔

"آنس الصوت سمعہ واحس بہ الشیء ابصرہ ومنہ آنس من جانب الطور نارا ای البصرہ مفردات راغب: فان الستم منھم رشدا ای ابصرتم ولا مستأنسین لحدیث۔ الی انست نارا لعلی اٰتیکم منھا" انس الصوت یعنی آواز کو سنا، محسوس کیا اور شئی کو دیکھا اور اسی سے ہے طور کی جانب سے آگ دیکھی اور ان نابالغوں میں جب تم بلوغت کے آثار دیکھ لو اور مت بیٹھیں باتوں میں جی لگا کر۔ میں نے آگ دیکھی۔

ان اہل لغت کے نزدیک انس کے لئے دیکھنا سننا اور محسوس کرنا ثابت ہے۔ مگر "جدید امام لغت" "قلت" کہہ کر صاحب منجد اور صاحب مفردات کی زبان دانی پر پانی پھیر گئے۔ قلت سے ان کی مراد یہ ہے کہ مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔

اب ایک اور حضرت کی تحقیق ملاحظہ ہو: (تسکین القلوب ص ۱۵۱) "یہ کون کہتا ہے کہ حیات ہو اور ادراک وشعور نہ ہو۔ ادراک وشعور تو سب کے نزدیک ہے لا مناوصدقنا نزاع اس میں ہے کہ اس ادراک وشعور کے مدرکات کیا ہیں؟"

اس سلسلے میں مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ جو لوگ جاہل اور گنوار کہلائے جاتے ہیں۔ وہ بھی جب کوئی جھوٹی کہانی بناتے ہیں تو گواہوں کو بیانات رٹا لیتے ہیں تاکہ بیانات میں تضاد کی وجہ سے کہیں کہانی جھوٹی ثابت نہ ہو جائے۔ مگر "جو" حضرات نہ جاہل ہیں نہ گنوار ہیں اتنی احتیاط بھی نہیں فرماتے۔ ہر ایک کا بیان جدا، ایک ہیں کہ حیات کے منکر، دوسرے سماع کے منکر اور ایک ہیں کہ ایک ادارک وشعور کے متعلق مناوصدقنا فرما رہے ہیں۔

رہا ادراک وشعور کے ادراکات کا معاملہ تو پلٹ کر قرآن مجید کی آیات اور احادیث کا مطالعہ فرمالیجئے جو گزشتہ ابواب میں پیش کی گئی ہیں اور اس باب میں پیش کی جارہی ہیں تو معلوم ہو جائے گا کہ ادراک وشعور کے مدرکات جس طرح اخروی ہیں۔ اسی طرح دنیا کی چیزیں بھی ہیں۔

۱۵...... "وعن الحسن عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ لا یزال المیت یسمع الاذان ما لم یطین قبرہ" فرمایا حضور اکرم ﷺ نے کہ میت اذان کی آواز سنتا ہے جب تک کہ اس کی قبر کی لپائی نہ کی جائے۔

اس حدیث میں بعد تطیین قبر جو شرعاً ایک کراہ فعل ہے اس کی وجہ سے اذان نہ سنے گا نہ کہ مطلق سنے گا بھی نہیں۔ حدیث نفی سماع اذان کی ہے نہ مطلق سماع کی۔

اس حدیث پر "جدید محققین" نے اعتراض فرمایا کہ یہ خلاف عقل ہے جب لپائی کی وجہ سے اذان نہیں سن سکتا تو قبر پر جو مٹی پڑی ہے اس کے ہوتے ہوئے کس طرح سن سکتا ہے۔ (شفاء الصدور ص ۹۵)

الجواب: دیکھنے اور سننے میں مٹی کیوں حائل نہیں ہوتی۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو: (شرح الصدور ص ۹۵)

"قال ما رأیت الماء اذا کان فی الذجاج ما یتبین قلت بلی قال فکذلک نحن نری من یزورنا"

(میت نے) کہا کیا تو نے پانی کو نہیں دیکھا جو شیشے میں ہو وہ کیسے صاف نظر آتا ہے میں نے کہا ہاں! میت نے کہا اسی طرح ہم اسے دیکھتے ہیں جو ہماری زیارت کو آتا ہے۔

لپائی سے کیوں نہیں سن سکتا

لپائی کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، اسی حدیث کی رو سے قبر کی لپائی مکروہ ہے اور اذان جو دینی نقارہ ہے۔ اس مکروہ فعل کی وجہ سے میت اس کے سننے سے محروم ہو جاتا ہے۔

رہی یہ بات کہ خلاف عقل ہے تو سوچنے کی بات ہے کہ کس کی عقل معیار ہے؟ ایک فن سے ناواقف آدمی تو اسے بھی خلاف عقل کہہ سکتا ہے کہ بجلی کی رو ایک تنا ور درخت کی چوٹی سے گزر ای جائے تو وہ شاخوں اور تنوں سے گزر کر زمین میں پہنچ جاتی ہے۔ مگر کاغذ برابر موٹے ربڑ کی تہ سے پار نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح امور آخرت کا ماہر اللہ کا رسول ایک بات کہہ دے اور کوئی اناڑی اسے خلاف عقل قرار دے تو اس کی عقل کو قول رسول پر ترجیح دینا ایمان اور عقل کے منافی ہے۔

۱۶...... "عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان العبد اذا وضع فی القبر وتولّٰی عنه اصحابه انه یسمع قرع نعالھم اتاه ملکان فیقعدانه فیقولان" (مرقاۃ ج ۱ ص ۱۹۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے فرمایا حضور اکرم ﷺ نے کہ جب میت کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ گھر کو لوٹتے ہیں وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اس وقت دو فرشتے آتے ہیں۔ اسے بٹھاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں۔

"وفیه دلالة علی حیاة المیت فی القبر لان الاحساس بدون الحیاة ممتنع عادة" اور اس حدیث میں قبر میں میت کی حیات کی دلیل ہے۔ کیوں کہ احساس بغیر حیات کے عادتاً محال ہے۔

۱۷...... (شرح حدیث النزول ص ۸۳) "عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ رواه ابو حاکم فی صحیحه وقد رواه ایضاً الائمة قال ابن المسیب لیسمع خفق نعالھم حین یولون عنه" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے بیان کیا اس کو حاکم نے اپنی صحیح میں بیان اور اسے ائمہ حدیث نے بیان کیا۔ ابن المسیب کہتے ہیں کہ میت ان لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے جو لوٹ کر جا رہے ہوتے ہیں۔

۱۸...... (ایضاً) "عن ابی ھریرة الطبرانی فی الاوسط وابن حبان فی الصحیح روایة ابی ھریرة مفصلة اکثروا ولھا عن النبی ﷺ قال ان المیت اذا وضع فی قبره انه یسمع خفق نعالھم حین یولون مدبرین" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے طبرانی نے اوسط میں اور ابن حبان نے صحیح میں بیان کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مفصل ہے۔ جس کا اول حصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب میت کو دفن کر دیا جاتا ہے تو اپنے ساتھیوں کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے جو گھروں کو لوٹ رہے ہوتے ہیں۔

ان حدیثوں پر ایک آسان اعتراض تو وہی ہے جو گزر چکا کہ یہ خلاف عقل ہے۔ مگر ایک اور اعتراض منکرین سماع کی طرف سے یہ کیا جاتا ہے کہ یہ سماع مقید ہے اول وضع کے ساتھ جس وقت سوال و جواب نکیرین ہوتے ہیں کیوں کہ اس وقت روح کا اعادہ کیا جاتا ہے مگر بعد کو نہیں سنتا۔

اس سادہ اعتراض کا جواب تو اس دوسرے اعتراض میں موجود ہے کہ اس وقت ڈھیروں مٹی کے نیچے خفق نعال کیسے سن لیتا ہے۔ کیا یہ خلاف عقل نہیں۔ دوسرے حصے کا جواب ملا علی القاری نے دیا ہے۔ (مرقاۃ ج ۸ ص ۱۱) "ان ماورد من السلام علی الموتٰی یرد علی التخصیص باوّل احوال الدفن" میت کو سلام کہنے کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کو اول دفن کے ساتھ مختص کرنا مردود قرار دیا گیا ہے۔

اور (کتاب الروح ص ۱۲۴) "وقد استدل به من ذھب الی ان الارواح علی افنیة القبور وھو اصح ما ذھب الیه فی ذالک من طریق الاثر الا تری ان الاحادیث الدالة علی ذالک ثابتة متواترة وکذالک احادیث السلام علی القبور" جس نے کہا کہ ارواح افنیہ قبور میں ہوتے ہیں۔ اس نے اسی حدیث سے استدلال

کیا اور یہی مذہب سب سے زیادہ صحیح ہے۔ بوجہ آثار کے کیا تم نہیں دیکھتے کہ متواتر احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں اور اسی طرح قبور پر سلام کہنے کی احادیث بھی متواتر ہیں۔

یعنی (۱) اہل قبور زندوں کا سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ یہ متواترات سے ہے۔

(۲) مقر ارواح الخیہ قبور ہے، یہ بھی متواترات سے ہے۔

(اور لمعات ج ۳ ص ۴۰۰) وجواب دادہ اند جماعہ از حدیث مسلم کہ ناطق است بسماع میت قرع نعالہم مردما نرا بانکہ ایں مخصوص است بروقت نہادن میت در قبر از برائے مقدمہ سوال ایں تخصیص خلاف ظاہر است دلیل نیست برآں وظاہر حدیث آنست کہ ایں حالت حاصل است میت را در قبر۔ حدیث مسلم جو اس امر میں ناطق ہے کہ میت جوتوں کی آہٹ سنتا ہے اس کو جن لوگوں نے اوّل وضع کے ساتھ مختص کیا ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ یہ تخصیص ظاہر کے خلاف ہے اور اس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں اور ظاہر اس حدیث سے یہ ہے کہ قبر میں میت کو یہ حالت ہر وقت حاصل ہے۔

۱۹...... (فتح الباری ج ۲ ص ۲۱۵) ''ولم ینفرد عمر ولا ابنہ بحکایتہ ذالک بل وافقھما ابو طلحہ کما تقدم وللطبرانی من حدیث ابن مسعود مثلہ باسناد صحیح ومن حدیث عبداللہ بن سیدان نحوہ وفیہ قالوا یا رسول اللہ وھل یسمعون قال یسمعون کما تسمعون ولکن لا یجیبون'' اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے اس حکایت میں منفرد نہیں بلکہ ابوطلحہ نے ان کی موافقت کی ہے جیسا گزر چکا ہے اور طبرانی میں ابن مسعود کی حدیث اسناد صحیح سے وارد ہے اور اسی طرح حدیث عبداللہ بن سیدان کی حدیث بھی اور اس حدیث میں ہے کہ انہوں نے کہا یارسول اللہ کیا وہ سنتے ہیں۔ فرمایا حضور ﷺ نے کہ سنتے ہیں جیسا تم سنتے ہو۔ لیکن جواب نہیں دیتے۔

اور (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۰) و بہ تحقیق ذکر کردہ است در مواہب لدنیہ کہ در مغازی محمد بن اسحاق باسناد جید و امام احمد بن حنبل نیز باسناد حسن واز عائشہ رضی اللہ عنہا مثل حدیث ابن عمر آوردہ پس گویا عائشہ رجوع کردہ از انکار بہ سبب آنچہ ثابت شد نزد وے از روایت ایں صحابہ کبار زیرا کہ وی رضی اللہ عنہا حاضر نبود در آں قضیہ و در شرح صحیح بخاری نیز مثل ایں کلام مذکور شد۔

مواہب لدنیہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ مغازی محمد بن اسحاق میں اسناد جید اور امام احمد بن حنبل نے بھی سند حسن کے ساتھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث ابن عمر کی طرح وارد ہے۔ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع کے انکار سے رجوع کیا ہے کیوں کہ ان کے نزدیک ان کبار صحابہ کی روایت سے سماع موتی ثابت ہو چکا تھا اور اس واقعہ میں ام المومنین موجود نہ تھیں اور صحیح بخاری کی شرح میں بھی اسی طرح مذکور ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ہے۔

۲۰...... (فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۵) ''وفی حدیث ابن مسعود ولکنھم الیوم لا یجیبون ومن الغریب ان فی مغازی لابن اسحاق روایۃ یونس بن بکیر باسناد حسن فان کان محفوظا فکانھا رجعت عن الانکار لما ثبت عندھا ومن روایۃ ھولاء الصحابۃ لکونھا لم تشھد القصۃ'' اور حدیث ابن مسعود میں ہے کہ وہ '' آج جواب نہیں دیتے۔'' اور عجیب بات یہ ہے کہ مغازی ابن اسحاق میں یونس بن بکیر کی روایت اسناد حسن سے مذکور ہے۔ پس اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار سماع سے رجوع کر لیا ہے جب کہ جلیل القدر صحابہ کی روایت (سماع موتی) کے بارے میں ان کے ہاں ثابت ہو چکی تھی۔ کیوں کہ آپ خود واقعہ میں حاضر نہ تھیں۔

۲۱...... "عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ ذکر فتان القبر فقال الرو علینا عقولنا یا رسول اللہ فقال نعم کھیئتک الیوم فقال عمر بفیہ الحجر (الترغیب والترہیب ج۴ ص ۳۶۲) بفیہ الحجر ای یلقم الفتان الحجر" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے قبر کے فرشتوں کا ذکر فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہماری عقلیں ہمیں لوٹائی جائیں گی فرمایا ہاں جس طرح آج ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کے منہ میں پتھر، یعنی ان کے منہ میں ہم پتھر ڈال دیں گے یعنی جواب مسکت دیں گے۔

۲۲...... (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۳۴۱) "فقال لہ عمر وانا کما انا الان قال نعم فقال اذن واللہ اخاصمہما فرأہ ابنہ عبداللہ بعد موتہ فقال لہ ما کان منک فقال لہ اتانی الملکان فقالا لی من ربک ومن نبیک فقلت ربی اللہ ونبی محمد وانتما من ربکما فنظر احدہما الی الاخر فقال انہ عمر فولیا عنی" اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ حضور ﷺ کیا میں اسی طرح ہوں گا جیسا کہ اب ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے تو اللہ کی قسم میں اس وقت ان سے جھگڑوں گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بعد وفات دیکھا اور پوچھا ابا جان آپ پر کیا گزری۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میرے پاس دو فرشتے آئے مجھے کہا تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ میرا رب ہے اور محمد میرا نبی ہے اور بتاؤ تمہارا رب کون ہے؟ تو ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا تو اس نے کہا کہ یہ عمر ہے۔ چنانچہ وہ لوٹ گئے۔

۲۳...... (الترغیب ج ۴ ص ۳۶۵) براء بن عازب سے مروی ہے "قال ان المیت یسمع خفق نعالھم اذا ولوا مدبرین حین یقال لہ یا ھذا من ربک وما دینک ومن نبیک" فرمایا حضور ﷺ نے کہ میت جوتوں کی آہٹ سنتا ہے جب وہ لوٹ کر جاتے ہیں۔ جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ اے فلاں تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے؟

۲۴...... (بخاری مع فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۳) اور مسلم میں قلیب بدر کے بارے میں "فجعل ینادیھم باسمائھم واسماء آبائھم یا فلان بن فلان یا فلان بن فلان ایسر کم انکم اطعتم اللہ ورسولہ فانا وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعدربکم حقا قال عمر یا رسول اللہ ما تکلم من اجساد لا ارواح لھا فقال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم" حضور ﷺ ان کے نام لے کر پکارنے لگے کہ اے فلاں بن فلاں کیا تمہارے لئے اچھا نہ ہوتا کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہمارے رب نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا ہم نے تو اسے حق پایا کیا تم نے بھی اسے حق پایا جو تم سے وعدہ کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ! آپ ان بے روح لاشوں سے کیسے گفتگو فرما رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔

جس حدیث پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہو اس پر امت کا اتفاق سمجھا جائے گا بوجہ ان کی قبولیت کے۔

(تدریب الراوی ص ۷۰) "قال ابن الصلاح لکن یلزم من اتفاقھما اتفاق الامۃ تلقیھم لہ بالقبول" ابن الصلاح نے کہا کہ بخاری اور مسلم کے اتفاق سے امت کا اتفاق لازم آتا ہے۔ کیوں کہ امت نے ان کو قبول کیا ہے۔

ان احادیث میں من مانی تاویل شروع کر دینا ایک بیکار مشغلہ ہے۔ مگر منچلے لوگ بھلا کیسے باز آ سکتے ہیں۔ چنانچہ (شفاء الصدور ص ۴۳) اور (اقوال مرضیہ ص ۱۹۱) پر قرع نعال والی حدیث پر اعتراض کیا گیا ہے۔

۱...... "ان ذالک کنایۃ عن سرعۃ اتیانھا بعد الدفن لا حقیقۃ" یہ منکر نکیر کے جلدی آنے کا کنایہ ہے حقیقت نہیں۔

۲...... "قالوا ان معنی الحدیث انہ یکون فی بعد یسمع قرع النعال فی ذالک الموضع اذا اتاہ ملکان" حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اتنا دور ہو کہ جہاں سے جوتوں کی آہٹ سنی جاتی ہے تو فرشتے آجاتے ہیں۔

۳...... "اجاب امامنا ابو حنیفۃ عن حدیث یسمع قرع نعالھم ان المعنی فی مقدار ان یذھبوا حتی لو کان حیا ھناک یسمع قرع نعالھم" ہمارے امام ابوحنیفہ نے جواب دیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ اتنی دور چلے جائیں کہ اگر کوئی زندہ ہو تو جوتوں کی آواز اتنے فاصلے سے سن لے۔

چلئے قرع نعالھم تو کنایہ سرعت اتیان سے ہوا۔ مگر سوال و جواب کس سے کنایہ ہوا۔ رہی یہ بات کہ اجاب امامنا تو صاحب یہ آپ نے اپنے لئے ایک محفوظ مورچہ کے طور پر استعمال کیا ہے ورنہ امام صاحب نے نہ کوئی جواب دیا نہ اس کا ثبوت مل سکتا ہے۔ امام صاحب پر بہتان ہے کہ عدم سماع کے قائل تھے۔ ایسے مسائل کے لئے اصول یہ ہے کہ: (السعی المشکور ص ۲۰۴) "انہ لا یلزم تصریح کل من الفروع والجزئیات عن الائمۃ فالعلوم تتزاید یوما فیوما بحسب اختلاف حوادث الامۃ وقواعدھم تقتضی الجواز فما لم یظھر تصریحھم علی خلافہ یحکم بالجواز" ائمہ کرام سے ہر مسئلہ کی جزئیات کی تصریح لازم نہیں آتی کیوں کہ اختلاف احوال امت کی وجہ سے علوم روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ ائمہ کے قواعد جواب کے متقاضی ہیں۔ جب تک کہ ان کے خلاف ائمہ سے کوئی تصریح مذکور نہ ہو تو جواز کا حکم کیا جائے گا۔

جب امام صاحب سے عدم سماع کی تصریح موجود نہیں تو سماع کے جواز کا فتویٰ ہی امام صاحب کی طرف سے سمجھا جائے گا۔ کیوں کہ امام صاحب کا مذہب وہی ہے جو حدیث صحیح ہے اور حدیث سماع موتی کا اعلان کر رہی ہے۔

اور (تنبیہ بمراقبۃ المسیح ص ۱۱ از حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ) "بعض لوگوں نے عدم سماع موتی کا مسئلہ امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے مگر امام صاحب کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ امام صاحب سے صراحۃً یہ امر منقول نہیں ہے اور جس مسئلہ سے لوگوں نے اس کو مستنبط کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب کا جواب عدم سماع موتی کو مستلزم ہے وہ مسئلہ یمین ہے اور ایمان کا مبنی عرف پر ہے۔ اس لئے امام صاحب کا کلام اس بارہ میں صریح نہیں۔"

مبنی ایمان برعرف است۔ (شفاء الصدور ص ۵۶)

"ہر چند مبنی ایمان برعرف است مگر مقصود فقہاء از نفی سماع دریں مقام نفی سماع عرفی و نفی سماع حقیقی ہر دو است زیرا کہ فقہا نفی سماع مطلقا کردہ اند۔"

الجواب: مولانا بشیر صاحب مجتہد نہیں۔ نہ ہم ان کے مقلد ہیں نہ یہ علمائے نقل سے ہیں۔ جن کے کلام پر اعتماد کریں۔ یہ بھی آپ کی طرح مسئلہ سماع موتی میں متشدد ہیں اور متشدد کی کلام اور سند کیسے قبول کی جا سکتی ہے جب کہ وہ قول تمام فقہاء کے مخالف بھی ہو۔ آپ حضرات نے بھی کوئی دلیل نقلی پیش نہیں کی جس پر اعتماد کیا جا سکے۔

۱...... (فتح الباری ج ۴ ص ۱۱) "بان الایمان مبنیۃ علی العرف" ایمان کی بنیاد عرف پر ہے۔

۲...... (مرقاۃ ج ۶ ص ۱۱) "اقول ھذا منھم بنی علی ان مبنی الایمان علی العرف فلا یلزم منہ نفی حقیقۃ السماع" میں کہتا ہوں کہ ایمان کی بنیاد عرف پر ہے اس لئے یمین سے حقیقت سماع کی نفی لازم نہیں آئے گی۔

۳۔۔۔۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۰) وبناء ایمان بر عرف عادت است نہ بر حقیقت فافہم ا ایمان کی بنیاد عرف وعادت پر ہے حقیقت پر نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

۴۔۔۔۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹) "واما المسئلۃ الیمین التی ذکرھا الشیخ ابن الھمام فمبنی الایمان علی العرف فاذا خلف احد انہ لا یکلم فلانا فلا یفھم منہ اھل العرف التکلیم الا فی حالۃ الحیاۃ فلا یحنث بتکلیمہ میتا" اور مسئلہ یمین جس کو شیخ ابن الہمام نے (نفی سماع پر پیش کیا اس کی حقیقت یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہے تو جب کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا تو عرف میں اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس زندگی کی حالت میں کلام نہیں کرے گا اس لئے بعد موت کلام کرے تو حانث نہ ہوگا۔

(تفسیر مظہری ج ۵ ص ۳۳۰) "(وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا) وتمسک مالک والثوری بھذہ الایۃ الہ من حلف لا یاکل لحما یحنث باکل السمک واجیب عنہ بان مبنی الایمان علی العرف وھو لا یفھم منہ عند الاطلاق الاتری ان اللہ تعالٰی قال شر الدواب فی الکفار ولا یحنث الحالف ان لا یرکب دابۃ برکوبۃ علی الکفار" اللہ وہ ذات ہے جس نے دریا کو تمہارے تابع کر دیا کہ اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔ امام مالک اور ثوری نے اس آیت سے دلیل لی ہے کہ جس نے قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا وہ مچھلی کھانے سے حانث ہوگا۔ امام صاحب کی طرف سے جواب دیا گیا کہ مطلق گوشت سے مچھلی نہیں سمجھی جائے گی۔ کیوں کہ ایمان کی بنیاد عرف پر ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے شر الدواب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب کوئی شخص قسم کھائے کہ دابہ پر سوار نہ ہوں گا تو کافر پر سوار ہونے سے حانث نہیں ہوگا۔

مبنی ایمان عرف پر ہے اور عرف میں دابہ چارپائے کو کہتے ہیں اور قرآن نے کافر کے لئے شر الدواب استعمال کیا ہے۔ مولوی بشیر صاحب کے اجتہاد کے مطابق وہ حالف اگر کافر پر سوار ہو جائے تو حانث ہوگا۔ مگر فقہ حنفی میں ایسا نہیں۔ اس لئے اس سماع سے بھی سماع عرفی مراد ہے۔ سماع حقیقی نہیں۔

"وحجۃ ابی حنیفۃ ان مبنی الایمان علی العرف والعادۃ وعادۃ الناس اذا ذکر اللحم علی الاطلاق ان لا یفھم منہ لحم السمک بدلیل انہ اذا قال الرجل بغلامہ اشتر بھذہ الدراھم لحما فجاء السمک کان حقیقا لا بالانکار" امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف وعادت پر ہے اور لوگوں کی عادت یہ ہے کہ جب مطلق گوشت کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد مچھلی کا گوشت نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص نوکر سے کہے کہ اس رقم کا گوشت خرید لاؤ اور وہ مچھلی خرید لائے تو حقیقتاً وہ انکاری سمجھا جائے گا۔

اسی طرح "بساط" کا لفظ بچھونے کے لئے عرف میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر قرآن میں زمین کے لئے بھی ہے تو کیا وہ شخص زمین پر سونے سے حانث ہوگا جس نے بساط پر نہ سونے کی قسم کھائی تھی؟ اگر یہاں عرف کو لیتے ہیں تو سماع موتی میں عرف کو کیوں نہیں لیتے۔ یہی سوال امام صاحب نے کیا تھا کہ جعل لکم الارض بساطا
دیکھئے امام صاحب تو عرف کے حکم عرف تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ مگر آپ ہیں کہ عرف پر لا کو حکم کو حقیقت تک پھیلانے کی جرأت کرتے ہیں اور لطف یہ کہ بہتان فقہاء کے ذمے لگاتے ہیں۔

(حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۵۳) "ان ما ذکروہ من ان الایلام لا یتحقق فی المیت مخالف للاحادیث الدالۃ علی ان المیت یتاذی بما یتاذی منہ الحی کما ذکرہ السیوطی فی کتابہ شرح الصدور۔ والثالث ان قولھم فی باب الدخول ان زیارۃ المیت زیارۃ القبر لا زیارۃ للمقبور یخالف قولہ ﷺ من جاء فی زائر الا تصلہ حاجۃ الا زیارتی کان حقا علی ان اکون لہ شفیعا یوم القیامۃ واقوالہ ﷺ دالۃ علی ان المیت یستأنس بزائرہ ویجیب سلامہ ویعرف من کانت بینہ وبینہ معرفۃ وھی کثیرۃ فی کتب الحدیث مرویۃ"

اور یہ بات جو انہوں نے ذکر کی ہے کہ میت میں الم کا احساس نہیں ہوتا ان احادیث کے خلاف ہے جو دلالت کرتی ہیں کہ میت کو ان امور سے اذیت ہوتی ہے جن سے زندہ کو اذیت ہوتی ہے جیسا کہ سیوطی ﷫ نے اپنی کتاب شرح الصدور میں ذکر کیا ہے اور سوم یہ کہ باب الدخول میں ان کا یہ قول کہ زیارت میت دراصل قبر کی زیارت ہے۔ مقبور کی زیارت نہیں تو یہ بات حضور ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے کہ فرمایا حضور ﷺ نے کہ جو شخص صرف اور صرف میری زیارت کی غرض سے آیا۔ مجھ پر اس کا حق ہو گیا کہ قیامت کے روز اس کی شفاعت کروں اور حضور ﷺ کے ارشادات دلالت کرتے ہیں کہ میت اپنے زائر سے مانوس ہوتا ہے۔ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس کو پہچانتا ہے جسے دنیا میں پہچانتا تھا۔ کتب احادیث میں ایسی روایات کثرت سے ہیں۔

"الرابع ان قولھم فی بحث الکلام یخالف الحادیث الصحیحۃ الدالۃ علی ان المیت یسمع سلام من یسلم علیہ ویجیب السلام ویفھم کلام الاحیاء وھی مرویۃ فی الصحیحین وغیرھما" چہارم: کلام کی بحث میں ان کا قول احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جو دلالت کرتی ہیں کہ میت سلام کہنے والے کا سلام سنتا ہے۔ سلام کا جواب دیتا ہے اور زندہ آدمیوں کی کلام سمجھتا ہے اور ایسی احادیث صحیحین وغیرہ میں روایت کی گئی ہیں۔

اور (حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۳۵۴) "وبالجملۃ لما یدل دلیل قوی علی نفی سماع المیت وادراکہ وفھمہ وتألمہ لا من الکتاب ولا من السنۃ بل السنۃ والصحیحۃ الصریحۃ دالۃ علی ثبوتھا لہ والحق فی ھذا المقام ان ھذا کلہ من تقریرات المشائخ وتوجیھاتھم وتکلفاتھم ولا عبرۃ بھا حین مخالفتھا للاحادیث الصحیحۃ وآثار الصحابۃ الصریحۃ" مختصر یہ کہ میت کے سماع، اس کے ادراک فہم اور تالم کی نفی کی کوئی قوی دلیل موجود نہیں ہے نہ کتاب اللہ میں اور نہ سنت رسول میں۔ بلکہ صحیح اور صریح سنت تو سماع میت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ نفی سماع کی ساری باتیں مشائخ کی تقریریں ہیں اور ان کی توجیہات ہیں اور محض تکلفات ہیں ان پر کوئی اعتبار نہیں جب کہ صحیح احادیث اور صحابہ کے صریح آثار ان کی مخالفت میں موجود ہیں۔

ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ فقہا نے جس سماع کی نفی کی ہے وہ سماع عرفی ہے۔ جس کا تعلق اس دنیا سے ہے۔ سماع حقیقی کی نفی نہیں۔ فقہاء کی ان عبارات کو نفی سماع حقیقی پر محمول کرنا صریح دھوکہ ہے۔

اسی شرح وقایہ کے حاشیہ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ:

"واما المتنا فھم یریئون عن انکار ھذا الامر وانما حکموہ فی الحلف بالضرب والکلام والدخول علیہ ونحوھا بعدم الحنث عن وجود ھذہ الاشیاء بالمیت لکون الایمان مبنیۃ علی العرف والعرف قاض ان ھذہ الامور یراو بھا ارتباطھا ما دام الحیاۃ وبعد الموت فالکلام بالمیت وان کان کلام حقیقۃ ویوجد فیہ

الاسماع والافہام لکن العرف یحکم بان المراد بقولہ اکلمک وھو الکلام حالۃ حیاتہ وکذا الایلام وان کان یتحقق فی المیت لکن العرف قاض علی ان المراد فی قولہ لا اضربک ھو ضربہ حیاً لا میتاً

اور جہاں تک ہمارے ائمہ کرام کا معاملہ ہے وہ ان امور کے انکار سے بیزار ہیں۔ انہوں نے میت کو مارنے اس سے کلام کرنے وغیرہ افعال کی صورت میں حانث نہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیوں کہ ایمان کی بنا عرف پر ہے اور عرف پر ہی ان امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد حالی زندگی ہی لی جاتی ہے نہ کہ بعد موت اور میت سے جو کلام کی جائے۔ اگر چہ وہ کلام حقیقی ہوتی ہے اور اس میں سماع وافہام پایا جاتا ہے۔ لیکن عرف کی رو سے اس کے قول کا تعلق کہ "میں کلام نہیں کروں گا" حالت حیات سے ہے اور یہی صورت ایلام کے بارے میں بھی ہے۔ خواہ اس کا تحقق میت میں ہو جائے لیکن عرف کا فیصلہ یہ ہے کہ اس قول سے مراد کہ میں "اسے نہ ماروں گا" حیات سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ بعد موت سے۔

(شفاء الصدور ص ۴۴، اقوال مرضیہ ص ۸۲، تسکین القلوب ص ۶۰ بحوالہ فتاوی الغرائب فی المذاہب) وغیرہ: "رای الامام ابو حنیفہ من یاتی القبور باھل الصلاح واستدلال المنکروان ومنھم عائشۃ وابن عباس ومنھم الامام بقولہ تعالی انک لا تسمع الموتی الخ" منکرین سماع نے آیت قرآنی انک لا تسمع الموتی سے استدلال کیا ہے۔ ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام صاحب بھی شامل ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے انکار کی حقیقت اپنے مقام پر آئے گی اس موقع پر امام صاحب کے متعلق وضاحت کی جاتی ہے۔ آپ نے "فتاوی الغرائب فی المذاہب" کا حوالہ دیا ہے۔ اس لئے فرمایئے:

۱...... اس کا مصنف کون ہے؟

۲...... حوالہ بتقید صفحہ لکھیں۔

۳...... من یاتی القبور میں من سے مراد کون شخص ہے؟

۴...... اس حکایت کا بیان کرنے والا کون ہے؟ اس کی سند امام صاحب تک پیش کریں۔

حیرت ہے کہ ایک مجہول شخص کی مجہول حکایت بیان کر کے اسے امام صاحب کا مذہب قرار دے رہے ہیں۔ امام صاحب کا مذہب بیان کرنا ہے تو متون فقہ سے کریں۔ کتب معتبرہ معتمدہ متداولہ اور مفتی بہ فتاوی میں سے امام صاحب کا مذہب بیان کریں۔ اگر عقل سلیم سے کام لیا جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ اگر یہ امام صاحب کا مذہب ہوتا تو یقیناً اصحاب امام اور مشائخ مذہب محل گفتگو میں لاتے اور یہ مسئلہ عامۃ الورود ہوتا۔ ان حضرات کا کمال یہ ہے کہ مجہول روایت کو بنیاد مذہب قرار دے رہے ہیں۔ مگر متواتر احادیث کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اجماع امت کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ مگر اتباع ہوئی انسان سے کیا کچھ نہیں کراتی۔

حضرت قاضی صاحب نے ایک اور بیخ لگائی کہ حضرت مولانا رشید احمد کے نزدیک امام صاحب کی روایت ثابت ہے۔ مگر کہاں ثابت ہے؟ ثبوت بھی تو پیش کیا ہوتا۔ آپ کا فرمانا سر آنکھوں پر مگر جب آپ متواتر احادیث سے انکار کر دیتے ہیں تو آپ کی بات کیوں کر قابل قبول ہو۔ سند بھی تو پیش فرمائیں۔

ہم یہ اعلان کئے دیتے ہیں کہ امام صاحب کا کوئی قول صریح ان شرائط کے ساتھ عدم سماع کے متعلق نہیں پیش کیا جا سکتا اور نہ ملتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے بستان المحدثین میں ترجمہ مسند امام اعظم میں فرمایا: برصاحب ہر عقل پوشیدہ نہ ماند کہ مرویات شخص از رطب و یابس مجموعہ و مخلوط می باشد تا وقتیکہ خود آں شخص کہ اعتقاد بزرگی و فضیلت او داریم آں مخلوط را تمیز نہ کند و بارہا بہ نظر امعان و تعمق مطالعہ نماید و شاگردان خود را تعلیم نہ کند محل اعتماد چہ قسم تواند بود۔" کسی عقل مند آدمی سے مخفی نہیں کہ ہر شخص کی مرویات رطب و یابس اکٹھی ہوتی ہیں۔ جس شخص کی بزرگی اور فضلیت پر اعتقاد رکھا جائے جب تک وہ اپنی ایسی مرویات کو خود بار بار گہری نظر سے مطالعہ کر کے کامل اور ناقص کو الگ الگ نہ کرے اور اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم نہ دے ان پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے۔

اب ذرا ان شرائط کے ساتھ امام صاحب کی ایک روایت ہی پیش کریں جو انہوں نے عدم سماع کے حق میں فرمائی ہو۔

صاحب شفاء الصدور کی دلیری

اب ذرا صاحب شفاء الصدور کی دلیری ملاحظہ ہو آپ (ص ۱۰۶) پر رقمطراز ہیں: "پھر ابوحنیفہ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے جواب ملا کہ لعنت ہو اس شخص پر جو یہ عقیدہ رکھے کہ مردے سنتے ہیں۔" ذرا ان حضرات کی اس جرأت کا تجزیہ کیجئے:

۱...... متواتر احادیث گزر چکی ہے کہ میت سنتا ہے۔

۲...... صحابہ کا عقیدہ بیان ہو چکا ہے کہ میت سنتا ہے۔

۳...... محدثین کا عقیدہ گزر چکا ہے کہ میت سنتا ہے۔

۴...... اجماع امت گزر چکا ہے کہ سماع موتی کا عقیدہ حق ہے۔

اب بتایئے کہ کیا امام ابوحنیفہ کے متعلق کوئی صاحب ایمان یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ انہوں نے ان تمام جماعتوں پر لعنت کی ہو؟

بات اصل میں یہ ہے کہ صاحب شفاء الصدور نے پہلے تو اپنی خواہشات نفسانی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پھر مولوی بشیر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور مہارت فن کا اظہار کرنے کے لئے دروازے پر امام ابوحنیفہ کے نام کا بورڈ آویزاں کر دیا تاکہ مخلوق کو دھوکا دیا جا سکے کہ دیکھئے یہ امام ابوحنیفہ کا مکان ہے دروازے پر ان کے نام کی تختی آویزاں ہے۔ بھلا کون تحقیق کرے گا کہ واقعی یہ امام صاحب کا دروازہ ہے یا نہیں۔ اس لئے آپ کو اپنے گھر سے جو آواز آئی ہے۔ اس کے مخاطب صرف آپ ہی ہیں یا آپ کے حواری۔ صحابہ کرام اور صلحائے امت کا دامن اس سے پاک ہے۔

ایک اور مشورہ ملاحظہ ہو (اقوال مرضیہ ص ۶۶) "سماع کو اپنے مورد پر بند رکھنا چاہیے دوسرے اموات کو اس پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔" درست فرمایا آپ نے مگر کیا عدم سماع کو بھی اپنے مورد پر بند رکھنا چاہیے یا نہیں؟ اگر جواب مثبت ہے تو ذرا ایک صحیح حدیث پیش کیجئے۔ جس میں صراحت ہو کہ میت نہیں سنتا۔ ہم نے سماع موتی کے حق میں چوبیس احادیث پیش کر دی ہیں۔

سماع کے مورد کا خلاصہ

اب سماع کے مورد بطور خلاصہ پیش کئے جاتے ہیں۔ تفصیل گزشتہ ابواب میں گزر چکی ہے۔

۱...... قرآن مجید میں وارد ہے کہ وقت قبض روح سے لے کر برزخ میں اور قیامت میں میت کو دنیا کے واقعات کا علم ہوتا ہے اور سنتا ہے۔

۲...... حدیث میں وارد ہے کہ جنازہ اٹھاتے وقت نیک کہتا ہے قدمونی اور بد کہتا ہے این یذھبون بھا اور یہ لسان قال سے کہتا ہے۔

۳...... حدیث میں وارد ہے کہ میت اپنے غسل دینے والے کو پہچانتا ہے جو اٹھا کر چلتے ہیں ان کو پہچانتا ہے۔

۴...... حدیث میں وارد ہے کہ جو آدمی کفن پہنارہے ہوتے ہیں میت ان کو پہچانتا ہے جو قبر میں اتارتا ہے ان کو پہچانتا ہے۔

۵...... حدیث میں وارد ہے کہ میت پاؤں کی آہٹ سنتا ہے۔

۶...... حدیث میں وارد ہے کہ قبر کے پاس جو میت کو سلام کہے وہ سنتا ہے۔ جواب دیتا ہے واقف کو پہچانتا ہے، مانوس ہوتا ہے۔

۷...... حدیث میں وارد ہے کہ فاروق اعظم نے ایک جوان کی قبر پر جا کر آواز دی تو اس نے آواز سنی اور جواب دیا۔

۸...... حدیث میں وارد ہے کہ سوال و جواب کے بعد ایک مومن کہتا ہے کہ مجھے اجازت دو کہ اہل و عیال کو اس کامیابی کی بشارت دوں۔

۹...... حدیث میں وارد ہے کہ رسول خدا ﷺ نے کفار قلیب بدر کو نام بنام پکارنے کے بعد رب کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ مردے تم زندوں سے اچھا سنتے ہیں۔

فرمائیے کیا سماع کو اپنے مورد پر نہیں رکھا گیا؟ اور یہ نص ہے یا قیاس ہے؟ آپ بھی ہمت کر کے قدم سماع پر کوئی ایک نص تو پیش کریں۔

تحقیق مسئلہ سماع موتی

جو چیز عدم سے وجود میں آئی وہ مخلوق ہے اس کا وجود میں آنا زندہ ہونے کی دلیل ہے۔ جب زندہ ہے تو کلام کرتی ہے سنتی ہے دیکھتی ہے۔ ہاں جس قسم اور جس نوعیت کی وہ شے ہے اس کا سننا دیکھنا اور کلام کرنا بھی اسی قسم اور اسی نوعیت کا ہوگا۔ اس لئے قرآن حکیم میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ ''وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم'' (بنی اسرائیل: ۴۴)

۱...... یعنی ہر شے تسبیح کرتی ہے۔

۲...... لیکن ان کی تسبیح تم سمجھ نہیں سکتے۔

جہاں تک پہلے حصے کا تعلق ہے تسبیح کنندہ کے لئے ضروری ہے کہ خالق اور مخلوق میں فرق سمجھے۔ پھر یہ کہ خالق کی تسبیح کر رہا ہوں مخلوق کی نہیں۔ پھر تسبیح و غیر تسبیح میں فرق جانے۔ لہٰذا ہر شئے کے لئے کلام ثابت ہوئی اور اس کے ساتھ فہم، علم اور حیات تینوں اوصاف ہر شئے کے لئے ثابت ہو گئے۔

جہاں تک دوسرے حصے کا تعلق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ ذکر الٰہی میں مشغول ہے مگر تم عادت کے طور پر ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ مگر خرق عادت کے طور پر سمجھنے کی نفی نہیں اور ان کی تسبیح کے عدم فہم سے عدم تسبیح لازم نہیں آئے گی۔

پہلے حصے میں جوبات اجمال کے طور پر کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس سے کئی اشکال دور ہوسکتے ہیں۔ سب سے پہلے لفظ "شئ" قابل غور ہے۔ اس کے مفہوم میں کیا کچھ شامل ہے؟ کائنات کی ہر چیز مثلاً زمین وآسمان اور وہ تمام چیزیں جو اس میں موجود ہیں۔ سورج، چاند، تارے، شجر، حجر، آگ، مٹی پانی، نباتات، حیوانات انسان ہر چیز پر لفظ شے کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے ان سب کا تسبیح کرنا نص سے ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر شے کے تسبیح کرنے کا ذکر اس کثرت سے کیا ہے۔ جیسے یہ عقیدہ پختہ کرانا مقصود ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ (الکلام علی الفطرۃ ص ۳۲۲) پر اس کا اجمالی ذکر کیا ہے۔

"فنوع الانسان اشرف من کثیر من المخلوقات قال ابن عباس من جمیع مخلوقات قاله فی قوله ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات وفضلنا هم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا ولا شک انه افضل من الجمادات وقد فضل الله الجمادات علی تسبیحه وبتحمیده وتنزیهه نطق لا یفهمه الا الذی انطقهم به قال (۱) تسبح له السموات السبع والارض ومن فیهن وان من شئ الا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون تسبیحهم انه کان حلیما غفورا۔ قال شیخنا ابن قاضی الحیل فی هذه الایة قال تسبیحها ای اذا کانت الجمادات التی لا تنتعم تسبیح بحمد فالقها فهو حلیم غفور اذ لم یعاجل المقصرین الذین کملت النعمة فی حقهم بالعقوبة" پس نوع انسانی بہت سی مخلوق سے افضل ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ساری مخلوق سے افضل ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور ستھری چیزوں سے روزی دی اور ان کو بہتوں سے بڑھادیا جن کو ہم نے بڑائی دے کر پیدا کیا۔ یقیناً انسان افضل ہے جمادات سے اور اللہ تعالیٰ نے جمادات کو اپنی تسبیح اور حمد وثنا بیان کرنے کے لئے پیدا کیا۔ جن کی زبان وہ خود سمجھتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ سات آسمان اور زمین جو کچھ ان میں ہے ہر چیز اللہ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح اور حمد کو سمجھ نہیں سکتے۔

ہمارے شیخ ابن قاضی نے کہا اس آیت میں پہاڑ کی تسبیح حقیقی حمد ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا انہ کان حلیما غفوراً جب وہ پتھر جن پر خدا تعالیٰ کا اتنا انعام بھی نہیں۔ خدا تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں تو جس پر اس کا انعام ہے ان کی تسبیح وحمد نہ کرنے سے ان پر عذاب نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ حلیم اور غفور ہے۔

(۲) "وقال الله تعالیٰ الم تر ان الله یسبح له من فی السموات والارض والطیر صافات کل قد علم صلاته وتسبیحه"

(۳) "وقال تعالیٰ یسبح لله ما فی السموات والارض والایات کثیرة فی هذا الباب وقد اتی بلفظ الماضی الدال علی وقوع التسبیح وصدوره بلفظ المضارع علی استمراره التسبیح وتجدده کل وقعت ولا یستکره معرفتها خالقها وتسبیحها بحمده اذ قد فطرها علیه کما فطر بنی آدم علی الاقرار بربوبیته الست بربکم قالوا بلی ولم یتخلف منهم احدا کما اخبر الله عن عباده"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین وآسمان کی ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے اور پرندے اپنے پروں کو کھولے اس کی تسبیح کررہے ہیں۔ وہ ہر ایک کی تسبیح اور نماز کو خوب جانتا ہے۔ پھر فرمایا زمین وآسمان کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ قرآن کریم میں اس مضمون کی کثیر آیات موجود ہیں۔ اس سلسلے میں ماضی کا صیغہ بیان فرمایا جو تسبیح کے

وقوع اور صدور پر دلالت کرتا ہے اور مضارع کا صیغہ بھی استعمال ہوا جو ہمیشگی اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اور کوئی چیز اپنے رب کی خالقیت کا انکار نہیں کرتی اور اس کی تسبیح اور حمد سے منہ نہیں موڑتی۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ نے اس کو اسی لئے پیدا کیا ہے جیسا کہ انسان کو اقرار ربوبیت پر پیدا کیا سب نے اقرار کیا۔ کوئی بھی پیچھے نہیں رہا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے۔

(۴) ''الھم یسبحونہ بکرۃ وعشیا فی قولہ تعالیٰ'' جیسا کہ خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے اپنے بندوں کے متعلق کہ وہ اپنے رب کی تسبیح صبح و شام کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے:

(۵) ''فی بیوت اذن اللہ ان ترفع الی ان یسبح لہ فیھا بالغدو والآصال و کذالک اخبر سبحانہ عن الجبال فقال تعالیٰ فی حق داؤد'' ان گھروں میں جن میں اللہ تعالیٰ نے صبح و شام تسبیح کہنے کا حکم فرمایا پہاڑوں کی نسبت فرمایا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں فرمایا کہ:

(۶) ''انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق وقال ابو ھریرۃ کان داؤد اذا سبح اجابتہ الجبال والطیر بالتسبیح والذکر وقال ابن الجوزی قد روی ان داؤد کان اذا وجد فترۃ امر الجبال فسبحت حتی یشتاق ھو فسبح وقد ثبت فی صحیح مسلم ان النبی ﷺ مر بجبل بحمدان وقال ھذا جملان وقد اخبر سبحانہ انہ خاطب الجمادات فقال'' ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ صبح و شام حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتے تھے تو پہاڑ بھی ان کے ہم زبان ہوتے تھے اور پرندے بھی ذکر کرتے تھے اور علامہ ابن جوزی نے فرمایا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنے اندر ذکر میں سستی پاتے تو پہاڑوں کو حکم دیتے اور وہ خدا کی یاد میں لگ جاتے حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام میں بھی ذکر کا شوق جوش مارتا اور ذکر الٰہی میں لگ جاتے اور صحیح مسلم کی حدیث میں ثابت ہے کہ حضور ﷺ کا حمدان کے پہاڑ سے گزر ا ہوا تو آپ نے فرمایا یہ حمدان ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام جمادات کو خطاب کرتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

(۷) ''ولقد اٰتینا داؤد منا فضلا یا جبال اوّبی معہ والطیر والتادیب ھو ترجیع التسبیح واخبر سبحانہ تعالیٰ عن الحجارۃ'' ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے فضیلت دی وہ پہاڑوں کو خطاب کر کے کہتے کہ اے پہاڑو اور پرندو میرے ساتھ تسبیح کہو اور تادیب کے معنی ہیں تسبیح کا بار بار لوٹانا۔ اللہ تعالیٰ نے پتھروں کے متعلق فرمایا:

(۸) ''ان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ و ھذا یدل علی انھا تعرف (بھا معرفۃ) تلیق بھا فان الخشیۃ تستلزم العلم بالمخشی و کذالک قولہ تعالیٰ'' ان میں سے بعض وہ ہیں جو خوف خدا سے گر جاتے ہیں۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچانتے ہیں جو معرفت ان کی شان کے شایان ہے کیوں کہ خشیت کے لئے ضروری ہے کہ جس سے ڈر رہا ہے اس کو پہچانتا ہے۔

(۹) ''ثم استویٰ الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین ھذا خطاب من یعرف ربہ ویعقل امرہ ولیس ھذا خطاب تکوین لمعدوم فانہ خاطبھما بعد وجودھما و کذالک'' اسی طرح ارشاد باری ہے اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور یہ دھواں تھا، پھر آسمان و زمین کو کہا کہ طوعاً یا کرہاً اطاعت کرو۔ انہوں نے جواب دیا ہم خوشی سے خدا کا حکم مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب اس سے ہے جو اپنے رب کو پہچانتا ہے اور اس کے حکم کو سمجھتا ہے اور یہ خطاب امور تکوینی میں سے نہیں ہے جو معدوم کو کیا جا رہا ہو کیوں کہ یہ خطاب زمین و آسمان کے وجود میں آنے کے بعد ہے عدمی حالت میں نہیں۔

(۱۰) "اذا السماء انشقت و اذنت لربها و حقت و معنی اذنت لقوله و امره و کذالک اخباره عن الارض یوم القیامة انها تحدث یومئذ اخبارها" اسی طرح ارشاد ہے آسمان پھٹ گئے اور اپنے رب کے حکم کے لئے کان لگائے اور اس کو حق بھی ہے اور اذنت الخ کے معنی اپنے رب کا حکم سننے کی کوشش کرنا اور کان لگاتا ہے اسی طرح قیامت کے روز زمین کی حالت کہ وہ اس روز گواہی دے گی۔

(۱۱) "وفی الترمذی ان النبی ﷺ قال اتدرون ما اخبارها قالوا اللہ و رسوله اعلم قال ان تشهد علی کل عبد بما عمل علی ظهرها من خیر او شر و هذه شهادة نطق لما تحملته من الشهادة دفی الدار لما اوحی لها فانه تعالٰی قال بان ربک اوحی لها و کذالک اخبر سبحانه تعالٰی عن سجود المخلوقات له فقال تعالٰی" ترمذی میں ہے کہ حضور ﷺ نے پوچھا جانتے ہو زمین کی خبریں کیا ہیں؟ عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا زمین گواہی دے گی جو کام جس بندہ نے اس کی پشت پر کیا۔ خواہ نیکی ہو یا برائی اور یہ شہادت بول کر دے گی کیوں کہ اللہ نے زمین پر گواہی دینے کا بوجھ دنیا میں رکھا تھا جیسا کہ فرمایا کہ تیرے رب نے اس کی طرف وحی کی تھی۔ اسی طرح ارشاد باری مخلوق کے سجدہ کرنے کے متعلق ہے۔ فرمایا:

(۱۲) "الم تر ان اللہ یسجد له من فی السموٰت و من فی الارض و الشمس و القمر و النجوم و الجبال و الشجر و الدواب و کثیر من الناس و کثیر حق علیه العذاب و لو کان سجودها هو مجرد دلالتها علی الصانع کما یقول بعض المفسرین لما اختص بکثیر من الناس بل جمیع العالم دال علی صانعه و امثال هذا کثیر فی القرآن و ما کان بهذه المقابلة کیف یستنکر معرفته لربه و سجوده و تسبیحه بحمده و لو لم یکن فی هذه الایات الا قوله" کیا تم نے نہیں دیکھا آسمان و زمین کی تمام چیزیں سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت چوپائے اور بہت سے آدمی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور اکثر ایسے ہیں کہ ان پر عذاب واجب ہو چکا ہے۔ اگر ان کا سجدہ کرنا صرف دلالت علی الصانع ہی مراد ہوتا جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے تو الناس کے ساتھ کثیر کی قید کی تخصیص کی حاجت نہ تھی۔ کیوں کہ صانع پر دلالت تو سارا جہاں کرتا ہے۔ اس قسم کے دلائل قرآن حکیم میں بکثرت موجود ہیں اس لئے جن چیزوں کا حال یہ ہے ان کے متعلق کیسے انکار کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے رب کی معرفت نہیں رکھتیں یا اس کی تسبیح اور سجدہ سے غافل ہیں۔

(۱۳) "سبح للہ ما فی السموٰت و ما فی الارض و هو العزیز الحکیم فی اوائل هذه السورة فانه سبحانه اتی بلفظ ما بغیر اولی العلم قطعا اما اختصاصا و اما تغلیب و لا یصح محل ما ذکرنا من الایات علی اولی العلم تخصیصها بهم اذ لو اریه ذالک لجیئ بلفظ من المختصة بمن یعقل و ان کان قد وقع فی القرآن "ما" لمن یعقل، "ومن" بما لا یعقل و المقصود اذا کانت هذه الجمادات قد فطرت علی معرفة ربها و تسبیحه فتنزیه و الانسان اشرف منها و احری"

اگر قرآن کریم میں سبح للہ ما فی السموٰت و ما فی الارض و هو العزیز الحکیم کے بغیر کوئی آیت نہ ہوتی جو سورتوں کے آغاز میں آتی ہیں تو بھی کافی تھا۔ چوں کہ خدا تعالٰی نے لفظ "ما" بیان فرمایا ہے جو غیر اولی العلم کو یقیناً شامل ہے یا اختصاص ہے یا تغلیباً ہے۔ جو آیت قرآنی میں نے ذکر کی ہیں ان کا اولی العلم پر حمل کرنا صحیح نہ ہوگا

اور اولی العلم کی تخصیص بھی صحیح نہ ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مراد اولوالعلم ہی ہوتے تو یقیناً لفظ "من" لایا جاتا اور "ما" کا لفظ نہ استعمال ہوتا (ما مختص ہے غیر ذوالعقول سے اور من مختص ہے ذوالعقول سے) اگرچہ قرآن میں ما ذوی العقول کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور من غیر ذوالعقول کے لئے۔ اصل مقصود تو ہے کہ جب پتھروں کی پیدائش معرفت الٰہی کے لئے اور اس کی تسبیح وتہلیل کے لیے ہے اور انسان ان سے افضل ہے اشرف ہے۔

پھر اسی کتاب کے (۲۲۵) پر فرماتے ہیں: "وقد ارکزہ اللہ تعالٰی فی فطرۃ مخلوقا قد متحرکھا وساکنھا ناطقھا وصامتھا حیوانھا وجمادھا کما تقدم انھا مسبحۃ بحمدہ عارفۃ بہ ففی کل شی لہ اٰیۃ فدل علی انہ واحد وقد روینا فی الجزء الذیابی فی کتاب الذکر لہ باسنادہ عن ابن مسعود" اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی فطرت میں یہ چیز ثبت کردی ہے خواہ وہ مخلوق متحرک ہو یا ساکن ہو بولنے والی ہو یا غیر ناطق، حیوان ہو یا پتھر ہو جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ مخلوق ساری کی ساری اللہ کی تسبیح اور حمد وثنا کرتی ہے اور اپنے رب کو پہچانتی ہے۔ ہر شے میں نشانی موجود ہے جو دلالت کرتی ہے کہ وہ واحد ہے اور جزذیابی کی کتاب الذکر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے۔

یہ قول تفسیر (قرطبی ج۱۰ ص۲۶۷) پر بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا گیا ہے "قال ان الجبل لینادی مقابلہ باسمہ ھل مر بک الیوم ذاکر اللہ عزوجل فان قال نعم فیقول ھنیئاً لک لکن ما مر علیّ الیوم احد یذکر اللہ روی ایضاً باسنادہ عن انس قال مامن صباح ولا رواح الا تنادی بقاع الارض بعضھا بعضا یا جارۃ ھل مر بک الیوم عبد فصلی علیک اللہ او ذکر اللہ علیک فمن قائلۃ نعم فاذا قالت نعم رأت بذالک امافضلا" کہ پہاڑ اپنے مقابل پہاڑ کو پکار کر پوچھتا ہے کیا آج کے دن کوئی آدمی تمہارے ہاں سے گزرا ہے جو اللہ کا ذکر کرنے والا ہو وہ کہتا ہے ہاں گزرا ہے وہ کہتا ہے تمہیں مبارک ہو میرے پاس سے تو کوئی ایسا آدمی نہیں گزرا اور اسی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہر صبح وشام زمین کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے سے کہتا ہے اے میرے ہمسایہ کیا تجھ پر کسی ایسے شخص کا گزر ہوا جس نے تجھ پر نماز پڑھی ہو یا خلوص سے اللہ کو یاد کیا ہو۔ وہ کہتا ہے ہاں گزرا ہے تو دوسرا جواب دیتا ہے تجھے مجھ پر فضیلت ہے۔

"قلنا یکفینا ما تقدم لنا من اخبار اللہ تعالٰی فی القرآن من الدلیل القطعی عن الحجارۃ ان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ فان الخشیۃ تستلزم العلم بالمخشی وقد تقدم ذالک ولا یقول احد ھذہ اخبار احاد واٰثار ولا تفید شیئا فی ھذا الباب" ہم کہتے ہیں کہ قرآن حکیم کی جو آیات گزری ہی وہ اس امر کی دلیل اس لیے کافی ہیں کہ بعض پتھر خوف سے گر پڑتے ہیں اور خوف مستلزم ہے کہ جس سے خوف آتا ہے اس کا علم ہو جیسا کہ گزر چکا ہے۔ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ یہ احادیث اس باب میں اخبار احاد ہیں لہٰذا مفید نہیں کیوں کہ دلیل قطعی تو قرآن حکیم سے ہم پیش کر چکے ہیں۔

"واما القول الثانی کونہ من مجاز التشبیہ فان ھذا مما یشھد الکتاب والسنۃ ببطلانہ اما الکتاب فی تقدم من الاٰیات علی تسبیح کل شئی بحمدہ واما السنۃ فتسبیح الحصی فی کف النبی ﷺ ثم فی کف غیرہ من الصحابۃ تسبیحاً یسمعہ الحاضرون وقال النبی ﷺ انی لاعرف حجرا کان یسلم علی قبل ان ابعث وھذا الحجر عرف ربہ وعرف رسولہ ولو لم ینطق بکلام مسموع مفھوم مخصوص بذکر معین لما اخبر عنہ ولھذا اخبر النبی ﷺ عن جبل حمدان فقال ھذا جبل حمدان یحبنا ونحبہ" جہاں تک کتاب اللہ کا

تعلق ہے ہر شے کی تسبیح اور حمد کرنے کا ثبوت گزشتہ آیات میں دیا جا چکا ہے اور جہاں تک سنت کا تعلق ہے۔ حضور ﷺ اور صحابہ کے ہاتھوں میں کنکریوں نے اللہ کی تسبیح شروع کی۔ حاضرین نے وہ تسبیح سنی اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جس کے پاس سے میں بعثت سے پہلے گزرتا تھا تو وہ مجھے کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ! ظاہر ہے کہ وہ پتھر اللہ اور اس کے رسول کو پہچانتا تھا اگر وہ پتھر ایسی کلام نہ کرتا جو سنی اور سمجھی جاتی اور ذکر کے ساتھ مخصوص نہ ہوتی تو حضور ﷺ ہمیں خبر نہ دیتے۔ (یہ روایت تفسیر قرطبی میں (ج ۱۰ ص ۲۶۷) پر بھی موجود ہے۔) اسی طرح حضور ﷺ نے حمران پہاڑ کے متعلق فرمایا کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

"وکذالک اخبر من احد انہ یحبنا ونحبہ وھذا جبل یبغضنا ونبغضہ الی ان قال بل ھو سبحانہ وتعالٰی قد خاطب الجمادات فقال انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا فھذا الاباء والاستعفاء بعد ان عقلت خطابہ وفھمت وعلمت عجزھا ولیس المقصود ذالک انما المقصود ان الانسان اشرف عند اللہ واعظم من الجبال" اسی طرح احد کے متعلق بھی فرمایا کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، اور فرمایا یہ پہاڑ ہمیں براجانتا ہے ہم اسے براجانتے ہیں۔ حتیٰ کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پتھروں سے خطاب کیا ہے اور فرمایا ہم نے آسمانوں زمین اور پہاڑ کے سامنے امانت پیش کی تو انہوں نے انکار کیا۔ یہ انکار اور استعفاء اسی وقت ہوا جب انہوں نے خطاب کو سمجھا اور اس ذمہ داری کو سمجھا۔ چنانچہ معذرت پیش کر دی۔ اس سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان ان تمام اشیاء سے افضل ہے اگر وہ مرکر مٹی پتھر بھی ہو جائے تو کیوں نہ سنے۔

قرآن حکیم کی ان آیات اور ایسی ہی دوسری متعدد آیات سے قطعی طور پر ثابت ہوا کہ:

۱..... اللہ تعالیٰ نے پتھروں پہاڑوں اور درختوں وغیرہ سے اس وقت خطاب کیا جب وہ درجہ عدم سے درجہ وجود میں آچکی تھیں۔

۲..... جن چیزوں سے خطاب کیا گیا وہ اپنے رب کو پہچانتی تھیں لہٰذا ان میں حیات علم اور فہم موجود ہے۔

۳..... قیامت کے دن زمین کا کسی کے نیک یا بد عمل کی شہادت دینا اسی وقت ممکن ہے جب اس کو علم ہو کہ کون عمل کر رہا ہے اور نیکی اور بدی کی پہچان اور معرفت بھی ہو۔ ورنہ گواہی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۴..... بعد موت انسانی جسم ریزہ ریزہ ہو کر کوئی نہ کوئی صورت تو اختیار کرے گا اور اس صورت پر لازماً شے کا اطلاق ہوگا اور ہر شے جب سنتی ہے تو انسان کے سننے میں کیا چیز مانع ہے۔

ہمارا اصل استدلال تو آیات قرآنی سے ہے جو ہر شے کے سماع پر قطعی الدلالۃ ہیں۔ ان کا انکار، کتاب اللہ کا انکار ہے۔ مگر اس کی تائید میں صحاح ستہ کی وہ احادیث بیان کر دینا بھی مناسب ہیں جو ان آیات کی تفسیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱..... "عن سھل بن سعد قال قال رسول اللہ ﷺ مامن مسلم یلبی الا لبی ماعن یمینہ وشمالہ من حجر او شجر او مدر حتی تنقطع الارض من ھھنا وھھنا" سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی مسلم تلبیہ کرتا ہے اس کے دائیں بائیں جو پتھر درخت وغیرہ ہوتے ہیں تلبیہ کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۲)

یہ حدیث "وان من شئی الا یسبح بحمدہ" کی تفسیر ہے۔ صاحب مرقاۃ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا

ہے "ثم فی الحدیث دلالة ظاهرة علی ادراک الجمادات و النباتات الامور الواقعات فی الکائنات وعلمها بربها من توحید الذات و کمال الصفات و ان تلبیتها و تسبیها بلسان القال کما علیه جمهور اهل الحال فان التاویل الذی یقبل التسبیح عند التلبیة بالتصریح فیکون بلسان القال هو الصحیح" حدیث اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ جمادات اور نباتات میں ادراک ہے ان امور کا جو کائنات میں واقع ہوتے ہیں اور ان جمادات ونباتات کو اپنے رب کی توحید اور اس کی صفات کا علم ہوتا ہے۔اس کی تلبیہ اور تسبیح زبان قال سے ہوتی ہے جس پر جمہور اہل حال (صوفیہ کرام) کا اتفاق ہے۔اس میں جو تاویل قابل قبول ہے وہ یہ ہے کہ تسبیح وتلبیہ زبان قال سے ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے۔

٢...... "فلما کان یوم الجمعة قعد النبی ﷺ علی المنبر الذی صنع فصاحت النخلة التی کان یخطب عندها حتی کادت ان تنشق فنزل النبی ﷺ حتی اخذها فضمها الیه فجعلت تانّ انین الصبی الذی یسکت حتی استقرت قال فبکت علی ما کانت تسمع من ذکر الله" جب جمعہ کا دن آیا حضور ﷺ منبر پر بیٹھے جو ان کے لئے بنایا گیا تھا تو جس کھجور کے ساتھ آپ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے وہ چیخنے لگا حتی کہ یوں لگتا تھا کہ پھٹتا ہے۔ حضور ﷺ منبر سے اترے اسے گلے لگایا تو وہ بچوں کی طرح ہچکیاں لینے لگا۔ پھر اسے قرار آ گیا فرمایا حضور ﷺ نے وہ اللہ کا ذکر سننے سے محروم ہو جانے کی وجہ سے رویا۔ (بخاری ج١ ص٢٨١)

یہاں قال کا فاعل خود رسول خدا ہیں جیسا کہ حاشیہ پر ہے "لکن صرح وکیع فی روایته عن عبدالواحد بن الایمن" حضور اکرم ﷺ کے فراق میں خشک لکڑی کا رونا ظاہر کرتا ہے کہ اس میں محبت اور فراق کا شعور اور احساس تھا، علم تھا، فہم اور غم کے احساس کا اظہار رونے کی شکل میں کرنے کی صلاحیت تھی۔

٣...... "فاذا کنت فی غنمک او بادیتک فاذنت للصلوة فارفع صوتک بالنداء فانه لا یسمع مدی صوت المؤذن جن ولا انس ولا شئی الا شهد له یوم القیامة قال ابو سعید سمعته من رسول الله ﷺ" جب تو اپنے ریوڑ میں ہو یا اپنی زمین میں ہو اور تو نماز کے لئے اذان کہے تو اونچی آواز سے اذان دے کیوں کہ جن اور انسان اور دوسری کوئی چیز جو مؤذن کی آواز کو سنے گی وہ اس کے حق میں قیامت کے دن شہادت دے گی۔ ابو سعید کہتے ہیں میں نے رسول کریم ﷺ سے یہ حدیث سنی۔ (بخاری ج١ ص٨٦)

(تفسیر قرطبی ج١٠ ص٢٦٨) پر ابن ماجہ سے یہ حدیث ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے "لا یسمع صوت المؤذن جن ولا انس ولا شجر ولا حجر ولا مدر ولا شئی الا شهد له یوم القیامة رواه ابن ماجه و مؤطا امام مالک" جن انسان، پتھر، درخت وغیرہ جو چیز مؤذن کی آواز سنتی ہے وہ قیامت کے دن اس کے حق میں شہادت دے گی۔

قیامت کے دن جن وانس، شجر وحجر بلکہ ہر شے کا اذان کے متعلق گواہی دینا ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے اذان سنی اور یہ سمجھا کہ یہ اذان ہے۔اس لئے انسان کا وجود مرنے کے بعد جو شکل بھی اختیار کرے گا بہر حال وہ ایک شے ہوگی۔ لہٰذا انسان کے متعلق یہ کہنا کہ موت کے بعد سنتا نہیں عقلاً محال ہے۔

٤...... "ولقد کنا نسمع تسبیح الطعام و هو یؤکل" یقیناً ہم طعام کھاتے وقت اس کی تسبیح سنتے تھے۔ جب وہ کھایا جا رہا ہوتا تھا۔ (بخاری ج١ ص٥٠٥)

٥...... "یقول الحجر یا مسلم هذا یهودی ورائی فاقتله" پتھر کہے گا کہ اے مسلمان یہ میری آڑ میں یہودی چھپا ہے اسے قتل کر دے۔ (بخاری ج١ ص٥٠٧)

۶...... ''عن ابن مسعود قال کنا ناکل مع رسول اللہ الطعام و نحن نسمع تسبیحہ'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم حضور ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے ہوتے تھے اور ہم اس کی تسبیح سنتے تھے۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۲۶۷ بحوالہ مشکوٰۃ)

۷...... ''و خبر الجزع الحنان مشهور فی هذا الباب اخرج البخاری فی مواضع من کتابه و اذا ثبت ذالک فی جماد واحد جاز فی جمیع الجمادات و لا استحالة فی شئی من ذالک فکل شئی یسبح للعموم و کذا قال النخعی و غیره هو عام فیه روح و فیما لا روح فیه حتی حریر الباب و احتجوا بالاخبار التی ذکرناه۔ الی ان قال'' اسی طرح قرطبی اور بخاری میں کئی مقامات پر ستون کے رونے کی روایت موجود ہے جب یہ سننا ایک جماد میں ثابت ہو گیا تو تمام جمادات میں سننا ثابت ہو گیا اور اس میں کوئی محال بھی نہیں ہے۔ عموم آیات سے ہر شے کا تسبیح کہنا ثابت ہو گیا ہے۔ امام نخعی وغیرہ نے بھی کہا کہ یہ سننا عام ہے۔ ہر اس شے کے لئے جس میں روح ہے یا روح نہیں۔ حتی کہ دروازہ کی آواز بھی سنتی ہے اور قائلین سماع جمادات نے انہی احادیث سے دلیل لی ہے جو میں نے ذکر کی ہیں۔

''فالصحیح ان الکل یسبح الاخبار الدالته علی ذالک و لو کان ذالک التسبیح تسبیح دلالة فای تخصیص لداؤد و انما ذالک تسبیح المقال بخلق الحیاة و الانطاق بالتسبیح کما ذکرنا و قد تصف السنة علی ما دل علیه ظاهر القرآن من تسبیح کل شئی فالقول به اولی'' پس صحیح بات یہ ہے کہ ہر شئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتی ہے جیسا کہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اگر یہ تسبیح کرنا صرف صانع پر دلالت کرنا مراد ہوتا تو حضرت داؤد کی تخصیص کرنے کا کیا مطلب؟ لہٰذا یہ تسبیح قولی ہے۔ اللہ نے ان میں حیات اور نطق پیدا کیا اور حدیث تو بولنے سننے پر صاف دلالت کرتی ہے جس پر ظاہر قرآن بھی دال ہے اور یہی قول اولیٰ اور صحیح ہے کہ ہر شئے سنتی ہے۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۲۶۷)

۸...... ''قول جمع من المفسرین ان الضمیر عائد الی الحجارة لکن لا نسلم ان الحجارة لیست هیة عاقلة الی ان قال و انکرت المعتزلة هذا التاویل لما ان عندهم البنیة و اعتدال المزاج شرط قبول الحیاة و العقل'' مفسرین کی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ضمیر پتھر کی طرف راجع ہے (وان منها) میں مگر ہم یہ نہیں مانتے کہ پتھر نہیں سنتے ان میں زندگی اور شعور نہیں۔ پتھروں کے سننے اور کلام کرنے سے معتزلہ نے انکار کیا ہے۔ کیوں کہ وہ بنیہ اور اعتدال مزاج کو سننے کے لئے اور حیات اور عقل کے لئے شرط مانتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۷۶)

معلوم ہوا کہ معتزلہ کا فرقہ پتھروں کے سننے اور کلام کرنے کا منکر ہے۔ مگر اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جمادات سنتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے نزدیک بنیہ یعنی بدون شرط حیات و عقل نہیں اور یہ ''نمائے حق'' پارٹی عجیب قسم کے اہلسنت ہیں کہ عقائد معتزلہ کے رکھتے ہیں اور ان عقائد کی بناء پر اہلسنت کو مشرک بھی کہتے ہیں اور اہلسنت ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور تمام مفسرین محدثین متکلمین اور فقہاء کے خلاف عقیدہ ایجاد کر کے اپنے محقق ہونے کا ڈھنڈورہ بھی پیٹتے ہیں۔

۹...... ''و فی الصحیح هذا جبل یحبنا و نحبه و کحنین و الجذع المتواتر خبره و فی صحیح مسلم انی لاعرف حجرا بمکة کان یسلم علیّ قبل ان ابعث انی لاعرفه الان و فی صفة الحجر الاسود انه یشهد لمن استلم بحق یوم القیامة'' صحیح بخاری میں موجود ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ پہاڑ احد ہم کو دوست رکھتا ہے اور ہم اس کو اور ستون کا رونا متواترات سے ہے۔ یہ رونے کی حدیث متواتر ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول خدا نے فرمایا میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ پر السلام علیکم کہا کرتا تھا اب بھی میں اس کو پہچانتا ہوں مکہ میں ہے اور حجر اسود کے حق میں رسول خدا نے فرمایا جس آدمی نے اس کو مس کیا ہے اس کی گواہی دے گا قیامت کے دن۔ (تفسیر کثیر ج ۱ ص ۱۱۳)

پھر اسی بحث میں کہ یہ نسبت مجازی ہے یا حقیقی فرماتے ہیں: ''وزعم بعضھم ان ھذا من باب المجاز وھو اسناد المنشوع الی الحجارۃ کما اسندت الارادۃ الی الجدار (یرید ان ینقض) وقال القاضی الباقلانی وھذا تاویل بیعد وتبعہ فی استبعارہ الرازی وھو کما قال فان ھذا خروج عن اللفظ بلا دلیل'' بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مجاز کی قبیل سے ہے۔ پتھر کی طرف اس کی نسبت شائع ہوئی ہے۔ جیسا کہ ارادہ کی نسبت دیوار کی طرف کی گئی ہے (وہ گرنا چاہتی تھی) قاضی باقلانی کہتے ہیں اس میں دور از کار تاویل ہے اور امام رازی نے اس استبعاد میں اس کا اتباع کیا ہے وہ یوں کہ جیسا انہوں نے کہا کہ یہ دلیل کے بغیر لفظ سے دور نکل جاتا ہے۔

اور یہ نسبت مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہے اور قرآنی دلائل اسی کے حق میں ہیں جیسا کہ: ''وان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانھار قال کثیر البکاء وان منھا لما یشقق فیخرج منہ الماء قال قلیل البکاء وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ قال بکاء القلب من غیر دموع'' بعض پتھر وہ ہیں کہ ان میں سے نہریں پھوٹتی ہیں کہا وہ کثرت سے رونے والے ہیں اور بعض وہ ہیں کہ جب پھٹ جائیں تو ان میں سے پانی نکل پڑے کہا کہ یہ کم رونے والے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں کہا یہ آنسو بہائے بغیر قلبی گریہ ہے۔

''وقال الرازی والقرطبی وغیرھما من الائمۃ ولاحاجۃ الی ھذا فان اللہ تعالٰی یخلق فیھا ھذا الصفۃ کما فی قولہ تعالٰی انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وقال تسبح لہ السمٰوات السبع والارض ومن فیھن وقال النجم والشجر یسجدان وقال الم یروا الی ما خلق اللہ من شئی یتفیؤ ظلالہ وقال تعالٰی قالتا اتینا طائعین وقال لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرائیتہ خاشعا وقال تعالٰی وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شئی'' ائمہ میں سے رازی اور قرطبی وغیرہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں (یعنی مجازی) اللہ تعالیٰ ان میں یہ صفت پیدا کرتا ہے جیسا کہ فرمان باری ہے کہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا، وہ خوفزدہ ہو گئے اور فرمایا سات آسمان اور سات زمین اور جو کچھ اس میں ہے۔ سب اس کی تسبیح کہتے ہیں اور فرمایا ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں اور فرمایا کیا انہوں نے نہ دیکھا اس کی طرف جسے اللہ نے پیدا کیا۔ جس کے سائے جھکتے ہیں اور فرمایا کہ زمین و آسمان نے کہا کہ ہم اطاعت شعار بن کر آئے اور فرمایا اگر ہم قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے وہ خوف سے پھٹ جاتے اور فرمایا وہ اپنے چمڑوں کو کہیں گے تم ہمارے خلاف کیوں گواہی دیتے ہو وہ کہیں گے ہمیں نطق اسی اللہ نے عطا کیا جس نے ہر چیز کو عطا کیا۔

اسی طرح مشکلات القرآن میں تفصیل موجود ہے کہ ہر شئے میں روح حیاۃ موجود ہے۔ ہر شئے خدا کو پہچانتی ہے۔اس کی تسبیح حمد وثنا کہتی ہے۔ خواہ وہ جمادات ہی کی قسم سے ہو۔ لہٰذا انسان مرکر مٹی ہو گیا تو بھی سنتا ہے کلام کرتا ہے۔

۱۰...... ''ان الشمس وکذالک سائر الکواکب مدرکتہ عاقلۃ کما ینبئ عن ذالک قولہ تعالٰی الاتی کل فی فلک یسبحون حیث جئ بالفعل مسندا الی ضمیر جمع العقلاء وقولہ تعالٰی انی رأیت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتھم لی ساجدین لنحو ماذکر ویدل علیہ ظاھر ماروی عن ابی ذر من انھا تسجد وتستأذن فان المتبادر من الاستئذان ما یکون بلسان القال دون بلسان الحال وخلق اللہ تعالٰی الادراک

والتمييز فيها حال السجود والاستئذان ثم سلبه عنها مما لا حاجة الى التزامه بل هو بعيد غاية البعد والشهواهد من الكتاب والسنة وكلام العترة على كونها ذات ادراک وتمييز لما لايكاد تحصى كثرة بعض يدل على ثبوت ذالک لها بالخصوص وبعضها يدل على ثبوته لها اعتبار دخولها في العموم او بالمقاسية اذ لا قائل بالفرق ومتى كانت كذالک فلا يبعد ان يكون لها نفس ناطقة كنفس الانسان بل صرح بعض الصوفية بكونها ذات نفس ناطقة كاملة جدا'' (فتح الملہم ج ا ص ۳۰۵)

تحقیق شمس اسی طرح تمام ستارے مدرک عاقل ہیں جیسا کہ ان سے فرمان باری تعالیٰ خبر دیتا ہے جو آ رہا ہے کل فی فلک یسبحون جیسا کہ فعل کی نسبت ضمیر جمع عقلاء کی لائی گئی اور قول باری تعالیٰ (سورت یوسف میں) دیکھتا ہوں گیارہ ستارے، سورج اور چاند کو میں دیکھتا ہوں کہ مجھے سجدہ کرتے ہیں اور اس پر ظاہر اس حدیث کا بھی دال ہے جو ابی ذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تحقیق سورج خدا کے سامنے سجدہ کرتا ہے اور طلوع کی اجازت چاہتا ہے اور متبادر اذن سے وہ ہے جو زبان قال سے ہے نہ زبان حال سے۔ خدا تعالیٰ نے اس میں ادراک و تمیز رکھی ہے یہ صرف حالت سجود اور اذن میں ہے یہ غلط کہا ہے۔ اس قول کی حاجت نہیں ہے بلکہ یہ بہت بعید قول ہے نہایت بعید ہے اور سورج چاند ستاروں کے عاقل مدرک ہونے کے گواہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ و قول عترت میں موجود ہیں اس پر کہ تمام صاحب عقل و ادراک اور صاحب تمیز ہیں اس کے دلائل گنتی شمار سے باہر ہیں اور جب اس طرح ہوا تو بعید نہیں کہ ان کے لئے نفس ناطقہ ہو جیسا انسان کا نفس ناطقہ بلکہ صوفیہ عارفین نے تو صاف صاف بیان کیا ہے کہ ان میں نفس ناطقہ کامل طور پر ہے۔

۱۱...... ''لم يمر بشجرة ولا حجر الاخر ساجدا'' جس شجر حجر کے پاس سے نبی کریم ﷺ گزرتے تھے وہ آپ کو سجدہ کرتے تھے۔ (دلائل النبوۃ بیہقی ج ا ص ۳۰۸)

''عن علي يقول لقد رأيتني ادخل معه يعني النبي ﷺ الوادى فلا يمرّ بحجر ولا شجر الا قال السلام عليک يارسول الله وانا اسمعه'' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضور ﷺ کے ساتھ وادی میں داخل ہوا تو جس شجر پتھر کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ کہتا تھا السلام علیک یارسول اللہ! اور میں اس کے سلام کو سنتا تھا۔ (ایضاً ج ا ص ۳۰۹)

۱۲...... ''فاخذ رسول الله ﷺ كفا من حصى فقال هذا يشهد انى رسول الله فسبح الحصى في يده'' پس پکڑی رسول اللہ ﷺ نے ایک مٹھی کنکریوں کی اور فرمایا یہ گواہی دیتی ہیں کہ میں خدا کا رسول ہوں، پس تسبیح کہنی شروع کر دی کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں۔'' (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۳۰۴)

۱۳...... علامہ ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے ''واوتى بطعام ثريد فقال ان هذا الطعام يسبح قالوا يا رسول الله ﷺ وتفقه تسبيحه قال نعم ثم قال رسول الله لرجل ادن هذه القصعة من هذا الرجل فادناها فقال نعم يارسول الله هذا الطعام يسبح ثم ادناها من آخر ثم فقالا مثل ذالک'' کہ طعام ثرید لایا گیا پس فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ یہ طعام تسبیح کہہ رہا ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ ان کی تسبیح سمجھ رہے ہیں۔ فرمایا ہاں پھر حضور ﷺ نے ایک آدمی سے کہا کہ یہ پیالہ دوسرے آدمی کے پاس لے جاوہ لے گیا اس نے کہا ہاں یارسول اللہ! یہ کھانا تسبیح کہہ رہا ہے۔ پھر دوسرے کے پاس لے گیا پھر ایک اور کے پاس لے گیا انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

اسی کتاب میں ابوالشیخ نے حضرت خیثمہ سے بیان کیا ہے "قال کان ابو الدرداء یسطبخ قدرا و وقعت علی وجھہ فجعلت تسبح" حضرت ابودرداء ہانڈی پکا رہے تھے وہ ان پر گر پڑی اور تسبیح کہنے لگی۔

دوسری روایت (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۳۰۶) پر ہے "عن قیس قال بینما ابو الدرداء و سلیمان یا کلان من صحفۃ اذ سبحت و ما فیھا" جب ابودرداء اور سلیمان رضی اللہ عنہما دونوں ایک برتن سے کھانا کھا رہے تھے تو اس برتن نے اور اس غذا نے تسبیح کہنا شروع کر دیا۔

۱۴...... شیخ انور لکھتے ہیں "قولہ السلام علیکم ظاھر حدیث الباب و غیرہ من کثیر من الاحادیث یدل علی سماع الموتی و اشتھر علی السنۃ الناس ان الموتی لیس لھم سماع عند ابی حنیفۃ۔ و صنف ملا علی القاری رسالۃ و ذکر فیھا المشھور لیس لہ اصل من الائمۃ اصلا بل اخذ ھذا من مسئلۃ فی باب الایمان انہ اذا حلف انہ لا یتکلم مع فلان فمات الرجل فتکلم معہ علی قبرہ میتا لا یحنث" حضور ﷺ کا فرمان کہ السلام علیکم کہو اس قسم کی اکثر احادیث واضح طور پر میت کے سننے پر دلالت کرتی ہیں اور لوگوں کی زبان پر یہ مشہور ہو گیا ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ میت نہیں سنتے۔ ملا علی قاری نے ایک رسالہ تصنیف کیا اور اس میں بیان کیا کہ اس عقیدہ کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ ایمان یعنی قسموں کے باب سے لیا گیا ہے۔ جب کوئی شخص قسم کھائے کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا پھر وہ مر گیا تو اس نے میت کی قبر پر جا کر اس سے بات کی، حانث نہ ہوگا۔

"اقول ان وجہ عدم الحنث ان بنی الایمان علی العرف و اھل العرف لا یعلمون ان الموتی تسمع و المحقق ان ابا حنیفۃ لا ینکر سماع الاموات و ان خالف ابن الھمام و قال ان الموتی لا تسمع و ان ذخیرۃ الحدیث تدل علی سماع الموتی و قال الشیخ ان الموتی لا تسمع و یستثنی منہ قرع نعالھم و السلام علیکم اقول لو قلنا یسمع الموتی لا اشکال فانہ ثبت بقدر المشترک تواتر فی الحدیث۔ و لا نتعرض الی التخصیصات المتکلفۃ و سیما اذا لم یرو الانکار من الائمۃ الثلاثۃ و اما الایات المشیرۃ الٰی عدم السماع فلھا محامل حسنۃ" میں کہتا ہوں کہ حانث نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہے اور عوام نہیں جانتے کہ مردے سنتے ہیں۔ محقق بات یہ ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ میت کے سماع کا انکار نہیں کرتے اگرچہ ابن ہمام اس کے برعکس کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے اور احادیث کا ذخیرہ سماع موتی پر دلالت کرتا ہے اور شیخ کہتے ہیں کہ میت نہیں سنتے اور جوتیوں کی آواز سنتے اور السلام علیکم سنتے کو اس سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر ہم نے کہا کہ مردے سنتے ہیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیوں کہ یہ بات حدیث میں قدر مشترک کے تواتر سے ثابت ہے اور تخصیصات کے تکلف کرنے کی پرواہ نہیں کرتے بالخصوص جب ائمہ ثلاثہ سے انکار وارد نہیں ہوا جہاں تک ان آیات کا تعلق ہے جو عدم سماع کی طرف اشارہ کرتی ہیں تو اس کے اور اچھے محمل ہیں۔ (عرف شذی ص ۳۸۶)

اور (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) میں وضاحت کی گئی ہے "واعلم ان مسئلۃ کلام المیت و سماعہ واحدۃ و انکرھا حنیفۃ العصر و فی رسالۃ غیر مطبوعۃ لعلی القاری ان احدا من ائمتنا لم یذھب الی انکارھا و انما استنبطوھا من مسئلۃ فی باب الایمان و ھی حلف رجل ان لا یتکلم فلانا فکلمہ بعد ما دفن لا یحنث قال القاری و لا دلیل فیھا علی ما قالوا فان مبنی الایمان علی العرف و ھم لا یسمونہ کلاما و انکرہ الشیخ ابن

الهمام ایضاً فی الفتح ثم ارد علی نفسه ان السماع اذا لم یثبت فما معنی السلام علی القبر و اجاب عنه انهم یسمعون فی هذا الوقت فقط ولا دلیل فیه علی العموم ثم عاد قائلا انه ثبت منهم سماع قرع النعال ایضاً فاجاب عنه بمثله القول والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر و فی حدیث صححه ابو عمرو ان احدا اذا سلم علی المیت فانه یرد علیه ویعرفه ان کان یعرفه فی الدنیا و اخرجه ابن کثیر ایضاً وتردد فیه فالانکار فی غیر محله سیما اذا لم ینقل عن احد من ائمتنا فلابد بالالتزام السماع فی الجملة واما الشیخ ابن الهمام فجعل الاصل هو النفی و کل موضع ثبت فیها السماع جعله مستثنی و مقتصر علی المورد"

خوب سمجھ لو کہ میت کا کلام کرنا اور کلام سننا ایک ہی مسئلہ ہے موجودہ زمانہ کے حنفی اس کا انکار کرتے ہیں اور ملا علی قاری کے غیر مطبوعہ رسالہ میں ہے کہ ہمارے کسی امام نے اس کا انکار نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ باب ایمان سے اخذ کیا گیا ہے اور وہ یوں کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا اور اس کی موت کے بعد اس سے کلام کی تو حانث نہ ہوگا۔ علامہ قاری کہتے ہیں کہ عدم سماع کے متعلق اس میں کوئی دلیل نہیں کیوں کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہے اور اہل عرف اسے کلام کرنا نہیں کہتے۔ شیخ ابن الہمام نے الفتح میں اس کا انکار کیا۔ پھر خود اپنے آپ پر سوال کیا۔ جب سماع ثابت نہیں تو قبر پر سلام کہنے کا کیا مطلب۔ پھر خود جواب دیا کہ صرف اس وقت وہ سنتے ہیں اور عموم وقت کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ اسی طرح جوتیوں کی آواز سننے کا جواب بھی یہی دیا۔ میں کہتا ہوں کہ سماع موتی کے حق میں احادیث تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے جسے ابو عمرو نے صحیح کہا ہے کہ جب کوئی شخص میت کو سلام کہے تو وہ اس کا جواب دیتا ہے اور اگر وہ دنیا میں اسے پہچانتا تھا تو وہ سلام کے وقت پہچان لیتا ہے۔ ابن کثیر نے بھی اس کا اخراج کیا ہے اور اس میں تردد کیا ہے تو انکار بے محل ہے بالخصوص جب ہمارے ائمہ میں کسی سے انکار منقول نہیں۔ اس لئے مطلق سماع کا التزام لازمی ہے۔ رہا شیخ ابن الہمام کا معاملہ تو انہوں نے نفی سماع کو اصل بنایا ہے اور جس موقع پر سماع ثابت کیا ہے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

"قلت اذا ما الفائدة فی عنوان النفی وما الفرق نفی السماع ثم الاستثنا فی مواضع کثیرة وادعاء التخصیص وبین اثبات السماع فی الجملة مع الاقرار بان لا ندری ضوابط اسماعهم فان الاحیاء اذا لم یسمعوا فی بعض الصور من ادعاء الطرد فی الاموات" میں کہتا ہوں کہ اس نفی کا کیا فائدہ۔ سماع کی نفی کرنے کے بعد اکثر مواقع پر مستثنیٰ قرار دینے اور تخصیص کا دعویٰ کرنے اور مطلق سماع کے اثبات میں کیا فرق ہے۔ جب کہ یہ اقرار بھی ہے کہ ہم ان کے سننے کے قوانین نہیں جانتے کیوں کہ بعض صورتوں میں تو زندہ بھی نہیں سنتے تو مردوں میں ہر وقت سننے کا کون دعویٰ کرتا ہے۔

حضرت انور شاہ رحمہ اللہ نے شیخ ابن الہمام کے اقوال کا جائزہ لیتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا کہ ایک طرف تو سماع موتی کی نفی کر رہے ہیں دوسری طرف خود ہی فرماتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہے کہ قبرستان سے گزرو تو السلام علیکم کہو۔ جب سماع کی نفی ہے تو سلام کہنا کیا معنی رکھتا ہے تو خود ہی رائے ظاہر کر دی کہ اس وقت مردہ سنتا ہے۔ آخر کیوں؟ جب کوئی سلام کہے تو وہ میت نہیں رہتا؟ اگر اس وقت بھی میت ہوتا ہے تو سنتا کیسے ہے؟ اگر نہیں سنتا تو سلام کہنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔

اسی طرح فرمایا کہ بخاری مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ میت پلٹ کر جانے والوں کی جوتیوں کی آواز

سنتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہاں اس خاص وقت میں سنتا ہے۔ مگر کیوں؟ کیا اس خاص وقت میں مردہ نہیں رہتا۔ مگر اس خاص وقت سننے کی سند کیا ہے۔ پورے ذخیرہ احادیث میں سے ایک روایت ہی پیش کی جائے کہ السلام علیکم تو میت سنتا ہے۔ اس کے بغیر کبھی نہیں سنتا۔ جوتوں کی آواز سنتا ہے بعد میں نہیں سنتا۔

دوسری بات جو قابل غور ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ تم کہتے ہو قرآن میں سماع موتی کی نفی وارد ہے۔ رسول کریم ﷺ کی احادیث کثیرہ جو حد تواتر کو پہنچتی ہیں ان سے سماع موتی کا اثبات ظاہر ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن جس پر نازل ہوا اس نے تو سمجھا نہیں البتہ ندائے حق کے مصنف اور ان کا مختصر سا ٹولہ قرآن فہمی میں رسول ﷺ سے بھی بازی لے گیا۔ قرآن وحدیث میں اتنا تعارض بلکہ اتنا واضح تضاد ان حضرات نے ہی ڈھونڈ نکالا ہے۔ ۱۳ صدیوں میں یہ انکشاف کوئی صاحب بصیرت نہ کر سکا۔

امام الہند شاہ ولی اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصول کے متعلق فرماتے ہیں: "سئل عن ابی حنیفة اذا قلت قولا و کتاب اللہ یخالف قال اترکوا قولی بکتاب اللہ فقیل اذا کان خبر الرسول یخالفه قال اترکوا قولی بخبر رسول اللہ فقیل اذا کان قول الصحابة یخالفه قال اترکوا قولی بقول الصحابة" امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ ایک بات کہتے ہیں اور کتاب اللہ اس کے خلاف ہے تو فرمایا کہ کتاب اللہ کے مقابلے میں میرا قول ترک کر دو پھر کہا گیا کہ اگر حدیث رسول اس کے خلاف ہو تو فرمایا حدیث رسول کے مقابلے میں میرا قول ترک کر دو۔ پھر کہا گیا اگر قول صحابہ اس کے خلاف ہو فرمایا کہ قول صحابہ کے مقابلے میں میرا قول ترک کر دو۔ (عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید ص ۶۶)

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے نقل کیا ہے "قال عبداللہ بن مبارک سمعت ابا حنیفة یقول اذا جاء عن النبی ﷺ فعلی الرأس والعین واذا جاء عن اصحاب النبی ﷺ تختاره من قولهم وقال ابو حنیفه اترکوا قولی بخبر رسول اللہ وقول الصحابه ونقل انه قال اذا اصح الحدیث فهو مذهبی" عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں میں نے ابوحنیفہ سے سنا آپ فرماتے تھے جب کوئی بات نبی کریم ﷺ سے پہنچے تو ہمارے سر آنکھوں پر اور جب صحابہ سے کوئی بات پہنچے تو ان کے قول کو مختار سمجھیں گے اور امام صاحب نے فرمایا حدیث اور قول صحابہ کے مقابلہ میں میرا قول ترک کر دو اور یہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۲ ص ۶۳)

امام صاحب کے مذہب کا بنیادی اصول کتنا واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اگر یہ سمجھا جائے کہ امام صاحب کا مذہب حدیث کے خلاف ہے تو اس کی وجہ علم وعقل کی کمی یا ضد وعناد کے بغیر اور کیا ہو سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ امام صاحب کا مذہب کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہ پر مبنی ہے اور اسی وجہ سے امام صاحب سماع موتی کے قائل ہیں۔ کتاب وسنت سے جب ہر شے کا سننا اور کلام کرنا اور تسبیح کہنا ثابت ہے انسان بھی تو شے ہے۔ لہٰذا اس کا سننا اور کلام کرنا کیوں محال ہے۔ رہا انسان کا بعد موت سننا تو ظاہر ہے کہ انسان مر کر مٹی ہی تو ہو جاتا ہے اور مٹی جب سنتی ہے تو انسان جب مٹی ہو گیا تو سننے میں کون مانع ہوتا ہے۔

چنانچہ (فیض الباری ج ۱ ص ۳۱۲) پر فرمایا "وهكذا الانسان یسبح نوع بتسبیح ما دام حیا واذا مات وصار ترابا ولحق اجزائه بالعناصر فانه لا یسبح بهذا التسبیح بل تسبیح العناصر فتغیر نوع تسبیحه لا انه لا یسبح اصلاً لان القرآن صرح بان تسبیح کل نوع علیحدة فقال کل قد علم صلوٰته وتسبیحه وهكذا

یستفاد الاستغراق من عامة الایات الخ فقال بعد ذکر السجدة والسجدة التسبیح من نوع واحد" اسی طرح انسان جب تک زندہ رہتا ہے ایک قسم کی تسبیح کہتا ہے جب مر گیا اور اس کے اجزائے بدن مٹی میں مل گئے پھر وہ اس قسم کی تسبیح نہیں کہتا بلکہ اس نوع کی تسبیح کہتا ہے جس قسم کے عناصر میں اس کے اجزاء مل گئے۔ صرف تسبیح کی نوع بدلی یہ نہیں کہ اس نے تسبیح کہنا ہی چھوڑ دیا۔ کیوں کہ قرآن حکیم صراحت کرتا ہے کہ ہر نوع کی تسبیح علیحدہ قسم کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہر چیز اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتی ہے اور اسی طرح عام آیات سے استغراق سمجھا جاتا ہے سجدہ کے بیان کے بعد کہا کہ سجدہ اور تسبیح ایک قسم کی چیزیں ہیں۔

اور مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے "التکشف" میں تحریر فرمایا: "شعور جمادات چوں کہ کوئی دلیل حقیقت سے منصرف کرنے کی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے حدیث میں لفظ سمعنا کو حقیقی معنوں پر محمول کر کے اس سے اصل مسئلہ کشفیہ پر استدلال کریں گے کہ جمادات میں بھی ایک گونہ شعور ہے کیوں کہ حب موقوف ہے شعور پر جیسا کہ بالاتفاق حقیقت پر محمول ہے۔ (ص ۴۰۹)

اور فیض الباری میں جسم انسانی کے مٹی میں مل جانے کے سلسلے میں "کل قد علم" آیت سے ایک اصول بیان کیا ہے۔

"والحاصل ان الشجر الرطب یسبح تسبیح النبات واذا یبسو فانه یسبح تسبیح الجماد" اصل یہ ہے کہ سبز درخت نباتات کے طریقہ کی تسبیح کہتا ہے جب خشک ہو گیا تو جمادات کی قسم کی تسبیح کہنے لگا۔ (ج۱ ص ۲۱۲)

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ:

۱...... قرآن مجید کی متعدد آیات قطعی الدلالۃ ہیں کہ ہر شے ذکر تسبیح اور سجدہ کرتی ہے۔

۲...... مفسرین حضرات قرطبی، رازی، ابن کثیر، صاحب مظہری اور صاحب روح المعانی وغیرہ اس مضمون کی آیات کا یہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔

۳...... محدثین حضرات امام بخاری، مسلم، ترمذی اصحاب صحاح ستہ اسی عقیدہ کی تائید میں متعدد روایات پیش کرتے ہیں۔

۴...... شراح حدیث میں صاحب مرقاۃ، صاحب فیض الباری، صاحب فتح الملہم ان آیات واحادیث کی تفسیر میں اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہر شے تسبیح کرتی ہے اور انسان مر کر مٹی ہو گیا تو ایک شے سے دوسرے شے میں بدلا مگر شے سے خارج نہ ہوا۔ لہٰذا اس حالت میں بھی تسبیح کرنا ثابت ہوا اور اس طرح ہر شے میں حیات شعور ادراک کلام کرنا اور سننا ثابت ہوا۔

۵...... فقہائے کرام بھی اسی طرح سماع موتی کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے متعلق جو غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے اس کا ازالہ بھی کر دیا گیا۔

۶...... علمائے ربانی متقدمین ومتاخرین یہی عقیدہ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ابن تیمیہ، سیوطی، بیہقی وغیرہ۔

۷...... اکابر دیوبند (رحمہم اللہ) مثلاً حضرت انور شاہ کاشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا تھانوی وغیرہ، کتاب وسنت سے سماع موتی کے حق میں دلائل بیان کرتے رہے۔

۸...... اس امر کی وضاحت کی گئی کہ اہل السنۃ والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ میت سنتا ہے خواہ کسی حالت میں ہو۔

۹...... خارجی اور معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ میت نہیں سنتا۔ یعنی عدم سماع کے قائل ہیں۔

۱۰...... زمانہ حال کے جدید اہلسنت یعنی ندائے حق کے مصنف اور شیخ القرآن پارٹی قرآن حکیم، احادیث صحیحہ، فقہائے کرام اور اکابر دیوبند کے خلاف عدم سماع کی قائل ہے یعنی خوارج اور معتزلہ کا عقیدہ رکھتی ہے اور اہلسنت ہونے کی مدعی بھی ہے۔ مسلک دیوبند رکھنے کا ڈھنڈورہ بھی پیٹتی ہے:

قیامت کی آزادیاں ہیں میسر انا الحق کہو اور سولی نہ پاؤ

مسئلہ سماع موتی پر اب ہم ایک اور پہلو سے بحث کرتے ہیں۔ اس سے ان توحیدیوں کے ایک اور عقیدہ کی وضاحت بھی ہو جائے گی۔

عذاب قبر

۱...... ''وھو ثابت عند اھل السنة و الجماعة کافة بالتواتر'' عذاب قبر تمام اہلسنت والجماعت کے ہاں تواتر سے ثابت ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۹۲)

۲...... ''عذاب القبر ثبت بالتواتر بتواتر قدر المشترک و قال به اھل السنة و الجماعت قاطبة و منکر التواتر ھذا لا ریب یبتدیعه و منکر التواتر بالقدر المشترک کافر ان کان التواتر بدیھا و فاسق و مبتدع ان کان نظریا'' عذاب قبر تواتر سے ثابت ہے تواتر جو قدر مشترک ہے اور یہی اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اس تواتر کا منکر بلاشبہ بدعتی ہے اگر تواتر بدیہی ہو تو اس کا منکر کافر ہے اور تواتر نظری ہو تو اس کا منکر فاسق اور بدعتی ہے۔ (عرف شذی ص ۳۸۹)

یعنی عذاب قبر کا عقیدہ اہلسنت والجماعت کے ہاں تواتر سے ثابت ہے اور تواتر کا انکار کفر ہے یا فسق ہے یا بدعت ہے، عذاب قبر کے عقیدہ سے کئی اور مسائل ثابت ہوتے ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: ''و اذا ثبت التعذیب ثبت الاحیاء و المسئالة لان کل من قال بعذاب القبر قال بھما و لنا ایضا احادیث صحیحة و اخبار متواترہ'' جب عذاب ثابت ہو گیا تو زندگی اور سوال و جواب دونوں چیزیں ثابت ہو گئیں۔ جو شخص عذاب قبر کا قائل ہے اسے ان دونوں کا قائل ہونا پڑے گا۔ ہمارے پاس صحیح احادیث اور متواتر اخبار موجود ہیں۔ (عینی شرح بخاری ج ۸ ص ۱۴۶)

یعنی عذاب قبر کا عقیدہ ثابت ہے اور عذاب کے لئے حیات لازمی ہے۔ پس جب قبر میں عذاب ہے تو سماع و کلام بطریق اولیٰ ثابت ہے۔ پھر فرماتے ہیں: ''فعلم ان فی القبر حیاة فیصح العذاب فیه'' پس معلوم ہوا کہ قبر میں حیات ہے تو پھر اس میں عذاب کا ہونا صحیح ہے۔ (عینی ج ۲ ص ۲۰۱)

اور مولانا عثمانی فرماتے ہیں: ''و کذالک الامر فی کل من انکر شیئا مما...... اجتمعت الامة علیه من امور الدین'' یہی حکم ہے جس نے اس عقیدہ کا انکار کیا جس پر امت کا اجماع ہے۔ کفر کیا اور عذاب قبر ضروریات دین سے ہے اور ضروریات دین میں تاویل کفر کے برابر ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۱۹۱)

اس عقیدہ کے متعلق شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''و البعث و الجزاء و عذاب القبر سمی ضروریاً لان کل واحد یعلم ان ھذا الامر مثلا من الدین'' مسئلہ قیامت اور جزا و سزا، عذاب و ثواب قبر ضروریات دین سے ہے کیوں کہ ہر آدمی جانتا ہے کہ یہ مسئلہ دین سے ہے۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۶۹)

اور فتح الملہم میں ہے "الکفر عبارۃ عن انکار ما علم بالضرورۃ" ترجمہ: ضروریات دین کا انکار کفر ہے۔ (ج ۱ ص ۱۹۱)

اور فتح الباری میں ہے "وکان مالک یفتی بکفر لخوارج والملحدین ھو الذین یؤلون فی ضروریات الدین" اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خارجیوں اور ملحدین کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ملحدین وہ ہیں جو ضروریات دین میں تاویلیں کرتے ہیں۔ (ج ۲ ص ۴۷۳)

"وقلت مما ینبغی ان یعلم ان التاویل انما یقبل فی غیر ضروریات الدین اما فی ضروریات الدین فلا یسمع" اور میں کہتا ہوں ضروریات دین کے علاوہ تو تاویل قابل قبول ہے لیکن ضروریات دین میں اس کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ (ج ۴ ص ۴۷۵)

ان عبارتوں سے ذیل کے امور ثابت ہوئے:

۱...... تمام اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے کہ عذاب قبر بدن اور روح دونوں کو ہوتا ہے۔

۲...... عذاب قبر کا عقیدہ متواترات سے ہے اور متواتر کا انکار کفر ہے۔

۳...... عذاب قبر ضروریات دین سے ہے جیسے قرآن، نبوت اور قیامت کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے۔

۴...... ضروریات دین میں تاویل کرنا کفر کے برابر ہے۔

۵...... عذاب وثواب قبر سے حیاۃ لازم ہے۔ زندگی کے بغیر عذاب وثواب کا تصور بھی بے معنی ہے۔

عذاب قبر کے لئے حیات لازمی ہے۔ اس سلسلے میں مشکوٰۃ کی ایک روایت ہے: "عن بسیرۃ قالت قال لنا رسول اللہ ﷺ علیکن بالتسبیح والتھلیل والتقدیس واعقدن بالانامل فانھن مسئولات مستنطقات شرح مرقاۃ" حضرت بسیرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے انگلیوں کی گرہوں پر تسبیح وتہلیل اور تقدیس کا حکم دیا۔ کیوں کہ قیامت میں ان سے پوچھا جائے گا اور ان کو قوت گویائی حاصل ہوگی۔

"یسئالن یوم القیامۃ عما اکتسبن وبای شئی استعملن مستنقطات ای متکلمات بخلق النطق فیھا فیشھدن لصاحبھا" اور شرح مرقات میں ہے کہ قیامت کے دن انہیں قوت گویائی حاصل ہوگی اور ان سے پوچھا جائے گا کہ ان کا کس طرح استعمال کیا گیا اور بیا کتساب کرنے والے کے حق میں گواہی دیں گے۔ (مشکوٰۃ مع مرقاۃ ج ۵ ص ۱۱۹)

یہ حدیث تفسیر ہے ان آیات کی "انطقنا اللہ الذی انطق کل شئی" اور "وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون" ان آیات اور اس روایت سے میت میں حیات ثابت ہے۔ پھر سننا سمجھنا اور کلام بھی ثابت ہے۔ یعنی سوال سنا، سمجھا اور جواب دیا۔

• قبر میں سوال وجواب برحق ہے اور اس کا منکر کافر ہے اور یہ عمل سننے اور سمجھنے اور کلام کرنے کے بغیر ممکن نہیں۔

مشکوٰۃ کے حاشیہ نادرہ میں مولانا نصیر الدین غور غشتی فرماتے ہیں:

"عذاب القبر ثابت بایات القرآن والاحادیث الصحیحۃ الکثیرۃ باجماع اھل السنۃ والجماعت ثم اختلف فی ان عذاب القبر یکون للروح او للجسد مع الروح الثانی قول الجمھور وھو

المشهور المختار ويؤيده الاحاديث كقوله ﷺ فيقعدانه وقوله ﷺ يضرب بين اذنيه وقوله ﷺ فافرشوه من الجنة والبسوه من الجنة فان كان ذالك من اوصاف الاجساد فعلم التعذيب يكون للجسد مع الروح"
عذاب قبر آیات قرآن اور کثیر التعداد احادیث صحیحہ اور اجماع اہلسنت والجماعت سے ثابت ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ عذاب قبر فقط روح کے لئے یا روح مع الجسد کو ہوتا ہے۔ یہ دوسرا قول جمہور اہلسنت کا مذہب مختار ہے اور احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے میت کو قبر میں بٹھاتے ہیں اور آپ کا یہ فرمانا کہ میت کے دونوں کانوں کے درمیان مارتے ہیں اور آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ اس کے لئے جنت سے فرش لاکر بچھاؤ اور اسے جنت کا لباس پہناؤ۔ ظاہر ہے کہ یہ سب اوصاف جسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ عذاب قبر جسد مع الروح کو ہوتا ہے۔

اور بقدر ضرورت حدیث کے الفاظ درج کئے جاتے ہیں: "قال ﷺ ان العبد اذا وضع فی قبره اذا قبر الميت اتاه ملكان وقوله ﷺ فياتيه ملكان فيجلسانه فيقولان له من ربك" حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟

یعنی دفن کے بعد میت کے پاس فرشتوں کا آنا، اسے اٹھا کر بٹھانا، اس سے سوال کرنا اور میت کا جواب دینا ایسے حقائق ہیں کہ ان سے ذخیرہ احادیث بھرا پڑا ہے اور یہ سب اوصاف جسد مع الروح کے ہیں۔

ما عند اللہ باق

کفار عرب کا عقیدہ تھا کہ موت عدمی چیز ہے، جس کے ساتھ لگ جاتی ہے اس کو معدوم کر دیتی ہے۔ اسی نظریہ کی بنا پر وہ قیامت کے منکر تھے۔ اعادہ معدوم محال سمجھتے تھے۔ اسلام نے اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے بتایا کہ موت عدمی نہیں وجودی چیز ہے۔ مخلوق ہے، خلق الموت والحیاۃ یعنی موت مخلوق ہے اور وجودی چیز ہے۔ ہاں جس ذی روح سے موت متصل ہوئی اسے دار دنیا سے منتقل کر کے دار آخرت میں لے گئی۔ "المؤمنون لا يموتون بل ينتقلون من دار الی دار" (مومن نہیں مرتے بلکہ ایک جہاں سے دوسرے میں منتقل ہو جاتے ہیں)

انسان معدوم نہیں ہوتا بلکہ برزخ میں اور آخرت میں اس کے لئے جنت و دوزخ ہے۔ معدوم محض کے لئے جنت و دوزخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس انتقال مکان کے متعلق قرآن کریم قول فیصل بیان فرماتا ہے "كل نفس ذائقة الموت ثم الينا ترجعون" (العنکبوت: ۵۷) یعنی موت کے بعد اللہ کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ اسی مضمون کی متعدد آیات موجود ہیں۔

مثلاً: "انا لله و انا اليه راجعون" (البقرۃ: ۱۵۶) اور "كل الينا راجعون" (انبیاء: ۹۳) اور "ما عندكم ينفد و ما عند الله باق" (النحل: ۹۶) اور "بل احياء عند ربهم يرزقون" (آل عمران: ۱۶۹) اور "وما هذه الحياة الدنيا الا لهو و لعب و ان الدار الاخرة لهي الحيوان لو كانوا يعلمون" (انعام: ۳۲) یعنی حیات کے دو حصے ہیں ایک حیوۃ دنیوی جو عارضی اور چند روزہ ہے دوسری حیات اخروی جو دائمی ہے۔ اگر آدمی سمجھنا چاہے تو یہ حقیقت اس کی سمجھ

میں آسکتی ہے۔ حیات دنیا کے بعد آدمی دار آخرت میں منتقل ہوجاتا ہے۔ اوّل عالم برزخ میں جاتا ہے جو قیامت صغریٰ ہے۔ پھر دار آخرت میں پہنچتا ہے جو قیامت کبریٰ ہے۔ ماعنداللہ باق کی شرح میں شیخ رضی نے شرح کافیہ میں لکھا ہے "ان معنی "عند" القرب حسا او معنی اما اللفظ مع فیقال جعلنا معا فی زمان واحد و کنا معا فی مکان واحد علی الظرفیۃ" لفظ عند کا معنی قرب حسی یا معنوی پر دال ہے اور لفظ مع کا قرب و معیت مکانی پر دال ہے۔

تو عند ربھم اور عنداللہ باق میں عند کا لفظ قرب خداوندی پر دال ہے یعنی حیات دنیا کے بعد دار آخرت میں قرب خداوندی ہے خواہ حسی ہو یا معنوی بہرحال وہاں کی ہر شئے زندہ ہے۔

شجر، حجر ہر شے میں زندگی موجود ہونے کے دلائل قرآن کریم سے احادیث صحیحہ سے اور فقہاء و مفسرین کی توضیحات سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ نے اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے "ولا یقول ھذہ اخبار احاد و اثار الا تفید شیئا فی ھذا الباب۔ فلنا یکفینا ما تقدم لنا من اخبار اللہ تعالٰی فی القرآن الکریم من الدلیل القطعی عن الحجارۃ ان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ و ھذا یدل علی انھا تعرف بھا معرفتہ تلیق بھا و الا لما ھبطت فان الخشیۃ تستلزم العلم بالمخشی و قد تقدم" یہ سوال نہ کیا جائے کہ یہ احادیث اخبار احادیث میں سے ہیں اور عقیدہ کے سلسلے میں یہ کام نہ دیں گی کیوں کہ ہمارے لئے وہ دلیل کافی ہے جو قرآن حکیم کی آیات سے بیان ہوئی ہیں۔ یہ قطعی دلائل ہیں جو پتھروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں۔ یہ فعل اس امر کی دلیل ہے کہ وہ پتھر اپنی نوعیت کی مناسبت سے اپنے رب کو پہچانتا ہے ورنہ وہ نہ گر پڑتا۔ کیوں کہ خوف کے لئے ضروری ہے کہ اسے جانتا ہو جس سے خوف کھاتا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ (ص ۳۲۲)

یعنی بنیادی طور پر سماع موتی اور تمام اشیاء کے سننے کا استدلال قرآن حکیم سے کیا گیا ہے اور احادیث ان آیات کی شرح و تفسیر ہیں۔ پھر بھی کوئی شخص اس حقیقت کا انکار کرتا ہے تو وہ منکر حدیث ہے منکر قرآن ہے نفی سماع کی ایک حدیث بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ اب دیکھئے کہ محمد امیر بندیالوی اور محمد حسین نیلوی قرآن و حدیث کا انکار کس فنکاری سے کرتے ہیں۔

۱...... "واما اخبار الرسول الصحیحۃ فقلیلۃ فاین التواتر وتلک القلیلۃ ایضاً ساقطۃ او مؤلۃ اذ ھی تخالف النصوص وعمل الصحابۃ" (ترجمہ از مؤلفین) اخبار رسول صحیحہ قلیل ہیں اور وہ بھی نصوص قطعیہ اور عمل صحابہ کے مخالف ہیں تو اتر کہاں ان کے بارے میں کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ (شفاء الصدور ص ۱۰۳)

یعنی اس امر کا اقرار ہے کہ صحیح احادیث موجود ہیں۔ پھر حدیث کا انکار کرنے کی یہ راہ نکالی کہ وہ صحیح احادیث قلیل ہیں۔

اوّل تو قلیل کا اعتراف اس امر کا مطالبہ کرتا ہے کہ اس کے مقابلے میں کثیر ہو۔ اس لئے لازمی ہے کہ ایسی احادیث رسول جو تعداد میں کثیر ہوں۔ صحیح ہوں اور عدم سماع کے مفہوم کے لئے قطعی الدلالۃ ہوں پیش کی جائیں مگر کثیر تو کیا ایک حدیث بھی عدم سماع کے حق میں ان شرائط کے ساتھ نہیں پیش کی جاسکتی۔

پھر ان قلیل کا وزن کم کرنے کے لئے فرمایا کہ وہ تواتر کے خلاف ہیں۔ پھر انہیں بے اثر ثابت کرنے کے لئے فرمایا کہ وہ احادیث ساقط الاعتبار ہیں۔ کیوں کہ نصوص کے مخالف ہیں اور عمل صحابہ کے مخالف ہیں۔ ان میں سے ہر بات دلیل طلب ہے۔ مگر دلیل کوئی نہیں دی جن نصوص کے مخالف ہیں وہ پیش کرنی چاہئیں۔ پھر عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کی

دلیل کیا ہے۔ وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے آپ نے معلوم کر لیا کہ یہ عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور تو احادیث کا دور تھا۔ جب صحیح احادیث آپ کے ہاں مردود ٹھہری تو عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلیل کہاں سے لیں گے۔ اگر تاریخ سے لیں تو معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک حدیث صحیح کے مقابلے میں تاریخ زیادہ قابل اعتبار ہے۔ کس معصومانہ انداز میں احادیث صحیحہ کا انکار ہو رہا ہے اور توحید و سنت پر آنچ بھی نہیں آنے دی۔ اس سے ایک ہی صفحہ پہلے ارشاد فرمایا۔

۲...... ''ویعلم ان الحجۃ ھی قول النبی ﷺ او فعلہ او تقریرہ دون اقوال الرجال و الھامھم و کشوفھم و قیاسھم و منامھم و ماذکرنا فی ھذا الباب منھا اقوال الرجال و منھا افعالھم و منھا کشوفھم و منھا منامھم ثم منا موضوعۃ و منھا منکرۃ'' اور یہ بھی معلوم ہے کہ قول و فعل اور تقریر رسول حجت بن سکتی ہے۔ لوگوں کے اقوال ان کے الہام اور کشف قیاس اور خواب حجت نہیں بن سکتے اور جو باتیں مذکور ہوئیں وہ سب کی سب لوگوں کے اقوال ہیں یا افعال ہیں یا کشف ہیں یا خوابیں ہیں پھر کچھ تو ان میں موضوع ہیں اور کچھ منکرات میں سے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۰۲)

اس بیان میں آپ نے دو امور کا اظہار کیا۔ اوّل یہ قول و فعل و تقریر رسول اللہ ﷺ حجت ہے۔ دوم یہ رجال یعنی مفسرین محدثین فقہا اور علمائے ربانی کے اقوال جو انہوں نے قرآن و حدیث کی شرح و تفسیر میں لکھے ہیں وہ حجت نہیں اور فقہائے کرام نے ادلہ اربعہ میں سے قیاس کے ذریعے قرآن و سنت سے جن مسائل کا استنباط کیا ہے وہ بھی حجت نہیں اور صوفیائے کرام کے کشف تو خیر کسی شمار میں نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم کی قطعی الدلالۃ آیات کا ذکر آپ نے نہیں کیا۔ وہ بھی آپ کے نزدیک حجت ہیں یا نہیں۔ اگر حجت ہوتیں تو متعدد آیات جن میں سے چودہ پندرہ آیات ہم نے پیش کی ہیں ان پر آپ کا ایمان ہوتا اور انہیں آپ حجت قرار دیتے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ قرآن کریم آپ کے لئے حجت ہی نہیں اس لئے اس کا ذکر آپ نے نہیں فرمایا۔

رہا قول و فعل تقریر رسول ﷺ تو اگلے صفحے پر آپ حدیث صحیح کو ساقط الاعتبار قرار دے رہے ہیں۔ پھر کس قول رسول ﷺ کو آپ حجت قرار دیتے ہیں۔ پھر حدیث صحیح کو آپ قرآن کی معارف قرار دے رہے ہیں۔ یہ عجیب دورنگی ہے۔ اگر حدیث صحیح ہے تو قرآن کی معارض کیوں ہے۔ اگر حدیث صحیح بھی ہے اور قرآن کی معارض بھی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ فرائض رسالت میں سے ایک فریضہ آپ کے نزدیک یہ بھی تھا کہ خدا کا رسول ﷺ خدا کی کتاب کے خلاف باتیں کیا کرے۔ اس سے آپ کے ایمان بالرسالت کا حدود اربعہ بھی معلوم ہو گیا۔

رہی تیسری بات کہ فقہائے کرام نے استنباط مسائل کے ایک مسلمہ اصول کے تحت جو مسئلہ قرآن و سنت سے استنباط کیا وہ آپ کے لئے حجت نہیں۔ اس سے آپ کی حنفیت کی قلعی بھی کھل گئی۔ اس پر طرہ یہ کہ آپ کو اس بات پر بھی اصرار ہے کہ قرآن کو بھول جاؤ، حدیث صحیح کو دیوار سے پٹخ دو، فقہائے کرام کی مساعی کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دو اور ہمیں اپنا قبلہ مقصود بناؤ۔ کیوں کہ خدا کی وسیع زمین پر علم کے مینار ہم ہیں۔ دیانت و صداقت کے مجسمے ہم ہیں۔ اجتہاد و بصیرت کے معیار ہم ہیں۔ کیوں کہ ہمارا اعلان ہے کہ: مستند ہے میرا فرمایا ہوا

اب حدیث کے انکار اور سلف صالحین کی تحقیر کے نمونے ملاحظہ ہوں:

۱...... ان قطعیات کے ہوتے ہوئے کسی سلف یا خلف اکابر یا اصاغر جماہیر ہوں یا مشاہیر کا قول و فعل حجت نہیں ہے۔ (اور وہ قطعیات صرف بزعم خویش ہی ہیں) (ندائے حق ص ۱۴)

۲...... مولانا موصوف کو تسکین لکھتے وقت یہ قاعدہ بھول گیا کہ صحابی رضی اللہ عنہ کا قول وفعل حجت نہیں ہے۔ (ندائے حق ص ۱۹)

۳...... صاحب تسکین کی تسکین ہو اور فرضی سلف فرضی جمہور اور فرضی اکابر کی رٹ لگانا چھوڑ دیں۔ (ندائے حق ص ۱۵)

۴...... مولانا موصوف کے مزعومہ مخترمہ جمہور کون سے جمہور ہیں۔ (ندائے حق ص ۳۰)

۵...... سلف صالحین وفقہاء ومجتہدین نے عمداً تو جھوٹ نہیں بولا مگر غلطی کی ہے۔ (شفاء الصدور ص ۱۰۰، ۱۰۱)

ان ارشادات یا صحیح تر لفظ ہذیانات پر غور فرمائیں۔ صحابی رضی اللہ عنہ کا قول وفعل حجت نہیں اچھا تو دین نقل ہے۔ اوّلین ناقلین صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول حجت نہیں تو دین کا کیا اعتبار رسول خدا سے دین صحابہ رضی اللہ عنہم نے لیا اور آگے تابعین کو پہنچایا۔ صحابی رضی اللہ عنہ کا قول حجت نہیں تو دین کی کون سی بات مستند ہوگی۔ ندائے حق اور شفاء الصدور کے مصنف ذرا اس کی وضاحت تو کریں کہ جس دین کو آپ اسلام کہتے ہیں وہ آپ تک کیسے پہنچا؟

سلف صالحین سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین ہوتے ہیں۔ اگر یہ سب فرضی شخصیتیں ہیں تو وہ اصلی سلف صالحین کون سے ہیں۔ اگر سرے سے ان کا کوئی وجود ہی نہیں تو کیا دین کا آغاز محمد امیر بندیالوی اور محمد حسین نیلوی سے ہوا۔ اگر ایسی بات ہے تو یہ دین اسلام نہیں اس کا کوئی اور نام جو چاہے رکھ لیجئے۔

پھر سلف صالحین فقہاء ومجتہدین نے جھوٹ نہیں بولا مگر ان سے غلطی ہوئی۔ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور فقہاء کی کثیر جماعت جھوٹ کی فرد جرم سے تو بچ گئی۔ مگر غلط کار تو قرار پائی اور غلطی سے پاک نقائص سے مبرّا تیرہ صدیوں میں کوئی انسان معرض وجود میں آیا تو وہ صرف بندیالوی اور نیلوی ہیں۔

مجتہدین تو غلطی کا شکار ہوتے آئے مگر مقلدین معصوم عن الخطا ٹھہرے قربان اس تقلید پر ادھر یہ سوال ہے کہ وہ کون سے جمہور ہیں ادھر یہ اعتراف ہے کہ:

۱...... مولانا سرفراز نے حوالہ جات کا ایک خزانہ جمع کیا نقول کے انبار لگائے۔ (ندائے حق ص ۱۵)

کوئی پوچھے یہ حوالہ جات اور نقول کس سے نقل کئے ہیں۔ یہی وہ جمہور ہیں۔

۲...... آنکھیں بند کر کے روایات کے انبار لگائے۔ (ایضاً ص ۱۵)

یعنی آنکھیں کھول کے روایات پیش کرنے کا سلیقہ یہ ہے کہ اپنے فاسد عقیدہ کے خلاف جو صحیح حدیث ہو اسے درخور اعتنا نہ سمجھا جائے اور اتباع ہوئی میں جو جی میں آئے وہ قلم سے اگل دیا جائے۔

۳...... "فبای حدیث بعدہ یومنون (المرسلات: ۵۰)۔ الیس اللہ بکاف عبدہ" (زمر: ۳۶) (ایضاً ص ۱۵)

یعنی قرآن بلا رسول ہی اصل دین، قرآن کی شرح وتفسیر علمی اور عملی جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھائی۔ انہوں نے آگے منتقل کی وہ سب دین سے خارج ہے۔ یہ وہ تکنیک ہے جو ہر دشمن اسلام اختیار کرتا ہے۔

یعنی بندیالوی اور نیلوی صاحب وغیرہ کا یہ عقیدہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ نہیں بلکہ نظام معتزیہ اور بکریہ کا عقیدہ ہے مگر یہ اہل سنت والجماعت کے ساتھ وابستگی کا اظہار بھی محض مفاد پرستی کے پیش نظر ہے۔ کیونکہ جب صحیح حدیث کا انکار ہے تو اہلسنت کہاں رہے اور جب سلف صالحین کے اجماع کا انکار ہے تو الجماعت کا مفہوم کیا ہوگا۔ اس لئے ہم اس عقیدہ کو خالص قرآن حکیم کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ کیوں کہ یہ حضرات کہتے ہیں کہ "فبای حدیث بعدہ یؤمنون" پر ہمارا عمل ہے۔

۱...... تفسیر کبیر میں آیت "ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین الخ" کے تحت امام رازی فرماتے ہیں:
"قالوا فی الایۃ دلالۃ علی بطلان قول النظام فی الانسان ھو الروح لا البدن فانہ سبحانہ بین ان الانسان ھو المرکب من ھذہ الصفات وفیھا دلالۃ ایضاً علی بطلان قول الفلاسفۃ الذین یقولون ان الانسان شئی لا ینقسم وانہ لیس بجسم" مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں نظام کے اس قول کی تردید ہے کہ انسان روح ہے بدن نہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ انسان ان صفات سے مرکب ہے اور اس میں فلاسفہ کے قول کی بھی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ انسان ایسی شے ہے جو تقسیم نہیں ہوسکتا اور وہ جسم نہیں۔ (ج ۶ ص ۱۸۸)

۲...... تفسیر کبیر میں آیت اسریٰ کے تحت لکھا ہے "ان لفظ العبد لا یتناول الا مجموعۃ الروح والجسد والدلیل علیہ ارأیت الذی ینھی عبدا اذا صلّی ولا شک ان ھھنا المراد من العبد مجموعۃ الروح والجسد" عبد کا لفظ روح اور جسم کے مجموعے پر بولا جاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو میرے بندے کو نماز سے روکتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہاں عبد سے مراد روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔ (ص ۳۷۰)

۳...... پھر فرمایا "الانسان انہ لما کان الانسان فی عرف القرآن والظاھر عبارۃ عن ھذہ الجثۃ اطلق علیہ اسم الانسان" انسان جب عرف قرآنی میں انسان ہے اور ظاہر عبارت ہے اس جسم انسانی سے اس پر لفظ انسان کا اطلاق ہوتا ہے۔ (ج ۵ ص ۴۴۵)

اقوال الرجال اور جمہور کو چھوڑیئے قرآن حکیم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کی زحمت اٹھایئے قرآن کے الفاظ میں اپنے دل پسند معانی داخل کرنے کا تکلف چھوڑیئے۔ ان آیات سے اس عقیدے کا بطلان ظاہر ہے۔

امام رازی کے علاوہ دوسرے مفسرین سے پوچھیئے۔

(حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں) "فان العبد عبارۃ عن مجموعۃ الروح والجسد" عبد کا لفظ روح اور جسم کے مجموعے سے عبارت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳)

"العبد ظاھر فی الروح والبدن" عبد کا ظاہر روح اور بدن سے ہے۔ انسان روح اور جسم کا مظہر ہے۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۷)

اب آپ اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ مفسرین نے اگر قرآن کی تفسیر یہ کی ہے تو کیا مضائقہ ہے۔ ہم بھی تو مفسر ہیں اور ھم رجال ونحن رجال ایسی تو وہ موڑ ہے جہاں سے آپ نے قرآن کو رسول کے ہاتھ سے چھین کر اپنی ہوا و ہوس کا تختہ مشق بنایا ہے۔

علامہ ابن قیم نے اس عقیدہ کے متعلق فرمایا: "بل الذی علیہ الجمھور والعقلاء ان الانسان ھو البدن والروح معا قد یطلق اسمہ علی احدھما دون الاخر لقرینۃ" جمہور (اہلسنت) اور عقلاء کے نزدیک انسان سے مراد جسم اور روح کا مجموعہ ہے ان میں سے کسی ایک پر اس کا اطلاق صرف اس وقت ہوتا ہے جب کوئی قرینہ موجود ہو۔

اور اس نظامی، معمری، بکری، بندیالوی اور نیلوی عقیدہ پر علامہ عبدالقاہر نے سوال اٹھائے ہیں کہ اگر یہ جسد انسان نہیں بلکہ انسان اس کے بغیر کچھ اور ہے تو ماننا پڑے گا کہ:

۱...... "انه يوجب ان الصحابة ما رأو رسول الله ﷺ بل رأوا قالبا فيه رسول الله فلا يكون الصحابة صحابيا" اس سے لازم آئے گا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نہیں کی بلکہ اس قالب جسم کو دیکھا جس میں رسول اللہ ﷺ تھے لہٰذا کوئی صحابی صحابی نہ ٹھہرا۔

۲...... "ويوجب ان لا يكون احد قد رأى اباه وامه وانما رأى قالبها" اور یہ بھی لازم آئے گا کہ کسی شخص نے اپنے ماں باپ کو نہیں دیکھا بلکہ اس قالب کو دیکھا جس میں وہ تھے۔

۳...... "ويوجب ان يقول في الجماد ايضا انه ليس هو جسد وانما جماد هو في ظاهر هذه الجسد" اور جمادات کے متعلق بھی یہی کہنا پڑے گا کہ ان کا کوئی جسم نہیں بلکہ وہ اس جسم میں نظر آتے ہیں۔

۴...... لازم آئے گا انسان چوں کہ غیر مرئی چیز ہے اس لئے کسی نے انسان کو دیکھا ہی نہیں اور "اذا قال النيلوى ان الروح التي في الجسد هي الانسان وهي الفاعلة دون الجسد" تو عرف عام میں جسے انسان کہتے ہیں وہ چوری کرے، زنا کرے، شراب پئے، قتل کرے تو اس پر نہ حد جاری ہو سکتی ہے نہ اس سے مؤاخذہ ہو سکتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ سزا کا تعلق تو انسان سے ہے میں تو ایک جسد ہوں انسان کو تلاش کیجئے اور اسے سزا دیجئے مجھے معاف رکھیے۔ پھر بتایئے کہ تمدن کی کیا حالت ہوگی۔

اور اگر آپ کو پھر بھی اپنے غیر فطری غیر عقلی اور غیر قرآنی عقیدے پر اصرار ہے تو "كفاك يا نيلوى بعناد القرآن خزيا ونكالا ومن اتبعه على منواله" جناب نیلوی نے امام رازی پر بہتان تراشی کی ہے۔ امام صاحب کا فرمان ہے کہ بدن میں اصل کام کی چیز روح ہے۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ بدن انسان ہی نہیں۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح میں قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں قول فیصل بیان کیا۔

"ان الانسان عبارة من هذا البدن والهيكل المخصوص فهو قول جمهور الخلق وهو المختار عند اكثر المتكلمين" انسان اسی جسم اور مخصوص شکل سے عبارت ہے یہی جمہور اور اکثر متکلمین کے نزدیک صحیح ہے۔ (ص ۲۱۹)

یہاں ایک اور نکتہ بھی پیدا ہوتا ہے یا گرہ کھلتی ہے کہ جب یہ چلتی پھرتی صورتیں اور یہ متحرک اور ناطق جسم انسان نہیں تو جمہور اور سلف، صحابہ اور رسول کے اقوال تلاش کرنا اور انہیں حجت بنانا کار عبث ہے۔ کیونکہ جمہور تو انسان ہونے چاہیے۔ صحابہ اور سلف سب انسان ہونے چاہئیں اور انسان غیر مرئی شے ہے۔ پھر کوئی کس سے سیکھے اور کیوں سیکھے۔ اس سے آگے بڑھئے تو ایک اور بات قابل غور ہے کہ یہ نیلوی بندیالوی وغیرہ جب انسان ہی نہیں ہیں تو ان کی بات پر آدمی کان کیوں دھرے اور جب یہ آپ کا دین، رسول صحابہ اور تابعین وغیرہ قالبوں سے پہنچا تو اس دین کا کیا اعتبار۔ دین تو وہ ہے جو رسول سے چلے صحابہ سے نسلاً بعد نسل آگے چلے اور آپ کے عقیدہ کے مطابق جب یہ فرضی ہیں تو دین کا اعتبار کیا رہا اور اس کی ضرورت کیا رہی۔

نفس اور روح

لفظ روح، نفس اور نسمہ کے مفہوم میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ اس بناوٹی بنیاد پر من مانی عمارت تعمیر کی جا سکے۔ اس لئے ان الفاظ کے مفہوم کی وضاحت ضروری ہے۔

(روض الانف ج۱ ص۱۹۸) پر یہ بحث چھیڑی گئی ہے۔ جس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ: جب نفخ اور خلق بیان کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے روح کا لفظ بولا جاتا ہے جیسا کہ ”فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی“ خلق کے بعد جب بدن انسانی کے اوصاف اس پر غالب آجائیں تو کسب واکتساب اور افعال واعمال کی وجہ سے اسے نفس کہا جاتا ہے جیسا کہ بادلوں سے جب بارش برستی ہے تو اسے پانی کہا جاتا ہے۔ جب یہ پانی درختوں کو سیراب کرتا ہے ان پر پھل آتا ہے اور اس پھل کو نچوڑ کر اس سے رس نکالا جاتا ہے تو اسے مطلق پانی نہیں کہا جاتا ہے بلکہ جس پھل سے وہ رس نچوڑا جاتا ہے اس کی نسبت سے اسے منسوب کیا جاتا ہے۔ مثلاً انار کے رس کو مطلق پانی نہیں کہا جاتا بلکہ انار کا پانی اسی طرح سیب کا پانی، سنگترے کا پانی، تربوز کا پانی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ پانی وہی بارش کا ہے مگر ان پھلوں کی صحبت کی وجہ سے ان کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح روح نے بدن انسانی کی صحبت سے جو کسب افعال کیے ان کی وجہ سے اسے نفس کہا جانے لگا۔ اوصاف بدلنے سے نام بدل گیا۔

نسمہ کا لفظ روح یا روح مع الجسم پر بولا جاتا ہے۔ بہرحال روح نفس اور نسمہ ذات واحد کے تین نام ہیں۔ البتہ نسمہ کا اطلاق روح مع الجسم پر ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ باب میں بیان ہوگی۔ چنانچہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب فرماتے ہیں:

”قولہ تعالٰی ثم ینفخ فیہ الروح وقد علمت الفرق بین النسمۃ والروح فان النسمۃ توصف بالولادۃ فورد فی الخبر ان ما من نسمۃ مولودۃ الی ان قال بخلاف الروح فانہ لا تتصف بہ ان اتصف بالنفخ والخلق وبالجملۃ ان الروح بعد نفخھا فی الجسد تکتسب احوالا تتغیر فیھا خواصہ فتسمی نسمۃ وغیرھا ای بالنفس وقد مربسطھا فالشئی واحد ولہ مراتب فھو نسمۃ فی المرتبۃ التحتانیۃ ومادام لم تتعلق بالجسد وکانت تسند الی اللہ کما قال من روحی وروح منہ“ (فیض الباری ج۴ ص۵۲۶)

اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ اس میں روح پھونکی جاتی ہے اور تم جانتے ہو کہ روح اور نسمہ میں فرق یہ ہے کہ نسمہ ولادت یعنی پیدائش سے موصوف ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کوئی نسمہ پیدا ہونے والا نہیں الخ۔ بخلاف روح کے کہ وہ ولادت سے موصوف نہیں بلکہ نفخ اور خلق سے موصوف ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ روح جب بدن انسانی میں آجاتا ہے، کسب احوال کرتا ہے اس کے اوصاف بدل جاتے ہیں۔ پس اس کو نسمہ کہا جاتا ہے اور نفس بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے کہ یہ شے واحد ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں نچلے درجے میں وہ نسمہ تھا۔ جب تک روح کا تعلق بدن سے نہ تھا۔ اس کی نسبت بدن کی بجائے اللہ کی طرف تھی۔ اس کا نام روح تھا۔ جیسا کہ فرمایا ”من روحی وروح منہ“

معلوم ہوا کہ روح اور نفس شے واحد ہے، اوصاف بدلنے سے نام بدلے مگر نام بدلنے سے ذات شے نہیں بدلتی۔

اور فتح الملہم میں بیان ہوا ہے کہ علامہ سفارینی نے اپنی کتاب عقیدہ سفارینی میں فرمایا کہ: ”قال العلامۃ السفارینی فی عقیدتہ واما اختلاف الناس فی الروح وھل ھی النفس او غیرھا فمن الناس من قال ھما اسمان لمسمی واحد وھذا قول الجمھور وقد بسط الحافظ ابن القیم فی کتاب الروح الکلام فی

المسئالۃ وذکر آراء العلماء فیھا ورجع بعد التحقیق ان الفرق بین النفس والروح فرق بالصفات لا فرق بالذات" روح کے بارے میں لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا یہ نفس ہے یا اس کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک حقیقت کے دو نام ہیں یہ قول جمہور علماء کا ہے۔ علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ انہوں نے اس میں علماء کی رائیں بیان کی ہیں اور تحقیق کے بعد اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ روح اور نفس میں صفات کا فرق ہے ذات واحد ہے۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۶۹)

اور خود علامہ سفارینی اپنی شرح عقیدہ سفارینی میں فرماتے ہیں "ھما اسمان لمسمی واحد وھذا قول الجمھور" وہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور یہ جمہور کا قول ہے۔ (ج ۲ ص ۲۹)

اور علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: "واما المسئلۃ العشرون وھی ھل الروح والنفس شئی واحد او شیئان متغایران فاختلف الناس فی ذالک فمن قال ان مسماھما واحد وھم الجمھور الی ان قال فالفرق بین النفس والروح فرق بالصفات لا فرق بالذات" بیسواں مسئلہ یہ ہے "کیا روح اور نفس ایک ہی چیز ہے یا دو مختلف چیزیں ہیں اس میں لوگوں کا اختلاف ہے جمہور کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی چیزیں ہیں اور نیز یہ کہ نفس اور روح میں فرق صرف صفات کے اعتبار سے ہے ذات کا نہیں۔ (کتاب الروح ص ۲۶۲)

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"اما الروح التی تتوفی وتقبض فھما روح واحد وھی النفس" لیکن وہ روح جسے قبض کیا جاتا ہے اور جس پر لفظ وفات کا اطلاق ہوتا ہے دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ پھر فرمایا "والنفس والروح اسمان مترادفان لمعنی واحد ومعناھما واحد وقال الجوھری النفس ھو الروح" اور یہ نفس ہے نفس اور روح مترادف ہیں جن کا ایک ہی معنی ہے۔ جوہری کا قول ہے کہ نفس ہی روح ہے۔ (ص ۲۶۶)

اور شرح الصدور میں ہے "ان الروح والنفس شئی واحد" روح اور نفس ایک ہی چیز ہے۔ (ص ۱۳۳)

اور علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: "واحتج بالآیۃ الاولی علی ان النفس والروح شئی واحد" سابقہ آیت میں اس کی دلیل موجود ہے کہ نفس اور روح ایک ہی چیز ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۱)

اور علامہ آلوسی فرماتے ہیں: "اختلف الناس فی الروح والنفس ھل ھما شئی واحد ام شیئان فحکی ابن زید عن اکثر العلماء انھا شئی واحد" لوگوں کا اس میں اختلاف ہے۔ کیا روح اور نفس ایک ہی چیز ہے یا دو ہیں۔ ابن زید نے اکثر علماء سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں سے مراد ایک ہی چیز ہے۔ (روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۵۷)

پھر فرماتے ہیں: "والحق انھما یتحدان وقد یتغیران" حقیقت میں یہ دونوں ایک چیز ہیں لیکن باعتبار صفات مختلف ہیں۔ (روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۵۸)

اور مولانا عبدالحئی لکھنوی نے اپنے مجموعہ (فتاویٰ ص ۱۵۷) پر ایک سوال کے جواب میں فرمایا: "نفس اور روح ایک ہی چیز ہے اور اوصاف کا اختلاف ہمیشہ احوال کے اعتبار سے ہوتا ہے۔"

علماء محققین کے اقوال و تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ روح اور نفس شئی واحد ہے، باعتبار ذات کے اور اختلاف ہے باعتبار صفات کے۔

اب مولوی غلام اللہ خان کی تحقیق ملاحظہ ہو: (جواہر القرآن ج ۲ ص ۹۰۵) پر عذاب قبر کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''احساس الم نفس کو ہوتا ہے جو روح سے ایک جدا چیز ہے۔ البتہ روح سے اس کا گہرا تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دھوئیں کا آگ سے۔ یہ نفس بدن کی جز و اصلی ہے جو ابتداء سے آخرت تک باقی رہتی ہے۔ یہی وہ نسمہ ہے جسے جنت میں پرندے کے قالب میں داخل کیا جائے گا۔''

شیخ القرآن نے ایک بات تو ٹھیک کہی کہ نفس و نسمہ شئی واحد ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ مگر روح سے جدا چیز قرار دے کر ٹھوکر کھائی ہے۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی دلیل مصنف نے کوئی نہیں دی۔ دوسری ٹھوکر یہ کھائی ہے کہ نسمہ کو دھوئیں سے تشبیہ دی اور روح کو آگ سے۔ اسی طرح نیلوی صاحب نے ندائے حق میں فرمایا کہ نفس و روح کی مثال آگ اور دخان جیسی ہے۔　(ص ۱۵۷)

مگر دیکھنا یہ ہے کہ دھواں تو اثر ہے آگ کا یعنی آگ سے ہی پیدا ہوتا ہے اور شیخ القرآن نفس کو روح سے جدا قرار دیتے ہیں اور نفس و نسمہ کو شئی واحد تسلیم کر کے بدن انسانی کی جز و اصل مانتے اور ظاہر ہے کہ جز و شئی، شئی سے مقدم ہوتی ہے۔ تب جز و سے کل مرکب ہوتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب یہ نسمہ بدن انسانی کی اصل جز و بنا تو بھی اس قسم کی جز و ہوگی جس قسم کا کل ہے بدن انسانی تو خون گوشت پوست ہڈی رگ وریشہ اعصاب وغیرہ سے بنا ہوا ہے۔ لہٰذا جز و بھی انہی اجزاء کی قسم ہوگی۔ مگر نیلوی صاحب ایک طرف بدن کی جز و اصلی قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف اس نسمہ کو مستقل انسان قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ ندائے حق میں فرماتے ہیں:

۱...... دوسرے یہ کہ اصل معاملہ انسان کے ساتھ پیش آتا ہے جو نسمہ مع الروح کا نام ہے۔　(ص ۸۷)

اور (ص ۴) پر فرماتے ہیں:

۲...... ''عہد نسمہ سے ہوا جو جسم مع الروح کا نام ہے۔ عاقل بالغ تھے، مرد و عورت کی ممتاز صورت تھی۔ سن، بول، سمجھ سکتی تھی۔ اس نسمہ کو کہیں ذریۃ سے تعبیر کیا گیا اور کہیں اولاد سے وہی نسمہ ہے۔ جو عالم ذر سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں اس بدن عنصری میں آیا ہے۔ اسی کو سوال و جواب کے لئے اٹھایا بٹھایا جاتا ہے اسی سے پوچھ گچھ ''من ربک، من نبیک'' کا ہوتا ہے۔''

اور (ندائے حق ص ۴۲) پر فرماتے ہیں:

۳...... ''انسان کے لئے ضروری ہے کہ صاحب عقل اور صاحب ادراک ہو اور ظاہر ہے کہ بدن میں ادراک عقل مفقود ہے اس سے یہی ثابت ہوا کہ انسان بدن سے مغائر ہے۔''

مصنف کے ان تینوں بیانات کا جائزہ لیجئے۔

۱...... انسان...... نسمہ مع الروح کا نام ہے۔　۲...... نسمہ...... جسم مع الروح کا نام ہے۔

۳...... انسان بدن سے مغائر ہے۔

اوّل تو ان تینوں بیانات میں سے انسان کی تلاش کیجئے کہ وہ کہاں ہے؟ کیا ہے؟

۱...... یعنی انسان: نسمہ، الروح۔

اور نسمہ: جسم، روح۔
یعنی انسان: جسم، روح، روح
۲...... اور انسان: جسم سے الگ کوئی چیز، مگر کیا چیز؟ جو بتانے والے کو بھی علم نہیں۔

شاید کوئی ریاضی دان اس مساوات کو حل کر سکے۔ اب تک تو لاینحل ہی ہے۔ قول نمبر ۲ کے اندر ایک اور الجھن در الجھن ہے۔ ابتداء میں فرمایا عہد نسمہ سے ہوا جو جسم مع الروح ہے۔ پھر فرمایا وہی نسمہ ہے جو عالم ذر سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں اسی بدن عنصری میں آیا۔

یعنی جسم اور بدن دو مختلف چیزیں ہیں۔ کیوں کہ نسمہ جو جسم مع الروح ہے وہ منتقل ہو کر بدن عنصری میں آیا اور جسم مع الروح کو سوال جواب کے لئے اٹھایا بٹھایا جاتا ہے۔ بدن کو کچھ نہیں کہا جاتا۔ یعنی سوال جواب سے بدن مستثنیٰ ہے۔ وہ جسم جو بدن میں آیا وہ فرضی ہے، وہمی ہے، خیالی ہے، لطیف ہے، ٹھوس مادی ہے۔

قول نمبر ۳: انسان کے لئے عقل وادراک ضروری ہے۔ بدن میں عقل وادراک ہے نہیں۔ لہٰذا انسان اس بدن سے الگ چیز ہے۔ مگر کیا ہے؟ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

قول نمبر ۲ میں پھر ایک اور پیچ پڑا ہوا ہے۔ عہد نسمہ سے ہوا، نسمہ جسم مع الروح ہے۔ عاقل بالغ تھا، عورت مرد کی تمیز تھی، سنتا بولتا تھا۔ اسی نسمہ کو کہیں ذریت کہیں اولاد سے تعبیر کیا گیا۔

نسمہ میں عورت مرد کی تمیز کس لئے تھی، ظاہر ہے کہ توالد وتناسل کے لئے تو کیا نسمہ میں عقل وبلوغ تذکیر وتانیث اس امر کا متقاضی نہیں کہ ان میں نکاح تعلقات زن وشوہر پھر توالد وتناسل ہو تو یہ دنیا میں انسانی شکل میں جو مخلوق موجود ہے۔ وہ اسی نسمہ کی ہوگی۔ بدن کا تو اس تمام عمل سے کوئی تعلق نہیں کیوں کہ اس میں بقول آپ کے عقل ادراک شعور موجود نہیں۔

قول نمبر ۳: سے ایک اور الجھن پیدا ہوتی ہے کہ جب اس بدن میں عقل نہیں ادراک نہیں تو یہ مکلف بھی نہیں۔ کیوں کہ مدار تکلیف تو عقل پر ہے اور نیلوی صاحب کے بدن میں عقل ہے نہیں۔ لہٰذا مکلف بھی نہ ہوئے۔ لہٰذا نماز روزہ حج زکوٰۃ عقائد وغیرہ غیر متعلق باتیں ہوئیں اور نیلوی صاحب کے بدن والے انسان کے لئے نکاح وغیرہ کا تکلف بھی شے زائد ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ نیلوی پارٹی شرک کی رٹ اور مشرک کے نعرے کیوں لگاتی پھرتی ہے اور اس فتویٰ کا مخاطب کون ہے یہ جو جسم چلتا پھرتا نظر آتا ہے یہ تو انسان نہیں۔ پھر یہ مشرک کیوں نظر آتا ہے۔ یہ تو انسان نہیں۔ پھر یہ مشرک کیوں قرار پایا اور جب بدن مکلف نہیں تو سوال وجواب اور عذاب وثواب سے بھی بری ہوا۔ لہٰذا نسمے تلاش کرو۔ اس پر فتوے لگاؤ۔

ایک اور علمی تحقیق ملاحظہ ہو: فرماتے ہیں نسمہ جسم مع الروح ہے۔ عالم ذر سے منتقل ہو کر بدن میں داخل ہوا۔ یعنی بدن پہلے تیار ہوا۔ تب نسمہ کو عالم ذر سے لایا گیا پھر یہ جزو بدن کیسے بنا یہ تو حلول ہے یا دخول ہے اور جب عہد بھی نسمہ سے لیا گیا۔ برزخ میں سوال وجواب اسی نسمہ سے ہوں گے۔ عاقل بالغ اور متکلم بھی نسمہ ہے۔ مکلف بھی نسمہ ہے تو اس بدن میں اسے داخل کس غرض سے کیا گیا۔ پھر یہ اولاد آدم کیسے بنا۔ اولاد تو وہ ہوتی ہے جو نطفہ ظاہری بدن سے نکل کر رحم مادر میں داخل کی جائے تو نشوونما پا کر باہر آئے۔ کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز بدن انسانی میں باہر سے داخل کی جائے تو وہ اس کی اولاد بن جائے گی اور بدن سے کوئی چیز خارج ہو جائے تو وہ اس کی اولاد بن جائے گی۔ مثلاً جسم انسانی سے کوئی کیڑا نکل آئے تو وہ اس کی اولاد ہوگی۔ حضرت حوا جو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی تو ان کی اولاد ہوئی۔ اگر نیلوی صاحب نے قرآن ہی پڑھ لیا ہوتا تو پیدائش انسانی کا قانون شاید سمجھ میں آجاتا۔

"ثم جعلناہ نطفة في قرار مكين ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما ثم انشأناه خلقا اخر فتبارك الله احسن الخالقين" (مومنون: ۱۳، ۱۴)

یہ عالم ذر سے نقل ہو کر جسم عنصری میں داخل ہونے کی بات بھی ایجاد بندہ قسم کی ہے، عالم ذر کا وجود صحیح حدیث سے ثابت کریں۔ جب اس کا وجود ہی ثابت نہیں تو عالم ذر سے نقل کیسے ہوا۔

نسمہ کا عالم ذکر سے نقل مکانی کا معاملہ خود ایک مستقل معمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "فاذا سويته ونفخت فيه من روحي فقعوا له ساجدين" (ص: ۷۲) یعنی انسانی جسم کے تسویہ کے بعد روح سے اس کو حیات حاصل ہوئی۔ آپ کا نسمہ جو مستقل عالم ذر کی مخلوق ہے وہ مجھ روح سے پہلے بدن انسانی میں داخل ہوا یا بعد۔ دونوں کا ثبوت پیش کریں۔

پھر اول روح داخل ہوا تو اس کی بدن کو ضرورت کیا تھی۔ جب آپ کے نسمہ سے حیات ہو چکی۔ یہ تحصیل حاصل کیوں؟ اگر بعد کو داخل ہوا تو اس کا کیا فائدہ ہوا۔ جب کہ حیات تو روح سے حاصل ہو گئی۔ پھر آپ نے مسئلہ ہی حل کر دیا کہ:

نسمہ ہی انسان حقیقی ہے (ندائے حق ص ۴۳) یعنی ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی کو انسان نام کی مخلوق دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ بدن تو انسان ہے نہیں اور نسمہ کہیں نظر نہیں آتا۔ بلکہ محض موہوم اور خیالی مخلوق ہے۔ ذرا اس اپنے عقیدے کا ثبوت حدیث سے پیش کریں۔ کیوں کہ مفسرین محدثین علماء اور مجتہدین کے قول کا تو آپ انکار کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ شفاء الصدور کے (ص ۱۰۲، ۱۰۳) کے حوالہ سے عبارت گزشتہ باب میں پیش کی جا چکی ہے اور ندائے حق میں (ص ۱۹) پر عمل صحابہ کا انکار کیا ہے۔

"مولانا موصوف کو تسکین الصدور لکھتے وقت یہ قاعدہ بھول گیا تھا کہ صحابی کا قول و فعل حجت نہیں۔" لہٰذا حجت تو صرف قرآن و حدیث ہی ہے تو حدیث سے ہی اس نسمہ کے حقیقی انسان ہونے کا ثبوت پیش کرنا چاہئے۔

ندائے حق میں سے صرف تین اقوال میں اتنا تضاد دیکھ کر انسان اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ مصنف نہ تو صحیح عقیدہ کی نشاندہی کر سکا، نہ اپنا عقیدہ بتا سکا نہ جانے اس کتاب کے لکھنے کا مقصد کیا تھا۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان "توحیدی" حضرات کے چند اور تضادات بھی پیش کر دیئے جائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ ایسے معمے اور ایسی پہیلیاں بیان کرتے ہیں کہ: کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

۱...... نسمہ روح مع جسم عاقل بالغ مرد عورت ذی فہم متکلم وغیرہ اوصاف کا مالک ہے۔
عالم ذر کی مخلوق ہے۔ (ندائے حق ص ۴۰)

۲...... نسمہ ہی حقیقی انسان ہے۔ (ندائے حق ص ۴۳)

۳...... لیکن انسان فقط روح کا نام بھی نہیں ہے۔ روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ (ندائے حق ص ۴۲)

۴...... جسم انسانی کی نسمہ جز و اصلی ہے دوسری جز و زائد ہے جو بدن انسانی ہے۔ (ندائے حق ص ۴۳)

۵...... برزخ میں سوال و جواب اسی نسمہ سے ہوتے ہیں۔ (ندائے حق ص ۴۰)

۶...... عود روح الی الجسد یعنی قبر میں سوال و جواب منکر نکیر کے ہوتے ہیں تو اس وقت روح کا اعادہ جسد کی طرف ہوتا ہے۔ (ندائے حق ص ۲۴۶)

۷...... نسمہ جسم مثالی ہے۔ (تسکین القلوب ص ۶۷ قاضی شمس الدین صاحب)

۸...... نسمہ روح ہوائی ہے۔ (مسالک العلماء ص ۶۱)

۹...... نسمہ جسم ہے جسے مثالی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (ندائے حق ص ۲۴۹)

۱۰...... جسم مثالی وہ نسمہ ہے جس کو متکلمین اہل ظاہر روح کہتے ہیں۔ (تسکین القلوب ص ۶۷)

۱۱...... جسم مثالی کی حقیقت یہ ہے کہ یہ سوائے عالم ظاہر کے ایک عالم ہے کہ صوفیا کو انکشاف ہوا ہے۔ (تسکین القلوب ص ۶۷)

۱۲...... جسم مثالی دوسرا جسم ہے اس کی تحقیق کے لئے کشف کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ نص اس سے ساکت ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے۔ جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہوتا ہے اور یہ جسم مثالی صرف عالم برزخ ہی میں انسان کو عطا ہوگا۔ (ندائے حق ص ۲۳۲)

ان بارہ اقوال میں تضادات کی ایک دنیا سمو کر رکھ دی گئی ہے۔ سب سے پہلے انسان کی حقیقت کو لیجئے۔ پھر اس سلسلے میں تضاد ملاحظہ کیجئے۔ نسمہ حقیقی انسان ہے، انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔ نسمہ جسم انسانی کی جزو اصلی ہے اور لطف یہ کہ شے کی جزو اصلی وہ ہوتی ہے جس سے شے مرکب ہو۔ جسم انسانی مرکب ہے۔ گوشت پوست ہڈی خون وغیرہ کا تو گویا نسمہ بھی یہی اجزاء رکھتا ہے۔

اب نسمہ کو لیجئے: نسمہ روح مع الجسم ہے۔ نسمہ جسم مثالی ہے۔ نسمہ روح ہوائی ہے۔ نسمہ وہ ہے جسے اہل ظاہر روح کہتے ہیں۔

اب جسم مثالی کو لیجئے: جسم مثالی نسمہ ہے، جسم مثالی روح ہے۔ جسم مثالی اس عالم کی شے ہے۔ جس کا انکشاف صوفیہ کو ہوا ہے جسم مثالی دوسرا جسم ہے، نہ جسم مثالی صرف عالم برزخ میں انسان کو عطا ہوگا۔

اب برزخ میں سوال وجواب کا مسئلہ لیجئے: برزخ میں سوال وجواب اسی نسمہ سے ہوتے ہیں۔ سوال وجواب کے وقت روح کا اعادہ جسد کی طرف ہوتا ہے۔ اوّل یہ فیصلہ نہیں ہوسکا کہ نسمہ کیا ہے پھر سوال وجواب جب نسمہ سے ہوتے ہیں تو جس روح کا اعادہ ہوتا ہے وہ نسمہ کا روح ہے۔ جب سوال وجواب نسمہ سے ہوتے ہیں تو جسد کی ضرورت کیا ہے۔ جسد کی طرف روح کا اعادہ کرنے کا مقصد کیا ہے۔ روح کا اعادہ تو نسمہ کی طرف ہی ہونا چاہئے اور وہ روح بھی نسمہ ہی کا روح ہونا چاہئے۔ مگر ان ساری باتوں کے لئے دلیل قطعی چاہئے۔ آیت قرآنی پیش کیجئے یا حدیث صحیح لایئے۔ مگر کہاں سے لائیں گے۔ جب کہ اقرار کر چکے ہیں کہ نص اس سے ساکت ہے۔ آخری سہارا یہ تلاش کیا کہ جسم مثالی یا نسمہ کی تحقیق کے لئے کشف کی ضرورت ہے۔ مگر آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے۔ آپ تو ندائے حق (ص ۱۰۳) پر کشف والہام اقوال رجال بلکہ قول صحابہ رضی اللہ عنہم کا انکار کر چکے ہیں تو کشف دلیل کیسے بنے گا اور اگر نہیں بنے گا تو اس تحقیق کا حاصل کیا ہوا۔

اہل کشف کو جو معلوم ہوا ہے اس سے آپ کا کیا تعلق؟ آپ کو تو دلیل اس ماخذ سے لانی چاہئے جسے آپ حجت سمجھتے ہیں۔ اس لئے جسم مثالی اور نسمہ پر شرعی دلیل لائیں۔ کشف والہام شرعی دلیل نہیں۔ آپ کی پارٹی کے نزدیک کشف تو شرک ہے۔ اس میں کیا تک ہے کہ اسلام کے حقائق کی دلیل شرک سے لائی جائے۔

جسم مثالی کے سلسلے میں ایک اور تحقیق سے ایک مزید الجھن پیدا ہوگئی۔ (شفاء الصدور ص ۱۰) پر فرماتے ہیں:
"بل الارواح کلھم فی مستقراتھم و مقاماتھم امامعذبون و امامنعمون لھم اجساد مثالیۃ فی عالم البرزخ لا تعلق لھم بھذا الاجساد الترابیۃ" جملہ ارواح اپنے اپنے مقام میں قرار پذیر ہیں خواہ عذاب میں ہوں یا ثواب میں، عالم برزخ میں ان کے لئے اجسام مثالیہ ہیں۔ ان کا ارواح اجسام ظاہری (عنصری خاکی) سے کوئی تعلق نہیں۔

آپ لوگوں نے نسمہ اور جسم مثالی کو ایک ہی چیز قرار دیا۔ پھر یہ اقرار کیا کہ جسم مثالی تو روح کو عالم برزخ میں ملے گا۔ اسے اس خاکی بدن سے کوئی تعلق نہیں پھر یہی نسمہ بدن عنصری کی جزو اصلی کیسے بن گیا۔ جب جسم مثالی روح کا جسم ہے جو اسے برزخ میں ملے گا تو جسم عنصری سے تعلق تو کجا اس کا جزو اصلی کیونکر بنا دیا۔ جسم عنصری کے اجزاء بھی عنصری ہونے چاہئیں۔ مثالی اور وہبی تو اس کے اجزا نہیں ہو سکتے۔ شریعت نے کہیں یہ بیان نہیں کیا کہ جسم مثالی کو ثواب و عذاب برزخ میں ہوگا۔ جب جسم مثالی دار التکلیف دنیا میں آیا ہی نہیں اس کی طرف رسول آئے نہیں اس کو احکام دیئے نہیں گئے تھے تو اسے سزا دینا کیا ظلم نہ ہوگا؟ گناہ کئے جسم عنصری نے اور سزا ملی جسم مثالی کو کیا کہنا اس منطق کا، اس عقل کا، اس انصاف کا اور اس علم و فضل کا۔ شفاء الصدور کے عقیدہ کے مطابق معذب و منعم خواہ انبیاء ہوں، صلحا ہوں کوئی ہوں کسی کو در حقیقت عذاب و ثواب نہیں مل رہا۔ ان کے عکسوں یا تصویروں کو عذاب و ثواب ہو رہا ہے۔ جزا و سزا کیا ہوئی بچوں کا کھیل ہوا۔ پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزا و سزا اپنے علم قدیم ازلی کی وجہ سے نہیں دیتا۔ بلکہ ان کے عمل کی وجہ سے اور عمل کے مطابق دیتا ہے۔ جب جسم مثالی عمل کا مکلف نہیں۔ عمل کیا نہیں تو اسے جزا و سزا دینا کیا معنی؟

ممکن ہے کوئی بزرجمہر علم کے زور سے یہ بات بطور دلیل کہہ دے کہ شب معراج حضور ﷺ نے اجسام مثالیہ کو عذاب و ثواب میں دیکھا اور وہ آپ کی امت سے تھے جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔

حدیث معراج کا مفہوم اگر یہی سمجھا جائے جو سوال یا اعتراض سے ظاہر ہوتا ہے تو سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ ان کو عذاب دینا کیا اللہ تعالیٰ کی شان کے شایان ہے؟ کیا اسے انصاف کہہ سکتے ہیں اور کیا ظلم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے یہ سب چیزیں ناممکن ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم قدیم کے مطابق عذاب نہیں دیتا بلکہ عمل کے مطابق عذاب دیتا ہے۔ فرعون کو دیکھئے اللہ تعالیٰ کے علم قدیم کے مطابق اسے کفر پر زندہ رہنا تھا۔ کفر پر ہی مرنا تھا۔ مگر عذاب کا مستحق اس وقت بنا جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس کی ہدایت کے لئے بھیجا اس نے انکار کیا اور عذاب کا مستحق بنا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ شب معراج جن کو معذب دیکھا ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بھیجا اور کیا انہوں نے انکار کیا؟ اگر نہیں تو عذاب کیوں؟ اور اجسام مثالیہ کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا؟ کیا وہ مکلف تھے؟ کیا انہوں نے اعمال کئے؟ اگر نہیں تو اجسام مثالیہ کو عذاب کیوں؟

اس حدیث کو سمجھنے کے لئے اس حقیقت کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ سابقہ انبیاء کی امتیں بھی حضور ﷺ کی امت ہیں۔ آپ کی بعثت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کی امتوں کے لئے تھی۔ یہود اور نصاریٰ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے تھے۔ ان میں سے بے عمل علما بھی تھے، زانی اور شرابی بھی تھے، سود خوار بھی تھے اور انہیں کو عذاب ہو رہا تھا۔ مگر اجسام مثالیہ کو نہیں بلکہ معذب وہ خود مجسم تھے۔ پھر بھی اگر اسی پر اصرار ہے تو قول رسول یا قول صحابہ یا ائمہ اربعہ میں سے کسی کا قول پیش کریں کہ یہ اجسام مثالیہ

تھے۔ وہ تو ارواح مجسم تھے اور بالتبع بدن عنصری کو عذاب ہو رہا تھا۔

اگر اسی پر اصرار ہو کہ حضور ﷺ کی امت کے ان لوگوں کے اجسام مثالیہ کو عذاب ہو رہا تھا جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو بتایئے کہ جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے انہیں کس گناہ کے بدلے عذاب ہو رہا تھا۔ کیا اللہ تعالیٰ ظالم ہے۔

مختصر یہ کہ جسم مثالی کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول، اقوال صحابہ یا اقوال ائمہ اربعہ سے ہرگز نہیں ملتا۔

اسی وجہ سے توحیدی حضرات اہل کشف کا سہارا لیتے ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب ندائے حق میں فرماتے ہیں۔

ابن عربی رحمہ اللہ جسم مثالی کے قائل ہیں۔ (ص ۱۷۳)

مگر ابن عربی کا قائل ہونا آپ کے لئے سند کیوں کر بنا۔ وہ تو صوفی ہیں اور اہل کشف ہیں اور کشف کے متعلق آپ کا جو عقیدہ ہے وہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ پھر ابن عربی تو بہت سی چیزوں کے قدم کے قائل بھی ہیں۔ چنانچہ فیض الباری میں ہے: "ونسب بحر العلوم الی شیخ الاکبر قدم بعض الاشیاء وظنی ان تلک النسبة صحیحة" علامہ بحر العلوم نے شیخ اکبر رحمہ اللہ کی طرف بعض اشیاء کے قدیم ہونے کی نسبت کی ہے اور ان کا یہ قول درست ہے۔ (ج ۱ ص ۱۲۶)

کیا آپ لوگ بھی اشیاء کے قدم کے قائل ہیں؟ ایک اور سہارا یوں تلاش کیا گیا ہے۔ نیلوی صاحب جسم عنصری پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "گو تمام ذخیرہ کتب میں سے عنصری کا لفظ نہیں دیکھا اس کے صرف تبادر سے کام لیا۔ تبادر الی الفہم ہونا کسی معنی کا خود حقیقت کی دلیل ہے۔ (ندائے حق ص ۲۴۰)

اب تبادر الی الفہم کی حیثیت سمجھئے:

مختصر المعانی میں اس امر کی بحث میں کہ امر کا صیغہ استعلاء کے لئے ہے اور یہی معنی تبادر الی الفہم ہیں اور تبادر الی الفہم ہی دلیل ہے حقیقی معنی کی۔ "وصیغة الامر موضوعة لطلب الفعل استعلاء لتبادر الفهم عند سماعها ذالک المعنی اعنی طلب الفعل استعلاء والتبادر الی الفهم من اقوی امارات الحقيقة" امر کا صیغہ استعلاء کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس کے سنتے ہی ذہن اسی معنی کی طرف جاتا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تبادر الی الفہم حقیقی معنوی کی قوی دلیل ہے۔ (ج ۴ ص ۲۲۶)

پھر (ص ۲۲۹) پر لکھا ہے: "کالامر فی الاستعلاء لانه المتبادر الی الفهم والتبادر علامة الحقيقة" جیسا صیغہ امر کہ اس کا استعمال استعلاء میں ہوتا ہے کیوں کہ فہم اسی طرف جاتا ہے اور تبادر ہی حقیقت کی دلیل ہے۔

یعنی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تبادر علامت حقیقت کی ہے۔ اس پر جمہور عقلاء متفق ہیں اور غیر تبادر عقل کے خلاف ہے۔ اس حقیقت سے ہٹ کر ایک بات کا جواب دیجئے کہ جب آپ کتب دینی حتیٰ کہ ذخیرہ احادیث کو ساقط الاعتبار قرار دے چکے ہیں۔ جمہور اسلام و جمہور علماء اکابر و اصاغر کو، فرضی جمہور اور فرضی اکابر لکھ چکے ہیں اور کتب دینی کو بے کار ساقط الاعتبار قرار دے چکے۔ جیسا کہ مکمل عبارتیں معہ حوالہ جات گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہیں تو پھر آپ اپنے قول کو ثابت کرنے کے لئے "ذخیرہ کتب" کا سہارا کیوں لیتے ہیں۔ وہ کون سا ذخیرہ کتب دینی ہے۔ جو آپ کے نزدیک ساقط الاعتبار نہیں۔ اس سارے ذخیرہ کی نفی کرنے کے بعد اس کا سہارا لینا کیا معنی؟ اپنی اس جرأت کی حیثیت حضرت انور شاہ صاحب کی زبانی سنئے:

''وظن ان اعتراضه على البخاری تائید للحنفیة ولم یدر ان من سوء فعله هذا ینهدم اساس الدین'' اس نے بزعم خویش حنفیوں کی تائید میں بخاری پر اعتراض کیا اور یہ نہ سمجھا کہ اس فعل قبیح سے دین کی بنیاد منہدم ہوجائے گی۔ (فیض الباری ج ۴ ص ۱۱۰)

حضرت شاہ صاحب صرف بخاری پر اعتراض کرنے کو دین اسلام کی، بنیادوں کو منہدم کرنا قرار دے رہے ہیں اور نیلوی بندیالوی تمام ذخیرہ حدیث جس میں بخاری مسلم بھی ہیں کو ساقط الاعتبار قرار دے رہے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ دین کے ٹھیکیدار بھی بنے ہوئے ہیں: چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

چلئے آپ کا عقیدہ آپ کو مبارک مگر یہ تو بتایئے کہ آپ نے دین لیا کس سے؟ دین تو سارے کا سارا نقل ہے اور نقل میں منقول عنہ پر پورا اعتماد چاہئے۔ جب صحابہ اور سلف صالحین سے اعتبار اٹھ گیا تو دین کیوں کر قابل اعتبار ٹھہرا۔

جب جسم کا لفظ بولا جائے تو ساری دنیا اسے جسم عنصری سمجھے، قرآن وحدیث اور لغت سے یہی جسم سمجھا جائے۔ اس کے لئے تو ثبوت طلب کیا جائے مگر غیر متبادر غیر معروف بلکہ وہمی اور فرضی چیز جسم مثالی جس کا ثبوت قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ میں نہیں ملتا اس کو حقیقی جسم انسانی سمجھا جائے یہ حرکت کس منطق کی رو سے درست ہے۔

اصول یہ ہے کہ نفی فرع ہے مثبت کی۔ اس لئے پہلے تو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ، اجماع یا قیاس سے جسم مثالی کا ثبوت پیش کریں۔ پھر نفی جسم عنصری پر دلائل پیش کریں۔

(شفاء القلوب ص ۶۷) قاضی صاحب لکھ چکے ہیں کہ نسمہ جسم مثالی اور روح ایک ہی چیز ہے اور یہی مذہب علماء متکلمین کا مان چکے ہیں۔ اس لئے جسم مثالی کا ثبوت پیش کریں۔ دعویٰ بلا دلیل قابل قبول نہیں ہوتا۔ لطف یہ کہ اقرار کر چکے ہیں کہ شرعی نصوص جسم مثالی کے بیان سے ساکت ہیں۔ پھر علماء اور متکلمین کا مذہب کیسے قرار پایا۔ کشف کو شرک قرار دے کر اسی کو دلیل بنانا خود اپنی تردید کرنے کے مترادف ہے۔ صاف اقرار ہے کہ جس بات کا کوئی شرعی ثبوت نہیں اسے آپ نے عقیدہ برزخی بنا کر پیش کیا۔ ایسی بودی بنیاد پر کیسی تعمیر ہوگی؟ دیکھئے روح کا والد حکمی فرشتہ ہے جس کی پھونک سے روح پیدا ہوا۔ بدن کی ماں مٹی جس سے یہ پیدا ہوا۔ آپ ذرا نسمہ کا حسب نسب بیان تو کریں۔

نسمہ

نسمہ کی بحث میں دو امور کی وضاحت ہوگی اوّل لفظ نسمہ کا مفہوم دوم نسمہ کے متعلق عقیدہ۔ لفظ نسمہ کا مفہوم ذیل کی احادیث سے واضح ہوجائے گا۔

۱...... ''قال رسول اللہ ﷺ او انکم لتفعلون قالها ثلاثا ما من نسمة کائنة الی یوم القیامة الا هی کائنة'' فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کیا تم یہ کرتے ہو، آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا! قیامت تک جسے بھی وجود میں آنا ہے وہ آ کر رہے گا۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۸۴، طبع قدیمی کتب خانہ)

۲...... ''وانکم لتفعلون ما من نسمة کائنة الی یوم القیامة الا وهی کائنة'' اور کیا تم یہ کرتے ہو، قیامت تک جسے وجود میں آنا ہے آ کر رہے گا۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۶۴)

۳...... ''وانکم لتفعلون ما من نسمة کائنة الی یوم القیامة الا ستکون'' (ایضاً)

۴...... ''وانکم لتفعلون ما من نسمة کائنة الی یوم القیامة الا هی کائنة'' (مسلم ج ۱ ص ۴۶۵)

۵...... ''فانہ لیست مخلوقۃ الا اللہ خالقھا'' (مسلم)

۶...... ''فانہ لیست من نسمۃ قضی اللہ لھا ای تکون الا ھی کائنۃ'' (ابن ماجہ)

اور امام ذہبی نے اپنی کتاب ''العبر فی خبر من غبر'' میں فرمایا: ''احصی ولد العباس فبلغوا ثلاثا و ثلاثین نسمۃ'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد کا شمار کیا گیا تو وہ ۳۳ آدمی بنے۔ (ج ۱ ص ۳۳)

احادیث مندرجہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ نسمہ اس کو کہا گیا جو مرد و عورت کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے یعنی اولاد، اور امام ذہبی کے قول سے مزید وضاحت ہوتی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد کی تعداد ۳۳ تھی۔ ان کو نسمہ کہا گیا تو نسمہ سے مراد جسم مع الروح ہے جو مرد کے نطفہ سے عورت کے بطن سے پیدا ہو۔

نیلوی صاحب نے علامہ التورپشتی کا ایک قول فیض الباری سے نقل کیا ہے: ''التوربشتی الحنفی لما مر علی حدیث النسمۃ لم یفسرہ بالروح بل وضح ھذا اللفظ بعینہ ففھمت منہ شئی یغائر الروح عندہ'' علامہ تورپشتی نے نسمہ کی حدیث بیان کرتے ہوئے اس کا ترجمہ روح نہیں کیا بلکہ نسمہ ہی کیا میں نے سمجھا کہ ان کے نزدیک نسمہ، روح سے جدا کوئی چیز ہے۔

نیلوی صاحب اس پر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ دیکھئے نسمہ اور روح میں کتنا فرق ہے۔ بات اتنی ہے کہ علامہ تورپشتی نے نسمہ کی تفسیر کرتے وقت لفظ نسمہ ہی استعمال کیا۔ اس کے لئے روح کا لفظ نہیں بولا اور شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس سے میں یہ سمجھا کہ ان کے نزدیک نسمہ روح کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ حاصل کیا ہوا؟ علامہ تورپشتی نے نسمہ کے متعلق اپنا کوئی عقیدہ بیان نہیں کیا۔ شاہ صاحب نے اپنا قیاس ظاہر کر دیا۔ یعنی علامہ تورپشتی کے متعلق شاہ صاحب کا قیاس مذہب نیلوی کی بنیاد بن گیا۔ ایک شخص کے متعلق شاہ صاحب کا قیاس اگر اتنی وزنی دلیل ہے تو شاہ صاحب کا ایک حتمی فیصلہ اس سے زیادہ وزنی دلیل کیوں نہ بنے۔ سنئے فرماتے ہیں:

''ولیس الطریق ان یبنی الدین علی کل لفظ جدید بدون النظر الی التعامل و من یفعل ذالک لا یثبت قدمہ فی موضوع و یخترع کل یوم مسئالۃ فان توسع الرواۃ معلوم'' یہ کوئی طریقہ نہیں کہ تعامل کا لحاظ کئے بغیر صرف کسی نئے لفظ پر دین کی بنیاد رکھ دی جائے اور جو شخص یہ حرکت کرتا ہے اس کے قدم کسی ایک مقام پر نہیں ٹکتے۔ ہر روز ایک نیا مسئلہ گھڑ لیتا ہے۔ کیوں کہ روایات کی وسعت ظاہر ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۲۳۶)

یعنی دین کی بنیاد لفظ پر نہیں رکھی جاتی بلکہ تعامل امت کو دیکھنا چاہئے جب پوری امت کے علماء نسمہ کا صحیح مفہوم روح یا روح مع الجسم بیان کرتے ہیں تو ایک قول وہ بھی ادھورا کہ نسمہ بمعنی نسمہ مذہب کی بنیاد بن جائے اور نیلوی صاحب پھولے نہ سمائیں تو اس کی حیثیت کیا ہو سکتی ہے۔

(ندائے حق ص ۱۵) اور (شفاء الصدور ص ۱۰۳) پر فرضی سلف فرضی جمہور اور فرضی اکابر کی جو رٹ لگائی گئی ہے تو فرضی گروہ سے تورپشتی کیسے بچ گئے۔ کیا توحیدی مذہب کا اصول یہ ہے کہ جس عالم کی بات اپنے حق میں مل جائے۔ خواہ وہ دور از کار تاویل سے ہی اپنے حق میں بنالی جائے وہ عالم اصلی اور علماء صلحاء کے گروہ کے گروہ جس بات کے قائل ہوں۔ مگر توحیدیوں کے نظریہ کے مخالف وہ علماء صلحاء اکابر سب فرضی ٹھہریں۔ لطف یہ اسی علامہ تورپشتی کا قول جب حیات انبیاء کے متعلق پیش کیا گیا تو وہ مردود ٹھہرا۔ آخر کیوں؟ اصل بات تو نسمہ کے متعلق آپ کا جو عقیدہ ہے فیصلہ طلب ہے۔ (ندائے حق ص ۴۰) پر نسمہ کے متعلق آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ جسم مع الروح تھا۔

عاقل بالغ تھا مرد عورت تھا، عالم ذر میں قیام پذیر تھا، وہاں سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں جسم عنصری میں داخل ہوا۔

دوسرا عقیدہ جسم عنصری میں دو قسم کے اجزاء میں اصلی اور زائد، جزو اصلی نسمہ ہے۔

یہ دو عقیدے سلف خلف مسلمان علماء میں سے کسی ایک کے ثابت کر دیں۔ علامہ تورپشتی نے نسمہ کی تفسیر روح سے کیوں نہ کی؟ اس کی وجہ ظاہر ہے جب نسمہ عام ہے، روح اور بدن کو تو روح سے تخصیص کیوں کی جاتی اور جب ساری امت کے علماء جانتے ہیں کہ نسمہ سے روح یا روح مع الجسم ہی مراد ہوتی ہے۔ لہٰذا حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے نسمہ کا لفظ ہی استعمال کیا۔ اس پر بغلیں بجانے سے کیا حاصل؟

نیلوی صاحب نے روح اور نسمہ کو متغائر ثابت کرنے کے لئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ صرف روح کا یہ کام نہیں کہ کھائے پئے جب تک جسم مثالی یا جسم عنصری سے متصل نہ ہو جائے اور نسمہ تو کھاتا پیتا ہے۔ لہٰذا نسمہ لازماً روح سے غیر ہے۔ مگر دوسرے مقام پر (ص ۹۷) لکھا ہے کہ روح خود کھاتا پیتا ہے۔ اصل بات جو نیلوی صاحب کی سمجھ میں نہیں آسکی یہ ہے کہ روح کی نسبت جب ذات باری کی طرف ہوتی ہے تو اسے روح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جب بدن سے مالوف ہو جاتا ہے، کسب اکتساب کرتا ہے تو نفس سے موسوم ہوتا ہے اور برزخ اور جنت میں جب کھانے پینے کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے تو نسمہ سے موسوم ہو جاتا ہے۔ چیز واحد ہے۔ روح خود مجسم ہے انسانی بدن کی شکل پر ہوتا ہے، کھاتا پیتا ہے۔

حدیثوں میں اس کی واضح مثالیں ملتی ہیں:

۱...... "انما نسمة المؤمن طائر يعلق في شجرة الجنة قال الباجي وقال ابي الجوهري ان النسمة الروح والنفس والبدن" مومن کا نسمہ (روح) ایک پرندے کی صورت میں جنت کے درختوں میں معلق ہوں گے۔ علامہ باجی کہتے ہیں کہ نسمہ، روح نفس اور بدن ہے۔ (موطا امام مالک ص ۸۴، تنویر الحوالک شرح موطا مالک)

۲...... "اخرج الحاكم من حديث ابي هريرة النسمة الروح" حاکم نے ابو ہریرہؓ سے بیان کیا ہے کہ نسمہ روح ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۳۵)

۳...... "عن مالك بن الحويرث قال قال رسول الله ﷺ اذا اراد الله عز وجل ان يخلق النسمة فجامع الرجل المرأة طار ماءه في عروق وعصب منها ثم قرأ في اى صورة ما شاء ركبك وفي النهاية النسمة والروح والنفس وكل دابة فيها روح وفي القاموس النسم محركة نفس الروح" مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نسمہ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو مرد عورت سے جماع کرتا ہے تو مرد کی منی اس عورت کی رگوں اور پٹھوں میں چلی جاتی ہے اور آپ نے قرآن مجید کی آیت "فی ای صورۃ ما شاء رکبک" تلاوت فرمائی اور لغت کی کتاب نہایہ میں ہے نسمہ سے مراد روح ہے۔ اسی طرح اس سے مراد نفس اور بدن انسانی ہے اور ہر جاندار کے لئے جس میں روح ہے اور قاموس میں ہے کہ نسمہ نفس و روح کا محرک ہے۔ (المعجم الطبرانی ج ۱ ص ۴)

۴...... "كل نسمة اى ذى روح وقيل كل نفس" مرقاۃ میں ہے کہ نسمہ سے مراد ہر ذی روح ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نفس ہے۔ (مرقاۃ ج ۱ ص ۱۸۸)

۵...... "قال رسول الله ﷺ انها ليست نسمة تولد الا ولدت على الفطرة فما تزال عينا حتى يبين عنها لسانها فابو اها يهودانه او ينصرانه" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نسمہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے اور ہمیشہ

اسی فطرت پر رہتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اچھی طرح بولنے لگتا ہے تو اس کے والدین اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۱)

احادیث رسول ﷺ سے واضح ہو گیا کہ نسمہ وہ چیز ہے جو مرد و عورت کے ملنے سے پیدا ہوا اور مرد کے نطفہ سے پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ اسے انسان کہتے ہیں اور وہ روح اور جسم سے مرکب ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ نسمہ روح سے غیر ہے حدیث کے خلاف ہے۔

تصدیقات علماء محدثین

یہ بیان ہو چکا ہے کہ نسمہ کا لفظ روح یا روح مع الجسم کے لئے بولا جاتا ہے اور نیلوی صاحب نے اس کے برعکس یہ دعویٰ کیا ہے کہ نسمہ روح سے مغائر ہے۔ علمائے کرام نے اس سلسلہ میں جو فیصلہ کن باتیں کی ہیں چند ایک بیان کی جاتی ہیں:

۱...... (فتح الباری ج ۱ ص ۳۱۴) شب معراج کی تفصیل کے سلسلے میں فرمایا: "قال جبرئیل انه آدم وهذا سورة عن یمینه و شماله نسم بنیه النسم بالنون و المهملة المفتوحة جمع نسمة وهی الروح" حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور یہ دائیں بائیں ان کے نسم (اولاد) ہیں اور نسم نسمہ کی جمع ہے اور وہ روح ہے۔

۲...... (نسائی ج ۱ ص ۲۹۲) "انما نسمة المؤمن هی بفتحتین الروح قال القرطبی نسمة المؤمن ای روح المؤمن" "نسمہ مومن سے مراد روح ہے اور قرطبی نے کہا کہ نسمہ مومن سے مراد مومن کی روح ہے۔

۳...... (الکشف عن مہمات التصوف ص ۵۲): روح کا نام حدیثوں میں نفس اور نسمہ بھی آیا ہے۔

۴...... (کتاب الروح ص ۶۷) "واما قوله نسمة المؤمن فالنسمة ههنا الروح یدل علیه ذالک الحدیث کما قال حتی یرجعه الله الی جسده یوم یبعثه" اور نسمۃ المومن سے مراد روح ہے اور اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "جب اللہ تعالیٰ اس روح کو قیامت کے دن اس کے جسم میں لوٹائے گا۔"

۵...... (شرح عقیدہ السفارینی ج ۲ ص ۵۹) "والنسم بالنون والسین المهملة المفتوحتین" اور نسم "لفظ نسمہ کی جمع ہے اور اس سے مراد روح ہے۔ جمع نسمة وهی الروح۔

ان احادیث، شروح اور علماء کے اقوال سے معلوم ہوا کہ نسمہ سے مراد روح ہے۔ لہٰذا یہ غلط ہے کہ نسمہ روح کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ جو عالم ذر میں قیام پذیر ہے اور وہاں سے منتقل ہو کر بدن انسانی میں آتی ہے۔

۶...... (کتاب الروح ص ۱۷۱) "واصل هذه اللفظ اعنی النسمة الانسان بعینه وان قلیل للروح نسمة والله اعلم لان حیاة الانسان بروحه فاذا فارقه عدم وصار کالمعلوم والدلیل علی ان النسمة الانسان قوله ﷺ والذی خلق الحبة وبرأ النسمة وقال خلیل بن احمد النسمة الانسان قال والنسمة الروح وقال الخطابی وغیره هی النسمة نفس الانسان" دراصل لفظ نسمہ سے بعینہ انسان مراد ہوتا ہے اور اس کا اطلاق روح پر بھی ہوتا ہے۔ چوں کہ انسانی زندگی کا مدار روح پر ہے۔ جب وہ اس سے جدا ہوتی ہے تو بدن کو مثل عدم کر دیتی ہے اور اس کی دلیل کہ نسمہ سے مراد انسان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے۔ قسم ہے اس خدا کی جس نے دانے کو پھاڑا اور نسمہ کو پیدا کیا اور خلیل بن احمد کا قول ہے نسمہ سے مراد انسان ہے اور یہ بھی کہا کہ نسمہ روح کو بھی کہا جاتا ہے۔ علامہ خطابی وغیرہ کا قول ہے کہ لفظ نسمہ کا اطلاق نفس انسان پر ہوتا ہے۔

۷...... اور نووی شرح مسلم میں ہے "النسمۃ تطلق علی ذات الانسان جسما وروحا وعلی الروح مفردۃ" نسمہ کا اطلاق انسان کی ذات پر باعتبار جسم مع الروح کے ہوتا ہے اور مجرد روح پر بھی ہوتا ہے۔ (ج ا ص ۹۵)

معلوم ہوا کہ نسم، حیوان اور انسان کے سانس لینے پر بھی بولا جاتا ہے اور نسمہ انسان یا روح پر بولا جاتا ہے۔

لفظ نسمہ اور علمائے لغت

لسان العرب میں لفظ نسم کی تشریح یوں کی گئی ہے: "نسم والنسم والنسمۃ نفس الروح وما بھا نسمۃ ای نفس یقال ما بھا ذو نسم ای ذی روح نسم جمع نسمہ وھو النفس النسمۃ فی الحدیث بالتحریک ھو النفس قال خالد النسمۃ النفس والروح وکل دابۃ فی جوفھا روح فھی نسمۃ وفی حدیث علی والذی فلق الحبۃ وبرأ النسمۃ ای خلق ذات الروح قال بعضھم النسمۃ الخلق یقال للصغیر والکبیر والدواب وغیرھا وکل من کان فی جوفھا روح" نسم والنسم اور نسمہ سے مراد روح ہے اور جس میں سانس ہے اور ذی نسم کے معنی ذی روح ہے۔ نسم لفظ نسمہ کی جمع ہے اور اس سے مراد نفس ہے خالد نے کہا نسمہ نفس روح ہے اور ہر چلنے والی چیز کو بھی نسمہ کہا جاتا ہے یعنی جس میں روح ہے اور ہر جاندار جس میں روح ہے اس پر بھی نسمہ کا اطلاق ہوتا ہے اور حدیث حضرت علی ﷛ میں ہے قسم ہے اس خدا کی جس نے دانے کو پھاڑا اور نسمہ کو پیدا کیا یعنی روح والی چیز کو پیدا کیا۔ بعض کا قول ہے کہ نسمہ کا اطلاق ہر چھوٹی بڑی مخلوق اور چوپائے وغیرہ پر ہوتا ہے اور ہر اس چیز پر جس میں روح ہے۔ (ص ۵۷۳)

اور المنجد میں ہے "النسم نفس الروح النسمۃ نفس الروح الانسان او کل دابۃ فیھا الروح" نسمہ نفس روح ہے اور نسمہ روح اور انسان کو بھی کہا جاتا ہے اور ہر جاندار جس میں روح ہو اس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

نسمہ اور مفسرین

۱...... "نسمۃ بفتحتین ای ذی روح من التنسم وھو التنفس" نسمہ (دو زبروں کے ساتھ) سے مراد ذی روح ہے۔ یہ لفظ تنسم سے ہے اور اس سے مراد تنفس ہے۔ (تفسیر جمل ج ۳ ص ۵۰۱)

۲...... "قال تعالٰی ماترک علی ظھرھا من دابۃ ای نسمۃ تدب علیھا" اس آیت میں دابہ سے مراد نسمہ ہے اور نسمہ کے معنی ہیں جو زمین پر چلتا ہے یعنی انسان۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۶۶)

۳...... "ماترک علی ظاھرھا من دابۃ ای نسمۃ تدب علیھا یرید بنی آدم" اس آیت میں دابۃ سے مراد نسمہ ہے جو زمین پر چلتا ہے اور اس سے مراد بنی آدم ہیں۔ (کشاف)

۴...... "ماترک علی ظھرھا من دابۃ ای نسمۃ تدب علیھا" یہاں دابۃ سے مراد نسمہ ہے جو زمین پر چلتا ہے۔ یعنی انسان۔ (جلالین)

مفسرین نے وضاحت کر دی کہ نسمہ ہر جاندار چیز پر بولا جاتا ہے، خواہ انسان ہو خواہ حیوان پرندے ہوں یا حشرات الارض مگر اس کے برعکس نیلوی صاحب اسے عالم ذر کی مخلوق بتاتے ہیں اور لطف یہ کہ عالم ذر کا ثبوت ندارد۔ شیخ الانور فرماتے ہیں: "اما عالم الذر عالم النسمۃ فقد ورد بہ الحدیث ایضاً لکنا لا ندری ھل عالم برأسہ ام لا" جہاں تک عالم ذر اور عالم نسمہ کا تعلق ہے یہ حدیث میں آیا ہے۔ مگر ہم نہیں جانتے یہ کوئی مستقل عالم ہے یا نہیں۔

شیخ انور جیسا محقق تو عالم ذر کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرے اور نیلوی جیسا مدقق عالم ذر کو ایک مستقل عالم قرار دے کر نسمہ کو اس کی تخلیق بتاتا پھرے پہلے عالم ذر کا ثبوت تو پیش کریں۔

عالم ذر کی "ایجاد" اور اس کا ماخذ

قرآن میں عہد الست کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم" (اعراف: ۱۷۲) اس آیت کے مفہوم سے غلط نتیجہ اخذ کر کے نسمہ کے سلسلے میں عالم ذر ایجاد کر ڈالا گیا اس لئے اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

بات یہ ہے کہ حضرت آدم کی اولاد جو قیامت تک ان کی پشت یا ان کی اولاد کی پشت سے ظاہر ہونے والی تھی اس سے یہ عہد لیا گیا اس سے یہ معلوم ہوا کہ دنیا میں آنے سے پہلے کائنات کی ہر شے کا ایک قسم کا وجود علم الٰہی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ انور حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قال النبی ﷺ وانت فی صلب ادم فیه دلیل علی انه کانت للذریة صورة وهی فی صلب آدم اما الفلسفی فانه یحمله علی کون مادتها فی صلبه" اور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان "اور جب تم صلب آدم میں تھے اس پر دال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی اس وقت بھی کوئی صورت تھی جب وہ صلب آدم میں تھی۔ لیکن فلاسفہ اس کا اطلاق اس مادہ پر کرتے ہیں جو ان کی پشت میں تھا۔ (فیض الباری مع بخاری ج ۴ ص ۱۸)

اس وجود کا ثبوت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ثم اعلم مایرونه الاولیاء من الاشیاء قبل وجودها فی العالم لها ایضاً نحو من الوجود کما ان بایزید بسطامی لما مر من جانب مدرسة وهبت ریح قال انی اجد منها عبد من عباد الله فنشاء منه الشیخ ابو الحسن خرقانی و کما قال النبی ﷺ انی اجد نفس الرحمن من الیمن فنشاء منه الاویس القرنی فهذا ایضاً نحو من الوجود" پھر یہ بات خوب سمجھ لو کہ اولیاء اللہ جن چیزوں کو وجود میں آنے سے پہلے دیکھ لیتے ہیں ان کا بھی ایک قسم کا وجود ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی ؒ جب ایک مدرسہ کے پاس سے گزرے ہوا کا جھونکا آیا آپ نے فرمایا مجھے یہاں سے اللہ کے بندے کی خوشبو آرہی ہے تو وہاں شیخ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوئے اور جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں یمن کی طرف سے تجلیات باری تعالیٰ دیکھتا ہوں اور یہاں خواجہ اویس قرنی ؒ پیدا ہوئے تو ان کا بھی ایک قسم کا وجود تھا۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۲)

اسی طرح (بخاری ج ۳ ص ۳۴۳ و ۳۴۷) میں موجود ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں فتنوں کو مدینہ کی دیواروں کے قریب پاتا ہوں۔ حالاں کہ وہ فتنے تو مدت مدید کے بعد اٹھے اور سامنے آئے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان فتنوں کا ایک قسم کا وجود پہلے موجود تھا گو مستقل وجود نہ تھا۔ اسی طرح اولاد آدم کا ایک قسم کا وجود علم الٰہی میں تھا جس کو سامنے لا کر عہد لیا گیا۔ یہ مستقل وجود نہیں تھا بلکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے خواب میں کسی چیز کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ یہ چیز دیدنی ہوتی ہیں بودنی نہیں ہوتی۔ ان کے لئے نہ کوئی مکان ہوتا ہے نہ وہ کہیں مکین ہوتی ہیں۔ عارضی طور پر سامنے آئیں پھر غائب ہوگئیں۔

عقیدۃ السفارینی میں اس سلسلے میں بیان کیا گیا ہے: "انما یدل علی انه سبحانه تعالی اخرجها

وخاطبها ثم ردها الی صلبه ای آدم" یہ تو صرف اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ان سے خطاب فرمایا۔ پھر اس کی (یعنی آدم ﷤) کی صلب میں لوٹا دیا۔ (ج ۲ ص ۴۸)

پھر فرماتے ہیں: "استخرج ذریة آدم من صلبه ثم اخذ المیثاق علیهم وردهم فی صلبه" حضرت آدم ﷤ کی صلب سے اس کی ذریت کو نکالا پھر اس سے عہد لیا اور پھر اس کو صلب میں لوٹا دیا۔ (ج ۲ ص ۴۷)

اور کتاب الروح میں ان کی پیدائش اور مستقر کے متعلق بیان ہوا ہے: "استخرج تلک الصور من مادتها ثم اعادها الیها" ان صورتوں کو ان کے مادہ سے نکالا پھر اسی میں ان کو لوٹا دیا۔ (ص ۱۹۵)

پھر فرمایا: "قال اخرجوا من صلب آدم حین اخذ المیثاق منهم ثم ردوا فی صلبه" فرمایا عہد لیتے وقت صلب آدم سے نکالے گئے۔ پھر اسی میں لوٹا دیئے گئے۔ (ص ۱۹۷)

پھر فرمایا: "قال رسول الله ﷺ ان الله مسح ظهر آدم فخرج منه ذریته واخذ المیثاق علیهم ثم ردهم فی ظهره" حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ﷤ کی پیٹھ کو چھوا تو اس سے ان کی اولاد باہر نکلی پھر اس کو ان کی پشت میں لوٹا دیا۔ (ص ۲۰۸)

پھر فرمایا: "وانما غایتها ان تدل علی اخراج صورهم امثالهم فی صور الذر واستنطاقهم ثم ردهم الی اصلهم" اس سے مراد یہ ہے کہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان کی صورتیں اور مثالیں ذر کی صورت میں نکالی گئی اور گفتگو کرانے پھر ان کو اپنے اصل پر لوٹا دینے پر۔ (ص ۲۱۱)

معلوم ہوا کہ ذریۃ آدم پشت آدم سے نکالی گئی۔ اخذ عہد کے بعد پھر صلب آدم میں لوٹا دی گئی۔ نہ وہ عالم ذر سے نکالی گئی نہ اس عالم میں لوٹائی گئی، نہ کسی عالم ذر کا کوئی وجود ہے۔ لفظ رد یعنی لوٹانا خود ظاہر کرتا ہے جہاں سے استخراج کا عمل ہوا وہیں رد کا عمل بھی ہوا۔ پھر رب العالمین نے جس طرح تقدیر علمی میں ان کی ترتیب رکھی اسی وقت اور اسی ترتیب کے مطابق خارج میں ان کا وجود ظاہر ہوتا رہا۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:

"نعم الرب سبحانه یخلق منه جملة بعد جملة علی الوجه الذی سبق به القدر او لا فیجیئ الخلق الخارجی مطابق لتقدیر السابق کشانه تعالیٰ فی جمیع مخلوقاته فانه قدر لها اقدارا وآجالا وصفات وهیئات ثم ابرزها الی الوجود مطابقة لذالک التقدیر الذی قدره لها لاتزید ولا تنقص منه" ہاں اللہ تعالیٰ مخلوق کو جملہ بعد جملہ اس طریقہ پر پیدا کرتا ہے جس پر تقدیر ازلی گزر چکی ہے۔ پس مخلوق دنیا میں اس طریقہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جو رب العالمین نے اپنے علم ازلی میں مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ اپنے علم ازلی میں مخلوق کا وجود مقرر کرتا ہے اس وقت زندگی اور صفات وہیئات مقرر کرتا ہے پھر اس تقدیر علمی کے مطابق مخلوق کو دنیا میں ظاہر کرتا ہے۔ اس تقدیر یعنی انداز میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ (کتاب الروح ص ۱۹۸)

یعنی حضرت آدم کی پشت سے جو اولاد نکالی گئی۔ اس وقت ان کا وجود تقدیری تھا حقیقی نہیں تھا۔ ان کی پیدائش، حیات، موت کا وقت ان کا رزق سب چیزیں تقدیری تھیں۔ ان کی پیدائش مقررہ وقت پر ہوئی اور تقدیر ازلی کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کی۔ اخذ عہد کے وقت یہ پیدائش عارضی اور وقتی تھی ان کا بولنا سننا جواب دینا سب ان کے وجود کے مناسبت سے تھا۔ جو رب قادر چیونٹیوں سے کلام کرانے پر قادر ہے اس نے ان سے بھی کلام کرالی۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں: "جاز ان یکون اللہ سبحانہ جعل امثال الذر الذی اخرجھا فھما تعلق بہ کما قال تعالی قالت نملۃ یا ایھا النمل ادخلوا مساکنکم وقد سخر مع داؤد الجبال تسبح معہ والطیر " یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیونٹی جیسی مخلوق کو پشت آدم سے نکالا تھا اسے سمجھ دے دی ہو جیسا کہ چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کلام کی اور پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے۔ (کتاب الروح ص ۲۰۱)

علامہ سیوطی نے اس سلسلے میں اس سرچشمہ کی نشاندہی بھی کر دی۔ جہاں سے یہ فتنہ پھوٹا۔

"وزعم ابن حزم ان اللہ خلق الارواح جملۃ قبل الاجساد وجعلھا فی برزخ وذالک البرزخ عند منقطع العناصر بحیث لا ماء ولا ھواء ولا تراب ولا نار وانہ خلق اللہ الاجساد ادخل فیھا تلک الارواح ثم یعیدھا عند قبضھا الی ذالک البرزخ وھذا قول لم یقلہ احد من المسلمین ولا ھو من جنس کلامھم انما ھو من جنس کلام الفلاسفۃ" ابن حزم ظاہری کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو جسموں سے پہلے اکٹھا پیدا کیا ہے اور ان کو ایک برزخ میں رکھا ہے جس میں نہ پانی ہے نہ آگ نہ ہوا نہ مٹی اور جب اللہ تعالیٰ جسموں کو پیدا کرتا ہے تو ان میں ان روحوں کو داخل کر دیتا ہے اور موت کے وقت پھر اسی برزخ میں لوٹا دیتا ہے اور یہ وہ قول ہے جو کسی مسلمان کی زبان وقلم سے نہیں نکلا۔ یہ تو محض فلاسفہ کے خرافات میں سے ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۰۶)

نیلوی صاحب نے نسمہ کے متعلق جو لکھا ہے کہ جسم مع الروح بصورت مرد عاقل بالغ ذی فہم تھا۔ عالم ذر میں قیام پذیر وہاں سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں جسم عنصری میں داخل ہوتا ہے اور نسمہ ہی جسم کا جز و اصلی ہے۔ یہ وہی بات ہے جو نظام نے کہی اور یہ وہی عقیدہ ہے جو خارجی نظامی بکری، معتری صالحی اور کرامی فرقوں کا ہے اور بقول علامہ سیوطی کسی ایک مسلمان کی زبان سے آج تک یہ بات نہیں نکلی۔ ہاں فلاسفہ کا یہی مذہب ہے جنہیں دین اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۱۰) میں امام رازی نے تصریح کر دی ہے کہ "انسان" مکمل ہوا جسم عنصری سے جب اس میں استعداد پیدا ہوئی تو ماں کے رحم میں اس بدن میں روح پھونکی گئی۔ احادیث میں بھی یہی ترتیب مذکور ہے۔ نیلوی صاحب یہ بتائیں کہ نسمہ کس وقت جسد عنصری میں داخل ہوتا ہے؟ ماں کے رحم میں یا پیدائش کے بعد؟ اور اس کا ثبوت بحوالہ کتب دیں۔ دوسری بات کہ جب جسم عنصری کی اصل جز و عاقل بالغ ہے تو دار التکلیف میں داخل ہوتے ہی اس کو مکلف ہو جانا چاہئے۔ پندرہ بیس سال عمر گزارنے کے بعد مکلف ہونا کیا معنی۔ یہ اتنی لمبی چھٹی کس لئے؟

اخذ عہد کی تفصیل

اس سلسلے میں دو مذاہب پائے گئے ہیں۔ روح بدن سے پہلے پیدا ہوئی یا بعد۔ اس میں پھر دو مذہب ہیں:

اوّل: روح، بدن سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ مذہب ابن حزم ظاہری اسحاق بن راہویہ اور محمد بن نصر مروزی کا ہے۔ یہ تین حضرات کہتے ہیں کہ روح، بدن سے پہلے پیدا ہوئے انہیں برزخ میں رکھا گیا۔ علامہ سیوطی نے جس انداز میں اس قول کی تردید کی ہے ابھی گزر چکی ہے۔

دوم: روحوں کی پیدائش بدن کے بعد ہوئی۔ یہ جمہور علمائے اسلام کا قول ہے۔ اخذ عہد کے لئے روحوں کو علم تقدیری میں پیدا کیا گیا جس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں دی جا چکی ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ انسانوں کو پیدا کر کے عاقل بالغ ہونے کے بعد ان کی طرف انبیاء بھیجے گئے۔

انہوں نے قانون الٰہی کے دلائل پیش کئے۔ پھر ان سے اقرار لیا گیا نہ کہ قبل از پیدائش اور علم تقدیری میں اخذ عہد لیا گیا جیسا کہ گروہ اول کا قول ہے۔ مگر ان دونوں میں کوئی بھی نیلوی صاحب کے نسمہ کا قائل نہیں ہے۔

مولانا حسین علی صاحب نے (بلغۃ الحیران ص ۱۴۲) میں بھی دوسرا مذہب اختیار کیا ہے کہ بعد بلوغت دلائل پیش کئے۔ مگر یہ طرفہ عقیدہ جو نیلوی صاحب نے پیش کیا ہے مسلمانوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

نیلوی صاحب فرماتے ہیں کہ نسمہ عاقل بالغ ذی علم ذی فہم تھا۔ جسم عنصری میں آیا۔ مگر قرآن مجید کہتا ہے:

"ھو الذی اخرجکم من بطون امھتکم لا تعلمون شیئا وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ لعلکم تشکرون" (النحل: ۷۸) دونوں باتوں میں واضح تضاد معلوم ہوتا ہے۔ کون کہے کہ اللہ کی بات چھوڑو اور نیلوی صاحب کی بات پلے باندھو۔

پھر "شیخ القرآن صاحب" نے جواہر القرآن میں اخذ عہد کے بارے میں لکھا ہے کہ ارواح سے عہد لیا گیا تھا اور نیلوی صاحب کہتے ہیں کہ نسمہ سے لیا گیا اور ساتھ ہی نسمہ اور روح کو جدا جدا چیزیں بیان کرتے ہیں۔ استاد شاگرد میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔

تحقیق عہد الست

اس سلسلے میں یہ اصولی بات سمجھ لینی چاہئے کہ اخذ عہد کے لئے تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱...... جواہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں موجود ہوں جیسے بدن انسانی وغیرہ۔

۲...... جواہر جن میں مادہ نہیں کمیت ہے جیسا صوفیہ کے نزدیک اجسام مثالیہ۔

۳...... جواہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہیں جیسے صوفیہ کے نزدیک ارواح اور حکما کے ہاں جوہر مجردہ روح جوہر ہے۔ جوہر وہ ہے جو قائم بالذات ہو، دار دنیا میں روح کو مادی بدن اس لئے دیا گیا کہ مادی چیزوں کو دیکھنے سننے سنانے وغیرہ کے لئے مادی آلات کی ضرورت تھی۔ دار دنیا خود مادی چیز ہے۔

عالم برزخ مادی نہیں لطیف ہے اس کی سب چیزیں بھی لطیف ہیں۔ اگر روح کو برزخ میں بھی جسم مثالی کا محتاج بنایا جائے تو جوہر نہ رہے گا۔ بلکہ اسے عرض تسلیم کرنا پڑے گا۔

لطیف چیزوں کو سنانے سمجھانے کے لئے روح کسی جسم کا محتاج نہیں۔ معلوم ہوا کہ جمہور اہل الشرع جسے روح کہتے ہیں۔ اسی کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں۔ جب صوفیہ کہتے ہیں کہ برزخ میں جسم مثالی کو عذاب ہوتا ہے تو اس سے مراد یہی ہے کہ اہل الشرع کے ہاں روح کو عذاب ہوتا ہے اور روح خود جسم عنصری کی شکل جسم رکھتا ہے وہی ناک نقشہ وہی قد و قامت تو صوفیہ کا یہ کہنا کہ جسم مثالی کو عذاب ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ روح کو عذاب ہوتا ہے۔ جس کا جسم شکل جسم عنصری کے ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ جسم مثالی کوئی الگ قسم کا جسم ہے۔

شیخ انور فرماتے ہیں: "اما عند علماء الشرع فلیس ھناک الا عالمان عالم الارواح وعالم الاجساد وقد یخطر بالبال ان ما سماہ الصوفیۃ عالم المثال ھو الذی سماہ اھل الشرع عالم الارواح لانھم عدوا الملائکۃ والنفوس من عالم المثال وھی بعینھا معدودۃ عند علماء الشرع فی عالم الارواح فلم یبق فرق الا فی التسمیۃ اما ما سماہ الصوفیۃ الارواح المجردۃ فلم یبحث عنھا العلماء" علمائے شرع کے نزدیک عالم دو ہیں ایک عالم ارواح ایک عالم جسمانی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ صوفیہ نے جسے عالم مثال کہا ہے وہی ہے جسے

علمائے شرع نے عالم ارواح کہا ہے۔ کیوں کہ انہوں نے ملائکہ جن اور نفوس کا عالم مثال میں شمار کیا ہے اور علمائے شرع کے ہاں بعینہ یہی چیزیں عالم ارواح میں شمار ہوتی ہیں اس لئے یہ فرق صرف نام کا فرق ہوا اور جس کو صوفیہ نے ارواح مجردہ کہا ہے۔ علمائے شرع نے اس پر کوئی بحث نہیں کی۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۶۵، اور عرف شذی ص ۹)

پھر اسی کے (ص ۶۶) پر فرماتے ہیں: "ثم عالم المثال ليس اسما للحيز كما يتوهم بل هو اسم للنوع من الموجودات وعالم المثال وهي التي لا مادة فيها مع بقاء الكم والمقدار كالشبح المرئي في المرآة" اور عالم مثال کسی مقام یا مکان کا نام نہیں۔ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے بلکہ وہ موجودات کی ایک قسم کا نام ہے۔ عالم مثال میں مادہ نہیں۔ البتہ کیت ہے اور مقدار بھی جیسا آئینے میں چیز کا عکس نظر آتا ہے۔

معلوم ہوا کہ محقق بات یہ ہے کہ صوفیہ جو عالم مثال کے قائل ہوئے انہیں یہ بات کشف سے معلوم ہوئی۔ مگر وہی عالم مثال علمائے شرع کے ہاں عالم ارواح کہلاتا ہے۔ کوئی الگ شے نہیں یہ محض نام کا اختلاف ہے ذات جیز نہیں۔ ذات ایک ہے۔ اسی کو صوفیہ نے عالم مثال کہا اور علمائے شرع نے عالم ارواح کہا۔ نیلوی صاحب کا عالم ذر محض ایجاد بندہ قسم کی شے ہے۔ ہاں یہ بات ہوسکتی ہے کہ اسی چیز کو کوئی تیسرا نام دے کر عالم ذر کہہ دے۔ مگر اس نئے نام کی وجہ سے وہ کوئی دوسری چیز نہیں بن جائے گی۔ لہٰذا نیلوی صاحب کے فرضی نسمہ اور فرضی عالم ذر کا شریعت محمدی میں کوئی وجود نہیں اور نیلوی صاحب نے تسکین الصدور میں پیش کردہ اسلامی عقیدہ کے برعکس اپنا باطل اور من گھڑت عقیدہ پیش کر دیا۔ مگر کوئی دلیل پیش نہ کر سکے۔ جب ان کا اختراعی نسمہ باطل ہوا تو اس کا بدن انسانی کا جزو اصلی ہونا، برزخ میں اس سے سوال وجواب ہونا، اس کی طرف اعادہ روح کا ہونا سب باطل ٹھہرے۔ جب یہ باطل ٹھہرا کہ نسمہ جزو اصلی ہے۔ بدن انسانی کا تو نسمہ کی طرف اعادہ روح کا عقیدہ لازماً باطل ٹھہرا...... اب بدن انسانی ہی باقی رہا۔ سو اعادہ روح اسی بدن انسانی کی طرف ہوتا ہے اور یہی تمام اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔

نیلوی صاحب نے ندائے حق کے (ص ۱۷۲) پر اپنے عقیدے یعنی اعادہ روح جسم مثالی کی طرف ہوتا ہے کی تائید میں جو نام گنائے ہیں۔ یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے جس کی مثال اہل علم کے ہاں تو کیا بازاری لوگوں میں بھی نہیں مل سکتی۔ اگر ان میں صداقت کا شائبہ بھی ہے تو ان بزرگوں میں سے صرف چار کا قول معہ حوالہ کتاب بقید صفحہ وعبارت پیش کریں اور ان الفاظ میں کسی ایک بزرگ کا قول پیش کریں کہ "النسمة جزو اصلي لجسم الانسان وهي المسماة بالانسان وهي مركبة من جسم وروح وهي عاقلة بالغة ومنها تسأل في البرزخ وهي تعقد في القبر وغير"

مگر آپ یہ جرأت کیوں کر کریں گے؟ جب آپ تمام مذہبی کتب بخاری مسلم سمیت کو ساقط الاعتبار قرار دے چکے ہیں تو معتبر کتب آپ لائیں گے کہاں سے جب آپ کہہ چکے ہیں کہ سلف صالحین اکابر جمہور علما سب فرضی اور مصنوعی ہیں تو آپ اصلی نئے وڈے اکابرین کہاں سے ڈھونڈ لائیں گے۔ آخر میں نیلوی بندیالوی اور ان کے ہم نوا "توحیدی" حضرات کے چند مخصوص عقائد اور ان کے ماخذ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ مسلمان ان کی حقیقی حیثیت سے آگاہ ہو جائیں اور اپنے ایمان کی حفاظت کر سکیں۔

توحیدی عقائد

۱...... اسلام کی بنیاد پانچ اصولوں پر ہے۔ مگر ان کے نزدیک چھٹا اصول بھی ہے اور حقیقتاً وہی ایک اصول ہے

جو اسلام اور غیر اسلام میں مابہ الامتیاز ہے۔ وہ اصول یہ ہے جو آدمی توحیدی جماعت میں داخل ہو وہی مسلمان ہے ورنہ وہ کتنا فاضل متقی ولی اللہ ہی کیوں نہ ہو مشرک ہے اور اسی وجہ سے یہ لوگ علمائے دیوبند کو اپنی تقاریر میں برملا مشرک کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ انہوں نے بکر بن اخت عبدالواحد سے لیا۔ "انہ شک فی جمیع عامۃ المسلمین وقال لا ادری لعل سر الر العامۃ کلہا شرک و کفر"

۲...... قرآن کریم کی جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ لوگ ان آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ یہ خارجیوں کا طریقہ ہے جن کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر کا ارشاد ہے "ھم شرار خلق اللہ انطلقوا الی ایات اللہ نزلت فی الکفار جعلوھا علی المؤمنین"

۳...... "شیخ القرآن" صاحب کا عقیدہ ہے کہ حیوانوں کی حشر نہیں ہوگی۔ یہ عقیدہ قرآن حکیم کی کئی آیتوں اور احادیث کے خلاف ہے۔ بالخصوص، باب الزکوۃ میں اس کی تفصیل ملتی ہے کہ جن جانوروں کی زکوۃ نہیں دی گئی۔ میدان قیامت میں وہ جانور ان کو سینگوں سے ماریں گے اور پاؤں سے روندیں گے۔ گویا شیخ القرآن قیامت کا جزوی انکار کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ فرقہ شامیہ سے لیا گیا ہے جو شام بن اشرس غیری کے تابع ہیں۔ یہ شخص ۲۱۳ھ میں خلیفہ مامون معتصم اور واثق کے زمانہ میں ہوا تھا۔

۴...... نسمہ کے متعلق جو عقیدہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے یہ دنیا میں کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں رہا۔

۵...... ان کا عقیدہ ہے کہ یہ بدن یہ گوشت پوست ہڈی خون چمڑا وغیرہ جو جسم نظر آتا ہے یہ انسان نہیں بلکہ پوشیدہ چیز ہے۔ جز جزو لا یتجزیٰ ہے۔ یہ عقیدہ قرآن وسنت کی واضح تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ یہ عقیدہ نظام ظاہری، معمر، بکر بن اخت عبدالواحد کا تھا۔ انہوں نے یہ عقیدہ فرقہ نظامیہ، معمریہ، بکریہ سے لیا ہے جو باطل فرقے تھے۔

۶...... ان کا عقیدہ ہے کہ تواتر کوئی چیز نہیں کوئی حدیث رسول متواتر نہیں، جیسا (شفاء الصدور ص ۱۰۳) پر موجود ہے۔ یہ عقیدہ فرقہ نظامیہ سے لیا ہے۔ "وکان النظام دافعا لحجۃ التواتر (الفرق بین الفرق ص ۱۴۳)" نظام نے تواتر کے حجت ہونے کی مخالفت کی۔

۷...... یہ لوگ اجماع امت کے منکر ہیں جیسا کہ (ندائے حق ص ۱۵) پر موجود ہے کہ سلف فرضی، ان کا دین فرضی، جمہور فرضی، یہ عقیدہ انہوں نے نظام سے لیا۔ "وکان النظام دافعا لحجۃ الاجماع" نظام نے اجماع کے حجت ہونے کی مخالفت کی ہے۔

۸...... ان کا عقیدہ ہے کہ آثار صحابہ واقوال صحابہ قابل حجت نہیں۔ (ندائے حق ص ۱۹)

یہ عقیدہ انہوں نے نظام سے لیا ہے "وطعن النظام فی اخبار الصحابۃ والتابعین من اجل فتاویلھم بالاجتھاد" نظام نے اقوال صحابہ اور تابعین پر طعن کیا ہے۔ اس لیے کہ یہ ان کے اجتہادی فتوے ہیں۔ (ص ۱۴۷)

۹...... ان کا عقیدہ ہے کہ جس گڑھے میں میت کو دفن کیا جاتا ہے یہ قبر نہیں۔ نہ اس میں سوال وجواب نکیرین ہوتا ہے نہ عذاب وثواب۔ یہ عقیدہ قرآن حکیم کی کم از کم ۱۰ آیات اور حدیث کے دفتر کے دفتر کی تکذیب ہے۔

۱۰...... ان کا عقیدہ ہے کہ بدن انسانی کو قبر میں عذاب وثواب نہیں ہوتا کیوں کہ یہ بدن انسان ہی نہیں ہاں روح کو عذاب وثواب ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ معتزلہ کا ہے یا کفار ہند کا ہے۔

۱۱...... ان کے نزدیک کشف شرک ہے۔ خواہ کشف انبیاء ہو یا اولیاء۔
۱۲...... ان کے نزدیک محمد بن عبدالوہاب معیارِ حق ہے جو شخص اس سے اختلاف کرے وہ باطل ہے اسی وجہ سے یہ لوگ علامہ شامی کی مذمت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ کیوں وضاحت کی کہ "شیخ الاسلام" کے عقائد وہی ہیں جو خوارج کے ہیں۔
۱۳...... ان کا عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم، اولیاء اللہ اور صلحائے امت طاغوت ہیں۔ (معاذ اللہ) اسی طرح ملائکہ بھی طاغوت ہیں جیسا کہ جواہر القرآن اور اقامۃ البرہان میں بیان کیا گیا ہے۔ ہاں اقامۃ البرہان میں یہ فرق بیان ہوا ہے کہ طاغوت دو قسم ہیں ایک وہ جس میں مادہ طغیان ہو یعنی گمراہی کی دعوت دے۔ دوم وہ جس میں مادہ طغیان نہیں ہوتا جیسا انبیاء، اولیاء اور ملائکہ۔ (اقامۃ البرہان اور بلغۃ ص ۴۳)

اجزائے اصلیہ انسان

نیلوی صاحب نے بتایا ہے کہ جسم کے اجزاء دو قسم کے ہیں۔ ایک اصلی دوسرے زائد۔ پھر یہ فرمایا کہ نسمہ انسان کا جز و اصلی ہے۔ مگر اس پر دلیل کوئی نہیں پیش کی۔ پہلی بات تو درست ہے کہ جسم کے اجزاء دو ہیں۔ مگر اس کی تفصیل جو ادھوری بیان کی وہ بھی غلط ہے۔ اس امر کی وضاحت درکار ہے کہ جز و اصلی کون ہے ان کا مادہ کیا ہے اور زائد کون سا ہے۔ وہ کس مادہ سے پیدا ہوئے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم رہنمائی کرتا ہے۔ "ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ" (المومنون: ۱۲تا۱۴)

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا، پھر انسانی پیدائش نطفہ سے ہوئی۔ جو اجزائے انسانی غذا سے پیدا ہوئے وہ اجزائے زائد ہیں۔

نیز اس شرح شرح عقائد میں اس کی تفصیل یوں دی گئی ہے:

"اعلم أن لکل بدن الاجزاء الاصلیۃ والفضلیۃ والمراد بالاصلیۃ ما یکون لکل بدن قبل الاکل والشرب والفضلیۃ ما حصلت بالغذاء قال بعضھم الاجزاء الاصلیۃ التی حصلت من نطفۃ الابوین وقال شارح الحاجبیہ اعلم ان المراد بالاعادۃ البدنیۃ انما ھو الاجزاء الاصلیۃ التی ھی حاصلۃ وباقیۃ من اوّل العمر الی آخرہ والی تلک الاجزاء الاصلیۃ الاشارۃ بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم کل ابن آدم یفنی الا عجب الذنب منہ خلق ومنہ یرکب" (ص ۳۲۳)

خوب سمجھ لو کہ ہر بدن کے اجزاء اصلی اور زائد ہوتے ہیں اصلی سے مراد وہ اجزاء ہیں جو کھانے پینے سے پہلے ہوں اور زائد وہ ہیں جو غذا سے حاصل ہوں۔ بعض کہتے ہیں اجزائے اصلی وہ ہیں جو ماں باپ کے نطفہ سے حاصل ہوں۔ شارح حاجبیہ کہتے ہیں کہ اعادہ بدن سے مراد اجزائے اصلی کا اعادہ ہے۔ جو اول سے آخر تک باقی رہتے ہیں اور حدیث رسول کا اشارہ انہی اجزائے اصلی کی طرف ہے۔ آپ نے فرمایا انسان کا سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے سوائے عجب الذنب کے۔ اسی سے پیدا کیا گیا اور اسی سے اس کی ترکیب ہوگی۔

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ جز و اصلی وہ ہے جو اکل و شرب سے پہلے وجود میں آئی اور ماں باپ کے نطفہ سے وجود میں آئی اور حدیث کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ جز و اصل عجب الذنب ہے۔ نیلوی صاحب نے صرف "علم" کے زور سے نسمہ کو جز و اصلی قرار دیا ہے۔ دلیل کوئی نہیں پیش کی۔

شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں: ”والحق ان الجوھر التی منها تالیف البدن تنعدم کلها الا بعضا منها منصوصا علیه فی الحدیث الصحیح وھو عجب الذنب فیما رواہ البخاری والمسلم واحمد وابن حبان“ حقیقت یہ ہے کہ وہ جوہر جس سے بدن تیار ہوتا ہے وہ سارا معدوم ہو جاتا ہے سوائے اس حصہ کے جس کا ذکر حدیث صحیح میں موجود ہے اور وہ عجب الذنب ہے۔ (مسامرہ ص ۲۱۹)

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ”یبلی کل شئی من الانسان الاعجب الذنب اخذ بظاھرہ الجمھور فقالو لا یبلی عجب الذنب ولا یاکله التراب“ عجب الذنب کے بغیر انسان کے تمام اجزاء بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔ جمہور نے اس کے ظاہر سے اخذ کیا اور کہا عجب الذنب بوسیدہ نہیں ہوتی ہے اور نہ اسے مٹی کھاتی ہے۔
(بخاری مع فتح الباری ج ۸ ص ۳۹۱)

اور حضرت انور شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”ویبلی کل شئی من الانسان الاعجب الذنبه دل علی ان بنیة الانسان ھی عجب الذنبه اعنی بها بنیة کبنیة البیت فان البیت اوّل ما ترفع منه بنیة ثم ترفع العمارۃ منها فانحل ما بحث فی علم الکلام فی تحقیق ماذا یکون منه الاعادۃ فی المحشر۔“ عجب الذنب کے بغیر انسان کے ہر جز کا بوسیدہ ہو جانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کی بنیت عجب الذنب ہے یعنی یہ بدن انسانی کی بنیاد ہے جیسے مکان کی بنیاد ہوتی ہے۔ کیوں کہ مکان کی بنیاد پہلے اٹھائی جاتی ہے پھر اس پر عمارت کھڑی کی جاتی ہے اور علم الکلام میں اس بات میں جو بحث کی گئی ہے کہ محشر میں اعادہ کس کی طرف ہوگا۔ وہ مسئلہ حل ہو گیا۔

”ودل علیه الحدیث انه عجب الذنب فی الانسان ولذا یبلی منه کل شئی الا ھذا“ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حصہ انسان میں عجب الذنب ہے۔ اس لئے اس عجب الذنب کے علاوہ ہر چیز بوسیدہ ہو جاتی ہے۔ (فیض الباری ج ۴ ص ۲۳۵)

اور موطا امام مالک کی شرح زرقانی میں ہے: ”عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ قال کل ابن آدم تاکله الارض الاعجب الذنب منه خلق ومنه یرکب“ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عجب الذنب کے بغیر انسان کے تمام اجزاء کو مٹی کھا جاتی ہے۔ اسی سے اس کی پیدائش ہوئی اسی سے اس کی ترکیب ہوگی۔

حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ”فانه قاعدۃ البدن کقاعدۃ الجدار فلا تاکله الارض لانه من خلق ای ابتداء خلقه ومنه یرکب خلقه عند قیام الساعة“ وہ بدن کی بنیاد ہے جیسے دیوار کی بنیاد ہوتی ہے تو اسے مٹی نہیں کھاتی۔ کیوں کہ وہ اسی سے پیدا کیا گیا اس کی پیدائش کی ابتداء اس سے ہوئی اور قیامت کے دن اس کے جسم کی ترکیب بھی اسی سے ہوگی۔ (موطا مع شرح زرقانی ج ۲ ص ۸۴)

اور شرح عقیدہ سفارینی میں ہے: ”ولیس من الانسان شئی الایبلی الاعظم واحد وھو عجب الذنب منه یرکب الخلق یوم القیامة قالوا ای عظم ھو یا رسول اللہ قال عجب الذنب رواہ مالک وابوداؤد والنسائی باختصار قال کل ابن آدم تاکل الارض الاعجب الذنب منه خلق ومنه یرکب وقد روی الامام احمد وابن حبان فی صحیحه من حدیث ابی سعید قال قال رسول اللہ یاکل التراب کل شئی من الانسان الا عجب الذنب قیل ماھو یارسول اللہ قال مثل حبة خردل منه تنبتون“ (عقیدہ السفارینی مع شرح ج ۱ ص ۱۶۵)

ایک ہڈی کے بغیر انسان کے تمام اعضاء بوسیدہ ہو جاتے۔ اس ہڈی کا نام عجب الذنب ہے۔ قیامت کے دن اسی ہڈی سے جسم کی ترکیب ہوگی۔ پوچھا یا رسول اللہ وہ کون سی ہڈی ہے فرمایا۔ عجب الذنب۔ مالک، ابوداؤد اور نسائی نے یہ روایت کی ہے کہا ہے کہ انسان کے تمام اجزاء کو مٹی کھا جاتی ہے۔ سوائے عجب الذنب کے اسی سے پیدا کیا گیا اسی سے مرکب ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عجب الذنب کے بغیر انسان کے تمام اعضاء کو مٹی کھا جاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ وہ کیا ہے فرمایا کہ رائی کے دانے کے برابر ہے۔ اسی سے تمہاری پیدائش ہوتی ہے۔

احادیث رسول، شارحین حدیث، علماء متکلمین اور فقہائے کرام کے اقوال سے یہ امر واضح ہو گیا کہ انسان کے اجزائے اصلیہ وہ ہیں جن سے انسان کی ابتداء ہوئی۔ ان میں سے عجب الذنب وہ ہڈی ہے جسے نہ مٹی کھاتی ہے نہ آگ جلا سکتی ہے۔ اسی سے انسان کی ابتداء ہوئی۔ برزخ میں اسی عجب الذنب سے انسان کی ترکیب ہوگی۔ اس حقیقت کا انکار دراصل حدیث رسول کا انکار ہے اور نیلوی صاحب نے اس انکار کی جرأت کر ہی ڈالی اور اپنے ذہن سے ایک بات پیدا کر دی کہ نسمہ جزو اصلی ہے اور اس ایجاد بندہ کے لئے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا تو کیا کوئی مسلمان یہ جرأت کر سکتا ہے کہ حدیث رسول کو پس پشت ڈال کر نیلوی صاحب کا مخترعہ قول قبول کر لے۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ مسلمان کہلانے والے بلکہ اسلام کے ٹھیکیدار صرف اسے قبول کرنے کی جرأت نہیں بلکہ اس باطل عقیدہ کی تبلیغ بھی کر رہے ہیں اور اسے تسلیم نہ کرنے والوں کو مشرک بھی قرار دیتے ہیں: چنیں دور آسمان کم دیدہ باشد!

نیلوی صاحب کے لئے ایک صورت اختیار کر لینے کی گنجائش موجود ہے کہ وہ اعلان کر دیں کہ یہی عجب الذنب تو ہمارے نزدیک نسمہ ہے۔ ندائے حق میں یہ تفصیل کر دینا لغزش قلم کی وجہ سے رہ گیا۔ مگر نیلوی صاحب نے ایسا جال خود بنا ہے جس میں سے نکل نہیں سکتے۔ اگر یہ بات کہہ بھی دیں تو اپنے اس قول کی تاویل کیا کریں گے کہ نسمہ عاقل بالغ مرد عورت وغیرہ ہے۔ کیا عجب الذنب میں یہ اوصاف ثابت کر سکیں گے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سماع سے انکار کی حقیقت

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سماع سے انکار کی حقیقت ملاحظہ ہو: (مشکوٰۃ ص ۳۴۵) "فجعل ینادیھم باسمائھم واسماء آبائھم یا فلان بن فلان ویا فلان بن فلان ایسر کم انکم اطعتم اللہ ورسولہ فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقال عمر یا رسول اللہ ما تکلم من اجساد لا ارواح لھا فقال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم" پھر حضور ﷺ نے مقتولین بدر کے نام اور ان کے باپوں کے نام سے پکارنا شروع کیا اور فرمایا کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم خدا اور رسول کی اطاعت کرتے تو ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اسے ہم نے سچ پایا۔ کیا تم نے بھی اس وعدہ کو سچ پایا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ حضور ﷺ! آپ بے جان لاشوں سے گفتگو فرما رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۴) "فی روایت حمید عن انس فنادی یا عتبۃ بن ربیعۃ ویا شیبۃ بن ربیعۃ ویا امیۃ بن خلف ویا ابا جھل بن ھشام اخرجہ ابن اسحاق واحمد وغیرھما وکذا وقع عند احمد ومسلم من طریق ثابت عن انس فسمی الاربعۃ لیکن قدم واخر وسیاقہ اتم قال فی اولہ ترکھم ثلاثۃ ایاما حتی جیفوا فذکرہ

وفیہ من الزیادۃ فسمع عمر صوتہ فقال یا رسول اللہ اتنادیھم بعد ثلاث وھل یسمعون ویقول تعالٰی انک لاتسمع الموتٰی فقال والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم ولکن لا یستطیعون ان یجیبوا"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے آواز دی اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! اے امیہ بن خلف! اور اے ابوجہل بن ہشام! اس روایت کو ابن اسحاق اور احمد وغیرہ نے اخراج کیا اور طریق ثابت سے احمد اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ انس سے چاروں نام گنائے اور اس کا سیاق اتم ہے۔ حدیث کے شروع میں فرمایا کہ تین دن کے بعد خطاب کیا۔ جب ان کے جسم بوسیدہ ہو گئے تھے اور اس میں یہ زائد ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی آواز سنی تو عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ تین روز کے بعد ان سے مخاطب ہو رہے ہیں کیا وہ سنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا تو حضور ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (یعنی وہ جواب جسے تم سن سکو)

اس حدیث سے یہ گروہ استدلال کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سماع موتٰی کے قائل نہ تھے۔ مگر یہ استدلال الٹا ہے۔

۱...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انک لاتسمع الموتٰی کے تحت اظہار تعجب کیا۔

۲...... حضور اکرم ﷺ نے بتید حلف بیان فرمایا کہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کہا۔ حدیث میں یہ نہیں ملتا تو سوچنے کی بات ہے کہ حضور ﷺ کے اس حلفیہ بیان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رویہ کیا ہونا چاہئے۔

الف: کیا یہ کہ میں قرآن کو حضور ﷺ سے بھی زیادہ سمجھتا ہوں اس لئے میرا کہنا ٹھیک ہے؟

ب: یا یہ کہ قرآن لانے والا مجھ سے زیادہ قرآن کو سمجھتا ہے۔ اس لئے اپنی غلط فہمی کے احساس کے بعد اس پر اڑے رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اگر پہلا ردعمل صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ ثابت تو ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سماع موتٰی کے قائل نہیں تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان کا ثبوت کہیں سے تلاش کرنا پڑے گا۔

اگر دوسرا ردعمل تسلیم کیا جائے تو ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سچے مومن تھے۔ جب کسی بات میں شک ہوتا اور حضور ﷺ اس غلط فہمی کو دور کر دیتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سچے مومن کی طرح حضور ﷺ کی بات کو حرف آخر سمجھتے تھے۔ مگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میت کے سننے کے متعلق جو حیرت تھی وہ ختم ہو گئی اور یقین کامل ہو گیا کہ واقعی وہ ہم سے بہتر سنتے ہیں۔

"جدید محققین" نے پہلا ردعمل تسلیم کیا ہے۔ انہیں یہ سمجھنا مبارک مگر اس سے ایک اور نتیجہ بھی نکلتا ہے اس پر بھی غور فرمالیں کہ: آیت "انک لاتسمع الموتٰی" مکہ میں نازل ہوئی اور غزوہ بدر ۲ھ میں ہوا۔ اتنی طویل مدت میں رسول خدا ﷺ کو اس آیت کا صحیح مفہوم معلوم نہ ہو سکا اور کفار بدر کو پکارنا شروع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سمجھانے پر حضور ﷺ کو اتنی مدت کے بعد قرآن کی ایک آیت کا مطلب معلوم ہوا۔ (معاذ اللہ) یا اگر معلوم تھا تو عمداً قرآن کے خلاف مردوں کو پکارنا شروع کیا۔ (معاذ اللہ) کیا اس کا تصور کوئی مومن کر سکتا ہے؟

یہ ہے "جدید محققین" کے نزدیک نبوت اور رسالت کا مقام اور یہ ہے ان کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے متعلق عقیدہ۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ ایک مسلمان اپنے مزعومہ عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے ایسی حرکت کرے جس

سے مقام نبوت اور رسالت کی توہین لازم آتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور سماع موتی

حضور اکرم ﷺ نے مقتولین بدر کو جو خطاب فرمایا تھا اس سلسلے میں یہ پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے انکار کیا تھا۔ کیوں کہ وہ بھی آیت انک لا تسمع الموتیٰ کا مفہوم وہی سمجھتی تھیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے وجہ حیرانگی بنا تھا۔

اس موقعہ پر پھر وہی صورت قابل غور ہے کہ آیت انک لا تسمع الموتیٰ کی ایک تفسیر وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ جانتے تھے۔ دوسری تفسیر وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھی تھیں۔ حضور ﷺ نے اس مفہوم کے ذہن میں ہوتے ہوئے مقتولین بدر کو خطاب کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کے معنی وہ نہیں جو اوّل نظر میں لوگ سمجھ بیٹھے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سمجھے اور قرآن کی کسی آیت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لئے معیار فہم رسول ہوگا۔ قول رسول کے مقابلے میں کوئی قول حجت نہ ہوگا۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ کے فرمان اور آپ ﷺ کے فعل کے مقابلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول حجت نہیں ہوگا۔

۲...... اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اجتہادی غلطی کی بناء پر اس موقع پر عقیدہ عدم سماع موتی ہی رکھتی تھیں تو بعد کی روایات سے ان کا رجوع ثابت ہے۔ جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے۔

اور (فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۵) ''وفی المغازی لابن اسحاق روایت یونس بن بکیر باسناد جید عن عائشۃ مثل حدیث ابی طلحہ وفیہ ما انتم باسمع لما اقول منھم واخرجہ احمد باسناد حسن فان کان محفوظا فکانھا رجعت عن الانکار لما ثبت عندھا من روایت ھولاء الصحابۃ لکونھا لم تشھد للقصۃ''
مغازی ابن اسحاق میں یونس بن بکیر کی روایت باسناد جید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مثل حدیث ابوطلحہ رضی اللہ عنہ موجود ہے اور اس میں ہے کہ جو کچھ میں انہیں کہہ رہا ہوں تم ان سے بہتر نہیں سنتے۔ اسے امام احمد نے باسناد حسن اخراج کیا۔ اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار سماع سے رجوع کر لیا۔ جب انہیں ان کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے ثابت ہو گیا۔ کیوں کہ وہ خود تو اصل واقعہ میں حاضر نہ تھیں۔

اگر کوئی بزرگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع تسلیم نہ کریں اور اسی پر مصر ہوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ کے لئے اسی عقیدہ پر قائم رہیں تو پھر یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ایک طرف متواتر احادیث اور اجماع صحابہ ہے، دوسری طرف صرف عائشہ رضی اللہ عنہا، کون سا پہلو راجح ہوگا اور کون سا مرجوح؟ چنانچہ سلف کی رائے یہ ہے۔

الف: (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲) ''وھذا مصیر من عائشۃ الی رد روایت ابن عمر المذکورۃ وقد خالفھا الجمھور فی ذالک وقبلوا حدیث ابن عمر لموافقۃ من رواہ غیرہ علیہ'' اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رد کرنا ہے اور اس بارے میں جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ام المؤمنین کی مخالفت کی اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو قبول کیا کیوں کہ وہ دوسری روایات کے موافق ہے۔

(ب) مولانا عبدالحئی لکھنوی حاشیہ وقایہ (ج ۲ ص ۲۵۴) ''وما رد عائشۃ بعض تلک الاحادیث فلم یعتد بہ جمھور الصحابۃ ومن بعدھم'' بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایسی بعض احادیث کے رد کرنے کا معاملہ

ایسا ہے کہ جمہور صحابہ اور تابعین نے اسے غیر معتبر قرار دیا۔

(ج) (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸) "والصحيح عند العلماء رواية عبدالله بن عمر لمالها من الشواهد على صحتها من وجوه كثيرة ومن اشهر ذالك ما رواه بن عبدالبر مصححاله من ابن عباس مرفوعا" اور علماء کے نزدیک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح ہے۔ کیوں کہ کثیر وجوہ سے اس کی صحت کے شواہد موجود ہیں۔ اس سے بھی زیادہ مشہور وہ روایت ہے جو ابن عبدالبر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کی اور اسے صحیح کہا۔

اس حدیث پر ابن رجب کی جرح مبہم ہے جو قابل حجت نہیں۔ حدیث کی صحت اور تعدیل بھی موجود ہے۔ اس لئے درجہ حسن سے نہیں گر سکتی اور سماع موتیٰ کی احادیث متواتر ہیں۔

(د) (کتاب الروح ص ۴) "والسلف مجموعون على هذا وقد تواترت الآثار عنهم بان الميت يعرف بزيارة الحي له ويستبشر به" سلف صالحین امت کا اس (سماع موتیٰ) پر اجماع ہے۔ ان سے متواتر روایات آ چکی ہیں کہ میت زندہ زائر کو پہچانتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔

(ر) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول بہر حال ان کا اجتہاد ہے۔ قول رسول کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اجتہاد سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

"قال الاسماعيل كان عند عائشة من الفهم والذكاء وكثرة الرواية والغوص على غوامض العلم ما لا يزيد عليه لاكن لا سبيل الى رد رواية الثقة الابنص مثله يدل على نسخه او تخصيصه او استحالته" محدث اسمٰعیل کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی ذہین تھیں۔ کثرت سے روایتیں بھی ان سے آئی ہیں۔ علمی مسائل پر غور و فکر میں سب سے بڑھ کر تھیں لیکن ثقہ راویوں سے جو روایت موجود ہو اس کا رد تو نص سے ہی ہو سکتا ہے جو اسی پائے کی ہو اور جو پہلی روایت کے نسخ یا تخصیص یا محال ہونے پر دلالت کرے۔

(فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۷) "ومن المروزى قلت لاحمد انهم يقولون ان عائشة قالت من زعم ان محمدا رأى ربه فقد اعظم على الله فباى شئى يدفع قولها قال بقول النبى ﷺ رايت ربى قول النبى ﷺ اكبر من قولها" امام مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ پس کس چیز سے ام المؤمنین کا قول رد کیا جائے گا تو امام صاحب نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے قول سے تو حضور ﷺ کا قول کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے بہت بڑا ہے۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا قول کہ قول عائشہ رضی اللہ عنہا کو قول رسول ﷺ رد کر سکتا ہے۔ مگر قول رسول ﷺ کو قول عائشہ رضی اللہ عنہا نہیں رد کر سکتا۔

پہلا زریں اصول

فتح الملہم میں ایک اصول بیان ہوا ہے کہ: "واذا جمع الناس على امر وخالفهم واحد والثان لم يلتفت الى قوله ولم يصدق دعواه" جب تمام علماء ایک دینی حکم پر جمع ہو جائیں اور ایک یا دو آدمی مخالفت کریں تو ان کے اختلاف کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے گی اور نہ ان کے دعویٰ کی تصدیق کی جائے گی۔ (ج ۱ ص ۷۴)

یہ وہ اصول ہے جسے غیر شعوری طور پر "جدید محققین" حضرات تسلیم کر چکے ہیں۔ (شفاء الصدور ص ۹۰)

دوسرا زریں اصول

"و الثانی ان الصحابۃ اذا قال قولاً خالفہ غیرہ لم یکن ذالک القول حجۃ" ثانی یہ کہ صحابہ جب کوئی بات کہیں اور کوئی ایک ان کی مخالفت کرے تو یہ قول حجت نہ ہوگا۔ (ایضاً ص ۵)

تیسرا زریں اصول

"ھتف الھاتف و فعل الاعرابی و قول الصحابی المخالف لجماھیر الصحابۃ و کذا فعلہ و قول احد من الناس غیر النبی و کذا فعلہ الی ان قال لیس واحد منھا بحجۃ" ہاتف کی آواز، اعرابی کا فعل اور صحابی کا قول جو جمہور صحابہ کے خلاف ہو اور اسی طرح صحابہ کا فعل، اسی طرح نبی ﷺ کے بغیر کسی کا قول، اسی طرح اس کا فعل کوئی بھی حجت نہ ہوگا۔

منصفانہ مشورہ

جس قانون کو آدمی خود تسلیم کرے بلکہ تسلیم کرائے اسی قانون کے مطابق اپنے من گھڑت عقیدے پر زد پڑے تو مکر جائے۔ یہ صورت تو موزوں نہیں کہ لینے کے باٹ اور دینے کے باٹ اور۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مقابل جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم سماع موتی کے قائل رہے تو جمہور کا اجماعی عقیدہ رد کرتے ہوئے اس قانون کا خیال نہ آیا۔

جدید معتزلہ کی ایک نئی راہ

ہاں ان حضرات نے ایک اور راہ نکالی جو (شفاء الصدور ص ۷۰) پر بیان فرمائی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر صحابہ کا اجماع سکوتی قرار دیا۔

یہ دعویٰ غالباً اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کیا گیا ہے۔ حضرت کسی صاحب علم کا قول پیش کریں کہ صحابہ کا اجماع سکوتی ہوا۔ کیا سکوت اسی کو کہتے ہیں کہ صحابہ ایک دو نہیں کئی حضرات سماع موتی کی روایات بیان کر رہے ہیں اور جمہور صحابہ ان روایات کو سن رہے ہیں اور قبول کر رہے ہیں اور اجماع سکوتی ہو جاتا ہے عدم سماع موتی پر۔ یہ عجیب منطق ہے تو عدم سماع پر اجماع سکوتی کا کوئی نشان نہیں ملتا بلکہ سماع موتی کے حق میں۔

اقوال کا خلاصہ

۱...... حضور اکرم ﷺ کی متواتر احادیث موجود ہیں۔ اگر کوئی حدیث متکلم فیہ یا ضعیف بھی ہو تو تواتر معنوی تک پہنچنے سے جرح و تعدیل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور پھر اس تواتر سے اجماع بھی مل گیا تو اشکال باقی نہیں رہتا۔

۲...... جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے خلاف تھے۔

۳...... سماع موتی پر سلف کا اجماع تھا اور اجماع خود ایک مستقل قطعی دلیل ہے۔

۴...... اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ام المومنین کے ادب کی وجہ سے ان کے سامنے خاموش ہو جائیں تو کیا اس کو اجماع سکوتی کہا جائے گا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایک اور سوال کا سہارا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایک اور سوال کا سہارا لینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ "انھم یسمعون ما اقول انما قال انھم الآن لیعلمون ان ما کنت اقول لھم حق" حضور ﷺ کا یہ قول کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کہ وہ سنتے ہیں یہ معنی رکھتا ہے کہ اب وہ جان گئے ہیں کہ جو کچھ میں انہیں کہتا تھا وہ حق تھا۔

اس پر (شفاء السقام ص ۲۰۳) پر بیان ہوا ہے "و اما عائشۃ اعترفت بالعلم و قالت انما قال انھم الآن لیعلمون ان ما کنت اقول لھم حق و اذا جاز العلم جاز السماع لانھما جمیعا مشروطان بالحیاۃ" رہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ تو انہوں نے میت کے علم کا اعتراف کیا اور کہا...... وہ اب جانتے ہیں کہ جو کچھ میں انہیں کہتا تھا حق ہے اور جب علم جائز ہوا تو سماع بھی جائز ہوا۔ کیوں کہ دونوں کے لئے حیات شرط ہے۔

حصول علم موقوف ہے سماع اور بصر وغیرہ پر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے علم ثابت ہوا تو سماع بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔

علامہ ابو القاسم سہیلی کا استدلال

علامہ ابوالقاسم سہیلی نے (روض الانف ج ۲ ص ۷۴) پر فرمایا: "فقال رسول اللہ ﷺ ما انتم باسمع لما اقول منھم و اذا جاز ان یکونوا فی تلک الحال عالمین جاز ان یکونوا سامعین" فرمایا حضور ﷺ نے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے اور جب یہ جائز ہوا کہ مقتولین بدر کو اس وقت علم تھا تو یہ بھی جائز ہوا کہ وہ سن رہے تھے۔

غرض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے تو سماع ہی نہیں علم بھی ثابت ہوا حیات بھی ثابت ہوئی۔

عقیدہ سماع موتی سے مفر کی ایک اور صورت و چالاکی

عقیدہ سماع موتی سے مفر کی ایک اور صورت اختیار کی گئی ہے: (اقوال مرضیہ ص ۸۸) کہ مقتولین بدر کو خطاب خاص وقت کا معجزہ تھا۔

الجواب: (۱) صحابہ کو اتنی تمیز تھی کہ معجزہ اور غیر معجزہ میں فرق معلوم کر لیتے۔ اگر یہ معجزہ ہوتا تو اس واقعہ کے متعلق نہ بحثیں ہوتیں نہ آیت "انک لاتسمع الموتیٰ" کی تاویلیں کی جاتیں۔

۲...... کیا سماع موتی کے متعلق صرف یہی ایک حدیث ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو چلو ایک خاص وقت کے لئے معجزہ تسلیم کرنے میں معقولیت بھی ہوتی۔ لیکن سماع موتی کے متعلق متواتر اور صحیح حدیثیں بیسیوں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے۔

۳...... اگر اسے معجزہ تسلیم کیا جائے تو فرمائیں کہ معجزہ کس نے طلب کیا تھا؟ قریش مکہ نے جو بھاگ گئے تھے یا مسلمانوں نے جو موجود تھے؟ اس کا جواب بحوالہ کتاب فرمائیں۔

۴...... اگر یہ معجزہ تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیوں کیا اور اختلاف کیوں کیا؟

۵...... اگر یہ معجزہ تھا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اظہار حیرت کے جواب میں حضور ﷺ فرما دیتے کہ آیت کا مطلب تو وہی ہے لیکن یہ کام میں بطور معجزہ کر رہا ہوں۔ لیکن حضور ﷺ نے تو "ما انتم باسمع لما اقول منھم" فرما دیا۔ معجزہ تو اس وقت دکھایا جاتا ہے جب کفار کی طرف سے مسلسل انکار ہو۔ نبوت کے ثبوت کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور معجزہ بطور سند ثبوت

پیش ہوتا ہے۔ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کفار موجود ہیں نبی کی نبوت پر ایمان لائیں اور عذاب سے بچ جائیں۔ مقتولین بدر کے خطاب میں ان باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں پائی جاتی۔ نہ کسی نے مطالبہ کیا نہ کفار مخاطبین اس حالت میں تھے کہ حضور ﷺ کا خطاب سن کر ایمان لا سکیں اور عذاب سے بچ سکیں۔ پھر اس کو معجزہ قرار دینا کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔

(مرقاۃ ج ۸ ص ۱۱) "وتارة بان تلک خصوصیة له ﷺ معجزة وزیادة حسرة علی الکافرین القول وهذا قول قتادة الاتی ویرده ان الاختصاص لا یصح الا بدلیل فهو مفقود هنا بل السوال والجواب ینافیانه۔ قال المازری اخذ الاختصاص من هذا القول وهو خلاف قول الجمهور" منکرین سماع بھی یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ معجزہ کے طور پر حضور ﷺ کی خصوصیت تھی اور کافروں کے لئے حسرت کی زیادتی کا سبب میں کہتا ہوں اور یہ قتادہ کا قول ہے اور وہ اس کی تردید کرتا ہے۔ یہ تخصیص صحیح نہیں بغیر دلیل کے اور دلیل یہاں موجود نہیں۔ بلکہ آپس میں سوال وجواب معجزہ ہونے کے منافی ہیں۔ علامہ مازری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس قول سے اختصاص کا مفہوم لینا جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول کے مخالف ہے۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو معجزہ پر محمول نہیں کیا۔

آداب زیارت القبور

"جدید محققین" نے سماع موتی کے مسئلہ کی نئی تحقیق کے تحت زیارت قبور کے آداب بھی مقرر فرمائے ہیں بالخصوص نبی اکرم ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کے وہ آداب سکھائے ہیں کہ حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم "کمال درجے کی" ظاہر ہوتی ہے۔

(شفاء الصدور ص ۱۰۰) "ولقد السلف الصالح التوحید واحموا جانبه حتی کان احدهم اذا سلم النبی ﷺ ثم اراد الدعا استقبل القبلة وجعل ظهره الی جدار القبر ثم دعا وقال سلمه بن وردان وان رأیت انس بن مالک یسلم علی النبی ﷺ ثم یسند ظهره الی جدار القبر ثم یدعو ونص علی ذالک الائمة الاربعة الی ان قال فقول ابن الهمام مردود لیس کما ینبغی فافهم" سلف اہل توحید اور ان کے حامی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص نبی ﷺ کو سلام کہے پھر دعا کا ارادہ کرے تو قبلہ کی طرف منہ کر لے اور اپنی پیٹھ حضور ﷺ کی قبر کی طرف کر لے۔ پھر دعا کرے اور سلمہ بن وردان کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ نبی ﷺ کو سلام کر کے قبر کی دیوار کے ساتھ پیٹھ کر کے ٹیک لگا کر دعا کرتے تھے اور ائمہ اربعہ نے اسے نص قرار دیا ہے۔ اس لئے ابن الہمام کا قول کہ یہ "مردود" ہے۔ نامناسب ہے۔ خوب سمجھ لو۔

مذکورہ عبارت میں زبان کی غلطیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے نفس مضمون کی طرف توجہ فرمائیے۔

نبی اکرم ﷺ کی تعظیم وتکریم اور آپ سے عقیدت کے اظہار کا طریقہ یہ ہے کہ قبر مبارک کی طرف پیٹھ کر لے۔ گویا کمال توحید نام ہے توہین رسول کا۔ کیا کہنا اس توحید کا۔

سلف صالحین کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا طریقہ

سلف صالحین کے ہاں زیارت قبر النبی ﷺ کا طریقہ وآداب ملاحظہ ہوں۔

(مرقاۃ ج ۴ ص ۱۱۵) "واعلم ان زیارة المیت کزیارة فی حال حیاته یستقبله فی وجهه فان کان فی الحیاة اذا زاره یجلس منه علی القرب فی حیاته کذالک یجلس بقربه اذا زاره وان کان یجلس منه علی

البعد لکونہ عظیم القدر فکذالک فی زیارۃ یقف او یجلس علی البعد منہ" خوب سمجھ لو کہ میت کی زیارت کا طریقہ وہی ہے جیسے زندگی میں اس کی ملاقات کی جاتی ہے کہ منہ اس کی طرف کرے جیسے زندگی میں ہوتا ہے۔ زندگی میں اس کی مجلس میں قرب کے اعتبار سے جتنی فاصلے پر بیٹھا کرتا تھا اسی طرح زیارت قبر کے وقت بیٹھے۔ اگر زندگی میں اس کی عظمت کے اعتبار سے فاصلے پر بیٹھا کرتا تھا اسی طرح زیارت قبر کے وقت بیٹھے یا کھڑا ہو۔

صاحب نسیم الریاض کے نزدیک آداب زیارت قبر النبی ﷺ

"ان حرمتہ ﷺ میتا کحرمتہ حیا" حضور ﷺ کا احترام اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اسی طرح کرنا ضروری ہے جیسا حضور ﷺ کی اس دنیوی زندگی میں واجب تھا۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۷)

شفاء الصدور کی مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ اگر یہ توحیدی حضرات حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ہوتے تو حضور ﷺ کی مجلس میں حضور ﷺ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھتے ورنہ ان کی توحید کا آبگینہ پاش پاش ہو جاتا۔ نسیم الریاض کی اور مرقاۃ کی مذکورہ عبارتوں میں جو آداب سکھائے گئے ہیں وہ تو گویا توحید کے بالکل منافی ہوئے اور توحید کی خیریت اسی میں ہے کہ رسول کی طرف رخ بالکل نہ کیا جائے۔ واہ رے توحید! جس کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ رسول سے منہ موڑ لو جب تک رسول کی توہین نہ کر لو گے توحیدی نہیں بن سکتے۔ خیر اس بغض رسول پر مبنی توحید سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

سلمہ بن وردان کا مقام

جس روایت پر اس عقیدہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ذرا اس کے راوی سلمہ بن وردان کا مقام سن لیجئے: "قال ابو حاتم لیس بالقوی عامۃ ما عندہ عن انس منکر۔ وقال ابو داؤد ضعیف، وقال ابن معین لیس بشئی وقال احمد منکر الحدیث وقال معاویۃ بن صالح عن یحیی لیس حدیثہ بذالک وقال الحاکم روایاتہ عن انس اکثرھا مناکیر وصدق الحاکم" محدث ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں، حضرت انس سے جو کچھ وہ روایت کرتا ہے وہ منکر ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ ضعیف ہے اور محدث ابن معین کہتے ہیں کہ لیس بشئی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں منکر الحدیث ہے اور معاویہ بن صالح یحییٰ کہتے ہیں اس کی حدیث قابل سند نہیں اور حاکم کہتے ہیں کہ حضرت انس سے اس کی روایت اکثر منکر ہیں اور سچ کہا ہے حاکم نے۔ (میزان الاعتدال ترجمہ سلمہ بن وردان)

منکرین سماع پر اظہار تعجب

تعجب ہے کہ سماع موتی کی بحث چلے تو لوگ میزان الاعتدال سے سہارے تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔ مگر اپنی شہادت پیش کرتے وقت اپنے گواہ کے لئے میزان الاعتدال کو کھولنے کی توفیق نہ ہو۔ بہرحال اس بنیاد کو پہچان لینا چاہئے۔ حضرت انس ایسے توحیدی نہ تھے کہ توہین رسول کے بغیر ان کی توحید محفوظ نہ رہ سکتی ہو۔ ان کی مشہور روایت قاضی عیاض اور ملا علی قاری نے نقل کی ہے۔

حضرت انس ﷛ کی مشہور روایت قاضی عیاض اور ملا علی قاری کی زبانی

"قال بعضھم رأیت انس بن مالک اتی قبر النبی ﷺ فوقف ای بین یدیہ فرفع یدیہ" بعض نے کہا

کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ حضور ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آئے اس کے سامنے کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۷)

ائمہ اربعہ کا عقیدہ اور مذہب

اب ائمہ اربعہ کا عقیدہ اور مذہب ملاحظہ ہو: (نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۷) ''واستقبال وجهه ﷺ واستدبار القبلة مذهب الشافعي والجمهور ونقل عن ابي حنيفة وقال ابن الهمام ما نقل عن ابي حنيفة انه يستقبل القبلة مردود لما روى عن ابن عمران من السنة ان يستقبل القبر المكرم ويجعل ظهره للقبلة وهو الصحيح من مذهب ابي حنيفة وقول الكرمانى ان مذهبه بخلافه ليس بشئى لانه ﷺ حيى فى قبره يعلم بزائره ومن يأتيه فى حياته انما يتوجه اليه'' اور رسول اکرم ﷺ کی زیارت کے وقت منہ قبر مبارک کی طرف کرنا اور پیٹ قبلے کی طرف کرنا امام شافعی کا اور جمہور کا مذہب ہے اور امام اعظم سے بھی منقول ہے۔ ابن الہمام نے کہا جو امام صاحب سے منقول ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا اور قبر مبارک کی طرف پیٹھ کرنا مردود مذہب ہے۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ قبر مبارک کی طرف منہ کر کے قبلہ کی طرف پیٹھ کرے۔ امام صاحب کے مذہب میں یہی صحیح ہے۔ کرمانی کا قول کہ امام صاحب کا مذہب اس کے خلاف ہے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیوں کہ حضور ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں زائر کو جانتے ہیں اور جو شخص حضور ﷺ کی دنیوی زندگی میں حضور ﷺ کے پاس آتا حضور ﷺ کی طرف منہ کرتا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا صحیح مذہب یہی ہے کہ پشت قبلہ کی طرف ہو اور رخ قبر النبی ﷺ کی طرف ہو اور یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔

اور (طحطاوی مع مراقی الفلاح ص ۴۴۳) ''ثم تخفض متوجها الى القبر الشريف فتقف بمقدار اربعة اذرع بعيدا عن المقصورة الشريفة لبناية الادب مستدبر للقبلة قوله مستدبر القبلة اى كما هو السنة فى زيارة الاموات'' پھر قبر شریف کی طرف متوجہ ہو کر روضہ اطہر سے چار ہاتھ کے فاصلے پر کھڑا ہو نہایت ادب سے کھڑا ہو۔ قبلہ کی طرف پیٹھ کرے (مراقی الفلاح کا قول) مستدبر القبلہ یعنی جیسا کہ میت کی زیارت کا مسنون طریقہ ہے۔

امام اعظم کی طرف منسوب شدہ مذہب کی تحقیق

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف جس بناء پر یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ قبر کی طرف پشت کر کے سلام و دعا کرنے کے قائل تھے اس کی حقیقت بھی ملاحظہ فرمائیں: (شفاء السقام ص ۱۵۳) ''ذكره ابو الليث السمرقندى فى الفتاوى عطف على حكاية حكاها الحسن بن زياد عن ابى حنيفة فقال السروجى حنفى يقف عندنا مستقبل القبلة قال الكرمانى الخ'' ابواللیث سمرقندی نے اپنے فتاوٰی میں امام صاحب سے حسن بن زیاد کی ایک حکایت پر اعتماد کر کے ذکر کیا ہے اور السروجی حنفی نے کہا کہ زیارت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور کرمانی نے بھی یہی کہا۔

اس حکایت پر عقیدہ کا مدار رکھنے سے پہلے راوی کو دیکھئے حسن بن زیاد ہے جس کے متعلق خود صاحب (شفاء الصدور ص ۹۹) پر لکھ چکے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ کیا کہنا اس بنیاد کے استحکام کا جسے خود کذاب کہہ رہے ہیں بس اس کی حکایت پر امام صاحب کے مذہب کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ ابواللیث سمرقندی نے یہ حکایت کی اور کرمانی اور سروجی تو ان کے تابع ہیں۔

(المسلک المتقسط ص ۳۴۱) "ذکر بعض مشائخنا کابی اللیث ومن تبعه کالکرمانی والسروجی انه یقف الزائر مستقبل القبلة کذا رواه الحسن عن ابی حنیفة" ہمارے مشائخ میں سے بعض مثلاً ابوالليث سمرقندی اور ان کے اتباع کرمانی اور سروجی نے ذکر کیا کہ زائر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اس طرح حسن نے ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے۔

اس پر ملا علی قاری نے فرمایا: "قال ابن الهمام وما عن ابی اللیث من ان الزائر یقف مستقبل القبلة مردود بما روی ابو حنیفة عن ابن عمر انه قال من ان تأتی قبر رسول الله ﷺ فتستقبل القبر" ابن الہمام کہتے ہیں کہ ابوالليث کا قول کہ زائر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو مردود ہے۔ کیوں کہ امام صاحب نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے کہ اگر قبر رسول کی زیارت کو آئے تو قبر کی طرف منہ کرے یہ پوری روایت مسند امام اعظم میں یوں ہے۔

(مسند امام اعظم ص ۲۷) "عن نافع عن ابن عمر قال من السنة ان تاتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلة وتجعل ظهرک الی القبلة وتستقبل القبر لوجهک ثم تقول السلام علیک یا رسول الله ﷺ" نافع ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے تھے کہ سنت طریقہ یہ ہے قبر مبارک کی زیارت کے لئے کہ قبلہ کی طرف سے آئے اور اپنی پیٹھ قبر کی طرف اور منہ قبر مبارک کی طرف کرے پھر کہے السلام علیک یا رسول اللہ!

فتح القدیر میں ابوالليث کرمانی اور سروجی کی تردید موجود ہے۔

ابوالليث کرمانی اور سروجی کی تردید صاحب فتح القدیر کی زبانی

"روینا عن الامام ابن المبارک قال سمعت ابا حنیفة یقول قدم ابو ایوب السختیانی وانا بالمدینة فقلت انظرن ما یصنع فجعل ظهره مما یلی القبلة ووجهه مما یلی وجه رسول الله ﷺ فبکی غیر متباک فقام مقام الفقیه وفیه تنبیه علی ان هذا هو مختار الامام بعد ما کان متردداً" امام عبداللہ بن مبارک نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا وہ فرماتے تھے ابو ایوب سختیانی آئے اور میں مدینہ میں تھا۔ میں نے کہا آج میں ضرور دیکھوں گا کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے پیٹھ قبلہ کی طرف کی اور منہ حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کے مقابل کیا پھر سلام کہا اور بے اختیار رو دیئے اور بڑے فقیہ کی طرح قیام کیا۔ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس میں تنبیہ ہے کہ امام صاحب کا مذہب مختار یہی ہے۔ اس سے پہلے انہیں تردد تھا۔ (المسلک المتقسط ص ۳۴۱)

ملا علی القاری نے وضاحت فرما دی کہ اس سے پہلے حضرت امام متردد تھے مگر اس کے بعد تردد نہ رہا اور امام صاحب کا مذہب مختار وہی ہے جو امام صاحب سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب

باقی ائمہ کرام رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے: (نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۸) "فان مذهب مالک واحمد والشافعی استحباب استقبال القبر الشریف فی السلام والدعاء وهو مسطور فی کتبهم" امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہی ہے کہ مستحب یہ ہے کہ سلام اور دعا کے وقت منہ قبر شریف کی طرف کرے۔ یہی مذہب ان کی کتابوں میں مرقوم ہے۔

اور (شفاء السقام ص ۱۵۳) "بل مقتضی کلام اکثر العلماء من الشافعیة والمالکیة والحنابلة

الاستقبال عندالسلام والدعاء" اکثر شافعی، مالکی اور حنبلی علماء کے کلام کا اقتضاء یہ ہے کہ سلام اور دعا کے وقت قبر مبارک کی طرف منہ کیا جائے۔

اور (شفاء السقام ص ۱۵۹) "عن مالک بن انس الامام انه قال اذا اراد الرجل ان یأتی قبر النبی ﷺ فیستدبر القبلة ویستقبل النبی ﷺ" امام مالک نے فرمایا کہ جب آدمی حضور ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا ارادہ کرے تو پیٹھ قبلہ کی طرف کرے اور منہ قبر مبارک کی طرف کرے۔

ائمہ اربعہ کا مذہب مختار تو یہ ہے جو مندرجہ بالا حوالہ جات میں پیش کر دیا گیا۔ مگر صاحب شفاء الصدور کس وثوق سے فرما گئے ہیں ائمہ اربعہ کا مذہب یہ تھا کہ پشت قبر کی طرف ہو۔ جب صحابہ کرام ﷡ اور محدثین کا مذہب یہی تھا تو مجتہدین کرام بھلا کوئی نئی راہ نکال سکتے تھے۔ ملاحظہ ہو: (حاشیہ نسائی ج ۱ ص ۲۸۶) "وآداب الزیارة ان یقوم مستقبل القبر و مستدبر القبلة حذا الوجه" زیارت قبر کے آداب یہ ہیں کہ آدمی قبر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرے۔

اس مسئلہ میں اشعۃ اللمعات اور کتاب الاذکار سے تائید

واز جملہ آداب زیارت است کہ رو بجانب قبر و پشت بجانب قبلہ مقابل روئے میت باید و سلام دہد۔ زیارت قبور کے آداب میں سے ہے کہ آدمی قبر کی طرف منہ کرے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو اور سلام کہے۔

(کتاب الاذکار امام نووی ص ۱۸۴) "وقد قدمناه فی اول الکتاب فاذا صلی تحیة المسجد اتی القبر الکریم فاستقبله واستدبر القبلة" ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب تحیۃ المسجد پڑھ چکے تو قبر مکرم کے پاس آئے اس کی طرف منہ کرے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرے۔

قبر کی طرف پشت کرنا اور کعبہ کی طرف رخ کرنا ان حضرات کے نزدیک آداب زیارت قبر میں شامل ہے۔ اس کی وجہ کوئی نقلی دلیل تو ہے نہیں جیسا کہ واضح ہو چکا ہے۔ البتہ اس کی وجہ ان کا اپنا "جذبہ توحید" ہے۔ چنانچہ "تعلیم القرآن" میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مشابہ بالشرک ہے۔

یہ دعویٰ بھی ان کے دوسرے دعاوی کی طرح بلا دلیل ہے بلکہ خلاف حقیقت ہے۔ ایک مومن کا یقین کامل یہ ہونا چاہئے اور ہوتا ہے کہ توحید اور شرک کی حقیقت جس قدر حضور اکرم ﷺ کو معلوم تھی کسی اور شخص کو اس قدر معلوم ہونا ممکن ہی نہیں اور شرک سے اور شبہ شرک سے اجتناب جس قدر حضور اکرم ﷺ کرتے تھے بھلا اور کون کرے گا۔ اب حضور ﷺ کے عمل سے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ کیا قبر کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا شبہ شرک میں داخل ہے۔ اگر ایسا ہے تو:

قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا حضور ﷺ سے عملاً ثابت ہے

(مسلم ج ۱ ص ۳۱۳) پر ہے طولانی حدیث میں حضرت عائشہ ﷞ کی روایت کا متعلقہ حصہ "حتی جاء البقیع فقام فاطال القیام ثم رفع یدیه ثلاثة مرات" حتی کہ حضور ﷺ بقیع میں آئے دیر تک قیام فرمایا پھر تین بار دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

اور (نسائی ص ۲۸۶) پر یہی حدیث منقول ہے اور امام نووی نے اس کے متعلق فرمایا "فیه استحباب اطالة الدعاو تکریرہ ورفع الیدین فیه" مستحب یہ ہے کہ دعا لمبی کی جائے۔ مکرر کی جائے اور ہاتھ اٹھا کر کی جائے۔

حضرات غور فرمائیں کہ حضور اکرم ﷺ کے کسی فعل کو توحید مشابہ بالشرک قرار دے تو اس توحید کو کوئی صاحب ایمان کیونکر قبول کرے۔ کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ نبی جو توحید سکھانے آیا ہو وہ خود ایسا عمل کرے جو منافی توحید ہو۔

مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ نے (السعی المشکور ص ۴۵۸) میں فرمایا: ''الا تری ان النبی ﷺ لما خرج فی لیلۃ عائشۃ الی البقیع و اطال القیام ثم رفع یدیہ ثلاثۃ مرات'' کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضور ﷺ جس رات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے تو آپ جنت البقیع میں گئے طویل قیام کیا پھر تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

رہا یہ سوال کہ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ قبر کو قبلۂ دعا بنایا گیا ہے۔ حالاں کہ یہ سمجھنا غلط ہے۔ اس لئے کہ دعا کا قبلہ تو آسمان ہے نہ کعبہ ہے نہ قبر ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے (الاقتصاد فی الاعتقاد) میں فرمایا: ''فکذالک السماء قبلۃ الدعا کما ان البیت قبلۃ الصلوۃ'' جس طرح نماز کا قبلہ بیت اللہ ہے اسی طرح دعا کا قبلہ آسمان ہے۔

پھر فرمایا: ''ثم فی الاشارۃ بالدعاء الی السماء سر لطیف'' دعا میں آسمان کی طرف اشارہ کرنے میں لطیف راز ہے۔

حجۃ الاسلام کے اس قول سے ہٹ کر عقلی طور پر بھی سوچا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ خدا جانے وہ کون سے ایسے برگزیدہ اور مقدس لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حقیقت اپنے نبی سے مخفی رکھی اور وہ ان پر منکشف فرما دی۔

آخر میں المہند کی ایک عبارت پیش کی جاتی ہے تا کہ واضح ہو جائے کہ بعض لوگ جس طرح اہلسنت ہیں اسی طرح کے فقہی کتب فکر کے لحاظ سے دیوبندی بھی ہیں۔ سوال سادس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ: ''لکن المختار ان یستقبل وقت الزیارۃ مما یلی وجھہ الشریف ﷺ عندنا وعلیہ عندنا وعلیہ عملنا وعمل مشائخنا و ھکذا الحکم فی الدعاء'' لیکن مذہب مختار یہ ہے کہ زیارت کے وقت منہ قبر کی طرف ہو۔ ہمارے نزدیک یہی مذہب مفتی بہ ہے۔ اسی پر ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عمل ہے اور دعا میں بھی یہی حکم ہے۔

گویا جدید محققین کے نزدیک اہلسنت وہ ہے جو متقدمین و متاخرین اہلسنت کی مخالفت کرے۔ اسی طرح دیوبندی مسلک کا متبع وہ ہے جو مشائخ دیوبند کے عقائد اور عمل کی مخالفت کرے۔ اللھم احفظنا!

سماع موتیٰ کے متعلق قرآن مجید کی چند آیات کی وضاحت

مولوی غلام اللہ خان صاحب نے جواہر القرآن میں فرمایا:

۱...... ''فانک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین وما انت بھادی العمی عن ضلالتھم ان تسمع الا من یؤمن بآیتنا فھم مسلمون'' بیشک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتا ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر جائیں اور تم اندھوں کو ان کے الٹے راستے سے سیدھے پر نہیں لا سکتے۔ تم بس انہیں لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی ماننے والے ہیں۔ (الروم: ۵۲، ۵۳)

۲...... ''وما انت بمسمع من فی القبور'' اور تو اہل قبور کو سنانے والا نہیں۔ (فاطر: ۲۲)

۳...... ''انک لا تسمع الموتی الخ'' تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔ (النمل: ۸۰)

''نفی سماع موتیٰ پر قرآن مجید کی یہ تین آیتیں دلیل حجت ہیں۔ ان آیتوں کو وقتاً فوقتاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک نفی سماع پر بطور دلیل و برہان پیش کیا جاتا ہے۔''

ان آیات کی صحیح تفسیر پیش کرنے سے پہلے یہ وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "فتح القرآن" کے نزدیک:

۱...... قرآن مجید میں صرف یہ تین آیتیں نفی سماع پر دلیل حجت ہیں اور کوئی آیت نہیں۔

۲...... ان آیات کو نفی سماع پر بطور دلیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آج تک پیش کیا جاتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ نفی سماع کے حق میں ان آیات کے علاوہ دوسری آیات کا سہارا لیتے ہیں وہ ان کی ذاتی رائے ہے اور چوں کہ وہ چودہ سو سال کے دوران دلیل کے طور پر کبھی پیش نہیں کی گئیں۔ لہٰذا ان مجتہدین کا قول مردود ہے۔

ان آیات کی تفسیر

اب ان آیات کی تفسیر ملاحظہ ہو:

۱...... (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۱۳۰) "انک لا تسمع الموتٰی ای الکفار شبھھم بالموتٰی لعدم الانتفاع لھم بتسامع ما یتلی علیھم ان تسمع یعنی لا تسمع و لا ینفع اسماعک القرآن احدا الا من یؤمن بآیتنا من قدرنا ایمانه" آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی کافروں کو۔ ان کو مردوں سے تشبیہ دی کہ جو کچھ انہیں پڑھ کر سنایا جائے اسے سن کر نفع نہیں حاصل کر سکتے۔ انک لا تسمع یعنی آپ نہیں سنا سکتے اور آپ کے قرآن سنانے کا فائدہ صرف وہی اٹھا سکتا ہے جسے ہماری آیات پر ایمان ہو۔ یعنی جس کے لئے ہم نے ایمان لانا مقدر کر دیا ہو۔

دوسری جگہ فرمایا: "او انک لا تسمع الموتٰی سماعا یترتب علیه الفائدة" اور آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ ایسا سنانا جس پر کوئی فائدہ مترتب ہو۔

۲...... صاحب ابن کثیر کی زبانی

(ابن کثیر ج ۳ ص ۳۷۴) "انک لا تسمع الموتٰی ای لا تسمعھم شیئا ینفعھم فکذالک ھولاء علی قلوبھم غشاوة و فی اذانھم وقر الکفر" آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی کوئی چیز نہیں سنا سکتے جو انہیں نفع دے سکے۔ پس اس طریقہ سے یہ کفار بھی ایسے ہیں کہ ان کے دلوں پر پردہ ہے اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔

۳...... صاحب روح المعانی کی زبانی

(روح المعانی ج ۲۳ ص ۵۰) "وقال بعض الاجلة ان معناھا لا تسمع الا ان یشاء اللہ تعالٰی او لا تسمع سماعا ینفعھم و قد ینفی الشئی لانتفاء فائدة و ثمرته کما فی قوله تعالٰی و لقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن و الانس" اور بعض جلیل القدر علماء نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں آپ نہیں سنا سکتے ہاں جو اللہ تعالٰی چاہے یا آپ ایسا نہیں سنا سکتے جو انہیں نفع پہنچائے اور کبھی ایسی چیز کی نفی اس کے عدم فائدہ کی وجہ سے کی جاتی ہے جیسا قرآن مجید میں ہے "و لقد ذرأنا لجھنم"

۴...... صاحب فتح الباری کی زبانی

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲) "و اما استدلالھا (ای عائشة) بقوله تعالٰی انک لا تسمع الموتٰی فقالوا معناھا لا تسمع سماعا ینفعھم او لا تسمعھم الا ان یشاء اللہ تعالٰی" اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دلیل "انک

لاتسمع الموتی" کے متعلق علماء نے کہا اس کا معنی آپ ایسا نہیں سنا سکتے کہ انہیں کچھ نفع ہو یا آپ نہیں سنا سکتے ہاں اللہ چاہے تو۔

۵......صاحب اشعۃ اللمعات کی زبانی

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۰) "ومراد سماع عدم اجابت است حق را دلیل آنکہ ایں دو آیت نازل شدہ در دعوت کفار بایمان وعدم اجابت ایشاں مرحق را"۔ سماع سے مراد یہ کہ حق کو قبول نہیں کر سکتے اس کی دلیل یہ ہے کہ دو آیتیں کفار کو ایمان کی دعوت دینے میں نازل ہوئی ہیں اور اس امر کی نشاندہی میں کہ انہوں نے حق کو قبول نہ کیا۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۰) "ونیز گفتہ اند کہ مراد بموتی، موتی القلوب اند وقبور اجساد ایشاں کہ دردے دلہائے مردہ افتادہ است"۔ علماء نے کہا ہے کہ موتی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں اور ان کے جسم گویا ان کی روح کی قبریں ہیں اور ان قبروں میں ان کے مردہ دل پڑے ہوئے ہیں۔

صاحب فتح الباری کی رائے گرامی

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۵) "والمراد بالموتي وبمن في القبور الكفار شبهوا بالموتی وهم احياء والمعنى هم في حال الموتی او حال من سكن القبر وعلى هذا لا يبقى في الاية دليل على مانفته عائشة" موتی اور من فی القبور سے مراد کفار ہیں۔ انہیں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ حالاں کہ وہ زندہ ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کا حال مردوں کا سا ہے جو قبر میں پڑا ہو مزید براں آیت میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں جس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نفی کی ہے۔

علامہ خازن کی تفسیر

خازن "انک لا تسمع الموتی یعنی موتی القلوب وهم الكفار" آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی ان کو جن کے دل مر چکے ہیں اور وہ کفار ہیں۔

صاحب معالم التنزیل کی تفسیر

معالم التنزیل "انک لا تسمع الموتی یعنی الكفار" آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی کفار کو۔

علامہ خازن کی تفسیر

خازن "وما انت بمسمع من في القبور يعني الكفار شبههم بالاموات في القبور حين لا يجيبون" من فی القبور، یعنی کفار ان کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو قبروں میں پڑے ہیں۔ وہ قبول نہیں کرتے۔

صاحب شرح وقایہ کا فیصلہ

(حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۵۲) "ان الصحيح ان المراد بالموتی هناک موتی القلوب وهم الكفار لا الاموات العرفيه" درست بات یہ ہے کہ اس جگہ موتی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مر چکے ہیں اور وہ کفار ہیں وہ مردے مراد نہیں جو عرف عام میں ہوتے ہیں۔

قرآن اور حدیث میں تعارض

(الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۰) سوال: "فیما روی عن رسول اللہ ﷺ من کلم لاھل بدر وقد ردوا الی القلیب وقیل کلمت موتی لا سماع لھم فقال لستم باسمع جاء فی الکتب وقال لا تسمع الموتی وذا معارض للذی قلنا فی الرتب۔ جواب: سماع موتی کلام الحیی معتقد جاءت بہ عندنا الاثار فی الکتب وایۃ النفی معنھا سماع ھدی لا یقبلون ولا یصنعون الادب فالنفی جاء علی معنی المجاز فخذوا اجمع بین ذا مع ھذہ تصب"

حضور اکرم ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ جب مقتولین بدر سے حضور ﷺ نے کلام کی تو کہا گیا کہ آپ مردوں سے کلام فرما رہے ہیں جو سن نہیں سکتے تو حضور ﷺ نے فرمایا تم ان سے اچھا نہیں سنتے۔ ایسا ہی کتابوں میں آ چکا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور یہ حدیث اور قرآن میں تعارض ہے۔

جواب: میت کا زندہ آدمی کی کلام سننا یہ عقیدہ چلا آتا ہے اہل سنت کا اور آثار صحابہ میں یہ بات آ چکی ہے اور سماع کی نفی کی آیت کا مطلب نفی ہدایت کی ہے کہ وہ نہ کان دھرتے ہیں نہ حق کو قبول کرتے ہیں اور نفی مجازی معنوں میں ہے۔ اس لئے قرآن وحدیث میں تعارض نہیں بلکہ تطابق ہے اس پر جمے رہو ہدایت پاؤ گے۔

آیات کی تفسیر کا خلاصہ

ان آیات کی تفسیر مفسرین، محدثین اور فقہاء نے جو بیان کی اور جو بھی اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱...... موتی سے مراد کفار ہیں اور موت سے مراد دل کی موت ہے۔ موت عرفی نہیں۔

۲...... سماع سے مراد سماع نافع ہے۔ سماع مطلق نہیں۔ آیت میں اطلاق مطلق علی المقید ہے۔

۳...... یہ آیتیں کفار کو دعوت ایمان دینے اور ان کے حق کو قبول نہ کرنے کے سلسلے میں نازل ہوئیں۔

۴...... دعوت ایمان زندوں کو دی جاتی ہے، انبیاء مردوں کو دعوت ایمان نہیں دیا کرتے، ان آیتوں میں قرینے بھی موجود ہیں۔

(الف) "ان تسمع الا من یؤمن بایتنا (النمل: ۸۱) (ب) ان انت الا نذیر" (فاطر: ۲۳)

آیت (الف) پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقابل موت اور حیات کا ہے۔ اسلام اور موت کا نہیں۔ یعنی آپ کی تبلیغ مومن سنتا ہے کافر نہیں سنتا۔ ان دو آیات کے علاوہ قرآن کی کئی آیات میں یہ قرینہ موجود ہے مثلاً "وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین" (الذاریات: ۵۵) تبلیغ کا نفع مومن کو ہوتا ہے۔ ضدی اور عنادی کافر کو تبلیغ نافع نہیں یا "فاعرض اکثرھم وھم لا یسمعون" (حم السجدۃ: ۴) اعراض کی وجہ سے عدم سماع قبولیت کا بیان ہے یا "وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر" (الملک: ۱۰) یعنی کفار بالکل بہرے اور کورے نہیں تھے بلکہ سن کر قبول نہ کرنا نہ سننے کے برابر ہوا اور فہم سلیم سے کام نہ لینا عدم عقل کے مترادف ہوا۔

کفار پر لفظ موتی کے اطلاق کی شہادت قرآن مجید کی زبانی

اب رہی یہ بحث کہ کفار پر موتی کے لفظ کا اطلاق کیوں کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں کفار کے لئے یہ لفظ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

۱...... "او من کان میتا فاحیینہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس" بھلا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے

زندہ کر دیا اور ہم نے اسے روشنی دی کہ اسے لوگوں میں لئے پھرتا ہے۔ (انعام:۱۲۲)

جس طرح قوت نامیہ کے فقدان کی وجہ سے قرآن مجید زمین کو مردہ کہتا ہے اسی طرح فقدان نور معرفت کی وجہ سے کفار کو مردہ کہتا ہے۔

۲...... ''لینذر من کان حیاً ویحق القول علی الکافرین'' تا کہ جو زندہ ہے اسے ڈرائے اور کافروں پر الزام ثابت ہو جائے۔ (یٰسین:۷۰)

حیی کے مقابل میت ہے اور یہاں کافرین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی کافر بمنزلہ مردہ کے ہیں۔

۳...... ''ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل اولٰئک ھم الغافلون'' اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جن اور آدمی پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل ہیں کہ سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں اور وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی گمراہی میں زیادہ ہیں۔ یہی لوگ غافل ہیں۔ (اعراف:۱۷۹)

اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو آلات جس جس کام کے لئے دیئے ہیں اگر انسان ان کو ان کاموں میں استعمال نہیں کرتا تو ان آلات کو کالعدم قرار دے کر ان کی نفی کی جاتی ہے۔

۴...... ''ام تحسب ان اکثرھم یسمعون او یعقلون ان ھم الا کالانعام بل ھم اضلّ سبیلا'' (الفرقان:۴۴)

یا تو خیال کرتا ہے کہ اکثر ان میں سے سنتے یا سمجھتے ہیں یا تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

اس حقیقت کو (جواہر القرآن ج ۱ ص ۲۵) پر تسلیم کیا گیا ہے کہ کفر موت ہے اس واسطے کفار کو مردہ کہا جاتا ہے۔

''جعلھم اصابعھم فی اذانھم لئلا یسمعوا القرآن فیؤمنوا بہ ذو محمد ﷺ وذالک عندھم کفر و الکفر موت'' مولوی غلام اللہ خان صاحب نے یہ عبارت بحوالہ قرطبی نقل فرمائی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید میں موتی سے مراد کفار ہیں جو زندہ ہیں اور موتۃ القلوب ہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ نفی سماع سے سماع نافع مراد ہے۔ لہٰذا ان آیات کو عدم سماع پر دلیل لانا بے محل ہے۔

علم معانی کے اعتبار سے اس موضوع پر بحث

علم معانی کے اعتبار سے اس موضوع پر بحث کی جاتی ہے۔ مگر اس میں بھی غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس لئے اس پہلو کو زیر بحث لانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

قول فیصل

کفار کو میت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وجہ شبہ کیا ہے؟ منکرین سماع فرماتے ہیں کہ وجہ شبہ عدم سماع ہے۔ مگر یہی وہ مغالطہ ہے جو حقیقت کے قریب آنے نہیں دیتا۔ بات یہ ہے کہ وجہ شبہ اتفاقی چاہیے اختلافی نہیں اور مشبہ اور مشبہ بہ ایک وصف میں مشترک ہوں۔ اگر عدم سماع کو وجہ شبہ قرار دیا جائے تو یہ غلط ہے۔ وصف دونوں میں مشترک نہیں ہے۔ کیوں کہ کافر بہرے تو نہیں ہوتے اس لئے سنتے ہیں تو عدم سماع وجہ شبہ نہیں بن سکتی۔ ہاں عدم اجابت اور عدم انتفاع وصف مشترک ہے اور یہی وجہ شبہ ہے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ وجہ شبہ مشبہ بہ میں حقیقت ہوتی ہے۔ درست! اگر عدم انتفاع میت میں حقیقت ہے میت کو تبلیغ کا کوئی نفع نہیں ہوتا۔

اس لئے ثابت ہوا کہ وجہ شبہ عدم انتفاع اور عدم اجابت ہے۔ پس یہ آیات عدم سماع کی دلیل میں پیش کرنا قرآن مجید کے مدلول، مفسرین کی وضاحت محدثین کے بیان اور فقہاء کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔

چند مزید آیات قرآنی پر تفصیلی بحث

''شیخ القرآن'' نے اپنی نادر تصنیف جواہر القرآن میں تین آیتوں کا ذکر کیا ہے جو نفی سماع موتی پر دلیل و حجت ہیں۔ مگر اس فن کے دیگر ''شیوخ'' عدم سماع کے حق میں کچھ اور آیات کی معنوی تحریف کرکے دلیل و حجت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا ان آیات کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱...... ''والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون'' (النحل:۲۰)

۲...... ''وما یستوی الاحیاء ولا الاموات'' (فاطر:۲۲)

۳...... ''یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب'' (مائدہ:۱۰۹)

۴...... ''ویوم نحشرھم جمیعا ثم نقول للذین اشرکوا مکانکم انتم وشرکاؤکم فزیلنا بینھم فقال شرکاؤھم ما کنتم ایانا تعبدون'' (یونس:۲۲)

۵...... ''ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون'' (احقاف:۵)

۶...... ''انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعا اذا ولوا مدبرین'' (النمل:۲۷)

۷...... ''ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور'' (فاطر:۲۲)

۸...... ''والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر۔ ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیامۃ یکفرون بشرککم'' (فاطر:۱۳،۱۴)

ان آیات کی صحیح تفسیر اور مسلمہ مفہوم معلوم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ کفار و مشرکین عرب کا برزخ اور حشر کے متعلق عقیدہ معلوم کر لیا جائے کیوں کہ یہ بات آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے میں مدد دے گی۔

۱...... مشرکین عرب موت کو عدمی چیز سمجھتے تھے اور یہ کہ جس چیز کو موت مس کرتی ہے اسے معدوم کر دیتی ہے اور اعادہ معدوم محال ہے۔

۲...... وہ حیات برزخ کے منکر تھے۔

۳...... وہ انبیاء کی نبوت کے منکر تھے لہٰذا کسی ولی اللہ کی قبر پر جانا اور صاحب قبر سے استمداد کرنا ان کے بنیادی عقیدہ کی عین ضد تھی۔ اس لئے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قبر پرست تھے یا اہل قبور سے مدد مانگتے تھے یا ان کی عبادت کرتے تھے۔ معدوم کی عبادت کرنا کون ذی ہوش قبول کر سکتا ہے۔

۴...... اگر وہ لوگ کسی ولی اللہ کی قبر پر جا کر استمداد کرتے تھے تو اس کا ثبوت پیش کیا جائے یا ان اولیاء اللہ کے نام بتائے جائیں۔ ہاں یہ خیال رہے کہ اس سلسلے میں اصحاب کہف کا نام پیش کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ وہ لوگ اصحاب کہف کی قبروں پر جا ہی نہیں سکتے تھے۔ لہٰذا ان کی پوجا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۵...... وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے، ان بتوں کو انبیاء یا کسی اور مخلوق کی طرف نسبت کر دیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بتوں کی عبادت کے وقت ان کا خیال تو اس ہستی کی طرف ہوتا تھا۔ جس سے وہ بت منسوب ہوتا ہے اس لئے جن کے وہ بت ہوتے ان سے حاجتیں مانگتے تھے اور ان کے سننے کی نفی ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ بت ملائکہ سے منسوب ہوں تو ظاہر ہے کہ وہ تو زندہ ہیں ان کے سماع میں تنازعہ ہی نہیں۔ اگر شیاطین اور جنات کے بت ہیں تو وہ بھی زندہ ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بت ہیں تو وہ بھی زندہ ہیں اور بحث تو سماع موتی میں ہے۔ زندوں کے سماع میں تو بحث ہی نہیں۔ رہا سوال اہل قبور کا تو وہ ان کے عقیدے کے مطابق معدوم ہو چکے۔ جب وہ حیات برزخ کے قائل نہیں تھے تو سماع موتی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا عقیدہ بالکل بندیالوی، نیلوی اور خارجی عقیدہ سے ملتا جلتا تھا۔ جیسا کہ نیلوی صاحب نے (ندائے حق ص ۱۵۷) پر فرمادیا کہ برزخ میں روح بھی نہیں سنتا بدن کا تو قصہ ہی چھوڑو۔ روح بھی نہیں سنتا اور سماع روح کا انکار واجب ہے۔ مگر (ص ۹۵) پر لکھ آئے ہیں کہ اسماع موتی ثابت ہے جو اس کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ یعنی مردے کو سنانا ثابت ہے مگر مردے کا سن لینا ثابت نہیں تو پھر وہ سنانا کس لئے ہے۔ عجیب منطق ہے کہ سنانے کا انکار کفر اور سننے کا اقرار کفر۔

اب ہم آیات بالا کا صحیح مفہوم پیش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں متقدمین، مفسرین اور محدثین فقہاء اور علماء کا حاصل تحقیق بیان ہوگا اور یہاں یہ حال ہے کہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سے کسی نے کہا کہ سماع موتی پر کتاب لکھیں۔ آپ نے فرمایا کہ جن ''شیوخ'' کو تم بات سمجھانا چاہتے ہو وہ تو بدرالدین عینی، شیخ ابن الہمام، علامہ آلوسی، علامہ شامی، حافظ ابن کثیر، علامہ ابن حجر عسقلانی، ملا علی القاری اور علامہ ابن حجر مکی جیسے لوگوں کو بھی پلے نہیں باندھتے اور جمہور کو زنبور کہتے ہیں۔ میں بھلا کس شمار میں ہوں کہ میری بات پر کان دھریں گے۔

مگر ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ طالب حق ہیں ان کے سامنے حق واضح ہو جائے اور طالب ہدایت میں ان کے لئے رہنمائی کا سامان مہیا کر دیں۔ ورنہ ''شیوخ'' تو اس راستے میں جہاں تک پہنچ چکے ہیں وہاں سے پلٹنا محال ہے۔ صرف امید کی ایک کرن نظر آتی ہے کہ اللہ قادر ہے۔

آیت نمبر ۱: ''والذین یدعون الخ''

اس میں سماع وعدم سماع کا اشارہ تک نہیں ہے۔ یہاں صرف خالقیت غیر کی نفی ہے۔ ''وما یشعرون الخ'' میں نفی علم قیامت کی ہے اور علم قیامت کے بھی دو حصے ہیں ایک علم بالوقوع دوسرا علم بوقت الوقوع۔ یہاں نفی ہو رہی ہے علم بوقت الوقوع کی۔ اس کی نفی سے سماع کی نفی کیسے ہوگئی؟ یہ تو وہی بات ہوئی ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ قرآن کے پیچھے چلنے کا جذبہ پیدا کیجئے۔

آیت نمبر ۲: ''وما یستوی الاحیاء الخ'' یہاں زندہ اور مردہ کی مساوات کی نفی ہو رہی ہے اور وہ بھی علی العموم نہیں ورنہ ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ انبیاء، اولیاء، شہداء سے زندہ کافر (مشرک افضل ہو) بہرحال زندہ اور مردہ کی عدم مساوات سے عدم سماع موتی کیوں کر ثابت ہوگیا۔

آیت نمبر ۳: ''یوم یجمع اللہ الرسل الخ'' مفسرین نے مختلف احتمالات بیان کر کے آخر میں آیت کا صحیح مفہوم یہ پیش کیا ہے۔ ''لا علم لنا الا علم انت اعلم بہ منا'' (ابن جریر ج ۴ ص ۷۶)

اور ابن جریر نے یہی معنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کئے ہیں اور اسی کو ترجیح دیتے ہوئے کہا ''واولی الاقوال بالصواب قول من قال معناہ لا علم لنا الا علم انت اعلم بہ منا''

علامہ خازن نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اسی قول کو صحیح کہا ہے۔

امام رازی نے ایک اور قول صحیح لکھ کر کہا ہے کہ زیادہ صحیح یہی قول ہے کہ ''لا علم لنا الا انت اعلم بہ منا''

حضرات انبیاء کا جواب یہ ہوگا کہ ''لا علم لنا انک انت علام الغیوب'' جس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں علم نہیں۔ مگر بار خدایا آپ اس کے متعلق ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ مگر ''شیخ القرآن'' نے اپنی تفسیر (جواہر القرآن ج اوّل حصہ دوم ص ۳۰۱) پر فرمایا ہے ''اس سے بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ سوال انبیاء کرام سے ان کی وفات سے بعد کے حالات سے متعلق ہوگا کہ تمہاری وفات کے بعد ان لوگوں کے کیا حالات تھے کیا یہ تمہیں پکارتے رہے ہیں اور کیا تم کو اس کا علم ہے تو اس کے جواب میں انبیاء علیہم السلام کہیں گے کہ اے خدایا بعد کے حالات کا تو ہمیں کوئی علم نہیں جیسا اگلی آیت اس آیت کی تائید کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے ''کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم'' بہت سے مفسرین نے اس سوال کو بعد الوفات کے حالات سے متعلق قرار دیا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''لا علم لنا ان علمنا جوابھم لنا وقت حیاتنا و لا نعلم ما کان بعد وفاتنا'' (کبیر)

گو ''شیخ القرآن'' نے تفسیر کے پردے میں اپنے مخصوص عقائد پھیلانے کی مہم تو چلا دی۔ مگر آپ سے یہ پوچھنے کا حق چھینا نہیں جا سکتا کہ حضرات! جن بہت سے مفسرین نے یہ عقیدہ بیان کیا ہے ذرا ان کے نام تو بتا دیں۔ پھر اکثر مفسرین کہہ کر اپنی بات میں اور وزن پیدا کرنے کی کوشش کرنا تو اور بھی بڑی جرأت ہے۔ مفسرین نے اس کے جو معنی صحیح اور راجح قرار دیئے ہیں وہ تو ہم اوپر بیان کر چکے۔ آپ بھی ذرا ان اکثر مفسرین کا حاصل تحقیق بیان تو فرما دیتے۔ آپ نے امام رازی کی ایک عبارت تو لکھ دی۔ مگر یہ بات کیوں بھول گئے کہ امام رازی نے تین احتمال بیان کئے۔ زیادہ اور صحیح وہی یہی جو میں نے اوپر بیان کر دی ہے اور جو شیخ القرآن کے بیان کردہ احتمال کے مقابلے میں صحیح تر ہے۔ پھر امام رازی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں جو جواب ان لوگوں نے ہمیں دیا اس کا ہمیں علم ہے ہماری وفات کے بعد کے حالات کا ہمیں علم نہیں۔ یہ سوال قیامت کے دن ہوگا اور تبلیغ رسالت کے متعلق ہوگا۔

جس تبلیغ رسالت کے لئے انبیاء مبعوث ہوئے تھے اور دارالتکلیف دنیا میں اس تبلیغ کے مکلف تھے۔ برزخ نہ تو دارالتکلیف ہے نہ برزخ میں وہ تبلیغ کے مکلف ہیں اور نہ برزخ میں جانے کے بعد ان سے دنیا کی باتوں یا اہل دنیا کے اعمال کے متعلق پوچھا جائے گا۔ امام رازی کی بات کا صاف مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جواب دیں گے کہ اے اللہ! جب ہم دنیا میں تھے تبلیغ کے لئے مکلف تھے اور مخلوق کو تبلیغ کی جب ہم عالم برزخ میں آ گئے تو ہم مکلف نہ رہے۔ ان کے اعمال کا ہمیں جتنا علم ہے آپ خوب جانتے ہیں وہ علم ہے جس کو آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں جیسا کہ ''لا علم لنا الا علم انت اعلم بہ منا'' سے واضح ہے اور اسی قول کو امام رازی نے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

رہا ''و کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم'' سے متعلق اشکال تو یہ وہی گھسا پٹا سوال ہے جو مرزائیوں کا مایہ ناز اعتراض ہے اور اس کا جواب بلکہ، جواب مسکت دیا جا چکا ہے۔ مضمون بالکل صاف ہے کہ: ''ءأنت قلت

للناس اتخذونی و امی الٰھین " تو جواب ہے "مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق " یہ سوال و جواب قیامت کے دن ہوں گے۔ برزخ کا ذکر ہی کہاں ہے۔ مگر جسے تفسیر لکھنے کا شوق چرائے اور تفسیر کے پردے میں حق سے ہٹے ہوئے مخصوص عقائد پھیلانا مقصود ہو وہ اور کر ہی کیا سکتا ہے۔ اس مسئلے کی زیادہ تحقیق درکار ہو تو علامہ انور شاہ کاشمیری کی التصریح بما تواتر فی نزول المسیح اور پیر مہر علی شاہ صاحب کی سیف چشتیائی ملاحظہ فرمائیں۔

ان حقائق سے ہٹ کر اگر "شیخ القرآن" کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے تو نتیجہ علم کی نفی ثابت ہوگی سماع موتی کی نفی کہاں ثابت ہوئی اور سماع موتی سے اس آیت کا تعلق کیا ہے۔ تفسیر اسے نہیں کہتے کہ جس بات پر جس آیت کو چاہا فٹ کر دیا اور مفسر بن گئے۔ لفظ اور معنی میں جو تعلق ہوتا ہے اسے نظر انداز کر دینا تفسیر نہیں کہلاتا۔

مختصر یہ کہ یہ سوال قیامت کے دن ہوں گے اور دار التکلیف دنیا میں تبلیغ کے متعلق سوال ہوگا جس کے لئے مبعوث ہوئے برزخ میں جانے کے بعد مکلف نہ رہے۔ پھر سوال کیسا؟

قرآن حکیم ایک اصول بیان کرتا ہے: "تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت و لکم ما کسبتم و لا تسئلون عما کانوا یعملون (البقرۃ: ۱۳۴) نیز فما بال القرون الاولی، (طٰہٰ: ۵۱) قال علمھا عند ربی فی کتاب لا یضل ربی و لا ینسی " (طٰہٰ: ۵۱، ۵۲) یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی۔ ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آئے گا اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی نہ ہوگی۔ فرعون نے کہا کہ اچھا تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر میں ہے میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

معلوم ہوا جو لوگ مر کر برزخی جہنم یا جنت میں داخل ہو گئے ان کے متعلق انبیاء سے سوال نہ ہوگا تو جب انبیاء علیہم السلام برزخ میں چلے گئے ان سے دنیا والوں کے متعلق سوال کیوں کر ہو۔ رہا برزخ والوں کو دنیا والوں کے متعلق علم ہونے کا سوال تو اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ برزخ والوں کو دنیا والوں کا پورا علم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ میدان قیامت تک بھی دنیا کا علم ہوگا۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی قطعی نصوص اور احادیث نبوی میں موجود ہے۔ مثلاً:

۱...... "حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحاً فیما ترکت کلا" یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آتی ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب مجھے پھر واپس بھیج دیجئے تا کہ جس کو میں چھوڑ آیا ہوں میں پھر جا کر نیک کام کروں۔ (مومنون: ۹۹، ۱۰۰)

۲...... "قیل ادخل الجنۃ قال یالیت قومی یعلمون بما غفر لی ربی و جعلنی من المکرمین " ارشاد ہوا کہ جا جنت میں داخل ہو کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت داروں میں شامل کر دیا۔ (یٰسین: ۲۶، ۲۷)

برزخ میں قوم یاد ہے قوم کی بداعمالی یاد ہے۔

علامہ تفتازانی سے شرح مقاصد میں شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں اجماعی عقیدہ بیان کیا ہے کہ برزخ میں میت کو دنیا والوں کا علم ہوتا ہے۔ انور شاہ صاحب نے عرف شذی (ص ۴۸۷) پر علامہ تفتازانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "ان علم المیت مجمع علیہ" قرآن حکیم میں ۳۰ آیات موجود ہیں جو صاف دلالت کرتی ہیں کہ برزخ والوں کو دنیا کا علم ہوتا ہے۔ جو مسئلہ قرآن کی ایک آیت سے ثابت ہو۔ مثلاً محرمات کی تعیین اس پر عمل کرنا تو لازم ہو اور جو بات ۳۰ آیات میں بیان ہوئی ہو اس کا انکار کر دیا جائے بلکہ اس کا انکار کرانے کی مہم چلائی جائے اور جو قرآن

کا انکار نہ کرے اسے کافر قرار دیا جائے اور مزے سے "شیخ القرآن" اور مفسر قرآن کہلوایا جائے۔

آیت نمبر ۴: "یوم نحشرھم جمیعا" (یونس: ۲۸)

اس آیت میں دو مختصر سے جملے خاص طور پر قابل غور ہیں۔

اوّل "ما کنتم ایانا تعبدون" (یونس: ۲۸) اس میں مطلق عبادت کی نفی نہیں بلکہ مقید کی نفی ہے۔ جو ایانا سے ظاہر ہے۔ یعنی تم عبادت تو کرتے تھے۔ مگر ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے اور ہم تمہارے معبود تھے ہی نہیں۔ تم عبادت کرتے تھے اپنی خواہشات کی اور تمہارا معبود تمہاری ہوائے نفس تھی۔ "أرأیت من اتخذ الھه ھواہ" (الفرقان: ۴۳) تو یہ بھی صورت عبادت ہے۔ اصل عبادت تو جب ہو جب وہ حقیقی معبود بھی ہو۔ بہرحال یہاں نفی ہے تو علم عبادت ایانا کی۔ آخر اس سے نفی سماع کیوں کر ثابت کی جا سکتی ہے۔ ہاں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب بزرگوں کی قبروں پر لوگ جاتے ہیں۔ سجدے کرتے ہیں ان سے مرادیں مانگتے ہیں اگر وہ بزرگ ان کی سنتے تو قیامت کے دن یہ کیونکر کہیں گے کہ "ما کنتم ایانا تعبدون" (یونس: ۲۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے تو سمجھ لینا چاہئے کہ آیت مشرکین عرب کے حق میں نازل ہوئی اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ ان کے ہاں قبروں پر جانا تھا نہ اہل قبور سے مراد مانگنا تھا۔ نہ قبروں پر سجدے کرنے کا دستور تھا۔ پھر ان پر اس کا اطلاق کیونکر ہو سکتا ہے۔ چلئے آیت کو عام مان لیں تو اس سے بھی عبادت کا انکار کب ہو رہا ہے۔ انکار، ایانا کا ہو رہا ہے کہ تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے نہ ہم معبود، نہ ہم نے تمہیں اپنی عبادت کرنے کو کہا ہاں تم نے اپنی خواہش نفس پوری کی اور خواہش نفسانی پر اعمال عبادت نہیں بنتے۔ اس سے تو ظاہر ہے کہ برزخ والوں کو ان لوگوں کی عبادت کے فعل اور اس کی حقیقت تک علم ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ کہیں گے کہ تم عبادت تو کرتے تھے مگر ہماری عبادت نہیں تھی۔ یہ جملہ تو سماع موتی کے اثبات میں قوی دلیل بنتا ہے۔

دوم: "ان کنا عن عبادتکم لغفلین" (یونس: ۲۹) اس حصے کا حقیقی مفہوم سمجھنے کے لئے لفظ غفلت کا مطلب سمجھ لینا ضروری ہے۔

قاموس میں ہے: "الغفلة اسم لترک الشئی و ذھاب القلب عنه الی غیرہ" غفلت نام ہے کسی چیز کو چھوڑنے کا اور قلب کی توجہ اس سے ہٹ کر کسی دوسری طرف چلے جانے کا۔

معلوم ہوا غفلت عدم سماع کو مستلزم نہیں بلکہ عدم حیات اور عدم علم کو بھی مستلزم نہیں۔ اس پر متعدد آیات قرآنی دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً:

۱ ...... "وان کنت من قبله لمن الغافلین" نزول قرآن سے پہلے اس قصہ سے آپ غافل تھے۔ (یوسف: ۳)

۲ ...... "ودخل المدینة علی حین غفلة من اھلھا" حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب اہل شہر غافل تھے۔ (قصص: ۱۵)

۳ ...... "یاویلنا قد کنا فی غفلة من ھذا" افسوس ہم اس سے غافل تھے۔ (انبیاء: ۹۷)

۴ ...... "لقد کنت فی غفلة من ھذا" آپ اس حکم سے غافل تھے۔ (ق: ۲۲)

۵ ...... "واخاف ان یاکله الذئب وانتم عنه غافلون" (یوسف: ۱۳)

۶ ...... "ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا" (الکھف: ۲۸)

۷...... ''والذین ھم عن ایاتنا غافلون'' (یونس:۷)

۸...... ''والذین یرمون المحصنات الغافلات'' (نور:۴)

یہ تمام آیات زندوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ جن کی توجہ کسی نہ کسی وجہ سے کسی کام سے ہٹی ہوئی تھی۔ حالاں کہ ان کی سماعت اور بصارت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ غفلت مستلزم عدم سماع کو نہیں ہے۔

اس لئے اس حصے سے عدم سماع ثابت کرنا قرآن فہمی تو نہیں البتہ خود فریبی اور ابلہ فریبی ضرور ہے۔ اس حصے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ برزخ والے بعض لوگوں کے افعال کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ یہ نہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ پھر بے توجہی کی دو صورتیں ہیں۔ اگر مراد بت ہوں تو بے توجہی ظاہر ہے۔ کیوں کہ وہ آلات توجہ سے ہی محروم ہیں اور اگر مراد ذی روح اور ذی عقل ہیں تو بے توجہی دو وجہ سے ہوسکتی ہے۔ اگر وہ معذب ہیں تو وہ بیچارے ان لوگوں کی طرف توجہ کیوں کرنے لگے اور اگر جنت کی راحتوں میں ہیں تو وہ سرور ولذت انہیں دوسری طرف متوجہ کیسے ہونے دے۔

مختصر یہ کہ آیت کا یہ حصہ بھی اثبات سماع پر دال ہے کہ سن لینے باوجود ادھر متوجہ نہیں ہوئے۔ مگر جدید خوارج نے اپنے علم سے زور سے اثبات کی دلیل کو نفی کی دلیل بنا دیا۔

آیت نمبر ۵: ''ومن اضل'' (احقاف:۵)

اس آیت میں آخری جملہ سے اپنا غلط عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ''وھم عن دعائھم غافلون'' پس اس غافلون سے مراد عدم سماع لے لی۔ غفلت پر تفصیلی بحث کی جا چکی ہے۔ لہٰذا یہ آیت بھی عدم سماع کی دلیل صرف دھاندلی سے ہی بن سکتی ہے۔

آیت نمبر ۶: ''انک لاتسمع الموتی'' اور آیت نمبر ۷: ''ان اللہ یسمع من یشاء''

یعنی آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یقیناً اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سناتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے ایک فیصلہ کن بات فرمائی ہے کہ: ''ان سماع الموتی ثابتۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ واما اسماع العباد ایاھم فنفی ببیان القرآن العزیز۔'' مردوں کا سننا کثیر التعداد صحیح احادیث رسول سے ثابت ہے۔ رہا لوگوں کا مردوں کو سنانا تو قرآن کی رائد ش سے اس کی نفی ہے۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۹۷)

یعنی یہاں اسماع کی نفی ہو رہی ہے سماع کی نہیں۔

فیض الباری میں ہے: ''اذا مر احد کم بقبر رجل یعرفہ یرد اللہ روحہ فدل علی رد الروح علیہ فلا یسمع فی کل وقت'' یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ میت ہر وقت نہیں سنتا۔ (ج ۴ ص ۹۱)

اس حدیث سے یہ امر واضح ہے کہ جب کوئی شخص قبر کے پاس سے گزرے اور السلام علیکم کہے تو میت اس کو سنتا ہے۔ مگر جب قبر کے پاس سے گزرے کوئی نہیں اور سلام کوئی نہ کہے تو میت سنے کیا؟ یعنی کوئی کہے تو سنے بن کہے کیا سنے۔

تمام مفسرین، محدثین متکلمین اس پر متفق ہیں کہ روح کا تعلق برزخ میں بدن عنصری سے ہوتا ہے۔ اس تعلق کی پوری کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہاں جس ولی اللہ کو اللہ تعالیٰ جس قدر مطلع فرما دے وہ قادر ہے۔ مگر عام تعلق کی کیفیت مجہول ہے جیسا کہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

''وحیث کان بھا علی الصحیح تعلق لا یعلم حقیقتہ و کیفیتہ الا اللہ عزوجل کلہ او بعضہ بعد الموت وھو غیر التعلق بالبدن الذی کان لھا قبلہ'' اور صحیح مذہب یہ ہے کہ روح کا تعلق بدن سے ہے جس کی

کیفیت کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے بدن کے بعض حصہ سے ہے یا کل سے ہے اور یہ تعلق اس تعلق سے مختلف ہے جو دنیا میں روح کا بدن سے ہوتا ہے۔ (روح المعانی ج ۲۳ ص ۵۸)

بدن کے ساتھ روح کا تعلق اجماعی عقیدہ ہے۔ سوائے دو مدعیان علم جاہلوں کے سب مانتے ہیں۔ حتیٰ کہ قاضی شمس الدین صاحب نے (تسکین القلوب ص ۷۰) پر اس کا اقرار کیا ہے۔ بہر حال تعلق مسلم ہے اور بدن عنصری سے تعلق مانا گیا ہے اور ہر وقت ہوتا ہے۔ رہی کیفیت تعلق تو وہ معلوم نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ کی روایت ''اذا مر الرجل الخ'' سے صاف ظاہر ہے کہ میت جب سلام کا جواب دیتا ہے تو یہ فعل اس تعلق ہی کی وجہ سے ہوتا ہے جو روح کا بدن کے ساتھ تعلق ہے یرد اللہ روحہ سے مراد روح کا بدن کو سلام کی طرف توجہ دلانا ہے یہ نہیں کہ بار بار روح کو نکالا اور لوٹایا جاتا ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب مٹی اور پتھر بھی سن لیتے ہیں تو اعادہ روح کی حاجت کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو سماع کی نوعیت جدا ہے۔ پھر سننا اور چیز ہے اور سن کے جواب دینا دوسری چیز ہے۔ روح کا تعلق جسم عنصری کے ہر ذرہ سے ہوتا ہے بالذات روح سنتا ہے اور بدن کو سلام کا جواب دینے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ ''وما انت بمسمع من فی القبور'' (فاطر: ۲۲) ترجمہ: آپ قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔ اس کا مفہوم اور اس کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

اسباب طبعیہ عادیہ کے تحت کسی فاعل کا فعل اثر و نتیجہ کی طرف پہنچائے تو اس اثر اور نتیجہ کو اس فعل اور فاعل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جیسے ''ضرب زید عمروا، قتل زید عمروا'' ضرب اور قتل کے فعل کے اثر کو جو اسباب عادیہ کے تحت ہے۔ زید کی طرف منسوب کیا ہے اور جب اثر و نتیجہ کا ترتب محض قدرت خداوندی سے ہو اور خرق عادت کے طریقہ سے ہو بلکہ نظام عالم کے خلاف واقع ہو تو اس فعل کو ذات باری تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ خواہ کسی انسان کے ہاتھ سے بھی صادر ہو مگر خرق عادت کے طور پر ہو تو خدا کی طرف منسوب ہوگا کیوں کہ خدا کی قدرت سے اس بندہ کے ہاتھ سے صادر ہوا۔

کما قال تعالیٰ فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی'' (الانفال: ۱۷)

اسی طرح ان اللہ یسمع من یشآء وما انت بمسمع من فی القبور (فاطر: ۲۲) اور انک لا تسمع الموتیٰ (النمل: ۸۰) سے مراد یہ ہے۔

''ان سماع الموتیٰ کلام الاحیاء لیس داخلاً فی دائرۃ الاسباب الطبعیۃ العادیۃ ولھذا لیس لنا قدرۃ علی اسماعھم ولکن اللہ قادر علی ان یخرق العادۃ او ینشیٔ اسباب خفیۃ مجھولۃ فیسمعھم'' مردوں کا زندوں کی کلام سننا اسباب عادیہ طبعیہ کے دائرہ میں داخل نہیں اس وجہ سے ہمیں قدرت حاصل نہیں کہ ان کو سنا سکیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ خرق عادت کے طور پر سنائے یا کوئی خفیہ اسباب پیدا کر کے انہیں ہماری بات سنا دے۔

اس سلسلے میں یہ فرق ملحوظ رکھنا چاہئے کہ سنانا زندوں کا فعل ہے اور سننا مردوں کا فعل ہے۔ مردے تو سنتے ہیں اسی وجہ سے کثیر التعداد صحیح احادیث میں سماع موتیٰ کا اثبات موجود ہے اور اسماع کی نفی قرآن حکیم سے معلوم ہوتی ہے جو زندوں کا فعل ہے۔ چونکہ مردے عالم برزخ میں ہیں وہ دوسرا جہان ہے غیر ملک ہے وہاں کے آداب مختلف وہاں کا نظام جدا اور دونوں جہانوں کے درمیان اتنا بعد پھر زندہ لوگ اس جہاں میں رہ کر اس جہان والوں کو اپنی بات کیسے سنا سکیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسماع کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے کہ ان اللہ یسمع من یشاء

یعنی اہل دنیا کی آواز برزخ تک پہنچنا۔ اسباب عادیہ طبعیہ کے تحت نہیں آ سکتی اور اللہ تو اسباب عادیہ طبعیہ کا پابند نہیں لہٰذا فرمایا کہ (وما انت بمسمع من فی القبور)

یہاں ایک اور نکتہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ یہاں نہ سماع کی نفی ہے نہ اسماع کی بلکہ زندوں کی آواز بالذات برزخ میں پہنچنے کی نفی ہے یعنی تم خود بالذات اپنی آواز مردوں تک نہیں پہنچا سکتے۔ جب تک قدرت باری شامل نہ ہو بتایا کہ تمہاری آواز ان تک جائے تو مردے لازماً سنتے ہیں۔ مگر وہاں تک تمہاری آواز کی رسائی قدرت باری پر موقوف اور امور خرق عادت میں داخل ہے۔ اصل فعل کی نفی نہیں ہو رہی۔ فعل تو یقیناً صادر ہوا ہے جیسے ''فلم تقتلوھم'' میں فعل قتل کی نفی نہیں ہو رہی۔ کیوں کہ صحابہ کے ہاتھوں کفار قتل تو ہوئے اور ''وما رمیت'' میں مٹی پھینکنے کے فعل کی نفی نہیں ہو رہی۔ کیوں کہ یہ فعل تو ہوا اس لئے نفی فعل کی نہیں بلکہ اس فعل کا جو اثر اور نتیجہ مرتب ہوا۔ اس کی نسبت اپنی طرف کر رہا ہے اور صحابہ اور رسول کریم ﷺ کی طرف نسبت کی نفی کر رہا۔ اس لئے ''وما انت بمسمع من فی القبور'' میں نفی فعل السماع کی نہیں ہو رہی بلکہ اس فعل کا ثمرہ اثر اور نتیجہ جو آواز کا پہنچانا ہے۔ اس کی نسبت کی نفی ہو رہی ہے کہ یہ تیرا کام نہیں بلکہ میرا کام ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن حکیم میں کوئی اشکال یا تعارض نہیں۔

علامہ انور شاہ صاحب نے اس نفی کی توجیہ ایک اور انداز سے کی ہے ''او نفیہ بحسم عالمنا فان السماع ان کان فھو فی عالم اخر او مالی عالمنا فھو کالمعدوم'' سماع کی نفی ہمارے جہاں کے اعتبار سے ہے۔ اگر وہ سنتے ہیں تو دوسرے عالم یعنی برزخ میں سنتے ہیں۔ ہمارے عالم میں وہ ہیں نہیں تو یہاں سنیں کیسے؟

(فیض الباری ج ۴ ص ۹۰)

حضرت شاہ صاحب نے ''من فی القبور'' اور ''ولا تسمع الموتی'' سے زندہ کفار مراد لئے ہیں اور عدم سماع سے عدم عمل مراد ہے۔ فرماتے ہیں: ''قلت عدم السماع والسمع والاستماع کلھا بمعنی عدم العمل لان السمع یکون للعمل فاذا لم یعمل بہ فکانہ لم یسمعہ تقول قلت لہ مرارا ان لا یترک الصلوۃ ولکنہ لم یسمع کلامی ای لا یعمل بہ یقال فی الفارسیۃ نشنود یعنی عمل نمی کند۔ بل الاحسن ان یقال مانتا نہیں۔'' میں کہتا ہوں عدم سماع، عدم سمع اور عدم استماع سب بمعنی عدم عمل ہیں سننے کا مقصد عمل کرنا ہوتا ہے۔ جب عمل نہیں کیا تو گویا سنا ہی نہیں۔ تم کہتے ہو میں نے اسے کئی بار کہا کہ نماز نہ چھوڑو مگر اس نے میری ایک نہ سنی یعنی میری بات پر عمل نہ کیا۔ فارسی میں کہتے ہیں وہ نہیں سنتا مراد ہے کہ عمل نہیں کرتا۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ بات مانتا نہیں۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۸)

چونکہ کفار نبی کریم ﷺ کی ہدایت پر عمل نہیں کرتے تھے یعنی سنی ان سنی کر دیتے تھے۔ اس لئے ان کے متعلق کہا گیا کہ یہ کلام کو سنتے ہی نہیں۔

پھر فرمایا: ''او اللہ علی حد قولہ تعالی صم بکم عمی مع وجود السمع والنطق والبصر کما اجاب السیوطی وایۃ النفی معناھا سماع ھدی لا یقبلون'' یا وہ اس حالت پر ہیں جیسے بہرے گونگے اندھے حالاں کہ ان کے کان، زبان اور آنکھیں موجود ہیں۔ جیسا کہ امام سیوطی نے جواب دیا کہ قرآن میں سماع کی جو نفی آئی ہے وہ سماع ہدایت ہے یعنی آپ کی تبلیغ سے ان کو ہدایت نہیں ہوتی نہ آپ کی بات قبول کرتے ہیں۔

یہ حکم کفار کے حق میں اکثر بیان ہو چکا ہے۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے متعلق فرمایا: ''انھم کانوا قوما عمین'' تو کیا قوم کے تمام افراد نابینا تھے؟ نہیں آنکھیں تو موجود تھیں ان میں بصارت بھی تھی مگر جہاں تک حق

دیکھنے کا تعلق ہے وہ اندھے تھے۔

پھر فرماتے ہیں: ''وحاصل الأیۃ علی طورہ ان ھولاء الکفار کالموتی فلاتنفع ھدایتک فیھم لان نفعھا انما کان فی حیاتھم وقد مضی وقتھا کذالک ھولاء (ای الکفار) وان کانوا احیاء الا ان ھدایتک غیر نافعۃ لھم لکونھم مثل الاموات فی عدم الانتفاع فلیس الغرض منہ نفی السماع بل نفی الانتفاع'' امام سیوطی کے طریقہ پر آیت کا حاصل یہ ہے کہ کفار مردہ کی مانند ہیں۔ آپ کی ہدایت سے مردہ کوئی نفع نہیں اٹھا سکتا۔ نفع تو دنیوی زندگی میں اٹھایا جا سکتا تھا۔ وہ یہاں سے جا چکے۔ اسی طرح یہ زندہ کفار بھی ہیں کہ آپ کی ہدایت ان کے لئے سودمند نہیں۔ کیوں کہ فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے یہ بھی مردوں کی طرح ہیں تو یہاں سماع کی نفی نہیں بلکہ انتفاع یعنی فائدہ اٹھانے کی نفی ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۸)

آیت نمبر ۸: ''والذین تدعون'' آیت میں کئی امور قابل غور ہیں۔

۱...... تدعون صیغہ حاضر کا ہے، حاضرین سے مراد کون ہیں؟ آیت مکی ہے لہٰذا اس سے مراد مشرکین مکہ ہی ہو سکتے ہیں جو آیت کفار کے حق میں نازل ہوا سے مسلمانوں پر چسپاں کرنا خوارج کی خصوصیت ہے۔ خواہ وہ قدیم خوارج ہوں یا ماڈرن۔

۲...... آیت میں عموم ہے یا خصوص۔ اگر خصوص ہے تو مراد بت ہوئے کیوں کہ مخاطبین مشرکین مکہ بت پرست تھے۔

۳...... جواب قولی ہے یا فعلی ہے۔

۴...... دعاء کم سے مراد عام ہے یا خاص؟ ظاہر ہے کہ عام تو مراد ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا خاص مراد ہوگی۔ یعنی جو چیز تم ان سے طلب کرتے ہو وہ اسے سن نہیں سکتے۔ دعا کا لفظ جو کم سے مقید ہے۔ اس کو سن نہیں سکتے۔ مراد بت ہوں یا جدید خوارج کے خیال کے مطابق عام ہو۔ بہرحال ان کی بات سننا ان کی قدرت سے باہر ہے۔ یہ عدم سماع دو وجہ سے ہوا۔ بت ہو تو وجہ فقدان آلات سماع، عام ہو تو بوجہ عدم قدرت یعنی ان کی مطلب برآری نہیں کر سکتے۔

''من دونہ'' سے مراد عام لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تدعون کے فاعل جو مشرکین ہیں۔ اللہ کے بغیر جسے بھی بلائیں وہ نہیں سنتا۔ خواہ زندہ ہو یا مردہ۔ یا حاضر ہو یا غائب۔ کیوں کہ آیت میں من دونہ مطلق ہے۔ زندہ مردہ کی کوئی قید مذکور نہیں۔ اس لئے معلوم ہوا کہ عام مراد لینا تو غلط ہے۔ لہٰذا مراد خاص ہے اور وہ بتوں کے بغیر کوئی اور ہو نہیں سن سکتا۔ لہٰذا بلانا سے مراد بتوں سے اپنی حاجت طلب کرنا ہوا، نتیجہ یہ ہوا کہ اگر خاص ہے تو ''ان تدعیتموھم فی النوائب والمصائب لا یسمعون دعاء کم لکونھا جمادات'' اگر تم ان کو مصائب میں پکارو تو یہ سن نہیں سکتے۔ کیوں کہ پتھر جو ہوئے۔

اور اگر عام ہو تو ''لا یسمعون دعاء کم الذی دعوتموھم الیہ من الکفر والشرک'' جس تکلیف کے لئے تم انہیں پکارتے ہو وہ اسے دور نہیں کر سکتے۔

یعنی سن تو لیتے مگر مصائب دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا ان کا سننا گویا نہ سننا ہوا۔ آیت میں ان تمام احتمالات کو سامنے رکھئے اور نیلوی صاحب کے اس دعوے کا وزن کیجئے کہ یہ آیت عدم سماع پر نص قطعی ہے۔ نص قطعی کی اصطلاح کی بھی وہ خبر لی کہ علم سر پیٹ کے رہ گیا۔ نیز آپ نے ''وھم عن دعائھم غافلون'' کو بھی عدم سماع کے لئے نص قطعی قرار دیا۔ اس ''نص قطعی'' کی تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔

ایک نادر تحقیق

(ندائے حق ص ۹۵) پر ایک نادر تحقیق درج ہے۔ فرماتے ہیں "سماع موتی کی نفی قطعی ہے جیسے طلاق کے مسئلہ میں فقہاء لکھتے ہیں کہ "انت طالق ان شاء اللہ" کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ کیوں کہ شرط تو مشیت ایزدی کے علم میں ہے۔ لہٰذا اس کی اصل عدم طلاق تھی اس لئے ابھی تک وہی عدم طلاق اپنے اصل پر قائم ہے۔ اسی پر مسئلہ سماع کا بھی قیاس کر لینا۔"

اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ سماع موتی کا مسئلہ معلق ہو گیا مشیت باری سے اور مشیت باری کا علم نہیں لہٰذا شرط معدوم ہو گئی۔ نتیجہ یہ کہ جزا بھی معدوم ہو گئی گویا سماع معدوم ہو گیا اور سماع موتی کی نفی قطعی ہو گئی۔

یہ قیاس اور اجتہاد صورۃً بڑا علمی کارنامہ نظر آتا ہے۔ مگر حقیقۃً اس کا ہر جزو جہالت کا شاہکار ہے۔ اس نیلوی کلیہ کے نتائج ملاحظہ ہوں:

۱...... "قال تعالیٰ یغفر لمن یشاء ویعذب من یشآء" (فتح:۱۴) نیلوی کلیہ کے مطابق پہلے جزو میں مخلوق کے لئے مغفرت مشیت ایزدی کی شرط کی وجہ سے معلق ہو گئی اور مشیت ایزدی کا علم نہیں۔ لہٰذا شرط کے معدوم ہونے سے جزاً جو مغفرت ہے معدوم ہو گئی۔ معاملہ اپنی اصل پر قائم رہا اور مغفرت کا قصہ ختم، مخلوق خدا مغفرت سے محروم ہو گئی۔

۲...... "یھدی من یشآء" اسی کلیے کے تحت ہدایت کے لئے شرط مشیت ایزدی ہے جو معلوم نہیں پس شرط معدوم ہوئی تو جزاً بھی معدوم۔ یعنی ہدایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بات اپنی اصل پر قائم رہے گی۔

۳...... "یضل من یشآء" اسی کلیے کے تحت ضلالت کا وجود ہی نہیں پایا جاتا۔ کفار شیاطین حتی کہ اس تحقیق کے فاضل محقق بھی ضلالت سے بچ گئے اور دنیا میں کفر و شرک کا وجود ہی نہ رہا۔ بلکہ یہ الفاظ ہی بے معنی ہو گئے۔

۴...... "یبسط الرزق لمن یشآء ویقدر" یعنی رزق کی تنگی و فراخی محض الفاظ اور بہلاوے رہ گئے۔ (الرعد:۲۶)

کیا ٹھکانا اس جہالت کا۔ اوّل تو خالق کے اوصاف کو مخلوق کے اوصاف پر قیاس کیا۔ پھر یہ تو دیکھا کہ طلاق کی پیش کردہ صورت میں لفظ ان شرطیہ ہے۔ اس وجہ سے یہ جملہ شرطیہ ہے اور "ان اللہ یسمع من یشآء" جملہ خبریہ ہے۔ اللہ اسم ہے۔ انّ کا اور یسمع من یشآء جملہ خبر ہے انّ کی۔ اس جملے میں حرف شرط کہاں ہے کہ جملے میں شرط و جزا بنائی جائے۔ معلوم ہوتا ہے محقق صاحب کو دونوں جملوں اور ان میں تمیز کرنے کی توفیق نہ ملی۔

"ندائے حق" کیا ہے برعکس نہند نام زنگی کافور کی مجسم مثال۔ اہلسنت والجماعت کے مسلمہ اور اجماعی عقائد سے سادہ لوح مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کی سعی نامشکور اور جہالت کے نادر نمونوں کا شاہکار۔

جدید معتزلہ اور ماڈرن خوارج کے عقائد اور ان کا جائزہ

۱...... صاحب (اقامۃ البرہان شیخ القرآن) کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

(الف) سماع موتی کا مسئلہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔ (ص ۶۷)

(ب) یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہے۔ (ص ۶۷)

(ج) امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں۔ کچھ علماء کرام کی یہ

رائے ہے کہ مردے سنتے ہیں جب کہ دوسرے علماء نے اپنی تحقیق کی بنا پر سماع موتی کی نفی کی ہے۔ (ص ۶۷)

(د) علمائے کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں۔ جن پر انہوں نے اپنی اپنی رائے اور تحقیق کی بنیادیں استوار کی ہیں۔ جو علماء سماع موتی کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا استدلال ظاہر قرآن اور احادیث صحیح سے ہے۔ جب کہ قائلین سماع موتی بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ (ص ۶۷)

(ر) حاصل یہ ہے کہ سماع موتی کا تعلق احوال برزخ سے ہے اور احوال برزخ کا علم وحی کے سوا ممکن نہیں۔

۲...... میر کارواں حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب اپنی کتاب مسالک العلماء میں فرماتے ہیں "اور بہت سے یہ حفاظ کرام سمع موتی کے بھی قائل ہیں۔"

۳...... بندیالوی صاحب اپنی کتاب (اقوال مرضیہ ص ۴) پر فرماتے ہیں: "محمد امیر تمام برادران اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ مسئلہ سماع موتی اگرچہ ذاتی طور پر قابل بحث نہ تھا اور نہ ہے۔"

یعنی یہ مسئلہ ضروریات دین اور اعتقادیات سے تعلق نہیں رکھتا۔

۴...... (تفسیر جواہر القرآن ج ۲ ص ۹۰۳) پر وہی عبارت ہے جو اقامۃ البرہان کے حوالہ سے اوپر درج کی گئی ہے کہ سماع موتی کا مسئلہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔ یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں کہ جن کے نفی اثبات پر کفر واسلام کا مدار ہو۔"

اس جماعت کے مختلف بزرگوں کے ان ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) سماع موتی کا مسئلہ اعتقادات ضروریہ سے تعلق نہیں رکھتا جس کی نفی یا اثبات پر کفر واسلام کا مدار ہو۔

(۲) یہ مسئلہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔

(۳) علمائے امت کے درمیان اس مسئلہ میں دو رائیں رہی ہیں اور دونوں کے پاس دلائل ہیں۔

(۴) یہ مسئلہ قابل بحث تھا، نہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ باتیں صرف کہنے کی ہیں یا عمل سے بھی ان کا کوئی تعلق ہے۔ اگر ہے تو آپ نے ایک رائے منوانے کے لئے جو ورق سیاہ کئے اس کا محرک کون سا جذبہ تھا۔ جب صحابہ میں مختلف فیہ رہا اور اس کے باوجود نہ جھگڑا ہوا نہ بحث ہوئی نہ تکفیر تک نوبت پہنچی تو آپ نے یہ شغل اختیار کیوں کیا۔

جب اس مسئلہ کے نفی واثبات پر کفر واسلام کا مدار نہیں تو آپ نے اسے مدار کیوں بنایا۔ جب علمائے امت میں دو رائیں رہی ہیں اور ہر رائے استدلال پر مبنی ہے تو آپ نے ایک رائے منوانے اور دوسری رائے کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور کیوں صرف کر دیا۔

جب یہ مسئلہ قابل بحث نہیں تھا تو آپ نے ایک رائے کو جو استدلال پر مبنی تھی غلط قرار دے کر دوسری رائے منوانے کے لئے اسے قابل بحث کیوں بنایا۔ آپ کے قول و فعل میں یہ تضاد کس بات کا آئینہ دار ہے؟

ان ارشادات میں سے دو امور تفصیل طلب ہیں:

۱...... صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کون سی جماعت عدم سماع کی قائل تھی۔ ذرا اس جماعت کے اچھے افراد کے نام تو بیان فرمائیں کہ انہیں دوسری جماعت کے مقابلے میں جماعت کہا جا سکے۔ اب تک آپ سے یہ تو نہ ہو سکا۔ لے دے کے ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام آپ پیش کرتے ہیں۔ اس پر اسی کتاب کے باب "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور

سماع موتی'' میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع ثابت کیا جا چکا ہے۔

۲...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول جمہور صحابہ کے خلاف ہے۔

۳...... کسی صحابی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو تسلیم نہیں کیا۔

۴...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بدر کے واقعہ میں وہاں موجود نہ تھیں۔

۵...... بدر کے مقام پر تین سو کے قریب جماعت صحابہ کے سامنے مردہ کفار قلیب بدر سے کلام کی۔ جس پر صحابہ کا اجماع ہوا۔

صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے از راہ تعجب استفسار کیا۔ جس کے جواب میں حضور ﷺ نے بقید حلف فرمایا کہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رد عمل کیا تھا۔ اس کے بعد اس کا کوئی قول پیش کیجئے۔ جس سے ظاہر ہو کہ وہ نفی سماع کے قائل تھے۔ اس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سماع سے انکار کی حقیقت'' کے عنوان کے تحت دی جا چکی ہے۔ خدا کا رسول اللہ کی قسم کھا کر ایک حقیقت کا اثبات بیان کر رہا ہے اور آپ حضرات رسول خدا کی بات کو بے وزن قرار دے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول خدا کا مخالف ثابت کر رہے ہیں۔ کیا ٹھکانہ اس جرأت رندانہ کا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ صاف بتاتا ہے کہ سماع موتی پر بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا۔

دوسری بات جو ان ارشادات میں غور طلب ہے جزو ''ؤ'' کے تحت بیان ہوئی ہے کہ ''جو علماء سماع موتی کی نفی کرتے ہیں ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہے جب کہ قائلین سماع بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔'' ہماری یہ تحدی ہے کہ ایک صحیح حدیث عدم سماع موتی کے حق میں پیش کی جائے۔ ان حضرات کی اتنی کوششوں کے باوجود آج تک ایک صحیح حدیث بھی پیش نہیں کر سکے۔ پھر یہ کہنا نفی سماع کا عقیدہ احادیث صحیحہ پر مبنی ہے۔ خدا جانے یہ خود فریبی ہے یا ابلہ فریبی۔ صحیح حدیث تو ایک طرف، عدم سماع کے حق میں کوئی ضعیف حدیث ہی پیش کی جائے۔ ہاں موضوع حدیث قابل قبول نہ ہوگی۔ کیا ان حضرات کی نگاہ سے یہ حدیث نہیں گزری کہ من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار!

رہا سوال ظواہر قرآن کا جس کا مطلب یہ ہوا کہ ظاہری الفاظ قرآن سے دلیل پکڑتے ہیں۔ لیجئے ان آیات سے ظاہر الفاظ قرآن سے دلیل پکڑ کے مطلب بیان کریں۔

۱...... ''من کان فی ھذہ اعمی فھو فی الأخرۃ اعمی'' (بنی اسرائیل:۷۲)

۲...... کفار و منافقین کے حق میں فرمایا: ''صم بکم عمی فھم لا یرجعون'' (البقرۃ:۱۸)

۳...... قوم نوح کے حق میں فرمایا: ''انھم کانوا قوما عمین'' (اعراف:۶۴) یقیناً آپ ان آیات میں اندھے بہرے گونگے وغیرہ کے وہ معنی لینے کے لئے تیار نہیں ہوں گے جن کے لئے بظاہر یہ الفاظ وضع کئے گئے ہیں۔ لیجئے اب ان آیات پر غور فرمائیں۔

۱...... ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات'' (البقرۃ:۱۵۴)

۲...... ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا'' (آل عمران:۱۶۹)

دیکھئے قرآن حکیم ظاہر الفاظ سے کھلا کھلا اعلان کر رہا ہے کہ شہداء کو مردہ نہ کہو۔ بلکہ یہ دل میں خیال تک نہ لاؤ۔ کیا صرف سماع موتی کے مسئلہ میں ظاہر قرآن کا سہارا لینا ضروری ہے۔ باقی امور میں ظاہر قرآن سے کچھ سروکار نہیں؟

ان حضرات کا ایک سہارا وہ ہے جس کا اظہار (اقامۃ البرہان ص ۷۸) پر شیخ القرآن کی تائید میں کیا گیا ہے۔

''لوگوں میں جو عرف قائم ہوتا ہے اس کی بھی کوئی نہ کوئی دلیل ہوتی ہے۔ بلا دلیل کوئی عرف قائم نہیں ہوتا۔ مثلاً دیوار سے، درخت سے، پتھروں وغیرہ سے کلام کرنے کو بھی عرف عام میں کلام نہیں کہا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام سے جو مقصود ہوتا ہے یعنی اسماع اور افہام سنانا اور سمجھانا وہ یہاں مفقود ہوتا ہے اسی طرح میت میں بھی مفقود ہے۔''

یعنی یہ اس بات کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ایمان کا مبنی عرف ہوتا ہے۔ مگر جواب کی بنیاد ہی غلط ہے۔

۱...... عرف میں کلام اس کو کہا جاتا ہے جو جانبین میں، دنیوی امور یا دینی امور کے متعلق دنیا میں ہو۔ جن امور کے متعلق فریقین دنیا میں محتاج ہوں۔

۲...... کلام بالذات بدن سے ہو، روح سے بالذات نہیں۔

۳...... کلام بطور عادت ہو نہ کہ بطور خرق عادت۔ یعنی کلام جس سے ہو رہی ہو وہ حقیقتاً یا حکماً سامنے ہو اور کلام مادی آلہ یعنی زبان سے کرے اور فریق ثانی مادی آلہ زبان سے جواب دے۔

ان وجوہات کی بناء پر فقہائے احناف نے حکم دیا ہے کہ قسموں کی بنا عرف پر ہے اس سے شریعت کا تعلق نہیں اور بیان کردہ شرائط بالذات بدن میت میں مفقود ہیں۔ نہ یہ کہ بدن میت سنتا نہیں یا سمجھتا نہیں۔ چوں کہ میت عالم برزخ میں ہے۔ اس پر عالم برزخ کے احکام جاری ہوں گے۔ برزخ لطیف، وہاں کی تمام اشیاء لطیف، کلام لطیف اس لئے عالم دنیا اور عالم برزخ میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور عالم برزخ والوں سے کلام عادت کے طور پر نہیں بلکہ خرق عادت کے طور پر ہوتی ہے۔

اس لئے صاحب اقامۃ کے بیان میں یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ میت میں کلام کا مقصود یعنی سنانا اور سمجھانا ہی مفقود ہے۔

ان کا آخری سہارا ''فتاویٰ الغرائب فی تحقیق مذاہب'' میں امام صاحب سے منسوب ایک قول ہے۔ اس کا تفصیلی جواب تو گزر چکا ہے۔ اجمالاً یہ تو بتاؤ کہ کیا فتاویٰ الغرائب کا وجود بھی دنیا میں کہیں پایا جاتا ہے۔ اس کے مصنف کا نام بتائیں کیا یہ طبقہ علماء میں سے ہے۔

''من یاتی القبور'' میں من سے کون شخص مراد ہے۔ کس شہر کے قبرستان کا واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ''فتاویٰ'' فرضی کتاب مجہول، مصنف مجہول اور ناقل جاہل۔ اس پر امام صاحب کے مذہب کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ امام صاحب کے کسی شاگرد امام ابو یوسف یا امام محمد کا قول تو پیش کیا ہوتا۔ سن لیجئے امام صاحب کا قول تو پیش کیا ہوتا۔ سن لیجئے امام صاحب کا مذہب وہی ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ ملا علی القاری ترجمان حنفیت کا قلمی رسالہ ہم نے دیکھا ہے جس نے فرضی فتاویٰ الغرائب کا پول کھول دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''ان المشھور علی السنۃ الناس ان ابا حنیفۃ ینکر سماع الموتی لیس لہ اصل من الائمۃ اصلا واما الحکایۃ بان ابا حنیفۃ رأی من یاتی لقبور باھل الصلاح فیسلم ویتکلم ویقول یا اھل القبور ھل لکم من خبر وھل عندکم من الر الخ۔ فسمع ابو حنیفۃ یقول مخاطبۃ لھم فقال ھل اجابو الک قال لا فقال لہ سحقا لک وتربت یداک کیف تکلم اجساد لا یستطیعون جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمعون صوتا وقرأ

انک لا تسمع الموتی فلیس لہ اصل فی الکتب المشھورۃ ولم ینقل من الائمۃ الثلاثۃ بل اخذ ھذا من مسئلۃ فی باب الایمان۔ الخ"

لوگوں میں مشہور ہے کہ امام صاحب سماع موتی کے منکر ہیں، ہمارے ائمہ سے اس کی کوئی اصل نہیں۔ رہی یہ حکایت کہ امام صاحب نے ایک آدمی کو دیکھا جو نیک لوگوں کی قبروں پر جاتا۔ انہیں سلام کہتا ان سے خطاب کرتا۔ اے اہل قبور کیا تمہیں خبر ہے کہ کتنی مدت سے میں تم سے باتیں کرتا ہوں۔ تو امام صاحب نے سن کر فرمایا کیا انہوں نے تمہیں کوئی جواب دیا۔ کہا نہیں! تو فرمایا تو ہلاک ہو جائے کیا تو ایسے بدنوں سے کلام کر رہا ہے جو جواب کی طاقت نہیں رکھتے نہ ان کے پاس کوئی چیز ہے نہ وہ آواز سنتے ہیں۔ پھر امام صاحب نے قرآن حکیم کی آیت پڑھی "انک لا تسمع الموتی الخ" پس اس حکایت کی کوئی اصل نہیں نہ تو یہ کتب مشہورہ میں موجود ہے۔ نہ ائمہ ثلاثہ سے منقول ہے بلکہ یہ مسئلہ قسموں کے باب سے لیا گیا ہے۔

لیجئے اس جھوٹی حکایت کی قلعی کھل گئی۔ ان بزرجمہروں نے امام صاحب کے مذہب کی بنیاد محض ایک حکایت پر رکھی اور وہ بھی جھوٹی۔ دلیل کتنی وزنی ہے۔ لطف یہ ہے کہ اسی حکایت میں میتوں کے لئے السلام علیکم کا لفظ بھی موجود ہے۔ جیسے احادیث میں السلام علیکم دار قوم مؤمنین موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب السلام علیکم سن لیتے ہیں تو باقی کلام سن لینے میں کون سا ہمالیہ حائل ہو جاتا ہے۔

شیخ انور نے (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) میں یہ بات بھی واضح کر دی: "واعلم ان مسئلۃ الکلام وسماعہ واحدۃ" خوب جان لو میت سے کلام کرنا السلام علیکم کہنا اور میت کا سننا ایک ہی بات ہے۔

پھر ایک نئی بحث چھیڑتے ہیں کہ موضح القرآن میں ہے کہ "دھڑ نہیں سنتا جو قبر میں پڑا ہے روح سنتا ہے۔" یہاں بھی بات وہی ہے کہ سمجھ کا پھیر ہے۔ سنیئے حالتیں دو ہیں۔ دنیا میں بدن بالذات مکلف ہے اور روح بالتبع دنیا میں بالذات بدن دیکھتا سنتا بولتا ہے۔ مخاطب بھی بالذات بدن ہوتا ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ روح دیکھنے سننے بولنے سے عاری ہے۔ دونوں سنتے دیکھتے بولتے ہیں فرق بالذات اور بالتبع کا ہے۔

دوسری حالت برزخی ہے، برزخ میں روح مکلف بالذات ہے اور بدن بالتبع کلام بالذات روح کرتا ہے اور روح سنتا ہے ثواب وعذاب بالذات روح پر ہوتے ہیں۔ مگر اس سے یہ مراد کہاں ہے کہ بدن سنتا ہی نہیں، اسے عذاب وثواب کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہاں بھی فرق بالذات اور بالتبع کا ہے۔ بدن بالتبع سنتا ہے، بالذات نہیں سنتا۔ جہاں بھی علماء نے بدن کے سننے کی نفی کی ہے وہ بالذات کی نفی ہے۔ جب پہلے دلائل قطعیہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ مٹی زمین آگ پتھر پانی ہوا آسمان وزمین حجر وشجر تمام چیزیں سنتی ہیں تو بدن میت جب مٹی ہو جاتا ہے تو اس مٹی کو سننے میں کون سی چیز مانع ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے مراد ہوتی ہے بدن بالذات نہیں سنتا۔

آیت "انک لا تسمع الموتی" اور "وما انت بمسمع من فی القبور" کی تفصیل تفسیر حقانی سے نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سورہ روم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ان آیات سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردہ نہیں سنتا اور اس کی سند میں کچھ احادیث واقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ آج کل یہ مسئلہ سماع موتی باہمی قیل وقال کا بڑا میدان ہو رہا ہے۔ اگرچہ اس کی پوری تفصیل کا یہ موقعہ نہیں مگر مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔ ان آیات میں تو عدم سماع موتی کا اشارہ تک بھی نہیں۔ اس لئے ان آیات سے استدلال

کرنا بے فائدہ بات ہے۔ رہے احادیث واقوال ان سے بھی صاف معلوم نہیں ہوتا کہ میت نہیں سنتا۔ بلکہ بہت سی صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مردے زندوں کی آواز سنتے ہیں۔ از انجملہ وہ احادیث جو زیارت قبور کے باب میں وارد ہوئی ہیں جن میں مردوں سے خطاب کرکے کلام کیا جیسا ترمذی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو فرمایا السلام علیکم یا اھل القبور اسی طرح مسلم نے حضرت عائشہ ؓ سے روایت کیا کہ رسول خدا نے جنت البقیع میں جا کر یہی فرمایا السلام علیکم دار قوم مؤمنین اور ایسا ہی تعلیم بھی فرمایا۔

از انجملہ احادیث عذاب وثواب قبر میں جیسا بخاری، مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر لوگ واپس ہوتے ہیں تو ''انہ یسمع قرع نعالھم'' از انجملہ وہ جو بدر کے روز آنحضرت ﷺ نے کفار قریش کے مقتولوں سے خطاب کرکے فرمایا تھا کہ تم نے آج دیکھ لیا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ جس پر حضرت عمر ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ سنتے ہیں فرمایا تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں۔ لیکن جواب نہیں دیتے۔ اس کو بھی بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

نقلی دلائل کے جوابات ہو چکے۔ اب رہی بحث عقلی دلائل کی۔ تو عقل سلیم بھی یہی کہتی ہے۔

موضح القرآن کے حوالہ سے بحث چھیڑی تھی کہ روح سنتا ہے۔ دھڑ نہیں سنتا۔ لیجئے نیلوی صاحب نے اس کا بھی تیا پانچا کر دیا۔ (ندائے حق ص ۱۵۸) فرماتے ہیں ''البتہ روح کے سننے نہ سننے میں حنفیہ اور شوافع کا اختلاف ہے۔ ارجح یعنی راجح بلحاظ دلائل کے عدم سماع ہے اور زمانہ حال میں جب کہ قبر پرستی اور کفر وشرک کا دور دورہ ہے۔ انکار سماع کا فتویٰ دینا علماء اسلام پر واجب ہے۔''

لیجئے روح کا سننا بھی ختم، دعویٰ دیکھئے اور مشورہ سنئے۔ یعنی جسم کا کوئی عضو بیمار ہے تو اس کا علاج نہ کرو بلکہ عضو ہی کاٹ دو نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ صاحب موضح القرآن کے عہد میں روح سنتا تھا۔ نیلوی صاحب کے زمانہ میں روح بھی بہرا ہو گیا۔

نیلوی صاحب نے جابجا علماء دیوبند کو بناسپتی دیوبندی لکھا ہے اور اس میں تعجب کی بات کوئی نہیں کیوں کہ بناسپتی مسلمان اس کے بغیر کیا لکھ سکتا ہے۔ بندیالوی تو خیر مسلمہ اور مستند جاہل تھے۔ نیلوی کا کچھ بھرم قائم تھا۔ مگر شفاء الصدور اور ندائے حق نے تو ثابت کر دیا کہ مصنف صاحب عقائد اہلسنت سے مطلق جاہل ہیں اور مذاہب اہلسنت سے دور کا واسطہ بھی نہیں اور ندائے حق کے (ص ۱۵۶) پر اعتراف بھی کیا ہے کہ مؤلف شفاء الصدور اور مترجم دونوں جاہل ہیں۔

بہر حال ان دو کتابوں کا امتیازی وصف ائمہ دین کی توہین، علمائے متقدمین کی توہین، عبارتوں میں خیانت اور علمائے دیوبند کو بناسپتی دیوبندی کی پھبتی کے بغیر اور کوئی نہیں۔ کتب دینی کا انکار اور احادیث رسول کا انکار کرکے مصنف نے ثابت کر دیا کہ اس کا تعلق نہ دین سے ہے نہ رسول سے۔ پھر دعویٰ یہ کہ خدمت اسلام ہو رہی ہے۔ اسلام بھی کیا یاد کرے گا۔ کیسے ہمدرد اور بہی خواہ ملے تھے۔

ضمیمہ

حدیث مشکوٰۃ: ''اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوہ الی الارض فانی منھا خلقتھم وفیھا اعیدھم ومنھا اخرجھم تارۃ اخری''

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اعادہ روح زمین کی طرف ہوتا ہے اور زمین میں جسم خاکی عنصری مدفون ہوتا ہے اس لئے اعادہ روح اسی جسم خاکی کی طرف ہوتا ہے۔

اس حدیث سے نیلوی صاحب کے فاسد عقیدہ کی برملا تردید ہوتی ہے۔ لہٰذا نیلوی صاحب نے اپنے علم کے زور سے اس پر خاص توجہ فرمائی ہے۔

ا...... فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح نہیں۔ یعنی حدیث ضعیف ہے۔ اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ حدیث قابل التفات نہیں۔ لہٰذا عود روح کا مسئلہ ثابت نہیں۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ وہ حضرات جنہیں آپ معتبر سمجھتے ہیں وہ آپ کے ہم نوا نہیں ہیں مثلاً (الف) علامہ ابن تیمیہ نے (شرح حدیث النزول ص ۸۲) پر فرمایا ہے کہ عود روح کی احادیث متواتر ہیں۔ "مع ان سائر الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن"

(ب) علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس کی تائید کی ہے۔

(ج) علامہ سیوطی نے شرح الصدور میں تواتر کی تصدیق فرمائی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ، ابن قیم اور علامہ سیوطی جیسے زعماء فرماتے ہیں کہ عود روح الی الجسد کا مسئلہ متواترات سے ہے اور "علامہ" نیلوی (ندائے حق ص ۸٦) پر فرماتے ہیں کہ منکر تواتر کافر ہے اور حضرت نیلوی خود اس کے منکر ہیں۔ لہٰذا ان کی اپنی حیثیت ان کے ہی قول سے ظاہر ہے۔

(د) تحقیق کا دوسرا پہلو ملاحظہ ہو (ندائے حق ص ۷۷) پر فرماتے ہیں کہ "ارض" سے خاکی زمین مراد نہیں بلکہ مراد مستقر ہے یعنی ارض برزخیہ مراد ہے جسے جنت برزخیہ بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ بالکل صحیح ہے کہ جنت پر بھی ارض کا اطلاق ہوا ہے جیسے قال تعالیٰ:

ا...... "الحمدللہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض" (الزمر: ۷۴)

۲...... "ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا من عبادی الصالحون" (انبیاء: ۱۰۵)

اسی طرح حدیث میں ارض کا جو لفظ آیا ہے۔ اس سے بھی مراد برزخی ارض ہے۔ (ص ۹۷) پر فرمایا "یقال للارض التئمی علیہ" اس سے برزخی دوزخ کی زمین ہے۔

اپنے اس دعویٰ کی تائید کے لئے قرآن حکیم سے دلیل پیش فرمائی۔

ا...... "وضاقت علیکم الارض بما رحبت" (توبہ: ۲۵)

۲...... "وضاقت علیھم الارض بما رحبت" (توبہ: ۱۱۸)

۳...... "وضاقت علیھم انفسھم" (توبہ: ۱۱۸)

پھر (ص ۷۳) پر امام راغب کے حوالہ سے لکھا کہ ارض سے مراد مستقر میت ہے پھر فرماتے ہیں کہ میت کیا چیز ہے؟ جواب دیتے ہیں یاد رہے میت کا لفظ جیسا بدن پر بولا جاتا ہے ویسا ہی روح پر بھی بولا جاتا ہے۔

پھر کتاب الروح سے عبارت نقل کرتے ہیں جس سے مقصد اپنے موقف کو تقویت دینا ہے۔ "الروح توصف بالوفات والقبض والامساک والارسال" اور شرح الصدور سے عبارت پیش فرمائی۔ "ان النبی ﷺ اذا دخل المقابر قال السلام علیکم ایتھا الروح الفانیۃ والارواح البالیۃ وعظام النخرۃ" علامہ ابن قیم نے خود اس عقدہ کا حل پیش کیا ہے اور "محقق" صاحب نے وہ حل نقل بھی کیا ہے۔ مگر سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: ''والصواب ان یقال موت الروح هی المفارقة عن الجسد'' اور فنا کی حقیقت بھی علامہ سیوطی نے بیان فرمادی ''والمراد بفناء هذه الروح ذهابها من الاجساد''

ظاہر ہے کہ روح کی بدن سے مفارقت کے عمل پر وفات کا لفظ بول دیا جاتا ہے اور بدن سے روح کی جدائی پر فنا کا اطلاق کردیا جاتا ہے۔ رہا لفظ قبض اور امساک کا استعمال تو مجتہد صاحب کو کون بتائے کہ یہ الفاظ موت پر دلالت نہیں کرتے۔

مجتہد صاحب کو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ حمل مشتق کا قیام مبدأ کو چاہتا ہے بلکہ حمل مشتق کی علت بھی مبدأ ہوتا ہے۔ لہٰذا میت اور اس کو کیا جائے گا جس کے ساتھ موت قائم ہوگی اور میت مشتق موت سے ہے۔ اب ذرا اس کی وضاحت فرمائیں کہ کیا روح کے ساتھ مبدأ میت جو موت ہے قائم ہوئی؟ جب روح پر موت وارد نہیں ہوئی تو اس کو میت کہنا کہاں کی عقل مندی دیانت یا علمیت کی دلیل ہے۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ مستقر میت سے مراد مستقر بدن ہے۔

شرح الصدور سے مجتہد صاحب نے جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں بھی اپنی روایتی دیانتداری پر برابر قائم ہیں پوری روایت یوں ہے ''اخرجه ابن السنی عن ابن مسعود ان النبی ﷺ کان اذا دخل المقابر قال السلام علیکم ایتها الارواح والابدان البالیة والعظام النخرة التی خرجت من الدنیا وهی بالله مومنة اللهم ادخل علیهم روحا منک وسلاما منا فانه مع ضعف مؤل''

نیلوی صاحب نے حدیث کے ضعیف ہونے کو نظر انداز فرمادیا کیوں کہ اس کا ذکر کرنے سے اپنا فاسد عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا تھا۔ لہٰذا فن کاری کا تقاضا یہی تھا کہ حدیث میں کتر بیونت کرلی جائے۔

اب ہم مشکوٰۃ شریف کی اصل حدیث پر تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔ نیلوی صاحب نے اس حدیث سے ذیل کے نتائج اخذ کئے ہیں۔

۱...... ارض سے ارض خاکی مراد نہیں بلکہ مستقر میت مراد ہے۔

۲...... ارض سے زمین برزخی مراد ہے۔

۳...... ارض سے مراد برزخ کی جنت لی جاسکتی ہے۔

۴...... جنت پر ارض کا اطلاق ہوا ہے۔

اوّل تو منزل پر پہنچنے کے لئے حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کا سہارا لینا پڑا۔ پھر بات ایک مجاز پر ختم نہیں ہوئی بلکہ مجاز در مجاز کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پہلے ارض سے مراد میت کا مستقر لیا یہ ہے مجاز اوّل۔ پھر برزخی ارض برزخی زمین مراد لی یہ ہے مجاز دوم۔ پھر برزخی ارض سے جنت کی ارض مراد لی۔ مجاز سوم حقیقت سے فرار کا نتیجہ اس کے بغیر اور کیا نکل سکتا ہے۔ حالاں کہ جس شرح الصدور کا آپ نے سہارا لیا۔ اسی کے (ص ۶۳) پر علامہ سیوطی نے وضاحت فرمادی ہے کہ ''ارض سے حقیقی قبر مراد ہے اور عذاب وثواب بھی حقیقی مراد ہیں نہ کہ مجازی کہ صرف غم اور پریشانی مراد ہو۔ یہ نہیں بلکہ حقیقی عذاب مراد ہے۔''

فرماتے ہیں: ''وقال ﷺ فی القبر القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النار۔ محمول عندنا علی الحقیقة لا المجاز وان القبر یملأ علی المؤمن خضراء'' یہ حدیث اہلسنت والجماعت کے نزدیک اپنی اصل حقیقت یعنی حقیقی معنوں پر محمول ہے۔ اس میں مجاز در مجاز کے طویل چکر کا تکلف ہرگز نہیں کیا گیا ہے۔ اسی طرح حدیث ''یقال الارض التئمی علیه'' بھی اپنی حقیقت پر محمول ہے۔ اگر نیلوی صاحب کو اسی پر اصرار ہے کہ

مجاز ہے تو ثبوت پیش کریں ہاں ثبوت معتزلہ خارجیہ اور کرامیہ کے گھر سے نہ لایا جائے۔

پھر "ارض" کے لفظ میں اپنے من مانے معنی پہنانے کے لئے قرآن کریم کی دو آیات پیش کی گئی ہیں۔ اوّل تو وہ بے محل ہیں پھر ان میں بھی فنکاری سے کام لیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں یا حدیث رسول میں جہاں کہیں لفظ ارض واقع ہوا ہے وہاں بھی خاکی زمین مراد ہے جس پر ہم چلتے پھرتے ہیں اور جس سے ہماری تخلیق ہوتی ہے۔ مطلق ارض بول کر کہیں جنت مراد نہیں لی گئی۔

پہلی آیت صرف وہاں تک نقل کی جہاں تک دھوکہ دینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ حالانکہ "واورثنا الارض نتبوأ من الجنة حیث نشاء" سے بات واضح ہو جاتی ہے۔ اگر ارض سے جنت ہی مراد ہے تو "من الجنة" کا حصہ زائد ہوا۔ ظاہر ہے کہ مطلق ارض پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ من الجنة میں بیان ارض آ گیا۔ نیلوی صاحب کو کوئی نئی آیت پیش کرنی چاہئے جس سے آسمان زمین جنت، دوزخ، عذاب ثواب سب مثالی ثابت ہوں آیت نہ ملے تو کوئی صحیح حدیث ہی پیش کر دیں مگر بیچارے لائیں کہاں سے؟

پھر (ندائے حق ص ۷۸) پر قبر کی تنگی اور وسعت بیان کرتے ہوئے نیلوی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم میں "وضاقت علیکم الارض بما رحبت" اور "حتی اذا ضاقت علیکم الارض بما رحبت" اور "ضاقت علیھم انفسھم" جو آتا ہے "ضیق الارض" کا لفظ روئے زمین پر چلنے پھرنے والے اہل دنیا پر استعمال کیا گیا ہے۔

اس سے نیلوی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قبر میں ثواب وعذاب حقیقی معنوں میں مراد نہیں ہے بلکہ مجاز ہے یعنی سختی سوال، امن، طیب عیش مراد ہے۔ حقیقی جنت نہیں مگر امام سیوطی کا قول نقل کیا جا چکا ہے کہ محمول عندنا علی الحقیقۃ اسی طرح علامہ قرطبی بھی اسی کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ مگر نیلوی کسی سیوطی اور قرطبی سے کیا کم ہے کہ اسلاف کے بچے ہوئے راستے پر چلے۔ کمال اسی میں ہے کہ بات وہ کہو جو پہلے کسی شریف آدمی نے نہ کہی ہو تاکہ بعد میں آنے والے نام تو لیں یہ اور بات ہے کہ "بدنام تو ہوں گے مگر کیا نام نہ ہو گا۔"

یوں بھی ثواب وعذاب قبر کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے اور اس میں تاویل حرام ہے۔ لہٰذا نیلوی صاحب جب اس حرام کا ارتکاب نہ کریں تو ان کی شخصیت اور ان کا صحیح مقام متعین کیسے ہو سکتا ہے۔

ضیق الارض کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "یہ لفظ روئے زمین پر چلنے پھرنے والی مخلوق کو شامل ہے۔" معانی میں جو وسعت آپ نے پیدا کی آیت کا شان نزول اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ یہ آیت تو ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو حنین کی جنگ میں ہوازن پر حملہ آور ہوئے۔

قال تعالیٰ: "لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین" (توبہ:۲۵)

دوسری آیت "وضاقت علیھم الارض بما رحبت" جنگ تبوک میں حاضر نہ ہونے والے تین آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ نے اس میں روئے زمین کی مخلوق کو کیونکر شامل کر لیا۔

پھر یہ کہ یہ دونوں آیتیں تو زندوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ آپ نے صرف علم کے زور سے خوارج کی طرح انہیں مردوں پر چسپاں کر دیا۔ اس لئے وہ آیت پیش کریں جس سے ارض مثالی اور عذاب و ثواب مثالی ہوں جیسے خواب میں ہوتا ہے۔ آیت یا حدیث آپ بھلا کہاں سے لاتے البتہ آپ نے ایک ایسا سہارا جس کے خود آپ منکر ہیں۔ آپ

فرماتے ہیں کہ "کشف سے صوفیہ کو معلوم ہوا ہے کہ جنت دوزخ مثالی ہیں" مگر صوفیہ کو معلوم ہوتا رہے آپ کو اس سے کیا تعلق؟ اوّل یہ کہ آپ کی پارٹی کشف کو شرک قرار دے چکی ہے پھر یہ کہ کشف دلیل شرعی نہیں۔ اولہ اربعہ سے دلیل لایئے۔ پھر یہ بتائیں کہ یہ کس صوفی کا قول ہے۔ حضرت تھانوی تو خود صاحب کشف نہ تھے۔ نیلوی صاحب تو صوفیہ کو معلوم ہوا تک جا کر ہی رک گئے۔ اس قافلے کے ایک اور راہرو جناب سجاد صاحب (اقامۃ البرہان ص ۱۶۵) پر فرماتے ہیں "عالم مثال اور اجساد کا وجود دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔" یہ بھی خوب کہی۔ مگر ان دلائل قطعیہ میں سے نمونہ کے طور پر کوئی ایک دلیل تو پیش کی ہوتی۔ قطعی کیا وہمی دلیل بھی آپ پیش نہیں کر سکتے کہ برزخ میں جسم مثالی ملتا ہے جس پر ثواب وعذاب مترتب ہوتا ہے۔ ثواب وعذاب کے لئے جسم مثالی دلیل قطعی سے ثابت کیجئے۔

(ندائے حق ص ۲۵۱) پر نیلوی صاحب نے ایک اور گل کھلایا ہے فرماتے ہیں کہ ایمان اور نبوت ورسالت صفات روح کی ہیں یعنی جسم خاکی کی نہیں اور عالم برزخ میں روح کو جسم مثالی مل جاتا ہے اور جسم عنصری سے روح کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اسلام کا مسلمہ قانون ہے کہ نبی اور رسول دنیا برزخ اور آخرت میں نبوت اور رسالت کے ساتھ موصوف رہتے ہیں۔ ولی اپنی ولایت کے ساتھ اور مومن اپنے ایمان کے ساتھ موصوف رہتا ہے۔ نبوت رسالت، ولایت اور ایمان بالذات روح کی صفات ہیں۔ روح چوں کہ بدن کے ہر جزو میں حلول کئے ہوتی ہے یا جیسے آگ لوہے کے ہر ذرے کو حلول کئے ہوتی ہے۔ اب صورت یہ بنتی ہے کہ عالم برزخ میں اگر روح کا تعلق جسم خاکی سے منقطع ہو گیا تو جسم خاکی ایمان نبوت رسالت کی صفات سے خالی ہو جائے گا۔ یعنی کوئی آدمی برزخ میں ایمان کی صفت کے ساتھ موصوف نہ ہو سکے گا۔ کیوں کہ تعلق منقطع ہو گیا۔ لہٰذا جسم عنصری تو ایمان، نبوت رسالت کا محل نہ رہے گا گویا برزخ میں کوئی مومن مومن نہیں کوئی نبی نبی نہیں۔

صوفیہ جو برزخ میں جسم مثالی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ روح معہ جسم مثالی کا تعلق جسم عنصری سے رہتا ہے۔ مگر آپ نے صوفیہ کی بات مانی بھی تو آدھی۔

ایمان مرکب ہے قول وعمل سے۔ قول بھی دو قسم اور عمل بھی دو قسم رکھتا ہے۔ قول قلب اعتقاد ہے قول اعضاء جوارح زبان سے لاالہ الا اللہ پڑھنا ہے۔ عمل قلب نیت اور اخلاص ہے عمل اعضاء وجوارح عبادات ہیں۔ ان چار چیزوں کی ترکیب کا نام ایمان ہے۔ ان میں اساس تصدیق قلبی ہے۔ اگر یہ نہیں تو ایمان نہیں۔ اس میں خلوص نہیں تو نفاق ہے۔ اگر برزخ میں روح کا تعلق ان سے منقطع ہو جائے تو ایمان کہاں رہا۔

کلمہ طیبہ کی بحث میں بیان ہو چکا ہے کہ محل مشتق کا قیام مبداء کو چاہتا ہے بالخصوص وقت تحقیق قضیہ، لہٰذا رسول تب ہو گا جب اس کے ساتھ رسالت قائم ہو گی۔ جیسا کہ (شامی ج ۴ ص ۵۰) "وھو الرسول فیکون مبدأ الاشتقاق علتہ وھو الرسالۃ" رسول کو محمد پر محمول کرنا اس کی علت اس کا مبدأ ہو گا جو رسالت ہے۔ رسول کے ساتھ رسالت قائم ہوئی تو رسول بنا۔

اب نیلوی صاحب فرمائیں کہ جب رسالت صفت روح کی ہوئی۔ جب عالم برزخ میں روح کا تعلق بدن عنصری یعنی محمد ﷺ سے نہ رہا بلکہ اس کا تعلق جسم مثالی سے ہو گیا تو آپ کے عقیدہ کے مطابق بعد وفات محمد تو رسول نہ رہے بلکہ جس جسم مثالی سے روح کا تعلق بنا وہ رسول ہوا۔ پھر آپ کا لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا کیا معنی اور آپ کی توحید کا کیا بنا؟

ہاں ایک بات سمجھ لیجئے کہ جو لوگ نبوت رسالت اور ایمان کو روح کی صفت بیان کرتے ہیں ان کا عقیدہ

ہے کہ روح کا تعلق برزخ میں بھی جسم خاکی عنصری سے ہوتا ہے۔ مگر آپ تو روح کا تعلق جسم عنصری سے توڑ چکے ہیں۔ لہٰذا آپ کے کفری عقیدہ کے مطابق بدن محمد ﷺ اب نبوت و رسالت سے خالی ہو گیا۔

مستقر میت

نیلوی صاحب مستقر میت کی بحث کرتے ہوئے پہلے دو متضاد دعوے کئے (ندائے حق ص ۷۷) پر فرمایا کہ میت کا اطلاق روح پر بھی ہوتا ہے اور (ص ۷۹) فرماتے ہیں کہ روح پر موت وارد نہیں ہوتی نہ فنا ہوتا ہے۔

"ویعرج الی السماء ولا یموت ولا یفنی لیس له اول ولیس له آخر"

سوال یہ ہے کہ جب روح پر موت وارد نہیں ہوتی تو اس پر میت کا اطلاق کیونکر ہوتا ہے۔ مگر جدید تحقیق کا خاصہ یہ ہے کہ محقق کسی ایک بات پر ٹھہر نہ سکے۔ بہر حال مستقر میت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کچھ فرمایا ہے "ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین قال فیها تحیون وفیها تموتون ومنها تخرجون" (الاعراف: ۲۴) اس کی تفسیر ان حضرات کی زبانی سنئے جو آپ کے پائے کے محقق خواہ نہ ہوں۔ بہر حال مسلمہ مفسر قرآن ہیں۔

"المستقر: مستقر القبور ومستقر فوق الارض وتحتها رواهما ابن ابی حاتم قال فیها تحیون وفیها نعیدکم ومنها نخرجکم تارة اخرى انه يخبر تعالى انه جعل الارض دار بنی آدم مدة حياة الدنيا فيها محياهم ومماتهم وقبورهم ومنها نشورهم يوم القيامة الذی يجمع الله فيه الاولين والآخرين"

مستقر قبریں ہیں، مستقر زمین کے اوپر بھی ہے اور زمین کے اندر بھی۔ ابن ابی حاتم نے بیان کیا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں تم زندہ رہو گے بعد موت اسی میں ہم تمہیں لوٹا دیں گے اور قیامت کے دن اسی زمین سے تمہیں نکال لیں گے۔ اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ زمین کو بنی آدم کا گھر بنایا ہے حیات دنیوی تک اسی زمین میں زندہ رہنا ہے اسی میں موت ہے اور اسی میں ان کی قبریں ہیں اور اسی زمین سے قیامت کے دن اٹھنا ہے جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جمع کرے گا۔

آیت (۳) "الم نجعل الارض كفاتا احياء وامواتا" (مرسلات: ۲۵، ۲۶) کی شرح تفسیر قرطبی (ج ۱۹ ص ۱۶۱) "الم نجعل الارض كفاتا احياء وامواتا فالارض تضم الاحياء الى منازلهم والاموات فی قبورهم قال المجاهد والاخفش وابو عبيده الاحياء والاموات ترجع الى الارض" زمین زندوں کو ان کے گھروں میں اور مردوں کو ان کی قبروں میں جمع کر لیتی ہے۔ مجاہد اخفش وابوعبیدہ کا قول ہے کہ زندہ اور مردہ دونوں زمین میں جاتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انسان کی اصل قیام گاہ جنت ہے یا جہنم۔ دنیا میں انسان کی قرارگاہ ایک مدت مقررہ تک ہے۔

اور (ابن کثیر ج ۴ ص ۴۶۰) "قال الشعبی بطونها لامواتكم وظهرها لاحيائكم" شعبی فرماتے ہیں کہ زمین کی پشت زندہ انسان کے لئے اور اس کا پیٹ مردوں کے لئے ہے۔

اور فتح القدیر علامہ شوکانی (ص ۳۵۷) "معنى الكفت فی اللغة الضم والجمع قال الم نجعل الارض الخ ضامة الاحياء على ظهرها والاموات فی بطنها" کفت کا لغوی معنی جمع کر کے اکٹھا کرنا ہے۔ زمین زندہ کو اپنی پیٹھ پر اور مردوں کو اپنے پیٹ میں جمع کرتی ہے۔

اور تفسیر خازن میں ہے "الم نجعل الارض كفاتا يعنی تكفتهم احياء على ظهرها فی دورهم ومنازلهم وتكفتهم امواتا فی بطنها فی قبورهم ولذلك تسمى الارض اما لانها تضم الناس كالام تضم ولدها" زمین

زندوں کو اپنی پشت پر سمیٹ رکھتی ہے ان کے گھروں اور مکانوں اور مردوں کو اپنے پیٹ میں ان کی قبروں میں سمیٹ رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے زمین کو ماں کہا جاتا ہے کہ یہ آدمیوں کو جمع کر رکھتی ہے جیسے ماں اپنے بچے کو چھاتی سے لگاتی ہے۔

اور علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''فان قبر المسلم له من الحرمة ما جاءت به السنة اذ هو بيت المسلم الميت فلا يترک عليه شئى من النجاسات بالاتفاق ولا يوطا ولا يتكاء عليه عندنا وعند جمهور العلماء'' مسلمان کی قبر کی عزت اسی طرح کی جائے جیسے حدیث میں آیا ہے کیونکہ قبر میت کا سکونتی گھر ہے اس لئے اس پر نجاست نہ پھینکی جائے اسے پاؤں سے روندا نہ جائے نہ اس پر تکیہ لگایا جائے۔ ہمارا اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ (اقتضائے صراط مستقیم ص ۱۵۶)

لیجئے آیات قرآنی سے ثابت ہے کہ مستقر میت زمین ہے حدیث یہی بتاتی ہے۔ مفسرین فقہاء زمین کو ہی مستقر میت بتاتے ہیں۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے لیکن نیلوی صاحب بھلا اس راستے پر کیوں چلیں جو اللہ تعالیٰ نے دکھایا اور جس پر امت کے بہترین افراد چلتے رہے۔ میت کے لفظ کا اطلاق آپ جس پر چاہیں۔ بہرحال مستقر میت تو زمین ہی ہے ہاں جسے اللہ اور رسول کی مخالفت ہی کرنا ہو وہ جو چاہے کہتا پھرے۔ مگر اسے بھی اس مستقر سے مفر نہیں۔

رہی یہ بات کہ مستقر ارواح علیین اور سجین بھی بعض حضرات کہتے ہیں تو اس میں کوئی الجھن نہیں علیین اور سجین کی حدود اسی قبر سے شروع ہوتی ہیں انتہا جہاں جائے چلی جائے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ثواب وعذاب عالم برزخ میں ہوتا ہے نہ کہ قبر۔ برزخ زمانہ کا نام ہے تو اس کی مثال یوں سمجھئے کہ عالم دنیا اور عالم آخرت زمانہ بھی ہے اور جہاں بھی ہے۔ اب کوئی کہے کہ زید لاہور میں رہتا ہے دوسرا کہے کہ زید دنیا میں رہتا ہے تو اس میں الجھن کونسی ہے۔ لاہور کا شہر دنیا ہی میں تو ہے یا مثلاً کوئی مجرم جیل میں سزا پا رہا ہے کوئی کہے کہ دنیا میں عذاب اٹھا رہا ہے تو اس میں کون سا پیچ پڑ گیا ہے جیل آخر اسی دنیا میں تو ہے اسی طرح قبر عالم برزخ میں ہے عالم برزخ کا نام لے کر عذاب وثواب قبر کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح علیین اور سجین کا نام لے کر قبر کے مستقر ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی اور نیلوی صاحب کا یہ دعویٰ بھی پادر ہوا ہو گیا کہ عالم برزخ میں ایک مثالی زمین ہے، مثالی آسمان ہوتا ہے، مثالی قبر ہوتی ہے، کیوں کہ دعویٰ مثالی کا ہے اور دلیل خاکی زمین کی پیش کی ہے۔

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم، حدیث نبوی اور علم فقہ میں قبر بمعنی برزخ کہیں نہیں آیا اور مولانا قاضی شمس الدین صاحب نے (مسالک العلماء ص ۲۶) پر یہ تسلیم کیا ہے اور خود نیلوی صاحب (ندائے حق ص ۷۵) پر مان گئے ہیں کہ قبر بمعنی برزخ قرآن میں نہیں آیا اور برزخ بمعنی قبر بھی نہیں آیا اور یہ بھی مان لیا ہے کہ قبر بمعنی برزخ لینا بعد والوں کی ایجاد ہے تو نیلوی صاحب سے کوئی پوچھے کہ قرآن کو چھوڑ کر بلکہ اس کی مخالفت کر کے ایجاد بندہ قسم کا عقیدہ اور دین آپ نے کیوں اپنا لیا اور یہ اگر یہ اختراعی عقیدہ اپنانا ہی تھا تو اسے اپنی ذات شریف تک محدود رکھا ہوتا۔ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا بیڑا اٹھا کر اس گناہ بے لذت کو دو آتشہ کرنے کا شوق کیوں چرایا۔ اس موقع پر آیت ''ولقد كتبنا في الزبور الخ'' کی تفصیل دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لفظ ارض مطلق ہے اس میں تین قول ہیں۔ اوّل ارض سے شام کی زمین مراد ہے۔ دوم ایران وروم کی زمین مراد ہے۔ سوم جنت مراد ہے۔ مگر قول سوم بلا دلیل ہے۔ مطلق ارض جہاں آئے اس سے جنت ہرگز مراد نہیں لی جا سکتی بلکہ خاکی زمین مراد ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء مقصد اوّل (ص ۲۰۱) پر فرماتے ہیں:

''فقیر گوید در معنی آیت جمعے زمین جنت مراد داشتہ اند وہیچ جا شاہداں نخواہی یافت کہ در قرآن یا سنت لفظ ارض گفتہ باشد وجنت عدن ارادہ کردہ۔'' فقیر کہتا ہے بعض لوگوں نے اس آیت میں جنت کی زمین مراد لی ہے۔ مگر

قرآن وسنت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ زمین بول کر مراد جنت لی جائے۔

اور علامہ سیوطی نے (خصائص الکبریٰ ج۱ ص ۴۳) پر فرماتے ہیں: "اختصاصہ بذکر اصحابہ فی الکتب السابقۃ وعدھم بوراثۃ الارض قال تعالٰی ولقد کتبنا فی الزبور" حضور ﷺ کی خصوصیات سے ہے کہ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کتب سابقہ میں موجود ہے اور ان سے وراثت زمین کا وعدہ کیا گیا ہے جیسے ولقد کتبنا۔

"اخرج ابن ابی حاتم فی تفسیرہ عن ابن عباس فی الایۃ قال اخبر اللہ فی التوراۃ والزبور وسابق علمہ ان تکون السمٰوات والارض ان یورث امت محمد الارض" ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے توریت اور زبور میں اپنے سابقہ علم کے مطابق جو پیدائش آسمان وزمین سے پہلے کے متعلق ہے خبر دی ہے کہ امت محمدیہ کو زمین کا وارث بناؤں گا۔

اور اسی طرح ابن ابی حاتم سے ہے: "عن ابی الدرداء انہ قرأ قولہ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون فقال نحن الصالحون" ابودرداء سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے آیت "ولقد کتبنا الصالحون" پڑھی اور فرمایا ہم صالحین ہیں۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں میں نے زبور کا ایک نسخہ دیکھا جس میں ۱۵۰ سورتیں تھیں چوتھی سورت میں لکھا تھا، "یاداؤد اسمع ما اقول مر سلیمان فلیقل للناس من بعدک ان الارض لی اورثھا محمدا وامتہ" اے داؤد سنو! میں کہتا ہوں اور سلیمان کو ہدایت کر کہ آنے والے لوگوں سے کہے کہ زمین میری ہے میں اس کا وارث محمد اور ان کی امت کو بناؤں گا۔

جسم مثالی کے لئے ثبوت

(اقامۃ البرہان ص ۱۷۷) ارواح شہداء کو دوسرے ابدان مثالیہ سے متعلق کر دیا جاتا ہے۔ پھر اسی کے (ص ۱۹) پر جسد سے جسد مثالی مراد ہے جو طیوری قالبوں کی شکلوں میں ان کو دیا گیا ہے۔ پھر اسی کے (ص ۱۲۲، ۲۳، ۲۵۰) پر جسد سے جسد مثالی طیوری قالب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جسم مثالی جو برزخ میں ملتا ہے وہ پرندہ ہوتا ہے اور پرندہ کی شکل پر ہوتا ہے۔ اوّل تو ان کا یہ جسم مثالی تمام کے لئے نہیں جیسا کہ (کتاب الروح ص ۳۹) "ویکون ھذا الطائر مرکبا للروح لھا ویکون لبعض المؤمنین والشھداء" یہ پرندہ روح کے لئے سواری ہے وہ بھی بعض اہل ایمان اور شہداء کے لئے ہے سب کے لئے نہیں۔

اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱...... صاحب اقامۃ البرہان کے مذہب کے مطابق پرندہ ہی جسم مثالی ہو۔

۲...... پرندہ کی طرح روح تیز اڑتا ہو نہ کہ پرندہ ہی روح کا جسم مثالی ہو۔

۳...... پرندہ روح کی سواری ہو۔ جیسے ہوائی جہاز پر لوگ سفر کرتے ہیں مگر ہوائی جہاز کو انسان کے روح کا جسم مثالی کوئی نہیں کہتا۔

پہلا قول تو غلط محض ہے، اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ جسم عنصری کا جسم مثالی وہ ہونا چاہئے جو اسی جسم عنصری کی شکل کا ہے۔ انسان کو جسم مثالی دیا بھی تو حیوان کی شکل کا۔ جب تک زندہ تھا۔ اشرف المخلوقات کہلاتا تھا۔ مرنے کے بعد حیوان بنا

دیا۔ آخر کیوں؟ کیا شہادت کا صلہ یہی ہے۔ قول دوم کہ روح کی اڑان مثل پرندہ کے تیز ہو۔ یہ ممکن ہے مگر قول مرجوح ہے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۲۱) "ویمکن حمل احادیث الطیر علی تشبیہ ھذا الابدان الفضۃ الطریۃ بسرعۃ حرکتھا وذھابھا حیث شاءت بالطیر الخضر" ممکن ہے ان طیر کی حدیثوں سے مراد ان تروتازہ بدنوں کو جلدی حرکت کرنے اور حسب منشاء ادھر ادھر جانے کی وجہ سے سبز پرندوں سے تشبیہ دی گئی ہو۔

قول سوم راجح ہے جیسا تفسیر (جمل ج ا ص ۱۲۳) "ان الطیور للارواح کالھوادج للمجالس" پرندوں کے قالب ارواح کے لئے مثل پالکی کے ہوں۔

اور (عقیدہ السفارینی ج ۲ ص ۴۸) پر ہے: "یحتمل ان یکون ھذا الطائر مرکبا للروح" ہوسکتا ہے کہ یہ پرندہ روح کی سواری ہو یعنی روح اس میں سوار ہو۔

مولانا تھانوی نے (اشرف الجواب ج ۳ ص ۲۱۳) پر گویا حدیث طیر کی شرح ہی کر دی۔ فرمایا: "جنت میں وہ جسم طیر شہداء کے لئے مرکب ہوگا۔ پس ارواح شہداء کا حواصل طیور میں ہونا ایسا ہے جیسا دنیا میں ہم بہلی بگھی یا ڈولی اور پالکی میں سوار ہوتے ہیں۔ اگر پالکی اور بگھی بند ہو تو دیکھنے کو یہی معلوم ہوگا کہ پالکی اور بگھی آرہی ہے۔ ہمارا جسم اسے نظر نہ آئے گا مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ بگھی اور پالکی ہمارا جسم ہے اور ہماری روح اس کے اندر حلول کئے ہوئے ہے۔ بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کے اندر جو آدمی بیٹھا ہے اس کا جسم بگھی اور پالکی کے جسم سے علیحدہ ہے اور یہ محض اس کی سواری ہے اسی طرح یہاں سمجھئے کہ جنت میں ارواح شہداء کے لئے پرندوں کا جسم بمنزلہ سواری کے ہے اور بمنزلہ پالکی کے ہوگا۔

بات تو صاف ہے مگر آدمی ضد پر آجائے تو کب کسی کی مانتا ہے۔ جسد عنصری کا انکار اور سوال و جواب اور عذاب وثواب کے لئے جسم مثالی کے عقیدہ کی ایجاد دراصل حدیث، تفسیر اور تواتر کا انکار ہے۔ ویسے نیلوی صاحب نے (ندائے حق ص ۱۵۹) پر تواتر کا صاف انکار کر دیا ہے اور یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ اگر تواتر نظری ہو تو منکر تواتر فاسق وفاجر ہے اور اگر تواتر بدیہی ہو تو اس کا منکر کافر ہوگا۔ اس لئے اس خاص مسئلہ میں ان علماء کا فیصلہ سنا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کو یہ لوگ اپنا مقتدا مانتے ہیں۔

۱...... شرح حدیث النزول علامہ ابن تیمیہ (ص ۸۲) "ان سائر الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن اذا المسئلۃ البدن بلا روح قول طائفۃ من الناس وانکرہ الجمھور وکذالک السؤال للروح بلا بدن قالا ابن میسرہ وابن حزم ولو کان کذالک لم یکن للقبر بالروح اختصاص وزعم ابن حزم ان العود لم یروہ الا زاذان عن البراء وضعفہ" تمام صحیح متواتر احادیث بدن کی طرف روح لوٹانے پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ سوال بدن بلا روح سے ہوتا ہے۔ مگر جمہور نے اس کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح روح بلا بدن سے سوال یہ ابن میسرہ اور ابن حزم کا قول ہے۔ اگر صرف روح سے سوال ہوتا تو قبر کی قید کی ضرورت نہ تھی اور سوال وجواب قبر سے خاص ہیں۔ ابن حزم ظاہری کا خیال ہے کہ زاذان کی حدیث صرف حضرت براء سے مروی ہے اور اس کو ضعیف کہا ہے۔

۲...... التکیب فی شرح اثبات التثبیت نواب صدیق حسن خان (۲۳) "احادیث متواتر برآنکہ عود میکند روح بسوئے بدن وقت سوال ایں تعلق ہمیشہ می ماند۔ اگرچہ جسد جان دریدہ ومتفرق ومنقسم گردد سوال بدن بلا روح قول طائفہ است وجمہور انکار کردہ اند ودیگر دبرابر ایشاں گویند سوال روح بلا بدن است وایں غلط فحش است۔"

امام ابن تیمیہ اور نواب صدیق حسن خان نے جسد عنصری کی طرف عود روح کے متعلق احادیث کو متواتر تسلیم کیا ہے اور نیلوی صاحب اس تواتر کا انکار کرتے ہیں۔

۳...... (کتاب الروح ابن قیم ص ۶۲) ''قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال''

۴...... (شرح الصدور علامہ سیوطی ص ۶۰) ''قال ابن تیمیہ الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال ان الاحادیث مصرحۃ باعادۃ الروح الی البدن عند السؤال''

۵...... (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲) ''وقد ثبت الاحادیث بما ذھب الیہ الجمھور''

جمہور علمائے اسلام متفق ہیں سوال کے وقت روح کا اس بدن عنصری کی طرف لوٹنا جو قبر میں مدفون ہے۔ متواترت سے ہے۔ مگر نیلوی صاحب نے ندائے حق کے (ص ۱۶۰) پر اس تواتر کو جعلی کہا ہے۔ واقعی جعلی کیوں نہ ہو۔ ابن تیمیہ اور نواب صدیق حسن خان کا بیان، ابن قیم اور علامہ سیوطی کی شہادت کافی نہیں۔ کیونکہ نیلوی صاحب جیسا محقق عالم جب تک مہر تصدیق ثبت نہ کرے اسے اصلی کیوں کر کہا جا سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ تواتر جعلی نہیں آپ کا مذہب جعلی ہے۔ جسے آپ خود ایجاد کر کے سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ چلئے آپ ابن تیمیہ، نواب صدیق حسن خان، ابن قیم، شوکانی وغیرہ سے جو متشدد دین ہیں۔ ایک صحیح حدیث پیش کریں کہ عدم عود روح پر دلالت کرتی ہو۔ متواتر اور کثیر تعداد کا مطالبہ نہیں کرتے۔ بس ایک ہی صحیح حدیث لائیں اور اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو اسلاف پر بہتان تراشی کر کے اور عوام کو گمراہ کر کے اپنی عاقبت تو خراب نہ کریں۔ آپ کہیں گے ہم نے شرح الصدور سے ابن حزم، ابن زاعونی، حکایت ابن جریر اور ابن عقیل کا قول پیش کر دیا۔ مگر اس میں بھی فنکاری دکھا گئے۔

اصلی عبارت یوں ہے: ''وسوال البدن بلا روح قول طائفۃ منھم ابن زاعونی وحکی عن ابن جریر۔ انکرہ الجمھور وقابلھم اخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن قالہ ابن حزم واخرون منھم ابن عقیل وابن جوزی وھو غلط''

قول تو موجود ہے مگر وھو غلط کو آپ صفحہ قرطاس سے کیوں کر چاٹ لیں گے جب ان حضرات نے اس قول کو خود مردود قرار دیا تو آپ نے اسی مردود قول کو اپنے مذہب کی تائید میں پیش کر دیا۔ یعنی مردود مذہب کی تائید کے لئے مردود قول ہی موزوں ہے۔

ابن قیم نے (کتاب الروح ص ۵۲) پر عدم اعادہ روح کے قول کو مردود قرار دیا ہے ''وقد دل النص علیہ (ای اعادۃ الروح الی البدن وقت السؤال) الصحیح الصریح وھو قولہ ﷺ فتعاد روحہ فی جسدہ''

امام ابن تیمیہ عود روح کا عقیدہ بدلائل پیش کر رہے ہیں۔ ابن قیم، سیوطی اور نواب صدیق حسن خان ان کی تائید کر رہے ہیں۔ عدم اعادۂ روح کے عقیدہ کو مردود قرار دے رہے ہیں۔ عود روح کے عقیدہ کے لئے تواتر ثابت کر رہے ہیں۔ مگر نیلوی صاحب حدیث تفسیر اور تواتر کا برابر انکار کئے جا رہے ہیں۔

دوسرے گروہ کا جو قول پیش کیا تو عود روح کا انکار نہیں بلکہ اختلاف یہ ہے کہ سوال بدن سے ہوتا ہے دوسرا کہتا ہے روح سے ہوتا ہے۔ اعادہ روح پر تواتر تو بہر حال موجود ہے۔ البتہ نیلوی صاحب اس تواتر کے خلاف

اپنے مذہب کے لئے کرامیہ سے عقائد مستعار لیتے ہیں۔ جس کی تصریح علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمادی۔ جو گزشتہ اوراق میں بیان کردی گئی ہے۔

ندائے حق، شفاء الصدور، رد منکرات، اربعین، اقوال مرضیہ اور اقامۃ البرہان کے مطالعہ سے جو نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے۔

۱...... حدیث رسول کو غیر صحیح کہہ کر اس سے مسلمانوں کا اعتماد اٹھادیا جائے۔ تاکہ حیات رسول اور حیات صحابہ نظروں سے اوجھل ہوجائے جس صحابی کے متعلق جو جی چاہے کہہ دیا جائے۔ (شفاء)

۲...... دین کے لئے قوی ترین دلیل تواتر ہے، نبوت تواتر سے، قرآن تواتر سے پہنچا۔ حدیث تواتر سے ملی پورا دین تواتر سے ملا۔ تواتر کا انکار کردیا تاکہ دین سے جان چھوٹ جائے۔ (شفاء، ندا)

۳...... صحابہ کی سیرت کو مجروح کیا گیا تاکہ ان ناقلین دین سے اعتماد اٹھ جائے اور دین بھی ناقابل اعتماد ٹھہرے۔ (ندا)

۴...... اجماع کا انکار کیا تاکہ یہ تاثر دیا جاسکے کہ امت محمدیہ غلطی پر جھوٹ پر متفق ہوگئی۔ تاکہ دین پر سے ہی اعتماد اٹھ جائے۔ (ندا)

۵...... علمائے امت اسلامیہ جو شریعت اسلامیہ کی حفاظت اور اشاعت میں عمریں کھپا گئے ان پر طعنہ زنی کی گئی تاکہ ان کی سیرت داغدار کردی جائے اور دین بھی داغدار ثابت ہو۔

۶...... ضروریات دین میں تاویلیں کیں، تحریف کی اور انکار بھی کیا۔

۷...... جو مسلمان ان لوگوں کے فاسد عقائد کی تائید نہ کریں۔ انہیں مشرک کہا تاکہ امت میں افتراق پیدا ہو اور حق و باطل میں تمیز اٹھ جائے۔ تاکہ لوگوں پر ظاہر کیا جائے کہ سلف صالحین سے ایسے غلط عقائد چلے آرہے ہیں۔

۸...... اپنے فاسد عقائد علماء ربانی سے منسوب کئے اور کوئی حوالہ نہیں دیا۔

۹...... مفسرین، محدثین، فقہاء میں کسی کا قول پیش کیا جائے تو ان کی طرف سے ایک جواب ہوتا ہے۔ ھم رجال و نحن رجال یعنی ہم ان کی بات کیوں مانیں۔ اپنی بات کیوں نہ مانیں مگر انہیں کیا خبر کہ:

گر بہ صورت آدمی انسان بدے احمد و بوجہل خود یکساں بدے

کتب حوالہ

تفاسیر: روح المعانی، کبیر، ابن کثیر، خازن، معالم التنزیل، اتقان، مظہری، عزیزی، مفردات راغب۔

حدیث: بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، مسند امام احمد، مسند امام اعظم، مشکوٰۃ، الترغیب والترہیب۔

شروح: فتح الباری، بغوی، فتح الملہم، فیض الباری، کوکب دری، مرقاۃ، اشعۃ اللمعات، بستان المحدثین، اربعین رازی۔

متفرق: النبھر، صراح، میزان الاعتدال، الاقتصاد فی الاعتقاد، الیواقیت والجواہر، اقتضاء الصراط المستقیم، السعی المشکور، نسیم الریاض، کتاب الاذکار، التنبیہ بمراقبۃ المیت، المہند، اربعین، مسامرہ، خیالی، ارشاد الفحول، فتح القدیر، جذب القلوب، قول البدیع۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَآءُ أَحْيَآءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مذاہب اربعہ

اہلسنّت والجماعت کی نظر میں

از افادات:

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ

مرتبہ:

جناب حافظ عبدالرزاق (ایم اے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مذاہب اربعہ
اہل السنت والجماعت
کی نظر میں

افادات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ

حافظ عبدالرزاق ایم اے

ناشر

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفِ چند)

حضرت مولانا اللہ یار چکڑالوی رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش: ۱۹۰۴ء ...... وفات: ۱۸ فروری ۱۹۸۴ء

چکڑالہ ضلع میانوالی کے نامور مناظر اسلام، بزرگ عالم دین، دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ آپ کے افادات آپ کے شاگرد حافظ عبدالرزاق (ایم اے) نے ''حیات النبی مذاہب اربعہ اہلسنت والجماعت کی نظر میں'' کے نام سے جمع فرمائے جسے ہم اس مجموعہ میں شامل کر رہے ہیں۔

(ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور حیات مرکب ہے عقیدہ اور عمل سے اس لئے اس ضابطہ حیات کے اجزائے ترکیبی تین ہیں۔

اوّل: کتاب اللہ جو اللہ کی طرف سے اس کے آخری رسول محمد رسول اللہ ﷺ پر بذریعہ وحی نازل کی گئی اس کتاب کے الفاظ کی حقیقی تفسیر دین کی بنیاد ہے۔

دوم: کتاب اللہ کی علمی تشریح اور اس کے الفاظ کا صحیح مفہوم جو اس کتاب کے لانے اور بندوں تک پہنچانے والے نے بیان فرمایا۔ رسول کریم ﷺ کتاب اللہ کے پہلے اور حقیقی مفسر ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے قرآنی الفاظ کا وہی مفہوم پیش کیا جو کتاب کے نازل کرنے والے نے آپ ﷺ کو سمجھایا۔ ''کما قال تعالیٰ، انا انزلنا الیک الکتٰب لتحکم بین الناس بما ارٰک اللہ''

سوم: اس کتاب الٰہی کے الفاظ اور ان کے مفہوم کی عملی تعبیر جو اس معاشرہ سے معلوم ہوتی ہے جو مزکّی اور مربی نے اپنی تربیت سے خود تیار کیا ان تینوں اجزاء کے اصطلاحی نام یہ ہوئے، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور تعامل امت۔

ان تینوں اجزا میں باہم توافق اور تطابق ضروری ہے اور واقعی وہ موجود ہے لہٰذا کتاب اللہ وہی ہے جسے محمد رسول اللہ نے کتاب اللہ کے عنوان سے اپنی نگرانی میں قلمبند کرایا، اور جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا، اگر اس کتاب کے علاوہ جو ہمیں تواتر سے پہنچی کسی اور کتاب کو کتاب اللہ کے نام سے پیش کیا جائے تو وہ مردود ہے۔

اسی طرح اس کتاب کی مستند علمی تفسیر وہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی۔ قرآن کے الفاظ کی جو تفسیر اس نبوی ﷺ تفسیر سے ذرا بھی مختلف ہوگی وہ تفسیر نہیں تحریف ہے لہٰذا مردود ہے۔ اسی طرح قرآنی الفاظ اور نبوی تفسیر کی روشنی میں اعمال کی جو صورت متعین ہوئی اور جس ہیئت میں اس مزکیٔ اعظم نے ایک معاشرہ تیار کیا اس کے خلاف کوئی عملی تعبیر قابل قبول نہ ہوگی اور وہ مردود شمار ہوگی۔

تعامل امت کے پھر تین درجے خود نبی کریم ﷺ نے متعین فرمادیئے ''خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم'' بہترین زمانہ میرا عہد ہے پھر میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا پھر وہ زمانہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے سے متصل ہے۔

ان تین زمانوں کے بعد جمہور مجتہدین کا دور ہے جس کو سواد اعظم نے اختیار کیا اور اس کی حفاظت کی۔

تعامل امت ہی ایک مستقل تواتر ہے جس کو تواتر توارث کہا جاتا ہے قرآن کے الفاظ ان الفاظ کا حقیقی مفہوم اور اس کی عملی تعبیر ہمیں اکابر اور اسلاف سے بطور توارث ملی ہے اس ورثہ کو نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے لیا اور آپ ﷺ نے صحابہ کو اس میراث کا امین بنا کر ان کے سپرد کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کتاب اللہ کے الفاظ کی نبوی ﷺ تفسیر دونوں کی حفاظت کی اور پوری دیانت داری سے دوسری نسل کو یہ ورثہ منتقل کیا۔

اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہوئے صاحب تفسیر مظہری نے زیر آیت ''واعتصموا بحبل اللہ جمیعا'' ارشاد فرمایا۔ ''بحبل اللہ جمعیا اذا کان حال من فاعل واعتصموا معناہ حال کونکم مجتمعین فی الاعتصام یعنی خذوا فی تفسیر کتاب اللہ وتاویلہ ما اجتمع علیہ الامتہ ولا تذھبو الٰی خبط ارائکم علٰی خلاف الاجماع'' واعتصموا بحبل اللہ جمیعا میں جب فاعل واعتصموا سے حال واقع ہوا تو یہ معنی ہوں گے کہ سب مل کر چنگل لگاؤ یعنی اللہ کی کتاب کی تفسیر اور مطلب وہ لو جس پر امت کا اجماع اور اتفاق ہو چکا ہے اور اسی پر عمل کرو اور اجماع امت کے خلاف اپنی خود آرائی کے خبط کا شکار ہونے سے بچو۔

مراد یہ ہے کہ کتاب اللہ کے الفاظ کی تفسیر اور مفہوم کی عملی تعبیر جو اجماع امت سے تواتر کے طور پر عہد بہ عہد منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے اس سے ہٹ کر قرآن کے الفاظ کی تفسیر کرنا یا عمل کی کوئی تعبیر کرنا خبطی اور خودرائی ہونے کی دلیل ہے۔ اس تفصیلی حقیقت کا خلاصہ کیا خوب بیان کیا گیا ہے۔ ''ھاانا بری من مقالۃ صورت مخالفۃ لایۃ من آیات اللہ'' اور ''سنۃ قائمۃ من رسول اللہ ﷺ او اجماع القرون المشھور لھا بالخیر ومختارہ جمھور المجتھدین ومعظم سواد المسلمین'' خبردار کان کھول کر سن لو میں ہر اس قول سے بری ہوں جو کسی آیت قرآنی کے مخالف صادر ہوا ہو۔ یا صحیح سنت رسول اللہ کے مخالف ہو، یا سلف صالحین کے اجماع کے خلاف ہو، جن کے خیر پر ہونے اور مستند ہونے کی خبر خود رسول کریم ﷺ نے دی ہے اور اس کو جمہور مجتہدین اور سواد اعظم نے اختیار کیا۔

اسلام کو سمجھنے کے لئے اور اسلام کے مطابق صحیح عملی زندگی بسر کرنے کے لئے یہ بنیادی اور رہنما اصول ہے جس کی خاصی وضاحت کردی گئی ہے۔ اس اصول سے ہٹنے کی دو صورتیں ہیں۔

اول الحاد: ''الملحدھم الذین یؤلون فی ضروریات الذین لاجراء اھوائھم'' ملحد وہ ہیں جو ضروریات دین میں تاویل کریں تاکہ ان کی دل پسند صورت کے مطابق دین کی شکل بن سکے۔ یعنی اپنی خواہش کے مطابق ایک عقیدہ تیار کر لینا پھر اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات کی من مانی تاویلیں کرنا اس عمل کا نام الحاد ہے اور ایسا کرنے والا ملحد ہے۔ (فیض الباری ج ۴ ص ۴۷۳)

(۲) زندقہ: ''وان اعترف ظاھرا وباطنا لکنہ تفسر بعض ماثبت باالضرورۃ بخلاف ماتفسرہ الصحابۃ والتابعون واجتمعت الامۃ علیہ فھو زندیق'' اگر قرآن کو ظاہر اور باطن ماننے کا اعتراف کرتا ہے لیکن قرآن کی تفسیر وہ کرتا ہے جو اس تفسیر کے خلاف ہو جو صحابہ نے اور تابعین نے کی اور امت کا اس پر اجماع ہوا تو ایسا کرنے والا زندیق ہے۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۷)

اصول دین یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرے، ان الفاظ کی تفسیر جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے سیکھ کر بیان کی اسے سند تسلیم کرے اور اس کی تفسیر اور عملی تعبیر جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سکھائی اور امت کا اس پر اجماع ہوا ہے سند تسلیم کرے تو وہ مسلمان ہے اور اگر قرآن کے الفاظ کو من جانب اللہ ہونے کا اعتراف تو کرے مگر ان الفاظ کی تفسیر اپنی من پسند کرے اور وہ بھی ایسی ہو جو نہ تو نبی کریم ﷺ نے کی نہ صحابہ نے کی نہ اس پر اجماع امت ہوا بلکہ تینوں کے مخالف ہو تو یہ عمل زندقہ ہے اور ایسا کرنے والا زندیق ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صرف یہ دعویٰ کر دینا اور اس بات پر مطمئن ہو جانا کہ میں قرآن بیان کر رہا ہوں اور یہ نہ دیکھنا کہ جس پر قرآن نازل ہوا اس نے کیا بیان کیا تھا جن لوگوں کی اس نے تربیت کی ان کو اس مطلب کیا سمجھایا تھا اور جمہور اس کا مطلب کیا سمجھتے رہے، بلکہ یہ سمجھنا کہ قرآن یہی ہے جو میں سمجھ رہا ہوں، یہ دراصل قرآن پر ایمان نہیں بلکہ اپنی سمجھ پر ایمان ہے اور یہ رسول پر ایمان نہیں بلکہ اپنے آپ کو رسالت کے مقام پر کھڑا کرنے کے مترادف ہے اور نبی کریم ﷺ کے تیار کردہ معاشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی راہ سے الگ اپنی ایک راہ متعین کر لیا دراصل نبی کریم ﷺ کی تربیت پر عدم اعتماد کا ثبوت ہے۔ حالانکہ خود اللہ کی کتاب اس طرز عمل کو اختیار کرنے والوں کو ایسی وعید سناتی ہے کہ کلیجہ کانپ جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ماتولّٰی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا'' (النساء:۱۱۵)

''ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد جس نے رسول خدا کی مخالفت کی اور اہل ایمان کی راہ ترک کر کے نئی راہ نکال لی تو ہم اسے اسی راہ پر چلنے دیں گے جس پر وہ چل رہا ہے مگر اسے جہنم میں داخل کریں گے جو بہت برا ٹھکانا ہے۔''

ظاہر ہے کہ مثالی اور معیاری سبیل المؤمنین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ ہے اور قرآن کا جو مطلب رسول کریم ﷺ نے سمجھایا اس کے خلاف معنی پہنانا رسول ﷺ کی مخالفت کے سوا کیا ہے مگر اس کا نتیجہ وہی جو کافر کے لئے مقرر ہو چکا ہے تو ایسا کرنا دائرہ اسلام سے نکل جانا نہیں تو اور کیا ہے یہ طرز عمل مجموعہ ہے قرآن کی مخالفت، رسول کی مخالفت، صحابہ کی مخالفت اور اجماع امت کی مخالفت کا ان چار مخالفتوں کے ہوتے ہوئے جہنم سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

بڑے دکھ کی بات ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ایک گروہ بڑے اہتمام سے منظم ہو کر یہ چہار گانہ خطرہ مول لے رہا ہے اور ستم ظریفی یہ کہ اس الحاد اور زندقہ کو اصلی اور ٹکسالی اسلام قرار دیئے کر ان تمام مسلمانوں کو مشرک اور کافر قرار دیتے چلا جا رہا ہے، جو رسول ﷺ کو قرآن کا مستند مفسر اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسول کریم ﷺ کی تیار کردہ مثالی جماعت قرار دیتا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کام کو تجدیدی کارنامہ سمجھا جا رہا ہے۔ اور یہ حضرات اپنے آپ کو مجدد ہی سمجھ رہے ہیں ہاں ایک لحاظ سے یہ درست ہے کہ کام تو تجدیدی ہے مگر تجدید الحاد اور زندقہ کی ہو رہی ہے جو کوئی قابل تعریف کوشش نہیں کہی جا سکتی اور اگر ان حضرات کی تصانیف اور بیانات کا تجزیہ کیا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے الحاد اور زندقہ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ کئی باطل فرقوں کے عقائد جمع کر کے ایک ملغوبہ تیار کیا ہے اور اس پر ایک نظر فریب لیبل چسپاں کر دیا۔ اشاعت توحید وسنت بلکہ اپنے آپ کو توحیدی کہلانے لگے ان کے عقائد کا کچھ اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے ممکن ہے ان کے نہاں خانہ دل کے کسی گوشے میں اللہ کے خوف اور آخرت کی جوابدہی کی کوئی رمق باقی ہو تو شاید اپنے رویے پر نظر ثانی کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

(۱) اس گروہ کے بطل جلیل محمد حسین نیلوی اور محمد امیر صاحب کی کتاب (شفاء الصدور ص ۲، ۳) پر ان کا بنیادی عقیدہ بیان ہوا ہے۔

عقیدہ (۱): ''ویعلم ان الحجۃ ھی قول النبی ﷺ او فعلہ او تقریرہ دون اقوال الرجال او الھامھم و کشوفھم وقیاسھم ومنامھم وما ذکرنا فی ھذا لباب منھا اقوال الرجال ومنھا افعالھم ومنھا کشوفھم ومنھا منامھم ثم منھا موضوعۃ ومنھا منکرۃ، واما اخبار الرسول الصحیحۃ قلیلۃ جدا فاین التواتر وتلک القلیلۃ ایضا ساقطۃ او مؤلۃ اذھی تخالف النصوص وعمل الصحابۃ''

معلوم ہے کہ حجت ہے قول رسول ﷺ یا فعل رسول یا تقریر رسول اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اقوال ان کے الہام، کشف، قیاس، اور خوابیں جن کا ہم نے اس باب میں ذکر کیا ہے حجت نہیں ہیں وہ لوگوں کے اقوال ہیں یا افعال ہیں یا کشف ہیں یا خوابیں ہیں پھران میں سے بعض موضوع بعض منکر ہیں رہی بات احادیث رسول ﷺ کی صحیح حدیثیں پہلے تو تعداد میں نہایت قلیل ہیں لہٰذا تواتر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور وہ قلیل حدیثیں بھی ساقط الاعتبار ہیں کیونکہ وہ نصوص اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہیں۔

اس بیان میں بڑی دانشورانہ فنکاری سے کام لیا گیا ہے اور اصول تدریج سے خوب فائدہ اٹھایا گیا ہے وہ یوں کہ ابتداء اس سے کی کہ۔

(۱) دین میں حجت تو صرف نبی کریم ﷺ کا قول وفعل اور تقریر ہے اور بس اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ بزرگوار کے دل میں نبی کریم ﷺ کے صحیح مقام اور منصب کا پورا پورا احساس موجود ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث نہایت قلیل ہیں جس سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے قول وفعل اور تقریر کی نشاندہی حضور ﷺ کی احادیث سے ہی ہو سکتی ہے یہی واحد ذریعہ ہیں مگر ساتھ یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ صحیح حدیثیں تعداد میں قلیل ہیں تاکہ قاری یہ سمجھے کہ اس وجہ سے ہم مجبور ہیں ان قلیل حدیثوں سے سارا دین کیسے اخذ کر سکتے ہیں۔

(۳) پھر فرمایا کہ جب صحیح حدیثیں نہایت قلیل ہیں تو تواتر کہاں سے آئے گا۔ ظاہر ہے کہ دین تواتر سے ہی ہم تک پہنچا ہے اور ان قلیل حدیثوں کی وجہ سے تواتر مفقود ہے لہٰذا حدیث سے دین کیوں کر اخذ کیا جا سکتا ہے۔

(۴) اگلا قدم یہ ہے کہ جو نہایت قلیل تعداد میں صحیح حدیثیں موجود ہیں وہ بھی ساقط الاعتبار ہیں قاری کو یہاں پہنچا کر یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ کہ حدیث رسول ﷺ اس قابل ہی نہیں کہ اس سے دین اخذ کیا جائے۔ اس امر کا امکان تھا کہ کسی کے ذہن میں اگر سوال ابھرے کہ اگر حدیثیں صحیح ہیں تو ساقط الاعتبار کیوں، یا انہیں صحیح نہ کہو یا ساقط الاعتبار نہ کہو دوسرا سوال، یہ ابھرتا ہے کہ صحیح حدیثیں جب ساقط الاعتبار ہیں تو کیا غلط حدیثیں ہی قابل اعتبار سمجھی جائیں۔

(۵) اس متوقع خطرہ سے بچنے کے لئے فرمایا کہ چونکہ یہ صحیح حدیثیں نصوص کے خلاف ہیں اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہیں اس لئے ساقط الاعتبار ہیں۔ یہاں قاری کو یہ تاثر دیا گیا ہے کہ دین میں حجت صرف نصوص اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم ہے عام قاری کا ذہن مطمئن ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ واقعی بڑی ٹھوس بنیاد پر عقائد کی بنیاد رکھتے ہیں۔

مگر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ نصوص سے کیا مراد ہے۔ اگر نص سے مراد قرآن حکیم تو کس نے بتایا کہ یہ اللہ کا کلام ہے ظاہر ہے کہ وہی بتا سکتا ہے جس پر قرآن نازل ہوا لیکن اس کی اخبار صحیحہ تو نہایت قلیل ہیں اس وجہ سے تواتر کا سوال پیدا نہیں ہوتا لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ قرآن تواتر سے ہم تک نہیں پہنچا، پھر یہ کہ وہ صحیح احادیث ساقط الاعتبار ہیں تو نبی کریم ﷺ کی احادیث اگر موجود ہوں کہ یہ وہی قرآن ہے جو اللہ نے مجھ پر نازل کیا یہ حدیثیں ساقط الاعتبار ہیں لہٰذا قرآن کا کلام الٰہی ہونا ساقط الاعتبار ٹھہرا پھر نصوص کہاں سے آگئیں اور اگر نصوص کے دائرے میں قول وفعل تقریر رسول کو بھی لے آئیں تو حضرت پہلے فرما گئے ہیں کہ وہ ساقط الاعتبار ہیں پھر وہ نصوص کون سی ہیں، جن کو معیار بنا کر کھرے کھوٹے کا فیصلہ کیا جائے ''اذھی تخالف النصوص'' سے یہ رز اکھلا کہ ان

ملاحدہ کے نزدیک اللہ کے نبی نے عمر بھر ایک ہی شغل رکھا کہ اللہ کی کتاب کی مخالفت کرنا ہے۔ (معاذ اللہ) یعنی اللہ نے رسول کیا بھیجا اپنا ایک مخالف پیدا کر دیا۔ پھر یہ راز کھلا کہ العیاذ باللہ کہ رسول ﷺ کی حدیث یعنی قول وفعل تقریر تینوں قرآن کی مخالفت کی منظم کوشش ہے۔

آخر میں جس فنکاری کا اظہار کیا ہے وہ یہ کہ عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کھوٹے کھرے میں تمیز کرنے کا ایک مستند ذریعہ ہے اس سے یہ تأثر دینا مطلوب ہے کہ ہمارے دلوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا صحیح مقام موجود ہے حالانکہ اوپر کے بیان سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ۔

(۱) رسول ﷺ کی بات قابل اعتبار نہیں۔

(۲) چونکہ وہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبان سے آگے منتقل ہوئی اور ساقط الاعتبار ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم لازماً ساقط الاعتبار ہیں۔

(۳) قرآن کریم اللہ کی کتاب نہیں کیونکہ اس کے ناقل رسول ﷺ اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جب ان دونوں کی بات ساقط الاعتبار ہے تو قرآن پر ایمان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ عقیدہ ان حضرات نے منکرین حدیث سے لے کر اس پر اپنی طرف سے گلکاری کر کے اپنایا ہے۔ ان بزرگوں کے بیان میں ساقطۃ (ومؤلۃ کو) اگر منطقی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ قضیہ مانعۃ الخلو ہے، مانعۃ الجمع نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول کریم ﷺ کی احادیث مؤول اور ساقطۃ الاعتبار ہیں یعنی پہلے ان متجددین نے احادیث کی تاویل کی پھر اسے ساقط قرار دے دیا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حدیث رسول ساقطۃ الاعتبار، لہٰذا قرآن ساقطۃ الاعتبار گویا پورا دین ساقطۃ الاعتبار یہ جو عمل صحابہ کو معیار قرار دے گئے ہیں وہ بھی ایک وقتی ضرورت تھی ورنہ اس ضمن میں ان کا عقیدہ نیلوی اور بندیالوی حضرات نے تسکین الصدور کا جواب لکھتے ہوئے اپنی معرکۃ الآراء (تصنیف ندائے حق میں ص ۱۹) پر فرمایا۔

عقیدہ (۲): مولانا موصوف کو تسکین لکھتے وقت یہ قاعدہ بھول گیا تھا کہ صحابی کا قول وفعل حجت نہیں۔ اب تو یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ پہلے عقیدہ میں عمل صحابہ کا بیان ایک وقتی ضرورت تھی۔ اصل عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول وفعل حجت نہیں۔ یہ عقیدہ ان مجددین الحاد نے روافض سے لیا ہے یہ عقیدہ تو خیر ان بزرگوں نے جہاں سے لیا انہیں مبارک ہو مگر اس سے ایسے سوالات ابھرتے ہیں جن کے جواب دینے سے انسانی عقل عاجز ہے ممکن ہے یہ حضرات اپنی فنکارانہ صلاحیتوں سے کام لے کر کوئی جواب بنالیں۔

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ قرآن حکیم کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا، اس دعویٰ کے عینی شاہد کون تھے؟ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے سامنے تین گروہ تھے اول اہل کتاب، یہود ونصاریٰ، دوم مشرکین عرب، سوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ اگر آپ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا آخری رسول تسلیم کیا، قرآن کو اللہ کی کتاب اور اسلام کو دین حق تو ان تینوں میں سے کس کے قول کو حجت قرار دے کر یہ اقدام کیا؟ صحابہ کا قول وفعل تو آپ کے نزدیک حجت نہیں۔ اب فرمائیے کہ آپ نے مشرکین کے قول کو حجت قرار دے کر رسالت کا اقرار کیا یا اہل

کتاب کے قول کو سند بنا کر قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کیا۔ اگر آپ نے اسلام، رسالت اور قرآن کا سرے سے اقرار کیا ہی نہیں یہ سب آپ ایکٹنگ ہی کر رہے ہیں تو اس سوال کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہی نہیں ہاں اتنا ضرور عرض کریں گے کہ آپ نے بہت مدت تک یہ ڈرامہ رچایا، ایکٹنگ کر لی اب اپنے اصل روپ میں سامنے آیئے۔ اور اگر آپ نے ان حقائق کا اقرار کیا ہے جس کی توقع کم ہی ہے تو اس بات کی وضاحت فرما دیجئے کہ آپ نے یہ سب کچھ مشرکین کی پیروی میں کیا یا اہل کتاب کی بات مانی کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے تو آپ کا کوئی تعلق نہیں اس لئے ان کا قول و فعل تو آپ کے نزدیک حجت نہیں۔ اگر آپ نے مشرکین کے نقش قدم پر چلنا ہی مستند سمجھا تو ظاہر ہے کہ آپ محمد رسول اللہ ﷺ کو نبی اور رسول قطعاً تسلیم نہیں کر سکتے بلکہ آپ حضور ﷺ کو معاذ اللہ ساحر اور کاہن ہی سمجھتے ہوں گے کیونکہ مشرکین یہی کہتے تھے۔ اور آپ کے نزدیک مشرکین عرب کا قول حجت ہے تو رسالت پر آپ کے ایمان کا طول و عرض معلوم ہو گیا۔

اور اگر آپ نے اہل کتاب کے قول و فعل کو حجت مان کر یہ سوانگ بھرا ہے تو پھر آپ حضرات (معاذ اللہ) محمد رسول اللہ کو دجال سمجھتے ہوں گے اور اپنا سخت دشمن جانتے ہوں گے کیونکہ اہل کتاب حضور ﷺ کو یہی کچھ کہتے اور سمجھتے تھے۔

محمد رسول اللہ کو رسول تسلیم کیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کو اللہ کی آخری کتاب تسلیم کیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے، اسلام کو دین برحق تسلیم کیا تو صحابہ نے، اور آپ کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول و فعل حجت نہیں لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ سے کوئی تعلق نہ قرآن سے کوئی واسطہ نہ اسلام سے کوئی رشتہ، آپ بس توحیدی ہیں۔

آپ کی یہ توحیدیت بھی ایک معمہ ہے توحید معتبرہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے سکھائی اور محمد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو سکھائی، آپ کے نزدیک احادیث رسول ساقطۃ الاعتبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول و فعل حجت پھر آپ نے یہ توحید سیکھی کہاں سے؟ دنیا میں تو توحید کے مدعی اور بہت سے لوگ اور فرقے ہیں۔ مثلاً سب سے بڑا موحد تو ابلیس کو سمجھا جاتا ہے اس کی توحید ایسی سخت تھی کہ خود اللہ کے حکم کے باوجود غیر اللہ کے سامنے جھکنا گوارا نہ کیا۔ جبھی تو اس کے عقیدت مند یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ۔

شیطان و ابو جہل کی عظمت کی قسم سو بار غلامی سے بغاوت بہتر

اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی توحید کا ماخذ ابلیسی توحید ہے کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ سے آپ کو توحید سیکھنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ محمد رسول اللہ سے سیکھنے کے لئے رسول اور امت کے درمیان جو واسطہ ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا پڑتا ہے اور آپ کا عقیدہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول و فعل حجت نہیں آپ کی توحید کا اس توحید سے کوئی تعلق نہیں جو محمد رسول اللہ نے امت تک پہنچانے کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھائی۔

ممکن ہے ابلیس کی توحید میں یہ جذبہ کارفرما ہو کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اس حد تک غالب آ چکی تھی کہ غیر کی طرف نگاہ اٹھنا بھی اسے گوارا نہ ہو، اس اعتبار سے تو اس کا جذبہ قابل قدر ہونا چاہئے مگر اصل حقیقت اس کے جواب سے کھل کے سامنے آ جاتی ہے کہ "انا خیر منہ" یعنی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس شدید ہونے کی وجہ سے توحید کا اظہار نہیں تھا بلکہ وہ چھپی ہوئی انانیت تھی جو "انا خیر منہ" کے جواب سے سامنے آ گئی جبھی تو رجیم ٹھہرایا گیا۔

ان بزرگواروں کی توحید میں بھی وہی عنصر موجود ہے چنانچہ (ندائے حق ص ۳۰۴) پر ارشاد ہے۔ "اگر

جمہور کا یہی حال ہے تو ہم ایسے جمہور کی اتباع سے رہے ہم جمہور سے علیحدہ ہی اچھے ہیں ہم جمہور کے عاشق نہیں ہم کو قرآن وسنت اور اجماع مجتہدین کافی ہے یہ جمہور زنبور کشف ''خوابیں'' جنگلیوں کا مذہب ہے''

اس بیان میں تین امور کا اظہار ہے۔ہم جمہور سے علیحدہ ہی اچھے ہیں (مبارک ہو) کھلی چھٹی ہے بشارت سن لو۔''نولہٖ ماتولٰی ونصلہٖ جهنم وساءت مصیرا'' دوسری بشارت میں ''من فَارق الجَمَاعَة شبرا فقد خلع ربقة الإسلَام عن عُنُقه'' آپ کا بوجھ ہلکا ہوا۔تیسری بشارت ''من شذّ شذّ في النار'' جہاں رہو خوش رہو۔

(۲) ہم کو قرآن وسنت اور اجماع مجتہدین کافی ہے۔(ماشاءاللہ)

مگر یہ تو فرمایئے قرآن آپ تک کس ذریعے سے پہنچا؟

رسول خدا کی صحیح حدیثیں بقول آپ کے نہایت قلیل پھر تواتر کہاں پھر جو صحیح حدیثیں ہیں وہ بھی ساقطۃ الاعتبار پھر اسی قرآن پر کس بنا پر آپ کو اعتبار آ گیا۔

پھر رسول خدا کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کس طرح آپ تک پہنچ گئے مگر ان الفاظ کے مفہوم جو رسول خدا نے بتائے وہ راستے میں کہاں اٹک گئے۔

رہا سنت کا معاملہ تو سنت قولی وفعلی کے عینی شاہد تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور آپ کے عقیدہ کے مطابق صحابہ کا قول وفعل حجت نہیں تو سنت آپ تک کیسے پہنچی؟

پھر اجماع مجتہدین کا نمبر آتا ہے وہ کون سے مجتہدین ہیں جن کا اجماع آپ کے لئے کافی ہے۔کیا صحابہ کی جماعت میں مجتہد کوئی نہیں تھا؟ مجتہدین کا اجماع آپ کے لئے کافی ہے ان کے اجماع کی بنیاد کون سی ہے اگر مجتہدین کے اجتہاد کی بنیاد احادیث اور قول وفعل صحابہ رضی اللہ عنہم پر ہے تو وہ آپ کے نزدیک ساقط الاعتبار اور ناقابل حجت ہیں لہٰذا ایسے مجتہدین آپ کے لئے کافی کیا ہوں گے ان کا نام سننا بھی آپ کو گوارا نہیں۔لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ کے لئے وہی مجتہدین اور ان کا اجماع کافی ہے جو تواتر کے منکر اور قول وفعل صحابہ رضی اللہ عنہم کے مخالف ہوں واقعی ایسے متبعین کے لئے ایسے مجتہد ہی موزوں ہو سکتے ہیں لیجئے آپ کا نعرہ لگائیں۔

متفق گردید رائے بو علی باراۓ من

(۲) یہ جمہور زنبور ہیں اور یہ جنگلیوں کا مذہب ہے۔

واقعی زنبور سے تو انسان کو دور بھاگنا چاہئے اور حضریوں کو بدویوں کے قریب بھی نہیں جانا چاہئے آپ ڈٹ جائیں اس اصول پر کہ ؎

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

یہ جنگلیوں کا مذہب دراصل ایک تلمیح ہے واقعہ یہ ہے کہ (ندائے حق ص ۳۰۴) پر ارشاد ہے۔

(عقیدہ نمبر ۳) ''ضعیف حدیث پھر عمل ایک جنگلی کا۔جب صحابی رضی اللہ عنہ کا عمل حجت نہیں تو جنگلی کے عمل کا کیا مقام ہے۔''

جنگلی کا اشارہ رسول کریم ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن حارث مزنی کی طرف ہے اور جن ضعیف حدیث کی طرف اشارہ ہے اس کو (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۲) پر پوری سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور

(فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۴۸) اور (وفاء الوفاء سمہودی ج ۲ ص ۴۲۱) مذکور ہے۔

پھر اس میں استدلال خواب سے نہیں بلکہ قول صحابی رضی اللہ عنہ سے ہے اور اس پر صحابہ کا اجماع سکوتی ہے مگر آپ کو اجماع صحابہ سے کیا غرض آپ کے لئے تو مجتہدین کا اجماع کافی ہے۔ صحابی تو جنگلی ٹھہرا اگر جناب محمد حسین نیلوی صاحب چونکہ عروس البلاد نیلہ کے رہنے والے ہیں جہاں دن کے وقت بھی گیدڑ گھومتے رہتے ہیں اس لئے آپ کسی جنگلی کو اور وہ بھی صحابی رسول کیسے خاطر میں لائیں۔ ماسکو، واشنگٹن، یا لندن کا کوئی مہذب شہری بات کرتا تو یہ تہذیب نو کے سپوت اسے مان لیتے جنگلی کی بات کون مانے کوئی ٹھکانہ ہے انانیت کا؟ کہ صحابی رسول پر جنگلی کی پھبتی کسی جائے۔ ابلیسیت زندہ باد

عقیدہ نمبر ۴: پھر بیہقی کو صرف ایک صحابی رضی اللہ عنہ غیر معروف الفقہ والعدالت یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ملی۔

لیجئے ایک تیر سے دو شکار۔ اول امام بیہقی کا مذاق اڑایا کہ ان میں اتنی شدھ بدھ نہیں تھی کہ صحیح اور غلط میں تمیز کر سکیں مگر وہ مجبور تھے کیونکہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سکھائے ہوئے دین کو حضور ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی سے لینے کا قائل تھے اگر انہیں یہ اصول معلوم ہوتا کہ صحابہ کا قول و فعل حجت نہیں تو آپ ہرگز ایسا نہ کرتے پھر دوہری مجبوری یہ تھی کہ یہ نادر اصول بھی چودھویں صدی میں آ کر وضع کیا گیا لہٰذا وہ معذور ہیں، بات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے نبی کریم ﷺ کی صحبت میں تین سال رہے اور ایسے رہے کہ در سے اٹھے نہیں اور رسول کریم ﷺ فرائض نبوت ادا کرتے ہوئے مسلسل تین سال تک "یعلمهم الکتٰب و الحکمة" کے حکم کی تعمیل کرتے رہے۔ اور ویزکیھم کے حکم کی تعمیل تین سال ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تزکیہ کرتے رہے مگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں نہ دین کی سمجھ پیدا ہوئی نہ اتنا تزکیہ ہو سکا کہ عدالت کا وصف پیدا ہو جاتا۔ پھر وہ ۵۳۷۴ حدیثوں کو روایت کر گئے اور ناعاقبت اندیش، محدثین نے ان کی روایتوں کو اپنی کتابوں کی زینت بنا دیا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے غیر فقیہ اور غیر عادل رہ جانے میں قصور معلم اور مزکّی کا ہے یا متعلم کا؛ نیلوی صاحب یہ عقدہ بھی حل کر جاتے تو ایک اور احسان ہوتا۔ محمد حسین نیلوی صاحب کی نسبت نیلا سے مراد اگر وہ کوردہ نیلہ ہے جو چکوال سے مغرب میں نالہ سواں کے کنارے واقع ہے تو ماننا پڑے گا، نیلہ واقع تفقہ فی الدین کا گہوارہ اور عدالت کا مرکز ہے اور نیلوی صاحب نہایت ذہین طالب علم ہیں اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر ذہین اور نیلہ میں انہیں کوئی معلم اور مزکی بھی ایسا ملا جو معاذ اللہ نبی آخر الزماں ﷺ سے بڑھا ہوا تھا۔ حدیث میں عدالت راوی شرط ہے اگر عدالت نہیں تو حدیث قابل حجت نہیں یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ۵۳۷۴ احادیث قطعاً قابل حجت نہیں۔

اور اگر آپ کی نسبت نیلہ کوردہ سے نہیں بلکہ اس جانور سے ہے جسے پنجابی زبان میں نیلا کہتے ہیں تو نیلوی صاحب معذور ہیں۔ صحابی رسول ﷺ کے متعلق اس سے بڑی گالی بھی دے دیتے تو بے جا نہ تھا۔ بہر حال صورت جو بھی ہے نتیجہ ایک ہی ہے جو پنجابی زبان میں ادا ہو سکتا ہے کہ "ذات دی کوڑھ کرلی تے شہتیراں نو جپھے"

چودھویں صدی کا ایک برخود غلط مولوی اور استاذ العلماء صحابی رسول ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر یہ پھبتی کسے یہ سب روافض کی خوشہ چینی کے کرشمے ہیں۔

ان کے عقیدہ نمبر ۳، ۴ سے نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا مذہب توحید نہیں بلکہ توہین ہے اس کی زد میں صحابی رضی اللہ عنہ آئے۔ احادیث رسول آئیں، جمہور امت آئیں، اندھے کی لاٹھی کی طرح یہ گھماتے چلے جاتے ہیں۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں ‏ ‏ تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

صحابہ رسول ﷺ کو جنگلی اور غیر فقیہ اور غیر عادل کہنا ان ہی لوگوں کا دل گردہ ہے مگر جب ایمان سے نکل جاتا ہے تو اس سے بھی بڑی بڑی باتیں زبان سے نکلتی ہیں۔

اہل سنت کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ ''الصحابة کلھم عدول'' اور نیلوی اینڈ کمپنی کا عقیدہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہ اور غیر عادل ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ ان بے چاروں پر اہل سنت کا اطلاق سراسر تہمت ہے یہ اس تہمت سے بالکل بری ہیں۔ ان کا اہل سنت سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ اہل سنت سے ان کی بریت اور بیزاری کا مدار صرف اسی ایک روایت پر مبنی نہیں بلکہ اس کی بنیاد تو اللہ اور رسول ﷺ کے کئے اور ارشاد ہیں۔ مثلاً:

(۱) ''قال تعالٰی۔ والسبقون الاولون من الھاجرین ولانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنه'' جن لوگوں نے سبقت کی یعنی پہلے ایمان لائے مہاجرین اور انصار میں سے اور جنہوں نے خلوص دل سے ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ (التوبہ:۱۰۰)

رضائے الٰہی اور فوز عظیم کا مدار اتباع مہاجرین وانصار پر ہے اور وہ اتباع بھی ضابطے کی کارروائی نہیں بلکہ باحسان کی قید سے مقید یعنی پورے یقین اور خلوص قلب سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتباع کرو تو کامیاب مگر ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول وفعل حجت نہیں لہٰذا اتباع ممکن ہی نہیں لہٰذا قرآن کریم کی اس آیت سے یہ لوگ دستبردار۔

(۲) ''ان بنی اسرائیل تفرقت علی اثنین وسبعین ملة وتفرق امتی علٰی ثلاثة وسبعین ملة کلّھم فی النار الا ملة واحدة قالوا من ھی یارسول اللہ قال ما انا علیه واصحابی''۔ بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی مگر سوائے ایک فرقہ کے سب جہنم کا ایندھن ہوں گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ وہ کون سا فرقہ ہے فرمایا جس روش پر میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم چلے اس روش پر چلنے والا فرقہ جنتی ہے۔ اسی ''ما انا علیه واصحابی'' کا اصطلاحی نام اہل سنت والجماعت ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ''ما انا علیه'' یعنی جس عقیدہ اور عملی زندگی پر میں کاربند ہوں کہاں سے معلوم ہوگا۔ ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ صحیح احادیث رسول نہایت قلیل ہیں لہٰذا تواتر غائب پھر وہ جو قلیل ہیں وہ ساقط الاعتبار ہیں لہٰذا رسول کریم ﷺ کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں (معاذ اللہ) پھر ''ما انا علیه'' پر قائم رہنے کی صورت کیا ہوگی؟ ظاہر ہے کہ کوئی صورت نہیں دوسرا جزو ''واصحابی'' یعنی میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عقیدہ وعمل پر کاربند ہو، مگر ان حضرات کے نزدیک صحابی کا قول وفعل حجت نہیں لہٰذا ان کے لئے صحابی کا اتباع ممکن نہیں۔ لہٰذا یہ لوگ اہل سنت کی تہمت سے بری۔

(۳) ''قال اتبعوا سواد الاعظم من شذ شذ فی النار'' مگر ان کا اعلان یہ ہے کہ ہم جمہور سے علیحدہ ہی اچھے رہے دوسرے لفظوں میں ان کا کہنا یہ ہے کہ ہمارے لئے جہنم ہی ائیر کنڈیشنڈ ہے یعنی اہل سنت کو دور سے سلام ہے۔

(۴) ''من خرج من الجماعة قید شبر فقد خلع ربقة الاسلام عن عنقه'' بالشت بھر کا کیا کہنا ان لوگوں نے جماعت کے ساتھ رہنا اپنی توہین سمجھی لہٰذا اب تو امت کو ان پر اہل سنت والجماعت کی تہمت لگانے سے باز آجانا چاہئے۔

عقیدہ نمبر ۵ (ندائے حق ص۲۵۱، ۲۵۲) ''کوئی عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایسا دکھایئے جس سے ثابت ہو سکے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کو زندہ در قبر سمجھتے تھے یا ان کی حدیث وروایت پیش کرو جس سے ثابت ہو کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وصیت کی کہ میں مرنے کے بعد زندہ تو ہو جاؤں گا مگر مجھے زندہ در گور ہی رہنے دینا قبر سے مجھے نہ نکالنا''

اس بیان میں ایک تو حیات النبی ﷺ کا انکار ہے اور سچ پوچھئے تو یہ عقیدہ ان کے مذہب کی جان ہے صرف ایک عقیدہ کے لئے ان لوگوں نے خرافات کا انبار لگا دیا اور ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے جس کی تفصیل آئندہ صفحات پر پیش کی جارہی ہے۔

دوسرا ان کی ڈھٹائی اور دریدہ دہنی کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے لئے زندہ ''درگور'' کی ترکیب استعمال کی ہے یہ ان کے مذہب توہین کا زندہ ثبوت ہے۔ جمہور اور صحابہ ؓ کی توہین سے ان کا جی نہ بھرا۔ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ﷺ کے لئے لینے شروع کر دیئے۔ سچ کہا کہ کبرنے۔

حضرت کی یاوہ گوئی کچھ مستند نہیں ہے کہنے کی ایک حد ہے بکنے کی حد نہیں ہے

زندہ درگور کہنے والوں کو روضہ اقدس کی حیثیت کا علم کیونکر ہوسکتا تھا۔ ان کے ٹیڑھے دماغ میں از خود یہ سیدھی بات آ نہیں سکتی تھی) اور کسی سے پوچھنا ان کی انانیت کے منافی تھا۔ اور کوئی بتادے تو ان کے لئے ماننا ایسا ہے جیسے ہندو کو کلمہ پڑھانا۔

قرآن حکیم نے ایک اصول بتایا ہے۔'' والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوءنھم فی الدنیا حسنۃ'' (۱۶:۴۱) جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد اللہ کے لئے وطن چھوڑا ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مہاجرین کے لئے جو حضور اکرم ﷺ کے غلام ہیں اعلیٰ جگہ کی بشارت ہے تو جس کی وجہ سے انہیں یہ سعادت نصیب ہوئی اس کے لئے کیا کسی ادنیٰ جگہ کا انتخاب ہونا تھا۔ عقل اگر ہو تو کہے گی ہرگز نہیں اور اگر رسول کی بات پر اعتبار ہو تو وضاحت ہو جائے گی کہ ''ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ و منبری علیٰ حوضی'' میرا گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

ظاہر ہوا کہ روضہ رسول ﷺ سب سے اعلیٰ جگہ ہے اس لئے تمام مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں اور تمام مفسرین محدثین فقہاء کرام و متکلمین کا اجماعی عقیدہ ہے کہ روضہ رسول ﷺ کی شان کعبۃ اللہ کرسی، عرش اور جنت سے بھی اعلیٰ یہ ٹکڑہ جنت الفردوس سے دنیا میں لایا گیا اور دنیا کے احکام ولوازمات اس سے سلب کر لئے گئے، برزخ کے احکام اس میں بدستور جاری ہیں۔ (دیکھئے مرقاۃ شرح مشکوۃ) شامی، زرقانی، نسیم الریاض اور حیات برزخیہ) اور ہر مسلمان حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد پر یقین رکھتا ہے بشرطیکہ مسلمان ہو کہ ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' اللہ تعالیٰ نے یقیناً زمین کے لئے حرام قرار دے دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

تو روضہ اقدس میں جسد اطہر مع روح زندہ ہیں اور چونکہ یہ جنت کا ٹکڑا ہے اور جنت کی کسی چیز پر تغیر و تبدل نہیں لہٰذا حضور اکرم ﷺ کے جسد و روح میں کسی قسم کا تغیر نہیں آسکتا جنت کی اس خصوصیت کا قرآن حکیم میں کئی جگہوں پر ذکر موجود ہے۔

(۱) ''انّ لک الاّ تجوع فیھا ولا تعزی وانک لا تظمأ فیھا ولا تضحی'' (۲۰:۱۱۹)

(۲) ''وفاکھۃ کثیرۃ لا مقطوعۃ ولا ممنوعۃ'' (۵۶:۳۲،۳۳)

یہاں تم کو یہ آسائش ہوگی کہ نہ بھوکا ہوگا اس میں نہ ننگا اور یہ کہ پیاسے رہو نہ دھوپ کھاؤ۔ اور کثرت سے میوے جو نہ کبھی ختم ہوں نہ ان سے کوئی روکے؟

لہٰذا ثابت ہوا کہ جسد اطہر روضہ اقدس میں زندہ ہے اس میں تغیر و تبدل محال ہے۔ روح اقدس مشاہدہ باری انوار و تجلیات باری میں اس قدر مستغرق ہوتا ہے کہ جسد اقدس بھی متاثر ہوتا ہے جیسا لوہا آگ میں ڈالا جائے تو لوہے کا رنگ اور آگ کا رنگ ایک ہی ہو جاتا ہے۔ بوجہ اثر اندازی روح کے بدن بھی روح کی شکل اختیار کر لیتا ہے روح بذات خود دنیا میں مکلف تھا جسد اطہر پر موت کا جو اثر ہوا وہ صرف استغراق کی حالت کی طرح ہوا جیسے انبیاء دنیا میں سوتے تھے تو وہ حالت استغراق ہی کی ہوتی تھی ارشاد نبوی ہے "تنام عینای ولا ینام قلبی"

نیلوی صاحب کو اگر نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسلمان کا سا نہیں بلکہ انسان کا سا تعلق بھی ہوتا تو زندہ در گور کی جگہ کم از کم زندہ در جنت الفردوس ہی کہہ دیتے مگر۔

خدا کی شان ہے ناچیز چیز بن بیٹھیں — جو بے تمیز ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں

اگر نیلوی صاحب کو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ معلوم ہوتا تو کم از کم جو یہ جھوٹ موٹ کے اہل سنت بنے ہوئے ہیں ایسا کہنے سے کچھ تو حیا آتی، اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے "الانبیاء لا یموتون بل ینتقلون من دار الٰی دار ای ینتقلون من دار الدنیا الٰی دار البرزخ وھم احیاء فی عالم البرزخ یصلون ویتمتعون فیھا بل الموت جسر لھم الی الحبیب"۔ انبیاء مرتے نہیں بلکہ ایک گھر دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں اور وہ برزخ میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں بلکہ موت ان کے لئے ایک پل ہے جو دوست سے ملاتی ہے۔

مگر نیلوی اینڈ کمپنی کی ساری مہم آرائی اس حقیقت کے خلاف محاذ قائم کرنے کی ہے وہ کیوں کر اسے تسلیم کر سکتے تھے اور اصل میں انکی مجبوری یہ ہے کہ رسول ﷺ کی توہین کے بغیر ان کی سکہ بند توحید کی تکمیل ہی نہیں ہو سکتی اور ہو بھی کیسے جب انکے استاد اول نے اس کی بنیاد ہی اس پر رکھی ہے تھی کہ "انا خیر منه" کہہ کر پہلے ہی نبی کی تحقیر اور توہین کی طرح ڈالی تھی تو یہ اس کے شاگردان خاص آخری نبی کی توہین سے اس کی تکمیل کیسے نہ کرتے۔

عقیدہ نمبر ۶: "مولوی اللہ بخش کی کتاب اربعین سے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جو ان کے بنیادی عقیدہ کے مختلف اسالیب بیان ہیں۔

(ا) نبی کریم ﷺ عند القبر صلوۃ وسلام قطعاً نہیں سنتے اور یہ عقیدہ نبی کریم ﷺ کے نہ سننے کا یعنی عدم سماع جزو ایمان ہے اور جو شخص نبی کریم ﷺ کے سماع پر یا برزخ والوں کے سماع کا قائل ہے وہ کافر مشرک ہے بلکہ یہ عقیدہ یہود کا ہے۔"

(ب) نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر سے روح کا کسی قسم کا تعلق نہیں ہے اور یہ عقیدہ تعلق روح کا بدن سے کافر بت پرستوں ہندوؤں کا ہے۔

(ج) جن حدیثوں میں سماع ہوتی یا صلوۃ وسلام عند قبری نبی کریم ثابت ہے وہ قول رسول ﷺ نہیں ہے من گھڑت حدیثیں اور من گھڑت قصے ہیں۔

(د) بعد موت ثواب وعذاب صرف روح کو ہوتا ہے جسد عنصری کو نہیں ہوتا نہ روح کا تعلق بدن سے ہے (یہ عقیدہ ہندوؤں سے لیا گیا ہے)

(ر) نبی کریم ﷺ کو مدینہ منورہ میں مدفونہ قبر میں ماننا شرک ہے۔ (اربعین)

مولانا عبدالعزیز شجاع آبادی اپنی کتاب (دعوۃ الانصاف ص ۲۲) پر لکھتے ہیں۔

(ا) اس گروپ (غلام خانی) کے ایک صاحب نے جو مولانا عبداللہ درخواستی صاحب کا مرید تھا سے کہا کہ تمہارے پیر صاحب تو سماع عندالقبر شریف کے قائل ہیں ان کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے فوراً جواب دیا وہ بھی کافر، تم بھی کافر، جو بھی سماع کا قائل ہو سب کافر۔

(ب) مولوی سعید احمد چتوڑ گڑھی نے مجمع عام میں اعلان کیا ''نبی کریم ﷺ اپنی قبر پر پڑھا ہوا درود وسلام نہیں سنتے نہ سماع جسمانی نہ سماع روحانی۔ جو شخص سماع کا قائل ہو خواہ کسی تاویل سے ہو وہ قرآن وحدیث اور شریعت کی رو سے بلا تاویل کافر، مرتد ہے اور جو شخص سماع کے قائل کو کافر مرتد نہ سمجھے وہ بھی بلا تاویل کافر ہے نیز جو شخص اس مسئلہ کو فروعی کہتا ہے وہ بھی کافر۔ (احمد سعید تقریر موضع ٹھلواں بہاولپور)

(ج) اسی تقریر کے دوران احمد سعید نے کہا۔

''اگر نبی ﷺ کے سماع عندالقبر کا قائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہو تو وہ بھی کافر ہے۔

(د) صفحہ ۲۷ پر اپنے نام اشاعۃ التوحید والسنۃ کا خط نقل کیا ہے لکھا ہے ''احمد سعید نے منافقانہ دستخط کر دیئے ہیں کہ سماع والے کافر نہیں اور شاہ صاحب (عنایت اللہ گجراتی) نے بالکل دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور کہا میرا عقیدہ یہی کفر ہے کا ہے اور احمد سعید کا یہی عقیدہ ہے۔

(س) عنایت اللہ شاہ گجراتی نے خان گڑھ میں اپنی تقریر کے دوران کہا ''مشرک چار قسم کے ہیں اول یہود ونصاریٰ، دوم مشرکین، سوم بریلوی، چہارم دیوبندی جو سماع عندالقبر کے قائل ہیں۔

(س) مولوی عبدالعزیز لکھتے ہیں ''اس گروپ کے واعظوں نے نہ صرف مسلک کی سٹیج کو بدنام کیا بلکہ اپنے اکابر کو ایک مخمصے میں مبتلا کر دیا ہے جگہ جگہ قائلین سماع صلوۃ وسلام عندالقبر کو کافر مشرک کا فتویٰ دیا اور اہل توحید کو خانہ جنگی پر مجبور کر دیا''

(دعوۃ الانصاف ص ۳۵) پر لکھتے ہیں۔ ہمارے ہاں شجاع آباد میں عنایت اللہ گجراتی اور احمد سعید توحید کے موضوع پر خطاب کر رہے تھے سعید نے کہا ''بت نہیں سنتے خدا سنتا ہے بت عام ہیں۔ خدا کے بنائے ہوئے ہوں جیسا حضور ﷺ یا لات منات کی مورتی'' عنایت اللہ شاہ نے تصدیق کی اور کہا یہ نوجوان میری کمی پوری کرے گا۔

(ندائے حق ص ۶۵) پر ارشاد ہے ''جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی حیات حسیہ حقیقیہ جسمانیہ عنصریہ کامل کے مدعی ہیں ان کا فرض تھا کہ انبیاء کو خصوصاً اپنے نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کو قبر مبارک سے نکال لیتے تاکہ لوگ بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہو کر صحابی کا درجہ حاصل کر لیتے اور مختلف مسائل کا تصفیہ حضور ﷺ سے کروا لیتے''۔

ان تمام اقتباسات سے اس ملحد گروہ کے اس مخصوص عقیدہ کی تکرار ظاہر ہوتی ہے جس کو ان لوگوں نے مدار کفر وایمان قرار دیا ہے اس کے علاوہ کچھ اور خرافات بھی ہیں جن کو بکواسات کے علاوہ کچھ کہا نہیں جا سکتا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱.... سماع موتی بالخصوص سماع صلوۃ وسلام عندالقبر کا عقیدہ بلا تاویل کفر ہے۔

۲.... سماع موتی کا عقیدہ رکھنے والا خواہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کیوں نہ ہو وہ کافر ہے۔

۳.... سماع موتی کے قائلین کو جو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے۔

۴.... بریلوی، دیوبندی دونوں مشرک ہیں۔

سماع موتی کے موضوع پر تفصیلی بحث اپنے مقام پر آرہی ہے فی الحال یہ دیکھ لیا جائے کہ ان ملحدوں کی کفر سازی کی بمباری کی زد کس کس پر پڑتی ہے اور اس سے بچتا کون ہے۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صلوٰۃ وسلام عند القبر النبی ﷺ کے قائل ہیں دیکھئے (تنزیہ الشریعۃ عن اخبار الشنیعۃ الموضوعۃ ص ۳۲۵) ''وله شواهد من حديث عبد الله بن مسعود و عبد الله بن عباس و ابی هريرة اجمعها البيهقي و من حديث ابی بكر الصديق اخرجه الديلمي من حديثهما اخرج العقيلي''

اس حدیث کے صحیح ہونے پر شواہد موجود ہیں عبداللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیثیں ہیں جن کو بیہقی نے دیلمی نے اور عقیلی نے اخراج کیا ہے۔

وہ حدیث جس کی صحت پر اتنے گواہ پیش کئے گئے ہیں یہ ہے۔''من صلّی علّی عند قبری سمعته'' یعنی جو شخص میری قبر پر حاضر ہو کر مجھ پر درود بھیجے میں سنتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ ان ملحدین کے نزدیک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کافر ہیں یہ ہے ان ملحدین کی رافضیانہ توحید کا شاہکار۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس عقیدہ کے متعلق یہ حقیقت ذہن میں رہے کہ آپ نے یہ عقیدہ اپنے اجتہاد سے یا ذاتی رائے کی بنا پر نہیں اپنایا تھا بلکہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات سن کر سماع موتی کے قائل ہوئے تھے اور صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی قائل نہیں ہوئے آپ کے بعد تمام علمائے امت اس کے قائل رہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر اپنی (تفسیر ج ۳ ص ۴۳۸) پر فرماتے ہیں۔''والسلف مجموعون علی هذا قد تواتر الاثار منهم بان الميت يعرف بزيارة الحي له و يستبشر'' سلف کا اس پر اجماع ہے ان سے متواتر روایات آچکی ہیں کہ میت زندہ زائر کو پہچانتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔

اور مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے (شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۵۳) کے حاشیہ پر فرمایا:''و روايات كثيرة فی كتب الحديث و امار دعائشة و بعض تلك الاحاديث فلم يعتد به جمهور الصحابة و من بعدهم'' حدیث کی کتابوں میں کثرت سے روایات موجود ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اختلاف اور بعض ایسی حدیثوں کو صحابہ اور تابعین نے اعتماد نہیں کیا۔

یعنی سماع موتی کے عقیدہ کی بنیاد احادیث نبوی ﷺ ہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ ان ظالموں کے فتویٰ کفر کی زد کس پر پڑتی ہے۔

(۲) پھر جمہور صحابہ اور تابعین سماع موتی کے قائل ہیں تو ان ملحدوں کے نزدیک تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کافر ٹھہرے۔ (معاذ اللہ)

ابن کثیر کی اس عبارت کے متعلق یہ کفر ساز پارٹی کہتی ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے کہاں سے معلوم ہوا؟ سنئے تفسیر ابن کثیر مکتبہ امیریہ میں یہ عبارت نہیں ملتی کیوں؟ اس لئے کہ کسی ع، غ قسم کے ملحد نے خیانت سے کام لے کر یہ عبارت اڑا دی، ابن کثیر کے دو نسخے اصل موجود ہیں ایک وہ جو معالم التنزیل مطبع المنار مصر کے حاشیہ پر ہے دوم وہ جس کو مطبع دار الاحیاء الکتب العربیہ نے طبع کیا ان دونوں میں یہ عبارت موجود ہے اور ان دونوں نسخوں میں نسخہ مکیہ پر اعتماد کیا ہے اردو ترجمہ اسی مکتبہ امیریہ کا ترجمہ ہے۔

(۳) مندرجہ ذیل ۶۰ علماء جن میں مفسر، محدث، فقیہہ، بھی شامل ہیں وہ سماع موتی کے قائل ہیں امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابوداؤد، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف، امام محمد، امام طحاوی، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد طیالسی، طبرانی، ابن شاہین، ابونعیم، ابن حبان، ابن عساکر، حکیم ترمذی، حاکم ابن سعد، بیہقی، ابن خزیمہ، ضیاء مقدسی، ابویعلی، محی السنۃ بغوی، دارمی، دارقطنی، خطیب، سعید بن منصور، ابن مردویہ، ابن ابی الدنیا، دیلمی، ابن ابی حاتم، ابن نجار بزار، ابن عدی، رافعی، ابن عرفہ، ابن الھویہ، ابن راھویہ، ابن جوزی، قاضی عیاض، عبد ابن حمید، ابونصر، امام سنجری فی الامانۃ، ہروی، ابن مندہ، ابن السنی، محب طبری فی الریاض النظرہ، خطابی، خفاجی، ابن حجر عسقلانی، امام نووی، صاحب سراج الوہاج، علامہ سندھی، امام شعبی، امام منیر شارح بخاری، رحمۃ اللہ علیہ۔ حال کے ملحدین کے نزدیک یہ سارے حضرات کافر قرار پائے۔ (معاذ اللہ)

(۴) المہند علی المفند جو علمائے دیوبند کے اجماعی عقیدہ کی تاریخی دستاویز ہے اس میں مولانا خلیل احمد محدث اکابر دیوبند کا عقیدہ بیان کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے ''نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور برزخ میں ان کی حیات دنیوی ہے اور اس نقطہ نظر کی تائید کے لئے بانی دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کتاب ''آب حیات'' کا حوالہ بھی دیا کہ علمائے دیوبند کا یہ عقیدہ حیات انبیاء ان کے اسلاف سے بطور توارث ملا ہے کوئی انفرادی رائے یا وقتی ہنگامی فتویٰ نہیں ہے جو حوادثات کے پیش آنے سے اتفاقاً سامنے آ گیا ہو۔ اس طرح یہ مسئلہ اثبات حیات انبیاء بطرز مذکور سلف سے خلف تک یکسانی کے ساتھ مسلم اور متفقہ رہا ہے اور تمام علمائے دیوبند کا یہ اجماعی مسلک ہے جس سے کوئی فرد بھی منحرف نہیں ہے۔ یعنی چوتھے راؤنڈ پر ان ملاحدہ نے تمام اکابر دیوبند کو کافر قرار دے دیا۔

یہاں ایک اور عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے یہ عین غین نیلوی بندیالوی پارٹی اپنی معاشی اور معاشرتی ضرورتوں اور مجبوریوں کے تحت اپنے آپ کو بندی کہلاتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اکابر دیوبند جب ان کی نگاہ میں کافر ہیں تو یہ لوگ اپنی دیوبندیت کی نسبت کس سے جوڑتے ہیں۔ جب دیوبندیوں کا کوئی ایک فرد بھی حیات انبیاء کے عقیدے سے منحرف نہیں تو یہ ملاحدہ کا ٹولہ جو صرف منحرف ہی نہیں ہوا بلکہ ان کو کافر قرار دے بیٹھا۔ پھر بھی یہ دیوبندی ہی رہے۔ ثابت ہوا کہ ان پر جہاں اہل سنت والجماعت ہونے کی تہمت لگی ہوئی ہے وہاں دوسری تہمت دیوبندی کی بھی ہے حاشا وکلا ہرگز دیوبندی نہیں ہیں ہاں منکرین حدیث اور رافضیوں سے ان کا اعتقادی شجرہ نسب ملتا ہے۔

(۵) ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس یہ لوگ مدرسہ عثمانیہ حنفیہ (راولپنڈی) میں جمع ہوئے ایک تحریری معاہدہ ہوا جس کی عبارت یہ ہے ''وفات کے بعد نبی کریم کے جسد اطہر کو برزخ قبر شریف میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا صلوۃ وسلام سنتے ہیں۔

۱۔ دستخط قاری محمد طیب حال وارد راولپنڈی، ۲۲ جون ۱۹۶۲ء ۲۔ دستخط قاضی شمس الدین

۳۔ دستخط قاضی نور محمد ۴۔ دستخط لاشئے غلام اللہ خان

یہ معاہدہ ایسی حالت میں ہوا کہ قاضی صاحبان اور لاشئے کے ہوش وحواس قائم ٹھیک ٹھاک تھے اس لئے:

(۱) اگر یہ دستخط سچ مچ کے تھے تو اس پارٹی کے نزدیک یہ تینوں حضرات کافر بلا تاویل قرار پائے اور جب شیخ کافر ہو گیا تو مرید سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ

دوش از مسجد سوئے بت خانہ آمد پیر ما چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ کافر شیخ القرآن بھی ہوا کرتے ہیں؟ اس لئے پنڈت دیانند سرسوتی، نولڈ یکے، سیلم رچرڈ بیل وغیرہ کو اگر کوئی شیخ القرآن سمجھے تو تعجب کی بات نہیں؟

(۲) اگر یہ دستخط محض دفع الوقتی کے لئے کڑی بھی کئے تھے تو دو صورتوں میں سے ایک صورت ہو سکتی ہے یعنی اگر نفاق کا لبادہ اوڑھا تو ان کا رشتہ عبداللہ بن ابی سے جاملا یا تقیہ کی لوئی اوڑھی تو ان کا سلسلہ عبداللہ بن سبا سے جاملا، بہر حال جو بھی صورت ہو ان شیوخ کو مسلمان ثابت کرنے کے لئے نہ کوئی علم کلام کام دے سکتا ہے نہ کوئی تاویلات کا ہتھیار کام آسکتا ہے۔

اس دستخطی لغزش کی توجیہہ خود شیخ لا شئے نے ایک موقع پر فرمادی۔

واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ شیخ القرآن ڈھوک زمان داخلی چکڑالہ تشریف لائے تقریر کے بعد جو لوٹے تو قاضی عمر الدین صاحب مشایعت کے لئے ساتھ ہو لئے راستے میں شیخ سے سوال کیا نبی کریم ﷺ عند القبر صلوۃ وسلام سنتے ہیں یا نہیں؟ شیخ جی نے جواب دیا، ہم کو یہ بھی یقین نہیں کہ آپ کا وجود مبارک صحیح موجود ہے یا مٹی ہو چکا ہے۔ قاضی عمر الدین نے کہا تو پھر حیات النبی ﷺ کے مسئلہ پر دستخط کیوں کئے تھے؟ شیخ نے جواب باصواب لاجواب فرمایا کہ۔ کیا کرتے اگر دستخط نہ کرتے تو بندہ ایک بھی ساتھ نہ رہتا۔

یہ صاحب جواہر القرآن کی قرآن دانی کو جوہر۔ یہ ہے صاحب جواہر التوحید کی توحید کا حدود اربعہ، یعنی بندے ساتھ ہونے چاہئیں، ایمان رہے یا نہ رہے یہ توحید کے دعوے یہ سنت کے نعرے، یہ شیخ القرآنی کے چرچے، یہ دیوبندیت کے پروپیگنڈے محض سوانگ ہیں ایکٹنگ ہے کہ کسی طرح بندے اپنے گرد جمع کئے جاسکیں یہ ہے جواہر القرآن اور یہ ہے جواہر التوحید۔

روٹی تو کسی طور کما کھائے مچھندر

ان پانچ تکفیری بموں کے بعد وہ صفایا ہوا کہ دنیا سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹ گیا، لے دے کے وہ رہ گئے تو بندیالوی، نیلوی، گجراتی اور چتوڑگڑھی باقی رہے نام اللہ کا۔

ارے ظالموں! اپنے شیخ کو بھی کافر بنا کے چھوڑا۔

تمہارا تھا دوست دار حالی اور اپنے بیگانے کا رضا جو سلوک اس سے کئے تم نے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجئے گا

یہ تھا ان لوگوں سے شغل تکفیر کا ماحصل اب ہم ان کے ان ہذیانات کا جائزہ لیتے ہیں جو اپنے اصل عقیدہ کے ساتھ یہ لوگ ضمناً بیان کرتے رہے۔

(۱) بچہ جمہورے نے کہا کہ ایک بت خدا کے بنائے ہوئے ہیں جیسے محمد رسول اللہ ﷺ۔ بابا نے خوش ہو کر کہا یہ جوان میرے کمی پوری کرے گا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی چیز بے مقصد نہیں بنائی جاتی۔ یہ انسان کی فطرت ہے تو یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ خالق انسان کوئی چیز بے مقصد بنائے۔

بت بنانے کا مقصد کیا ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ پوجا پاٹ اور پرستش کے لئے ہی بنایا جاتا ہے اس کے بغیر اس کا کوئی مقصد نہیں البتہ زمانہ حال میں ایک اور مقصد وضع کرلیا گیا ہے اور وہ ہے ڈیکوریشن۔

اس اصول کے تحت ظاہر ہے کہ انسانوں نے جو بت بنائے وہ پوجا پاٹ کے لئے بنائے تو سوال یہ ہے کہ خدا نے بقول ان ملاحدہ کے جو بت بنایا کس مقصد کے لئے بنایا، اگر خدا پرانے خیال کا ہے تو اس کا مقصد بھی وہی پوجا پاٹ کرانا ہوگا اور اگر ماڈرن ہے تو اس کا مقصد ڈیکوریشن ہو سکتا ہے بہر حال ان ملحدوں کے نزدیک محمد رسول اللہ ﷺ کی حیثیت ان دونوں میں سے ایک ہے یا دونوں ہیں۔ اگر خدا نے یہ بت پوجا پاٹ کرانے کی غرض سے بنایا تو اس کی پوجا پاٹ کرنا عین رضائے خداوندی ہے اور پوجا کرنے والوں کی حیثیت مقصد تخلیق کو پورا کرنے کی ہوئی پھر شکوہ کیا اور گلہ کیوں؟

اور اگر مقصد دوسرا ہے تو حضور اکرم ﷺ کا رسول ہادی، مزکی، معلم ہونا سب حیثیتیں ختم ہوئیں پھر رسالت پر ایمان کہاں سے ڈھونڈو گے؟ استاد اور شاگرد دونوں ایسے جاہل بلکہ اجہل ہیں کہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ جو بکواس وہ کر گئے ہیں اس کا مفہوم اور مطلب کیا ہے اور یہ بکواس کرنے سے ان کی اپنی حیثیت کیا متعین ہوتی ہے۔ کہ خدا بت گر ہے؟ (معاذ اللہ)

(۲) دوسرے بزرجمہر فرماتے ہیں" حیات کے مدعی اپنے نبی کریم ﷺ کو قبر سے نکال لیتے تا کہ لوگ صحابی کا درجہ حاصل کر لیتے"

ان حضرات جہالت مآب کو اتنا علم بھی نہیں کہ صحابی ؓ ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ اول حیات دنیوی اور مکلف ہونا، دوم اسی دنیائے آب وگل میں تکلیف شرعی کی شرط کے ساتھ صحبت کا شرف حاصل ہوتا۔

کیا ان دونوں شرطوں کا امکان ہے۔ ظاہر ہے کہ نہیں تو پھر شرف صحابیت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے خیر یہ تو نیلوی صاحب کی جہالت کا شاہکار رہا۔ دوسری طرف حضور اکرم ﷺ کو قبر سے نکال کر لانے کی بکواس کرنا یہ ان کی ڈھٹائی اور دریدہ دہنی کی دلیل ہے۔

عقیدہ نمبر ۷: " قرآن کی تفسیر کرنے میں انسان، رسول خدا کی تفسیر یا صحابہ کرام یا ائمہ تفسیر کی تفسیر کا محتاج نہیں بلکہ جس طرح سمجھ آئے تفسیر بیان کر دے۔

اول تو یہ اصول ان کی جہالت کا ایک شاہکار ہے اگر ان لوگوں نے کسی سے نہیں بلکہ از خود ہی قرآن پڑھا ہوتا تو " لتبین للناس ما نزل الیھم " ایک ایسی حقیقت ہے کہ انسان وہ نہیں کہہ سکتا جو انہوں نے کہی مگر شرط یہ ہے کہ قرآن پر ایمان ہو کہ اللہ کی کتاب ہے اور کتاب ہدایت ہے کیونکہ قرآن کی تبیین نبی ﷺ کے فرائض میں داخل ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ نبی تو اپنے فرض کی بجا آوری کے لئے قرآن کی تبیین، تفسیر، تشریح کرتا ہے مگر امت کہتی ہے ہم قرآن کی تفسیر میں رسول کے محتاج نہیں، کہیں کوئی جوڑ ہے ان دونوں باتوں میں۔

ہاں ایک صورت ہے کہ اگر قرآن کو محض ایک ادب پارہ سمجھا جائے تو ہر ادیب کو حق ہے کہ اپنی سمجھ کے مطالب معنی اخذ کرتا رہے مگر اس صورت میں قرآن کیا ہوا دیوان غالب بن گیا۔ (معاذ اللہ)

اس سے معلوم ہوا کہ عین غین پارٹی قرآن کے کتاب ہدایت ہونے پر ایمان نہیں رکھتی بلکہ محض ایک ادبی شاہکار سمجھتی ہے، گویا ان بے چاروں پر ایک اور تہمت لگائی جاتی ہے کہ ان کا اللہ کی کتاب پر ایمان ہے ظاہر ہوا کہ یہ اس تہمت سے بالکل بری ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب اصول یہ ٹھہرا کہ جس کی سمجھ میں قرآن کی جو تفسیر آئے وہی درست ہے تو آپ

نے آسمان سر پر کیوں اٹھا رکھا ہے کہ ہماری بات سنو دین ہم سے سیکھو توحید ہم سے سیکھو، قرآن ہم سے سیکھو، یعنی کسی کی نہ مانو ہماری مانو، بھائی تمہاری کیوں مانیں تم کوئی مافوق البشر مخلوق ہو، جب تم عقل سے اتنے پیدل ہو کر خود اصول قائم کر کے خود توڑتے ہو تو تم پاگلوں کے پیچھے کون چلے جب ہر شخص کو حق ہے کہ اپنی سمجھ کے مطابق قرآن کی تفسیر کرے تو تم اپنی سمجھ کو دوسروں پر مسلط کرنے کا حق کہاں سے لائے ہو جب کہ تمہاری سمجھ کو سمجھ کہنا ہی پرلے درجے کی ناسمجھی ہے کیونکہ تمہاری سمجھ تو ایسی مادر پدر آزاد ہے کہ نہ وہ رسول ﷺ کی محتاج نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی محتاج نہ ماہرین علماء کی محتاج نہ جانے کس بدرو میں بہتی ہوئی آپ کے قابو میں آ گئی۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر قرآن ایسا بازیچہ اطفال ہے تو حقیقت کا لفظ بے معنی ہے اور دین کا مفہوم بس موم کی ناک ہے جدھر چاہو پھیر لو اور جو صورت چاہو تیار کر لو جتنے آدمی اتنی سمجھیں جتنی سمجھیں اتنے ہی دین، پھر کافر کافر کی جورٹ لگا رکھی ہے حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے لیبل سے باطل مذہب یا تحریک چلانے کا واحد کامیاب نسخہ یہی ہے کہ رسول سے رشتہ منقطع کر کے قرآن کو اپنی خواہشات کا تابع بنا لو، نام قرآن کا لو بات اپنی کہو، آپ تحقیق کر کے دیکھ لیں۔ اسلام کے نام سے جتنے باطل فرقے منصۂ شہود پر آئے سب نے اسی نسخہ سے کام لیا۔ قرآن کے الفاظ کو آڑ بنائے رکھو مگر بات اپنے مطلب کی کہو ہاں ایک فرقہ جسے غلطی سے اسلامی فرقہ سمجھا جاتا ہے ذرا دلیر واقع ہوا ہے اور اس نے اعلان کر دیا کہ یہ وہ قرآن ہی نہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا لطف یہ ہے کہ الہامی کتاب کے بغیر الہامی مذہب کا بھی دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اور دنیا میں ہزاروں ایسے سادے مل جاتے ہیں جو اسے اسلام ہی سمجھتے ہیں۔

جفائیں بھی ہیں فریب بھی ہیں نمود بھی ہے سنگھار بھی ہے
اور اس پر دعویٰ حق پرستی اور اس پہ یاں اعتبار بھی ہے

جب ان لوگوں کے سامنے کسی مفسر کا قول پیش کیا ہے تو ان کا جواب ایک چلتا ہوا فقرہ ہوتا ہے ''ھم رجال ونحن رجال'' یعنی وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں مگر یہی وہ سب سے بڑی غلط فہمی ہے جس میں یہ لوگ گرفتار ہیں انسان تو وہ ہوتا ہے جس میں انسانیت ہو، شرافت ہو، تیس مار خان بننے کے لئے ھم رجال ونحن رجال کا نعرہ نہایت کارآمد ہتھیار ہے مگر واقعات کی دنیا میں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ۔

گر بصورت آدمی انساں بدے
احمد و بوجہل خود یکساں بدے

مگر ان کے اس قول سے پہلے تو ثابت ہوا کہ

(۱) قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس کی حقیقت جس کا صحیح مفہوم نہ صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ سکے نہ چودہ صدیوں میں کوئی مفسر سمجھ سکا اس کو سمجھے تو بس یہی لوگ سمجھے۔ (معاذ اللہ)

(۲) دوسری بات یہ قیاسات فقیہہ کا علم جس کے دفتر کے دفتر موجود ہیں اور جس کو علمائے مجتہدین نے اپنی خداداد اجتہادی قوت سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے اخذ کیا اور جس پر دین کا دار و مدار ہے سارے کا سارا نا قابل اعتبار رہا کیونکہ وہ سب بقول ان کے اقوال الرجال ہیں۔

ان لوگوں کی انسانیت کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) (ندائے حق ص ۱۵) صاحب تسکین الصدر و فرضی سلف، فرضی جمہور، فرضی اکابر کی رٹ لگانا چھوڑ دیں۔

نیلوی صاحب کی اس فرضی تثلیث کا ماحصل یہ ہے کہ دین اسلام جن صحابہ رضی اللہ عنہم کرام سے نقل ہو کر آیا وہ فرضی سلف ہیں، جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم، جمہور تابعین، اور جمہور علمائے مجتہدین نے دین کی علمی خدمت کی وہ سب فرضی ہیں اور وہ اکابر جن میں متقدمین، متاخرین سب شامل ہیں اور اکابر دیوبند بھی انہیں میں شامل ہیں سب فرضی ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ دین ہی سارا فرضی ہے یہ ٹولہ بس اصلی سلف اصل جمہور اور اصل اکابر کا ہے۔

خود کوزہ و خود کوزہ گر وخود گل کوزہ یہ ہے ان کی انسانیت کی معراج

(۲) (ندائے حق ص ۶۷) پر صاحب تسکین الصدور اور دیگر علمائے دیوبند کو بناسپتی دیوبندی فرمایا ہے۔

واقعی اصل دیوبندی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ تمام اکابر دیوبند کو کافر قرار دیا جائے اور یہ آپ لوگوں کا ہی دل گردہ ہے، یہی انسانیت ہے کہ جن کا نام بیچ کر کھاؤ انہی کو کافر بھی کہو، اس کے بغیر حق نمک کیسے ادا ہو سکتا ہے یہ ان کی انسانیت کا دوسرا ثبوت ہوا۔

(۳) (ندائے حق ص ۱۸) تسکین الصدور کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''دوکان میں جتنا سامان ہے معلوم ہو جائے گا کہ کس قیمت اور قدر و منزلت کا ہے اور جمہور سلف اکابر کے کیپسولوں میں کس قدر زہر بھر دی گئی ہے جس کی مضرت، نسلاً بعد نسلٍ مہلک اور تباہ کن ثابت ہوگی۔

یہی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم، احادیث اور اکابر امت کے اقوال تو زہر کے کیپسول ہیں۔آب حیات ہے تو اس عین غین پارٹی کے پاس یہ اور بات ہے کہ اس چشمے کا منبع کہیں نظر آتا ہے لے دے کے یہ چشمہ پھوٹتا ہوا نظر آتا ہے تو ان کی ہوائے نفس سے ان کے پیٹ سے کیونکہ دین تو سارا صحابہ ہی نقل ہو کے آیا اور وہ ٹھہرا زہر بس تریاق ہے تو اسی ٹولہ کے پاس۔واہ رے نیلوی انسانیت۔

(۴) علاقہ بہاولپور گھلواں میں عنایت اللہ گجراتی اور سعید واعظ موجود تھے ایک عالم نے علامہ ابن کثیر کی عبارت پیش کی تو سعید صاحب کا جوہر انسانیت جوش میں آیا تو کہنے لگے پہلے اس کے نام کو دیکھو ابن کثیر کوئی اچھا ہوتا ہے یعنی ابن کثیر کے معنی حرامی ہے۔(معاذ اللہ)

یہ ہے وہ انسانیت جس پر ناز ہے اشاعت التوحید والسنۃ کا مبلغ اعظم عنایت اللہ گجراتی بیٹھا ہے اور یہ بکواس سن رہا ہے۔

(۵) (اقامۃ البرہان سجاد بخاری ص ۲۴) ''ترمذی صاحب اور ان کے حضرت والا اگر واقعی مخلصانہ اصلاحی کوششوں کا جذبہ رکھتے تو اس خدمت اسلام کا آغاز انہیں اوپر سے کرنا چاہئے تھا جواہر القرآن کا نمبر تو بہت بعد میں تھا سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی پھر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد شیخ الہند پھر علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح کی جاتی جن کے تفردات کا نمونہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے پھر خاص طور سے پہلے انہیں اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی ان کتابوں کی اصلاح و تطہیر فرماتے جن میں ایسا مواد موجود ہے مثلا

ضعیف شاذ، منکر بلکہ موضوع حدیثیں بلا انکار وتنبیہ بے سرو پا حدیثیں بے سند اور گمراہ کن کرامتیں وغیرہ جن کو اہل بدعت اپنے عقائد زائغہ اور اپنی بدعات مخترعہ کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے تبلیغ توحید کے مشن کو بعض اوقات کافی سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔''

یعنی شیخ القرآن کے پہلے خلیفہ جناب سجاد بخاری صاحب توحیدی ثم اصلی دیو بندی کے نزدیک بگڑے ہوئے لوگوں میں سرفہرست شاہ ولی اللہ دہلوی کا نام آتا ہے پھر بگاڑ کے اعتبار سے علیٰ حسب مراتب حضرت نانوتوی رحمہ اللہ حضرت شیخ الہند اور حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری کے نام آتے ہیں اور بگاڑ بدرجہ اتم جس شخص میں پایا جاتا ہے وہ مولانا اشرف علی تھانوی ہیں جن کا علمی محاسبہ بقول اصلی دیو بندی کے شاذ، منکر ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کے بغیر کچھ نہیں اور بقول ان کے صرف ضال ہی نہیں بلکہ مضل بھی ہیں گمراہ ہی نہیں گمراہ کن بھی ہیں یاللعجب (معاذ اللہ)

علمائے دیوبند جسے حکیم الامت کہیں اور اکابر دیوبند کے شیخ الشیوخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی جن کی علمی اور تحقیقی صلاحیتوں کے معترف ہوں وہ اصلی دیوبندیوں کے نزدیک توحید کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہوں۔

یہ ہے وہ انسانیت جس پر ناز کرتے ہوئے یہ بہروپئے

ھم رجال ونحن رجال کی بڑ ہانکتے ہیں

(۶) حضور اکرم ﷺ کا جلیل القدر صحابی ان کے نزدیک جنگلی ہے۔

دوسرا صحابی جو استاد العلماء شمار ہوتا ہے ان کے نزدیک غیر فقیہہ اور غیر عادل ہے، اب کون ان کی انسانیت میں شک کر سکتا ہے۔

(۷) افضل البشر بعد انبیاء ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک کافر ہے اب بتایئے ایسی سکہ بند انسانیت کے نمونے کسی شریف انسانی معاشرہ میں مل سکتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۸: عذاب وثواب صرف روح کو ہوتا ہے۔ (اقوال مرضیہ محمد امیر بندیالوی ص ۶۶)

''میت تو پتھر ہے اس میں نہ زندگی ہے نہ ادراک اس لئے اس کو عذاب ہونا محال ہے۔ یہ عقیدہ ابن ہبیرہ اور ابن میسرہ کا ہے برعظیم میں یہ عقیدہ ہندوؤں کا ہے جنہوں نے روح کے عذاب کے لئے تناسخ کا عقیدہ ایجاد کیا ہے۔

عقیدہ نمبر ۹: عذاب وثواب نہ بدن کو ہوتا ہے نہ روح کو۔ (جواہر القرآن غلام اللہ خان ج ۲ ص ۹۰۴)

''عذاب وثواب نہ روح کو ہوتا ہے نہ بدن کو ہوتا ہے۔''

سوال یہ ہے کہ پھر کس کو ہوتا ہے؟ جواب یہ ہوا کہ کسی کو نہیں ہوتا۔ یہ عقیدہ کفار کا ہے اور قرآن کی بیسیوں آیات کا انکار صرف اس عقیدہ سے ہوتا ہے مگر ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ منکر قرآن بھی شیخ القرآن ہوتے ہیں۔

(جواہر القرآن ج ۲ ص ۹۰۵) ''شیخ قدس سرہ کی تحقیق یہ ہے کہ برزخ میں لذت والم اور سرور وعذاب روح کو ہرگز نہیں ہوتا، روح ایک ایسی چیز ہے جو احساس الم سے ماورئی ہے اسے تکلیف تو کسی حال میں نہیں ہوتی البتہ اسے لذت وسرور کا احساس ضرور ہوتا ہے۔''

سوال یہ ہے کہ شیخ کی تحقیق کا ماخذ کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ماخذ بیان نہیں ہوا لہٰذا شیخ سے مراد خود شیخ القرآن

ہی ہیں مگر یہ پیراگراف حافظ نباشد کا شاہکار ہے۔ پہلے جملے میں فرمایا کہ لذت والم اور سرور عذاب روح کو ہرگز نہیں ہوتا۔ آخری جملے میں فرمایا البتہ اسے لذت وسرور کا احساس ضرور ہوتا ہے اس تضاد کو کون رفع کرے؟ مگر لطف یہ ہے کہ ایسی بے تکی ہانکنے والے مفسر قرآن بھی ہوتے ہیں اور شیخ القرآن بھی کہلاتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۱۰: (شفاء الصدور ص ۱۰) ''تمام ارواح اپنے اپنے مقام پر یا عذاب میں ہیں یا راحت میں عالم برزخ ان کے لئے جسم مثالی ہیں ان مٹی کے جسموں سے ان کا کوئی تعلق نہیں جو ارضی ہیں عنصری ہیں اور زمین کے گڑھوں میں دفن ہیں۔''

روح کو عذاب ہوا مگر روح تو بقول آپ کے جسم مثالی میں ہے تو کیا جسم مثالی بھی اس عذاب سے متاثر ہوتا؟ ظاہر ہے کہ جب روح کو عذاب ہو رہا ہے تو وہ جسم کیسے متاثر نہ ہو جس میں وہ روح موجود ہے نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب ہوتا ہے روح اور جسم مثالی کو یعنی کھائے پیئے کوکری دھون بھنائے جمعہ۔ مزے کرے جسم عنصری اور مار کھائے جسم مثالی۔ گناہ کرے جسم عنصری اور عذاب ہو جسم مثالی کو۔

واہ رے کافرانہ توحید۔ اللہ تعالیٰ کے عدل کا کیا خوب تصور پیش کیا ہے ان عقائد پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالئے۔ ان میں سے کوئی عقیدہ کافروں سے لیا ''کوئی رافضیوں سے'' کوئی منکرین حدیث سے کوئی صالحیہ سے کوئی کرامیہ سے اور مجموعے کا نام رکھ دیا۔ اصل تے وڈی توحید

بہر حال ان کا کوئی عقیدہ ایسا نہیں جسے اکابر دیوبند کا عقیدہ کہا جاسکے یا اس پر عقیدہ اہل السنت کا اطلاق ہوسکے بلکہ کوئی عقیدہ ایسا نہیں جسے اسلامی عقیدہ کا نام دے سکیں۔ اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن حضرات نے ان عقائد کو حرز جان بنا رکھا ہے انہیں کیا سمجھا اور کہا جائے یہ سوال واقعی بڑا مشکل ہے مگر آپ ذرا چشم تصور کے سامنے ایک ایسے جانور کی صورت لائیں جس کا سر گدھے کا ہو منہ بندر کا ہو کان ہاتھی کے ہوں دھڑ بھیڑئے کا ہو، آپ اسے کیا نام دیں گے ظاہر ہے کہ آپ اسے کوئی نام نہیں دے سکتے زیادہ زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ عجیب الخلقت جانور ہے بس ان لوگوں کے متعلق بھی یہی کہہ سکتے ہیں کہ نہ یہ دیوبندی ہیں نہ حنفی ہیں نہ اہل السنت والجماعت سے ان کا کوئی تعلق نہ اسلام سے ان کا کوئی واسطہ ہے ان میں سے کسی نام سے انہیں پکارا نہیں جاسکتا۔ اس لئے ان ناموں کو چھوڑ کر اور جس نام سے انہیں چاہو سمجھو اور پکارو۔ دیگر اس حقیقت سے خبردار ہو کہ یہ نہ دیوبندی ہیں نہ حنفی ہیں اور نہ اہل السنت والجماعت میں سے ہیں ہاں یہ اپنے قول کے مطابق منکر حدیث، منکر اجماع، منکر تواتر ہیں اور ندائے حق کو تسلیم ہے ایسا منکر یقیناً کافر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فقہائے احناف اور حیات الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام

احناف کے فقیہ فاضل علامہ عبد اللہ بن محمود بن مودود موصلی پیدائش ۵۹۹ھ اپنی مشہور عالم تصنیف ''الاختیار لتعلیل المختار'' میں زیارت قبر النبی ﷺ کے آداب کے سلسلے میں فرماتے ہیں۔

''وَيَقِفُ كَمَا يَقِفُ فِي الصَّلَاةِ، وَيُمَثِّلُ صُورَتَهُ الْكَرِيمَةَ الْبَهِيَّةَ - ﷺ كَأَنَّهُ نَائِمٌ فِي لَحْدِهِ، عَالِمٌ بِهِ يَسْمَعُ كَلَامَهُ، قَالَ ﷺ: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَفِي الْخَبَرِ: أَنَّهُ وُكِّلَ بِقَبْرِهِ مَلَكٌ يُبَلِّغُهُ سَلَامَ مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ مِنْ أُمَّتِهِ، وَيَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَفِيَّ اللهِ، السَّلَامُ

عَلَيْكَ يَا حَبِيبَ اللهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ الرَّحْمَةِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَفِيعَ الْأُمَّةِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِينَ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَاتَمَ النَّبِيِّينَ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُزَّمِّلُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُدَّثِّرُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَحْمَدُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ الَّذِينَ أَذْهَبَ اللهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِيرًا، جَزَاكَ اللهُ عَنَّا أَفْضَلَ مَا جَزَى نَبِيًّا عَنْ قَوْمِهِ، وَرَسُولًا عَنْ أُمَّتِهِ؛ أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ، وَأَدَّيْتَ الْأَمَانَةَ، وَنَصَحْتَ الْأُمَّةَ، وَأَوْضَحْتَ الْحُجَّةَ، وَجَاهَدْتَ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَقَاتَلْتَ عَلَى دِينِ اللهِ حَتَّى أَتَاكَ الْيَقِينُ، فَصَلَّى اللهُ عَلَى رُوحِكَ وَجَسَدِكَ وَقَبْرِكَ صَلَاةً دَائِمَةً إِلَى يَوْمِ الدِّينِ. يَا رَسُولَ اللهِ، نَحْنُ وَفْدُكَ، وَزُوَّارُ قَبْرِكَ، جِئْنَاكَ مِنْ بِلَادٍ شَاسِعَةٍ، وَنَوَاحٍ بَعِيدَةٍ، قَاصِدِينَ قَضَاءَ حَقِّكَ، وَالنَّظَرَ إِلَى مَآثِرِكَ، وَالتَّيَامُنَ بِزِيَارَتِكَ، وَالِاسْتِشْفَاعَ بِكَ إِلَى رَبِّنَا، فَإِنَّ الْخَطَايَا قَدْ قَصَمَتْ ظُهُورَنَا، وَالْأَوْزَارَ قَدْ أَثْقَلَتْ نَوَاصِلَنَا، وَأَنْتَ الشَّافِعُ الْمُشَفَّعُ، الْمَوْعُودُ بِالشَّفَاعَةِ وَالْمَقَامِ الْمَحْمُودِ، وَقَدْ قَالَ اللهُ تَعَالَى: ''وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَحِيمًا'' (النساء: ۶۴) وَقَدْ جِئْنَاكَ ظَالِمِينَ لِأَنْفُسِنَا، مُسْتَغْفِرِينَ لِذُنُوبِنَا، فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، وَأَسْأَلُهُ أَنْ يُمِيتَنَا عَلَى سُنَّتِكَ، وَأَنْ يَحْشُرَنَا فِي زُمْرَتِكَ، وَأَنْ يُورِدَنَا حَوْضَكَ، وَأَنْ يَسْقِيَنَا كَأْسَكَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَادِمِينَ، الشَّفَاعَةَ الشَّفَاعَةَ الشَّفَاعَةَ يَقُولُهَا ثَلَاثًا: ''رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ'' (الحشر: ۱۰) الْآيَةَ. وَيُبَلِّغُهُ سَلَامَ مَنْ أَوْصَاهُ فَيَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ، يَسْتَشْفِعُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ فَاشْفَعْ لَهُ وَلِجَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ؛ ثُمَّ يَقِفُ عِنْدَ وَجْهِهِ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ، وَيُصَلِّي عَلَيْهِ مَا شَاءَ.

وَيَتَحَوَّلُ قَدْرَ ذِرَاعٍ حَتَّى يُحَاذِيَ رَأْسَ الصِّدِّيقِ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - وَيَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللهِ فِي الْغَارِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَفِيقَهُ فِي الْأَسْفَارِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِينَهُ عَلَى الْأَسْرَارِ، جَزَاكَ اللهُ عَنَّا أَفْضَلَ مَا جَازَى إِمَامًا عَنْ أُمَّةِ نَبِيِّهِ، وَلَقَدْ خَلَفْتَهُ بِأَحْسَنِ خَلَفٍ. وَسَلَكْتَ طَرِيقَهُ وَمِنْهَاجَهُ خَيْرَ مَسْلَكٍ، وَقَاتَلْتَ أَهْلَ الرِّدَّةِ وَالْبِدَعِ، وَمَهَّدْتَ الْإِسْلَامَ، وَوَصَلْتَ الْأَرْحَامَ، وَلَمْ تَزَلْ قَائِلًا الْحَقَّ، نَاصِرًا لِأَهْلِهِ حَتَّى أَتَاكَ الْيَقِينُ، فَالسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ؛ اللَّهُمَّ أَمِتْنَا عَلَى حُبِّهِ، وَلَا تُخَيِّبْ سَعْيَنَا فِي زِيَارَتِهِ بِرَحْمَتِكَ يَا كَرِيمُ. ثُمَّ يَتَحَوَّلُ حَتَّى يُحَاذِيَ قَبْرَ عُمَرَ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - فَيَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُظْهِرَ الْإِسْلَامِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُكَسِّرَ الْأَصْنَامِ، جَزَاكَ اللهُ عَنَّا أَفْضَلَ الْجَزَاءِ،

ترجمہ: اور جب روضہ اطہر پر حاضر ہو تو کھڑا ہو حضور ﷺ کے سامنے جس طرح کھڑا ہوتا ہے نماز میں اور یقین کرے آپ ﷺ کی صورت کریمہ کو کہ آپ اپنی قبر میں سوئے ہوئے ہیں۔ اور حاضر ہونے والے کو جان رہے ہیں اور اس کی کلام سن رہے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص نے درود بھیجا مجھ پر میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر میں خود سنتا ہوں اور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ آپ ﷺ کی قبر پر مقرر کر رکھا ہے جو آدمی حضور ﷺ کی امت سے آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھے اسے حضور ﷺ تک پہنچا دیتا ہے اور یوں کہے السلام علیک ..... الخ جزا دے آپ کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے افضل جزا جو نبی کو اپنی قوم کی طرف سے دی جاتی ہے اور رسول کو اپنی امت سے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے رسالت پہنچا دی اور امانت ادا کر دی اور امت کو نصیحت کی اور دلائل کو واضح کیا اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور اللہ کے دین کے لئے جنگ کی یہاں تک کہ آپ کو موت آ گئی۔ صلوۃ وسلام ہو آپ ﷺ کے روح پر اور آپ ﷺ کے جسد پر اور آپ ﷺ کی قبر پر قیامت تک۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کا وفد ہیں اور آپ کی قبر پر زوار ہیں اور ہم آپ کے پاس دور شہروں سے آئے ہیں اور نواح بعیدہ سے۔ قصد کرتے ہیں ہم پورا کرنا آپ کا حق اور مشاہدہ کرنے کے لئے آپ کی نشانیوں کا اور آپ کی زیارت کے ساتھ برکت حاصل کرنے کے لئے اور اپنے رب کی طرف آپ کو شفیع بناتے ہیں۔ اس لئے کہ گناہوں نے ہماری کمروں کو توڑ دیا ہے اور گناہوں کے بوجھ نے ہمارے کندھوں کو بوجھل کر دیا ہے اور آپ شافع ہیں شفاعت قبول کئے ہوئے ہیں آپ سے شفاعت کا وعدہ ہے اور مقام محمود کا بھی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ لوگ (مومن) جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اگر وہ آپ کے پاس آ جائیں اور اللہ سے بخشش مانگیں اور رسول بھی ان کے لئے بخشش مانگیں تو البتہ وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پائیں گے اور ہم آئے ہیں آپ کے پاس کہ ہم اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں اپنے گناہوں کی بخشش مانگنے والے ہیں پس شفاعت کیجئے ہمارے لئے اور اللہ سے دعا کیجئے کہ ہمیں آپ کی سنت پر موت دے اور قیامت کے دن آپ کی جماعت میں اٹھائے اور آپ کے حوض کوثر سے ہمیں سیراب کرے، ہمیں آپ کا پیالہ پلائے اور ہم خوار اور پشیمان نہ ہوں، پھر پہنچائے آپ کو سلام اس شخص کا جس نے اس کو وصیت کی اور کہے سلام ہو آپ پر یا رسول اللہ فلاں ابن فلاں کی طرف سے وہ آپ کو اپنے رب کے سامنے شافع بناتا ہے پس اس کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے۔ پھر کھڑا ہو حضور کے چہرے کے سامنے قبلہ کی طرف پشت کر کے پھر درود بھیجے آپ پر جو چاہے پھر ایک گز کے قریب ہٹے، یہاں تک کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے آ جائے اور کہے سلام ہو تجھ پر اے خلیفہ رسول ﷺ، سلام ہو تجھ پر اے رسول کے غار کے ساتھی سلام ہو تجھ پر اے سفروں میں رسول کے رفیق سلام ہو تجھ پر اے نبوت کے رازوں کے امین جزا دے اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے افضل جزا جو پہنچی امام کو اپنے نبی کی امت کی طرف سے آپ حضور ﷺ کے بہترین خلیفہ رہے اور حضور ﷺ کے راستے اور طریقے پر چلے اور عمدہ طریقہ سے چلے، آپ نے مرتدوں اور بدعتیوں کے خلاف جہاد کیا اور اسلام کو تقویت پہنچائی اور صلہ رحمی کی اور آپ نے ہمیشہ حق کہا اور اسلام کے مددگار رہے حتیٰ کہ آپ اپنے رب سے جا ملے پس آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں اے اللہ ہمیں موت دے صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت میں اور اس کی زیارت کی کوشش میں ہم خسارے میں نہ رہیں اللہ اپنی رحمت سے دعا قبول فرما پھر وہاں سے ہٹے حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر کے سامنے آ جائے اور کہے اے امیر المومنین آپ پر سلام ہو سلام ہو تجھ پر اے اسلام کو ظاہر کرنے والے سلام ہو تجھ پر اے بتوں کو توڑنے والے جزا دے اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے افضل جزا۔

متن مختار ایک مشہور واضح متن ہے۔ یہ صحاح اربعہ متون میں سے ہے جن پر مذہب حنفی کا مدار ہے۔ صحاح اربعہ یہ ہیں کنز الدقائق، مختار، مجمع البحرین، اور الوقایہ۔ اسی مختار کی شرح اختیار سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے۔ شارح حضرت مولانا عبداللہ ہیں جو قاضی کوفہ رہ چکے ہیں اور صاحب ترجیح ہیں۔

(۲) فتاوی عالمگیری: اس فتاوی کے متعلق صاحب کشف ظنون لکھتے ہیں۔ ''وھی مشھورۃ مقبولۃ

معمول بہا متداولۃ بین العلماء والفقہاء وھی نصب عین من تصدر للحکم والافتاء" یہ فتاویٰ مشہور ومقبول اور معمول بہا اور متداول ہے علماء اور فقہاء میں جو شخص فتویٰ چاہے اس کے لئے یہ نصب العین ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر نے اپنی وسیع سلطنت میں سے فقہائے احناف کے چوٹی کے مفسر محدث اور فقیہہ علماء جن کی تعداد پانچ سو تھی منتخب کئے اور ان کے سپرد یہ کام کیا کہ ایسی جامع کتاب تیار کریں جو تعزیرات اسلام کا پورا کام دے اور سفر میں کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ پڑے، عالمگیر نے بصرف زر کثیر کتابیں جمع کیں اور ان علماء کے حوالے کیں اس گروہ کی قیادت حضرت شاہ ولی اللہ کے والد امام الہند شاہ عبدالرحیم کے سپرد کی ان پانچ سو علماء نے فتاوی عالمگیری لکھ کر الاختیار شرح مختار کے مضمون پر مہر تصدیق ثبت کردی اسی وجہ سے آج تک تمام علماء اور عوام کا عمل اسی پر چلا آیا ہے اور کسی عالم نے آج تک نہ اس کی تردید کی ہے نہ ہی لب کشائی کی ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری ایک مفتیٰ بہ فتاوی ہے۔ تین چار سو سال سے اسی پر فتوی چلا آرہا ہے آج صرف ایک ٹولہ ملحدین اور مجددین شرک کا اس کا منکر ہوا ہے اس سے پہلے کتاب اختیار شرح مختار چھٹی صدی سے لکھی گئی ہے اور نو سو سال سے اسی پر عمل چلا آرہا ہے اور علماء عوام خواص سب کا اس پر اتفاق چلا آرہا ہے کسی نے نکیر نہیں کی اب یہ ملحدین کا ٹولہ اس کو شرک کہتا ہے اور یہودیوں کا مذہب بتاتا ہے ان کو یہودیوں کے مذہب سے بڑا پیار ہے ان کے دل میں ہر وقت یہودیوں کا مذہب رہتا ہے اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو ان کی تردید پیش کریں۔ اگر کسی فقیہہ نے تردید میں کوئی کتاب لکھی ہے تو پیش کریں ورنہ ظاہر ہے کہ ان کا مذہب خانہ زاد مذہب ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۹) پر لکھا ہے۔"وَيَقِفُ كَمَا يَقِفُ فِي الصَّلَاةِ وَيُمَثِّلُ صُورَتَهُ الْكَرِيمَةَ الْبَهِيَّةَ كَأَنَّهُ نَائِمٌ فِي لَحْدِهِ عَالِمٌ بِهِ يَسْمَعُ كَلَامَهُ.

كَذَا فِي الِاخْتِيَارِ شَرْحِ الْمُخْتَارِ ثُمَّ يَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَأَدَّيْتَ الْأَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْأُمَّةَ وَجَاهَدْتَ فِي أَمْرِ اللهِ حَتَّى قَبَضَ رُوحَكَ حَمِيدًا مَحْمُودًا فَجَزَاكَ اللهُ عَنْ صَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا خَيْرَ الْجَزَاءِ وَيُبَلِّغُهُ سَلَامَ مَنْ أَوْصَاهُ فَيَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ يَسْتَشْفِعُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ فَاشْفَعْ لَهُ وَلِجَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ يَقِفُ عِنْدَ وَجْهِهِ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ وَيُصَلِّي عَلَيْهِ مَا شَاءَ وَيَتَحَوَّلُ قَدْرَ ذِرَاعٍ حَتَّى يُحَاذِيَ رَأْسَ الصِّدِّيقِ - رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ - وَيَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللهِ فِي الْغَارِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَفِيقَهُ فِي الْأَسْفَارِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِينَهُ عَلَى الْأَسْرَارِ ثُمَّ يَتَحَوَّلُ حَتَّى يُحَاذِيَ قَبْرَ عُمَرَ - رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ - فَيَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُظْهِرَ الْإِسْلَامِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُكَسِّرَ الْأَصْنَامِ الی ان قال ...جِئْنَاكُمَا نَتَوَسَّلُ بِكُمَا إِلَى رَسُولِ اللهِ لِيَشْفَعَ لَنَا وَيَسْأَلَ رَبَّكُمَا أَنْ يَتَقَبَّلَ سَعْيَنَا وَيُعِيشنا عَلَى مِلَّتِهِ وَيُمِيتَنَا عَلَيْهَا وَيَحْشُرَنَا فِي زُمْرَتِهِ ثُمَّ يَدْعُو لِنَفْسِهِ وَلِوَالِدَيْهِ وَلِمَنْ أَوْصَاهُ بِالدُّعَاءِ وَلِجَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ"

اور جب روضہ اطہر پر حاضری کے لئے کھڑا ہوا ایسے کہ جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور یقین کرے آپ کی صورت کریمہ، کو کہ آپ اپنی قبر میں سوئے ہوئے ہیں اور اس شخص کو جان رہے ہیں اور اس کی کلام سن رہے ہیں جیسا کہ شرح اختیار میں ہے پھر کہے اے اللہ کے نبی آپ پر سلام ہو اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے لوگوں کو اللہ کا دین پہنچایا رسالت پہنچائی امانتیں ادا کیں امت کو نصیحت کی اور جہاد کیا یہاں تک کہ آپ کی حمید ومحمود روح پرواز کرگئی، اللہ تعالیٰ ہم چھوٹوں بڑوں سے آپ کو بہترین جزا دے، پھر حضور ﷺ کو اس شخص کا سلام

پہنچائے جس نے اس کو کہا ہو اور کہے سلام ہو تجھ پر اے اللہ کے رسول فلاں ابن فلاں کی طرف سے وہ آپ کو اپنے رب کے سامنے شفیع بناتا ہے پس آپ اس کے لئے اور سارے مسلمانوں کی شفاعت فرمائیں۔ (آگے ترجمہ حسب سابق)

''ہم آپ دونوں (صدیق فاروق) کے پاس آئے ہیں آپ کو وسیلہ بناتے ہیں رسول اللہ کے پاس تاکہ آپ سفارش کریں اور دعا کریں ہمارے لئے اللہ سے کہ وہ ہماری کوشش قبول فرمائے اور ہمیں زندہ رکھے آپ کے دین پر اور موت دے اسی پر اور اٹھائے ہمیں حضور کی جماعت میں پھر اپنے لئے اپنے والدین کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اس کو کہا ہو اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء کرے''

پھر زیارت قبر النبی ﷺ کے متعلق میں ہے۔

''قال مشائخنا انها افضل المندوبات فی مناسک الفارسی وشرح مختار انها قریبة من الوجوب لمن له ساعة'' ہمائے مشائخ نے فرمایا کہ یہ (زیارت روضہ اطہر) افضل مندوبات میں سے ہے اور مناسک فارسی اور شرح مختار میں ہے کہ یہ ہر شخص کے لئے واجب کے قریب ہے جس کو استطاعت ہو۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۲۰۹)

اور (شرح مختار ص ۱۷۵) پر ہے۔''اذا فرغوا من مناسکهم وقفلوا عن المسجد الحرام وقصدوا المدینة زائرین قبر النبی ﷺ اذهی من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجة الواجبات فانه حرض علیها وبالغ فی الندب الیها فقال من وجد ساعة ولم یزرنی فقد جفانی وقال ﷺ من زار قبری وجبت له شفاعتی، من زار قبری بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی الیٰ غیر ذالک من الاحادیث''

جب احکام حج سے فارغ ہو اور مسجد حرام سے رخصت ہو اور مدینہ منورہ کا قصد کرے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کرے کیونکہ یہ زیارت مندوبات اور مستحبات سے افضل ہے بلکہ درجہ وجوب کے قریب ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اس کے لئے ترغیب دی ہے اور اس کی زیارت میں مبالغہ فرمایا ہے۔ فرمایا، کہ جو شخص طاقت رکھتا ہو اور اس نے میری زیارت نہ کی تو اس نے ظلم کیا، اور حضور ﷺ نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں زیارت کی۔ اس طرح کی اور بہت سی حدیثیں موجود ہیں۔

(۳) (فتح القدیر دارالفکر ص ۱۷۹) باب زیارۃ قبر النبی ﷺ۔

صاحب فتح القدیر کا علمی پایہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ حافظ العصر علامہ ابن حجر عسقلانی کے ہم مرتبہ ہیں حدیث میں اور علم اصول میں اس سے افضل ہیں جن کے حق میں علامی شامی نے یوں فرمایا کہ وہ درجہ اجتہاد کو پہنچے ہیں۔

''قال مشائخنا من افضل المندوبات وفی مناسک الفارسی وشرح مختار انها قریبة من الوجوب لمن له ساعة'' (ترجمہ او پر گزر چکا ہے)

پھر (ص ۱۸۰) پر ''ثم یاتی بقبر الشریف فیتقبل الجدارة ویستدبر القبلة علی اربعة اذرع عن السارعة التی عند راس القبر وما من ابی اللیث ان یقف مستقبل القبلة مردود بما روی ابو حنیفة فی مسنده عن ابن عمر قال من السنة ان یاتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلة وتجعل ظهرک الی القبلة وتستقبل وجهک الی القبر الشریف ثم تقول السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته''

پھر قبر شریف کے پاس آئے اس کی طرف منہ کرے قبلہ کی طرف پشت کرے اور سر مبارک سے چار گز کے فاصلے

پر کھڑا ہو اور جو روایت فقیہہ ابو اللیث سے کی جاتی ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور قبر کی طرف پشت کرے یہ قول مردود ہے کیونکہ روایت کی امام ابوحنیفہ نے اپنی مسند میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا سنت یہ ہے کہ آئے قبر نبی ﷺ پر کہ منہ کرے قبر شریف کی طرف اور اپنی پشت قبلہ کی طرف کرے اور کہے اے نبی آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔

پھر (ص ۱۸۱) پر ہے ''السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خِيرَ اللهِ مِنْ جَمِيعِ خَلْقِهِ،

وَيَسْأَلُ اللهَ تَعَالَى حَاجَتَهُ مُتَوَسِّلًا إِلَى اللهِ تعالى بِحَضْرَةِ نَبِيِّهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - . وَأَعْظَمُ الْمَسَائِلِ وَأَهَمُّهَا سُؤَالُ حُسْنِ الْخَاتِمَةِ وَالرِّضْوَانِ وَالْمَغْفِرَةِ، ثُمَّ يَسْأَلُ النَّبِيَّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - الشَّفَاعَةَ فَيَقُولُ. يَا رَسُولَ اللهِ أَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ، يَا رَسُولَ اللهِ أَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَأَتَوَسَّلُ بِكَ إِلَى اللهِ فِي أَنْ أَمُوتَ مُسْلِمًا عَلَى مِلَّتِكَ وَسُنَّتِكَ،

وَلْيُبَلِّغْ سَلَامَ مَنْ أَوْصَاهُ بِتَبْلِيغِ سَلَامِهِ فَيَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ يُسَلِّمُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ. يُرْوَى أَنَّ عُمَرَ ابْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ - رَحِمَهُ اللهُ - كَانَ يُوصِي بِذَلِكَ وَيُرْسِلُ الْبَرِيدَ مِنْ الشَّامِ إِلَى الْمَدِينَةِ الشَّرِيفَةِ بِذَلِكَ ثم يسلم على ابى بكر رضی اللہ عنہ ثم يسلم على عمر رضی اللہ عنہ''

پھر کہے سلام ہو تجھ پر اے ساری مخلوق سے بہتر سب اول و آخر سے بہتر پھر اللہ سے اپنی حاجت کا سوال کرے حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ بنائے پھر سوال کرے نبی کریم ﷺ سے شفاعت کا پھر کہے یا رسول اللہ ﷺ میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور وسیلہ بناتا ہوں آپ کو اللہ کی طرف کہ میں اسلام پر مروں۔ اور آپ کی سنت پر پھر اس شخص کا سلام پہنچائے جس نے اس کو یہ کہا ہو اور کہے یا رسول اللہ فلاں بن فلاں کی طرف سے آپ پر سلام ہو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت کی گئی ہے کہ آپ ایسا کرنے کی وصیت کرتے تھے اور شام سے مدینہ طیبہ کی طرف اسی لئے آدمی بھیجا کرتے تھے۔ پھر سلام کہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر۔

(۴) علامہ ابن عابدین مشہور بہ علامہ شامی۔ (شامی ج ۳ ص ۲۵۹) پر فرماتے ہیں۔

''فقد افاد فی الضرر المنتقی انه خلاف الاجماع و اما ما نسب الی امام الاشعری امام اهل السنة والجماعة نسب من انکار نبوتها بعد الموت فهو افتراء و بهتان والمصرح به فی کتبه و کتب اصحابه خلاف ما نسب الیه بعض اعدائه لان الانبیاء علیهم السلام احیاء فی قبورهم''

کتاب ضرار المنتقی میں نص ہے اس امر پر کہ رسول کریم ﷺ موت کے بعد اپنی رسالت پر ہیں حقیقۃً اور اس نص کو تسلیم نہ کرنا اجماع کے خلاف ہے اور اما [illegible] اہل السنت والجماعت امام اشعری رحمہ اللہ کی طرف جس بات کی نسبت ان کے دشمنوں نے کی ہے کہ وہ بعد موت مجازی نبوت کے قائل [illegible] یہ سراسر بہتان اور افتراء ہے کیونکہ اپنی کتابوں اور ان کے ساتھیوں کی کتابوں میں رسالت حقیقی بعد موت کی تصریح موجود ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور زندگی حقیقی ہے نہ کہ مجازی۔

(۵) (نورالایضاح مع شرح مراقی الفلاح و مع طحطاوی ص ۴۳۲) پر ہے۔

''ثم تنحص متوجها إلى القبر الشريف فتقف أربعة أذرع بعيدا عن المقصورة الشريفة بغاية الأدب مستدبرا القبلة محاذيا لرأس النبي صلى الله عليه وسلم ووجهه الأكرم ملاحظا نظره السعيد عليك وسماعه كلامك ورده عليك سلامك وتأمينه على دعائك وتقول: السلام عليك يا سيدي يا رسول الله السلام عليك يا نبي الله السلام عليك يا حبيب الله السلام عليك يا نبي الرحمة السلام عليك يا شفيع الأمة

السلام علیك یا سید المرسلین السلام علیك یا خاتم النبیین"

پھر تم کھڑے ہو منہ قبر شریف کی طرف کر کے چار گز کے فاصلے پر نہایت ادب سے پشت قبلہ کی طرف پر حضور ﷺ کے سر مبارک کے سامنے یوں کہ جیسے حضور ﷺ کی نظر مبارک تم پر پڑ رہی ہے، تمہاری بات سنتے ہیں جواب دیتے ہیں اور تمہاری دعا پر آمین کہتے ہیں اور تو کہے سلام ہو آپ پر اے میرے سردار، اے اللہ کے رسول ﷺ، سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی، سلام ہو آپ پر اے اللہ کے حبیب، سلام ہو آپ پر اے نبی رحمت، سلام ہو آپ پر اے شفیع امت، سلام ہو آپ پر اے رسولوں کے سردار، سلام ہو آپ پر اے خاتم النبیین۔

باقی وہی عبارت ہے جو نقل کر چکا ہوں، تفصیل دیکھنی ہو تو نور الایضاح وشرح مراقی الفلاح دیکھ لیجئے، مفصل عبارت الاختیار شرح مختار کی نقل کر دی گئی ہے۔

فقہائے احناف کا عقیدہ فقہ حنفیہ کی کتب متون، شروح اور فتاویٰ سے پیش کر دیا گیا ہے۔ پندرہ سو سال سے یہ عقیدہ چلا آرہا ہے۔ پوری امت محمد یہ اسی عقیدہ پر عامل رہی دنیا بھر کے مسلمان اپنے رسول مقبول ﷺ کی عظمت اور محبت کے جذبہ کے ساتھ زیارت گنبد خضراء کی تڑپ لے کر جاتے ہیں اور زیارت رسول سے دل کی پیاس بجھاتے ہیں مگر یہ ملحد ٹولہ اس کو شرک وکفر کہتا ہے جیسا کہ نیلوی دیانندی نے اپنی پوتھی (ندائے حق کے ص ۲۸۳، ۲۹۸، ۳۱۸) پر یوں لکھا ہے کہ:

"پھر صاحب تسکین کے متعلق کیا فتویٰ ہے جو اس شرک کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں وہاں قبر پر جا کر مندرجہ بالا پکار کرو، حضور ﷺ سے دعا کراؤ حضور ﷺ سے سفارش کرواؤ اور دوسروں کا نام لے کر کہو کہ فلاں ابن فلاں آپ کو سلام کہتا ہے پھر صرف حضور ﷺ کو نہ پکارو بلکہ ان کے ساتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو بھی پکارو اور پکار پکار کر کہو اے ابا بکر اے عمر تم بھی حضور ﷺ کو ہماری بات کہو کہ ہماری سفارش کریں اور ہمارے حق میں اللہ سے دعا مانگیں کہ ہماری کوشش کو قبول فرمائے اور ہمیں اپنے دین پر رکھے اور دین پر مارے اور اسی زمرے میں ہمیں اٹھائے پھر کہے "الشفاعة الشفاعة الشفاعة یا رسول اللہ" وغیرہ وغیرہ، بتاؤ ان کو مشرک کہیں یا نہ۔"

یہ دل کا اندھا پوچھتا ہے صاحب تسکین کو مشرک کہیں یا نہ کہیں، یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے صاف کیوں نہیں کہتا کہ صاحب تسکین مشرک ہے اور اس کا یہ پوچھنا اور یہ کہنا صرف صاحب تسکین تک محدود نہیں بلکہ یہ تو اعلان کر رہا ہے کہ تمام فقہائے احناف مشرک ہیں۔

صاحب مختار مشرک ہے، فتاویٰ عالمگیری لکھنے والے پانچ سو علماء احناف مشرک ہیں، علامہ شامی مشرک ہیں، صاحب فتح القدیر مشرک ہے، صاحب نور الایضاح مشرک ہے، کوئی مؤحد ہے تو صرف یہ ندائے حق کی پوتھی لکھنے والا یا اس کی پارٹی کے چند ہیچ میرز برخود غلط ملا اور بس اور لطف یہ کہ یہ سب سب کچھ کہنے کے بعد یہ موحد صاحب حنفی بھی ہیں۔ بے تکی ہانکنے کا فن کوئی ان حضرات سے ہی سیکھے دنیا میں ایسے نابغہ روزگار اور کہاں مل سکیں گے۔

اس مجہول کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ اس مسئلہ کا تعلق سماع سے ہے یا شرک سے احناف تو سماع کا عقیدہ رکھتے ہیں اس لئے ان کا اہل برزخ سے کلام کرنا کوئی انوکھی بات نہیں مگر آپ کا مردود عقیدہ حیات انبیاء کا نہیں اس لئے تمام فقہائے احناف کو اس پر کاری ضرب لگی ہے، لہٰذا آپ کو دعا کرانے سے کیا مطلب؟ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ساری امت محمد یہ ﷺ اسلام سے دستبردار ہو کر آپ کی ہمنوا بن جائے آپ کو اس دعاء سے چڑ ہے تو آپ بڑی خوشی

سے یہ دعا کیا کریں کہ خدایا مجھے دین اسلام پر نہ زندہ رکھ نہ موت دے، اور مجھے رسول کریم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے زمرے میں ہرگز نہ اٹھانا خدا کرے آپ کی دعا قبول ہو۔

خوب جان لو کہ نیلوی اینڈ پارٹی نے ذات اقدس محمد رسول اللہ ﷺ فداہ ابی وامی ونفسی ومالی کو بت سمجھا اسی طرح صدیق رضی اللہ عنہ وفاروق رضی اللہ عنہ کو بھی بت سمجھا ان تینوں مقدس ہستیوں کو السلام علیکم کہنا ان سے دعا کرانا نیلوی کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسا بتوں سے دعا کرنا اسی وجہ سے اس نے دعا کرانے کو شرک کہا اور کہنے والا مشرک ہوا کیونکہ وہ بتوں سے دعا کرا رہا ہے۔ مبارک ہو تمہیں یہ اسلام اور یہ توحید۔

مولوی عبدالعزیز شجاع آبادی نے اپنی کتاب (دعوۃ الانصاف ص ۳۴، ۳۵) پر لکھا ہے کہ ہمارے شجاع آباد میں ایک مکان پر شاہ صاحب (عنایت اللہ گجراتی) اور واعظ سعید توحید کے موضوع پر خطاب کر رہے تھے کہا بت نہیں سنتے خدا سنتا ہے اور بت عام ہیں خدا کے بنائے ہوئے جیسے حضور اکرم ﷺ یا انسان کے بنائے ہوئے جیسے لات منات کی مورتی شاہ صاحب (عنایت اللہ) نے کہا یہ نوجوان میری کمی پوری کرے گا، یعنی عنایت اللہ نے کہا کہ تو ہین رسول میں جو کمی مجھ سے رہ گئی ہے یہ جوان وہ کمی پوری کر دے گا۔

فقہائے حنبلیہ کی تحقیق

(۱) شیخ عبدالقادر ؒ مکی حنبلی متوفی ۹۸۲ھ کی کتاب (حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل ص ۱۱۳) پر ہے۔

''ملاحظا انہ رسول کسائر الانبیاء فی قبرہ یراہ ویجب لہ من الاحترام مالہ قبل موتہ وعند عدم رفع الصوت بحضرتہ فانہ ﷺ یسمعہ واسر، ویراہ وان بعد'' ترجمہ: وقت حاضری روضہ اطہر پر یہ تصور کرے کہ نبی کریم ﷺ مثل تمام انبیاء کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور اسے دیکھ رہے ہیں اور حضور ﷺ کا وہی احترام واجب ہے، جو حضور ﷺ کی دنیوی زندگی میں تھا اور اسی ادب میں ہے کہ آواز پست رہے، حضور ﷺ کے پاس، کیونکہ آپ سن رہے ہیں اور اسے دیکھ رہے ہیں۔ اگرچہ وہ دور بھی ہو۔

(۲) ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ اپنی کتاب (مغنی ابن قدامہ ج ۳ ص ۵۸۸) پر لکھتے ہیں۔

''عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال مامن احد یسلم علیَّ عند قبری الا ردّ اللہ علیَّ روحی حتی ارد علیہ سلاماً'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر پر مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر بھیجتا ہے کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

(۳) علامہ حسن بن عبدالحسن المشہور بابن عذبہ اپنی کتاب (روضۃ البھیہ ص ۱۳، ۱۴) پر لکھتے ہیں: ''ان رسالۃ نبینا وکل نبی ھل تبقی بعد موتھم وھل یصح ان یقال کل منھم الآن حقیقۃ ام لا، قال ابو حنیفۃ انہ رسول الآن حقیقۃ وقالت الکرامیۃ لا، وقال الشیخ عبد الحق فی شرحہ علی الصحیح وھو ﷺ بعد موتہ باق علیٰ رسالتہ ونبوتہ حقیقۃ کما یبقی وصف الایمان للمؤمن بعد موتہ وذالک الوصف باق للروح والجسد معا لان الجسد لا تاکلہ الارض، ونقل السبکی فی طبقاتہ عن ابن فورک انہ ﷺ حتی فی قبرہ رسول الی الابد حقیقتا لا مجازا۔ قال بن عقیل من الحنابلۃ ھو ﷺ حی فی قبرہ یصلی باذان واقامۃ فی اوقات للصلوٰۃ''

سوال تھا کہ کیا ہمارے نبی ﷺ اور ہر نبی کی رسالت ان کی موت کے بعد حقیقی طور پر باقی رہتی ہے یا نہیں؟ تو

اس کے جواب میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ حقیقتاً نبی و رسول ہیں اور کرامیہ کہتے ہیں کہ حقیقی رسول نہیں ہیں شیخ عبدالحق اسفرائنی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت آپ کی موت کے بعد بھی حقیقی طور پر باقی ہے۔

جیسا کہ مومن کا ایمان اس کی موت کے بعد باقی رہتا ہے اور رسالت کے یہ وصف روح اور بدن دونوں کے لئے ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا جسد مبارک محفوظ اور زندہ ہے امام سبکی نے طبقات الشافعیہ میں ابن فورک سے نقل کیا ہے کہ: حضور اکرم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور ابد تک حقیقی نبی ہیں مجازی نہیں۔ اور ابن عقیل حنبلی نے فرمایا حضور ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اوقات نماز میں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

فقہائے شافعیہ کی شہادت

(۱) حافظ الحدیث شیخ احمد بن محمد قسطلانی (ارشاد الساری شرح بخاری ج ٦ ص ۲۸۱) پر فرماتے ہیں۔

''الّذی نفسی بیدہ لا یذیقک اللہ موتتین ابدا۔ و مرادہ الرد علی عمر رضی اللہ عنہ حیث قال ان اللہ یبعثہ حتی یقطع ایدی رجالا و ارجلھم لانہ لو صح ماقالہ لزم ان یموت موتتا اخری فاشار الی انہ اکرم علی اللہ من ان لجمع الیہ موتتین کما جمعھا الی غیرہ کالذی مر علی قریۃ أوبھا یحیی في قبرہ ثم لا یموت۔ و اللہ لا یجمع اللہ علیک موتتین قبل ھما علی حقیقۃ و قیل لا یرادہ لا یموت موتۃ اخری فی غیرہ او یحیی ثم یسئل ثم یموت''۔ ترجمہ: امام قسطلانی شرح بخاری میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتیں نہیں دے گا شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ حضور ﷺ کو دوبارہ زندہ کرے گا اس کی تردید مقصود ہے کیونکہ دنیا میں اگر دوبارہ زندگی ملے تو پھر دوبارہ موت بھی آئے گی جیسا کہ حضرت عزیر کو دو موتیں ہوئیں۔ کیونکہ حضور ﷺ اللہ کے ہاں بہت مکرم ہیں ان کو دو موتیں نہیں آئیں گی یا دو موتوں سے مراد یہ ہے کہ ایک موت دنیا کی جو آچکی اور ایک موت قبر کی جو نہیں آئے گی مگر نبی کریم ﷺ کو قبر میں جب حیات ملے گی تو دائمی ہوگی پھر موت نہیں آئے گی دو مرتبہ جمع نہیں ہوگی۔

(۲) حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ (انوار محمود ج ۱ ص ۲۵۱) پر فرماتے ہیں: ''قولہ ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء ای من ان تاکلھا بان الانبیاء فی قبورھم احیاء۔ قال الغزالی فی الاحیاء حیاۃ الانبیاء حیاۃ جسمانیۃ'' نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے اجساد زمین پر حرام کر دیئے ہیں یعنی وہ نہیں کھائے گی۔ کیونکہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں امام غزالی نے احیاء میں فرمایا کہ انبیاء کی زندگی حیات جسمانی ہے۔

(۳) محدث احمد بن عبدالرحمن مصری شارح مسند امام احمد (بلوغ الامانی ج ٦ ص ۱۲) پر فرماتے ہیں۔

''وفیھا ان النبی ﷺ حی فی قبرہ فان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء والاحادیث فی ذالک کثیرۃ'' ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے وجود کو کھائے اور اس بارہ میں احادیث کثیر ہیں۔

(۴) (بلوغ الامانی ج ٦ ص ۱۲) پر ہے: ''احتج القائلون بانھا مندوبۃ بقولہ تعالٰی و لو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول۔۔ الخ۔ ووجد الاستدلال بھا انہ حی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم وصح البیھقی والف فی ذالک جزاء قال الاستاذ ابو المنصور

البغدادی۔ قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا حی حتی بعد وفاته و اذا ثبت حیٌّ فی قبر کان المجئی الیه بعد الموت کالمجئی الیه قبله''

جو لوگ (زیارت قبر نبی کے) مندوب ہونے کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے کہ اگر یہ لوگ گناہ کریں اور آپ کے پاس حاضر ہو کر توبہ کریں اور آپ ان کی سفارش کریں تو اللہ ضرور معاف فرمائے گا۔

دلیل کی بنیاد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو آپ کے پاس اب بھی جانا ایسا ہے جیسا وفات سے پہلے بیہقی نے اس حدیث کو صحیح کہا اور اس بارے میں ایک رسالہ لکھا۔ استاد ابو المنصور بغدادی کہتے ہیں کہ ہم اہل سنت کے متکلمین محققین کا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ قبر میں زندہ ہیں تو جو شخص حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی زیارت کو آئے گا وہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی وفات سے پہلے آپ کی زیارت کو آنے والا ہے۔

فقہائے مالکیہ کا عقیدہ

(۱) حافظ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی۔ (زرقانی علی المواہب ج ۸ ص ۳۰۴، ۳۱۱) پر فرماتے ہیں۔

''فیجب الادب معه کما فی حیاته اذ هو حتی فی قبره یصلی فی اذان و اقامة و یکثر من الصلوة بحضرة الشریفة حیث یسمعه و یرد الیه و الزائر ان المراد بالعندیة قریب القبر بحیث یصدق علیه عرفا انه عندهو بالبعد مع اراه ورد ان رد السلام علی المسلم لا یختص به ﷺ صاحب برد النبی ﷺ حقیقی بالروح و الجسد معاو لا کذالک الرد من غیر الانبیاء'' حضور ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کرنے والے کو واجب ہے کہ ایسا ادب کرے جیسا کہ حضور ﷺ کی حیات میں لازم ہے کیونکہ اب بھی قبر میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور بوقت حاضری درود کی کثرت کرے کیونکہ حضور سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور قریب سے مراد قبر شریف کے اتنا قریب ہو جسے عرف عام میں قریب کہا جاتا ہے اسی طرح بعد سے بھی بعد عرفی مراد ہے۔ یہ وہم نہ کرے کہ سلام کا جوب ہر مسلمان میت کے لئے آتا ہے تو انبیاء کی خصوصیت کیا ہوئی۔ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کا جواب حقیقی ہے روح اور بدن دونوں کی طرف سے اور غیر نبی میں یہ بات نہیں۔

(۲) علامہ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۴۸) پر فرماتے ہیں۔

''و قد ثبت فی حدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورهم رواه المنذری و صحح البیهقی ان النبی ﷺ قال مررت بموسیٰ اسری بی عند کثیب احمر و هو قائم یصلی فی قبره'' حدیث میں ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس کو منذری نے روایت کیا اور بیہقی نے اس کو صحیح قرار دیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا معراج کی رات میں موسیٰ کے پاس سے گزرا وہ کثیب احمر کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

شافعی، حنبلی، مالکی فقہائے نے حیات انبیاء کے متعلق جو عقیدہ پیش کیا ہے اس کی سند کے طور پر ہر سہ فقہی مکاتب فکر کے اجل فقہا کی عبارات پیش کرنے سے غرض یہ ہے کہ یہ چاروں فقہی مکاتب فکر اہل السنت والجماعت ہی کہلاتے ہیں ہمارے ہاں کا ملحد گروہ اپنے آپ کو شافعی، مالکی یا حنبلی نہیں کہلاتا، ہاں اپنے آپ کو حنفی ضرور ظاہر کرتے

ہیں۔اس تفصیل سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اہل السنت والجماعت کے ہر فقہی مکتب فکر کا یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء زندہ ہیں اور یہ ملحد گروہ دہائی دے رہا ہے کہ نہیں وہ مر گئے لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کا اہل السنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

ایک حدیث کی بحث

حضور اکرم ﷺ کی یہ مشہور حدیث ہے کہ ''من صلّی علیّ عند قبری سمعته'' جن نے میری قبر کے پاس آکر سلام پڑھا وہ میں خود سنتا ہوں۔

یہ منکرین حدیث کا ٹولہ کبھی کہتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کبھی اسے موضوع قرار دیتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان محدثین کرام کے نام بطور سند پیش کئے جائیں جو اہل فن شمار ہوتے ہیں اور جنہوں نے اس حدیث کی تصدیق کی اور صحیح اور بہ سند جید فرمایا ان کے نام یہ ہیں۔۱۔امام محدث بیہقی، ۲۔امام محدث طبرانی، ۳۔علامہ ابن تیمیہ، ۴۔امام ابن قیم، ۵۔امام سیوطی، ۶۔علامہ ابن عقیل، ۷۔محدیث عقیلی، ۸۔علامہ سخاوی، ۹۔محدث ابوبکر بن شیبہ، ۱۰۔محدث خطیب بغدادی، ۱۱۔محدث ابن حبان، ۱۲۔محدث اب الشیخ، ۱۳۔محدث قاضی عیاض، ۱۴۔محدث زرقانی، ۱۵۔محدث ابن حجر عسقلانی، ۱۶۔محدث ابوالحسن، ۱۷۔استاد الکل مولانا حسین احمد دیوبندی، ۱۸۔محدث قاضی نور محمد، ۱۹۔علامہ نجم الدین، ۲۰۔امام ولی الدین تبریزی، ۲۱۔محدث علامہ علی القاری۔(رحمہم اللہ)

یہ اکیس اہل فن محدثین اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں۔مگر ہمارے یہ کڑی مچی کے دیسی محدث کہتے ہیں۔میں نہ مانوں ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب بقول ان کے ''رحمتلے'' ہیں اور ان بے چاروں کو اللہ کی رحمت سے چڑ ہے کیونکہ اللہ کا غضب ہی ان کی منزل مقصود ہے۔

ایک اور حدیث سے یہ لوگ بہت زیادہ بدکتے ہیں اور وہ ہے حدیث اکثار الصلوۃ بروز جمعہ۔علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری کتاب الدعوات وکتاب الانبیاء میں حضرت اوس بن اوس کی اس روایت کا یوں تذکرہ فرمایا ہے۔

''ورد الامر باکثار الصلوة علیه یوم الجمعة من حدیث اوس بن اوس وهو عند احمد ابی داؤد صححه ابن حبان قال ابن حجر فی حدیث صحیح کما تقدم'' جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھنے کا حکم بزبان رسول ﷺ صادر ہوا۔حدیث اوس بن اوس میں۔اور وہ حدیث صحیح ہے امام احمد، امام ابوداؤد کے نزدیک ابن حبان نے اس کو صحیح کہا، امام ابن حجر نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

امام ذہبی جو جرح وتعدیل کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اوس بن اوس کی علی شرط البخاری ہے اور ابن حجر فرماتے ہیں کہ ''صححه ابن خزیمة وابن حبان والدار قطنی والنووی فی الاذکار'' حدیث اوس بن اوس کو روایت کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے، اور حضرت ابوداؤد نے حتی کہ اکثار صلوۃ کی حدیثیں تواتر معنوی سے ثابت ہیں اور اس حدیث کو حسب ذیل محدثین کبار نے بیان کیا اور اپنی کتابوں میں درج فرمایا:

۱۔محدث کبیر علامہ انور شاہ کاشمیری، ۲۔امام احمد بن حنبل، ۳۔ابن خزیمہ، ۴۔ابن حبان، ۵۔شیخ عبدالحق

محدث دہلوی، ۶۔ علامہ شوکانی، ۷۔ محدث طیبی، ۸۔ علامہ علی القاری، ۹۔ محدث سمہودی، ۱۰۔ علامہ ابن تیمیہ، ۱۱۔ امام ذہبی، ۱۲۔ حافظ الدنیا محدث ابن حجر عسقلانی، ۱۳۔ محدث بدر الدین عینی حنفی، ۱۴۔ امام سخاوی، ۱۵۔ محدث ومفسر ابن کثیر، ۱۶۔ محدث دارقطنی، ۱۷۔ امام نووی، ۱۸۔ امام ابوداؤد، ۱۹۔ امام نسائی، ۲۰۔ محدث ابن قیم، (رحمہم اللہ)

اتنے محدثین جو علم حدیث میں جبال الراسیات کے مقابلے اب کسی ملحد کے لئے کہاں گنجائش ہے کہ اس کے متعلق بے مغز خرافات زبان پر لائے۔ اور اگر کوئی کودن یہ حرکت کر ہی بیٹھے تو کوئی مسلمان اس کی بات پر کان کیوں دھرے۔ کیونکہ جن کی قسمت میں عداوت وتوہین رسول ﷺ ہی لکھی گئی ہو وہ باز کب آ سکتے ہیں۔

ایک جہالت مآب برخود غلط مولوی نے یہ پخ لگائی ہے اس حدیث میں عبدالرحمن بن یزید ایک راوی ہے جو ضعیف ہے۔ اس سے کوئی پوچھے کہ جب اکثار صلوۃ کی حدیثیں تواتر تک پہنچ چکی ہیں تو ضعف کا سوال کہاں باقی رہا مگر ان بے نصیبوں کو نہ حدیث سے کوئی واسطہ ہے نہ جرح وتعدیل کے فن سے کوئی تعلق نہ علمائے جرح وتعدیل پر اعتماد ہے مگر بے چارے معذور ہیں کیونکہ جب رسول ﷺ پر اعتماد نہیں تو حدیث رسول ﷺ پر اعتماد کیسے ہوسکتا ہے۔ البتہ یہ بھی ایک فن کے امام ضرور ہیں۔ کہ اگر اپنے من گھڑت عقیدے کے مطابق کوئی بات مل جائے تو وہ صحیح اور سچی، خواہ اہل فن کے نزدیک اس کا کوئی مقام نہ ہو، اور جو ان کے ایجاد بندہ قسم کے عقیدے کے خلاف پڑے وہ ضعیف بھی ہے موضوع بھی ہے اور جھوٹی بھی ہے خواہ دنیا بھر کے محدثین اسے صحیح اور متواتر ہی کیوں نہ تسلیم کریں۔ ان کا مبلغ علم بس اتنا ہے کہ پرائمری مدرسہ سے بھاگا اور شیخ القرآن بن گیا۔ اب اس گروہ کے تمام شیوخ سن لیں کہ جو عبدالرحمن بن یزید ضعیف راوی ہے وہ ہے عبدالرحمن بن یزید بن تمیم۔ اور اس حدیث میں جو عبدالرحمن راوی ہے وہ ہے عبدالرحمن بن یزید بن جابر مگر آپ معذور ہیں عبدالرحمن اور ضعیف دو لفظ آپ کے سامنے آ گئے خوشی سے، پھولے نہیں سمائے کہ اکثار صلوۃ سے جان چھڑانے کا بہانہ مل گیا۔ اگر علم سے کچھ لگاؤ ہوتا تو تہذیب التہذیب اور لسان المیزان ہی دیکھ لیتے اور اگر تحقیق اور صداقت سے تعلق ہوتا تو اپنی جہالت کو پردہ اخفا میں رکھ کر کسی پڑھے لکھے آدمی سے ان کتابوں کا ضروری حصہ پڑھوا کر سن ہی لیتے اور اگر کچھ بھی نہ کر سکتے تو عقل سے کام لیا ہوتا کہ اگر ایسا ضعیف راوی اس حدیث کی سند میں موجود ہوتا تو اتنے بڑے اہل فن محدثین اس کو قبول کیسے کرتے مگر آپ معذور ہیں کہ آپ کا یہ خانہ بھی خالی ہے۔ مگر جب آپ توحیدی ہیں تو آپ کا اصول یہ ہے کہ نہ خدا کی سنو نہ رسول کی صرف ہماری سنو لہذا یہی رٹ لگائے رکھو۔۔۔

حیات انبیاء اور اکثار صلوۃ پر متواتر احادیث دال اور وارد ہیں چنانچہ فتاویٰ الکبریٰ فقیہ علامہ ابن حجر مکی ج ۵ ص ۱۳۵ بقدر ضرورت۔

"سئل عن حديث احمد وابی داؤد وبيهقی ما من احد يسلم علی... رد الله الی روحی حتی ارد عليه السلام ما الجواب عنه مع الاجماع علی حيات الانبياء كما تواترت الاخبار به"

ترجمہ: علامہ ابن حجر مکی سے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا کہ جب کوئی آدمی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے اور میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔ فرمایا جواب تو ہے۔ کیونکہ حیات انبیاء پر پوری امت کا اجماع ہے جیسا کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

اس سے دو امور ثابت ہوئے اوّل احادیث رسول متواترہ سے حیات انبیاء ثابت ہے۔

''دوم یہ کہ اس پر اجماع امت ہے اور اجماع ایک مستقل دلیل ہے جو کافی ووافی ہے اس شخص کے لئے جو اس امت کا فرد ہے ہاں جس کا تعلق امت محمدیہ سے نہیں اس کے لئے اجماع امت بے معنی چیز ہے اسی طرح افراد امت کے لئے تواتر بھی دلیل بدیہی اولیٰ ہے اگر آدمی تواتر کا انکار کرنے پر اتر آئے تو وہ قیامت، جنت دوزخ، حتی کہ رسالت حضور انور ﷺ کا بھی انکار کرسکتا ہے، یہ ملحد ٹولہ جو تواتر کا انکار کر چکا ہے اس نے آخر رسالت کا بھی انکار کر دینا ہے۔ اس سے ہوشیار رہو۔

۲: اسی طرح (زرقانی ج ۵ ص ۳۳۴)''حیاۃ النبی ﷺ فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا قام عندنا من الادلۃ فی ذالک وتواترت الاخباریۃ'' ترجمہ: نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کی قبروں میں زندگی ہمارے نزدیک قطعی اور یقینی ہے اور اس حیات پر دلائل قطعیہ قائم ہیں۔ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔''

معلوم ہوا کہ حیات انبیاء علم قطعی سے ثابت ہے اور یہ علم قطعی دلائل قطعیہ سے حاصل ہوا اور متواتر احادیث سے حاصل ہوا۔

۳: علامہ سیوطی نے انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء کے شروع میں لکھا ہے کہ حیات انبیاء علیہم السلام متواتر احادیث سے ثابت ہوا۔

۴: مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ حیات النبی ﷺ کی ابتداء میں لکھا ہے کہ حیات انبیاء متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ مگر تواتر ایک بدیہی دلیل بھی اس شخص کے لئے ہے جو امت محمدیہ کا فرد ہو، امت سے خارج آدمی کے لئے تواتر کا کوئی مقام ہی نہیں۔

اجماع بر حیات انبیاء

علامہ ابن حجر مکی کے فتاویٰ الکبری کا اقتباس گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے اس کے علاوہ اس مسئلہ پر امت کے اجماع کے سلسلے میں چند ثبوت پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ القول البدیع علامہ سخاوی شاگرد رشید حافظ الدین علامہ ابن حجر عسقلانی ص ۱۶۷) پر لکھتے ہیں۔

''السادس: رسول اللہ حی علی الدوام یؤخذ من ھذہ الاحادیث انہ ﷺ حی علی الدوام الی ان قال ونحن نؤمن ونصدق بانہ ﷺ حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لا تأکلہ الارض والاجماع علی ذالک۔'' چھٹی بات یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں یہ امر ان احادیث سے لیا جاتا اور سمجھا جاتا ہے۔ اور ہم ایمان رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کریم قبر میں زندہ ہیں، قبر میں آپ کو رزق دیا جاتا ہے، اور آپ کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھاتی۔ اور اس پر امت کا اجماع ہے۔''

۲۔ نور الایمان بزیارت آثار حبیب الرحمن) مولانا عبدالحکیم لکھنوی، والد ماجد مولانا عبدالحئی لکھنوی ص ۱۶ پر فرماتے ہیں کہ حیات انبیاء علیہم الصلوۃ پر پوری امت کا اتفاق واجماع ہے۔

۳۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۷ اور اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۷ میں ہے کہ''حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را در وے اختلاف نیست حیات جسمانی دنیوی نہ حیات روحانی معنوی۔

ترجمہ: حیات انبیاء پر امت کا اتفاق ہے اس میں کسی ایک فرد کا بھی اختلاف نہیں حیات بھی حیات انبیاء پر امت کا اتفاق ہے اس میں کسی ایک فرد کا بھی اختلاف نہیں حیات جسمانی دنیوی نہ کہ روحانی معنوی۔"

(۴) مظاہر حق ج ۱ ص ۴۵۶

"حدیث کا کا حاصل یہ ہے کہ زندہ ہیں انبیاء قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔

(۵) جذب القلوب ص ۱۸۶۔

"بدانکہ تمام اہل سنت والجماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراکات مثل علم وسمع وبصر وسائر امورات از احاد بشر خصوصا انبیاء علیہم السلام وقطع میکنم بعود حیات ہر میت را در قبر چنانکہ دراحادیث ورود یافتہ است"۔

ترجمہ: خوب جان لو کہ تمام اہل السنت والجماعت اعتقاد رکھتے ہیں ساتھ ثبوت ادراکات اور تمام امور مثلا میت کو علم ہونا، سننا، دیکھنا، اور تمام امور ایک عام آدمی کے لئے ثابت ہیں بالخصوص انبیاء کرام کے لئے اور ہم یقین رکھتے ہیں قبر میں ہر میت کے لئے حیات کے لوٹائے جانے پر جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

ان تمام اقتباسات کا حاصل یہ ہے کہ اہل السنت والجماعت کا عقیدہ واتفاق اور اجماع حیات پر ثابت ہے ہاں عین غین پارٹی جو اہل سنت سے خارج ہے اس اجماعی عقیدہ سے اختلاف رکھتی ہے۔

علامہ خفاجی نے اس عقیدہ کے متعلق اپنی مشہور کتاب (نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض ج ۳ ص ۳۹۴) پر فرمایا۔

"فمن المعتقد المعتمد انه ﷺ حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورهم والحق مع الجمهور"

ترجمہ: اور معتمد علیہ عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ قبر میں زندہ ہیں جیسا کہ دوسرے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور حق ہمیشہ جمہور کے ساتھ ہوتا ہے۔

(فیض الباری ج ۳ ص ۱۸۴) پر یہی اصول بیان کیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے ساتھ ہمیشہ حق ہوتا ہے جس کو حق کی تلاش ہو وہ جمہور امت سواد اعظم اور جمہور علمائے امت کا دامن تھام لے۔

اس مسئلے کے دوسرے پہلو یعنی اجماع کی مخالفت کے متعلق علامہ ابن تیمیہ نے وضاحت فرمائی ہے۔

(طریق الوصول الی علم المامول ص ۱۰)۔ "فکل مسئلة يقطع فيها بالاجماع وبانتفاع المنازعة من المومنين فانها كما بين الله فيه الهدى ومخالف مثل هذا الاجماع يكفر كما مخالف النص البين" ترجمہ: ہر وہ مسئلہ جس پر یقینی طور پر امت کا اجماع ہو جائے اور کسی مومن ذی علم کا اختلاف نہ ہو تو اس میں اللہ تعالٰی کی طرف سے ہدایت بند ہوتی ہے تو ایسے اجماع کا مخالف کافر ہے جیسا کہ نص قرآنی کا منکر کافر ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ۔

۱۔ جمہور علماء اہل سنت کا اقرار ہے کہ حیات انبیاء کی حدیثیں متواتر ہیں۔

۲۔ اکابر علماء اہل سنت کا اقرار کہ حیات انبیاء پر پوری امت محمدیہ کا اجماع ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے سب کا اتفاق ہے۔

۳۔ اکابر علماء اہل سنت کا اقرار کہ انہی متواتر احادیث اور اجماع کی وجہ سے پوری امت کا عقیدہ یہی ہے کہ حضرات انبیاء قبروں میں زندہ ہیں۔

۴۔ ان اقرارات کی وجہ سے اکابرین علمائے امت کا فتویٰ یہ ہے کہ منکر اجماع کافر ہے۔ مگر اس کے باوجود عین غین پارٹی کا ڈنکے کی چوٹ سے اعلان ہے کہ وہ اس اجماعی مسئلہ کے منکر ہیں اور لطف یہ کہ پھر بھی اپنے آپ کو اہل السنت اور مسلمان سمجھتے ہیں اور دوسروں کو ایسا سمجھنے پر مجبور بھی کرتے ہیں۔

اعلان

اب کسی ملحد زندیق میں ہمت ہے یا اس کو اپنے قول کا پاس ہے یا اس کی دلیل میں جان ہے یا اس کے مذہب اور عقیدہ میں صداقت ہے تو ان اقراروں سے ثابت کرے کہ:

۱۔ اکابر علماء اہل السنت کا اقرار پیش کرے کہ متواتر حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ انبیاء قبروں میں مردہ بے جان پڑے ہیں نہ سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں۔

۲۔ اکابر علماء اہل السنت کا اقرار پیش کرے کہ تمام علمائے امت کا اور تمام امت کا اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ وقت حاضری نہ تو صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں۔

۳۔ اکابر علماء اہل السنت کا اقرار پیش کرے کہ تمام امت کا عقیدہ یہی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بعد موت نہ سنتے نہ صلوۃ وسلام کا جواب دیتے ہیں۔

۴۔ یہ فتویٰ بھی پیش کریں کہ اس پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام نہ سنتے ہیں نہ سلام کا جواب دیتے ہیں اور اس اجماع کا مخالف کافر ہے۔

متواتر احایث اور اجماع امت پیش کرنا تو دور کی بات ہے میں کہتا ہوں چلو ایک حدیث صحیح پیش کر دو کہ نبی کریم نہ سنتے ہیں نہ صلوۃ وسلام کا جواب دیتے ہیں اور جو یہ عقیدہ رکھے وہ مشرک اور کافر ہے یا یہ دکھا دے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہو کہ میری موت کے بعد میری قبر پر صلوۃ وسلام نہ پڑھنا میں نہ سنوں گا نہ جواب دوں گا۔ اور اگر تم نے یہ عقیدہ رکھا یا اس عقیدہ سے صلوۃ وسلام پڑھا تو مشرک کافر ہو جاؤ گے۔

چلئے کوئی حدیث نہیں پیش کر سکتے نہ کر سکو گے'' ولو کان بعضکم لبعض ظھیرا ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین '' قیامت آجائے گی مگر اس مردود عقیدہ انکار حیات اپر ایک حدیث پیش نہیں کر سکو گے۔ تو مفسرین میں سے کسی مفسر کا قول یا محدثین میں سے کسی محدث کا قول یا فقہاء میں سے کسی فقیہ کا قول یا متکلمین میں سے کسی متکلم کا قول یا عارفین میں سے کسی عارف باللہ کا قول ہی پیش کر دو۔ یہ صراحت ہو کہ میری قبر پر صلوۃ وسلام پڑھنا شرک ہے میں دیکھ لوں گا کون مائی کا لال پیش کرتا ہے کوئی کور باطن یہ تو کرے گا کہ حدیث پر طعن کرے۔ حدیث کو ضعیف یا جھوٹا کہے۔ مگر ضعیف سے ضعیف حدیث بھی اپنے ملعون عقیدہ کی سند میں پیش نہیں کر سکے گا۔ یوں تو منہ چڑانے کے لئے تو ایک دہریہ بھی خدا کا انکار کرنے کے لئے اول فول بک دیتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ میں دلائل پیش کر رہا ہوں۔ مگر یہ لوگ بس اپنا قول پیش کر کے دوسروں سے منواتے ہیں اور فعل رسول کو خود ٹھکراتے ہیں اور دوسروں کو بھی رسول ﷺ سے قطع تعلق کی دعوت دیتے ہیں اور اس حرکت کا نام رکھتے ہیں اشاعت توحید وسنت عقیدہ حیات انبیاء کے حق میں متواتر احادیث، اجماع امت اور اقوال ائمہ اربعہ آپ نے پڑھ لئے۔ مگر دیدہ دلیری ملاحظہ ہو کہ

یہ مجددین شرک، کفرگر، ملحدین کا ٹولہ اسی اجماعی عقیدہ کو کفر وشرک کہتا ہے جیسا کہ نیلوی کی کتاب ندائے حق سے عبارت پیش کر چکا ہوں اور واعظ سعید کی تقریر کا حوالہ گزر چکا ہے کہ جو شخص اسی بات کا قائل ہو کہ نبی کریم ﷺ وقت حاضری روضہ اطہر صلوۃ وسلام سنتے ہیں وہ مشرک کافر ہے اور جو اسے کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے اور جو اسے فروعی مسئلہ سمجھے وہ بھی کافر ہے یہ ہے ان کی توحید اس ٹولے کا ایک اور فرد اللہ بخش موچی اپنی کتاب (اربعین کے ص ۲۸) پر لکھتا ہے ''بعد از موت سماع اور رؤیت انبیاء کا عقیدہ دراصل یہودیوں کی ایجاد ہے۔''

پھر ص ۴۲ پر لکھتا ہے ''چونکہ نبی کریم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ میری امت بھی یہود ونصاریٰ کی طرح عقائد واعمال میں گمراہ ہوگی''۔

پھر اسی صفحہ پر لکھتا ہے ''نبی علیہ السلام کا پختہ فیصلہ ہے کہ جس قبر کی پوجا کی جائے چاہے نبی کی ہو یا غیر نبی کی بمنزلہ بت کے ہے جیسے بت نہیں سنتا نہ جواب دیتا ہے نہ دیکھتا ہے اسی طرح قبر میں مدفون بزرگ نہ سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں۔

ان کے پیرومرشد عنایت اللہ شاہ گجراتی کے نزدیک روضہ اطہر پر صلوۃ وسلام پڑھنے والا اور سماع موتی کا قائل ابوجہل کا کنبہ ہے۔ یہ بھی خوب کہی کیا ابوجہل سماع موتی کا قائل تھا؟ اگر نہیں اور واقعی نہیں تو ابوجہل کا کنبہ تو وہ ہوا جو سماع موتی کا منکر ہو لہٰذا آپ اور آپ کی پوری پارٹی ابوجہل کا کنبہ ہوئے اور یہ بات آپ کو جچتی بھی ہے کیونکہ ابوجہل بھی قریشی تھا اور آپ بھی قریشی ہیں۔ لہٰذا آپ کے دونوں سلسلے یعنی نسبتی اور اعتقادی ابوجہل ہی سے ملتے ہیں۔

اور آپ کا چیلہ اللہ بخش امت محمدیہ کو یہودی کہتا ہے۔ البتہ اس نے اپنے قول کی جو وضاحت کی تو بات کھل گئی۔ اس نے کہا کہ امت محمدیہ کے بعض افراد مراد ہیں۔ اب بات بنی وہ بعض کون ہیں وہی جن کی خوبو، روش یہود سے ملتی ہے چنانچہ یہود کی خاصیت انبیاء کی توہین کرنا اور انبیاء کو قتل کرنا ہے۔ ان میں سے پہلی بات یعنی توہین انبیاء میں آپ کی پارٹی یہودیوں سے کسی طرح کم نہیں، رہا انبیاء کا قتل کرنا تو اس میں آپ مجبور ہیں اگر نبی کریم ﷺ اسی عالم آب وگل میں موجود ہوتے تو تم لوگ حضور ﷺ کو قتل کرنے سے بھی نہ چوکتے (معاذ اللہ) لہٰذا اللہ بخش کے بعض افراد سے مراد آپ لوگ ہی ہیں جو مسلمان کا لیبل لگا کر انبیاء کی توہین کرنا اپنا وظیفہ حیات سمجھتے ہیں۔ گجراتی پیر خوب جانتا تھا کہ صاف لفظوں میں نبی کریم ﷺ کی توہین اس اسلامی ملک میں بھلا کون سن سکے گا اس لئے یہ راہ نکالی کہ نبی مر گئے، مٹ گئے، خاک ہو گئے، نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں۔ نہ ان کو کوئی علم ہے لہٰذا جو ایسا عقیدہ رکھے وہ مشرک کافر ہے حیرت ہے کہ چودہ سو سال میں کسی مفسر، اصولی، فقیہہ اور مجتہد اور کسی مورخ اور عارف باللہ نے یہ نہ سمجھا کہ سماع موتی کا قائل مشرک ہے اور کافر ہے یعنی اتنے طویل عرصے میں کسی کو کفر واسلام میں تمیز کرنے کی توفیق نہ ہوئی یہ نکتہ سوجھا تو چودہ سو برس کے بعد ایک خود ساختہ شیخ القرآن، کو کسی ایک نیلوی پیلوی اور گجراتی کو کیا ذہن رسا پایا ہے چودہ صدیوں میں پھیلی ہوئی پوری امت محمدیہ کو جو کافر مشرک یا یہودی سمجھتا ہے وہ خود ایسا ملحد ہے کہ اس کے ملعون ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا اور قرآن کو بھی سمجھا تو چودہ سو سال بعد ان بزرجمہروں نے سمجھا نہ مفسرین کی عظیم جماعت سمجھی قرآن سمجھے تو یہ بناسپتی شیخ القرآن ہی سمجھے سچ کہا کہنے والے نے کہ۔

تنگ برما راہگذار دین شدہ ہر لیئے راز دار دین شدہ

نیلوی اینڈ کمپنی کا نبوت ورسالت سے انکار

نیلوی صاحب نے اپنی کتاب (ندائے حق طبع جدید کے ص ۴۰۸، ۵۶۱) پر لکھا ہے۔

۱۔ یہ بات تو ثابت و محقق ہو چکی ہے کہ رسالت و نبوت دراصل روح کی صفت ہے (نہ جسد عنصری مع الروح کی)

۲۔ نبوت ورسالت اور ایمان دراصل روح کی صفتیں ہیں۔ اور روح ہمیشہ رہتی ہے جو بدن کی موت کے بعد اصلا تغیر پذیر نہیں ہوتی۔ ص ۴۰۹ پر لکھتے ہیں کہ:

اور ندائے حق طبع جدید ص ۴۰۰ پر عنوان قائم کرتے ہیں "انسان کس چیز کا نام ہے" اس کے تحت فرماتے ہیں۔

۳۔ "صاحب تسکین سے بھی یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ انسان اس گوشت پوست ہڈیوں پٹھوں اور خون وغیرہ کا نام نہیں اور نہ ہی اس ڈھانچہ کا نام ہے جو ہمیں نظر آتا ہے۔"

نیلوی صاحب کے ان دعاوی کا تجزیہ کرنے سے ان کا اصل عقیدہ واضح طور پر سامنے آجاتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ نبوت، رسالت، ایمان ایسی صفتیں ہیں کہ قائم بالغیر ہیں نہ بنفسہٖ اور یہ صفتیں موصوف زندہ کو چاہتی ہیں۔ اگر ان کا موصوف زندہ نہ رہا تو یہ صفات اس سے سلب ہو جائیں گی۔

۲۔ نبوت، رسالت اور ایمان صفتیں روح کی ہیں نہ تنہا جسد عنصری کی نہ جسد مع الروح کی۔ یعنی نبوت ورسالت و ایمان کا جسد عنصری کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا جسد و بدن انسانی کا نبوت ورسالت سے کوئی واسطہ نہیں۔

۳۔ بدن انسانی متغیر ہو جاتا ہے اس بنا پر نبوت ورسالت اور ایمان، بدن کی صفتیں نہیں ہو سکتیں، صرف روح مجرد کی صفات ہیں جو اصلاً تغیر پذیر نہیں ہوتیں۔

۴۔ بدن انسانی جو ظاہر نظر آتا ہے یہ انسان نہیں، لہٰذا یہ اولاد آدم بھی نہیں یعنی نیلوی صاحب جو نظر آتے ہیں یہ انسان نہیں۔ پھر کیا ہیں اس ڈھانچہ کا بھی تو کوئی نام بتایا ہوتا اور جب بدن عنصری تو نبی ورسول کہاں ہوگا۔ حالانکہ اہل حق کے نزدیک نبی اور رسول کی تعریف یہ ہے کہ۔ "ھو الانسان مبعوث الی الخلق لتبلیغ الاحکام" یعنی نبی ایک انسان ہوتا ہے جو تبلیغ احکام کے لئے مبعوث ہوتا ہے۔ اگر یہ بدن انسان نہیں اور نبوت ورسالت روح کی صفت ہے تو کیا اللہ تعالیٰ انبیاء کی روحوں کو مخلوق کی روحوں کی طرف مبعوث کرتا رہا۔ اور انبیاء روحوں کو تبلیغ کرتے رہے اور روح ہی ایمان بھی لاتے رہے اور عمل بھی کرتے رہے۔

چونکہ یہ تینوں صفتیں روح کی ہوئیں اور جناب نے ساتھ ہی یہ قانون بھی بیان فرما دیا کہ جس چیز میں تغیر و تبدل ہوا اس کے ساتھ نبوت رسالت اور ایمان کا کوئی تعلق نہیں اب بتایئے کہ حضرات انبیاء کے ابدان مقدسہ جب آپ کے نزدیک نبوت و رسالت تو کیا ایمان سے بھی خالی ہوئے اور ایمان کے مقابل کفر ہے تو حضرات انبیاء کے ابدان کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے، فتویٰ تو خیر آپ دے چکے ہیں مگر واضح الفاظ میں کہہ دیجئے تاکہ لوگوں پر آپ کے ایمان بالرسالت کی حقیقت واضح ہو جائے۔

پھر یہ ہے کہ جب ایمان سے خالی ہوئے تو عمل سے بطریق اولیٰ خالی ہوئے ظاہر ہے کہ جب کوئی بدن ایمان سے خالی ہے تو یقیناً اسے عذاب ہوگا۔

دوسرا فتویٰ یہ دیجئے انبیاء کے ابدان کے متعلق عذاب کے سلسلے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ اور روح اگر

بدن کے اندر ہے تو اسے بھی عذاب تو ہوگا۔ ہاں اگر آپ کا خیال ہے کہ عذاب نہ روح کو ہوتا ہے نہ بدن کو تو یہ ضروریات دین کا انکار ہے اور صریح کفر ہے اور اگر بدن کے عذاب کا انکار کرو تو ماننا پڑے گا کہ بدن مکلف ہی نہ تھا۔ بدن کو غیر مکلف کہنا بھی ضروریات دین کا انکار ہے جو صاف کفر ہے۔ اور اگر مکلف ہے تو عذاب سے کیسے بچ سکتا ہے۔ اور آپ تو بدن کو غیر مکلف بھی کہہ گئے ہیں۔ جیسا کہ (ندائے حق ص ۴۲)

''نیز انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحب عقل اور صاحب ادراک ہو اور ظاہر ہے کہ بدن میں ادراک عقلی مفقود ہے اس سے یہی ثابت ہوا کہ بدن انسان کا مغائر ہے۔'' جناب نیلوی صاحب! ذرا اتنا تو بتایئے کہ یہ ندائے حق کی پوتھی آپ کے بدن کے ہاتھوں نے لکھی ہے تو بغیر ادراک عقل اور سمجھ کے لکھی ہے، واقعی حقیقت تو ایسی معلوم ہوتی ہے، آپ کے بدن میں نہ ادراک ہے نہ عقل نہ فہم تو یہ کتاب لازماً کسی پاگل کی تحریر ہے، مبارک ہو۔

ہاں تو نیلوی صاحب! اپنے چیلے چانٹوں کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھئے اور بتایئے کہ جب نبوت، رسالت اور ایمان صفت روح کی ہوئی، بدن تو نبوت رسالت اور ایمان سے خالی ہوا تو نبی اور رسول کون تھے۔ اور کس کو تبلیغ کرتے رہے کیا روزہ روح نے رکھا، جہاد روح نے کیا، روح نے تلوار اٹھائی، روح شہید ہوا پھر آپ کے نزدیک نبی اور رسول وہ چیز ہے جو کسی نے دیکھی نہیں۔ نہ نبی کی کلام کسی نے سنی تو یہ صحابہ کرام کی جماعت کہاں سے آگئی، واقعی آپ نے جب یہ کہا کہ صحابی کا قول و فعل حجت نہیں تو اسی بنا پر کہا جب کسی نے رسول کو دیکھا ہی نہیں تو صحابی کیسے بن گیا جب صحابی بننا ممکن نہ رہا تو صحابی کا قول و فعل حجت کیسے بن گیا؟ واقعی تم لوگ معذور ہو۔

مسلمان قوم جن لوگوں کو صحابی کہتی ہے انہوں تو زبان رسول سے قرآن بھی سنا اور احکام بھی اور زبان کیا ہے؟ بدن انسانی کا ایک حصہ ہے اور آپ کے نزدیک نبوت و رسالت بدن کی صفت ہی نہیں، اب ذرا اپنے قریبی ماحول پر نگاہ کیجئے قرآن آپ لوگوں نے کس سے پڑھا، حدیث کہاں سے لی، دین کس سے لیا۔ آپ کے مذہب میں تو نہ کسی نے رسول کو دیکھا (کیونکہ رسالت صفت روح کی ہے) نہ کوئی صحابی ہوا نہ کسی نے رسول سے قرآن پڑھا نہ سنا، نہ حدیث پڑھی نہ سنی نہ رسول نے نماز پڑھائی نہ جہاد کیا پھر بدن میں جب ادراک نہیں عقل نہیں سمجھ نہیں تو آپ نے جو کچھ سیکھا پڑھا کسی دیوانے اور پاگل سے پڑھا اور سب سرمایہ بھی کسی غیر رسول سے آیا اب بتایئے تمہارا ایمان بالرسالت کیا ہوا، تم مسلمان کس قماش کے ہو، تم نے حضرات انبیاء کے بدنوں کو نبوت رسالت اور ایمان سے خالی تسلیم کیا اور ابدان انبیاء کو معذب ثابت کیا، کیا پھر مسلمان کہلانے میں تمہیں شرم محسوس نہیں ہوتی، توحیدیو! تم تو رسالت و نبوت کے کھلم کھلا منکر ہو، مگر جب تم اپنے قول کے مطابق انسان ہی نہیں ہو تو تم سے کسی معقول بات کی توقع ہی کب ہو سکتی ہے۔

آپ سے پہلے کرامیہ کی جماعت گزر چکی ہے جس نے یہ عقیدہ ایجاد کیا کہ بعد موت حضرات انبیاء حکمی نبی ہوتے ہیں حقیقی نہیں لہٰذا کلمہ حکایت ہوگا حقیقت نہیں یعنی کلمہ ہوگا'' لا الہ الا اللہ کان محمد رسول اللہ '' یعنی محمد رسول اللہ دنیا میں حقیقی رسول تھے برزخ میں نہیں۔ آپ تو کرامیہ سے بھی دو قدم آگے نکل گئے حقیقی اور حکمی کی بحث ہی ختم ہی کر دی اور کہا کہ جسد رسول تو نبوت و رسالت اور ایمان سے بھی خالی ہے۔

کرامیہ نے ستم بالائے ستم یہ کیا کہ اپنے ایجاد کردہ عقیدے کی نسبت امام ابوالحسن اشعری کی طرف کر دی۔ حالانکہ یہ سراسر افتراء اور بہتان ہے چنانچہ ''تبیین کذب المفتری الی ما نسب الی ابو الحسن الاشعری '' میں

اس کی تفصیل دی گئی ہے اور فتاوی سبکی میں بھی اس پر بحث کی گئی ہے یہ دونوں کتابیں ہمارے کتب خانے میں موجود ہیں ان کے علاوہ تمام فقہا بھی اس پر بحث کرتے ہیں مثلاً (بحرالرائق ج ۸ ص ۱۸۱) میں ہے ''و رسالۃ الرسل لا تبطل بموتھم علیھم الصلوۃ والسلام'' یعنی رسولوں کی رسالت ان کی موت سے باطل نہیں ہوتی''

معلوم ہوا کہ رسول وہ تھے جن پر موت آئی اور جن پر موت آئی ان کی رسالت موت سے باطل نہیں ہوئی: جیسے وہ دنیا میں رسول تھے اسی طرح وہ برزخ میں بھی رسول ہیں۔ کیوں نیلوی صاحب! کہاں گیا آپ کا قانون؟ مگر آپ بڑی آسانی سے کہہ دیں کہ یہ تو لے تھلے اپنے پاس رکھو۔ چلئے قرآن پاک پر تو آپ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں خواہ وہ کڑئی مچی کا ہی ہو۔ اس لئے قرآن کی ان آیات کیا جواب ہوگا۔

۱۔ ''یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک'' اے رسول تبلیغ کر اس چیز کی جو تجھ پر خدا کی طرف سے نازل کی گئی۔

۲۔ ''یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ'' اے نبی ہم نے آپ کو رسول بنا کر جنت کی خوشخبری دینے والا دوزخ سے ڈرانے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا بنا کر بھیجا۔

۳۔ ''محمد رسول اللہ و الذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم'' محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور مومنوں کے لئے نرم دل ہیں۔

۴۔ یا ایھا النبی قل لازواجل وبنتک'' اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے فرما دیجئے۔

۵۔ ''یا ایھا النبی انا احللنالک ازواجک التی اتیت اجورھن و ماملکت یمینک'' اے نبی ہم نے آپ پر آپ کی بیویاں حلال کی ہیں جن کو آپ نے مہر ادا کیا ہے اور وہ عورتیں بھی حلال ہیں جن کے آپ کے ہاتھ مالک ہوئے۔

۶۔ ''ما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ و لا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا'' اور یہ تمہارے لائق نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا دو۔ نہ یہ کہ نکاح کرو رسول کریم ﷺ کی بیویوں سے ان کی موت کے بعد کبھی۔

۷۔ ''یا نساء النبی لستن کاحد من النساء'' اے نبی کی بیویو! تم باقی عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

نیلوی صاحب کو فرصت ملے تو ان آیات پر غور فرما کر جواب دیں کہ۔

۱۔ ایھا النبی اور ایھا الرسول کا خطاب روح سے ہے یا جسد مع الروح سے؟ اگر روح سے خطاب ہے جو بقول آپ کے نبوت اور رسالت کی صفت سے متصف ہے تو کیا روح کو تبلیغ احکام کا فریضہ سونپا جا رہا ہے؟ جنت کی خوشخبری دینے والا اور دوزخ سے ڈرانے والا روح تھا یا بدن؟ اللہ کی طرف بلانے والا روح تھا یا بدن؟ زبان روح کی تھی یا بدن کی؟ ان احکام کی تعمیل اور تبلیغ روح رسول نے کی یا بدن بھی شامل تھا؟ اگر بدن کا کوئی حصہ نہیں تو بدن تو آپ کے اصول کے مطابق نافرمان ہی رہا (معاذ اللہ) ''و الذین معہ'' جن کے متعلق کہا گیا ہے وہ روح رسول کے ساتھ تھے یا بدن رسول کے ساتھ؟

ازواج نبی، روح نبی کی بیویاں تھیں یا جسد مع الروح کی؟ اور بنات رسول بھی روح رسول کی بیٹیاں تھیں؟ کیا ارواح میں بھی شادی بیاہ توالد و تناسل کا سلسلہ ہوتا ہے؟ روح نبی نے مہر ادا کئے یا جسد مع الروح نے؟ ازواج مطہرات کا جو خاوند تھا وہی نبی اور رسول ﷺ تھا اور وہ بدن تھا؟ دنیا میں بالذات مکلف ہی بدن ہے لہٰذا قرآن میں جس قدر خطاب ہے وہ بالذات بدن کو ہے روح کو بالتبع ہے۔ حضرات انبیاء کے روح اور بدن دونوں دنیا میں نبی تھے اگر دنیا میں مکلف بالذات

روح بدن تھا برزخ میں نبی رسول روح اور بدن دونوں ہیں مگر برزخ میں مکلف بالذات ہے بدن بالتبع ہے، چونکہ برزخ میں روح بدن کی صورت اختیار کرلیتا ہے اور بدن روح کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ دیکھو فیض الباری شرح بخاری۔

۲۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے احکام کی تبلیغ کیسے کی؟ آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ بدن انسان نہیں ہے اور رسول کے سامنے تو ابدان مع الروح ہی تھے انہی کو تبلیغ کی وہ صحابی بنے۔ مگر آپ کے عقیدہ کے مطابق تو نبی کریم ﷺ نے انسانوں کو تبلیغ ہی نہیں کی۔ ہاں اگر آپ کے پاس کوئی شواہد ہوں کہ نبی کریم ﷺ صرف ارواح کو تبلیغ کرتے رہے تو شاید بات بن جائے ورنہ ظاہر ہے کہ بقول آپ کے نبی کریم ﷺ کو تبلیغ کا حکم ملا اور آپ ﷺ نے معاذ اللہ حکم کی تعمیل مطلق نہیں کی۔

پھر ازواج نبی ﷺ اور بیٹیاں بدن تھے یا صرف روح تو کیا نبی کریم ﷺ ارواح ہی سے نکاح کرتے رہے اور ارواح ہی سے بیٹیاں پیدا ہوتی رہیں۔

۳۔ یہ اشداء علی الکفار اور رحماء بینھم' ارواح ہی تھے یا ابدان بھی تھے؟ اگر آپ کا عقیدہ صحیح ہے کہ نبوت صفت روح کی ہے اور یہ بدن کا ڈھانچہ انسان نہیں تو پوری اسلامی تاریخ الف لیلیٰ یا فسانہ آزادی بن کے رہ گئی۔ مگر یہ باتیں وہ وسچے جو انسان ہو اور وہ لکھے جو انسان ہو آپ چونکہ بقول اپنے انسان ہی نہیں ہیں بھلا آپ کیوں سوچتے اور کیوں لکھتے۔

امام ابوالحسن اشعری پر افتراء کے جواب میں

''فقد افادنی ورد المنتقی انه خلاف الاجماع قلت واما ما نسب الی امام الاشعری امام اهل السنة والجماعة من انکار نبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان المصرح به وفی کتبه وکتب اصحابه خلاف ما نسب الیه بعض اعدائه لان الانبیاء علیهم السلام احیاء فی قبورهم۔ (شامی ج ۳ ص ۲۵۹)

ترجمہ: کتاب فتاویٰ ورد منتقی میں صاف نص ہے کہ رسول کریم ﷺ کی موت کے بعد آپ کو حقیقی رسول نہ ماننا خلاف اجماع امت ہے میں کہتا ہوں کہ امام اہل السنت امام اشعری رحمہ اللہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ بعد موت نبوت کے وہ منکر ہیں تو یہ سراسر بہتان ہے افتراء ہے کیونکہ ان کی اور ان کے شاگردوں کی کتابوں میں صراحت موجود ہے کہ بعد موت نبی کی نبوت ورسالت اپنی حقیقت پر موجود ہوتی ہے نہ کہ مجازی۔

انبیاء کو مردہ کہنا دراصل عیسائیت کی تبلیغ ہے جو یہ ملحد ٹولہ کر رہا ہے عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں محمد رسول اللہ ﷺ مر گئے۔ (معاذ اللہ) زندہ نبی کو چھوڑ کر مردہ سے کیا مطلب؟ یہی کام یہ نیلوی پارٹی کئے چلی جا رہی ہے۔ توہین صلحاء کی بنیاد پر بڑے بڑے فرقے وجود میں آئے مگر اس عین غین پارٹی سے بدتر کوئی فرقہ پیدا نہیں ہوا۔ توہین انبیاء میں یہ یہودیوں سے بھی بازی لے گئے ہیں۔

سابقہ انبیاء کا اپنی حقیقی نبوت ورسالت پر ہونے کی شہادت خود قرآن دیتا ہے: ''تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض'' اور ''لا نفرق بین احد من رسلہ'' یعنی ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی۔ اور ہم کسی ایک رسول کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔ کہ بعض کو مانیں بعض کو نہ مانیں۔

گزشتہ رسولوں کو قرآن نے رسول فرمایا کہ وہ اپنی حقیقی رسالت پر قائم ہیں ہم کہتے ہیں قرآن کریم کی نصوص سے واضح اور ثابت ہے کہ روح اور جسم دونوں نبی اور رسول ہیں۔ دنیوی زندگی اور برزخ میں۔ کیونکہ انبیاء

علیہم السلام قبروں میں زندہ ہوتے ہیں چنانچہ امام سبکی رحمہ اللہ نے طبقات شافعیہ الکبریٰ میں فرمایا۔

(۱) الانبیاء احیاء فی قبورھم فوصف النبوۃ والرسالۃ باق للروح والجسد معا"

ترجمہ: حضرات انبیاء قبروں میں زندہ ہیں بس وصف نبوت اور رسالت ان کے لئے باقی روح جسم دونوں کے لئے۔

(۲) امام حسن بن عبدالحسن جو ابن عذبہ سے مشہور ہیں اپنی کتاب (الروضۃ البہیہ ص ۱۳، ۱۴) پر فرماتے ہیں۔ "ان الرسالۃ نبینا ﷺ وکل نبی ھل تبقی بعد موتھم؟ ویصح ان یقال کل منھم رسول الآن حقیقۃ ام لا؟ قال امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ انہ رسول الآن حقیقۃ وقال الکرامیۃ لا وقال الشیخ عبد الحق فی شرحہ علی الصحیح وھو ﷺ بعد موتہ باق رسالتہ ونبوتہ حقیقۃ کما یبقی وصف الایمان للمؤمنین بعد موتہ وذالک الوصف باق للروح والجسد معا لان الجسد لا تاکلہ الارض ونقل السبکی فی طبقاتہ" ترجمہ: رسالت نبی کریم ﷺ کی روایت کی کہا ان کی موت کے بعد باقی رہتی ہے حقیقۃ روایت صحیح ہے ان کو ہر ایک کو نبی حقیقۃ کہا جائے یا نہ کہا جائے تو جواب دیا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رسالت رسول کی اب بھی باقی ہے اور فرقہ کرامیہ نے کہا باقی نہیں حقیقۃ اور شیخ عبدالحق اسفرائنی نے بخاری کی شرح میں فرمایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اپنی نبوت اور رسالت پر باقی ہیں حقیقۃ جس طرح وصف ایمان کی مومن کے لئے باقی رہتی ہے بعد موت کے اس طرح وصف نبوت ورسالت باقی ہے روح اور جسد دونوں کے لئے چونکہ جسد نبی کو زمین نہیں کھاتی اور امام سبکی طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں لکھا اور نقل کیا ہے۔ (دیکھئے طبقات ج ۳ ص ۴۵)

"عن ابن فورک انہ ﷺ حیی فی قبرہ رسولا الی الابد حقیقۃ لا مجازا قال ابن عقیل من الحنابلۃ ھو ﷺ حی فی قبرہ یصلی باذان واقامۃ فی اوقات الصلوۃ"۔ (الروضۃ البہیۃ بین الاشاعرۃ والماتریدیہ ص ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: ابن فورک سے کہ رسول ﷺ خدا اپنی قبر میں زندہ ہیں اور رسول ہیں حقیقۃ ہمیشہ کے لئے نہ مجازا اور ابن عقیل حنبلی نے کہا رسول خدا قبر میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں اذان اقامت کے ساتھ نماز کے وقتوں میں۔

(۳) کتاب التبصیر امام ابوالمظفر الاسفرائنی جو پانچویں صدی ہجری کے بڑے فاضل تھے انہوں نے اس کتاب تمام عقائد اہل السنت والجماعت بیان فرمائے ہیں اس کے ص ۳۹ پر یہ عقیدہ لکھتے ہیں۔ "واخبر انھم یحیون فی قبورھم فقد ورد فی معنی الاحیاء فی القبور مالا یحصی من الآیات والاخبار والآثار"

اور پھر ص ۱۵۹ پر "ولا ینکر ما استفاض فیہ الاخبار ونطقت بہ الآیات من الاحیاء فی القبر الا من ینکر عموم قدرۃ اللہ تعالیٰ ومن انکر عموم قدرۃ اللہ تعالیٰ کان خارجا من زمرۃ اھل الاسلام"

ترجمہ: رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ وہ مردے قبروں میں زندہ کئے جائیں گے اور وارد ہونا معنی حیات میں، یعنی مردوں کو قبروں میں زندہ کرنے میں اتنی حدیثیں اور آثار صحابہ کے جن کا اندازہ کرنا مشکل ہے اور قبور میں زندہ ہونے کے متعلق مستفیض احادیث اور آیات قرآن وارد ہوئیں جن کا انکار وہ شخص کرے گا جو باری تعالیٰ کی عام قدرت کا منکر ہوگا اور جس نے عموم قدرت باری کا انکار کیا وہ اسلام کی جماعت سے خارج ہے۔

امام ابوالمظفر الاسفرائنی نے وضاحت فرمادی کہ

ا۔ قبور میں زندہ ہونے کے ثبوت میں لاتعداد آیات قرآنی، احادیث نبوی ﷺ اور آثار صحابہ وارد ہوئے ہیں۔

۲۔ قبروں میں مردوں کا زندہ ہونا، سوال و جواب ہونا، کثیر تعداد میں آیات واحادیث وارد ہیں۔

۳۔ ان کا انکار وہی کر سکتا ہے جو عموم قدرت باری کا منکر ہو۔

۴۔ قدرت باری کا منکر اسلام سے خارج ہے کافر ہے۔

منکرین حیات انبیاء تو سخت خطرے میں ہیں۔ یہ عقیدہ کا مسئلہ ہے جو پورے اہل اسلام کا عقیدہ ہے جب عام آدمی کی زندگی قبر کا انکار زمرہ اہل اسلام سے خارج کر دیتا ہے تو حیات انبیاء کا انکار تو درجہ اولیٰ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

مولانا ادریس کاندھلوی نے املائی تقریر بخاری کے درس اور ترمذی کے درس کے دوران فرمایا: ''منکر حیات الانبیاء کافر لان حیاتھم ثبتت بالاجماع والتواتر وکل شئی یثبت بالجماع والتواتر فمنکرہ کافر'' لہٰذا منکر حیات انبیاء کافر ہے پھر فرمایا: ''الایمان بحیاۃ الانبیاء واجب لان حیاتھم ثبتت بالاجماع والتواتر وکل حکم یثبت بالاجماع والتواتر فالایمان بہ واجب لھذا الایمان بحیات الانبیاء واجب''

ترجمہ: حیات انبیاء کا منکر کافر ہے کیونکہ ان کی حیات اجماع امت اور تواتر سے ثابت ہے اور جو شئے اجماع امت اور تواتر سے ثابت ہو اور اس کا منکر کافر ہے لہٰذا منکر حیات انبیاء کافر ہیں۔ حیات انبیاء پر ایمان رکھنا واجب ہے کیونکہ ان کی حیات اجماع اور تواتر سے ثابت ہے اور جو حکم اجماع اور تواتر سے ثابت ہو اس پر ایمان لانا واجب ہے لہٰذا حیات انبیاء پر ایمان لانا واجب ہے۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ ائمہ اربعہ یعنی شافعی، مالکی، حنبلی اور حنفی کا اتفاقی اور اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز باجماعت اذان واقامت کے ساتھ نماز کے اوقات میں پڑھتے ہیں، لہٰذا حیات النبی ﷺ کا منکر نہ شافعی ہے نہ مالکی ہے نہ حنبلی ہے اور نہ حنفی ہے نہ دیوبندی ہے لہٰذا وہ اہل السنت والجماعت سے خارج ہے۔

دیوبند کے استاد کل حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب (نقش حیات ص ۱۲۲) پر مولوی احمد رضا خان کے رسالہ حسام الحرمین کے رد میں یوں بیان کیا ہے کہ اس نے علماء دیوبند کو وہابی، مجدی عبدالوہاب کے عقیدہ رکھنے والا ظاہر کیا اور فتویٰ علماء حرمین سے لیا تھا۔ فرماتے ہیں۔

''بہرحال اکابر علماء دیوبند کو بھی اس وراثت نبوی سے حصہ ملنا ضروری تھا چنانچہ مل کے رہا اور ایسا کھلا ہوا جھوٹ ان کے خلاف استعمال کیا گیا جس کی نظیر نہیں ملتی اوّلاً اس رسالہ میں ان کو وہابی ظاہر کیا گیا حالانکہ محمد بن عبدالوہاب اور اس کے فرقہ سے ان حضرات کا دور کا بھی تعلق نہ تھا، وہ عقائد واقوال جو اس طائفہ وہابیہ کے مشہور اور مابہ الامتیاز بین اہل السنت وبینھم ان کے خلاف ان حضرات کی تصانیف بھری ہوئی ہیں۔ وہ (وہابی) وفات ظاہری کے بعد حیات انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقائے علاقہ بین الجسم والروح کے منکر ہیں اور یہ (دیوبندی) حضرات صرف قائل نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما چکے ہیں۔ (مثلاً رسالہ آب حیات، ہدیۃ الشیعۃ اور اجوبہ اربعین وغیرہ)

یہ ہے عقیدہ علمائے دیوبند کا اور یہ بہروپیے جو اپنے آپ کو دیوبندی کہتے ہیں وہ اس عقیدہ کو شرک اور کفر قرار دیتے ہیں۔

جسم مثالی

عین غین، طاہر، نیلوی وغیرہ کا ایک عقیدہ تو آپ پڑھ چکے کہ ایمان، نبوت، رسالت روح کی صفات ہیں جسم عنصری کی نہیں۔

دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ بعد موت برزخ میں جسم عنصری سے روح کا کسی قسم کا تعلق نہیں رہتا بلکہ جسم عنصری کی بجائے روح کو جسم مثالی دیا جاتا ہے قبر میں سوال و جواب اور عذاب وثواب جسم مثالی کو ہوتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جسم مثالی اور صورت مثالیہ میں تمیز کرنے کی ان لوگوں کو توفیق ہی نہیں ملی۔ اہل السنت صور مثالیہ اور جسم تقدیری یعنی جو جسم عند اللہ تقدیر الٰہی میں موجود ہوتا ہے اس کے قائل ہیں۔ اور صورت مثالی شیئے دیدنی ہوتی ہے بودنی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ برزخ میں بدن مثالی کا عقیدہ دراصل تناسخ کا عقیدہ ہے جو ہندوؤں کا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا میں روح جو اوصاف، اخلاق، اعمال افعال کسب کرتا ہے اس کے مطابق اسی روح کو بعد موت اسی قسم کا جسم مل جاتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے اخلاق کتوں جیسے ہوئے تو جب وہ مرے گا اس کی روح کتے کے جسم میں جائے گی اس کو تناسخ کا عقیدہ کہتے ہیں عین غین پارٹی کے عقیدہ اور ہندوؤں کے عقیدہ میں فرق صرف اتنا ہے کہ ہندو روح کو ایک اور جسم دے کر دنیا میں لاتے ہیں اور یہ پارٹی روح کو جسم مثالی دے کر برزخ میں رکھتی ہے، گویا تناسخ ایک جنس ہوا جس کے یہ دو نوع ہیں ایک تناسخ دنیوی ایک تناسخ برزخی، قدر مشترک یہ ہے کہ ہندو بھی روح کو دوسرا جسم دیتے ہیں اور یہ بھی دوسرے جسم کے قائل ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے جیسے کسی کی روح بعد موت گدھے یا کتے کے جسم میں داخل ہوئی تو اسے عذاب ہو گیا اور کسی راجہ مہاراجہ کے جسم میں داخل ہوئی تو اسے ثواب مل گیا۔ یہ پارٹی بھی صرف روح کو عذاب وثواب کے قائل ہیں کیونکہ روح کا تعلق جسم عنصری سے بالکل منقطع ہو جانے کے قائل ہیں۔

چہارم: سوال یہ ہے کہ جسم مثالی، جسم عنصری کا مثیل ومثل کس طرح ہے تناسخ کی تفصیل میں بیان ہو چکا ہے کہ دنیا میں روح نے کسی انسان کے بدن میں رہ کر کسی جانور کے عادات اخلاق افعال اعمال کسب کئے تو اسی جانور میں بعد موت روح کو داخل کیا جاتا ہے مگر جسم مثالی نے جسم عنصری کے اخلاق وعادات کسب ہی نہیں کئے تو جسم مثالی، مثل جسم عنصری کے کس طرح ہوا۔ ان دونوں میں تماثل کی صورت پیش کریں، تماثل عام جس پر علم معانی یا ہیئت میں بحث ہوتی ہے وہ تماثل نوعی ہوتا ہے جیسے قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ ''قل انما انا بشر مثلکم'' اس میں تماثل نوعی مراد ہے کہ میں بھی نوع انسانی سے ہوں جیسے تم نوع انسانی سے ہو، اب فرمائیں کہ جسم مثالی اور جسم عنصری میں اشتراک کس طرح ہوا جسم عنصری تو آدم کی اولاد اور جسم مثالی ایک فرضی چیز جو تم نے گھڑلی۔ اگر اہل ہند کفار کا قول مان لیں کہ جسم مثالی نے جسم عنصری جیسے عبادات، معاملات، حرکات وسکنات، اخلاق اعمال کسب کئے ہیں ان میں جسم عنصری کا مثل ہے تو یہ بات غلط ہے جب جسم مثالی دنیا میں آیا ہی نہیں تو عبادات عادات کہاں سے کسب کئے۔ اسی طرح جسم مثالی کو ثواب عذاب قبر دینا، اس سے سوال کا قبر میں قائل ہونا شریعت محمدی پر بہتان ہے جو آپ لوگوں کا ہی حصہ ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق کسی کو عذاب نہیں دیتا بلکہ انسان کے عقیدہ اور عمل کے مطابق دیتا ہے جب جسم مثالی دنیا میں دار التکلیف میں آیا ہی نہیں نہ ہی کوئی اس جسم مثالی کی طرف مبعوث ہوا نہ

یہ شرعی احکام کا مکلف ہوا نہ عمل کیا پھر اس کو عذاب دینا صریح ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ قبر میں سوال ہوتا ہے نبی کے متعلق بھی جیسا "من ربک من نبیک الذی بعث فیکم" تمہارا رب کون ہے، نبی کون ہے، وہ نبی جو تمہاری طرف مبعوث ہوا۔ مشکوۃ میں وہ حدیثیں موجود ہیں اب آپ فرمائیں جسم مثالی کی طرف کونسا نبی مبعوث ہوا۔ تو قبل بعثت نبی کے مکلف ہی نہ ہوا تو سوال کیسا اور عذاب کیسا جب کہ اصول یہ ہے کہ "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا اور فیقولوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع ایاتک ونکون من المؤمنین"

ترجمہ: ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے جب تک رسول نہ بھیجیں اگر عذاب دیں تو قیامت کو یوں کہیں اے اللہ ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا یہ ہم آپ کی آیات کا اتباع کرتے اور مومن ہو جاتے۔ اور "ولو انا اھلکنا ھم بعذاب من قبلہ لقالوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع ایاتک من قبل ان نذل ونخزی"

ترجمہ: اگر آپ کو بھیجنے سے پہلے ہم ان کو عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ باری تعالیٰ آپ نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم آپ کی آیات کا اتباع کرتے قبل اس کے کہ ہم ذلیل وخوار ہوتے۔

اب بتایئے جسم مثالی کس مادہ سے پیدا ہوا ملائکہ نور سے جن شیطان آگ سے بقایا مخلوق پانی مٹی سے اور روح تو نور سے بھی الطف ہے جو نفخ سے پیدا ہوتا ہے آپ جسم مثالی کا مادہ پیدائش پیش کریں۔

ششم: جب قبر میں روح کو جسم مثالی ملتا ہے۔ اس سے پہلے وہ زندہ ہوتا ہے یا مردہ اگر مردہ ہوتا ہے تو مدفون ہوتا ہے یا ویسے پڑا رہتا ہے۔ تفصیل سے جواب دیں دلیل سمعی سے اگر جسم مثالی پہلے مردہ ہوتا ہے اور اس روح سے زندہ ہوتا ہے تو اس روح سے جسم مثالی کو زندہ کرنے کی کی ضرورت ہے، اگر جسم عنصری کو جس نے روح کے ساتھ دنیا میں گزارہ کیا اس کو قبر میں نوع حیات بخش دی جائے تو اس میں کیا حرج ہے جب زندہ ہی کرتا ہے تو مثالی کی جگہ عنصری کو کیوں نہ زندہ کیا گیا۔ نیز دوسرے جسم میں روح کو داخل کر کے زندہ کرنا یہی تو کفار ہند کا عقیدہ تناسخ ہے پھر یہ بتائیں کہ مردہ جسم مثالی کا وجود قبل از دخول کہاں تھا کس عالم میں؟ دلیل سمعی سے ثابت کریں۔

اگر جسم مثالی پہلے ہی زندہ تھا۔ تو اس میں کون سی روح تھی کیا وہی تھی جسے جسم مثالی سے نکال کر جسم عنصری میں داخل کیا گیا، یا دو روح تھے جو جسم مثالی میں داخل ہوئے دونوں کو ایک جسم مثالی ملا۔ جواب دلیل شرعی سے دیں، یہ بہانہ پیش نہ کرنا کہ داؤد علیہ السلام کی قوم سور اور بندر بن گئے تھے کیونکہ ان کی شکلیں بگڑ گئی تھیں دنیا میں عبرت کے لئے نہ کہ ان کی روحوں کی کسی غیر جسم میں داخل کیا گیا۔ نیز یہ واقعہ حال کا ہے عام یہ قانون نہیں سزا وقتی دنیوی ہے نہ کہ برزخی۔ اور یہ بھی نہ کہنا کہ دو روح ایک بدن میں عام ہوتے ہیں جیسے بچہ ماں کے پیٹ میں کیونکہ بچہ کا روح بچے کو زندہ رکھتا ہے نہ کہ ماں کو، ماں کو اس کا اپنا روح زندہ رکھتا ہے، مگر جسم مثالی میں ایک جسم میں دو روح آپ نے مان لئے۔

ہفتم: یہ فرمائیں کہ جسم مثالی میں جب نبی کا روح داخل ہوا تو جسم مثالی نبی ہوا یا نہ۔ اگر کہو کہ نبی نہیں ہوا تو چاہیے کہ آپ کا عقیدہ ہے کہ نبوت و رسالت صفت صرف روح کی ہے تو دونوں صورتوں میں اعتراض وارد ہوا کہ جسم غیر نبی اور روح نبی تو نبی ورسول مرکب ہوا نبوت اور غیر نبوت سے۔ تو منطقی نتیجہ ہمیشہ احسن ارذل کے تابع ہوتا ہے لہٰذا دونوں مل کر غیر نبی ہوئے نبوت و رسالت تابع ہو گئی غیر نبی کے، مبارک باد۔ (معاذ اللہ)

اگر جسم مثالی نبی ورسول ہے تو پہلا سوال یہ ہے کہ برزخ میں از سر نو نبی مبعوث کرنے کا کیا فائدہ نبی تو

مبعوث ہوتے ہیں دار التکلیف میں اور برزخ دار التکلیف نہیں بلکہ دار الجزاء ہے۔

اور اگر جسم مثالی بھی نبی ﷺ ہے تو اس پر ایمان لانا قطعی فرض ہوگا۔ یہ اصولی حکم ہے کہ بعد توحید مسئلہ نبوت ہی کا ہے۔ اس لئے جسم مثالی کی نبوت و رسالت کا انکار کفر ہوگا۔ لہٰذا (جسم مثالی نبی و رسول ہونے کی دلیل قطعی آیات بینات غیر مؤلات سے پیش کریں۔ مگر وہ دلیل آپ کہاں سے لائیں گے کیونکہ سب سے پہلے جس نے جسم مثالی کی بات کی اس نے اس کی بنیاد کشف پر رکھی جو شرعی دلیل ہی نہیں۔

آپ نے ایک عقیدہ کی بنیاد صرف کشف پر رکھی وہ بھی کشف ولی پر نہ کہ کشف نبی پر، ان حضرات نے جو جسم مثالی کی باتیں کرتے رہے تمام نے اس کی بنیاد کشف پر رکھی، مگر کشف ولی دلیل شرعی نہیں۔

ہشتم: اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جس طرح روح نبی اور رسول ہے اسی طرح بدن بھی نبی اور رسول ہے جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اہل السنت کے نزدیک یہ عقیدہ رکھنے والا کہ صرف روح رسول ہے وہ منکر رسالت نبوت ہے اسے منکرین رسالت کے زمرہ میں داخل سمجھتے ہیں، گزشتہ صفحات میں آیات قرآنی کے حوالہ سے واضح کیا ہے رسول جسم مع الروح ہوتا ہے۔ بیویاں بدن کی ہوتی ہیں طعام بدن کھاتا ہے عمل بدن کرتا ہے "کما قال تعالیٰ یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا" اور وقالوا ما لھذا الرسول یا کل الطعام ویمشی فی الاسواق"

کیا روح بازار میں پھرتا تھا، کیا روح طعام کھاتا تھا، بدن کو آپ رسول نہیں سمجھتے ایک اور بات جو سب سے عجیب تر کہ اگر جسم مثالی کو رسول اور نبی مان کر روح اقدس کو اس میں داخل کیا گیا تو ماننا پڑے گا خاتم النبیین تو جسم مثالی ہوا یہ عقیدہ ختم نبوت کے خلاف ہے۔

اس میں ایک اور خرابی یہ ہے کہ یہ ماننا پڑے گا جبکہ جسم مثالی کی شان عزت وعظمت وجلال نبی کریم ﷺ کے جسم عنصری سے اعلیٰ وافضل ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو جسم عنصری سے بدل کر اسے کیوں دی گئی۔ اور یہ بات ہذیان محض اور اقبح من الکفر ہے۔ کوئی مسلمان یہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔

ایک اور خرابی یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ اور انبیاء کرام علیہم السلام کو برزخ میں کیا یہ انعام دیا گیا کہ افضل جسم کی جگہ انہیں مفضول جسم دیا گیا۔ عجیب تقسیم ہے، دانت ٹوٹے جسم عنصری کے، سر پھٹا جسم عنصری کا، زخم کھائے جسم عنصری نے، عبادات میں جہاد میں تبلیغ میں تکلیف اٹھائی جسم عنصری نے، انعام کا وقت آیا تو جسم مثالی نے جھولی دھر لی، احمد کی ٹوپی محمود کے سر کا اصول تو اس دنیا میں چلتا ہے جہاں نیلوی جیسی مخلوق کے وارے نیارے ہیں، برزخ میں تو یہ ہیرا پھیری نہیں چلتی۔

کشف اور جسم مثالی

یہ بیان ہو چکا ہے کہ جو لوگ جسم مثالی کے قائل ہوئے اس کی بنیاد صرف کشف پر رکھی ہے اور کشف دلیل شرعی نہیں، چانکہ اس کی بنیاد کشف پر ہے اس لئے اس میں گفتگو کرنا بھی صرف اہل کشف کا کام ہے جن کو نور نبوت سے حصہ ملا، برزخ اور قبر کے حالات یقینی چیز ہے یہ کشف سے معلوم ہوتے ہیں اور کشف کے حصول کی بنا حصول نور نبوت ہے نہ علوم نبوت، علوم نبوت ہر آدمی حاصل کر سکتا ہے مگر نور نبوت صرف اولیاء کاملین کو حاصل ہوتا ہے اس لئے جسم مثالی میں بحث کرنا صرف اولیاء کاملین مکاشفین کا کام ہے جن کے قلوب نور نبوت سے منور ہوں جس کا دل اندھا اور ظلمت سے سیاہ ہے اس کو شرم نہیں آتی کہ اس ملک اور مقام کا نقشہ بیان کرتا ہے جو اس نے دیکھا نہیں عالم

شہادت پر قیاس کر کے اسی انداز سے عالم غیب کے متعلق دلائل پیش کرتا ہے۔

جسم مثالی کی حقیقت سنئے۔جن صوفیوں کو دھوکا ہوا بس نارسائی کی وجہ سے اور جسم مثالی کے قائل ہو گئے۔ اور وہ اقل قلیل میں "وھم فی ندرة المخالف" کے درجہ میں ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں بدن مکلف بالذات ہوتا ہے اور روح بالتبع اور پوشیدہ عالم برزخ میں روح بالذات مکلف ہوتا ہے اور بدن بالتبع اور پوشیدہ ہوتا ہے نیز برزخ میں روح تو بدن کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور بدن روح کی شکل مولانا روم نے مثنوی میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور حضرت انورشاہ کاشمیری نے (فیض الباری ج ۴ ص ۶) پر فرمایا "الروح فی البرزخ تتجسد والبدن تتروح" "اور روح برزخ میں اپنے جسم کی شکل میں مجسم ہو جاتا ہے اور بدن اپنے روح کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

صوفیہ کرام نے روح کو اپنے بدن کی شکل پر دیکھا اور یہ سمجھا کہ یہ کوئی دوسرا جسم مثالی ہے اور جس کو عالم مثال کہہ دیتے ہیں۔

علماء متکلمین، شارحین حدیث اور مفسرین نے عالم مثال کی تصریح فرمائی ہے "ثم عالم المثال لیس اسما للحیز بل ھو اسم لنوع من الموجودات ثم اعلم ان مایرونہ الاولیاء من الاشیاء قبل وجودھا فی عالم المثال لھا ایضا نوع من الوجود وھو فی الاذل وجود علمی اعیانی "

ترجمہ: پھر عالم مثال کسی مکان یا چیز کا نام نہیں ہے بلکہ وہ نام ..ہے ایک نوع وجودی علمی کا پھر یہ بھی خوب جان لو کہ اولیاء اللہ کشف سے جن چیزوں کے وجود میں آنے سے پہلے عالم مثال میں موجود پاتے ہیں ان کے لئے بھی ایک قسم کا وجود ہوتا ہے اور وہ وجود ازل میں وجود شیونی علمی ہوتا ہے نہ کہ وجود حقیقی جو مکان حیز کو چاہتا ہے۔

معلوم ہوا کہ عالم مثال میں جو وجود اہل کشف کو دکھائی دیتا ہے وہ علمی اور اعیانی ہوتا ہے، وجود حقیقی کے لئے حیز اور مکان لازمی ولابدی ہے کیونکہ مادہ کے لئے حیز اور مکان ضروری ہے مگر وجود شیونی علمی اعیانی کے لئے مکان اور حیز نہیں۔قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔"واذ اخرج ربک من بنی آدم من ظھورھم ذریتھم " جب تیرے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا"۔

ظاہر ہے کہ پشت آدم میں تمام اولاد کی شکلیں اور صورتیں تھیں نہ کہ مادہ اولاد یہ عقیدہ فلسفیوں کا ہے کہ پشت آدم میں مادہ اولاد موجود تھا اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ پشت آدم میں صورتیں تھیں ان صورتوں کو نکال کر ان میں روح کو داخل کیا اس کے بعد ان صورتوں کو اولاد آدم کی پشت میں منی بنا کر اس سے انسان کو پیدا کیا روح پہلے پیدا تھے اس بدن اور روح کے مابین ایک قسم کا علاقہ پیدا کیا اور بعد پیدائش بدن کے روح اور بدن میں اس علاقہ کو جوڑ دیا بہرحال اس قسم کے واقعات جس قدر ظاہر ہوئے ہیں۔جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہاتھ کی ہتھیلی میں ظاہر کیا یہ تمام صورتیں اور شکلیں ہوتی ہیں شے دیدنی ہوتی ہے نہ بودنی ان کا وجود شیونی علمی اعیانی ہوتا ہے نہ حقیقی مگر جس قدر یہ چیزیں صورتوں میں ظاہر ہوتی ہیں ان کے لئے نہ ثواب نہ عذاب نہ دکھ نہ راحت۔

سزا برائے منکر حیات الانبیاء

عقائد کے باب میں ہم امام وشیخ اہل السنت والجماعت ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعری کے متبع ہیں۔ بالخصوص حنفی امام ابوالحسن اشعری کے کمالات میں سے ان کا علم، زہد، تقویٰ، توکل ممتاز صفات ہیں۔ چنانچہ (تمہین

کذب المفتری ص ۱۴۱) پر ان کا معمول درج ہے۔

''کان الشیخ ابو الحسن یعنی اشعری قریبا من عشرین سنة یصلی صلوة الصبح بوضوء العتمة'' ترجمہ: شیخ ابوالحسن اشعری نے تقریباً بیس سال شام کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔

اور امام سبکی کی (طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۳ ص ۳۴۸) پر ہے۔''مکث عشرین سنة یصلی علی الصبح بوضوء العتمة'' بیس سال شام کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔

اس سے ان کا زہد، ورع تقویٰ کا حال ظاہر ہے آپ کے توکل علی اللہ کے متعلق امام سبکی نے اسی کتاب کے (ج ۲ ص ۳۴۸) پر لکھا ہے۔

''فکان یاکل من غلة قریة وقفها جده بلال بن ابی بردة بن ابی موسیٰ الاشعری علی نسله وقال کانت نفقة فی کل سنة سبعة عشر درهما کل شهر درهم وشئی یسیر''

اور امام ابوالحسن اشعری کا خرچ غذا ایک بستی کے غلہ سے تھا جس کو ان کے جد امجد نے اپنی اولاد پر وقف کیا تھا نام جو بلال بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ اشعری تھا اور ان کا سال بھر کا خرچ صرف سترہ (۱۷) درہم تھا اور یہ ہر ماہ ایک درہم سالم اور دوم درہم شئی قلیل لیا کرتے۔

اور (تبیین کذب المفتری ص ۱۴۲) پر لکھا ہے۔''کان ابو الحسن یاکل من غلة ضیعة وقفها جده بلال بن ابی بردة بن ابی موسیٰ الاشعری علی عقبه وکانت نفقته فی سنة سبعة عشر درهما''۔

ترجمہ: اور تبیین کذب المفتری میں بھی ہے کہ امام ابوالحسن اس شہر کے غلہ میں سے کھاتا تھا جس کو ان کے جد امجد نے اپنی اولاد پر وقف کیا تھا، اور ان کا سال کا خرچ صرف سترہ درہم تھا۔

یہ تھا ان کا استغناء عن الخلق، یہ شیخ اہل السنت باطل فرقوں کے لئے قہر خدا اور ننگی تلوار تھے بلکہ سیف من سیوف اللہ تھے۔ باطل فرقوں کا انہوں نے ناک میں دم کر رکھا تھا اور ناطقہ بند کر دیا تھا اس اللہ کے بندے سے جب فرقہ باطلہ کرامیہ کو مقابل کی تاب نہ رہی تو بادشاہ وقت غازی سلطان محمود بن سبکتگین کے پاس پناہ لی اور ایک باطل اور کفری عقیدہ کی نسبت امام الحسن اشعری سے کر دی اور بادشاہ کو کہا کہ یہ ہم سب کو بے ایمان اور مردود کہتا ہے، چنانچہ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۳ ص ۵۴) پر امام سبکی نے اس کی روئداد نقل کی ہے وھو ھذا۔

''وَآخر الْأَمر أنهم أنهوا إِلَى السُّلْطَان مَحْمُود بن سبكتكين أَن هَذَا الَّذِي يؤلب علينا عندك أعظم منا بدعَة وكفرا وَذَلِك أَنه يعْتَقد أَن نَبينَا مُحَمَّدًا صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لَيْسَ نَبيا الْيَوْم وَأَن رسَالَته انْقَطَعت بِمَوْتِهِ فَاسأَلهُ عَن ذَلِك، فَعظم على السُّلْطَان هَذَا الْأَمر وَقَالَ إِن صَحَّ هَذَا عَنهُ لأقتلنه وَأمر بِطَلَبِهِ أَنه لما حضر بَين يَدَيْهِ وَسَأَلَهُ عَن ذَلِك كذب النَّاقِل وَقَالَ مَا هُوَ مُعْتَقد الأشاعرة على الْإِطْلَاق أَن نَبينَا صلى الله عَلَيْهِ وَسلم حَيّ فِي قَبره رَسُول الله أبدالآباد على الْحَقِيقَة لَا الْمجَاز وَأَنه كَانَ نَبيا وآدم بَين المَاء والطين وَلم تبرح نبوته بَاقِيَة وَلَا تزَال وَعند ذَلِك وضح للسُّلْطَان الْأَمر وَأمر بإعزازه وإكرامه ورجوعه إِلَى وَطنه...وَالْمَسْأَلَة الْمشَار إِلَيْهَا وَهِي انْقِطَاع الرسَالَة بعد الْمَوْت مكذوبة قَدِيما على الإِمَام أبي الْحسن الْأَشْعَرِيّ بِهَذِهِ الْمَسْأَلَة فقد افترى عَلَيْهِم وَأَنه لَا يَقُول بهَا أحد مِنْهُم''

ترجمہ: آخر کار کرامیہ نے سلطان محمود غزنوی کے پاس جا کر امام اشعری کی شکایت کی کہ امام اشعری جو آپ:

کے سامنے ہم پر اعتراض کرتا ہے یہ تو ہم سے بڑا بدعتی اور کافر ہے اس کا عقیدہ ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ اب نبی نہیں ہیں آپ کی رسالت موت سے منقطع ہوگئی ہے آپ ذرا اس سے پوچھیں تو سہی۔ بادشاہ پر یہ بات بڑی سخت شاق گزری فرمایا اگر یہ بات صحیح ہے تو میں اسے ضرور قتل کر دوں گا۔ وہ واجب القتل ہے بادشاہ نے امام اشعری کو طلب کیا۔ وہ حاضر ہوئے بادشاہ نے پوچھا، تو امام نے جواب دیا آپ کو کہنے والے نے جھوٹ کہا، ہمارا یہ عقیدہ مطلقاً نہیں بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اور ہمیشہ کے لئے اللہ کے رسول ہیں اور رسول بھی حقیقۃً ہیں مجاز کے طور پر نہیں اور آپ اس وقت بھی نبی ﷺ تھے جب آدم پانی اور مٹی میں تھے۔ اور آپ کی نبوت ہمیشہ رہے گی اس کو کوئی زوال نہیں، یہ سن کر بادشاہ پر حق واضح ہوگیا اور حکم دیا کہ نہایت عزت و احترام سے انہیں واپس وطن پہنچا یا جائے امام سبکی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی موت کے بعد انقطاع رسالت کا مسئلہ یہ قدیم سے امام اشعری اور اشاعرہ پر بہتان باندھا گیا ہے جس شخص نے بعد موت انقطاع کی نسبت امام اشعری سے کیا اس نے افتراء کیا اشاعرہ کا ایک فرد بھی اس کا قائل نہیں۔

اس بہتان طرازی اور مقدمہ بازی کے فیصلہ سے ثابت ہو گیا کہ:

۱۔ امام ابوالحسن اشعری اور اشاعرہ کا مطلق یہ عقیدہ نہیں کہ بعد موت حضور ﷺ کی رسالت منقطع ہوگئی۔

۲۔ اشاعرہ کا بالاتفاق عقیدہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی رسالت ہمیشہ کے لئے ابدالآباد تک رہے گی۔

۳۔ یہ عقیدہ رکھنے والا کہ حضور ﷺ اپنی قبر میں زندہ انہیں ہیں اور آپ کی رسالت بعد موت منقطع ہوگئی ہے واجب القتل ہے، مرتد ہے یعنی اس وقت منکر حیات کی سزا قتل کرنا ہی مقرر تھا۔

۴۔ معلوم ہوا کہ کرامیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور ﷺ قبر میں زندہ نہیں ہیں اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عقیدہ رکھنا بہت بڑی بدعت بلکہ کفر ہے اس لئے انہوں نے امام اشعری کے متعلق کہا کہ وہ بڑا بدعتی اور کافر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آج کی یہ عین غین پارٹی بھی یہ جانتی ہوگی کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں کفر کے بیج بو رہے ہیں مگر اس حرکت سے باز نہیں آتی اور برابر کہے چلی جارہی ہے کہ نبی کریم ﷺ مر کے مٹی ہو گئے (معاذ اللہ) اور نبوت و رسالت و ایمان صرف روح کی صفت ہے جسم عنصری کی نہیں اور کرامیوں کی طرح انقطاع رسالت کے قائل ہیں۔

اور (مقالات اسلامیین ص ۲۶) پر ہے۔ ''وکان الکرامیة قد تحزبوا علی الاشاعرة وهاجموهم مهاجسة عنیفة وانهوا امرهم الی السلطان محمود بن سبکتگین مدعیین ان الاشاعرة یعتقدون ان النبی ﷺ لیس نبیا الیوم وان رسالة انقطعت بموته ولم یکن هذا معتقد الاشاعرة''۔ اس طرح جیسا مذکور ہوا کہ فرقہ ملعونیہ کرامیہ نے اشاعرہ پر پورا ہجوم انبوہ کر کے بادشاہ سلطان محمود پر شکوہ کیا کہ اشاعرہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اب نبی نہیں۔ آپ کی رسالت بعد موت منقطع ہوگئی اور حالانکہ اشاعرہ کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔

ثابت ہوا کہ سلطان محمود غزنوی تک حیات النبی ﷺ کے عقیدہ کا منکر کوئی نہ تھا انکار کا فتنہ ۴۴۵ھ کی ابتداء میں اٹھا، شاہ طغرل بیگ سلجوقی کے عہد میں ابی طالب محمد بن میکائیل نے تلوار اٹھائی اور علماء اور صوفیہ میں سے علامہ قشیری اور امام بیہقی نے اس فتنہ کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس کی کچھ تفصیل (تبیین کذب المفتری کے ص ۱۱۰، ۱۱۱) پر ملتی ہے۔

''ومما ظهر ببلد نیشابور من قضایا التقدیر فی مفتتح سنة خمس واربعین واربعمائة من الهجرة الی ان قال ولما من الله الکریم علی الاسلام بزمان السلطان المعظم المحکم بالقوة السماویة فی رقاب

الامم الملک الاجل شاھانشاہ یمین خلیفۃ اللہ و غیاث عباد اللہ طغرل بیک ابی طالب محمد بن میکائیل و قام باحیاء السنۃ و المناخلۃ عن الملۃ حتیٰ لم یبقی من اصناف المبتدعۃ ضربا الاسل لاستیصالھم سیفا غضبا و اذاقھم ذلا''

نیشاپور شہر میں ۴۴۵ھ کے ابتداء میں اتفاق سے فتنے کھڑے ہوئے ان فتنوں کو مٹانے کے لئے جب خدا تعالیٰ نے اسلام پر احسان فرمایا تو زمانہ ملک معظم کے ذریعہ جو قوت سماوی سے مؤید ومضبوط تھا شہنشاہ خدا کا خلیفہ اور خدا کے بندوں کا فریادرس تھا سلطان طغرل بیگ ابی طالب محمد بن میکائیل اٹھا سنت نبوی کو زندہ کرنے والا دین سے تکلیفوں کو دور کرنے والا یہاں تک کوئی جماعت اہل بدعت سے نہیں چھوڑی جس پر تیز دھار تلوار نہ اٹھائی ہو اور ان کو ذلت وخواری کی سزا نہ دی ہو۔

صاف ظاہر ہے کہ انکار حیات النبیﷺ کا فتنہ ۴۴۵ھ میں اٹھا۔ اور وقت کی اسلامی حکومت نے بزور شمشیر منکریں حیات کا استیصال کیا۔

امام ابوالحسن اشعری کے جواب پر تفصیلی بحث

امام نے فرمایا ''ان نبینا حی فی قبرہ'' فی قبرہ کی قید اس لئے لگائی کہ ایمان نبوت اور رسالت اوصاف ہیں، جو قائم بنفسہ نہیں بلکہ قائم بغیرہ ہیں اور زندہ موصوف کو چاہتی ہیں۔ قبر برزخ میں جب نبی ورسول متوطن ہوئے تو نبی کو اپنی نبوت کا علم ہونا لازمی ہے فرض ہے۔ رسول کو اپنی رسالت کا علم اور مومن کو اپنے ایمان کا علم ہونا لازمی ہے فرض ہے۔ اور علم چاہتا ہے حیات کو، جب برزخ میں نبی ورسول ہیں تو زندہ ہونا از خود ثابت ہو گیا۔ اسی لئے امام نے فرمایا کہ رسول خدا ہمیشہ کے لئے نبی اور رسول ہیں۔

اس پر اعتراض ہوسکتا تھا کہ جب فوت ہو گئے تو نبوت کیسے باقی رہی نبوت ورسالت کی صفات تو موصوف زندہ کو چاہتی ہیں جب نبی مر گیا تو نبوت ختم ہو گئی اس لئے امام نے جواب دیا کہ نبی زندہ ہیں جب زندہ ہیں تو نبوت ورسالت منقطع بھی نہیں ہوئی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص برزخ حیات انبیاء کا عقیدہ نہیں رکھتا وہ یقیناً نہ رسالت رسول کا قائل ہے نہ نبوت کا قائل ہے اور رسالت ونبوت کا انکار صریح کفر ہے لہٰذا برزخ میں حیات انبیاء کا انکار صریح کفر ہے۔

اب ذرا نیلوی صاحب متوجہ ہوں۔ آپ سرے سے مطلقاً بدن وجسد رسول کی نبوت ورسالت سے منکر ہیں جیسا آپ کی پوتھی ندائے حق سے آپ کا عقیدہ بیان کیا جا چکا ہے، اب بتایئے کہ ندائے حق کے مصنف کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ امام ابوالمظفر اسفرائنی کا فتویٰ تو نقل کرا آیا ہوں کہ یہ شخص اسلام سے خارج ہے مگر آپ بھی تو امام وقت ہیں ذرا آپ بھی اپنا فتویٰ سنائیں۔

ایک تاریخی واقعہ

(نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۱۶) پر نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں وکیع بن جراح نے تقریر میں کہا ہے کہ رسول خدا کو دیر سے دفن کرنے کی وجہ سے آپ کا پیٹ مبارک پھول گیا تھا، آپ کی انگلیاں ٹیڑھی ہو گئی تھیں اور آپ کے ناخن سبز ہو گئے تھے۔ اس تقریر کو حاکم عثمانی کے سامنے پیش کیا گیا کہ اس شخص کو دار پر چڑھا کر قتل کیا جائے اس نے رسول خدا

ﷺ کی توہین کی ہے۔ بادشاہ کے سامنے سفیان بن عیینہ نے سفارش کی اور وکیع بن جراح کو مکہ سے نکال دیا گیا۔ وہ مدینہ روانہ ہو گیا بعد میں حاکم کو سخت پشیمانی ہوئی اور صدمہ ہوا کہ کیوں چھوڑا چنانچہ فوری طور پر حاکم مدینہ کو لکھا کہ جب وکیع بن جراح مدینہ میں داخل ہو تو اسے فوراً پھانسی پر لٹکا دینا۔ وکیع کو کسی نے راستے میں اطلاع دیدی وہ بھاگ کر کوفہ چلا گیا۔ (واقعی ایسے لوگوں کے لئے مناسب جگہ وہی تھی)

وکیع کی بکواس کا ماحصل یہ ہے کہ

۱۔ اس نے عقیدہ ظاہر کیا کہ انبیاء عالم برزخ میں زندہ نہیں۔

۲۔ ایسے عقیدہ والے کی سزا شریعت نے دو قسم کی رکھی ہے۔

اوّل یہ کہ وہ کافر ہے، مرتد ہے۔ دوم یہ کہ واجب القتل ہے۔

(شرح شفائے قاضی عیاض ج ۱ ص ۳۱۶) پر سے بقدر ضرورت نقل کرتا ہوں۔ پوری عبارت (حیات انبیاء کے ص ۱۵۴، ۱۵۵) پر ملاحظہ ہو۔

''لما حدث وکیع لھذا بمکۃ رفع الی الحاکم العثمانی فاراد صلبہ علی خشبۃ نصبھا خارج الحرم فتشفع فیہ سفیان بن عیینۃ اطلقہ ثم ندم علیٰ ذالک ذھب وکیع المدینۃ فکتب الحاکم الیٰ اھلھا اذا قدم الیکم فارجموہ حتی قتل فامابردلہ بعض الناس بریر اخبرہ بذالک فرجع کوفۃ خیفۃ من القتل وکان المفتی بقتلہ عبدالمجید بن رواد''

ترجمہ: وکیع بن جراح نے جب یہ فیصلہ رسول خدا کے متعلق بیان کیا تو حاکم مکہ مکرمہ تک یہ پہنچایا گیا، حاکم عثمانی نے حکم دیا، اس کو سولی پر قتل کرنے، حرم کے باہر لکڑی نصب کی گئی تو سفیان بن عیینہ نے سفارش کی تو چھوڑ دیا گیا پھر حاکم عثمانی پشیمان ہوا چھوڑنے پر اور وکیع مدینہ منورہ چلا گیا سو حاکم نے مدینہ منورہ میں خود لکھا کہ جب یہ وکیع آئے تو اس کو پتھروں سے رجم کرنا حتیٰ کہ یہ مرجائے۔

انکار حیات انبیاء کے یہ چند واقعات سامنے آئے ہیں۔

۱۔ فرقہ کرامیہ نے جن کا اپنا عقیدہ یہی ہے سلطان غزنوی کے سامنے اس عقیدہ رکھنے والے کو بہت بڑا بدعتی اور کافر کہا۔

۲۔ سلطان غزنوی نے انکار حیات انبیاء کا عقیدہ رکھنے والے کو واجب القتل قرار دے کر اسے قتل کرنے کا مصمم ارادہ کیا۔

۳۔ نسیم الریاض کی عبارت سے مفتی حرمین شریفین کا ایسے عقیدہ والے کے حق میں فتویٰ قتل دینا۔

۴۔ بادشاہ کا اس کو قتل کرنے کا حکم دینا۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ انکار حیات انبیاء ایسا جرم ہے جس کی سزا قتل ہے اور یہ عقیدہ رکھنے والا مرتد اور کافر ہے۔ مسلمانو! سوچو! یہ مردود ٹولہ الٹا حیات انبیاء کا عقیدہ رکھنے والے کو کافر کہتا ہے یہ مردود تمہارے امام وخطیب واعظ اور مبلغ بنے ہوئے ہیں، یہ تمہارے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں دیوبندی بن کر چندہ اکٹھا کرتے ہیں پھر دیوبندیوں کو مشرک بھی کہتے ہیں سوچو! کیوں اپنا ایمان اور اپنی نمازیں خراب کر رہے ہو۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَآءُ اَحْيَآءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

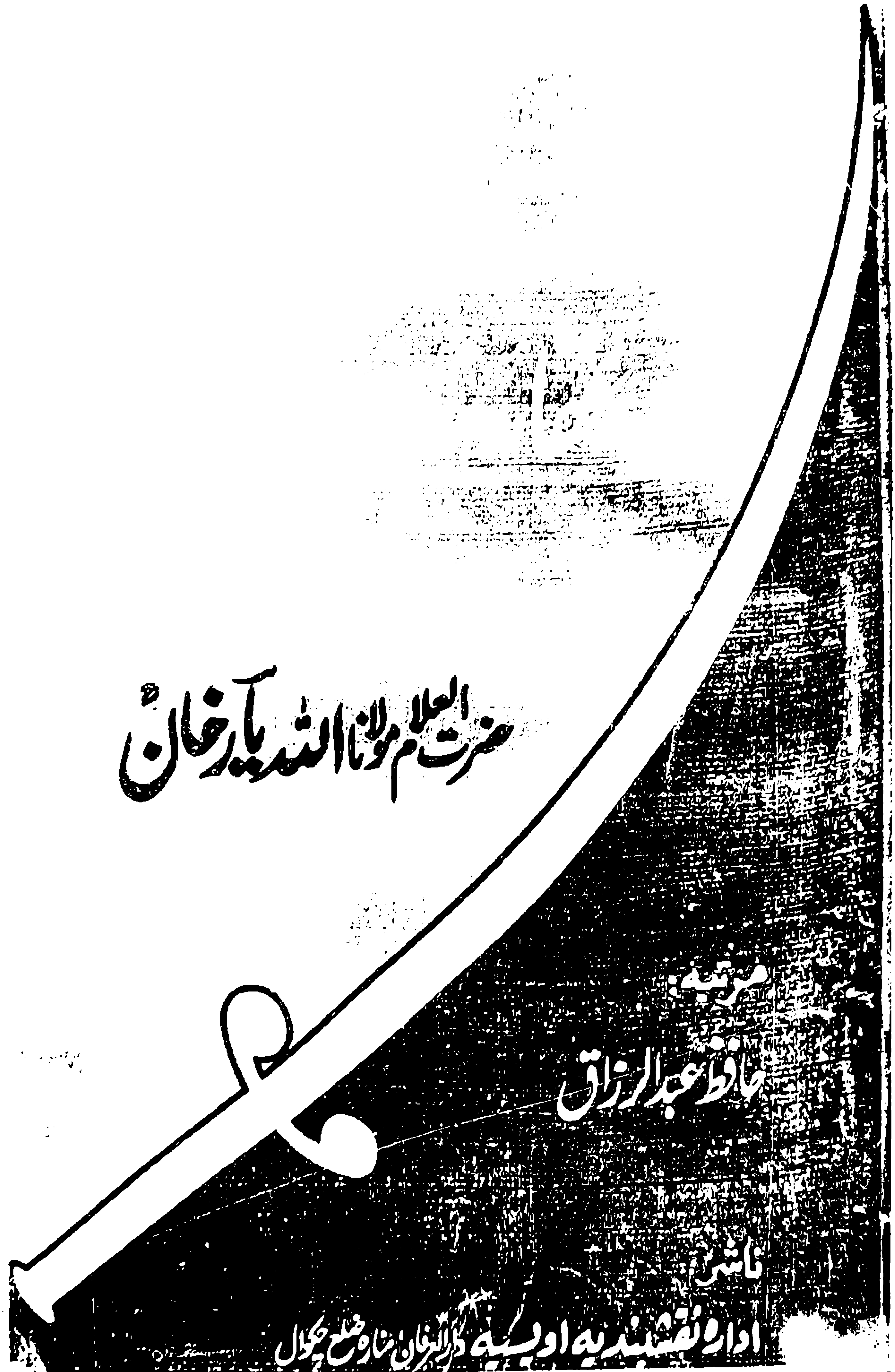
سَیفِ اُوَیسِیَّہ
بر
عَقائدِ نامَرضِیَّہ

از افادات:

حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ:

جناب حافظ عبدالرزاق (ایم اے)


حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ
مرتبہ:
حافظ عبدالرزاق
ناشر
ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

حضرت مولانا اللہ یار چکڑالوی رحمہ اللہ

پیدائش: ۱۹۰۴ء ...... وفات: ۱۸ر فروری ۱۹۸۴ء

موصوف نامور مجاہد عالم دین تھے۔ بعد میں تصوف کے سلسلہ اویسیہ میں شناوری کی۔ خوب بھرپور محنتی انسان تھے۔ چکڑالہ میانوالی کے دور دراز قدیمی قصبہ میں پیدا ہوئے۔ بڑا نام پایا۔ ان کے افادات پر مشتمل کئی کتابیں ہیں۔ ان میں ایک ''سیف اویسیہ بر عقائد نامرضیہ'' بھی ہے جسے ایک متوسل حافظ عبدالرزاق نے مرتب کیا۔ اسے بھی اس مجموعہ میں شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور حیات مرکب ہے عقیدہ اور عمل سے، اس لئے اس ضابطہ حیات کے اجزائے ترکیبی تین ہیں۔

اوّل: کتاب اللہ کی طرف سے اس کے آخری رسول محمد رسول اللہ ﷺ پر بذریعہ وحی نازل کی گئی اس کتاب کے الفاظ کی حقیقی تفسیر دین کی بنیاد ہے۔

دوم: کتاب اللہ کی علمی تشریح اور اس کے الفاظ کا صحیح مفہوم جو اس کتاب کے لانے اور بندوں تک پہنچانے والے نے بیان فرمایا۔ رسول کریم ﷺ کتاب اللہ کے پہلے اور حقیقی مفسر ہیں۔ کیونکہ آپ نے قرآنی الفاظ کا وہی مفہوم پیش کیا جو کتاب کے نازل کرنے والے نے آپ کو سمجھایا۔ "کما قال تعالیٰ: انا انزلنا الیک الکتاب لتحکم بین الناس بما اراک اللہ" (النساء:۱۰۵)

سوم: اس کتاب الٰہی کے الفاظ اور ان کے مفہوم کی عملی تعبیر جو اس معاشرے سے معلوم ہوتی ہے جو مزکی اور مربی نے اپنی تربیت سے خود تیار کیا۔ ان تینوں اجزاء کے اصطلاحی نام یہ ہوئے، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور تعامل امت۔ ان تینوں اجزاء میں باہم توافق اور تطابق ضروری ہے اور واقعی وہ موجود ہے۔ لہٰذا کتاب اللہ وہی ہے جسے محمد ﷺ نے کتاب اللہ کے عنوان سے اپنی نگرانی میں قلمبند کرایا اور جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا۔ اگر اس کتاب کے علاوہ جو ہمیں تواتر سے پہنچی۔ کسی اور کتاب کو کتاب اللہ کے نام سے پیش کیا جائے تو وہ مردود ہے۔

اسی طرح اس کتاب کی مستند علمی تفسیر وہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی۔ قرآن کے ان الفاظ کی جو تفسیر اس نبوی تفسیر سے ذرا بھی مختلف ہوگی وہ تفسیر نہیں تحریف ہے۔ لہٰذا مردود ہے۔ اسی طرح قرآنی الفاظ اور نبوی تفسیر کی روشنی میں اعمال کی جو صورت متعین ہوئی اور جس ہیئت میں اس مزکی اعظم نے ایک معاشرہ تیار کیا اس کے خلاف کوئی عملی تعبیر قابل قبول نہ ہوگی اور وہ مردود شمار ہوگی۔

تعامل امت کے پھر تین درجے خود نبی کریم ﷺ نے متعین فرما دیئے: "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم" "بہترین زمانہ میرا عہد ہے۔ پھر میرے صحابہ کا پھر "ثم الذین یلونهم" وہ زمانہ جو صحابہ کے زمانے سے متصل ہو۔ ان تینوں زمانوں کے بعد جمہور مجتہدین کا دور ہے جس کو سواد اعظم نے اختیار کیا اور اس کی حفاظت کی۔

تعامل امت ہی ایک مستقل تواتر ہے جس کو تواتر توارث کہا جاتا ہے۔ قرآن کے الفاظ ان الفاظ کا حقیقی مفہوم اور اس کی عملی تعبیر ہمیں اکابر اور اسلاف سے بطور توارث ملا ہے۔ اس ورثہ کو نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے لیا اور آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس میراث کا امین بنا کر ان کے سپرد کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کتاب اللہ کے الفاظ کی نبوی تفسیر دونوں کی حفاظت کی اور پوری دیانت داری سے دوسری نسل کو یہ ورثہ منتقل کیا۔

اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہوئے صاحب تفسیر مظہری نے زیر آیت "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاًالخ" ارشاد فرمایا: "بحبل اللہ جمیعا اذ کان حال من فاعل واعتصموا معناہ حال کونکم مجتمعین فاعل واعتصموا فی الاعتصام یعنی خلوا فی تفسیر کتاب اللہ وتاویلہ ما اجتمع علیہ الامۃ ولا تذھبوا الی خبط آرائکم علی خلاف الاجماع"

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا میں جمیعا جب فاعل واعتصموا سے حال واقع ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ سب مل کر چنگل لگاؤ یعنی اللہ کی کتاب کی تفسیر اور مطلب وہ لو جس پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہو چکا ہے اور اسی پر عمل کرو۔ اجماع امت کے خلاف اپنی خود رائی کے خبط کا شکار ہونے سے بچو۔

مراد یہ ہے کہ کتاب اللہ کے الفاظ کی تفسیر اور مفہوم کی عملی تعبیر جو اجماع امت سے تواتر کے طور پر عہد بہ عہد منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ اس سے ہٹ کر قرآن کے الفاظ کی تفسیر کرنا یا عمل کی کوئی تعبیر کرنا خبطی اور خود رائی ہونے کی دلیل ہے۔

اس تفصیلی حقیقت کا خلاصہ کیا خوب بیان کیا گیا ہے: "ھا انا بری من مقالتہ صورت مخالفتہ لایتہ من ایات اللہ او سنت قائمۃ من رسول اللہ ﷺ واجماع القرون المشھود لھا بالخیر ومختارہ جمھور المجتھدین ومعظم سواد المسلمین" خبردار کان کھول کرسن لو میں ہر اس قول سے بری ہوں جو کسی آیت قرآنی کے مخالف صادر ہوا ہو یا صحیح سنت رسول ﷺ کے مخالف ہو یا ان سلف صالحین کے اجماع کے خلاف ہو جن کے خیر پر ہونے اور مستند ہونے کی خبر خود رسول کریم ﷺ نے دی ہے اور اس کو جمہور مجتہدین اور سواد اعظم نے اختیار کیا۔

اسلام کو سمجھنے کے لئے اور اسلام کے مطابق صحیح عملی زندگی بسر کرنے کے لئے یہ بنیادی رہنما اصول ہے جس کی خاصی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اس اصول سے ہٹنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ اوّل الحاد: (۱) "الملحد ھم الذین یؤلون فی ضروریات الدین لاجراء اھواءھم" ملحد وہ ہیں جو ضروریات دین میں تاویل کریں تا کہ ان کی دل پسند طبع صورت کے مطابق دین کی شکل بن سکے۔ (فیض الباری ج ۴ ص ۴۷۳)

یعنی اپنی خواہش کے مطابق ایک عقیدہ تیار کر لینا پھر اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات کی من مانی تاویلیں کرنا۔ اس عمل کا نام الحاد ہے اور ایسا کرنے والا ملحد ہے۔

(۲) "وان اعترف ظاھرا او باطنا لکنہ تفسیر بعض مالبت بالضرورۃ بخلاف ما تفسرہ الصحابۃ والتابعون واجتمعت الامۃ علیہ فھو زندیق" اگر قرآن کو ظاہر اور باطن ماننے کا اعتراف کرتا ہے لیکن قرآن کی تفسیر وہ کرتا ہے جو اس تفسیر کے خلاف ہو جو صحابہ نے اور تابعین نے کی اور امت کا اس پر اجماع ہو تو ایسا کرنے والا زندیق ہے۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۷)

اصول دین یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرے۔ ان الفاظ کی تفسیر جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے سیکھ کر بیان کی اسے سند تسلیم کرے اور اس کی تفسیر اور عملی تعبیر جو صحابہ نے سکھائی اور امت کا اس پر اجماع ہوا ہے اسے سند تسلیم کرے تو وہ مسلمان ہے اور اگر قرآن کے الفاظ کو من جانب اللہ ہونے کا اعتراف تو کرے۔ مگر ان الفاظ کی تفسیر اپنی من پسند کرے اور وہ بھی ایسی ہو جو نہ تو نبی کریم ﷺ نے کی نہ صحابہ نے کی، نہ اس

پر اجماع امت ہوا بلکہ تینوں کے مخالف ہو تو عمل زندقہ ہے اور ایسا کرنے والا زندیق ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صرف یہ دعویٰ کر دینا اور اس بات پر مطمئن ہو جانا کہ میں قرآن بیان کر رہا ہوں اور یہ نہ دیکھنا کہ جس پر قرآن نازل ہوا اس نے کیا بیان کیا تھا اور جن لوگوں کی اس نے تربیت کی ان کو کیا سمجھایا تھا اور جمہور اس کا مطلب کیا سمجھتے رہے۔ بلکہ یہ سمجھنا کہ قرآن یہی ہے جو میں سمجھ رہا ہوں۔ یہ دراصل قرآن پر ایمان نہیں بلکہ اپنی سمجھ پر ایمان ہے اور یہ رسول پر ایمان نہیں بلکہ اپنے آپ کو رسالت کے مقام پر کھڑا کرنے کے مترادف ہے اور نبی کریم ﷺ کے تیار کردہ معاشرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی راہ سے الگ اپنی ایک راہ متعین کر لینا۔ دراصل نبی کریم ﷺ کی تربیت پر عدم اعتماد کا ثبوت ہے۔ حالانکہ خود اللہ کی کتاب اس طرز عمل کو اختیار کرنے والوں کو ایسی وعید سناتی ہے کہ کلیجہ کانپ جاتا ہے۔

ارشاد باری ہے: "ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا (المائدۃ:۱۱۵)" ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد جس نے رسول خدا کی اور اہل ایمان کی راہ ترک کر کے نئی راہ نکال لی تو ہم اسے اسی راہ پر چلنے دیں گے جس پر وہ چل رہا ہے مگر اسے جہنم میں داخل کریں گے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔

ظاہر ہے کہ مثالی اور معیاری سبیل المؤمنین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ ہے اور قرآن کا جو مطلب رسول کریم ﷺ نے سمجھایا اس کے خلاف معنی پہنانا رسول کی مخالفت کے سواء کیا ہے۔ مگر اس کا نتیجہ وہی جو کافر کے لئے مقرر ہو چکا ہے تو ایسا کرنا دائرہ اسلام سے نکل جانا نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ طرز عمل مجموعہ ہے قرآن کی مخالفت، رسول ﷺ کی مخالفت، صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت اور اجماع امت کی مخالفت کا، ان چاروں مخالفتوں کے ہوتے ہوئے جہنم سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

بڑے دکھ کی بات ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ایک گروہ بڑے اہتمام سے منظم ہو کر یہ چہار گانہ خطرہ مول لے رہا ہے اور ستم ظریفی یہ کہ اس الحاد اور زندقہ کو اصلی اور ٹکسالی اسلام قرار دے کر ان تمام مسلمانوں کو مشرک اور کافر قرار دیئے چلا جا رہا ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کو قرآن کا مستند مفسر اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسول کریم ﷺ کی تیار کردہ مثالی جماعت قرار دیتا ہے اور لطف یہ کہ اس کام کو تجدیدی کارنامہ سمجھا جا رہا ہے اور یہ حضرات اپنے آپ کو مجدد ہی سمجھ رہے ہیں۔ ہاں! ایک لحاظ سے یہ درست ہے کہ کام تو تجدیدی ہے مگر تجدید الحاد اور زندقہ کی ہو رہی ہے جو کوئی قابل تعریف کوشش نہیں کہی جا سکتی اور اگر ان حضرات کی تصانیف اور بیانات کا تجزیہ کیا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے الحاد اور زندقہ پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ کئی باطل فرقوں کے عقائد جمع کر کے ایک ملغوبہ تیار کیا ہے اور اس پر ایک نظر فریب لیبل چسپاں کر دیا۔ اشاعت توحید وسنت، بلکہ اپنے آپ کو توحیدی کہلانے لگے۔ ان کے عقائد کا کچھ اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے ان کے نہاں خانہ دل کے کسی گوشہ میں اللہ کے خوف اور آخرت کی جوابدہی کے عقیدہ کی کوئی رمق باقی ہو تو شاید اپنے رویے پر نظر ثانی کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

۱...... اس گروہ کے بطل جلیل محمد حسین نیلوی اور محمد امیر صاحب کی کتاب (شفاء الصدور ص ۱، ۲، ۳) پر ان کا بنیادی عقیدہ بیان ہوا ہے۔

عقیدہ نمبر ا: ”ویعلم ان الحجۃ ھی قول النبی ﷺ او فعلہ او تقریرہ دون اقوال الرجال والھامھم وکشوفھم وقیاسھم ومنامھم اقوال الرجال ومنھا منامھم ثم منھا موضوعۃ ومنھا منکرۃ واما اخبار الرسول الصحیحۃ جدا فان العواتر وتلک القلیلۃ ایضاً ساقطۃ او مؤلۃ اذ ھی تخالف النصوص وعمل الصحابۃ“
معلوم ہے کہ حجت ہے قول رسول ﷺ یا فعل رسول ﷺ یا تقریر رسول ﷺ اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اقوال ان کے الہام، کشف، قیاس اور خوابیں جن کا ہم نے اس بات میں ذکر کیا ہے حجت نہیں ہیں وہ یا تو لوگوں کے اقوال ہیں یا افعال ہیں یا کشف ہیں یا خوابیں ہیں پھر ان میں سے بعض موضوع ہیں بعض منکر ہیں۔ رہی بات حدیث رسول ﷺ کی صحیح حدیثیں پہلے تو تعداد میں نہایت قلیل ہیں۔ لہٰذا تواتر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور وہ قلیل حدیثیں بھی ساقط الاعتبار ہیں کیونکہ وہ نصوص اور عمل صحابہ کے خلاف ہیں۔

اس بیان میں بڑی دانش وارانہ فنکاری سے کام لیا ہے اور حصول تدریج سے خوب فائدہ اٹھایا گیا ہے وہ یوں کہ ابتداء اس سے کی کہ: دین میں حجت تو صرف نبی کریم ﷺ کا قول و فعل اور تقریر ہے اور بس اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ بزرگوار کے دل میں نبی کریم ﷺ کے صحیح مقام اور منصب کا پورا پورا احساس موجود ہے۔

۲...... نبی کریم ﷺ سے صحیح احادیث نہایت قلیل ہیں جس سے یہ تاثر دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے قول و فعل اور تقریر کی نشان دہی حضور ﷺ کی احادیث سے ہی ہو سکتی ہے۔ یہی واحد ذریعہ ہیں مگر ساتھ یہ شوشا چھوڑ دیا کہ صحیح حدیثیں تعداد میں نہایت قلیل ہیں تا کہ قاری یہ سمجھے کہ اس وجہ سے ہم مجبور ہیں ان قلیل حدیثوں سے سارا دین کیسے اخذ کر سکتے ہیں۔

۳...... پھر فرمایا کہ جب صحیح حدیثیں نہایت قلیل ہیں تو تواتر کہاں سے آئے گا۔ ظاہر ہے کہ دین تواتر سے ہی ہم تک پہنچا ہے اور ان قلیل حدیثوں کی وجہ سے تواتر مفقود ہے۔ لہٰذا حدیث سے دین کیوں کر اخذ کیا جا سکتا ہے۔

۴...... اگلا قدم یہ ہے کہ جو نہایت قلیل تعداد میں صحیح حدیثیں موجود ہیں وہ بھی ساقط الاعتبار ہیں قاری کو یہاں پہنچا کر یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ حدیث رسول اس قابل ہی نہیں کہ اس سے دین اخذ کیا جائے۔

اس امر کا امکان تھا کہ کسی کے ذہن میں اگر سوال ابھرے کہ اگر حدیثیں صحیح ہیں تو ساقط الاعتبار کیوں؟ یا انہیں صحیح نہ کہو یا ساقط الاعتبار نہ کہو۔ دوسرا سوال یہ ابھرتا ہے کہ صحیح حدیثیں جب ساقط الاعتبار ہیں تو کیا غلط حدیثیں قابل اعتبار سمجھی جائیں۔

۵...... اس متوقع خطرہ سے بچنے کے لئے فرمایا کہ چونکہ یہ صحیح حدیثیں نصوص کے خلاف ہیں اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہیں۔ اس لئے ساقط الاعتبار ہیں۔ یہاں قاری کو یہ تاثر دیا گیا ہے کہ دین میں حجت صرف نصوص اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ عام قاری کا ذہن مطمئن ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ واقعی بڑی ٹھوس بنیاد پر عقائد کی بنیاد رکھتے ہیں۔

مگر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ نصوص سے کیا مراد ہے؟ اگر نص سے مراد قرآن حکیم ہے تو کس نے بتایا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ ظاہر ہے کہ وہی بتا سکتا ہے جس پر قرآن نازل ہوا، لیکن اس کی اخبار صحیحہ تو نہایت قلیل ہیں۔ اس وجہ سے تواتر کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ قرآن تواتر سے ہم تک نہیں پہنچا۔ پھر یہ کہ وہ صحیح احادیث ساقط الاعتبار ہیں تو نبی کریم ﷺ کی احادیث اگر موجود ہوں کہ یہ وہی قرآن ہے جو اللہ نے مجھ پر نازل

کیا۔ یہ حدیثیں ساقط الاعتبار ہیں۔ لہٰذا قرآن کا کلام الٰہی ہونا ساقط الاعتبار ٹھہرا۔ پھر نصوص کہاں سے آ گئیں اور اگر نصوص کے دائرے میں قول و فعل و تقریر رسول ﷺ کو بھی لے آئیں تو حضرت پہلے فرما گئے ہیں کہ وہ ساقط الاعتبار ہیں پھر وہ نصوص کون سی ہیں جن کو معیار بنا کر کھرے کھوٹے کا فیصلہ کیا جائے۔ انہی مخالف النصوص سے یہ راز کھلا کہ ملاحدہ کے نزدیک اللہ کے نبی ﷺ نے عمر بھر ایک ہی شغل رکھا کہ اللہ کی کتاب کی مخالفت کرتا ہے۔ (معاذ اللہ) یعنی اللہ نے رسول کیا بھیجا اپنا ایک مخالف پیدا کر دیا۔ پھر یہ راز کھلا کہ العیاذ باللہ کہ رسول ﷺ کی حدیث یعنی قول و فعل، تقریر تینوں قرآن کی مخالفت کی منظم کوشش ہے۔

آخر میں جس فنکاری کا اظہار کیا ہے وہ یہ کہ عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کھوٹے میں تمیز کرنے کا ایک مستند ذریعہ ہیں۔ اس سے یہ تاثر دینا مطلوب ہے کہ ہمارے دلوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا صحیح مقام موجود ہے۔ حالانکہ اوپر کے بیان سے صحیح نتیجہ نکلتا ہے کہ:

۱...... رسول ﷺ کی بات قابل اعتبار نہیں۔

۲...... چونکہ وہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبان سے آگے منتقل ہوئی اور ساقط الاعتبار ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم لازماً ساقط الاعتبار ہیں۔

۳...... قرآن کریم اللہ کی کتاب نہیں کیونکہ اس کے ناقل رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جب ان دونوں کی بات ساقط الاعتبار ہے تو قرآن پر ایمان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ عقیدہ ان حضرات نے منکرین حدیث سے لے کر اس پر اپنی طرف سے گلکاری کر کے اپنا لیا ہے۔ ان بزرگوں کے بیان میں ساقطہ اور موکلہ کو اگر منطقی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ قضیہ مانعۃ الخلو ہے۔ مانعۃ الجمع نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول کریم ﷺ کی احادیث مؤول اور ساقط الاعتبار ہیں یعنی پہلے ان مجددین نے احادیث کی تاویل کی پھر اسے ساقط قرار دے دیا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حدیث رسول ﷺ ساقط اعتبار۔ لہٰذا قرآن ساقط الاعتبار، گویا پورا دین ساقط الاعتبار۔

یہ جو عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرار دے دیئے گئے ہیں وہ بھی ایک وقتی ضرورت تھی ورنہ اس ضمن میں ان کا عقیدہ نیلوی اور بندیالوی حضرات نے ''تسکین الصدور'' کا جواب لکھتے ہوئے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''ندائے حق'' میں (ص ۱۹) پر فرمایا:

عقیدہ نمبر ۲: ''مولانا موصوف کو تسکین لکھتے وقت یہ قاعدہ بھول گیا تھا کہ صحابی کا قول و فعل حجت نہیں۔''

اب تو یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ پہلے عقیدہ میں عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کا بیان ایک وقتی ضرورت تھی۔ اصل عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول و فعل حجت نہیں۔ یہ عقیدہ ان مجددین الحاد نے روافض سے لیا ہے۔ یہ عقیدہ تو ان بزرگوں نے جہاں سے لیا انہیں مبارک مگر اس سے ایسے سوالات ابھرتے ہیں جن کے جواب دینے سے انسانی عقل عاجز ہے۔ ممکن ہے یہ حضرات اپنی فنکارانہ صلاحیتوں سے کام لے کر کوئی جواب بنا لیں۔

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا، قرآن حکیم کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس دعویٰ کے عینی شاہد کون تھے؟ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے سامنے تین گروہ تھے اول اہل

کتاب، یہود ونصاریٰ، دوم مشرکین عرب، سوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ اگر آپ نے محمد ﷺ کو اللہ کا آخری رسول ﷺ تسلیم کیا۔ قرآن کو اللہ کی کتاب اور اسلام کو دین حق تو ان تینوں میں سے کس کے قول کو حجت قرار دے کر یہ اقدام کیا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول وفعل تو آپ کے نزدیک حجت نہیں۔

اب فرمائیں کہ آپ نے مشرکین کے قول کو حجت قرار دے کر رسالت کا اقرار کیا یا اہل کتاب کے قول کو سند بنا کر قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کیا۔ اگر آپ نے اسلام، رسالت اور قرآن کا سرے سے اقرار کیا ہی نہیں یہ سب آپ ایکٹنگ ہی کر رہے ہیں تو اس سوال کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہاں اتنا ضرور عرض کریں گے کہ آپ نے بہت مدت تک یہ ڈرامہ رچالیا، ایکٹنگ کرلی۔ اب اپنے اصل روپ میں سامنے آئیں اور اگر آپ نے ان حقائق کا اقرار کیا ہے جن کی توقع کم ہی ہے تو اس بات کی وضاحت فرما دیجئے کہ آپ نے یہ سب کچھ مشرکین کی پیروی میں کیا یا اہل کتاب کی بات مانی۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے تو آپ کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے ان کا قول وفعل تو آپ کے نزدیک حجت نہیں۔ اگر آپ نے مشرکین کے نقش قدم پر چلنا ہی مستند سمجھا تو ظاہر ہے کہ آپ محمد رسول اللہ کو نبی اور رسول قطعاً تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ آپ حضور ﷺ کو معاذ اللہ ساحر اور کاہن ہی سمجھتے ہوں گے۔ کیونکہ مشرکین یہی کہتے تھے اور آپ کے نزدیک مشرکین عرب کا قول حجت ہے تو رسالت پر آپ کے ایمان کا طول وعرض معلوم ہو گیا۔

اور اگر آپ نے اہل کتاب کے قول وفعل کو حجت مان کر یہ سوانگ بھرا ہے تو پھر آپ حضرات (معاذ اللہ) محمد رسول اللہ کو دجال سمجھتے ہوں گے اور اپنا سخت دشمن جانتے ہوں گے۔ کیونکہ اہل کتاب حضور ﷺ کو بھی کچھ کہتے اور سمجھتے تھے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کو رسول تسلیم کیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے، قرآن کو اللہ کی آخری کتاب تسلیم کیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے، اسلام کو دین برحق تسلیم کیا اور آپ کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول وفعل حجت نہیں۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ آپ کو رسول سے کوئی تعلق، نہ قرآن سے کوئی واسطہ، نہ اسلام سے کوئی رشتہ آپ بس توحیدی ہیں۔ آپ کی یہ توحیدیت بھی ایک معمہ ہے۔ توحید معتبر وہ ہے جو محمد رسول اللہ نے سکھائی اور محمد رسول اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھائی۔ آپ کے نزدیک احادیث رسول ﷺ ساقطۃ الاعتبار، صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول وفعل حجت نہیں۔ پھر آپ نے یہ توحید سیکھی کہاں سے؟ دنیا میں توحید کے مدعی اور بھی بہت سے لوگ اور فرقے ہیں۔ مثلاً سب سے بڑا موحد تو ابلیس کو سمجھا جاتا ہے اس کی توحید ایسی سخت تھی کہ خود اللہ کے حکم کے باوجود غیر اللہ کے سامنے جھکنا گوارہ نہ کیا۔ جبھی تو اس کے عقیدت مند یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ:

شیطان وابوجہل کی عظمت کی قسم — سو بار غلامی سے بغاوت بہتر

اسی لئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی توحید کا ماخذ ابلیسی توحید ہے کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ سے آپ کا توحید سیکھنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ سے سیکھنے کے لئے رسول ﷺ اور امت کے درمیان جو واسطہ ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنا پڑتا ہے اور آپ کا عقیدہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول وفعل حجت نہیں۔ لہٰذا آپ کی توحید کا اس توحید سے کوئی تعلق نہیں جو محمد رسول اللہ نے امت تک پہنچانے کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھائی۔

ممکن ہے ابلیس کی توحید میں یہ جذبہ کارفرما ہو کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اس حد تک غالب آ چکی تھی کہ غیر کی طرف نگاہ اٹھانا بھی اسے گوارا نہ ہو۔ اس اعتبار سے تو اس کا جذبہ قابل قدر ہونا چاہئے۔ مگر اصل حقیقت اس کے جواب سے کھل کے سامنے آ جاتی ہے کہ انا خیر منہ یعنی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس شدید ہونے کی وجہ سے توحید کا اظہار نہیں تھا بلکہ وہ چھپی ہوئی انانیت تھی جو انا خیر منہ کے جواب سے سامنے آ گئی۔ تبھی تو رجیم ٹھہرایا گیا۔

ان بزرگواروں کی توحید میں بھی وہی عنصر موجود ہے۔ چنانچہ (ندائے حق ص ۳۰۱) پر ارشاد ہے: اگر جمہور کا یہی حال ہے تو ہم ایسے جمہور کی اتباع سے رہے۔ ہم جمہور سے علیحدہ ہی اچھے ہیں۔ ہم جمہور کے عاشق نہیں ہم کو قرآن وسنت اور اجماع مجتہدین کافی ہے۔ یہ جمہور زنبور کشف، خوابیں، جنگلیوں کا مذہب ہے۔

اس بیان میں تین امور کا اظہار ہے:

۱...... ہم جمہور سے علیحدہ ہی اچھے ہیں۔ (مبارک ہو) کھلی چھٹی ہے بشارت سن لو "نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا" (النساء:۱۱۵)

دوسری بشارت: "من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام عن عنقه" آپ کا بوجھ ہلکا ہوا۔

تیسری بشارت: "من شذ شذ فی النار" جہاں رہو خوش رہو۔ مگر یہ تو فرمایئے قرآن آپ تک کس ذریعے سے پہنچا؟ رسول خدا ﷺ کی صحیح حدیثیں بقول آپ کے نہایت قلیل پھر تواتر کہاں؟ پھر جو صحیح حدیثیں ہیں وہ بھی ساقط الاعتبار، پھر اسی قرآن پر کس بنا پر آپ کو اعتبار آ گیا۔ پھر رسول خدا ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ آپ تک کس طرح پہنچ گئے۔ مگر ان الفاظ کا مفہوم جو رسول خدا ﷺ نے بتائے وہ راستے میں کہاں اٹک گئے۔

رہا سنت کا معاملہ تو سنت قولی وفعلی کے عینی شاہد تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور آپ کے عقیدہ کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول وفعل حجت نہیں تو سنت آپ تک کیسے پہنچی؟

پھر اجماع مجتہدین کا نمبر آتا ہے وہ کون سے مجتہدین ہیں جن کا اجماع آپ کے لئے کافی ہے۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں مجتہد کوئی نہیں تھا؟ اگر مجتہدین کے اجتہاد کی بنیاد احادیث اور قول وفعل صحابہ رضی اللہ عنہم پر ہے تو وہ آپ کے نزدیک ساقط الاعتبار اور ناقابل حجت ہیں۔ لہٰذا ایسے مجتہدین آپ کے لئے کافی کیا ہوں گے۔ ان کا نام سننا بھی آپ کو گوارہ نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ کے لئے وہی مجتہدین اور ان کا اجماع کافی ہے جو تواتر کے منکر اور قول وفعل صحابہ رضی اللہ عنہم کے مخالف ہوں۔ واقعی ایسے متبعین کے لئے ایسے مجتہد ہی موزوں ہو سکتے ہیں۔ لیجئے آپ نعرہ لگائیں: منتق گردید رائے بوعلی با رائے من!

۳...... یہ جمہور زنبور ہیں اور نہ جنگلیوں کا مذہب ہے۔ واقعی زنبور سے تو انسان کو دور بھاگنا چاہئے اور حضریوں کو بدویوں کے قریب بھی نہیں جانا چاہئے۔ آپ ڈٹ جائیں اس اصول پر کہ: مستند ہے میرا فرمایا ہوا!

یہ جنگلیوں کا مذہب دراصل ایک تلمیح ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ (ندائے حق ص ۳۰۲) پر ارشاد ہے۔

عقیدہ نمبر ۳: ضعیف حدیث پھر عمل ایک جنگلی کا۔ جب صحابی کا عمل حجت نہیں تو جنگلی کے عمل کا کیا مقام

ہے؟ جنگلی کا اشارہ رسول کریم ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت بلال بن حارث غزنیؓ کی طرف ہے اور جس ضعیف حدیث کی طرف اشارہ ہے اس کو (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۲) پر پوری سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور (فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۴۸) اور (وفاء الوفا سمہودی ج ۲ ص ۱۴۲۱) مذکور ہے۔

پھر اس سے استدلال خواب سے نہیں بلکہ قول صحابیؓ سے ہے اور اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہے۔ مگر آپ کو اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے کیا غرض؟ آپ کے لئے تو مجتہدین کا اجماع کافی ہے۔ صحابی تو جنگلی ٹھہرا۔ مگر جناب محمد حسین نیلوی صاحب چونکہ عروس البلاد نیلہ کے رہنے والے ہیں جہاں دن کے وقت بھی گیدڑ گھومتے رہتے ہیں، اس لئے آپ کسی جنگلی کو اور وہ بھی صحابی رسول ﷺ کو کیسے خاطر میں لائیں۔ ماسکو واشنگٹن یا لندن کا کوئی مہذب شہری بات کرتا تو یہ تہذیب نو کے سپوت اسے مان لیتے۔ جنگلی کی بات کون مانے؟ کوئی ٹھکانہ ہے انانیت کا کہ صحابی رسول پر جنگلی کی پھبتی کسی جائے۔ ابلیسیت زندہ آباد!

عقیدہ نمبر ۴: (ندائے حق ص ۱۳۵) پھر بیہقی کو صرف ایک صحابی غیر معروف الفقہ والعدالت یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ملی۔

لیجئے ایک تیر سے دو شکار۔ اوّل امام بیہقی کا مذاق اڑایا کہ ان میں اتنی سدھ بدھ نہیں تھی کہ صحیح اور غلط میں تمیز کر سکیں۔ مگر وہ مجبور تھے کیونکہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سکھائے ہوئے دین کو حضور ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی سے لینے کے قائل تھے۔ اگر انہیں یہ اصول معلوم ہوتا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول و فعل حجت نہیں تو آپ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ پھر دوسری مجبوری یہ تھی کہ یہ نادر اصول بھی چودھویں صدی میں آکر وضع کیا گیا۔ لہٰذا وہ معذور ہیں۔ بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صحبت میں تین سال رہے اور ایسے رہے کہ در سے اٹھے نہیں اور رسول کریم ﷺ فرائض نبوت ادا کرتے ہوئے مسلسل تین سال تک ''یعلمھم الکتاب والحکمۃ'' کے حکم کی تعمیل کرتے رہے اور ''ویزکیھم'' کے حکم کی تعمیل تین سال ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تزکیہ کرتے رہے۔ مگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں نہ دین کی سمجھ پیدا ہوئی نہ اتنا تزکیہ ہو سکا کہ عدالت کا وصف پیدا ہو جاتا۔ پھر وہ ۵۳۷۴ حدیثوں کی روایت کر گئے اور ناعاقبت اندیش محدثین نے ان کی روایتوں کو اپنی کتابوں کی زینت بنا دیا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے غیر فقیہہ اور غیر عادل رہ جانے میں قصور معلم اور مزکی کا ہے یا متعلم کا۔ نیلوی صاحب یہ عقدہ بھی حل کر جاتے تو ایک اور احسان ہوتا۔

محمد حسین نیلوی صاحب کی نسبت نیلہ سے مراد اگر وہ کوردہ نیلہ ہے جو چکوال سے مغرب میں نالہ سواں کے کنارے واقع ہے تو ماننا پڑے گا نیلہ واقع ہی تفقہ فی الدین کا گہوارہ اور عدالت کا مرکز ہے اور نیلوی صاحب نہایت ذہین طالب علم ہیں اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر ذہن اور نیلہ میں انہیں کوئی معلم اور مزکی بھی ایسا ملا جو معاذ اللہ نبی آخر زماں ﷺ سے بڑھا ہوا تھا۔ حدیث میں عدالت راوی شرط ہے۔ اگر عدالت نہیں تو حدیث قابل حجت نہیں۔ یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ۵۳۷۴ احادیث قطعاً قابل حجت نہیں۔

اور اگر آپ کی نسبت نیلہ کوردہ سے نہیں بلکہ اس کے جانور سے ہے جسے پنجابی میں نیلا کہتے ہیں تو نیز!

صاحب معذور ہیں۔ صحابی رسولؐ کے متعلق اس سے بڑی گالی بھی دے دیتے تو بے جا نہ تھا۔ بہرحال صورت جو بھی ہے نتیجہ ایک ہی ہے جو پنجابی زبان میں ادا ہو سکتا ہے کہ "ذات دی کوڑ کرلی تے شہتیراں نوں جپھے" چودھویں صدی کا برخوردار غلط مولوی اور استاد العلماء صحابی رسول ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر پھبتی کسے یہ سب روافض کی خوشہ چینی کے کرشمے ہیں۔

ان کے عقیدہ نمبر ۳، ۴ سے نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا مذہب توحید نہیں بلکہ "توہین" ہے۔ اس کی زد میں صحابی آئے، احادیث رسول ﷺ آئیں جمہور امت آئیں، اندھے کی لاٹھی کی طرح یہ گھماتے چلے جاتے ہیں:

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں ۔۔۔ تڑپے ہیں مرغ قبلہ نما آشیانے میں

صحابہ رسول ﷺ کو جنگلی اور غیر فقیہ اور غیر عادل کہنا ان ہی لوگوں کا دل گردہ ہے۔ مگر جب ایمان دل سے نکل جاتا ہے تو اس سے بھی بڑی بڑی باتیں زبان سے نکلتی ہیں۔ اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ "الصحابة كلهم عدول" اور نیلوی اینڈ کمپنی کا عقیدہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہ اور غیر عادل ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ان بیچاروں پر اہلسنت کا اطلاق سراسر تہمت ہے۔ یہ اس تہمت سے بالکل بری ہیں۔ ان کا اہلسنت سے دور کا تعلق بھی نہیں۔

اہلسنت سے ان کی بریت اور بیزاری کا مدار صرف اسی ایک روایت پر مبنی نہیں بلکہ اس کی بنیاد اللہ اور رسول کے کئی ارشاد ہیں۔ مثلاً:

۱...... "قال تعالى والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه الخ" (التوبہ: ۱۰۰) جن لوگوں نے سبقت کی یعنی پہلے ایمان لائے مہاجرین اور انصار میں سے اور جنہوں نے خلوص دل سے ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

رضائے الٰہی اور فوز عظیم کا مدار اتباع مہاجرین انصار پر ہے اور وہ اتباع بھی ضابطے کی کارروائی نہیں بلکہ باحسان کی قید سے مقید یعنی پورے یقین اور خلوص قلب سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتباع کرو تو کامیاب مگر ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول و فعل حجت نہیں۔ لہٰذا اتباع ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا قرآن کریم کی اس آیت سے یہ لوگ دستبردار۔

"ان بنى اسرائيل تفرقت على اثنين وسبعين ملة وتفترق امتى على ثلاثة وسبعين ملة كلهم فى النار الا ملة واحدة قالوا من هى يا رسول الله! قال ما انا عليه واصحابى" بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ مگر سوائے ایک فرقہ کے سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ کون سا فرقہ ہے؟ فرمایا جس روش پر میں اور میرے صحابہ چلے۔ اس روش پر چلنے والا فرقہ جنتی ہے۔

اسی "ما انا عليه واصحابى" کا اصطلاحی نام اہل سنت والجماعت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ما انا علیہ یعنی جس عقیدہ اور عملی زندگی پر میں کاربند ہوں۔ کہاں سے معلوم ہوگا۔ ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ صحیح احادیث رسول نہایت قلیل ہیں۔ لہٰذا تواتر غائب۔ پھر وہ جو قلیل ہیں وہ ساقط الاعتبار ہیں۔ لہٰذا رسول کریم ﷺ کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں۔ (معاذ اللہ) پھر ما انا علیہ پر قائم رہنے کی صورت کیا ہوگی؟ ظاہر ہے کہ کوئی صورت نہیں۔ دوسرا جزو اصحابی یعنی میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عقیدہ و عمل پر کاربند ہو۔ مگر ان حضرات کے نزدیک صحابی کا قول و فعل حجت نہیں۔

لہٰذا ان کے لئے صحابی ؓ کا اتباع ممکن نہیں۔ لہٰذا ایسے لوگ اہلسنت کی تہمت سے بری۔

۳...... "قال اتبعوا اسواد الاعظم من شذ شذ فی النار" مگران کا اعلان یہ ہے کہ: "ہم جمہور سے علیحدہ ہی اچھے رہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کا کہنا یہ ہے کہ ہمارے لئے جہنم ہی ایر کنڈیشنڈ ہے۔ یعنی اہلسنت کو دور سے سلام۔"

۴...... "من خرج من الجماعۃ قید شبر" بالشت بھر کا کیا کہنا ان لوگوں نے جماعت کے ساتھ رہنا اپنی توہین سمجھی۔ لہٰذا اب تو امت کو ان پر اہلسنت والجماعت کی تہمت لگانے سے باز آ جانا چاہئے۔

عقیدہ نمبر ۵: (ندائے حق ص ۲۵۱، ۲۵۲) "کوئی عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایسا دکھایئے جس سے ثابت ہو سکے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کو زندہ در قبر سمجھتے تھے یا ان کی حدیث وروایت پیش کرو جس سے ثابت ہو کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وصیت کی کہ میں مرنے کے بعد زندہ تو ہو جاؤں گا مگر مجھے زندہ در گور ہی رہنے دینا۔ قبر سے مجھے نہ نکالنا۔"

اس بیان میں ایک تو حیات النبی ﷺ کا انکار ہے اور سچ پوچھئے تو یہ عقیدہ ان کے مذہب کی جان ہے۔ صرف ایک عقیدہ کے لئے ان لوگوں نے خرافات کا انبار لگا دیا اور ورق پہ ورق سیاہ کر ڈالے جس کی تفصیل آئندہ صفحات پر پیش کی جا رہی ہے۔ دوسرا ان کی ڈھٹائی اور دریدہ دہنی کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے لئے "زندہ در گور" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ یہ ان کے مذہب توہین کا زندہ ثبوت ہے۔ جمہور اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین سے ان کا جی نہ بھرا اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ﷺ کے لتے لینے شروع کئے۔ سچ کہا اکبر نے:

حضرت کی یاوہ گوئی کچھ مستند نہیں ہے ۔۔۔ کہنے کی ایک حد ہے بکنے کی حد نہیں ہے

"زندہ در گور" کہنے والوں کو روضہ اقدس کی حیثیت کا علم کیونکر ہو سکتا تھا۔ ان کے ٹیڑھے دماغ میں از خود یہ سیدھی بات آ نہیں سکتی تھی اور کسی سے پوچھنا ان کی انانیت کے منافی تھا اور کوئی بتا دے تو ان کے لئے ماننا ایسا ہے جیسے ہندو کو کلمہ پڑھنا۔

قرآن حکیم نے ایک اصول بتایا ہے: "والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبؤنھم فی الدنیا حسنۃ" (النحل: ۴۱) جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد وطن چھوڑا ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مہاجرین کے لئے جو حضور اکرم ﷺ کے غلام ہیں اعلیٰ جگہ کی بشارت ہے جس کی وجہ سے انہیں یہ سعادت نصیب ہوئی۔ اس کے لئے کیا کسی ادنیٰ جگہ کا انتخاب ہونا تھا۔ عقل اگر ہو تو کہے گی ہرگز نہیں اور اگر رسول کی بات پر اعتبار ہو تو وضاحت ہو جائے گی کہ: "ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ ومنبری علی حوضی" میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

ظاہر ہوا کہ روضہ رسول ﷺ سب سے اعلیٰ جگہ ہے اس لئے تمام مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں اور تمام مفسرین، محدثین، فقہاء کرام اور متکلمین کا اجماعی عقیدہ ہے کہ روضہ رسول ﷺ کی شان کعبۃ اللہ، کرسی، عرش اور جنت سے بھی اعلیٰ ہے۔ یہ ٹکڑہ جنت الفردوس سے دنیا میں لایا گیا اور دنیا کے احکام ولوازمات اس سے سلب کر لئے گئے۔ برزخ کے احکام اس میں بدستور جاری ہیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، شامی، زرقانی، نسیم الریاض حیات برزخیہ)

"ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء" اللہ تعالیٰ نے یقیناً زمین کے لئے حرام قرار دے دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔

تو روضہ اقدس میں جسد اطہر مع روح زندہ ہیں اور چونکہ یہ جنت کا ٹکڑا ہے۔ جنت کی کسی چیز پر تغیر و تبدل نہیں۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ کے جسد و روح میں کسی قسم کا تغیر نہیں آ سکتا۔ جنت کی اس خصوصیت کا قرآن کریم میں کئی جگہوں پر ذکر موجود ہے۔

"ان لک الّا تجوع فیھا و لا تعری و انک لا تظمأ فیھا و لا تضحی" (طٰہٰ:۱۱۸،۱۱۹) یہاں تک کو یہ آسائش ہوگی کہ نہ بھوکا ہوگا اس میں کوئی نہ ننگا اور یہ کہ پیاسے رہو نہ دھوپ کھاؤ۔

"و فاکھۃ کثیرۃ لا مقطوعۃ و لا ممنوعۃ" (الواقعہ:۳۲،۳۳) اور کثرت سے میوے جو نہ کبھی ختم ہوں نہ ان سے کوئی روکے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ جسد اطہر روضہ اقدس میں زندہ ہے۔ اس میں تغیر و تبدل محال ہے۔ روح اقدس مشاہدہ باری، انوار تجلیات باری میں اس قدر مستغرق ہوتا ہے کہ جسد اقدس بھی متاثر ہوتا ہے جیسا لوہا آگ میں ڈالا جائے تو لوہے کا رنگ اور آگ کا رنگ ایک ہی ہو جاتا ہے۔ بوجہ اثر اندازی روح کے بدن بھی روح کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ روح بذات خود برزخ میں مکلف ہو جاتا ہے۔ جیسے بدن بذات خود دنیا میں مکلف تھا۔ جسد اطہر پر موت کا جو اثر ہوا وہ صرف استغراق کی حالت کی طرح ہوا۔ جیسے انبیاء علیہم السلام دنیا میں سوتے تھے تو وہ حالت استغراق کی ہی ہوتی تھی۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: "تنام عینای و ما ینام قلبی" نیلوی صاحب کو اگر نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسلمان کا سا نہیں ہے بلکہ انسان کا سا تعلق بھی ہوتا تو "زندہ در گور" کی جگہ کم از کم زندہ در جنت الفردوس ہی کہہ دیتے۔ مگر:

خدا کی شان ہے ناچیز، چیز بن بیٹھیں　　جو بے تمیز ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں

نیلوی صاحب کو اہلسنت والجماعت کا عقیدہ معلوم ہوتا تو کم از کم جو یہ جھوٹ موٹ کے اہل سنت بنے ہوئے ہیں ایسا کہنے سے کچھ تو حیاء آتی۔ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے "الانبیاء لا یموتون بل ینتقلون من دار الی دار ای ینتقلون من دار الدنیا الی دار البرزخ وھم احیاء فی عالم البرزخ وھم یصلون" انبیاء علیہم السلام مرتے نہیں ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں۔ یعنی دار دنیا سے عالم برزخ میں اور وہ برزخ میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ "و یتمتعون فیھا بل الموت جسر لھم الی الحبی" بلکہ موت ان کے لئے ایک پل ہے جو دوست سے ملاتی ہے۔

مگر نیلوی اینڈ کمپنی کی ساری مہم آرائی اس حقیقت کے خلاف محاذ قائم کرنے کی ہے۔ وہ کیونکر اسے تسلیم کر سکتے تھے اور اصل میں ان کی مجبوری یہ ہے کہ رسول ﷺ کی توہین کے بغیر ان کی سکہ بند توحید کی تکمیل ہی نہیں ہو سکتی اور ہو بھی کیسے جب ان کے استاد اول نے اس کی بنیاد ہی اس پر رکھی تھی کہ انا خیر منہ کہہ کر پہلے نبی کی تحقیر اور توہین کی طرح ڈالی تھی تو یہ اس کے شاگردان خاص آخری نبی کی توہین سے اس کی تکمیل کیسے نہ کرتے۔

عقیدہ نمبر ۶: مولوی اللہ بخش کی کتاب اربعین سے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ جو ان کے بنیادی عقیدہ کے مختلف اسالیب بیان ہیں۔

(ا) نبی کریم ﷺ، عند القبر، صلوٰۃ وسلام قطعاً نہیں سنتے اور یہ عقیدہ نبی کریم ﷺ کے نہ سننے کا یعنی عدم سماع جزو ایمان ہے اور جو شخص نبی کریم ﷺ کے سماع یا برزخ والوں کے سماع کا قائل ہے وہ کافر مشرک ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ یہود کا ہے۔

(ب) نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر سے روح کا کسی قسم کا تعلق نہیں ہے اور یہ عقیدہ تعلق روح کا بدن سے کافر، بت پرستوں، ہندوؤں کا ہے۔

(ج) جن حدیثوں میں سماع موتی یا صلوٰۃ وسلام عند قبر نبی کریم ﷺ ثابت ہے وہ قول رسول ﷺ نہیں من گھڑت حدیثیں اور من گھڑت قصے ہیں۔

(د) بعد موت ثواب عذاب صرف روح کو ہوتا ہے۔ جسد عنصری کو نہیں ہوتا۔ نہ روح کا تعلق بدن سے ہے۔ یہ عقیدہ ہندوؤں سے لیا گیا ہے۔

(ر) نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں مدفونہ قبر میں ماننا زندہ ماننا شرک ہے۔

مولانا عبدالعزیز شجاع آبادی اپنی کتاب (دعوت الانصاف ص ۲۲) پر لکھتے ہیں:

(ا) اس گروپ (غلام خانی) کے ایک صاحب جو مولانا عبداللہ درخواستی صاحب کا مرید تھا، سے کہا کہ تمہارے پیر صاحب تو سماع عند القبر شریف کے قائل ہیں ان کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ فوراً جواب دیا وہ بھی کافر، تم بھی کافر، جو بھی سماع کا قائل ہو سب کافر۔

(ب) مولوی سعید احمد چتوڑگڑھی نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر پر پڑھا ہوا درود سلام نہیں سنتے نہ سماع جسمانی نہ سماع روحانی۔ جو شخص سماع کا قائل ہو خواہ کسی تاویل سے ہو وہ قرآن وحدیث اور شریعت کی رو سے بلا تاویل کافر مرتد ہے اور جو شخص سماع کے قائل کو کافر مرتد نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے۔ نیز جو شخص اس مسئلہ کو فرعی کہتا ہے وہ بھی کافر۔ (احمد سعید کی تقریر موضع کھلواں بہاول پور)

(ج) اسی تقریر کے دوران احمد سعید نے کہا: ''اگر نبی ﷺ کے سماع عند القبر کا قائل ابوبکر صدیق بھی ہوتا تو وہ بھی کافر ہے۔''

(د) (ص ۲۷) پر اپنے نام اشاعۃ التوحید والسنۃ کا خط نقل کیا ہے۔ لکھا ہے: ''احمد سعید نے منافقانہ دستخط کر دیئے ہیں کہ سماع والے کافر نہیں۔ شاہ صاحب (عنایت اللہ گجراتی) نے بالکل دستخط سے انکار کر دیا کہا کہ میرا عقیدہ یہی کفر کا ہے اور محمد سعید کا یہی عقیدہ ہے۔''

(ر) ''عنایت اللہ شاہ گجراتی نے خان گڑھ میں اپنی تقریر کے دوران کہا مشرک چار قسم کے ہیں۔ اوّل یہود ونصاریٰ، دوم مشرکین، سوئم بریلوی، چہارم دیوبندی جو سماع عند القبر کے قائل ہیں۔''

(س) مولوی عبدالعزیز لکھتے ہیں: اس گروپ کے واعظوں نے نہ صرف مسلک کی سٹیج کو بدنام کیا بلکہ اپنے اکابر کو ایک مخمصے میں مبتلا کر دیا۔ جگہ جگہ قائلین سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کو کافر مشرک کا فتویٰ دیا اور اہل توحید کو خانہ جنگی پر مجبور کر دیا۔

(ط) (دعوت الانصاف (ص ۳۵) پر لکھتے ہیں: ہمارے ہاں شجاع آباد میں عنایت اللہ گجراتی اور احمد سعید

توحید کے موضوع پر خطاب کر رہے تھے۔ سعید نے کہا بت نہیں سنتے خدا سنتا ہے بت عام ہیں۔ خدا کے بنائے ہوئے ہوں جیسا حضور اکرم ﷺ یا لات منات کی مورتی۔ عنایت اللہ نے تصدیق کی اور کہا: یہ نوجوان میری کمی پوری کرے گا۔

(ندائے حق ص ۶۵) پر ارشاد ہے: "جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی حیات حسیہ، حقیقیہ، جسمانیہ، عنصریہ کامل کے مدعی ہیں ان کا فرض تھا کہ انبیاء علیہم السلام کو خصوصاً اپنے نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کو قبر سے نکال لیتے تاکہ لوگ بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہو کر صحابی کا درجہ حاصل کر لیتے اور مختلف مسائل کا تصفیہ حضور ﷺ سے کروا لیتے۔"

ان تمام اقتباسات سے اس ملحد گروہ کے اس مخصوص عقیدہ کی تکرار ظاہر ہوتی ہے جس کو ان لوگوں نے مدار کفر و ایمان قرار دیا ہے اس کے علاوہ کچھ اور خرافات بھی ہیں۔ جن کو بکواسات کے علاوہ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

۱...... سماع موتی بالخصوص سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کا عقیدہ بلا تاویل کفر ہے۔

۲...... سماع موتی کا عقیدہ رکھنے والا خواہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کیوں نہ ہو وہ کافر ہے۔

۳...... سماع موتی کے قائلین کو جو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے۔

۴...... بریلوی، دیوبندی دونوں مشرک ہیں۔

سماع موتی کے موضوع پر تفصیلی بحث اپنے مقام پر آ رہی ہے۔ فی الحال یہ دیکھ لیا جائے کہ ان ملحدوں کی کفر سازی کی بمباری کی زد کس کس پر پڑتی ہے اور اس سے بچتا کون ہے؟

۱...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صلاۃ وسلام عند القبر النبی ﷺ کے قائل ہیں۔ دیکھئے (تنزیہ الشریعہ من اخبار الشنیعۃ الموضوعۃ ص ۳۲۵) "و له شواهد من حديث عبدالله بن مسعود و عبدالله بن عباس و ابی هريرة اجمعها البيهقی و من حديث ابی بكر الصديق اخرجه الديلمی من حديثهما اخرج العقيلی" اس حدیث کے صحیح ہونے میں شواہد موجود ہیں۔ عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں جن کو بیہقی نے، دیلمی نے اور عقیلی نے اخراج کیا ہے۔

وہ روایت جس کی صحت پر اتنے گواہ پیش کئے گئے ہیں یہ ہیں: "من صلى علىّ عند قبری سمعته" یعنی جو شخص میری قبر پر حاضر ہو کر مجھ پر درود بھیجے میں سنتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ ان ملحدین کے نزدیک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کافر ہیں۔ (معاذ اللہ) یہ ہے ان ملحدین کی رافضیانہ توحید کا شاہکار۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس عقیدہ کے متعلق یہ حقیقت ذہن میں رہے کہ آپ نے یہ عقیدہ اپنے اجتہاد سے یا ذاتی رائے کی بنا پر نہیں اپنایا تھا بلکہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد سن کر سماع موتی کے قائل ہوئے تھے اور صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی قائل نہیں ہوئے تھے۔ آپ کے بعد تمام علمائے امت اس کے قائل رہے۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر (ج ۳ ص ۴۳۸) پر فرماتے ہیں: "والسلف مجموعون على هذا قد تواترت الآثار منهم بان الميت يعرف بزيارة الحی له و يستبشر" سلف کا اس پر اجماع ہے ان سے متواتر روایات آ چکی ہیں کہ میت زندہ زائر کو پہچانتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔

اور مولانا عبدالحئی لکھنوی نے (شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۵۳) کے حاشیہ پر فرمایا: ''وروایات کثیرہ فی کتب الحدیث واما رد عائشہ وبعض تلک الاحادیث فلم یعتد بہ جمہور الصحابۃ ومن بعدھم'' حدیث کی کتابوں میں کثرت سے روایات موجود ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اختلاف اور بعض ایسی حدیثوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے اعتماد نہیں کیا۔ یعنی سماع موتی کے عقیدہ کے بنیاد احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ ان ظالموں کے فتویٰ کفر کی زد کس پر پڑتی ہے۔

۲...... پھر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سماع موتی کے قائل ہیں تو ان ملحدوں کے نزدیک تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کافر ٹھہرے۔ ابن کثیر کی اس عبارت کے متعلق یہ کفر ساز پارٹی کہتی ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے۔ کہاں سے معلوم ہوا؟

سنئے تفسیر ابن کثیر مکتبہ امیریہ میں یہ عبارت نہیں ملتی۔ کیونکہ اس لئے کہ کسی ع و غ قسم کے ملحد نے خیانت سے کام لے کر یہ عبارت اڑادی۔ ابن کثیر کے دو نسخے اصل موجود ہیں۔ ایک وہ جو معالم التنزیل مطبع المنار مصر کے حاشیہ پر ہے۔ دوئم وہ ہے جس کو مطبع دار الاحیاء الکتب العربیہ نے طبع کیا۔ ان دونوں میں یہ عبارت موجود ہے اور ان دونوں نسخوں میں مکیہ پر اعتماد کیا ہے۔ اردو ترجمہ اسی مکتبہ امیریہ کا ترجمہ ہے۔

۳...... مندرجہ ذیل ۶۰ علماء جن میں مفسر، محدث، فقیہ سبھی شامل ہیں وہ سماع موتی کے قائل ہیں: امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابوداؤد، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابویوسف، امام محمد، امام طحاوی، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد طیالسی، طبرانی، ابن شاہین، ابونعیم، ابن حبان، ابن عساکر، حکیم ترمذی، حاکم، ابن سعد، بیہقی، ابن خزیمہ، ضیاء مقدسی، ابویعلی، محی السنہ بغوی، دارمی، دارقطنی، خطیب، وسعید بن منصور، ابن مردویہ، ابن ابی الدنیا، دیلمی، ابن ابی حاتم، ابن نجار، بزار، ابن عدی، رافعی، ابن عرفہ، ابن الھدیہ، ابن راہویہ، ابن جوزی، قاضی عیاض، عبد ابن حمید، ابونصر، امام سنجری فی الامانۃ، ہروی، ابن مندہ، ابن السنی، رویانی طبری، فی الریاض النضرہ، خطابی، خفاجی، ابن حجر عسقلانی، امام نووی، صاحب سراج الوہاج، علامہ سندھی، امام شعبی، امام منیر شارح بخاری۔

حال کے ملحدین کے نزدیک یہ سارے حضرات کافر قرار پائے۔ (معاذ اللہ)

۴...... ''المہند علی المفند'' جو علمائے دیوبند کے اجماعی عقیدہ کی تاریخی دستاویز ہے۔ اس میں مولانا خلیل احمد محدث اکابر دیوبند کا عقیدہ بیان کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور برزخ میں ان کی حیات دنیوی ہے اور اس نقطہ نظر کی تائید کے لئے بانی دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی کتاب آب حیات کا حوالہ بھی دیا کہ علمائے دیوبند کا یہ عقیدہ حیات انبیاء علیہم السلام ان کے اسلاف سے بطور توارث ملا ہے۔ کوئی انفرادی رائے یا وقتی ہنگامی فتویٰ نہیں ہے جو حوادثات کے پیش آنے سے اتفاقاً سامنے آگیا ہو۔ اسی طرح یہ مسئلہ اثبات حیات انبیاء علیہم السلام بطرز مذکور سلف سے خلف تک یکسانی کے ساتھ مسلمہ اور متفقہ رہا ہے اور تمام علمائے دیوبند کا یہ اجماعی مسلک ہے۔ جس سے کوئی فرد بھی منحرف نہیں ہے۔

یعنی چھ تھے راؤنڈ پر ان ملاحدہ نے تمام اکابر دیوبند کو کافر قرار دے دیا۔

یہاں ایک اور عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ یہ مبین نیلوی پارٹی اپنی معاشی اور معاشرتی ضرورتوں اور مجبوریوں کے تحت اپنے آپ کو دیوبندی کہلاتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اکابر دیوبند ان کی نگاہ میں کافر ہیں تو یہ لوگ اپنی دیوبندیت کی نسبت کس سے جوڑتے ہیں۔ جب دیوبندیوں کا کوئی ایک فرد بھی حیات انبیاء علیہم سے منحرف نہیں تو یہ طاحدہ کا ٹولہ جو صرف منحرف ہی نہیں ہوا بلکہ ان کو کافر قرار دے بیٹھا۔ پھر بھی یہ دیوبندی ہی رہے۔ ثابت ہوا جہاں ان پر اہلسنت والجماعت کی تہمت لگی ہوئی ہے وہاں دوسری تہمت دیوبندی کی بھی ہے۔ حاشا وکلا یہ ہرگز دیوبندی نہیں ہیں۔ ہاں منکرین حدیث اور رافضیوں سے ان کا اعتقادی شجرہ نسب ملتا ہے۔

۵...... ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو قاری محمد طیب صاحب کے پاس یہ لوگ مدرسہ عثمانیہ حنفیہ میں جمع ہوئے ایک تحریری معاہدہ ہوا جس کی عبارت یہ ہے: وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ قبر شریف میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ دستخط: قاری محمد طیب حال وارد راولپنڈی ۲۲ جون ۱۹۶۲ء، دستخط قاضی شمس الدین، دستخط قاضی نور محمد، دستخط لاشے غلام اللہ خان۔

یہ معاہدہ ایسی حالت میں ہوا کہ قاضی صاحبان اور لاشے کے ہوش وحواس قائم ٹھیک ٹھاک تھے۔ اس لئے:

۱...... اگر یہ دستخط صحیح کئے تھے تو اس پارٹی کے نزدیک یہ تینوں حضرات کافر بلا تاویل قرار پائے اور جب شیخ کافر ہو تو مرید سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ:

دوش از مسجد سوئے خانہ آمد پیر ما چیست یاران طریقت ازیں تدبیر ما

مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ کافر شیخ القرآن بھی ہوا کرتے ہیں؟ اس لئے پنڈت، دیانند، سرسوتی، ڈولڈ بکے، ہیل، رچرڈ ٹبل وغیرہ کو اگر کوئی شیخ القرآن سمجھے تو تعجب کی بات نہیں۔ (معاذ اللہ)

۲...... اگر یہ دستخط محض دفع الوقتی کے لئے کڑی مجبوری کئے تھے تو دو صورتوں میں سے ایک صورت ہو سکتی ہے۔ یعنی اگر نفاق کا لبادہ اوڑھا تو ان کا رشتہ عبداللہ بن ابی سے جا ملا یا تقیہ کی لوئی اوڑھی تو ان کا سلسلہ عبداللہ بن سبا سے جا ملا۔ بہرحال جو بھی صورت ہو ان شیوخ کو مسلمان ثابت کرنے کے لئے نہ کوئی علم کلام کام دے سکتا ہے نہ کوئی تاویلات کا ہتھیار کام آسکتا ہے۔

اس دستخطی لغزش کی توجیہ خود شیخ لاشے نے ایک موقع پر فرما دی۔ واقعہ یوں ہے ایک مرتبہ شیخ القرآن ڈھوک زمان داخلی چکڑالہ تشریف لائے تقریر کے بعد کو لوٹے تو قاضی عمر الدین صاحب مشایعت کے لئے ساتھ ہوئے۔ راستے میں شیخ سے سوال کیا: نبی کریم ﷺ عند القبر صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں یا نہیں؟ شیخ جی نے جواب دیا: ہم کو یہ بھی یقین نہیں کہ آپ کا وجود مبارک صحیح موجود ہے یا مٹی ہو چکا ہے۔ قاضی عمر الدین نے کہا تو پھر حیات النبی ﷺ کے مسئلہ پر دستخط کیوں کئے تھے؟ شیخ نے اب باصواب لاجواب فرمایا کہ کیا کرتے اگر دستخط نہ کرتے تو بندہ ایک بھی ساتھ نہ رہتا۔

یہ ہے صاحب جواہر القرآن کی قرآن دانی کا جوہر۔ یہ ہے صاحب جواہر التوحید کی توحید کا حدود اربعہ یعنی بندے ساتھ ہونے چاہئیں ایمان رہے یا نہ رہے۔ یہ توحید کے دعوے، یہ سنت کے نعرے، یہ شیخ القرآنی کے چرچے، یہ دیوبندیت کے پروپیگنڈے، محض سوانگ ہیں۔ ایکٹنگ ہے کہ کس طرح بندے اپنے گرد جمع کئے

جا سکیں۔ یہ ہے جواہر القرآن اور یہ ہے جواہر التوحید: روٹی تو کسی طرح طور کما کھائے مچھندرا

ان پانچ تکفیری بموں کے بعد وہ صفایا ہوا کہ دنیا سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹ گیا لے دے رہ گئے تو بندیالوی، نیلوی، گجراتی اور چتوڑ گڑھی باقی رہے نام اللہ کا۔ ارے ظالموا پنے شیخ القرآن کو بھی کافر بنا کے چھوڑا:

تمہارا تھا دوستدار حالی اور اپنے بیگانے کا رضا جو سلوک اس سے کئے یہ تم نے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجئے گا

یہ تھا ان لوگوں کے شغل تکفیر کا ماحصل اب ہم ان کے ان ہذیانات کا جائزہ لیتے ہیں جو اپنے اصل عقیدہ کے ساتھ یہ لوگ ضمناً بیان کرتے ہیں۔

۱...... بچہ جمہورے نے کہا کہ ایک بت خدا نے بنائے ہوئے ہیں جیسے محمد رسول اللہ ﷺ! بابا نے خوش ہو کر کہا یہ جوان میری کمی پوری کرے گا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی چیز بے مقصد نہیں بنائی جاتی۔ یہ انسان کی فطرت ہے تو یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ خالق انسان کوئی چیز بے مقصد بنائے۔ بت بنانے کا مقصد کیا ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پوجا پاٹ اور پرستش کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اس کے بغیر اس کا کوئی مقصد نہیں۔ البتہ زمانہ حال میں ایک اور مقصد وضع کر لیا گیا ہے اور وہ ہے ڈیکوریشن۔

اس اصول کے تحت ظاہر ہے کہ انسانوں نے جو بت بنائے وہ پوجا پاٹ کے لئے بنائے تو سوال یہ ہے کہ خدا نے بقول ان ملاحدہ کے جو بت بنایا کس مقصد کے لئے بنایا۔ اگر خدا پرانے خیال کا ہے تو اس کا مقصد بھی وہی پوجا پاٹ کرنا ہوگا۔ اگر ماڈرن ہے تو اس کا مقصد ڈیکوریشن ہو سکتا ہے۔ بہرحال ان ملاحدین کے نزدیک محمد رسول اللہ ﷺ کی حیثیت ان دونوں میں سے ایک ہے یا دونوں ہیں۔ اگر خدا نے بت پوجا پاٹ کرانے کی غرض سے بنایا تو اس کی پوجا پاٹ کرنا عین رضائے خداوندی ہے اور پوجا کرنے والوں کی حیثیت مقصد تخلیق کو پورا کرنے کی ہوئی۔ پھر شکوہ کیا اور گلہ کیوں۔

اور اگر مقصد دوسرا ہے تو پھر حضور اکرم ﷺ کا رسول، ہادی، مزکی، معلم ہونا سب حیثیتیں ختم ہوگئیں۔ پھر رسالت پر ایمان کہاں سے ڈھونڈو گے۔ استاد اور شاگرد دونوں ایسے جاہل بلکہ اجہل ہیں کہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ جو بکواس وہ کر گئے ہیں اس کا مفہوم اور مطلب کیا ہے اور یہ بکواس کرنے کی اپنی حیثیت کیا متعین ہوتی ہے: کہ خدا خود بت گر ہے۔

۲...... دوسرے بزرجمہر فرماتے ہیں حیات کے مدعی اپنے نبی کریم ﷺ کو قبر سے نکال لیتے تاکہ لوگ صحابی کا درجہ حاصل کر لیتے۔

ان حضرات جہالت مآب کو اتنا علم بھی نہیں کہ صحابی ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ اوّل حیات دنیوی اور مکلف ہونا۔ دوم اسی دنیائے آب وگل میں تکلیف شرعی کی شرط کے ساتھ صحبت کا شرف حاصل ہونا۔ کیا ان دونوں شرطوں کا امکان ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں تو پھر شرف صحابیت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ خیر یہ تو نیلوی صاحب کی جہالت کا شاہکار ہوا۔ دوسری طرف حضور اکرم ﷺ کو قبر سے نکال لانے کی بکواس کرنا۔ یہ ان کی ڈھٹائی اور دریدہ دہنی کی دلیل ہے۔

عقیدہ نمبر ۷: قرآن کی تفسیر کرنے میں انسان رسول خدا ﷺ کی تفسیر یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا ائمہ تفسیر کی تفسیر

کا محتاج نہیں بلکہ جس طرح سمجھ آئے تفسیر بیان کر دے۔ اوّل تو یہ اصول ان کی جہالت کا ایک اور شاہکار ہے۔ اگر ان لوگوں نے کسی سے نہیں بلکہ از خود ہی قرآن پڑھا ہوتا تو "لتبین للناس مانزل الیھم" ایک ایسی حقیقت ہے کہ انسان وہ نہیں کہہ سکتا جو انہوں نے کہی۔ مگر شرط یہ ہے کہ قرآن پر ایمان ہو کہ اللہ کی کتاب ہے اور کتاب ہدایت ہے۔ کیونکہ قرآن کی تبیین نبی ﷺ کے فرائض میں داخل ہے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ نبی تو اپنے فرض کی بجا آوری کے لئے قرآن کی تبیین تفسیر تشریح کرتا ہے۔ مگر امت کہتی ہے ہم قرآن کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کے محتاج نہیں۔ کہیئے کوئی جوڑ ہے ان دونوں باتوں میں۔

ہاں ایک صورت ہے کہ اگر قرآن کو محض ایک ادب پارہ سمجھا جائے تو ہر ادیب کو حق ہے کہ اپنی سمجھ کے مطابق معنی اخذ کرتا رہے۔ مگر اس صورت میں قرآن کیا ہوا دیوان غالب بن گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عین غین پارٹی قرآن کے کتاب ہدایت ہونے پر ایمان نہیں رکھتی۔ بلکہ ایک محض ادبی شاہکار سمجھتی ہے۔ گویا ان بے چاروں پر ایک تہمت لگائی جاتی ہے کہ ان کا اللہ کی کتاب پر ایمان ہے۔ ظاہر ہوا کہ یہ اس تہمت سے بالکل بری ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب اصول یہ ٹھہرا کہ جس کی سمجھ میں قرآن کی جو تفسیر آئے وہی درست ہے تو آپ نے آسمان سر پر کیوں اٹھا رکھا ہے کہ ہماری بات سنو۔ دین ہم سے سیکھو، توحید ہم سے سیکھو، قرآن ہم سے سیکھو یعنی کسی کی نہ مانو، ہماری مانو! بھائی تمہاری کیوں مانیں۔ تم کوئی مافوق البشر مخلوق ہو۔ جب تم عقل سے اتنے پیدل ہو کہ خود اصول قائم کر کے خود توڑتے ہو تو تم پاگلوں کے پیچھے کون چلے۔ جب ہر شخص کو حق ہے کہ اپنی سمجھ کے مطابق قرآن کی تفسیر کرے تو تم اپنی سمجھ کو دوسروں پر مسلط کرنے کا حق کہاں سے لائے ہو۔ جب کہ تمہاری سمجھ کو سمجھ کہنا ہی پرلے درجے کی ناسمجھی ہے۔ کیوں کہ تمہاری سمجھ تو ایسی مادر پدر آزاد ہے کہ نہ وہ رسول کی محتاج، نہ صحابہ کی محتاج، نہ ماہرین علماء کی محتاج، نہ جانے کس بدرو میں بہتی ہوئی آپ کے قابو آ گئی۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر قرآن ایسا ہی بازیچہ اطفال ہے تو حقیقت کا لفظ بے معانی ہے اور دین کا مفہوم بس موم کی ناک ہے۔ جدھر چاہو پھر وا اور جو صورت چاہو تیار کر لو۔ جتنے آدمی اتنی سمجھیں، جتنی سمجھیں اتنے دین۔ پھر یہ جو کافر کافری رٹ لگا رکھی ہے حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے لیبل سے باطل مذہب یا تحریک چلانے کا واحد کامیاب نسخہ یہی ہے کہ رسول سے رشتہ منقطع کر کے قرآن کو اپنی خواہشات کا تابع بنالو۔ نام قرآن کا لو بات اپنی کہو۔ آپ تحقیق کر کے دیکھ لیں۔ اسلام کے نام سے جتنے باطل فرقے منصۂ شہود پر آئے سب نے اسی نسخہ سے کام لیا۔ قرآن کے الفاظ کو آڑ بنائے رکھو۔ مگر بات اپنے مطلب کی کہو۔ ہاں ایک فرقہ جسے غلطی سے اسلامی فرقہ سمجھا جاتا ہے ذرا دلیر واقع ہوا اور اس نے اعلان کر دیا کہ یہ وہ قرآن ہی نہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ لطف یہ ہے کہ الہامی کتاب کے بغیر الہامی مذہب کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے اور دنیا میں ہزاروں ایسے "سادے" مل جاتے ہیں جو اسے اسلام ہی سمجھتے ہیں:

جفائیں بھی ہیں، فریب بھی ہیں، نمود بھی ہیں، سنگسار بھی ہے
اور اس پہ دعویٰ حق پرستی اور اس پہ یاں اعتبار بھی ہے

جب ان لوگوں کے سامنے کسی مفسر کا قول پیش کیا ہے تو ان کا جواب ایک چلتا ہوا فقرہ ہوتا "ھم رجال و نحن

رجال" یعنی وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں۔ مگر یہی وہ سب سے بڑی غلط فہمی ہے جس میں یہ لوگ گرفتار ہیں۔ انسان تو وہ ہوتا ہے جس میں انسانیت ہو۔ شرافت ہو، تیس مار خان بننے کے لئے ہم رجال ونحن رجال کا نعرہ نہایت کار آمد ہتھیار ہے۔ مگر واقعات کی دنیا میں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ: اے بسا ابلیس آدم روئے ہست!

اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ:

گر بصورت آدمی انسان بدے — احمد و بوجہل خود یکساں بدے

مگر ان کے اس قول سے پہلے تو ثابت ہوا کہ:

۱...... قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس کی حقیقت جس کا صحیح مفہوم نہ صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ سکے نہ چودہ صدیوں میں کوئی مفسر سمجھ سکا۔ اس کو سمجھے تو بس یہی لوگ سمجھے۔

۲...... دوسری بات یہ قیاسات فقیہہ کا علم جس کے دفتر کے دفتر موجود ہیں اور جس کو علمائے مجتہدین نے اپنی خداداد اجتہادی قوت سے کتاب اللہ اور سنت رسول سے اخذ کیا اور جس پر دین کا دارومدار ہے، سارے کا سارا ناقابل اعتبار ہوا۔ کیونکہ وہ سب بقول ان کے اقوال الرجال ہیں۔

ان لوگوں کی انسانیت کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

۱...... (ندائے حق ص ۱۵) (صاحب تسکین الصدور) فرضی سلف، فرضی جمہور، فرضی اکابر کی رٹ لگانا چھوڑ دے۔

نیلوی صاحب کی اس فرضی حیثیت کا ماحصل یہ ہے کہ دین اسلام جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل ہو کر آیا وہ فرضی سلف ہیں۔ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم، جمہور تابعین اور جمہور علمائے مجتہدین نے دین کی علمی خدمت کی۔ وہ سب فرضی ہیں اور وہ اکابر جن میں متقدمین و متاخرین سب شامل ہیں اور اکابر دیوبند بھی انہیں میں شامل ہیں سب فرضی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دین ہی سارا فرضی ہے۔ یہ ٹولا بس اصلی سلف، اصلی جمہور اور اصل اکابر کا ہے: خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ یہ ہے ان کی انسانیت کی معراج!

۲...... (ندائے حق ص ۶۷) پر صاحب تسکین الصدور اور دیگر علمائے دیوبندی کو بناسپتی دیوبند فرمایا ہے۔

واقعی اصل دیوبندی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ تمام اکابر دیوبند کو کافر قرار دیا جائے اور یہ آپ لوگوں کا ہی دل گردہ ہے۔ یہی انسانیت ہے کہ جن کا نام بیچ کر کھاؤ انہیں کو کافر بھی کہو۔ اس کے بغیر حق نمک کیسے ادا ہو سکتا ہے۔ یہ ان کی انسانیت کا دوسرا ثبوت ہوا۔

۳...... (ندائے حق ص ۱۸) تسکین الصدور کے متعلق لکھتے ہیں کہ: دوکان میں جتنا سامان ہے معلوم ہو جائے گا کہ کس قیمت اور قدر و منزلت کا ہے اور جمہور سلف اکابر کے کیپسولوں میں کس قدر زہر بھر دی گئی ہے جس کی مضرت نسلاً بعد نسل مہلک اور تباہ کن ثابت ہوگی۔

یعنی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم، احادیث اور اکابر امت کے اقوال تو زہر کے کیپسول ہیں۔ آب حیات ہے تو اس مین فین پارٹی کے پاس۔ یہ اور بات ہے کہ اس چشمے کا منبع کہیں نظر نہیں آتا۔ لے دے کے یہ چشمہ پھوٹتا ہوا نظر آتا ہے تو ان کی ہوائے نفس سے یا ان کے پیٹ سے۔ کیونکہ دین تو سارا صحابہ رضی اللہ عنہم ہی سے نقل ہو کے آیا اور وہ ٹھہرا زہر۔ بس تریاق ہے تو اسی ٹولہ کے پاس۔ وہ رے نیلوی انسانیت!

۴...... علاقہ بہاول پور گھلواں میں عنایت اللہ گجراتی اور سعید واعظ موجود تھے۔ایک عالم نے علامہ ابن کثیر کی عبارت پیش کی تو سعید صاحب کا جوہر انسانیت جوش میں آیا تو کہنے لگے پہلے اس کے نام کو دیکھو۔ابن کثیر کوئی اچھا ہوتا ہے یعنی ابن کثیر کے معنی حرامی ہیں۔ یہ ہے وہ انسانیت جس پر ناز ہے۔ اشاعت التوحید والسنہ کا مبلغ اعظم عنایت اللہ گجراتی بیٹھا ہے اور یہ بکواس سن رہا ہے۔

۵...... (اقامۃ البرہان سجاد بخاری ص ۲۴) ترمذی صاحب اور ان کے حضرت والا اگر واقعی مخلصانہ اصلاحی کوششوں کا جذبہ رکھتے تو اس خدمت اسلام کا آغاز انہیں اوپر سے کرنا چاہئے تھا۔ جواہر القرآن کا نمبر تو بہت بعد میں تھا۔ سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، پھر حضرت نانوتویؒ، اس کے بعد شیخ الہندؒ، پھر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی اصلاح کی جاتی۔جن کے تفردات کا نمونہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔ پھر خاص طور سے پہلے انہیں اپنے پیر مرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ان کتابوں کی اصلاح وتطہیر فرماتے جن میں ایسا مواد موجود ہے مثلاً ضعیف، شاذ، منکر بلکہ موضوع حدیثیں بلا انکار تعبیہ بے سروپا حدیثیں بے سند اور گمراہ کن کرامتیں جن کو اہل بدعت اپنے عقائد زائفہ اور اپنی بدعات مخترعہ کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں۔جن کی وجہ سے تبلیغ توحید کے مشن کو بعض اوقات کافی سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

یعنی شیخ القرآن کے پہلے خلیفہ جناب سجاد بخاری صاحب توحیدی ثم اصلی دیوبندی کے نزدیک بگڑے ہوئے لوگوں میں سرفہرست شاہ ولی اللہ دہلوی کا نام آتا ہے۔ پھر بگاڑ کے اعتبار سے علیٰ حسب مراتب حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہند اور حضرت انور شاہ کاشمیری کے نام آتے ہیں اور بگاڑ بدرجہ اتم جس شخص میں پایا جاتا ہے وہ مولانا اشرف علی تھانوی ہیں۔جن کا علمی سرمایہ بقول اصلی دیوبندی کے شاذ منکر، ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کے بغیر کچھ نہیں اور جو بقول ان کے صرف ضال ہی نہیں مضل بھی ہیں۔گمراہ ہی نہیں گمراہ کن بھی ہیں یا للعجب۔علمائے دیوبند جسے حکیم الامت کہیں اور اکابر دیوبند کے شیخ الشیوخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی جن کی علمی اور تحقیقی صلاحیتوں کے معترف ہوں۔ وہ اصلی دیوبندیوں کے نزدیک توحید کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہوں۔ یہ ہے وہ انسانیت جس پر ناز کرتے ہوئے یہ بہروپئے "ھم رجال ونحن رجال" کی بڑہانکتے ہیں۔

۶...... حضور اکرم ﷺ کا جلیل القدر صحابیؓ ان کے نزدیک جنگلی ہے دوسرا صحابیؓ جو استاذ العلماء شمار ہوتا ہے ان کے نزدیک غیر فقیہہ اور غیر عادل ہے۔اب کون ان کی انسانیت میں شک کر سکتا ہے۔

۷...... افضل البشر بعد الانبیاء ابوبکر صدیق ان کے نزدیک کافر ہے۔اب بتائیے ایسی سکہ بند انسانیت کے نمونے کسی شریف انسانی معاشرہ میں مل سکتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۸: عذاب وثواب صرف روح کو ہوتا ہے۔(اقوال مرضیہ محمد امیر بندیالوی ص ۶۶) میت تو پتھر ہے اس میں نہ زندگی ہے نہ ادراک، اس لئے اس کو عذاب ہونا محال ہے۔یہ عقیدہ ابن ہبیرہ اور ابن میسرا کا ہے۔برعظیم میں یہ عقیدہ ہندوؤں کا ہے جنہوں نے روح کے عذاب کے لئے تناسخ کا عقیدہ ایجاد کیا ہے۔

عقیدہ نمبر ۹: عذاب وثواب نہ بدن کو ہوتا ہے نہ روح کو۔(جواہر القرآن غلام اللہ خان ص ۲، ۴، ۹) عذاب وثواب نہ روح کو ہوتا ہے نہ بدن کو ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ پھر کس کو ہوتا ہے؟ جواب یہ ہوا کہ کسی کو نہیں ہوتا۔ یہ عقیدہ کفار کا ہے اور قرآن کی بیسیوں آیات کا انکار صرف اس عقیدے سے ہوتا ہے۔ مگر ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ منکر قرآن بھی شیخ القرآن ہوتے ہیں۔ (جواہر القرآن ص ۲، ۴، ۹) شیخ قدس سرہ کی تحقیق یہ ہے کہ برزخ میں لذت والم اور سرور و عذاب روح کو ہرگز نہیں ہوتا۔ آخری جملے میں فرمایا البتہ اسے لذت و سرور کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ شیخ کی تحقیق کا ماخذ کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ماخذ بیان نہیں ہوا۔ لہٰذا شیخ سے مراد خود شیخ القرآن ہی ہیں۔ مگر یہ پیراگراف "حافظہ نباشد" کا شاہکار ہے۔ پہلے جملے میں فرمایا کہ "لذت والم اور سرور و عذاب روح کو ہرگز نہیں ہوتا۔ آخری جملے میں فرمایا البتہ اس سے لذت و سرور کا احساس ہوتا ہے۔ اس تضاد کو کون رفع کرے؟ مگر لطف یہ ہے کہ ایسی بے تکی ہانکنے والے مفسر القرآن بھی ہوتے ہیں اور شیخ القرآن بھی کہلاتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۱۰: (شفاء الصدور ص ۱۰) تمام ارواح اپنے اپنے مقام پر یا عذاب میں ہیں یا راحت میں۔ عالم برزخ میں ان کے لئے جسم مثالی ہیں۔ ان مٹی کے جسموں سے ان کا کوئی تعلق نہیں جو ارضی ہیں، عنصری ہیں اور زمین کے گڑھوں میں دفن ہیں۔

روح کو عذاب ہوا مگر روح تو بقول آپ کے جسم مثالی میں ہے تو کیا جسم مثالی بھی اس عذاب سے متاثر ہوتا ہے ظاہر ہے جب روح کو عذاب ہو رہا ہے تو وہ جسم کیسے متاثر نہ ہو جس میں وہ روح موجود ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب ہوتا ہے روح اور جسم مثالی کو۔ یعنی "کھائے پیئے کوکری دھون بھنائے جننہ" مرے کرے جسم عنصری اور مار کھائے جسم مثالی۔ گناہ کرے جسم عنصری اور عذاب ہو جسم مثالی کو۔ واہ رے کافرانہ توحید! اللہ تعالیٰ کے عدل کا کیا خوب تصور پیش کیا ہے۔

ان عقائد پر ایک طائرہ نگاہ ڈالئے ان میں سے کوئی عقیدہ کافروں سے لیا، کوئی رافضیوں سے، کوئی منکرین حدیث سے، کوئی صالحیہ سے، کوئی کرامیہ سے اور مجموعے کا نام رکھ دیا۔ "اصل تے وڈی توحید"

بہر حال ان کا کوئی عقیدہ ایسا نہیں جسے اکابر دیوبند کا عقیدہ کہا جا سکے یا اس پر عقیدہ اہل السنت کا اطلاق ہو سکے۔ بلکہ کوئی عقیدہ ایسا نہیں جسے اسلامی عقیدہ کا نام دے سکیں۔ اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن حضرات نے ان عقائد کو حرز جان بنا رکھا ہے انہیں کیا سمجھا اور کہا جائے۔ یہ سوال واقعی بڑا مشکل ہے۔ مگر آپ ذرا چشم تصور کے سامنے ایک ایسے جانور کی صورت لائیں جس کا سر گدھے کا ہو، منہ بندر کا ہو، کان ہاتھی کے ہوں۔ دھڑ بھیڑیا کا ہو۔ آپ اسے کیا نام دیں گے۔ ظاہر ہے کہ آپ اسے کوئی نام نہیں دے سکتے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں یہ عجیب الخلقت جانور ہے۔ بس ان لوگوں کے متعلق بھی یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ نہ دیوبندی ہیں، نہ حنفی ہیں، نہ اہلسنت والجماعت سے ان کا کوئی تعلق، نہ اسلام سے ان کا کوئی واسطہ ہے ان میں سے کسی نام سے انہیں پکارا نہیں جا سکتا۔

اس لئے ان ناموں کو چھوڑ کر اور جس نام سے انہیں چاہو سمجھو اور پکارو۔ مگر اس حقیقت سے خبردار رہو کہ یہ نہ دیوبندی ہیں یا حنفی ہیں اور نہ اہلسنت والجماعت میں سے ہیں۔ ہاں یہ اپنے قول کے مطابق منکر القرآن، منکر حدیث، منکر اجماع، منکر تواتر ہیں اور ندائے حق کو تسلیم ہے ایسا منکر یقیناً کافر ہے۔

❖❖❖

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں ہر اس عقیدہ سے، قول وفعل سے بری ہوں جو قرآن کریم کی آیت کے مخالف ہو یا صحیح حدیث رسول ﷺ کے خلاف ہو یا جمہور سلف صالحین جو مشہود ہیں ساتھ خیر کے یا جمہور مجتہدین کے خلاف ہو یا سواد اعظم بڑی جماعت مسلمانوں کے خلاف ہو۔

''ھا انا بریٔ من مقالۃ صورۃ مخالفۃ لایۃ من ایات اللہ وسنۃ قائمۃ من رسول اللہ ﷺ او اجماع القرون المشھود لھا بالخیر ومختارہ جمھور المجتھدین ومعظم سواد المسلمین'' خبردار! میں ہر اس قول سے بری ہوں جو کسی آیت کے مخالف صادر ہوا ہو یا اجماع سلف صالحین جن کی خیریت کی شہادت رسول خدا نے دی ہے اور اس کو جمہور مجتہدین نے اختیار کیا ہو اور مسلمانوں کی بڑی جماعت نے۔

یہ میرا عقیدہ ہے جو بیان کر دیا ہے۔

فائدہ: دین وہی ہے جو ان مذکورہ حضرات کے تعامل سے ثابت ہوا ہو۔ ہم نے دین کو صرف قرآنی الفاظ سے یا صرف حدیث سے نہیں سمجھا بلکہ ہم نے تعامل امت سے سمجھا ہے۔ آیا رسول خدا ﷺ نے قرآن وحدیث کے احکام ومطالب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کس طرح اور کیا سمجھائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر کس طرح عمل کیا۔ اسی طرح تبع تابعین نے تابعین سے کیا سمجھا اور کس طرح عمل کیا اور باقی امت کو کس طرح تعلیم دی اور کس طرح عمل کرایا۔ ان تین زمانوں کی خیریت اور اچھائی اور نیک صالح ہونے کی خود رسول کریم ﷺ نے خبر دی ہے۔ ''خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم'' سب سے اچھا زمانہ میرا اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ پھر جو ان کو ملے گا پھر جو ان کو ملے گا۔

ان تین زمانوں کے بعد جمہور مجتہدین اور جس کو سواد اعظم نے سنبھالا اور عمل کیا۔ یہ دین ہے جو ہم کو ان سے بصورت توارث ملا۔ جس کو تواتر توارث کہا جاتا ہے۔ تعامل امت ایک مستقل تواتر ہے جس کو تواتر توارث کہا جاتا ہے۔ دین ہم کو اکابرین سے بطور توارث یعنی میراث کے ملا ہے۔ ہم نے جب ہی قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کی یا حدیث رسول ﷺ کو سمجھنے کی کوشش کی تو بطور توارث کے کی کہ ہمارے سلف صالحین اور جمہور مجتہدین نے اس آیت یا اس حدیث کا کیا مطلب سمجھا اور شاگردوں کو سمجھایا۔ کسی کو اس وقت حق حاصل نہیں کہ اپنی خود رائی سے اپنی تحقیق کو متقدمین کی تحقیق سے بڑھائے یا آگے بڑھے۔ اگر سلف صالحین کا لحاظ نہ رکھا گیا تو ہر بے دین جس طرح چاہے گا اپنے برے عقیدے کی بنا پر اپنے عقیدہ کے مطابق قرآن کا معنی بیان کرے گا اور مطلب قرآن کریم کو خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے نازل فرما کر اس کی صحیح تشریح وتفسیر کے لئے رسول خدا ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ کا ہر قول ہر فعل اور تقریر اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول وفعل قرآن کریم کی صحیح تفسیر وتشریح ہے۔ قرآن کریم کے اوّل مفسر خود رسول خدا ﷺ ہیں۔ نمبر دوم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، سوم پر تابعین ہیں۔

رسول کریم ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت تمام دین اور قرآن وحدیث کی امانت کا بوجھ امت کے کندھوں پر رکھا اور آپ کی روحانی اولاد نے تمام دین کو سینوں اور سفینوں میں محفوظ کر کے اس کی پوری پوری حفاظت کی۔ قرآن وحدیث کی صحیح جو تشریح وتفسیر رسول خدا سے منقول ہوگی قرآن کے ان معنی تفسیر کو بھی امت نے پوری طرح محفوظ کر دیا۔ جس طرح الفاظ قرآنی کو یاد کیا ا. رحافظہ میں آ گیا اسی طرح تفسیر قرآن بھی آ گئی۔ پھر امت مرحومہ نے مسلسل ہر دور، ہر زمانے میں اس کی حفاظت کی اور مہر ثبت کی، ضروریات دین کی حفاظت کی۔ آج کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ خود محقق بن کر نئی تشریح یا تفسیر کرے۔ جو سلف صالحین نے نہیں کی۔

تفسیر مظہری زیر آیت: ''واعتصموا بحبل اللہ جمیعا'' یوں فرمایا: ''اذا کان حال من فاعل واعتصموا معناہ کونہ مجتمعین فی الاعتصام یعنی خذوا فی تفسیر کتاب اللہ تاویلہ ما اجتمع علیہ الامۃ ولا تذھبوا الی خبط آرائکم علی خلاف الاجماع'' جمیعاً حال جب اعتصموا کے فاعل سے واقع ہوا تو معنی یہ ہوں گے کہ تم جمع ہو کر چنگل لگا لو یعنی خدا کی کتاب کی تفسیر وتاویل وہ لو اور پکڑو۔ اس پر عمل کرو جس پر پوری امت مسلمہ کا اتفاق اور اجماع ہو نہ خبط، خبط خلاف اجماع امت اپنی کے پیچھے پڑ کر خلاف امت معنی قرآن وتفسیر قرآن بیان کرو۔ یعنی جو تفسیر سلف صالحین اور متقدمین مفسرین نے نہیں کی۔ اس پر عمل نہیں کیا اس پر تم بھی نہ عمل کرو نہ اس کو تفسیر سمجھو بلکہ غلط اور خبط سمجھو۔

نوٹ: میں جہاں ع بولوں گا، ع سے عنایت اللہ شاہ گجراتی مراد ہوگا اور جہاں غین بولوں گا، غ سے شیخ القرآن غلام اللہ خان مراد ہوں گے۔

سوال: اگر عین غین کی ذریت کے سامنے یہ بات پیش کی جائے کہ سابقہ مفسرین یا شراح حدیث نے یہ آپ کا بیان مضمون اور مطلب تو نہیں بیان کیا۔ کسی تفسیر میں یہ معنی نہیں تو تم سابقہ امت کے خلاف اور مخالف بیان کر رہے ہو تو عین غین کی ذریت جواب دیتی ہے کہ وہ مفسرین اور شراح محدثین بھی انسان ہی تھے۔

الجواب: ان کی معنوی ذریت کو ٹھیک ہے وہ انسان ہی تھے، انسانی نسل میں تھے اس کا کس کو انکار ہے۔ میرا تو عقیدہ ہے انسان سے بڑی شان والی بڑی فضیلت والی، بڑے درجہ والی خدا کی مخلوق میں کوئی دوسری قوم نہیں۔ اگر انسان سے بڑی شان، بڑی فضیلت والی کوئی قدم ہوتی تو رسول اکرم ﷺ کو اسی قوم سے پیدا کیا جاتا۔ میرا عقیدہ ہے یہ تو ظاہر کہ رسول اکرم ﷺ باعتبار جسم قالب کے اور باعتبار اس جسمی غلاف کے تو اولاد آدم اور بنی آدم ہیں لیکن باعتبار روح کے آپ سب کے امام اور امام الانبیاء علیہم السلام ہیں اور تمام کے باپ ہیں اور حقیقت میں تمام کمالات تو کمالات روحی ہیں۔ چونکہ حقیقت انسانی روح ہی ہے اور جسم خاکی تو قالب وغلاف اور بمنزلہ لباس کے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام، اولیائے عظام کا موضوع بحث روح رسول اور قلب رسول ہوتا ہے۔ روح وقلب رسول سے بحث کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے رسول خدا کو ان انسانوں کو انسان بنانے کے لئے بھیجا تھا۔ جو درندوں سے بدتر زندگی بسر کر رہے تھے اور رسول خدا کو انسان سازی کا طریقہ بتایا اور تعمیر سیرت کی تعلیم بھی خدا نے دی۔ جن کو رسول خدا نے انسان بنایا ہے۔ ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ ہمارے پیشوا مقتدیٰ، رہبر، ہادی تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جن کو بزکیہم کی کٹھالی میں ڈال کر صاف کر کے انسان بنایا تھا۔ وہ تابعی ہیں انہوں نے جن کو اس کٹھالی میں ڈال

کرانسان بنایا وہ تبع تابعین تھے۔ یہ خیرالقرون کے زمانہ کے ہیں ان کی اتباع اور سواد اعظم اور بڑی جماعت کی اتباع قرآن وحدیث نے فرض کردی جس کا تعلق عقائد سے ہے۔ عقائد دلائل عقلیہ اور سمعیہ سے ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح ضروریات دین بھی ان انسانوں کے خلاف چلنے والے کوان کی مخالفت کرنے والے کو قرآن کریم دوزخی اور جہنمی کہتا ہے۔ حدیث اس کو خارج از اسلام کہتی ہے۔

''قال تعالٰی ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا (النساء:۱۱۵)'' بعد ظاہر ہوجانے واضح ہوجانے ہدایت کے جس نے رسول خدا ﷺ کی مخالفت کی اور سابقہ مسلمانوں کی راہ ترک کر کے نئی راہ نکال لی تو ہم اس کو اس طرف چلائیں گے جس پر وہ چل رہا ہے اور اس کو سیدھا جہنم میں داخل کریں گے اور بڑی بری جگہ ہے۔

''وقال النبی ﷺ من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه'' جو شخص ایک بالشت ہی مسلمانوں کی جماعت سے دور ہوا اس نے اسلام کی رسی کو اپنی گردن سے دور کردیا وہ اسلام سے نکل چکا ہے۔

اس آیت سے ایک تو اجماع امت ثابت ہوا، دوم سواد اعظم مسلمانوں کی بڑی جماعت خاص کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کی مخالفت کو رسول خدا ﷺ کی مخالفت فرمایا۔ یہ نہ فرمایا کہ جس نے قرآن کی راہ ترک کردی یا حدیث رسول کی راہ ترک کردی چونکہ یہ گمراہ یہ کہہ سکتا تھا اور کہہ سکتا ہے کہ میں تو کتاب وسنت کا صحیح متبع ہوں۔ خاص کر چوہدری غلام احمد پرویز اور عین، غین اور ان کے معنوی ذریت اپنے آپ کو قرآن کے ٹھیکیدار بیان کرتے ہیں اور مدعی ہیں کہ قرآن کو ہم نے سمجھا اور اس پر عمل کیا۔ مگر قرآن کریم نے اس الحادی اور زندیقی رگ کو کاٹ دیا۔ فرمایا: ''یتبع غیر سبیل المؤمنین'' جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور سواد اعظم کی راہ ہے اس کو ترک کرنا قرآن کو ترک کرنا ہے اور مخالفت رسول خدا ہے۔ یہ نہ صرف ان مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دین تعامل امت مرحومہ کا نام ہے۔ مگر متبعین ع غ فرماتے ہیں کہ متقدمین مفسرین خواہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین ہوں وہ بھی انسان تھے ہم بھی انسان ہیں۔ ہم انسانوں کے تابع نہیں ہونا چاہتے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ یہ انسانوں کے تابع ہوکر ان کی راہ پر چلنا نہیں چاہتے کہ وہ انسان تھے۔ اچھا چلو۔ انسان کی راہ غیر پسند ہے تو شیطان کی راہ کھلی ہے جس پر دل چاہے فرمالی جائے۔

ان کے اس قول سے واضح ہوگیا کہ یہ اس راہ پر نہیں جس کو محمد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیش کر کے ان کو اس پر چلایا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین کو چلایا تھا۔ بلکہ ان کی راہ سابقہ مسلمانوں اور مسلمانوں کی بڑی جماعت کے خلاف ہے۔ اس امت کے یہ فرد نہیں۔

قول وفعل صحابی غیر معتبر ہے ان کے ہاں لو جناب ندائے حق مولوی محمد امیر بندیالوی، مولوی محمد حسین نیلوی کی (ص۱۹) پر: ''مولانا موصوف کو تسکین لکھتے وقت یہ قاعدہ بھول گیا تھا کہ صحابی کا قول وفعل حجت نہیں۔'' پھر اسی کتاب کے (۳۰۴) پر یوں فرماتے ہیں: ''ضعیف حدیث پھر عمل ایک جنگلی کا۔'' جب صحابی کا عمل حجت نہیں تو جنگلی کے عمل کا کیا مقام ہے۔

اسی کتاب کے (ص ۳۰۳) پر فرماتے ہیں: ''کشف، خوابیں، جنگلیوں کا مذہب آپ کو ہی نصیب ہو۔''

پھر اسی کتاب کے (ص ۳۰۵) پر لکھا ہے: ''جب خیر القرون کا چراغ سحری ٹمٹما رہا تھا جنگلیوں کا عمل کس قاعدے اور کس اصول کے تحت حجت ہو سکتا ہے۔''

اور (ندائے حق ص ۱۴۵) پر فرماتے ہیں: ''اسی طرح بیسویں حدیثیں ایسی ہیں جن میں راوی صحابی کا فہم بھی معتبر نہیں۔ چہ جائے کہ بعد کے رواۃ فہم معتبر اور حجت ہے۔''

اسی کتاب کے (ص ۱۳۵) پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جن سے بیسیوں جلیل القدر صحابہ جن میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہم نے احادیث لیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی توہین کی ہے جن کی حدیثیں جو رسول خدا سے روایت کی ہیں ۵۳۷۴ بنتی ہیں۔ یہ تو میں نے محتاط انداز سے لکھا ہے اس کی توہین صاحب ندائے حق نے جو کی ہے۔ پھر بیہقی کی بھی صرف الی ان قال ''صرف ایک صحابی غیر معروف الفقہ والعدالۃ یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ملی ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا قول رسول یا فعل رسول یا تقریر رسول بیان کرتے ہیں۔ یہ ان کا قول فعل تھا۔ جس کو ذریت عین غین و نیلوی صاحب۔ ان کے اقوال اسی طرح تابعین کے اقوال تبع تابعین کے محدثین مفسرین فقہاء کے لفظ ''قولے بٹھلے اپنے پاس رکھو'' چلو ان کو قولے بٹھلے ہی سمجھ لیں تو یہ قولے بٹھلے دودھ گھی اور شہد کے تھے۔ آپ کے تو قولے بٹھلے پیشاب پاخانہ کے ہیں۔ دودھ گھی کے برتن چھوڑ کر آپ کے بول و براز کے قولے بٹھلے لے لیں۔ یہ تم کو نصیب ہوں، متقدمین کے ہم کو۔

جس کو نیلوی صاحب جنگلی جنگلی بار بار کہہ کے توہین کر رہے ہیں۔ کسی کی توہین کرنی ہو تو اس سے بڑی توہین نہیں ہوتی کہ کسی کو کہا جائے کہ ''جا جنگلیا'' زیادہ کرنی ہو تو کہا جاتا ہے (جنگلی جانور) بہرحال جنگلی ایک بے علم جاہل پر بولا جاتا ہے جس کو نیلوی صاحب جنگلی کہہ رہے ہیں وہ صحابی جلیل القدر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ نام اس کا حضرت بلال بن حارث ہے۔ مزنی قبیلہ سے ہے۔

یہ واقعہ فاروقی خلافت ۱۷۔۱۸ھ کا ہے۔ دیکھو تاریخ ابن خلدون (ج ۲ ص ۹۴۹) اور (البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۷ ص ۹۲) پوری سند سے نقل کیا ہے اس واقعہ کو اور (فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۴۸) اور (وفاء الوفا سمہودی ج ۲ ص ۴۲۱) اس واقع کو میں نے حیات برزخیہ میں علامہ ابن تیمیہ سے بھی نقل کیا ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ سخت قحط تھا۔ حضرت بلال بن حارث مزنی نے روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمائیں کہ خدا بارش فرمائے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خواب میں ملے اور فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہو دعا کریں۔ بارش ضرور ہو گی۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا اور بارش ہوئی۔ اس صحابی کو نیلوی صاحب جنگلی کہہ رہے ہیں۔

میں کہتا ہوں جو صحابی رسول کو جنگلی کہے اس کو جنگلی جانور کہا جائے۔ میرے خیال میں بعید نہ ہوگا ایسا گستاخ نعوذ باللہ من الھذیان، عین غین کی معنوی ذریت کہتی ہے۔ یہ واقعہ خواب کا وہ دلیل کیسے بن سکتا ہے شرعی مسئلہ کی۔

الجواب: استدلال خواب سے نہیں بلکہ قول صحابی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اس پر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ اجماع سکوتی ہے۔ ہاں آپ نے ٹھیک کہا جب آپ کے نزدیک قول و فعل سرے سے حجت یعنی دلیل ہی نہیں قول صحابی رضی اللہ عنہ، فعل صحابی رضی اللہ عنہ سے کسی شرعی مسئلہ پر دلیل لانا آپ کے نزدیک جائز نہیں ہے تو یہ فعل و قول کب دلیل ہوگا۔ ان کا عقیدہ ہے

کسی صحابیؓ کے قول یا فعل سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا۔ نہ یہ قول و فعل دلیل ہیں۔ جب شرعی دلیل نہیں تو مسئلہ شرعی ان کے قول و فعل سے کب ثابت ہوگا جیسا حضرت بلال بن حارث مزنی جلیل القدر صحابیؓ کے قول کو نیلوی صاحب جنگلی کا قول اور جنگلی کا فعل فرمارہے ہیں یہ بے مغز خرافات کون سنے۔

اس ملعون و مردود عقیدہ کا جواب غور سے سنو! یہ تو حال دیکھا۔ حضرت بلال مزنی رضی اللہ عنہ کا۔

دوئم: اوّل لکھ آیا ہوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نیلوی صاحب نے غیر فقیہ اور غیر عادل لکھا ہے۔ حالانکہ اہلسنت کا عقیدہ ہے "الصحابۃ کلھم عدول" یعنی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں۔ مگر نیلوی صاحب کو اہل السنت کے عقیدہ سے کیا واسطہ۔ ان کو تو ہین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مقصود تھی وہ کردی ہے۔ اس توہین صحابہ رضی اللہ عنہم کا ثواب حاصل کرلیا ہے۔ اہل سنت کے عقیدہ پر رہتے تو اس توہین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ثواب سے محروم ہو جاتے۔

اچھا نیلوی صاحب اور آپ کے چیلے چانٹے اور رعین فین اور ان کی معنوی ذریت ذرا یہ بتائیں کہ جب قول و فعل صحابی حجت نہیں یعنی شرعی دلیل نہیں کہ کوئی مسئلہ دین کا قول و فعل صحابیؓ سے ثابت کیا جاسکے تو تابعی اور تبع تابعین کا تو بطریق اولیٰ دلیل نہ ہوگا۔ فرمایئے! جب رسول خدا ﷺ نے دعویٰ نبوت کا فرمایا تھا کہ میں خدا کا رسول ہوں، آخری نبی ہوں، خاتم النبیین ہوں، قرآن آخری کتاب ہے، میری شریعت آخری شریعت ہے تو اس وقت تین فرقے تھے اور صرف تین ہی تھے۔ اوّل اہل کتاب یہود و نصاریٰ، دوئم مشرکین عرب، سوئم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے آپ کو کس کا قول مقبول و منظور ہے اور آپ کے نزدیک حجت ہے۔ اہل کتاب معاذ اللہ ثم معاذ اللہ آپ ﷺ کو دجال سے تعبیر کرتے تھے اور بدترین دشمن تھے۔ مشرکین عرب وہ مجنون و ساحر، کاہن سمجھ کر قتل پر تیار تھے۔ اب رہا گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا۔ تم نے اور تمہارے ٹولے نے ان کا قول فعل قابل اعتبار نہ سمجھا تو دعویٰ نبوت کی چشم دید جماعت ساقط ہوگئی۔ اب بتایئے کہ آپ کے پاس نبوت کی کون سی دلیل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فرمانا کہ رسول خدا ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا یہ غیر معتبر ہے تو نبوت اور دعویٰ نبوت غیر معتبر۔ لہٰذا تمہارا اس قول کے قائل نبوت سے ایمان ساقط۔ قول صحابیؓ سے نبوت ثابت نہ ہوئی وہ دلیل پیش کریں جس سے آپ لوگوں کا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان رہ سکے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر چار قسم کے دلائل ہمارے پاس ہیں:

۱...... سابقہ آسمانی کتابوں کی پیش گوئیاں، آپ ﷺ پر صحیح اتری تھیں۔ ان پیش گوئیوں کے آپ صادق امین ہیں۔

۲...... آپ ﷺ کے مقدس معجزات، آپ ﷺ کی نبوت کی بیّن دلیل ہیں۔ جو بغیر تائید باری تعالیٰ صادر نہیں ہوسکتے۔

۳...... آپ ﷺ کی مقدس تعلیم جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی محبوب رب العالمین کی تعلیم ہے نہ کسی اور کی۔

۴...... چہارم دلیل نبوت کمالات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

سابقہ کتب آسمانی کی پیش گوئیوں کے ناقل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، معجزات کے ناقل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تعلیمات کے ناقل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جب ناقلین کا قول غیر معتبر ہوا حجت نہ ہوا تو نبوت محمد رسول اللہ ﷺ سے ایمان ساقط ہوا۔ ایمان گیا جب ناقل اور ناقلین نبوت مجروح ہوئے ان سے اعتماد اٹھ گیا تو منقول عنہ سے اعتماد بطریق اولیٰ اٹھ گیا۔

نبوت کے تینوں دلائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر موقوف ہیں۔قول صحابہ غیر معتبر ہوا تو تینوں دلائل غیر معتبر ہوئے۔
ہاں شاید نیلوی جماعت مشرکین عرب کا قول معتبر سمجھ لیں کہ شرک سے ان کو محبت بھی بڑی ہے۔ان کا مبارک وظیفہ بھی یا مشرک، یا مشرک، یا مشرک ہے۔اللہ تعالیٰ یا درود شریف سے دوری ہے۔لوگو! خوف خدا کرو۔ یہ سنی نما رافضی ہیں۔نیلوی پیلوی مبلغ روافض ہیں۔سنی بن کر شیعہ مذہب کا پرچار کرتے ہیں۔کیوں نیلوی صاحب! شیعہ حضرات کا یہی عقیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق نہیں ہے جو جناب اور جناب کی پارٹی کا ہے۔
دوم: نزول قرآن کے چشم دید گواہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی نے نزول قرآن کا مشاہدہ کیا۔اوّل گواہ نزول قرآن کے ہوئے ہیں۔قرآن کریم انہی سے نقل ہوا۔عالم میں پھیلا اور شائع ہوا اور جس دعویٰ کے گواہ غیر معتبر اور غیر حجت ہوں وہ دعویٰ کب ثابت ہوسکتا ہے بلکہ دعویٰ بھی جھوٹ ہوا۔اب بتاؤ قرآن کریم سے ایمان ساقط ہوا یا نہ ہوا۔آپ کو قرآن کریم کا کتاب اللہ ہونا کس دلیل سے معلوم ہوا وہ دلیل لائیں۔اوّل ناقلین جب قابل حجت نہ ہوئے۔کیوں نیلوی صاحب! یہی مذہب شیعہ کا ہے یا نہیں ہے۔جب یہ مذہب شیعہ کا ہے جس کو آپ اور آپ کی پارٹی اختیار کر چکی ہے تو پھر آپ خود بتائیں آپ شیعہ مبلغ ہوئے یا نہ ہوئے۔
جب نبوت کا دعویٰ غیر معتبر ہوا، نزول قرآن مشکوک ہوا تو آپ جو بڑا دعویٰ کرتے ہیں توحید کا، آپ نے کس دلیل سے توحید باری سمجھ رکھی ہے۔محمد رسول اللہ ﷺ نے ہی تو توحید صحیح ہمیں بتائی۔جب حضور ﷺ کی نبوت آپ کے مذہب میں مشکوک۔نزول قرآن مشکوک، صحابہ رضی اللہ عنہم غیر معتبر تو آپ نے اس توحید جس پر ایمان رکھتے ہیں کس دلیل سے سمجھ رکھی ہے وہ دلیل لائیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا واسطہ اٹھ جانے کے بعد میں دیکھتا ہوں کہ آپ کس دلیل سے توحید باری مان رہے ہیں۔صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساقط ہونے سے توحید باری بھی آپ کے مذہب میں ساقط، آپ نے اصل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نا قابل اعتبار نہیں کہا بلکہ دین کے ہر ہر جزو کو نا قابل اعتبار کہا ہے۔آپ کا ایمان دین کے کسی جزو پر ثابت نہیں ہوسکتا۔جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے اور صحیح غلام نہ بن جاؤ گے اور جب تک اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین کی صحیح دلیل قرآن کی صحیح تفسیر حدیث کی صحیح شرح نہ سمجھو گے۔اس وقت تک نہ قرآن پر ایمان ثابت ہوگا نہ توحید پر، نہ نبوت پر، نہ قیامت پر۔بلکہ دین کے کسی جزو پر ایمان ثابت کرنا محال ہے۔
آپ عیسائیوں کے بھی مبلغ ہیں، حیات عیسیٰ اور موت رسول کریم ﷺ کی ثابت کر کے آپ عیسائیوں، مرزائیوں دونوں کے مبلغ ہیں۔آپ مرزائیوں، قادیانیوں کے مبلغ اس طرح ہیں کہ جو آیات قرآنی، وفات حضرت عیسیٰ پر پیش کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہیں اور علمائے کرام ان کو بتوں پر محمول کر کے جواب دیتے آئے۔نیلوی عین غین اور ان کی معنوی اولاد نے انہی آیات قرآنی کو پڑھ کر اسی طرح استدلال کرتے آرہے ہیں جس طرح قادیانی کرتے تھے اور کرتے ہیں۔قادیانیوں نے عدم سماع پر اور وفات حضرات انبیاء علیہم السلام پر انہی آیات سے بالکل اس طرح استدلال کیا جس طرح اب یہ فرقہ باطلہ کر رہا ہے۔درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔
کیوں نیلوی و ڈاکٹر عثمانی وغیرہ! آپ اور قادیانیوں میں کیا فرق ہے۔جب ان کی اور آپ کی کلام میں فرق نہیں تو تم کو مبلغ قادیان اور قادیانی کہنے میں کیا حرج ہے۔
اب رہا عیسائیوں کا مبلغ ہونا در پردہ عیسائی مذہب کی تبلیغ کرنا۔مخلوق کو دھوکہ دینا کہ ہم توحید و سنت کی اشاعت کر رہے ہیں۔ٹھیک ہے یہ نام اگر آپ لے کر مرزائیوں اور عیسائیوں کی نہ کریں تو آپ کی بات کو سنے کون؟

آپ کا مذہب کئی فرقوں کا معجون مرکب ہے۔ صالحیہ، کرامیہ، معمریہ، بلریہ، معتزلہ، خارجیہ، رافضیہ وغیرہ۔ کہیں کی اینٹ، کہیں کا روڑا، بھان متی نے فرقہ جوڑا!

صالحیہ اور کرامیہ باطل فرقوں کا یہ مذہب ہے۔ خاص کر فرقہ کرامیہ کا کہ جب نبی رسول مر گیا تو نبوت رسالت بھی اس کی مر گئی۔ چونکہ نبوت رسالت صفت وجودی ہے۔ یہ وجود موصوف کو چاہتی ہے۔ جب وجود موصوف موجود ہی نہیں تو نبوت بھی موجود نہیں رہے گی۔ لہٰذا اب صحیح کلمہ یوں ہوگا (لا الہ الا اللہ کان محمد رسول اللہ) یعنی یہ کلمہ حکایت ہوگا۔ حال زمانہ ماضیہ کی کہ محمد رسول اللہ ﷺ خدا کا رسول تھا زمانہ ماضی میں۔ اسی طرح جو کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا جاتا ہے وہ بھی زمانہ ماضیہ کی حکایت ہوگا، نہ حقیقی و تحقیقی کلمہ۔ لہٰذا نہ اب بعد موت رسول خدا حقیقی رسول ہیں نہ ہی کلمہ حقیقی کلمہ ہے۔

اسی مسئلے میں (ندائے حق طبع جدید ص ۸۰۴) پر نیلوی صاحب کہتے ہیں: رسالت و نبوت دراصل روح کی صفت ہے نہ (جسد عنصری مع الروح) مطلب یہ ہے نبی کریم ﷺ کا جسم نبی نہیں صرف روح رسول ہے۔ روح ہی نبی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بدن نبوت و رسالت سے خالی رہے۔ نہیں بلکہ یہ ثابت ہوا کہ کسی نبی نے نہ دین کی دعوت دی نہ توحید کی، کیونکہ یہ دعوت تو جسم نبی علیہ السلام کا حصہ زبان دیتی رہی اور جسم کی صفت رسالت نہیں۔ لہٰذا رسول نے رسالت کی دعوت نہیں دی۔

بدن جو غیر رسول ہے وہ دعوت دیتا رہا۔ غیر رسول کی دعوت کا کیا اعتبار۔ پھر یہ صحابہ کی جماعت بھی محض افسانہ ہے۔ کیونکہ نبی اور رسول تو روح ہے کسی صحابی نے روح رسول کی زیارت نہیں کی۔ بدن تو غیر رسول ہے اس کی زیارت سے صحابی کیسے بن گئے۔ یہ سب سازش ہے اصل یہ ہے کہ نہ کوئی رسول آیا نہ کوئی دعوت دی، نہ کوئی امت معرض وجود میں آئی۔ یہ ہے پین فین پارٹی کی توحید، صالحیہ اور کرامیہ کا ریکارڈ بھی مات کر دیا۔

نیلوی صاحب نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ: ”صاحب تسکین سے یہ بات بھی مخفی نہ ہوگی کہ انسان اس گوشت پوست ہڈیوں پٹھوں خون وغیرہ کا نام نہیں ہے اور نہ اس ڈھانچہ کا نام ہے جو ہمیں نظر آتا ہے۔“ (ندائے حق طبع اوّل ص ۴۰)

یعنی جو نظر آتا ہے وہ انسان نہیں اور جو انسان ہے وہ نظر نہیں آتا۔ اب نیلوی صاحب سے کوئی پوچھے کہ: آپ جو نظر آرہے ہیں انسان تو نہیں ہیں کیونکہ نظر جو آرہے ہیں۔ پھر آپ کیا ہیں۔ غالباً اسی حقیقت کی بنا پر آپ نے اپنے نام کے ساتھ نیلوی کا لفظ بطور لاحقہ لگایا ہے۔ یعنی محمد حسین وہ ہے جو انسان نہیں ہے اس کی نسل اس جانور سے چلتی ہے جس کو پنجابی میں نیلہ کہتے ہیں۔

اور عیسائیوں کی تبلیغ یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ تو مر گئے ان کی نبوت بھی مر گئی، کلمہ بھی مر گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ رسول موجود ہیں۔ ان کی نبوت بھی زندہ ہے، ان کا کلمہ بھی زندہ ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ مردہ نبی کو چھوڑ کر زندہ نبی کے تابع ہو جائیں۔

دوسری طرف مجدد دین شرک نے صالحیہ، کرامیہ، عیسائیہ کے آواز بلند کر کے آمین کر کے شروع کر دیا کہ نبی مر گیا، وجود ختم ہوا، اس وجود کے ساتھ روح کا کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ روح کا تعلق جسم مثالی سے ہے اور وجود محفوظ ہے تو پتھر کی طرح پڑا ہے (معاذ اللہ) اور نیلوی صاحب نے (ندائے حق ص ۲۵۲) پر درفشانی فرمائی، رسول

اکرم ﷺ کی توہین کرتے ہوئے ذرا الفاظ نیلوی کو دیکھیں: ''روایت پیش کرو جس سے ثابت ہو کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وصیت کی ہو میں مرنے کے بعد زندہ تو ہو جاؤں گا مگر مجھے زندہ در گور ہی رہنے دینا۔''

الفاظ ''زندہ در گور'' توہین پیغمبر خدا ہے۔ جواب آ رہا ہے۔ اب مسلمانو! تم خود بتاؤ کہ صالحیہ، کرامیہ، عیسائیہ اور مجدد دین شرک کی تبلیغ میں کیا فرق ہے۔ ان تمام کا دعویٰ واحد ہے، دلائل واحد ہیں۔ جب پھل واحد ہے تو درخت شریف بھی واحد۔ اب جمہور مسلمانوں اور اسلام کا عقیدہ سنو: ''الانبیاء لا یموتون بل ینتقلون من دار الی دار ای ینتقلون من دار الدنیا الی دار البرزخ وھم احیاء فی عالم البرزخ یصلون ویتمتعون فیھا بل الموت جسر لھم یوصلھم الی الحبیب'' انبیاء علیہم السلام مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں یعنی دار دنیا کو ترک کر کے دار برزخ کو چلے جاتے ہیں اور وہ عالم برزخ میں زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں اور نعمتیں کھاتے ہیں بلکہ موت ان کے لئے بمنزلہ پل کے ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کو اپنے رب العالمین تک پہنچاتی ہے۔

تمام قرآنی آیت اسی پر دال ہیں کہ ہر انسان خواہ وہ انبیاء علیہم السلام ہوں اس دنیا کو چھوڑ کر دار برزخ کو جائے گا۔ موت سے کسی کو انکار نہیں۔ ہم نے کب کہا کہ انبیاء علیہم السلام دار دنیا میں زندہ ہیں۔ ہم کہتے ہیں وہ عالم برزخ میں زندہ ہیں۔ عدم زندگی برزخی پر کوئی آیت دال ہے یا حدیث تو پیش کریں۔ ہم انہیں برزخ میں زندہ جانتے ہیں اور ہمارے پاس اس ثبوت کے لئے دلائل باہرہ موجود ہیں جن میں سے اب میں اس جگہ بھی ایک پیش کرتا ہوں۔ جس میں ذرا انصاف ہوا تو قبول کرے گا۔

''قال تعالٰی: والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ (النحل: ۴۱) وقال النبی ﷺ ما بین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ ومنبری علی حوضی'' جن لوگوں نے راہ خدا میں ہجرت کی بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا تھا۔ ان کو ضرور میں زمین میں اعلیٰ اور افضل جگہ دوں گا۔

میرے گھر اور منبر کا درمیانی حصہ جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک حصہ ہے اور میرا منبر حوض پر ہے۔

فائدہ: دنیا میں قرآن کی آیات سے واضح ہوا کہ سب سے اعلیٰ جگہ روضہ رسول خدا ہے۔ اوّل اوّل مہاجرین سب مہاجروں کے سردار ہیں۔ آپ اس آیت کے اوّلین مصداق ہیں اور حدیث نے واضح کر دیا کہ وہ اعلیٰ اور افضل جگہ روضہ رسول ہی مراد ہے۔ جو جنت کا ٹکڑا ہے اور تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ محدثین، مفسرین، فقہاء کرام اور متکلمین کا۔ جس مقام میں آپ ﷺ مدفون ہیں اس کی شان کعبۃ اللہ سے، کرسی سے، عرش سے، جنت سے اعلیٰ ہے۔ چونکہ یہ ٹکڑا جنت الفردوس سے دنیا میں آیا ہے۔ دنیوی احکام میں اس کے لوازمات اور احکامات سلب کر لئے گئے۔ مگر برزخ جو حصہ ابتدائی قیامت کا اس میں وہ احکام بدستور جاری وجاری ہیں۔ حوالہ جات حیات برزخیہ اور حیات انبیاء علیہم السلام میں دیکھیں یا مرقات شرح مشکوۃ دیکھیں، شامی دیکھیں، نسیم الریاض دیکھیں، زرقانی وغیرہ۔

علماء نے اس امر کی بھی تصریح کی ہے کہ جو مرکز ہے جسم رسول اکرم ﷺ کا اس کی شان جنت الفردوس سے بھی افضل ہے اعلیٰ ہے تو روح اقدس رسول اکرم ﷺ جنت الفردوس اعلیٰ مقام کو چھوڑ کر کسی دوسرے مفضول مکان کو کیسے قبول کرے گا۔ لہٰذا روح رسول کا تعلق پختہ اس مکان سے بھی ہو گیا جو افضل ترین ہے اور وہاں ہی وجود رسول اکرم ﷺ ہے اور وجود رسول اکرم ﷺ بفرمان رسول خدا ﷺ ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل

اجساد الانبیاء'' زمین پر خدا تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔انبیاء علیہم السلام کے وجود کو کھانا۔اس میں سوائے مجدد دین شرک کے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

دوم: جب یہ ثابت ہو گیا کہ روضہ اقدس اور بمعہ منبر روضۃ کے یہ تمام جنت کا ٹکڑا ہے تو جنت میں موت نہیں۔موت دنیا کے لئے ہے۔جنت میں سب زندہ۔لہٰذا مع صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما رسول خدا زندہ ہیں۔

سوم: جنت کی کسی چیز پر تغیر تبدل نہیں آتا وہ داخل ہونے سے لے کر آخر تک صحیح ہی رہے گی۔جیسا کہ قرآن کریم میں موجود ہے۔''قال یا آدم هل ادلک علی شجرة الخلد وملک لا یبلی (طٰہٰ:۱۲۰)'' شیطان نے کہا اے آدم علیہ السلام کیا میں ہمیشہ رہنے والے درخت پر دلالت یعنی رہنمائی نہ کروں اور ایسے ملک پر جو ہمیشہ یکساں رہے گا۔

''ان لک ان لا تجوع فیها ولا تعریٰ وانک لا تظمؤا فیها ولا تضحٰی (طٰہٰ:۱۱۸، ۱۱۹) وقال: وفاکهة کثیرة لا مقطوعة ولا ممنوعه (الواقعة:۳۱)'' اے آدمؑ اس جنت میں آپ کو نہ پیاس ہوگی نہ کپڑا بوسیدہ ہوگا نہ دھوپ ہوگی ہوگی اور نہ بھوک ہوگی۔جنت کے پھل بہت ہوں گے جو ختم نہ ہوں گے اور منع نہ ہوں گے۔

قرآن کریم سے ثابت ہوا کہ جنت کی ہر چیز دائمی ہے فانی نہیں۔حادث ہے کیونکہ وہ ملک ایسا ہے جس پر نہ فنا ہوگی نہ تغیر وتبدل ہوگا نہ ہی اس کی اشیاء پر فنا ہوگی۔نہ تغیر وتبدل ہوگا۔لہٰذا ثابت ہوا کہ وجود رسول زندہ ہے۔اس میں تغیر وتبدل ہونا محال ہے۔

سوم: جنت میں نیند نہیں کہ غفلت ہو، نیند اخت موت ہے۔

چہارم: روح رسول اکرم ﷺ مشاہدہ باری وانوار وتجلیات باری میں اس قدر منور اور مستغرق ہے کہ اس کا اثر بدن پر بھی پڑتا ہے جیسا کہ آگ میں لوہا جائے تو لوہے کا رنگ اور آگ کا رنگ ایک ہو جاتا ہے۔بوجہ اثر اندازی روح کے، بدن بھی روح کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور روح بدن کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔یعنی روح بذات خود برزخ میں مکلف ہو جاتا ہے جیسا کہ بدن دنیا میں بذات خود مکلف تھا تو بدن پر موت کا اثر جو ہوا وہ استغراق کی حالت کی طرح ہوا اور اب بھی بدن بوجہ تعلق روح اور اثر روح تجلیات باری میں استغراق میں ہوتا ہے۔انبیاء علیہم السلام دنیا میں جب سوتے تھے تو حالت استغراق میں ہوتے تھے نہ کہ قلب غافل ہوتا تھا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:''تنام عیناى ولا ینام قلبی'' میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

دیکھ لیا جہاں رسول اکرم ﷺ کا مرکز ہے قیام گاہ ہے اور جہاں آپ مکین ہیں کی شان جنت الفردوس سے اعلیٰ ہے مگر نیلوی صاحب مجدد مشرک، رسول اکرم ﷺ کے متعلق کہتا ہے ''زندہ در گور'' اس مجدد مشرک کے قلم کو سانپ ڈستا تھا اگر کہتا زندہ در جنت الفردوس ہیں۔

مگر اس کے دل میں توہین انبیاء علیہم السلام کی گندگی بھری ہوئی تھی وہ اس کو کیسے کہنے دیتی۔یہی وجہ ہے کہ جنت الفردوس کو گور کہہ رہا ہے۔یہ ٹکڑا قیامت میں جنت الفردوس میں رکھا جائے گا اور اسی میں آپ مکین ہوں گے جس میں آج مکین ہیں۔

نیز یہ مجدد دین شرک صرف روافض، قادیانیوں اور عیسائیوں کے مبلغ نہیں بلکہ یہ پرویزی فرقہ کے بھی مبلغ

اعظم ہیں۔ مولوی محمد امیر اور مولوی محمد حسین نیلوی کی کتاب (شفاء الصدور ص ۲، او ۱۰۳)" ویعلم ان الحجۃ ھی قول النبی ﷺ او فعلہ او تقریرہ دون اقوال الرجال والھامھم وکشوفھم وقیاسھم ومنامھم وما ذکرنا فی ھذا الباب منھا اقوال الرجال ومنھا افعالھم ومنھا کشوفھم ومنھا منامھم ثم منھا موضوعۃ ومنھا منکرۃ واما اخبار الرسول الصحیحۃ قلیلۃ جدا فان التواتر وقلک القلیلۃ ایضا ساقطۃ او مؤلۃ اذ ھی تخالف النصوص عمل الصحابۃ" (ان کا اپنا ترجمہ) یہ بھی معلوم ہے کہ حجت قول وفعل وتقریر رسول ﷺ تو بن سکتی ہے بزرگوں کے اقوال نہ ان کے الہام، نہ کشف، نہ خوابیں، نہ قیاسات متفرعہ اور جتنی روایات آثار وغیرہ گزرے ہیں خوابیں ہیں یا کشف اور اخبار رسول ﷺ صحیح کہاں؟ وہ بھی نصوص قطعیہ اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کے مخالف، تواتر کہنا ان کے بارے میں کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔"

یہ ترجمہ جو میں نے نقل کیا ہے وہی ہے جو مولوی محمد امیر بندیالوی نے کیا ہے۔ جو سارے کا سارا غلط ہے۔ اس غریب کو تو ہدایت النحو پر بھی قدرت نہ تھی۔ اپنے رسالے کا نام جو رکھا اس سے ظاہر ہے کہ یہ غریب تو علم سے واقف ہی نہ تھا، نام رسالہ "اقوال المرضیہ" جس کو یہ بھی خبر نہیں کہ یہ ترکیب اضافی ہے یا توصیفی یعنی مرضیہ بیگم کے اقوال۔ کیا خوب!

فائدہ: ان دونوں مجددین ومجتہدین شرک کی عبارتوں سے بڑے بڑے پوشیدہ راز ظاہر ہوئے جو ان کے عقائد کی قلعی کھولتے ہیں۔ غور کرنا:

۱...... کوئی حدیث رسول متواتر نہیں ہے۔ سب اخبار احاد ہیں۔

۲...... صحیح حدیثیں رسول اکرم ﷺ کی اقل قلیل ہیں۔

۳...... یہ اقل قلیل قابل اعتبار ہی نہیں۔ تمام بے کار اور ساقطۃ الاعتبار ہیں۔

۴...... اگر کوئی قلیل ایک آدھ حدیث صحیح نکل بھی آئے تو قابل اعتبار نہیں کہ اس میں تاویل ہوسکتی ہے اور ساقطہ مؤلہ ہے۔ یہ قضیہ مانعۃ الخلو ہے۔ مانعۃ الجمع نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ حدیثیں رسول خدا کی مؤل اور ساقط اعتبار ہیں۔ یعنی حدیث رسول ﷺ کی اول ان مجددین شرک نے تاویل کی اس کے بعد ان کو ساقط قرار دیا۔

۵...... یہ کہ تمام حدیثیں رسول کریم ﷺ کی قرآن کریم کی صاف صاف صریح نصوص قطعیہ کی مخالف ہیں۔

دوم یہ حدیثیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کے مخالف ہیں۔

نیلوی صاحب اور بندیالوی صاحب کی نقل کردہ عبارت سے یہ احکام واضح ہوئے۔

۱...... یہ کہ رسول خدا کی تمام زندگی میں رسول خدا ﷺ سے کوئی فعل اور قول عمل صادر نہیں ہوا جو رضائے الٰہی کے موافق ہو۔ بلکہ ساری زندگی رسول خدا ﷺ کی اللہ کی مخالفت اور خلاف ورزی میں گزری اور خدا تعالیٰ کا ایک حکم بھی رسول خدا نے نہیں مانا۔ جیسا ان کی عبارت ظاہر کرتی ہے "اذ ھی تخالف النصوص" کیونکہ یہ حدیثیں رسول خدا ﷺ کی، قرآن کی صاف اور صریح آیات مخالف ہیں اور حدیث نام ہے قول رسول، فعل رسول اور عمل رسول ﷺ کا یعنی رسول خدا ﷺ کے یہ تینوں فعل خدا کی مرضی اور قرآن کے خلاف صادر ہوئے۔ (نعوذ باللہ)

۲...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی پوری زندگی قول رسول ﷺ، فعل رسول، عمل رسول، تقریر رسول ﷺ کے خلاف بسر کی۔ پہلے ان مجددین شرک نے خدا اور رسول ﷺ کے درمیان دشمنی ظاہر کی۔ یعنی خدا نے رسول نہیں بھیجا

ایک دشمن پیدا کر دیا۔ (معاذ اللہ) مخالفت ثابت کی کہ قرآن، حدیث کے مخالف ہے اور حدیث، قرآن کے خلاف۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رسول خدا ﷺ میں عداوت، دشمنی اور مخالفت ثابت کی۔ یعنی رسول ﷺ تو قرآن اور خدا کے مخالف اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول کے مخالف۔ اب میں علماء سے درخواست کرتا ہوں کہ دین شریعت محمدی کہاں سے حاصل ہوئی۔

۶...... قیاسات فقیہہ کا علم جو دفتر کے دفتر موجود ہیں جس کو علمائے مجتہدین نے خداداد اجتہادی قوت سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے اخذ کیا۔ جس پر دین کا مدار ہے وہ سارے کا سارا بیکار اور ناقابل اعتبار رہا۔ کیونکہ یہ بھی اقوال الرجال میں سے ہے۔ نیز ان مجتہدین نے تو صاف قیاس بول کر ساقط کر دیا۔ جب حدیث غیر معتبر کر دکھائی تو قیاس مجتہد کی کیا ہستی ہے۔

۷...... یہ کہ قرآن کریم کی چودہ صدیوں میں بغیر ان مجددین شرک کے کسی نے نہیں سمجھا اور آج تک کسی متنفس نے منہ سے یا قلم سے یہ نہیں نکالا کہ احادیث رسول ﷺ پوری پوری غیر معتبر اور ناقابل اعتبار اور ساقط ہے۔ کیونکہ قرآن کی نصوص کے مخالف ہیں۔ نہ ہی یہ بات کسی محدث نے، نہ مفسر نے سمجھی، نہ ہی کسی کی سمجھ میں آئی۔ میں ان سے حیران ہوں کہ جب یہ اخباروں، اشتہاروں اور رسالوں میں جلسہ اشاعۃ التوحید والسنۃ کا نام لے کر لکھتے ہیں کہ سنت جب ساقط ہو گی غیر قابل اعتبار ہو گی۔ عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کی صریح مخالف ہوئی تو لوگوں کو کیونکر اشاعۃ السنۃ کا دھوکا دیا جاتا ہے۔

جس طرح دیوبندی کہہ کر دھوکا دیا جاتا ہے اور اس کے نام پر گداگری کی جاتی ہے اور میں اس سے بھی حیران ہوں جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا کہ ان دونوں مجددین شرک نیلوی اور بندیالوی نے لکھا ہے قول، فعل، عمل صحابہ رضی اللہ عنہم حجت نہیں، قابل اعتبار نہیں تو اب عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام لے کر حدیث کو کیوں کر گرایا۔ قول رسول، فعل رسول ﷺ بیکار رہا۔ قول صحابی رضی اللہ عنہ، فعل صحابی رضی اللہ عنہ غیر معتبر ہوا بتاؤ دین کس سے لیا۔ یہ دونوں مجددین شرک چوہدری غلام احمد پرویز سے بھی چار قدم آگے بڑھ گئے۔ مگر رہے پھر بھی دیوبندی ہی؟ ان پرویزی مبلغین کا حال دیکھو۔ حدیث کا مطلق انکار ہے خوب غور کر و حدیث کا انکار نہیں ہے انکار رسول ﷺ ہے، تکذیب رسول ﷺ ہے۔

شاباش! ارڑارٹ صفا باقی رہا خدا!

رسول اکرم ﷺ کی توہین میں ''زندہ در گور'' کے الفاظ سن لئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین سن لی۔ حدیث رسول اکرم ﷺ کا انکار سن لیا۔ قول فعل کی عزت دیکھ لی۔ اب تمام سلف صالحین جو صحابہ کرام ﷺ اور تابعین و تبع تابعین ہیں۔ اسی طرح جمہور بھی دو قسم کے ہیں۔ جمہور سلف صالحین اور جمہور خلف، متاخرین۔ اب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک علماء گزرے ہیں ان کی توہین و تحقیر بھی سن لیں۔

ملاحظہ ہو (ندائے حق ص ۱۴) ان قطعیات و یقینیات کے ہوتے ہوئے کسی سلف یا خلف اکابر یا اصاغر جماہیر ہوں یا مشاہیر کا قول فعل حجت نہیں بن سکتا۔

پھر اسی ندائے حق پر یوں گوہر افشانی فرمائی: ''فرضی سلف، فرضی جمہور، فرضی اکابر۔''

نوٹ: (ص ۱۶) کی عبارت سے کافی فوائد ظاہر ہوئے: عدم سماع موتی کی آیات قرآنی عدم سماع پر قطعی اور یقینی طور پر دلالت کرتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مولوی محمد امیر نیلوی صاحب، شیخ القرآن اور عنایت اللہ شاہ گجراتی سے پہلے ان آیات سے عدم سماع نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا، نہ تابعین نے، نہ جمہور علماء نے، نہ اکابرین، نہ مشاہیر

علماء نے، نہ اصاغر نے، نہ خلف نے، نہ کسی مفسر نے، نہ محدث نے، نہ کسی متکلم نے، نہ کسی فقیہ مجتہد نے اور نہ اصولیوں نے ہی سمجھا۔

محدث کبیر حافظ العصر حضرت انور شاہ صاحب نے مشکلات القرآن کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ قرآن کریم کی دو لاکھ سے زائد تفسیریں لکھی گئیں ہیں۔ اوّل کسی نے ان آیات سے جو بزعم خود مجددین شرک عدم سماع موتی پر پیش کر رہے ہیں جو قطعی اور یقینی دلالت بھی کرتی ہیں عدم سماع پر ان دو لاکھ میں سے کسی ایک مفسر نے نہ سمجھا خاص کر عندالقبر سماع وجواب سلام کا رسول اکرم ﷺ کا، ان آیات سے نہ سمجھا نہ ہی کسی نے اشارہ تک کیا کہ رسول خدا ﷺ کے سماع عندالقبر کی نفی پر یہ آیات قطعی اور یقینی طور پر دال ہیں کہ رسول خدا ﷺ عندالقبر بھی نہیں سنتے۔ ہاں! مجددین شرک ایک ہی جواب دے سکتے ہیں کہ سمجھتے تو سب تھے مگر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ دین شیعہ رکھا کتمان حق کیا کرتے تھے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

مجددین شرک کی معنوی ذریت یہی جواب عام دیا کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے۔

دوسری بات جو بڑی ظاہر کی ہے مجدد صاحب نے وہ یہ ہے کہ نہ کسی صحابیؓ، نہ کسی تابعی، نہ کسی تبع تابعی، نہ کسی امام، نہ مجتہد نہ مفسر، نہ محدث، نہ فقیہ نہ اصولی کا قول وفعل ودلیل حجت نہیں تو دوسروں کو کون قبول کرتا ہے۔ اب ان سے پوچھو دین تو ہم کو بطور توارث اور تواتر توارثی سے ملا ہے اور دین نام ہے تعامل امت مرحومہ کا امت نے جو ہم اوّل تھے اس نے دین پر عمل کس طرح کیا۔ لوگوں کو تبلیغ سے کس طرح بتایا۔ ہم نے دین کو صرف الفاظ قرآنی سے یا صرف الفاظ حدیث سے نہیں سمجھا بلکہ تعامل امت کو ساتھ ملایا۔ دین تعامل امت سے سمجھا، قرآن حدیث کو ہم نے بطور توارث سمجھا۔ اختلاف لفظ میں صیغہ اور آیت میں پیدا ہوا تو ہم نے اکابرین سلف صالحین، جمہور ومشاہیر امت کی طرف رجوع کیا کہ انہوں نے اس کا کیا مفہوم معنی مطلب بیان کیا ہے۔ اوّل گزر چکا ہے کہ جس طرح قرآن وحدیث کے الفاظ کی امت نے حفاظت کی ہے۔ اسی طرح قرآن وحدیث کے معنی شرح اور تفسیر کی بھی حفاظت کی ہے۔ آج کوئی سلف صالحین اکابرین جمہور سے ہٹ کر قرآن کی تفسیر یا حدیث کی شرح اپنی رائے سے بیان کرتا ہے اپنے مطلب کے لئے ہم اسے زندیق اور ملحد کہتے ہیں۔

تیسری بات اب ان مجددین شرک سے پوچھو کہ جب حدیث رسول تو سب ساقط کر دی تم نے، غیر معتبر ہوئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک کسی عالم کا قول وفعل حجت نہ ہوا تو آپ نے دین کہاں سے لیا وہ دلیل پیش کریں۔ جس سے تم نے قرآن کو خدا کی کتاب سمجھ رکھا ہوا اور دین کو دین حق سمجھ رکھا ہے۔ قرآن اور دین آپ کو کس نے دیا۔ آپ کا دین تو خانہ زاد ہے آپ کا دین دین محمدی ﷺ تو ثابت ہو سکتا ہی نہیں۔ شرک وبدعت، سماع عدم سماع کی بحث بعد کو کریں۔ اوّل اپنے دین کا ثبوت دیں۔

دین فرضی چیز ہے؟

(ندائے حق ص ۱۵) کی عبارت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعی، تبع تابعی اور جمہور علماء ومجتہدین سب فرضی ہیں۔ یعنی ایک موہومی چیز فرضی کا نام صحابیؓ، تابعی وغیرہ رکھ دیا ہے۔ جیسا ان کی عبارت سے عیاں ہے۔ جب یہ تمام سلف سے خلف تک فرضی نام ہیں۔ نہ کوئی صحابیؓ ہوا، نہ تابعی، نہ تبع تابعی تو دین تو بطریق اوّل فرضی۔ جن سے

دین آیا ان پر اعتماد تو بجائے خود رہا ان کے وجود ہی فرضی ہوئے۔ تو ان سے جو دین ملا وہ بھی فرضی ہو۔ شاباش مبارک ہو!

ہم بعد والوں نے دین کتابوں سے پڑھا۔ علماء و مشائخ سے حاصل کیا۔ ان سے کتابیں پڑھ کر کئی سو سال بعد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورا دین زبان رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا۔ براہ راست بغیر کسی واسطے کے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لسان یعنی زبان رسول خدا ﷺ ہیں اور بازوئے رسول خدا ﷺ ہیں۔ انہوں نے جو زبان رسول اکرم ﷺ سے سنا آگے بیان کر دیا۔ قول رسول کو تو قول صحابیؓ قول رسول ہوا اور فعل و عمل رسول خدا ﷺ کے ساتھ کیا ان کا فعل و عمل بھی فعل و عمل رسول ﷺ ہے۔ رسول خدا ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھیں، جہاد کیا، حج ساتھ کیا، روزہ ساتھ رکھا، ان کا یہ فعل و عمل حقیقتاً فعل رسول خدا ہے۔ مجدد دین شرک نے قول صحابیؓ، فعل صحابیؓ دونوں ساقط کر دیئے۔ قول صحابیؓ جو قول رسول ﷺ سے حجت نہیں اسی طرح فعل صحابیؓ حجت نہ ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول و فعل کے ساقط کرنے کے بعد زبان رسول کٹ گئی، بازوئے رسول ﷺ کٹ گئے۔ تمام دین زبان رسول ﷺ سے یا فعل و عمل رسول ﷺ سے ثابت تھا وہ دونوں ختم ہو گئے دین کا وجود ختم ہو گیا۔

اوّل ان حضرات نے قول و فعل صحابہ رضی اللہ عنہم کو رد کیا اور انکار کیا۔ اب ان کی صحابیت تابعین کی تابعیت اور تبع تابعین کی تبع تابعیت کا انکار کیا۔ جمہور علماء محدثین، مفسرین، فقہاء مجتہدین کے علوم کا انکار کیا کہ سب فرضی صحابیؓ، فرضی محدث و مفسر ہیں۔ میں علماء سے پوچھتا ہوں کہ خدا کے لئے اب تم ہی بتاؤ۔ دین اسلام کی انہوں نے بیخ و بن اکھاڑ کر رکھ دی ہے یا نہیں۔ کیا کوئی کسر باقی ہے؟ کیا یہی عقیدہ روافض کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق نہیں۔ کیا یہ عقیدہ پرویز کا نہیں۔ خدا کے لئے بتاؤ کہ یہ حضرات ان کے مبلغ ہیں یا اسلام کے اور پھر بھی یہ دیوبندی ہیں۔

ان کی دیوبندیت بالکل اسی طرح ہے جس طرح ایک بار پنڈت نہرو نے دلچسپ تقریر کی تھی اور خود نوشت سوانح کے اردو ترجمہ میں لکھا ہوا ہے کہ ہندو مذہب بھی عجیب مذہب ہے کہ وہ آدمی کا پیچھا کسی طرح نہیں چھوڑتا۔ میں کسی مذہب پر بلکہ خدا پر بھی یقین نہیں رکھتا لیکن اس کے باوجود ہندو ہوں اور مذہب میرے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ ان حضرات کا حال بھی یہی ہے۔ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم بلکہ تمام سلف صالحین کے اقوال و افعال بلکہ ان کی صحابیت کے بھی منکر ہیں۔ مگر پھر بھی دیوبندیت ان کے ساتھ چمٹی ہوئی ہے۔ اب ذرا دیوبندی بھی ان کی زبان و قلم سے اپنی عزت سن لیں۔

(ندائے حق ص ۶۷) پر ہے: "یہ بناسپتی دیوبندی فرماتے ہیں۔"

یعنی جو اصل دیوبندی ہیں وہ ان کے نزدیک بناسپتی دیوبندی ہیں۔ پھر کہتے ہیں "وہ لوگ اپنے مسلک کی تائید میں کسی ایرے غیرے نتھو خیرے کا قول کہیں نہ کہیں ڈھونڈ نکالتے ہیں۔"

فائدہ: یہ حضرت نیلوی جمہور علماء، مجتہدین، مفسرین، محدثین اور فقہاء کو ایرے غیرے کے الفاظ سے نواز رہے ہیں۔ یہ مجدد دین شرک گستاخ ہی صرف عالم ہیں۔ یہ صاف توہین ہے تمام علمائے کرام اہلسنت کی۔

اسی (ندائے حق ص ۶۸) پر یوں درفشانی فرماتے ہیں: "یہود و نصاریٰ بھی تورات انجیل کو چھوڑ کر اپنی ہاتھ سے لکھی ہوئی پوتھیاں ہی پیش کرتے ہیں۔"

کیوں نیلوی صاحب! جو کتاب ہاتھوں سے لکھی جائے وہ پوتھی ہو جاتی ہے۔ سب سے اوّل یہ بتاؤ کہ ندائے حق پوتھی آپ نے اپنے ہاتھوں سے لکھ کر اس پوتھی میں نہ انبیاء علیہم السلام کو جناب نے معاف کیا، نہ شہداء، اولیاء، صلحاء کو معاف کیا۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین تبع تابعین جمہور علمائے امت تک کو نہ بخشا۔ آپ کی اس پوتھی نے آپ کے عقیدے کا بھانڈہ پھوڑ کر رکھ دیا۔ آپ نے امت محمدیہ کو جو یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دی۔ اس نے آپ کو ننگا کر کے رکھ دیا۔ آپ کے نزدیک جو شخص بخاری، مسلم، صحاح ستہ پر عمل کرتا ہے وہ پوتھیوں پر عمل کرتا ہے۔ یہ بھی ہاتھوں سے لکھی ہوئی ہیں۔ اب قرآن کریم کی باری آتی ہے۔ اس پر آپ کا فتویٰ صادر ہوتا ہے۔

(ندائے حق ص ۲، ۳) پر لکھا ہے: ''صاحب تسکین جمہور کا بہت دلدادہ ہونے کے باوجود ایک ضعیف حدیث کا سہارا لئے بیٹھے ہیں۔ کیوں جناب! جمہور کے مذہب کی مدار ضعیف حدیثوں پر ہوتی ہے۔ جب عود روح کا مسئلہ آیا تو جمہور کا نام لیا اور ضعاف حدیثوں کا سہارا لیا جن کے ضعف کا اقرار خود حضرت نانوتوی نے کیا۔ جب قبر نبی ﷺ سلام وصلوٰۃ کا مسئلہ آیا جب بھی جمہور کا نام لیا اور من گھڑت حدیث کا سہارا لیا۔ اب باری آئی توسل بالذات والاموات کی۔ اس میں بھی جمہور کا نام لے کر اس من گھڑت حدیث کو اپنا مستدل بنایا۔ اگر جمہور کا یہی حال ہے تو ہم ایسی جمہور کی اتباع سے رہے۔ ہم جمہور سے علیحدہ ہی اچھے ہیں۔ ہم ایسے جمہور کے عاشق نہیں ہیں۔ ہم کو قرآن سنت واجماع مجتہدین کافی ہیں۔ یہ جمہور زنبور کشف خوابیں جنگلیوں کا مذہب آپ کو نصیب۔''

فائدہ: وظائف نبوت سے قرآن کریم نے تین وظائف بیان فرمائے ہیں: ''یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب (الجمعۃ: ۲)'' یعنی تلاوت کتاب نمبر ۱، دوم تعلیم و تعلم حکمت، یعنی سنت، سوم تزکیہ و تطہیر نفوس۔ معلوم ہوا کہ تلاوت آیات کتاب کے علاوہ تعلیم کتاب و حکمت کوئی جدا چیز ہے ورنہ جدا کرنے کا کوئی معنی ہی نہ تھا۔ بذریعہ واؤ عاطفہ کے۔ اسی طرح تزکیہ نفس و تطہیر نفس، تعلیم کتاب و تعلیم حکمت کے علاوہ تزکیہ نفس کوئی اور چیز ہے۔ رسول کریم ﷺ نے دنیا سے جاتے وقت اس وحی کی امانت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سپرد کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کی حفاظت سینوں اور سفینوں میں کی۔ بعد کی امت نے اس طرح حفاظت کی دنیا کا کوئی مذہب اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

قراء اور حفاظ نے تلاوت اور قرأت کی، الفاظ قرآن ادائیگی حروف اور لب ولہجہ کی حفاظت کی۔ تعلیم کتاب وسنت کی حفاظت مفسرین نے تشریح وشرح حدیث والفاظ حدیث کی حفاظت کی۔ متکلمین نے ایمان وایمانیات اور عقائد کی حفاظت کی۔ فقہاء مجتہدین نے قرآن وحدیث میں غوطہ لگا کر احکام کے موتی نکالے۔ ان جزیاتی اجتہادی احکام کو مدون کیا۔ ان کی حفاظت کی۔ تزکیہ صوفیہ کرام نے لیا۔ حال رسول ﷺ، رسول ﷺ کی قلبی کیفیات، رسول ﷺ کی اندرونی سوز گداز رسول ﷺ کی حفاظت نسبت احسانی کو محفوظ رکھا۔ روح رسول ﷺ وقلب سے بحث کر کے ان کی حفاظت کی۔ علمائے صرف نحو ومعانی نے اشتقاق ولغت نے ان علوم کی تدوین کی۔

غرض جس گوشہ سے دین کی حفاظت کی ضرورت پیش آئی اس کو پورا کیا اور اس اسلامی باغ کو سدا بہار اور سرسبز وشاداب بنایا۔ اس اسلامی باغ میں اگر کوئی غلط وگندہ بوٹا پیدا ہوا جو باغ اسلامی کو نقصان دیتا ہو تو اس کو علمائے امت نے بیخ وبنیاد سے اکھاڑ پھینکا اور اسلامی باغ میں ہمیشہ گندے پودے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور مذکورہ ائمہ مجتہدین اور مفسرین، محدثین، فقہاء کرام، صوفیہ عظام، متکلمین انہیں اکھیڑتے رہتے ہیں۔ جنہیں آج نیلوی صاحب

زنبور کہہ رہے ہیں اور اپنے بھنگ کے پودے کو دین پکار رہے ہیں۔ نیلوی صاحب کو یہ ہوش نہ آیا کہ جس غلاظت اور غیروں کا سڑا ہوا ملغوبہ عیسائیوں اور قادیانیوں اور کرامیہ، صالحیہ اور روافض کے افکار وعقائد کو لے کر دین اسلام میں داخل ہو کر اس کو دین کہہ رہے ہیں۔ یہ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

دوسروں کی غیر مذاہب کی نجاست کو لے کر مسلمانوں کو مشرک گری میں پوری زندگی بسر کر دی اور صلحاء امت کی توہین کا بیڑا اٹھا لیا۔ خدا کی قسم اسلام میں بڑے بڑے بڑے فرقے پیدا ہوئے مگر اتنی توہین صلحاء امت کی کسی نے نہیں کی، جتنی مجددین شرک نے کی ہے۔ شیعہ نے صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین میں عمر ضائع کی۔ مگر اس فرقہ مجددین شرک نے نہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو معاف کیا نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ شہدائے عظام کو اور نہ اولیاء اللہ کو نہ صلحاء امت کو۔ حتیٰ کہ کسی صاحب قبر کو بھی نہ بخشا۔

۱...... جس کتاب میں سماع موتی کا جواز مذکور ہو یا کسی ولی اللہ کی کرامت کا ذکر ہو یا انبیاء علیہم السلام کی حیات وسماع کا ذکر ہو یا ان کی فضیلت کا ذکر اس کتاب سے تمسخر اڑایا جاتا ہے جیسے کتاب الروح ابن قیم۔

۲...... ان کے نزدیک حدیث کی صحت وسقم اور ضعیف ہونا یا موضوع ہونا سند پر نہیں نہ جرح راویوں پر ہے بلکہ صرف سماع موتی پر یا فضیلت انبیاء علیہم السلام خاص کر فضیلت وشان محمد رسول اللہ ﷺ اور سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر وقت روضہ اطہر پر حاضری کے یا حیات انبیاء علیہم السلام ہے۔ جس حدیث میں فضیلت رسول اکرم ﷺ موجود ہو یا حیات نبی کریم ﷺ کا ذکر ہو وہ حدیث ان کے ہاں موضوع ہیں یا کم از کم ضعیف تو ضروری ہے۔ مدار صحت وسقم حدیث کا حیات انبیاء یا فضیلت انبیاء نہ سنو گے۔ یا مشرک یا مشرک کا ذکر ہوگا یہ ان کا درود ہے۔

جو کتاب ردی کی ٹوکری میں ڈال کر پھینکنے کے قابل ہو اور اس کے مصنف کو کوئی جانتا تک نہ ہو اس میں ذرا بھر ان کے عقیدہ کی تائید مل سکتی ہو وہ کتاب بھی معتبر، مصنف بھی معتبر۔

۴...... ایک مسلمان کتنا نیک صالح عابد، زاہد ہو موحد ہو دن رات درود شریف، تلاوت قرآن واستغفار کا وظیفہ پڑھتا ہو ان لوگوں کے ہاں وہ بھی مشرک ہے۔ جب تک ان کا بتایا ہوا وظیفہ کا ذکر نہ کرے۔ ان کا وظیفہ یا مشرک یا مشرک دس مرتبہ پڑھے تب مسلمان ہے ورنہ مشرک ہے۔ ان کے ہاں انسان کی عند اللہ مقبولیت وعدم مقبولیت صرف وظیفہ یا مشرک ہے۔

۵...... ان کے ہاں قرآن دانی مفسر قرآن ہونے علم بالقرآن، عالم بالحدیث اور عالم بالفقہ ہونے کا مدار صرف چند آیات پر ہے جو حضرت نوح، حضرت صالح، حضرت ہود اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کی امت کے کفار ومشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ ان آیات کو پڑھ کر امت محمد یہ ﷺ پر چسپاں کرنے پر ہے اور چار صیغوں کے جاننے پر ہے۔ یدعوا، تدعوا، دعوا، ندعوا۔ ان میں جو شخص یہ چار صیغے ضبط کر لے اور کفار مشرکین کے حق میں جو آیات نازل ہوئی ہیں، ان کو امت محمد یہ ﷺ پر چسپاں کرنے کا فن سیکھ لے۔ بس وہ بہت بڑا عالم ہے، مفسر، فقیہ ہے۔ ان کے نزدیک حدیث کا معیار یہ ہے کہ اگر حدیث میں فضیلت رسول ﷺ یا سماع رسول ﷺ یا حیات رسول ﷺ مذکور ہیں۔ وہ حدیث موضوع ہے یا کم از کم ضعیف ضرور ہے۔

آخر کار یہ مان لیا کہ عود روح الی الجسد عنصری قبر میں مذہب جمہور علماء کا ہے۔ یہ مسئلہ متواترات سے ہے عود روح کی حدیثیں ضعیف نہیں ہیں بلکہ متواتر ہیں۔ حیات برزخیہ میں ثابت کیا جا چکا ہے اور یہ بھی مان لیا کہ روضہ

رسول ﷺ پر حاضر ہو کر جو صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے۔ اس کو رسول خدا سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ یہ مذہب بھی جمہور علماء کا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ یہ حدیثیں من گھڑت ہیں۔ ابھی نیلوی صاحب! وہ صحیح حدیثیں جو عدم سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر پر دال تھیں وہ تو پیش کرتے۔ جمہور کے مذہب کی بنیاد تو آپ کے نزدیک من گھڑت حدیثوں پر تھی تو نیلوی اور عین قین اور بندیالویوں کے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے ندائے حق، شفاء الصدور اور اقوال مرضیہ پوتھیوں سے ہی پیش کرتے رہے۔

اور یہ بھی مان لیا کہ توسل والوسیلہ ذوات اور اموات سے یہ مذہب بھی جمہور علمائے امت کا ہے۔ آخر میں یہ بھی تسلیم کر لیا کہ ہمارا مذہب متقدمین جمہور علمائے امت کے خلاف۔ یہ بھی مان لیا کہ ہم ان کے پیچھے چل رہے۔ ان کے نزدیک خوابیں، کشف اور جنگلیوں کا جو مذہب تھا وہ سابقہ امت کا مذہب تھا۔ لہٰذا نیلوی نے فرما دیا ان سے ہم جدا اچھے۔ وہ علمائے زنبور حیوان تھے۔ ان کے نزدیک مفسرین نے جو تفسیریں لکھی وہ صرف قرآن کو نیش زنی کی۔ اسی طرح محدثین نے حدیث کی شرح نہیں لکھی بلکہ ڈنگ ہی مارتے رہے۔ اسی طرح فقہاء، مجتہدین، ائمہ اربعہ نے فقہی جزئیات جو قرآن وحدیث سے استخراج کئے وہ بھی نیش زنی کرتے رہے۔ متکلمین نے قرآن وحدیث سے عقائد وایمانیات بیان کئے وہ بھی نیش زنی کرتے رہے۔ صوفیہ کرام نے زہد وتقویٰ اور تزکیہ نفس جو قرآن وحدیث سے نکالا وہ بھی نیش زنی کرتے رہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ان جمہور امت کے علماء نے جو دین کی اشاعت کی یا درس وتدریس کی یہ تمام امت محمدی ﷺ کو اور قرآن حدیث کو نقصان پہنچایا۔ یعنی ان زنبوروں سے جو دین نقل ہو کر اب تک آیا ہے وہ سب بیکار اور نظر ثانی کے قابل ہے۔ لہٰذا یہ مذہب بھی زہریلا ہے۔ اسی وجہ سے نیلوی صاحب نے یہ مذہب ترک کر دیا۔ اپنا ایک خانہ ساز مذہب تیار کیا۔ نیلوی صاحب آپ کے مزے ہیں۔

نیلوی صاحب اور اجماع مجتہدین

نیلوی صاحب! اگر آپ کے اس دعویٰ میں صداقت ہے۔ آپ کے من گھڑت مذہب میں جان ہے، آپ کو اپنے قول اجماع مجتہدین کا کوئی پاس ہے تو اس من گھڑت دعویٰ پہ دلیل پیش کریں۔ اسلامی تاریخ کے چودہ سو سال کے طویل عرصہ میں دور حاضر روضہ رسول ﷺ پر جو صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے وہ حضور ﷺ نہیں سنتے؟ کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت پیش کریں۔ قیامت تک آپ نہیں پیش کر سکتے۔ نیلوی صاحب نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول کو حجت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ قول وفعل صحابہ رضی اللہ عنہم دلیل مستقل ہے۔

دور نبوی ﷺ میں صرف کتاب اسلام، سنت، رسول اللہ ﷺ اور اجتہاد رسول ﷺ ہی مستقل دلیلیں تھیں اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں اجماع کا اضافہ ہوا اور اجماع بھی دلیل مستقل ہوا۔ یعنی اجماع دلیل مستقل ہے۔

اثبات حکم میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں جیسا کہ قیاس محتاج ہے مقیس علیہ کا۔ بعد دور صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول فعل، عمل صحابہ رضی اللہ عنہم مستقل دلیل ہے اور امت کو مسلم ہے۔ یہ قول وفعل مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ ہاں صحابی رضی اللہ عنہ کتب سابقہ سے اسرائیلیات بیان نہ کر رہا ہو۔ دوم صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ ذاتی اجتہاد نہ ہو، سوم صحابی رضی اللہ عنہ کسی مشکل لفظ کی لغت نہ بیان کر رہا ہو۔ یہ بحث اول گزر چکی ہے کہ اگر قول صحابی رضی اللہ عنہ غیر معتبر مانا جائے گا نبوت اور قرآن پر ایمان ہی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر قول وفعل صحابی رضی اللہ عنہ غیر معتبر ہوا تو تمام ختم ہوا۔ نیلوی، بندیالوی کا مذہب وہی ہے جو روافض کا ہے۔ شیعہ کے

پیالہ سے نوش کیا ہے اور پرویز سے دعالی ہے۔

تحدی: کسی صحابیؓ سے، کسی تابعی سے، کسی تبع تابعی سے، کسی امام سے، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابن حنبلؒ سے یا ائمہ حدیث میں سے کسی محدث سے یا کسی شارح حدیث سے یا کسی متکلم سے یا کسی فقیہ سے یا تاریخ اسلامی سے یا ایک صوفی سے یا علامہ شوکانی، ابن تیمیہ، ابن قیم سے یا اکابرین دیوبند سے ایک حوالہ پیش کریں جس میں واضح طور پر لکھا ہو کہ روضہ اطہر پر پڑھا ہوا صلوٰۃ وسلام رسول اکرم ﷺ نہیں سنتے۔

نیلوی اور دعویٰ اجماع

کیوں نیلوی صاحب! یہ جو آپ نے اجماع مجتہدین فرمایا۔ آپ کے وہ مجتہدین انسان تھے یا جنات میں سے تھے یا ملائکہ میں سے تھے؟ انسانوں کے تمام طبقے میں نے شمار کر دیئے۔ آپ کے مذہب کے مجتہد کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مفسرین یا محدثین یا فقہاء یا متکلمین سے ان کا اجماع تو دور کی بات ہے۔ آپ ایک حوالہ بھی پیش نہیں کر سکتے۔ آپ نے ٹھیک فرمایا ندائے حق میں کہ سلف صالحین جمہور وغیرہ سب فرضی ہیں۔ اس کی اب سمجھ آئی کہ ان حضرات نے اپنے مذہب، سلف، خلف واکابرین جمہور بیان فرمائے ہیں۔ جیسا ان کا مذہب من گھڑت اسی طرح ان کے جمہور سلف صالحین مجتہدین تمام من گھڑت اور فرضی ہیں۔

اقرار نیلوی صاحب کہ ہم جمہور سلف سے علیحدہ اچھے ہیں۔ کیوں جناب آپ متقدمین، سلف صالحین، جمہور مفسرین، جمہور محدثین، جمہور فقہاء، جمہور متکلمین، جمہور صوفیائے کرام سے علیحدہ اچھے ہوئے تو آپ کا مذہب ان کے مذہب سے علیحدہ ہی اچھا ہوا۔

اتباع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

''والسّٰبقون الاوّلون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اعدلھم جنات تجری تحتھا الانھار (التوبۃ: ۱۰۰)'' سبقت کرنے والے مہاجرین وانصار میں سے اور جو لوگ ان کے تابع ہوئے احسان سے یعنی اچھے طریقے سے خدا ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوئے۔ ان تینوں طبقوں کے لئے خدا نے جنت تیار کر رکھی ہے۔

فائدہ: خدا تعالیٰ نے ان دو فرقوں کے لئے دو چیزیں انعام میں بیان فرمائی ہیں۔ اوّل رضامندی خدا، دوم جنت، دو فرقے تو مہاجرین اور انصار کے ہوئے۔ سوم جو ان کے تابع ہو کر دنیا میں رہا وہ احسان سے بغیر اتباع صحابہ رضی اللہ عنہم مہاجرین وانصار کے، نہ خدا راضی اس پر نہ جنت ہے اس کے لئے۔ اتباع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تو ان کے قول میں ہوگی یا فعل وعمل میں ہوگی۔ جس کے نیلوی، بندیالوی اور ان کے ہمنوا منکر ہیں۔ اب خود بتاؤ، آپ کس فرقہ کے ہوئے۔

''قال تعالیٰ: اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم'' اے باری تعالیٰ ہم کو سیدھی راہ دکھایئے راہ ان کی جن پر آپ کا انعام ہوا۔

فائدہ: وقت نزول قرآن بغیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دوسری جماعت نہ تھی تو ثابت ہوا کہ ہم کو پانچ وقت کی

نماز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی راہ کی اتباع کی دعا سکھلائی ہے اور بغیر طلب راہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نماز بھی نہیں ہوتی اور نیلوی، بندیالوی کے قول و فعل کا انکار کر رہے ہیں اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول و فعل کا انکار نہیں بلکہ قول باری تعالیٰ کا انکار ہے۔ نعوذ باللہ من الغوی والبغی!

خلاصہ یہ ہوا کہ بغیر اتباع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ جنت ملتی ہے نہ خدا راضی ہوتا ہے۔ قرآن بھرا پڑا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خدا راضی اور ان کی اتباع کرنے والے پر بھی راضی ہے۔ نیلوی صاحب بتایئے کہ ان آیتوں کا کیا ہوا۔ کیا اتباع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑنے والا اتنے بڑے انعام سے محروم نہیں ہوا، بلکہ بعد والوں کے ایمان کا معیار بھی ایمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہے۔ ”فامنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا (البقرة:۱۳۷)“ پس اگر ایمان لائیں مثل ایمان جیسا تم صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان لائے ہو تو بس محقق بات ہے کہ ہدایت پا گئے۔

حدیث و اتباع سواد اعظم

”ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملة وتفرق امتی علی ثلاثة وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یا رسول الله قال ما انا علیه واصحابی“ بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں متفرق ہوئے تھے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں متفرق ہوگی اور تمام دوزخی ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کون سا فرقہ جنتی ہوگا تو فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم چل رہے ہیں، وہ ایک جنتی ہوگا۔

۲...... ”قال اتبعوا السواد الاعظم من شذ شذ فی النار“ بڑی جماعت سے تمسک رکھنا جو بڑی جماعت سے جدا ہوا وہ جہنم میں گیا۔ یعنی بڑی جماعت کو چھوڑنا اور جہنمی ہونا برابر ہے۔

۳...... ”من اراد ان یفرق امر هذه الامة وهی جمیع فاضربوه بالسیف کائنا من کان“ جو شخص جماعت سے متفق ہے اس میں پھوٹ ڈالنے کا ارادہ کرے اس کو تلوار سے سیدھا کرو، خواہ کسی نسل و قوم کا ہو۔

۴...... ”قال من خرج من الجماعة قید شبر فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه“ جو شخص جماعت کے مخالف ہو کر جماعت سے نکل کر ایک بالشت کے برابر اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے اتار دی وہ اسلام سے فارغ ہوا۔

فائدہ: اب میں نیلوی صاحب اور ان کے مجددین شرک کفر سے دریافت کرتا ہوں ان سے فتویٰ پوچھتا ہوں۔ حدیث اوّل رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۷۳ فرقوں میں سے نجات صرف اسی فرقہ کی ہوگی، جس دین کو میں خدا سے لایا ہوں اس پر چلنے والا ہوگا اور جس دین کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نقل رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور اس پر عمل کیا اس میں تبع و تابعدار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہوگا۔ نیلوی صاحب آپ سے عرض ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول و فعل اور فہم جناب کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ آپ فرمایئے کہ بغیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپ نے دین کو کس سے حاصل کیا۔

آپ کے دین من گھڑت خود ساختہ کا جو بانی ہے اس کا نام تو بتائیں اور لوگ بھی فائدہ اٹھائیں۔ جب قول صحابہ رضی اللہ عنہم حجت نہ ہوا تو منقولات صحابہ رضی اللہ عنہم یعنی قرآن حدیث اور اجتہاد رسول قابل حجت نہ رہے اور جب صحابہ کرام کا فعل حجت نہ ہوا تو اعمال و افعال رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیکار حتیٰ کہ سارا دین بیکار۔ وہ قابل حجت تمسک نہ رہا۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی جماعت کے ساتھ رہنا اس عقیدہ عمل اس کے قول و فعل کو حجت و حق سمجھنا وہی جماعت جنتی ہے۔ بڑی جماعت سے دوری جہنم سے قرب ہے۔ اب فرمایئے کہ ایک جناب کی جماعت شرذمہ قلیلہ

مبتدعہ مسلمانوں کے لئے کافرگری کا کام کرنے والا حدیث کے لحاظ سے جنتی یا دوزخی؟ فیصلہ آپ پر ہے۔ اوّل تعین فرمانا بڑی جماعت کا نام کیا ہے؟ اس سے جدا ہونے کا نام کیا رکھا جائے گا۔ جناب کو علم نہ ہو تو عرض کر دوں۔ وہ نام مقدس ہے اہل السنۃ والجماعت جو دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تجویز ہوا تھا اور جناب کے اس عقیدہ وفات انبیاء علیہم برزخ میں زندہ نہیں ہیں اور نبی کریم ﷺ عندالقبر نہیں سنتے۔ اس بھنگ کے پودے کی بنیاد ۴۴۴ھ میں سلطان تغلق بیگ کے وزیراعظم معتزلی کندری نے رکھی تھی۔ اس مردود پودہ کی اس نے تخم ریزی کی تھی اور امام بیہقی محدث کبیر وجلیل اور سرتاج صوفیہ علامہ قشیری نے اس بھنگ کے مردود پودہ کی بنیاد اکھاڑ پھینکی تھی۔ شاید اس کا کوئی دانہ زمین میں رہ گیا تھا وہ اب نیلوی، بندیالوی اور ان کے پیر طریقت عنایت اللہ گجراتی اور سعید احمد چتوڑ گڑھی اور ان کے ہم نواؤں نے اس پودے کفرگری اور شرک گری کا پانی دے کر پالا ہے۔

حدیث سوم: آپ جماعت میں پھوٹ ڈالنے والے ہیں تو کیا آپ کا شرذمہ قلیلہ بچ سکتا ہے۔ یہ وعید شدید جماعت سے جدا ہونے والے کے لئے ہے۔ یہ وعید تو صرف ارادہ پر ہے جب فعل اختیار کیا تو خدا جانے اس کا حشر کیا ہوگا۔

حدیث چہارم: حدیث چہارم میں رسول خدا نے فرمایا کہ دراصل جماعت سے جدا ہونا اسلام سے جدا ہونا ہے۔ اچھا فرمایئے کہ جناب کے اس عقیدے کی جماعت کب سے پیدا ہوئی۔ نیز قرآن کی اس آیت کا مطلب بیان فرمایئے: ''ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا (النساء:۱۱۵)'' فرمایا جس نے مسلمانوں کی جماعت چھوڑی ہم اس کو اسی طرف چلائیں گے جس طرف وہ چل رہا ہے اور جہنم میں داخل کریں گے جو بری جگہ ہے۔ حدیث رسول ﷺ کا مطلب اور اس کا آیت کا ایک ہی ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑا تو جہنمی ہوا۔ چہ جائے کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت کی توہین کرنا حتی کہ مشرک کہنا پھر دعویٰ اسلام بھی کرنا۔ عجیب بات ہے۔

آپ لوگوں نے مخلوق خدا کو غلط راہ پر لگایا اور ان کو گمراہ کیا۔ خداوندی نعمتوں سے بڑا انعام اور نعمت دین صحیح ہے۔ اس پر چلنے کی توفیق عطا ہو مگر آپ نے اس انعام کو بدل دیا۔

''قال تعالیٰ الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا واحلوا قومھم دار البوار جھنم یصلونھا وبئس القرار (ابراھیم:۲۸، ۲۹)'' یعنی کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے خدا تعالیٰ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا جو جہنم ہے داخل ہوں گے اس میں اور بڑی بری جگہ قرار کی۔

بتایئے! آپ کا کفرگر ٹولہ اس آیت کا مصداق نہیں اگر آپ نہیں تو دوسرا کون ہے؟ دین جو تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے اس کو بدل دیا، دین کے ناقلین کو زنبور اور بدکار قرار دیا اور قرآن وحدیث کی شرح تفسیر اپنے نفس اور ابلیس کے فرمان کے مطابق بیان کرنی شروع کر دی۔

توہین علمائے دیوبند

(اقامۃ البرہان جناب سجاد بخاری ص ۲۴) پر علامہ ترمذی کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ترمذی صاحب اور ان کے حضرت والا اگر واقعی مخلصانہ اصلاحی کوششوں کا جذبہ رکھتے ہیں تو اس خدمت اسلام کا آغاز انہیں اوپر

سے کرنا چاہئے تھا۔ جواہر القرآن کا نمبر تو بہت بعد میں تھا۔ سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، پھر حضرت نانوتوی اس کے بعد شیخ الہند اور پھر علامہ انور شاہ کشمیری کی اصلاح کی جاتی جن کے تفردات کا نمونہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔ پھر خاص طور سے پہلے انہیں اپنے گھر کی خبر لینی چاہئے تھی ان کا فرض تھا کہ وہ سب سے پہلے اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی ان کتابوں کی اصلاح و تطہیر فرماتے جن میں ایسا مواد موجود ہے مثلاً ضعیف، شاذ، منکر بلکہ موضوع حدیثیں بلا انکار و تعبیہ بے سر و پا حدیثیں، بے سند اور گمراہ کن کرامتیں جن کو اہل بدعت اپنے عقائد زائغہ اور اپنی بدعات مخترعہ کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں اس کی وجہ سے تبلیغ توحید کے مشن کو بعض اوقات کافی سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

فائدہ: دیکھا کافر ساز کمپنی کے سجاد بخاری نے اس دور کے لوگوں پر کتنا احسان کیا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ امام ہند سے لے کر حضرت حکیم الامت محقق اسلام مجدد دور حاضرہ، مفسر قرآن محدث، فقیہ، تاج صوفیا حضرت مولانا تھانویؒ تک تمام اکابرین کو قابل اصلاح قرار دیا۔ پھر دیکھو حضرت تھانویؒ پر کیسا برسا اور سرزمین ہند میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ امام ہندؒ کے لقب سے ملقب ہوئے۔ پھر حضرت محمد قاسمؒ قاسم العلوم بانی دیوبند جن کے ہاتھ سے علوم اسلامیہ کا شجر اگا اور پوری دنیا میں اس کا ثمر پہنچا اور دنیا نے کھایا۔ یہ شیخ القرآن یہ عنایت اللہ گجراتی، یہ توہین کنندہ بخاری انہیں کے لگائے ہوئے شجر کا پھل کھا رہے ہیں۔ اسی شجر کو کاٹ رہے ہیں۔ جب کھایا تھا اور کھا رہے تھے تو یہ پھل میٹھا اور لذیذ تھا۔ اب کڑوا ہو گیا ہے۔ حضرت شیخ سعدیؒ نے ٹھیک فرمایا:

یکے بر سر شاخ وبن می برید خداوند بستان نگہ کرد و دید
بگفتا کہ ایں مردید می کند نہ بامن کہ بانفس خود می کند

یہ کافر ساز اوز کافر گر ٹولہ اسلام کی شاخ پر بیٹھ کر اس کو نیچے سے کاٹ رہا ہے۔ مگر گردن ان کی بھی ٹوٹے گی۔ اکابرین دیوبند جو ستون وجبال الراسیات علم اور وسعت علم میں بحر بیکنار تھے۔ جب وہ غلط طریقہ پر چلے اور وہ قابل اصلاح ہیں تو بتایا آج کے مسلمانوں کی نجات کی خیر نہیں۔ ان کے نزدیک حضرت تھانوی نے گمراہ کن روی اختیار کر رکھا تھا۔ ضعیف، بے سند، من گھڑت، جھوٹی حدیثیں بیان کر گئے۔ ان کی کتابیں پلید ہیں، ان کی تطہیر ضروری ہے۔ ان کے نزدیک تھانوی گمراہ اور گمراہ کن کرامتیں بیان کرتے رہے۔ اجی سجاد صاحب! کرامت فرع معجزہ ہے جو اپنے رسول کے صحیح متبعین میں منتقل ہو کر بطور میراث کے صحیح ظاہری باطنی متبع اولاد کو ملتی ہے جو اپنے نبی کی وفادار اولاد ہو۔ انکار کرامت مستلزم ہے انکار معجزہ کو اور انکار معجزہ کفر ہے۔ مگر آپ نے ٹھیک فرمایا گمراہ انسان کو کرامت گمراہ کن ہی نظر آتی ہے۔ کیونکہ اتباع رسول ﷺ سے دور اپنے نبی کی صحیح اولاد ہونے سے دور۔

کرامت حصہ ہے اولیاء اللہ، صالحین کا جو اپنے نبی کے صحیح وارث ہیں۔ آپ کے ٹولہ کو صالحین سے سخت عداوت ہے۔ پھر کرامت کیونکر گمراہ کن نظر نہ آئے، رہی بات حضرت تھانوی کا بے سند حدیثیں بیان کرنا، سجاد صاحب! یہ بھی آپ کی کفر ساز کمپنی کا جب سرے سے عقیدہ ہے کہ حدیث جھوٹی اور امت محمدیہ ﷺ کافر ہے۔ شاباش!

میرا مقصد صرف یہ دکھانا ہے جو علماء آپ کو دیوبندی کہتے ہیں وہ ایسا ہے جیسا پنڈت نہرو نے کہا تھا: "میں خدا پر یقین نہیں رکھتا مگر پھر بھی ہندو ہوں۔" کافر ساز کمپنی کے نزدیک دیوبندی مشرک اور کافر ہیں مگر پھر بھی کافر ساز کمپنی دیوبندی ہے دیوبندی علماء کو شرم کرنا چاہئے مگر یہ کمپنی بھی دیوبندی کہلا کر مشرک کافر بن جاتی ہے۔

جب دیوبندی آپ کے نزدیک مشرک قابل اصلاح ہیں تو تم دیوبندی کہلا کر اپنے آپ پر فتویٰ مشرک کافر کا تو چسپاں نہ کرو۔ ہاں دیوبندی نہ کہلائیں تو چندہ نہیں ملتا۔ ایک کرامت کو گمراہ کن نہیں کہا۔ اصل میں یہ معجزہ رسول کو گمراہ کن کہہ رہا ہے کوئی معجزہ جب امت میں آتا ہے تو کرامت کہلاتا ہے۔ حضرت تھانویؒ کی ان کے دل میں کیا عزت جب جمہور سلف کی عزت کے دل میں نہیں ہے۔ (ندائے حق ص ۱۸) پر ہے: "اور جمہور سلف اکابر کے کیپسولوں میں کس قدر زہر بھر دی گئی ہے جس کی مضرت نسلاً بعد نسل مہلک اور تباہ کن ثابت ہوگی۔"

فائدہ: جب جمہور سلف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین کے اقوال، اعمال، افعال ان کتابوں میں محدثین، مفسرین، فقہاء، متکلمین نے نقل کیے، کیپسول ہوئیں۔ ان کتابوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال، اعمال زہر ہیں۔ ان کتابوں میں زہر بھری ہوئی ہے جو پڑھے گا اس کا دین تباہ برباد ہوگا اور وہ ہلاک ہوگا۔ اب بتاؤ دین کہاں سے آیا۔ جب صالحین کے تمام اقوال اور اعمال حدیثوں میں تفسیروں میں نقل ہوئے یہی تو دین ہے۔ جب مجدد شرک اس کو زہر کہہ رہا ہے تو صحیح دین کس سے لیا۔

مجددین کفر کے عقائد

اس باب میں سید احمد چتوڑگڑھی، عنایت اللہ گجراتی اور شیخ القرآن کی لگائی ہوئی پود اور خود عنایت اللہ شاہ کے عقائد بیان ہوں گے۔ جن عقائد کو اس جماعت کے ایک رکن عظیم اور قدیم نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے وہ ہیں مولانا عبدالعزیز شجاع آبادی۔ ان کی کتاب "دعوت الانصاف" کے اقتباس ہیں۔ اب جو عقائد میں بیان کرنے لگا ہوں، ہاں اگر ان عقائد کے خلاف اگر کوئی عقیدہ انہوں نے عوام یا علمائے صحیح العقیدہ کے سامنے بیان کر دیا کہ وہ یقیناً تقیہ سمجھ لینا عقائد یہی ہیں جو بیان کرتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۱: نبی کریم ﷺ عند القبر صلوٰۃ وسلام قطعاً نہیں سنتے اور یہ عقیدہ نبی کریم ﷺ کے نہ سننے کا یعنی عدم سماع جزو ایمان ہے اور جو شخص نبی کریم ﷺ کے سماع یا دیگر برزخ والوں کے سماع کا قائل ہے وہ کافر مشرک ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ یہود کا ہے۔ (اربعین احادیث ص ۲۹)

عقیدہ نمبر ۲: نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر سے روح کا کسی قسم کا تعلق نہیں ہے اور یہ عقیدہ تعلق روح کا بدن سے کافر، بت پرست ہندوؤں کا ہے یعنی تعلق روح یا بالبدن کا قائل کافر ہندو ہے۔

عقیدہ نمبر ۳: تعلق روح کا بدن سے ہونا، صلوٰۃ وسلام کا عالم برزخ میں رسول خدا کا سننا یہ عقیدہ یہودیوں کا بنایا ہوا ہے۔

عقیدہ نمبر ۴: جن حدیثوں میں سماع موتی یا صلوٰۃ وسلام عند القبر نبی کریم ﷺ ثابت ہے۔ وہ قول رسول نہیں ہیں بلکہ من گھڑت حدیثیں اور من گھڑت قصے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۵: سماع صلوٰۃ وسلام نبی ﷺ کا عند القبر یا سماع موتی کا عقیدہ رکھنا یہ اصل شرک کی جڑ ہے۔ یہ عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے۔

عقیدہ نمبر ۶: بعد موت ثواب وعذاب صرف روح کو ہوتا ہے۔ جسد عنصری کو نہیں ہوتا نہ روح کا تعلق بدن سے ہے۔

عقیدہ نمبر ۷: نبی کریم ﷺ کو مدینہ منورہ کی مدفونہ قبر میں ماننا شرک ہے۔

عقیدہ نمبر ۸: اصل یہ قبر نہیں جہاں میت کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ قبر وہ ہے جہاں روح رہتا ہے۔

عقیدہ نمبر ۹: قرآن کی تفسیر کرنے میں انسان رسول خدا ﷺ کی تفسیر یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا ائمہ تفسیر کا محتاج نہیں بلکہ جس طرح سمجھ میں آئے تفسیر بیان کرے۔

عقیدہ نمبر ۱۰: حسین ابن علی رضی اللہ عنہ باغی یزید تھا۔ یہ ایک باغی کی موت مرا ہے۔

یہ تھے ان کے عقائد جو بیان کر دیئے ہیں۔ یہ حضرات اپنے پیشواؤں کو معاف نہیں کرتے۔

اب میں (دعوت الانصاف ص ۲۱ و ۲۲) سے ان لوگوں کی دریدہ دہنی کے نمونے پیش کرتا ہوں:

۱...... ''کبیر والا شہر میں ان حضرات کے زیر اہتمام ایک اجتماع سے راقم (مولانا عبدالعزیز شجاع آبادی) نے خطاب کیا بر سبیل تذکرہ مولانا خیر محمد جالندھری مہتمم خیر المدارس ملتان اور مولانا عبدالخالق مہتمم دار العلوم کبیر والا کا ذکر آیا۔ کیوں کہ یہ دونوں حضرات فوت ہو چکے تھے۔ اس لئے میں نے ان کے نام لینے کے بعد رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ دعائیہ استعمال کیا۔ تقریر ختم ہوگئی۔ مگر میں ابھی سٹیج سے نہ اترا تھا کہ ایک صاحب مائیک کے سامنے تشریف لائے تردید کردی اور کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ وہاں سے علیحدہ ہونے پر ملامت کے رنگ میں کہا گیا کہ آپ کیسے موحد ہیں ایسوں کو رحمۃ اللہ علیہ سے دعا دینا توحید کے خلاف ہے۔''

۲...... ''ایک مقام پر میری مجلس میں ایک شخص نے مجھ (مولانا عبدالعزیز شجاع آبادی) سے سوال کیا، مردے سنتے ہیں یا نہیں؟

میں نے مناسب جواب دے دیا، ان میں سے ایک صاحب بولے کوئی قبر کھود دو، میں اس کی مقعد میں پانی اپنے ہاتھ سے ڈالتا ہوں اگر مردے سنتے ہیں تو بول اٹھے گا۔ میں نے یقین کر لیا کہ میرے جیسے آدمی کا ان لوگوں میں رہنا دین، علم اور علماء کی توہین ہے۔''

۳...... ''اس گروپ کے ایک اور آدمی سے جو مولانا درخواستی کا مرید کہلاتا تھا۔ میں نے کہا کہ تمہارے پیر صاحب تو سماع عند القبر شریف کے قائل ہیں۔ ان کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ اس نے فوراً جواب دیا کہ وہ بھی کافر، تم بھی کافر، جو بھی سماع کا قائل ہو وہ سب کافر۔''

عدم سماع کے موضوع پر ان کے جو رسائل لکھے گئے ہیں ان کا بیان

۱...... رسالہ (دعوت الارشاد مولفہ مولوی اللہ بخش ص ۸) ''جیسے دور سے درود کا ثواب آنجناب ﷺ کو پہنچتا ہے اس طرح قبر مبارک کے نزدیک درود پڑھنے کا ثواب آنجناب ﷺ کو پہنچتا ہے سننے اور جواب دینے کا من گھڑت قصہ ہے۔''

۲...... (ایضاً ص ۲۶) ''حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ قبر مبارک کے پاس سلام عرض کرتے تھے جب سفر سے واپس آتے تھے نہ اس عقیدہ سے کہ آنحضرت ﷺ سنتے ہیں بلکہ اس طرح عام قبرستانوں سے گزرتے ہوئے سلام کہا جاتا ہے۔''

۳...... (ایضاً ص ۲۶ و اربعین ص ۲۹) ''بعد از موت سماع و رؤیت انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ دراصل یہودیوں کی ایجاد ہے۔ حدیث ''مامن احد یسلم علی الخ'' اس روایت کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ کلام رسول ﷺ نہیں ہے۔''

۴...... (دعوت الانصاف مولانا عبدالعزیز ص ۲۲) ''اس گروپ کے واعظوں نے نہ صرف مسلک کی سٹیج کو بدنام کیا بلکہ اپنے اکابر کو ایک مخمصہ میں مبتلا کر دیا۔ جگہ جگہ قائلین سماع، صلوٰۃ وسلام، عند القبر کو کافر مشرک کا فتویٰ دیا اور اہل توحید کو خانہ جنگی پر مجبور کر دیا۔''

۵...... مولانا عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ: ''مجھے خط لکھا گیا کہ ریاست بہاولپور موضع کھلواں میں سعید احمد چتوڑ گڑھی نے تقریر کی کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر منور پر پڑھا ہوا درود وسلام نہیں سنتے، نہ ہی سماع جسمانی ہے نہ ہی سماع روحانی۔ جو شخص سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کا قائل ہے خواہ کسی تاویل سے ہو وہ قرآن وحدیث اور شریعت کی روح سے بلا تاویل کافر مرتد ہے اور جو شخص سماع کے قائل کو کافر نہ سمجھے وہ بھی بلا تاویل کافر ہے۔''

''اگر سماع عند القبر کا قائل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ہوتا تو وہ بھی کافر ہے یعنی اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی میرے سامنے آکر یہ عقیدہ ظاہر کریں میں ان کو بھی کافر کہوں گا۔'' (بلفظ جماعت بہاول پور کھلواں)

''ہم لوگ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر عالم الغیب جان کر یہ اقرار کرتے ہیں اور بیان ثبت کراتے ہیں کہ سعید احمد چتوڑ گڑھی نے سینکڑوں انسانوں کے مجمع میں لاؤڈ سپیکر پر یہ اعلان کیا۔ (دیکھنا یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سماع کا عقیدہ کس سے سیکھا پھر شاگرد کافر ہوا تو استاد کا کیا بنا؟)''

۶...... دلشاد والہ حلقہ شجاع آباد، اسی سعید نے تقریر کے دوران مجھے خطاب کیا کہ عبدالخالق میں تجھے سنا رہا ہوں کہ: ''جو شخص یہ کہتا ہو نبی کریم ﷺ درود وسلام عند القبر سنتے ہیں وہ عقیدہ کے لحاظ سے کافر ہیں۔''

(بلفظ عبدالخالق نعت خوان)

۷...... بیان حافظ اللہ دتہ امرانہ ساکن قریب ممدال

''میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر قسمیہ بیان کرتا ہوں کہ ہمارے ایک جلسہ میں مولوی سعید چتوڑ گڑھی نے کہا تھا جو شخص حضور ﷺ کو کہتا ہے کہ درود شریف، سلام سنتے ہیں وہ شخص مشرک و کافر ہے۔''

مولانا عبدالعزیز شجاع آبادی کے نام اشاعت التوحید والسنۃ کے نام خط جس کو انہوں نے (دعوت الانصاف ص ۲۷) پر نقل کیا ہے کہ: ''محمد سعید نے منافقانہ دستخط کر دیئے ہیں کہ سماع والے کافر نہیں اور شاہ صاحب یعنی عنایت اللہ گجراتی نے بالکل دستخط سے انکار کر دیا اور کہا میرا عقیدہ یہی کفر کا ہے اور سعید کا عقیدہ بھی یہی ہے۔''

۸......مولوی رشید احمد مدرسہ فاروقیہ شجاع آباد کا بیان

''شریف اللہ خان دوکاندار شجاع آبادی جو کہ مولوی سعید احمد اور عنایت اللہ شاہ کا معتقد ہے۔ اس نے بیان کیا کہ عنایت اللہ شاہ گجراتی نے خان گڑھ میں اپنی تقریر کے دوران کہا کہ مشرک چار قسم کے ہیں۔ اوّل یہود ونصاریٰ، دوم مشرکین مکہ، سوم بریلوی اور چہارم دیوبندی جو سماع عند القبر کے قائل ہیں۔''

۹...... ''علاقہ بہاول پور کھلواں میں ایک جلسہ میں عنایت اللہ شاہ گجراتی معہ اپنے مذکورہ واعظ کے فروکش تھے۔ کمرہ خصوصی کے باہر ایک عالم نے امام ابن کثیر کی عبارت پیش کرنی چاہی تو سعید نے کہا پہلے اس کا نام صحیح کریں۔ ابن کثیر کوئی اچھا ہوتا ہے؟ یعنی حرامی ولد الحرام۔''

دیکھ لیں اس محدث کبیر مفسر جلیل مورخ عظیم کی توہین کی حد ہو گئی اور عنایت اللہ خود موجود بیٹھا ہے جو امیر ہے جماعت اشاعت توحید والسنہ کا۔

۱۰...... (دعوت الانصاف ص ۳۵) "ہمارے ہاں شجاع آباد میں ایک مقام پر عنایت اللہ گجراتی اور واعظ سعید خطاب کر رہے تھے توحید کے موضوع پر کہا بت نہیں سنتے، خدا سنتا ہے بت عام ہیں خدا کے بنائے ہوئے ہوں جیسا حضور ﷺ یا لات و منات کی مورتی۔ عنایت اللہ گجراتی نے تصدیق کی اور کہا کہ یہ نوجوان میری کمی پوری کرے گا۔ ان شاء اللہ!" یہی چیز ان کے مولوی اللہ بخش نے (کتاب اربعین ص ۴۲) پر لکھا ہے: "جس قبر کی بھی پوجا کی جائے چاہے نبی کی ہو یا غیر نبی کی بمنزلہ بت کے ہے جیسے بت نہیں سنتا اور نہیں دیکھتا اور نہ جواب دیتا ہے۔ اسی طرح قبر میں دفن کئے ہوئے بزرگ۔"

فائدہ: عنایت اللہ گجراتی نے ٹھیک کہا ہے۔ میری کمی یہ نوجوان پوری کرے گا۔ مراد یہ ہوئی کہ میرے بدن میں کفر کی جو کمی تھی وہ سعید احمد نے پوری کر دی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو بت کہہ کر اور میرا تصدیق کرنا کہ واقعی رسول خدا بت ہیں۔ کفر میں کیا کمی رہ گئی۔ پھر بھی جو کمی تھی اللہ بخش نے پوری کر دی۔ اربعین کے (ص ۴۴) پر لکھتا ہے کہ: "رسول خدا ﷺ معاذ اللہ بت ہیں آپ کی قبر بھی بت ہے۔"

فائدہ: ان کے ہاں جب رسول خدا ﷺ بت ہوئے، امت محمدیہ بت پرست ہوئی۔ آپ ﷺ کی حدیث، آپ ﷺ کے فرمان اور آپ ﷺ کے حکم کو قبول کرنا بت کی بات، بت کا حکم قبول کرنا ہوگا۔ غور سے سن لو امت محمدیہ ان کے نزدیک العیاذ اللہ بت پرست کافر ہوئی۔ آپ کی بتائی ہوئی شریعت پر عمل کرنا بت پرستی ہوئی اور آپ کی قبر مبارک بت ہوئی۔ جس پر ستر ہزار فرشتہ دن کو درود شریف پڑھتا ہے اور ستر ہزار رات کو پڑھتا ہے باقی بے پناہ مخلوق کا درود پڑھنا تمام بت پر پڑھنا ہوا۔ یہ عقیدہ آج تک کسی مسلمان کا نہ ہوا نہ ان کے بغیر کسی کا سنا ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس فرقے کا یہ عقیدہ ہو کہ رسول خدا بت ہیں نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں، نہ ان کا وجود محفوظ ہے بلکہ خاک ہو گیا ہے۔ آپ کی قبر بھی بت ہے۔ قبر پر جا کر درود شریف پڑھنا بت پر پڑھنا ہے اور جمہور سلف صالحین کے اقوال ہمارے دین کے لئے زہر ہیں۔ جن کتابوں میں اقوال اعمال نقل ہو کر آئے یہ کیپسولوں میں زہر بھری ہوئی ہے اور دین کو تباہ کرنے والی ہے اور امت محمدیہ بت پرست ہے۔ ایسا فرقہ مسلمان ہے یا غیر مسلمان۔

الجواب: اگر ایسے عقائد رکھنے والے فرقہ کو مسلمان کہا جائے تو پھر امت محمدیہ کو یقیناً غیر مسلم کہنا پڑے گا۔ اب مسلمان خود فیصلہ کر لیں۔

اسی طرح (ندائے حق ص ۶۵) رسول خدا ﷺ کا تمسخر اڑایا گیا اور حضور ﷺ کو اپنا نبی بھی قرار نہیں دیا۔ بتا یا مخلوق کا نبی قرار دیا۔ العیاذ باللہ!

توہین و تحقیر علماء، مفسرین، محدثین، فقہاء، مجتہدین، ائمہ کرام، اولیائے عظام

(ندائے حق ص ۲۷) پر یہ جاہل یوں رقم طراز ہے: "جن اسرار و رموز قرآنی پر خیر القرون ثم الذین یلونھم واقف ہوئے بعد میں آنے والے فقیہ، محدث، شیخ، مجتہد، علامہ کے لباس میں آخر مضامین و مقاصد قرآن کو

خواہشات کے ماتحت دماغی مخترعات کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ امت مسلمہ ملت واحدہ بہتر فرقوں میں تقسیم ہو کر وحدت کی نعمت کو کھو بیٹھی۔"

فائدہ: اوّل یہ ثابت کیا جا چکا ہے یہ فرقہ باطلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال فہم کو قابل حجت تسلیم نہیں کرتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال اس فرقہ نے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیئے۔ جو دین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین سے نقل ہو کر آیا ہے وہ ختم ہوا۔ وہ قابل اعتبار نہ رہا۔ جب ناقل دین قابل حجت نہیں تو ان سے نقل شدہ دین کب قابل حجت ہے جیسا ان کے اقوال افعال میں بے اعتبار، اسی طرح دین جو ان سے نقل ہو کر آیا وہ بھی بیکار اور بے اعتبار ہوا۔ اس فرقہ نے اوّل حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ساقط و بے اعتبار قرار دی۔ پھر اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساقط بے اعتبار قرار دیا۔ اگر کوئی کمی باقی تھی تو اس پر کاری ضرب لگا کر ختم کر دی وہ یہ کہ ندائے حق پوتھی میں فرمایا کہ جمہور سلف اکابر کے کپسولوں میں زہر کس قدر بھر دی گئی۔ میں نے سلف صالحین، اکابرین کے اقوال اور ان کی کتابوں میں بعد کے علماء نے اپنی طرف سے برے برے عقائد اور برے برے اعمال، افعال انہی خواہشات نفسانی اور اختراع دماغی سے داخل کر دیئے اور قرآن کے مفہوم میں زہر بھر دی اور یہ ظاہر ہے کہ زہر کھانے سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ بعد والوں نے ایسے گندے عقائد داخل کر دیئے جن سے دین محمدی ہلاک ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل ہو کر جو آیا ان اقوال نے اس کو زہر آلود کر دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول وفعل ایک زہر بن گیا جو عمل کرے گا وہ ہلاک ہوگا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول وفعل کو گرانے کے بعد جو کمی باقی تھی وہ کپسولوں سے پوری ہوگئی۔ اب ان کی تحریریں، کتابیں، اقوال، افعال سب بیکار۔ تمام دین میں بعد والوں نے گمراہی کا زہر بھر دیا ہے۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے دین تباہ ہوگا۔

رہا صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کا معاملہ، وہ بھی سن لیں کہ تابعین کے جو محدث، فقیہ، مجتہد آئے انہوں نے قرآن کے مفہوم اور تفسیر کر کے اپنی تفاسیر میں خواہش نفسانی اور اختراع دماغی کے مضامین کے ذریعہ گمراہی کا زہر بھر دیا۔ اب اس فرقہ باطلہ سے پوچھو دین اسلام آپ کو کس نے بتایا۔ دین تو گیا مگر آپ نے حسب ذیل امور کو خود تسلیم کر لیا۔

۱...... جو تفسیر قرآن اس فرقہ نے کی ہے یہ چودہ سو سال میں کسی مفسر نے نہیں کی۔ یعنی ان کی خود ساختہ ہیں۔

۲...... جو عقیدہ انہوں نے ایجاد کیا اور جس کی دعوت لوگوں کو دیتے ہیں یہ عقیدہ چودہ سو سال میں کسی صحیح مسلمان کا نہ تھا۔

۳...... جس دین ومذہب پر اب یہ لوگ ہیں یہ مذہب چودہ سو سال میں کسی مسلمان کا نہ تھا۔

۴...... چودہ سو سال میں امت محمد یہ باطل پر رہی اور گمراہی پر سب کا اتفاق رہا۔

۵...... چودہ سو سال میں کسی فرد کو معلوم نہ ہوا نہ یہ سمجھ سکا کہ ہم باطل پر ہیں۔ حالانکہ اس عرصہ میں بے نظیر اور لاثانی محدث، مفسر، فقیہ، مجتہد، عالم اور صوفیاء کرام میں صاحب کشف والہام بھی گزرے ہیں۔ مگر کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ گمراہی پر ہیں اور اب سمجھ آئی تو اس فرقہ ضالہ دریوزہ گرز کوۃ وعشر اور قربانی کے چمڑے اور صدقات پر زندگی بسر کرنے والے کو جس کی منڈی مسجد ہے، محراب ومنبر دوکان ہیں اور لوگوں کے مال کی میل خون اور پیپ جس

کی غذا ہے۔ لطف یہ کہ اگر کوئی آدمی کسی صحیح دینی مدرسہ میں زکوٰۃ دینے پر تیار ہوا انہوں نے آگے بڑھ کر کہا زکوٰۃ ہمیں دو وہ تو مشرک ہیں۔

۶...... یہ بھی مان لیا کہ تہتر فرقہ باطلہ بھی انہیں مفسرین کی غلط تفسیر قرآن کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ یعنی فقہاء، محدثین، مفسرین نے یہ تہتر فرقے پیدا کئے جن میں صرف ایک فرقہ ناجی ہے باقی سب دوزخی تو جب بہتر دوزخی ہیں تو ان کے موجد بطریق اولیٰ گمراہ اور دوزخی ہوئے۔ گویا جب بھی اس کفر کی تلوار اٹھی تو اس کی ضرب اہل سنت والجماعت پر ہی گی۔ ان کو عیسائی، ہندو، رافضی، قادیانی، پرویزی کوئی یاد نہ رہا۔ ان کی کفر کی توپ کا منہ ہمیشہ اہلسنت کی طرف ہی رہا۔

اب ان کی توحید غور سے سنیں، سلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین ہیں جن کے زمانوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون ہونے اور صالح ہونے کی شہادت دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں سے یہ لوگ افضل وصالح ہوں گے۔ ان کا قول دین ہوگا مگر نیلوی اور بندیالوی نے اپنی پوتھی (ندائے حق ص ۱۵) پر لکھا ہے: ''یہ فرضی سلف، فرضی جمہور اور فرضی اکابر ہیں۔'' جس سے ان سنی نما تقیہ باز رافضیوں کا مقصد یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو اسی طرح تابعین، تبع تابعین، متاخرین جو فرضی جمہور ہیں۔ اصل میں یہ سب دین کے دشمن تھے، یہ لوگ شیعہ سے چار قدم آگے بڑھے ہیں۔

اچھا نیلوی صاحب! یہ فرمائیں جب یہ صحابیؓ فرضی ہیں تو انہوں نے نبی بھی فرضی بنالیا ہوگا۔ (معاذ اللہ) قرآن بھی فرضی یہ ان کی توحید کا ماحصل ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔

اور ایک موحد مولوی منور دین چک منگلا کی میرے ساتھ بات ہوئی اور کہا کہ مرزا قادیانی ان عوام الناس سے کہیں درجہ اچھا تھا یہ مشرک ہیں وہ موحد تھا۔ اسی طرح مولوی فضل الرحمن جو مولوی شہاب الدین خلیفہ مولوی محمد حسین علی کا لڑکا تھا اسی کی توحید نے یہ گل کھلائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا انکار کر دیا۔

لوگو! ان تمام کے عقائد بالکل ایک ہی ہیں خواہ قاضی شمس الدین ہو، خواہ شیخ القرآن ہو، نیلوی ہو، بندیالوی ہو، گجراتی ہو، چتوڑگڑھی ہو، پنج پیر ہو سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ صرف لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اشاعت التوحید والسنۃ کا لیبل لگا رکھا ہے ان کے شیخ القرآن نے ایک دفعہ غلطی سے راز فاش کر دیا کہ ڈھوک زمان داخلی جکڑ الہ میانوالی شیخ القرآن آئے۔ واپسی پر قاضی عمر دین ہمراہ ہو لئے راستہ میں پوچھا نبی کریم عبدالقبر صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں یا نہ؟ شیخ القرآن نے کہا کہ ہم کو تو یہ بھی یقین نہیں کہ آپ کا وجود مبارک صحیح موجود ہے یا مٹی ہو چکا ہے۔ قاضی عمر دین نے کہا پھر آپ نے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ پر دستخط کیوں کر دیئے تھے۔ کہنے لگے کہ اگر دستخط نہ کرتے تو بندہ تو ایک بھی ساتھ نہ رہتا۔ یہ ہے ان کی اصل توحید۔

لوگو! ان بہروپیوں سے اور ان تقیہ بازوں سے بچ کے رہو۔

بندہ کو گکھڑ منڈی سے ایک خط ۲۶/نومبر ۱۹۸۲ء کو ملا۔ لکھا ہے: ''میرے ایک دوست جن کا نام قاری ریاض احمد ہے۔ یہ خلیب مسجد اور مہتمم مدرسہ بھی ہیں۔ ان سے کچھ اختلاف مسئلہ چل رہا ہے۔ اس لئے آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ آپ نے اپنی کتاب عقائد وکمالات علمائے دیوبند میں عقیدہ رسالت میں لکھا ہے کہ آج کل کے اہل سنت والجماعت ہونے کا دعویٰ کرنے والے یہاں تک گئے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام مر کر مٹی ہو گئے

ہیں۔ اس لئے وہ حقیقت امت محمدیہ ﷺ کا فرد نہیں۔ تو جناب عالی! اپنے اکابرین مثلاً مولانا اسماعیل شہید و غلام اللہ صاحب و دیگر اکابرین علمائے دیوبند کی کتابوں میں ایسی عبارتیں ملتی ہیں جیسے تقویۃ الایمان و جواہر القرآن وغیرہ تو ان کے متعلق ہم کیا عقیدہ رکھیں کہ امت محمدیہ ﷺ میں شامل ہیں کہ نہیں۔''

فائدہ: حضرت اسماعیل شہید کا تو جناب نے نام لے لیا، اصل تو تقویۃ الایمان حضرت اسماعیل شہید کی ہے ہی نہیں۔ پھر پرانے نسخوں میں تو حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق ایسی کوئی بات موجود نہیں۔ نئی کتابوں میں کسی نے مہربانی کر دی ہوگی۔

رہے شیخ القرآن غلام خان تو ان کی جواہر القرآن تو توہین صلحاء اولیاء اللہ سے بھری پڑی ہے۔ آپ نے شیخ القرآن کو علمائے دیوبند میں کیسے شامل کر لیا۔ علمائے دیوبند کی کسی کتاب میں یہ نہ ملتا ہے نہ ملے گا کہ انبیاء علیہم السلام مر کر مٹی ہو گئے۔ غلام اللہ کو دیوبندی کہنا علمائے دیوبند اور مسلک دیوبند کی توہین ہے۔ ان لوگوں کے مذہب کی تو کوئی تعیین ہی نہیں کر سکتا۔ ان کا مذہب بہت سے باطل مذاہب کا معجون مرکب ہے۔ جس کا خلاصہ انبیاء علیہم السلام سے لے کر صلحائے امت تک سب کی توہین کرنا ہے۔

کتاب تحقیق الکفر والایمان بآیات القرآن، سید مرتضیٰ حسن دیوبندی (۸۲) پر لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات آسمانی اتنی طویل تسلیم کرنا خدا کے ساتھ شرک کرنا ہے اور عقیدہ شرک ہے۔

اب اس ملحد فرقہ نے بھی حیات الانبیاء علیہم السلام برزخی کے متعلق یہی عقیدہ ظاہر کیا ہے۔ سید مرتضیٰ حسن کا فتویٰ اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ اگر کسی شخص سے ایسی بات سرزد ہو جائے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر اور ساری امت کی تضلیل لازم آ جائے تو وہ شخص بلا تردد کافر ہے اور یہ لوگ تو افضل صحابہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کافر کہنے سے بھی نہیں چوکے۔ پھر اسی کتاب کے (ص ۸۶) پر فرمایا: ''اور بلا شبہ ثابت ہے کہ عہد نبوی ﷺ سے لے کر آج تک امت محمدیہ ﷺ کا اس پر عمل رہا ہے۔ ان امور کا مذاق اڑانا شرع محمدی ﷺ کی تعلیمات کا مذاق اڑانا ہے اور ان کی اہانت کرنا شرع محمدی ﷺ کی تعلیمات کی اہانت کرنے والا مرتد اور کافر ہے۔ اسی کتاب کے (ص ۸۳) پر فرمایا جب امت محمدیہ اسلام و کفر اور گمراہی میں تمیز نہیں کر سکی تو اس کی کیا دلیل ہے کہ توحید، رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے معانی جو ساری امت نے آج تک سمجھ رکھے ہیں یہ صحیح ہیں یا غلط۔

فائدہ: خلاصہ کلام کا یہ ہوا کہ اسلام ایک کھلی شاہراہ ہے کفر اور گمراہی بھی واضح چیز ہے جب ان دونوں متضاد چیزوں میں امت محمدیہ چودہ سو سال میں تمیز نہ کر سکی تو پھر حلال و حرام، جائز و ناجائز، نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ نکاح و طلاق کے مسائل میں کیسے تمیز کر سکتی ہے۔

میں اس خط سے حیران ہوا جب خود سائل تسلیم کر چکا ہے کہ پوری امت میں شیخ القرآن کا عقیدہ سب سے جدا ہے جو پوری امت کا نہیں تو شیخ القرآن کے اس امت کا فرد نہ ہونے میں شبہ رہ گیا۔ بندہ سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔

شیخ القرآن صاحب کے لگائے ہوئے پودے نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ غلام بمعنی لڑکا ہے اور غلام اللہ خدا کا بیٹا بن گیا ہے اس لئے خدا کے بیٹے کی ہر بات خواہ کیسی ہو ماننی چاہئے۔ حالانکہ یہ پہلے سیدھا سادھا غلام خان تھا اور غلام بمعنی بندہ ہے تو غلام خان یعنی خوانین کا بندہ ہوا۔ جب غلام اللہ خان بنا تو اسے خدا کا بندہ ہی رہنے دیتے بندہ

سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ شیخ القرآن نے بھی ٹھوکر کھائی کہ سلف صالحین کے خلاف عقائد باطلہ کی تعلیم دی۔ کیا واعظ سعید ملتانی نے یہ نہیں کہا کہ ابوبکر صدیق ؓ بھی میرے سامنے سماع موتی کا اقرار کرے تو میں ابوبکر صدیق ؓ کو بھی کافر کہوں گا۔ کیا یہ صاف اقرار نہیں، اس ملحد فرقہ کا۔ وہ عقیدہ نہیں جس کی صحابہ کرام ؓ نے رسول خدا سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ابوبکر صدیق ؓ تو صلوٰۃ وسلام عندالقبر کے قائل ہیں۔ جیسا کہ تنزیہ الشریعہ من اخبار الشنیعہ کے (ص ۳۲۵) پر ہے: "وله شواهد من حديث عبدالله ابن مسعود و عبدالله ابن عباس و ابى هريره اجمعهما البيهقى و من حديث ابى بكر الصديق اخرجه الديلمى من حديثهما اخرجه العقيلى" اس حدیث کے صحیح ہونے پر تین گواہ موجود ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت ابوہریرہ۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی حدیثیں جن کو بیہقی نے دیلمی سے اخراج کیا ہے۔

فائدہ: یعنی حدیث "من صلى علىّ عند قبرى سمعته" کی حدیث کو ان محدثین نے اخراج کیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ صدیق اکبر ؓ سماع موتی اور سماع صلوٰۃ وسلام عندالقبر کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اصل میں یہ ٹولہ قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ کو اپنا محکوم اور غلام بنانا چاہتے ہیں۔ اس لئے یہ کسی مفسر یا محدث یا فقیہ کا قول قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

جب ان کے سامنے کسی بڑی سے بڑی ہستی کا حوالہ پیش کیا جائے تو جواب دیتے ہیں یہ کوئی نبی تو نہ تھا کہ اس کا قول مان لیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نبی تو شیخ القرآن اور نیلوی ہیں اور ان کا آخری نبی عنایت اللہ گجراتی ہے۔ کیونکہ ان کا تو برے سے برا عقیدہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں۔ جب ان سے کہا جائے یہ عقیدہ جو تم پیش کرتے ہو یہ تو پہلے لوگوں کا نہ تھا نہ تمہارے آباؤ اجداد کا تھا۔ جواب دیتے ہیں کہ کافر یہی کہا کرتے تھے "حسبنا ما وجدنا عليه آباءنا" میں نے ان سے کہا کہ آپ نے ٹھیک سمجھا ہے۔ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کو کافر سمجھ کر ان کا مذہب ترک کر دیا ٹھیک کیا۔ آپ کا مذہب نیا، عقیدہ نیا، دین نیا اس ٹولے کا عقیدہ یہ ہے کہ ان سے پہلے سارے مسلمان کفر پر تھے یہ تو مسلم ہیں۔

ابتداء میں جب مسئلہ حیات النبی ﷺ زوروں پر تھا شیخ القرآن موضع تھمے والی اس مسئلہ کے لئے تشریف لائے۔ یہ عاجز اور مولوی نذیر اللہ گجراتی و دیگر علماء بھی وہاں پہنچ گئے۔ جلسہ عام میں میں نے اعلان کیا کہ آپ فریق مخالف قاضی شمس الدین صاحب کو گوجرانوالہ سے بلا لو یا شیخ القرآن کو میدان میں لے آؤ۔ مناظرہ میں مدعی میں ہوں گا۔ مجیب شیخ القرآن ہوں گے۔ میں ثابت کروں گا کہ مولوی غلام اللہ خان نہ دیوبندی ہیں، نہ حنفی ہیں، نہ اہل سنت ہیں۔ ان کا مذہب کئی باطل فرقوں کا معجون مرکب ہے۔ کرامیہ، نظامیہ، معتزلہ، خارجیہ، قادیانیہ، پرویزیہ اور رافضیہ وغیرہ۔

اس اعلان کے بعد شیخ القرآن اس علاقہ میں تشریف نہیں لائے۔ اس فرقہ باطلہ نے مرزا قادیانی کی طرح تدریجی ترقی کی ہے۔ پہلے اس نے مناظر ہونے کا، پھر مجدد ہونے کا، پھر امام مہدی ہونے کا، پھر نبی ہونے کا، رسول صاحب شریعت ہونے کا۔ ان حضرات نے بھی پہلے اشاعت توحید باری تعالیٰ کا نام لے کر اپنا کام شروع کیا۔ علماء ان کے ساتھ ہو گئے۔ پھر انہوں نے اولیاء کرام پر زبان درازی شروع کی۔ پھر صلحائے امت کی ایسی توہین کسی نے نہیں کی جتنی اس مردود فرقہ نے کی۔ ہم بادل نخواستہ یہ برداشت کرتے آئے۔ مگر جب ان ملحدوں نے صحابہ کرام ؓ اور حضرات انبیاء علیہم کو توہین کا نشانہ بنایا تو ہم سمجھ گئے۔ یہ موحد نہیں ملحد ہے۔ میری یہ پیش گوئی باآواز بلند ہے کہ کچھ

عرصہ بعد یہ منکرین نبوت ورسالت کا صاف صاف انکار کر دیں گے۔ حدیث رسول ﷺ کو تو نا قابل اعتبار قرار دے چکے ہیں۔ یہ درحقیقت مکذب رسول ہیں۔ جس کے صحت و سقم کا معیار صرف ان کی اپنی پسند ہے۔

رسول کریم ﷺ سے استہزاء

نیلوی صاحب کی پوتھی (ندائے حق ص ۶۵) ''جو لوگ انبیاء علیہم کی حیات حسیہ، حقیقیہ، جسمانیہ عنصریہ کاملہ کے مدعی ہیں ان کا فرض تھا کہ انبیاء علیہم کو خصوصاً اپنے نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کو قبر مبارک سے نکال لیتے تاکہ لوگ بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہو کر صحابی کا درجہ حاصل کر لیتے اور مختلف مسائل کا تصفیہ حضور سے کر لیتے جیسے وفات سے پہلے اپنے فیصلے حضور ﷺ سے کرواتے تھے۔''

فائدہ: اگر نیلوی صاحب دیوبندی ہوتے تو المہند جو عقائد دیوبند پر مستقل کتاب لکھی گئی ہے جس میں دنیا بھر کے علماء کے دستخط ثبت ہیں ضرور دیکھی ہوتی۔ معلوم ہوا نہ یہ دیوبندی ہیں نہ ان کا وہ مذہب ہے جو علمائے اسلام کا ہے۔

۲...... نیلوی صاحب کی بدتمیزی اور بداخلاقی دیکھئے کہا ہے خصوصاً اپنے نبی کریم کو قبر سے نکال لیتے۔

الجواب: مسلمان کی تو یہ ہمت نہیں پڑتی ہاں تمہارے بھائیوں حلب کے چالیس رافضیوں نے یہ حرکت کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ان کا حشر دنیا نے دیکھ لیا کہ جیتے جی انہیں زمین میں دھنسا دیا گیا تھا۔ دوسری دفعہ نصاریٰ نے یہ ارادہ کیا۔ جنہیں نور الدین زنگی نے ختم کر دیا۔ اب تم نے شاید یہ ارادہ کر رکھا ہے کہ تمہارے گکڑوی نے جو کہا کہ: ''قبر مبارک کھود کر رسول خدا ﷺ کو نکال کر بدن اقدس پر چٹکی بھرتے ہیں۔ اگر رسول خدا ﷺ نے ''سی'' منہ سے کی تو زندہ ہیں ورنہ مردہ ہیں۔''

بتاؤ ایسے لفظ کافر کے علاوہ کوئی اور کہہ سکتا ہے۔ پھر نیلوی صاحب نے کہا ''خصوصاً اپنے نبی'' کو اس سے ظاہر ہے کہ نیلوی کا نبی کریم ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ صرف مسلمانوں کے نبی ﷺ ہیں۔ کیا نیلوی صاحب کو علم نہیں کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سامنے مالک بن نویرہ نے یہ کہا تھا کہ قال صاحبکم تو مالک کو قتل کر دیا تھا کہ تم نے صاحبنا کیوں نہیں کہا۔ اگر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آج زندہ ہوتے تو نیلوی کی زبان گدی سے کھینچ لیتے۔

۳...... میں نے سمجھا تھا کہ نیلوی کوئی صاحب علم ہے۔ یہ اب معلوم ہوا کہ نیلا تو گدھے کو کہتے ہیں۔ اس لئے یہ اپنی نسبت کا صحیح مظہر ہے۔ نیلوی کو صحابی ہونے کی شرائط کا بھی علم نہیں۔ پھر نیلوی صاحب فرماتے ہیں تاکہ لوگ آپ سے مسائل کے فیصلے کروالیتے۔ کیا اسے اتنا علم بھی نہیں کہ رسول کریم ﷺ شریعت مکمل کر گئے اور مسلمان اپنے فیصلوں کے لئے شریعت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

پھر نیلوی صاحب فرماتے ہیں خاص مسئلہ حیات جو متنازعہ فیہ ہے اس کو تو حل کر دیتے۔

ارے جاہل! اس مسئلے میں تو پوری امت کا اتفاق اور اجماع ہے اور یہ پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے اور یہ مسئلہ متواترات سے ہے۔ حقیقتاً یہ سب رسول کریم ﷺ سے استہزاء کے سوا کچھ بھی نہیں۔

نوٹ: یاد رکھنا رسول کریم ﷺ کی نسبت بغیر اپنے دوسروں کی طرف کر رہا ہے جو حیات انبیاء علیہم کے قائل ہیں۔ نیلوی صاحب کو یہ کہنا بھی گوارا نہیں کہ حضور ﷺ کی نسبت اپنی طرف کرے۔

۴...... مصر کے سلاطین عبیدیہ نے ایک بار مشورہ کیا تھا کہ تینوں قبریں مدینہ سے اکھاڑ کر اگر مصر لائی جائیں تو

آمدنی کا بڑا ذریعہ بن جائے گا۔ چنانچہ اس ڈیوٹی پر وزیر ابولفتح کو لگایا جب وہ مدینہ میں داخل ہوا، مسجد نبوی ﷺ میں بے شمار مخلوق موجود تھی۔ ایک قاری قرآن پڑھ رہا تھا جب اس نے یہ آیت پڑھی: "الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول (التوبۃ:۱۳)" اس قوم سے کیوں نہیں لڑتے جس نے عہد و پیمان توڑ دیا اور رسول کے نکالنے کا قصد کیا تو مسجد میں زلزلہ آ گیا الفتح منہ کے بل گرا، اس کے دانت ٹوٹ گئے کہتا تھا کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا۔

میں نے ابتدائی دور میں قاضی شمس الدین صاحب کو خط لکھا تھا کہ حیات النبی ﷺ کے مسئلہ پر آپ میرے ساتھ تحریری بات کریں۔ ان شاء اللہ حق واضح ہو جائے گا۔ مگر قاضی صاحب انکار کر گئے۔

ہاں نیلوی صاحب! تمام مسلمانوں کا حیات انبیاء علیہم السلام پر عقیدہ ہے۔ آپ منکر حیات ہیں۔ اس لئے رسول خدا ﷺ کی قبر کھودنی ہے تو آپ کھودیں جو حیات کا عقیدہ رکھتے ہیں انہیں کیا ضرورت ہے۔ ہاں آپ کا عقیدہ رافضیوں سے ملتا ہے۔ آپ ان کو بھی ساتھ ملا لیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جب امام مہدی آئیں گے تو قبر رسول کو اور شیخین کی قبروں کو کھودیں گے۔ امام مہدی رسول کریم ﷺ سے بیعت لیں گے۔ یعنی رسول کریم ﷺ مرید ہوں گے۔ امام مہدی پیر ہوں گے۔ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو سزا دیں گے۔ امام مہدی کے آنے سے پہلے آپ لوگ ہی یہ کام کر لیں تا کہ ان کا کچھ بوجھ تو ہلکا ہو جائے۔ (معاذ اللہ)

مولوی اللہ بخش رسالہ (دعوت الارشاد ص ۲۶) پر لکھتا ہے کہ: "بعد موت سماع و رویت انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ رکھنا یہ اصل یہود کی ایجاد ہے۔"

الجواب: معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہودیوں سے کوئی نسبت ہے آپ نے ٹھیک فرمایا کہ اس مسئلہ کی نفی جس نوزائیدہ ملحد فرقہ نے کی۔ اس نے یہود کے ایماء سے ہی کی۔ توہین انبیاء علیہم السلام اور علمائے امت یہود کا خاصہ تھا۔ جو اب آپ کو ورثہ میں ملا۔ مبارک ہو! آج کوئی نبی موجود نہیں ورنہ تم لوگ یہودیوں کے نقشے قدم پر چل کر نبی کو قتل بھی کرتے۔ (معاذ اللہ)

سماع موتٰی اور سماع نبی کریم ﷺ عند القبر

یاد رکھیں کوئی باطل سے باطل فرقہ بلکہ کافر سے کافر فرقہ حتیٰ کہ روسی، چینی، دہریہ بھی اپنے دعویٰ پر دلائل پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں خدا کوئی نہیں۔ کئی انبیاء علیہم السلام کے انکار پر دلائل پیش کرتے ہیں کوئی قیامت کے عدم پر دلائل پیش کرتے ہیں۔ خواہ اوٹ پٹانگ ہوں مگر کرتے ہیں۔ یہ ملحد و مشرک ملحد بھی قرآنی آیات پیش کرتے ہیں۔ ناچیز کے سامنے اس فرقہ کے ایک مولوی صاحب نے آ کر کہا کہ مجھے چند آیات میں اشکال ہے۔ میں نے کہا پیش کیجئے۔ اس نے آیت پڑھی: "ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ (الاحقاف:۵)" میں نے کہا مولوی صاحب! میں نے تفصیلی جواب حیات برزخیہ میں لکھ دیا ہے۔ اب مجمل جواب سن لو۔

حضرت انور شاہ کشمیریؒ نے مشکلات القرآن میں لکھا ہے کہ قرآن کریم کی دو لاکھ سے زائد تفسیریں لکھی گئیں ہیں۔ بڑی تفسیریں، روح المعانی، بحر محیط، ابن جریر، جامع البیان، ابن کثیر، تفسیر کبیر، درمنثور، خازن، معالم التنزیل، ابوسعود، مناہل القرآن، البرہان زرکشی کی، حزب القرآن، عبدالجبار معتزلی کی کشاف، قرطبی، مدارک، التنزیل بیضاوی، مولوی علی البیضاوی، فتح القدیر، شوکانی، تفسیر محمد علی صابونی، اتقان، طبقات المفسرین، سیوطی، اعجاز

القرآن، تنویر المقیاس، از تفسیر ابن عباس، غرائب القرآن، نیشاپوری کی تفسیر، ملا جیون، احکام القرآن جصاص، ظلال القرآن، تفسیر وحادی، اکلیل، اسباب النزول سیوطی، تفسیر مظہری، جلالین، جمل، تفسیر ابو جعفر، اعجاز القرآن، تفسیر منار۔

غرض ستر تفسیریں میرے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ چودہ تفسیر صرف شیعہ کی موجود ہیں۔ جو مفہوم القرآن کی ان آیات کا عدم سماع موتی یا عدم سماع نبی کریم ﷺ عند القبر پیش کر کے ثابت کرتے ہیں۔ ان تمام تفسیروں میں سے ان آیات سے عدم سماع کا مسئلہ نکال کر ذرا پیش کریں قرآن کی یہ آیات کیا اس وقت قرآن میں موجود نہیں تھیں۔ جب ان مقدس ہستیوں نے یہ تفسیریں لکھیں یا ان کے سامنے نہ آسکیں کہ ورق الٹنے میں غلطی لگ گئی یا ان کی تفسیر عمداً ترک کر دی یا صاف خیانت اور بد دیانتی کی، اور یہ سارے کے سارے اس بد دیانتی پر متفق ہوئے۔ یہ ساری آیتیں ان کے سامنے تھیں۔ حدیث رسول ﷺ کے وہ ماہر تھے۔ علوم میں گہری نگاہ تھی وہ جانتے تھے کہ ان آیات کا سماع موتی سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ جس طرح امت نے محفوظ کئے۔ اسی طرح ہر ایک لفظ کے معانی بھی محفوظ رکھے۔ جس طرح رسول کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو الفاظ معانی حفظ کرائے۔ اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نے تابعین کو اور تابعین نے تبع تابعین کو قرآن کے الفاظ معانی حفظ کرائے اور تواتر قائم رہا۔ یہ الفاظ معانی ضروریات دین سے ہیں۔ ان کا انکار کرنا یا تاویل کرنا صریح کفر ہے۔ جیسا کہ حضرت انور شاہ صاحب نے فیض الباری اور عقیدۃ الاسلام میں لکھا ہے۔

چنانچہ (فیض الباری ج ۴ ص ۴۷۳) "الملحد هم الذين يؤلون في ضروريات دينهم باجراء اهوائهم" ملحد وہ ہے جو ضروریات دین میں تاویل کرے اپنے ایجاد کردہ عقیدہ کو رواج دینے کے لئے۔

اور (فیض الباری ج ۱ ص ۱۷) زندیق کی تعریف یہ ہے: "وان اعترف ظاهرا او باطناً لكنه تفسره مالبت بالضرورة بخلاف ما تفسره الصحابة والتابعون واجمعت الامة عليه هو زنديق" زندیق وہ ہے جو قرآن کو ظاہر و باطن تو جانتا ہے مگر تفسیر ایسی کرتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور ائمہ مجتہدین کی متفقہ تفسیر کے خلاف ہو۔

فائدہ: میں نے کہا مولوی صاحب آپ کا عقیدہ ہے جس طرح قرآن سمجھو اپنی رائے سے تفسیر کرو وہی زندقہ ہے اپنا مطلب جو تم بیان کرتے ہو ان تفسیروں سے پیش کرو، ورنہ تم زندیق ہو یا ملحد۔

مولوی صاحب نے جواب دیا وہ مفسر کوئی پیغمبر تھے کہ ان کی بات ماننا ضروری ہو۔ میں نے کہا وہ تو پیغمبر نہیں تھے البتہ غلام اللہ خان اور عنایت اللہ گجراتی آپ کے رسول ضرور ہیں کہ ان کی بات ماننا آپ کے لئے ضروری ہے۔ البتہ آپ "يتبع غير سبيل المؤمنين نوله ماتولى (النساء: ۱۱۵)" کا مصداق ضرور ہیں۔ آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ تمہارے یہ پیشوا امت رسول ﷺ میں نہیں ہیں۔ یہ مسلمانوں کو چھوڑ چکے ہیں۔ مگر یہ بات مان لی کہ غلام اللہ خان اور عنایت اللہ شاہ اور محمد طاہر پنج پیری سے پہلے ہم مسلمان نہیں تھے، صحیح عقیدہ نے ہی بتایا۔

یہ نہ سمجھنا کہ میں مسلمانوں کو نامسلمان کہہ رہا ہوں بلکہ جن لوگوں نے علمائے دیوبند کو بناسپتی دیوبندی کہا، جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو غیر عادل کہے، اس کو اور کیا کہا جائے۔ اگر تمہارا عقیدہ المہند کے مطابق ہے تو ٹھیک ورنہ تم دیوبند کا نام لے کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہو۔ چندہ مانگتے ہو۔ شرم نہیں آتی۔

نیلوی صاحب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر معروف، بالفقہ والعدالۃ لکھا ہے۔ کیا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ علم نہیں تھا کہ ایک جاہل کو قاضی بنا دیا۔ غیر فقیہ تو جاہل ہوتا ہے اور راوی میں عدالت شرط ہے اور غیر عادل راوی تو

فاسق ہے۔ مگر اس بدکار نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دونوں لفظ استعمال کئے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ شخص ہے جس نے اسلام لانے کے بعد نبی کریم ﷺ کا دامن نہیں چھوڑا۔ یقیناً چوتھا حصہ دین حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہو کر آیا ایسے شخص کو یہ نیلوی جاہل ان الفاظ سے یاد کر رہا ہے۔ یہ ٹولہ حقیقت میں دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم ہی نہیں بلکہ دشمن دین بھی ہے۔ ان میں اور شیعہ میں کوئی فرق نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرح دوسرے جلیل القدر صحابیؓ کو نیلوی جنگلی کا لقب دیا۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

پھر مولوی صاحب نے یہ آیت پڑھی: ''انک لاتسمع الموتی اور ما انت بمسمع من فی القبور اور انک میت و انھم میتون''

الجواب: ''انک لاتسمع الموتی اور ما انت بمسمع من فی القبور'' میں دو صیغے ہیں ایک میں اسماع کی نفی ہے، دوسرے میں سماع کا اثبات ہے۔ نفی کا تعلق زمانہ دنیا سے ہے اور سماع کا تعلق زمانہ برزخ سے ہے۔ جب نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا آپ زمانہ دنیا میں تھے جو اس وقت دنیا میں موجود نہیں۔ آپ ان کو نہیں سنا سکتے۔ ہاں! وہ برزخ میں سنتے ہیں۔ نفی اسماع کا تعلق دنیا سے ہے۔ سماع کا تعلق برزخ سے ہے۔ اب اشکال کیا ہوا۔ نبی کریم ﷺ اہل دنیا کو تبلیغ کرنے کے مکلف تھے نہ برزخ والوں کو جو لوگ اب دنیا میں نہیں ان کو تبلیغ محال ہے۔ لہٰذا انہیں کیا فائدہ ہوگا۔

دوئم: نفی اسماع کی ہے نہ سماع کی اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ زمانہ دنیا میں نہیں وہ برزخ میں ہے ان تک آواز پہنچانا میرا کام ہے۔ ''ان اللہ یسمع من یشاء''

سوم: سماع سے غرض ہی عمل ہے صرف سننا سنانا نہیں جیسے کہتے ہیں میں نے اس کو کئی بار کہا نماز پڑھ وہ میری بات ہی نہیں سنتا۔ مراد یہ ہے میری بات پر عمل نہیں کرتا یا جیسے کہا جاتا ہے تمہارا مقدمہ فلاں کے پاس چلا گیا تو کہا جاتا ہے وہ تو مقدمہ سنن ہی نہیں سکتا جس سے مراد ظاہر ہے۔

''انک میت و انھم میتون'' یہ آیت آپ نے غلط موقع پر پیش کی۔ یہ اس وقت پیش کر سکتے ہیں جب حیات انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ پیش ہے۔ اس آیت میں کس لفظ کا معنی عدم سماع ہے۔ جب سماع یا عدم سماع کا ذکر ہی نہیں تو یہ آیت پیش کرنا ناسمجھی کی دلیل ہے۔ البتہ اس آیت میں قرآن نے دونوں موتوں کا فرق واضح کر دیا کہ حضور ﷺ کی موت اور قسم کی ہے، دوسروں کی موت اور قسم کی ہے، ورنہ اتنا کافی تھا۔ ''انک و انھم میتون۔ آیت انک لاتسمع الموتی اور و ما انت بمسمع من فی القبور'' کا مفہوم اگر وہ لیا جو آج کے برخود غلط مفسرین لیتے ہیں تو دو صورتیں ممکن ہیں۔ اوّل یہ کہ نبی کریم ﷺ قبور پر جا کر اہل قبور سے حاجت طلب کرتے تھے۔ دوئم یہ کہ حضور ﷺ قبرستان میں جا کر اہل قبور کو تبلیغ کرتے تھے اور یہ دونوں صورتیں محال ہیں۔ کیونکہ پہلی صورت شرک ہے اور دوسری صورت خلاف عقل ہے۔ کیونکہ جب اہل قبور مکلف ہی نہیں تو انہیں تبلیغ کا کیا مطلب۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عدم سماع سے مراد عدم نفع ہے یعنی کفار کو تبلیغ کرنا ایسا ہے جیسے مردوں کو۔ صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ جن کو مشرکین پکارتے تھے وہ یا جماد ہوں گے یا ذوی العقول۔ اگر جماد ہوئے جیسے پتھر کے بت وغیرہ ان کے عدم سماع کی وجہ آلات سماع کا فقدان ہے اور اگر ذوالعقول ہوں جیسے شیاطین وغیرہ تو وہ قعر جہنم میں ہیں یا وہ نیک صالحین انبیاء علیہم السلام ہوں گے وہ نعمائے جنت میں مگن۔ معلوم ہوا کہ وہ کسی عارضہ کی وجہ سے نہیں سنتے۔

منکرین سماع موتی یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ جہاں جہاں سماع کا ثبوت ہے اسی مورد پر بند رکھا جائے جہاں مورد نہیں وہاں انکار کیا جائے۔ جواب یہ ہے پھر شارع سے مورد کی تعیین کرائیں اور مورد کا قانون اور ضابطہ شارع سے بیان کریں۔ جب مورد کا کوئی قانون اور ضابطہ ہی نہیں تو مورد کی تعیین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

منکرین سماع یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ فی الجملہ سنتے ہیں، جواب یہ ہے کہ فی الجملہ تو زندہ بھی سنتا ہے اگر سو جائے یا غشی آ جائے تو نہیں سنتا۔ اسی طرح جب مورد پر سماع درست ہے جس کو آپ تسلیم کر چکے ہیں تو بتایئے جن موارد میں سنتا ہے اس وقت کیا وہ مردہ نہ تھا۔ اگر اس وقت سن لیا تو بتایا اوقات میں اس کے سننے میں کون سا پہاڑ حائل ہو گیا۔ اچھا یہ بتاؤ کفار مشرکین عرب انبیاء علیہم کو مانتے تھے یا ان کے منکر تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ منکر تھے تو اس صورت میں ان کی قبور پر نداء اور فریاد کے کیا معنی اور ان کا عقیدہ تھا کہ موت ایک عدمی چیز ہے جو عدم بمعنی محال ہے اور قدرت باری محالات سے تعلق نہیں پکڑتی۔ کیونکہ محال میں استعداد تعلق بھی موجود نہیں۔ جب مشرکین عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ موت نے ان کے وجود کو معدوم کر دیا تو عدم محض کو پکارنے کا کیا مطلب؟ زندگی اور موت ان کے ہاں یہ تھی کہ ہمارے آباؤ اجداد مر گئے ہم آ گئے۔ ہم مر جائیں گے ہمارے بیٹے آ جائیں گے۔ علیٰ ہذا القیاس! البتہ وہ پتھر کی مورتیوں کی پوجا کرتے تھے۔

یہاں ہمارے یہ نئے مفسرین یہ دھوکا دیتے ہیں کہ مشرکین عرب بتوں کی پوجا اس لئے کرتے تھے کہ اس وجہ سے وہ ارواح خوش ہوں گے جن کے یہ بت ہیں۔ یہ دعویٰ محض فریب ہے۔ کیونکہ مشرکین عرب کا عقیدہ موت سے متعلق پہلے واضح کیا جا چکا ہے۔ جب وہ معدوم ہو گئے تو معدوم کو خوش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کلام اور سماع شے واحد ہے جو کلام کر سکتا ہے وہ سن بھی لیتا ہے اور کلام کا ثبوت اس آیت میں صاف موجود ہے۔

"قال یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین (یٰس:۲۶، ۲۷)" اس نے کہا کاش! میری قوم کو علم ہوتا کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والی جگہ دی۔ ظاہر ہے کہ کلام زندہ ہی کرتا ہے زندہ ہی سنتا بھی ہے۔

"حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلّی اعمل صالحاً فیما ترکت کلّا انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون (المومنون:۹۹، ۱۰۰)" جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو کہتا ہے۔ اے میرے رب مجھے ایک بار دنیا میں پھر بھیج، میں جا کر نیک عمل کروں جو قصور ہوا وہ پورا کروں جواب ملا ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے جو اس نے کہہ دی اور ان کے بعد عالم برزخ ہے قیامت تک۔

فائدہ: یہاں بھی کلام ہوئی سوال و جواب ہوئے سن کر نیز حجات دنیا میں لوٹنے کے لئے ہے۔ کلام کرنے کے لئے کوئی حجاب نہیں۔

"یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرہ (ابراھیم:۲۷)" اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو کلمہ توحید پر دنیا میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور برزخ میں بھی۔

نوٹ: قرآن کریم بالقول فرمایا اور قول کے لئے قائل کا ہونا ضروری ہے۔ قائل ہوا تو کلام کا ہونا لازمی ہے کلام ثابت ہوئی تو سماع ثابت ہو گیا۔

۴...... "قالوا یاویلنامن بعثنامن مرقدنا (یٰس: ۵۲) " وہ کہیں گے ہائے کس نے ہمیں نیند سے جگا دیا۔ یہاں بھی قالوا کے لئے قائل کی ضرورت ہے اور مرقد سونے کی جگہ کو کہتے ہیں اور رقود کے معنی سونا ہے اور سونا زندہ کے لئے ہے۔ لہٰذا یہاں میت کے لئے کلام کرنا اور سونا دونوں ثابت ہوئے۔ قرآن کریم میں رقود اسی معنی میں آیا ہے "وتحسبھم ایقاظاً وھم رقود (الکھف: ۱۸) " کیا آپ نکیرین کے سوال وجواب کے قائل ہیں یا منکر ہیں۔ اگر منکر ہیں تو بات صاف ہے کہ ضروریات دین کا منکر کافر ہوتا ہے اور اگر قائل ہیں تو یہ کہئے کہ کیا سنے بغیر سوال وجواب ہو سکتے ہیں۔ نیز کیا آپ ثواب وعذاب قبر کے قائل ہیں یا منکر۔ اگر منکر ہیں تو ظاہر ہے کہ ضروریات دین کا منکر کافر ہے اور اگر قائل ہیں تو ظاہر ہے کہ ثواب وعذاب زندہ کو ہوتا ہے۔ حضرت انور شاہ صاحب نے (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) پر ایک فیصلہ کن بات لکھی ہے: "احادیث السماع متواترۃ" سماع کی حدیث متواتر ہیں۔

اور تواتر کا انکار کفر ہے، نیز (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) "فالانکار السماع الموتیٰ فی غیر محلہ لیس مالم ینقل عن احد من ائمتنافلا بدلنا الالتزام بماسماع الموتیٰ " پس انکار سماع موتی کا اپنے محل میں نہیں ہے۔ جب ہمارے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک سے بھی عدم سماع نقل نہیں ہوا۔ پس ضروری ہے کہ سماع موتی کے عقیدہ کو لازم پکڑا جائے۔

لیکن یہ حضرات جب حدیث کا انکار کر چکے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول وفعل کو حجت نہیں سمجھتے۔ قرآن کی من مانی شرح وتفسیر کرتے ہیں اور تمام قابل احترام ہستیوں کی توہین کرتے ہیں تو انہیں اس سے کیا غرض کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا عقیدہ کیا تھا۔ مفسرین نے کیا سمجھا، محدثین کیا کہہ گئے۔

ان لوگوں نے تو حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو جنگلی کی بات کہہ کر ٹال دیا۔ حالانکہ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے دس سال کے بعد کا ہے اور اس موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا جم غفیر موجود تھا اور خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے اور ہم خلفائے راشدین کے قول کو شریعت کا درجہ دیتے ہیں۔ اجتہاد کا نہیں اور یہ واقعہ فیض الباری میں انور شاہ صاحب نے لکھا ہے اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اور تاریخ طبری میں ابن خلدون نے اور ابن حجر عسقلانی نے اور سید سمہودی نے وفاء الوفا میں اور مولانا حسین علی تحریرات حدیث میں لکھا ہے کہ حضرت بلال بن حارث صحابیؓ، رسول کریم ﷺ کی قبر اطہر کے پاس آئے استسقاء کی درخواست کی یا رسول اللہ! دعا فرمایئے امت قحط سالی سے ہلاک ہو رہی۔ رات کو خواب میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو میرا سلام کہنا۔ صبح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہ میں حضور ﷺ کی طرف سے آپ کے لئے پیغام لے کر آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے یہ خواب کب دیکھا؟ جواب دیا البارحۃ۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع عام تھا انہوں نے سن کر کہا بلال نے سچ کہا۔

استسقاء عند القبر جلیل القدر صحابیؓ کا فعل ہے خلیفہ راشد کے سامنے بیان ہوا۔ آپ نے تصدیق فرمائی۔ خلفائے راشدین کا قول حکم تشریع کا رکھتا۔ قرآن وحدیث میں اقوال خلفاء کو واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ پھر یہ واقع صحابہ رضی اللہ عنہم کے جم غفیر کے سامنے بیان ہوا ہے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم یقیناً انکار کر دیتے کہ یہ فلاں نص قرآنی یا نص حدیث کے خلاف ہے۔ اگر کوئی بھی اختلاف کرتا یہ اختلاف آج تک چلا آتا اور فقہا اور محدثین مفسرین کی مقدس جماعت اس کی ہرگز اجازت نہ دیتی۔ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کی

وفات ۶۰ھ میں ہوئی۔ یعنی اس واقعہ کے قریباً بیالیس سال بعد بھی وہ زندہ رہے۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ میں بحیثیت سفیر کے حضور ﷺ کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ پیغام زندہ کا ہوتا ہے یا مردہ کا۔ پھر اس عرصہ میں کسی صحابیؓ نے یہ نہیں کہا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔ درخور اعتناء نہیں۔ یہ آج کے کٹھ ملاں کا دل گردہ ہے کہ اسے جنگلی کا خواب کہہ رہا ہے جس کا اصول یہ ہے دین وہی ہے جو ہماری سمجھ میں آئے یا ہماری خواہش کے مطابق ہو۔ اس کے خلاف نہ خدا کی مانو نہ رسول خدا کی اور اللہ کی کتاب کے ساتھ تمسخر کا یہ عالم ہے کہ مشرکین اور کفار کے حق میں جو آیتیں نازل ہوئیں انہیں مسلمانوں پر چسپاں کرنے میں مشاق ہیں۔ جو خوارج کی خصوصیات میں سرفہرست ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ''باب قتال الخوارج والملحدین'' میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول مذکور ہے: ''الخوارج هم شرار خلق الله اطلقوا الى ايات الله نزلت في الكفار جعلوا ها على المؤمنين'' خارجی بدترین مخلوق ہیں آیات قرآنی جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں ان بدکاروں نے انہیں مسلمانوں پر چسپاں کر دیا۔

ان حضرات کا شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی ہے جس کو علامہ شامی نے خارجی لکھا ہے۔ یہ اس کے پورے پورے متبع ہیں جو آیات قرآنی بتوں کے حق میں نازل ہوئیں اور جن سے یہ لوگ عدم سماع موتی پر استدلال کرتے ہیں۔ ان آیات سے ان چند آدمیوں نے بھی استدلال نہیں کیا۔ جو منکر سماع ہوئے وہ بس عقلی دلائل پر اکتفا کرتے رہے۔ یہ لوگ ایک نام نہاد مجہول غیر معروف فتاویٰ فی تحقیق المذاہب کا حوالہ دیتے ہیں جیسا کہ شفاء الصدور اور اقامۃ البرہان میں ذکر کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے قبرستان میں کسی کو کسی قبر پر کوئی بات کرتے سنا تو فرمایا کیا اس نے کوئی جواب دیا تیری بات سنی۔ پھر آیت: ''وما انت بمسمع من في القبور'' پڑھی اور فرمایا پھٹکار ہو اس پر جس کو جواب نہیں ملتا۔ پھر باتیں کرتا ہے۔

الجواب: میں نے حیات برزخیہ میں اشارۃً لکھ دیا تھا یہ مولوی قنوجی نواب صدیق حسن خان کا استاد تھا اور یہ غیر مقلدین کی دسیسہ کاری ہے۔ آپ مؤلف کا نام ولدیت بیان کریں۔ نیز یہ بتائیں کہ یہ کتاب کس سن میں اور کس مطبع میں شائع ہوئی۔ مؤلف کا مسلک کیا تھا۔ پہلے اس کا مسلک بیان کریں اور پھر بتائیں کہ احناف کے نزدیک اس کا کیا پایہ ہے۔ ان کی نگاہ میں اس کی حیثیت کیا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ معتبر کتب احناف میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ پھر یہ حوالہ نہ متقدمین حنفیہ نے دیا، نہ متاخرین کو معلوم ہوسکا۔ حالانکہ ترجمان حنفیت ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں اور اسی عبارت کو (عمدۃ الرعایہ ص ۱۶) پر نقل فرمایا: ''ومن القواعد الكلية ان نقل الاحاديث النبوية والمسائل الفقهية والتفاسير القرآنيه لا يجوز الا من الكتب المتداولة لعل الاعتماد على غيرها من وضع والزنادقة والحاق الملاحدة بخلاف الكتب المحفوظة فان نسخها صحيحة متعددة'' قانون کلی یہ ہے کہ حدیث نبوی کی نقل کرنا یا مسائل فقہیہ یا تفاسیر قرآنیہ سوائے کتب متداولہ سے جائز نہیں۔ کیونکہ دوسری کتابوں پر اعتماد نہیں ہوسکتا کہ زندیقوں نے ملاوٹ کردی ہو یا ملحدوں نے الحاد کر دیا ہو۔ اس کے برعکس ان کتابوں سے رجوع کرنا چاہئے جو محفوظ ہیں۔ کیونکہ ان کے نسخے صحیح اور متعدد ہوتے ہیں۔

اسی طرح حضرت سے کسی نے طبقات ابن سعد کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔ یہ کتاب ایک دفعہ عالم اسلامی میں نابود ہو چکی تھی یورپین قوموں نے طبع کرائی۔ لہٰذا غیر کی دست اندازی کا شک ہے۔ اس لئے غیر معتبر ہے۔ اب تمہاری غرائبی تحقیق المذہب کو کون مانے واقعی للمذہب المجہول ثبوت المجہول۔

شیخ ابن الہمام نے (فتح القدیر ج ۳ ص ۲۴۶) پر لکھا ہے: ”طریق نقله احد الامرین لذلک عن المجتهد اما ان یکون له فیه سند الیه او یاخذ من معروف تداولته الایادی نحو کتب محمد بن حسن ونحوها من التصانیف المشهورة للمجتهدین لانه بمنزلة الخبر المتواتر عنهم او المشهور کذا ذکره الرازی فعلی هذا لو وجدنا بعض النسخ النوادر فی زماننا یحل غیر ما فیها الی محمد ولا الی ابی یوسف لانها لم تشهر فی عصرنا فی دیارنا ولم تتداول نعم اذا وجدالنقل من النوادر مثلاً فی کتاب معروف مشهور کالهدایة والمبسوط کان ذالک تحویلا علی الکتاب“ قاضی (یا مفتی) کے مجتہد سے نقل کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ نقل روایت کی سند مجتہد تک مسلسل جائے یا کسی ایسی کتاب سے نقل کرے جو مشہور ہو معروف متداول ہاتھوں ہاتھ آئی ہو۔ جیسے امام محمد بن حسنؒ کی کتابیں یا ان کی مانند مجتہد مشہور کتابیں۔ کیونکہ کتاب میں ان سے مشہور اور خبر متواتر کی طرح مذکور ہوئیں۔ امام ابوبکر جصاص رازی نے اسی طرح ذکر کیا۔ اگر ہم اپنے زمانے میں کسی نادر کتاب کے بعض نسخے پائیں تو اس کی نسبت امام محمد یا ابو یوسف کی طرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس وجہ سے یہ کتاب ہمارے زمانے میں ہمارے شہروں میں متداول نہیں ہوئی۔ ہاں اس نادر غیر معروف کتاب کی نقل کسی مشہور معروف کتاب سے مل جائے۔ جیسے ہدایہ، مبسوط اس پر بھروسہ جائز ہوگا۔

یہ اصول عالمگیری اور بحر الرائق وغیرہ میں موجود ہے۔

فائدہ: جب امام محمد اور امام ابو یوسفؒ جو ہمارے امام ہیں اور جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ ان کی کتاب غیر معروف وغیر مشہور اور قابل حجت نہیں۔ نہ اس سے نقل جائز ہے جب تک متداول یا کسی مشہور فقیہ کی کتاب میں اس کی عبارت موجود نہ ہو اور یہ لوگ ایک مجہول اور غیر معروف کتاب فتوی غرائب کو لئے پھرتے ہیں۔ اگر امام صاحب کا یہ مذہب ہے تو کتب متون فقہ میں جو متداول ہیں دکھائیں۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۶) ”فاعلم ان القبور فی الحس معطلة قطعاً وحینئذ اجراءالکلام علیها کانها خالیة من الافعال اجراء علی ما فی الواقع ونفس الامروان کان فی نظر عالم الغیب غیر معطلة ومشغولة اهلها واصحابها فی ما فوض الیهم من ربهم“ جان لو کہ ظاہراً حساً دیکھتے ہیں کہ تمام قبریں قطعاً خالی پڑی ہیں ان میں کوئی فعل نہیں ہو رہا۔ اس طرح جاری کرنا کلام کا واقعہ میں اور نفس الامر میں بالکل خالی ہے اور عالم غیب کی نظر میں کوئی بھی معطل نہیں۔ یہ افعال سے خالی ہے اور ان قبروں میں رہنے والے ثواب وعذاب میں مشغول ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلط کر دیا ہے۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۹۲ باب ماجاء فی عذاب القبر) ”وهو ثابت عند اهل السنة والجماعة کانه بالتواتر“ عذاب قبر اہل سنت والجماعت تمام کے تمام کے نزدیک تواتر سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ تواتر کا منکر کافر ہے۔

فائدہ: یہ ثابت ہو چکا کہ کوئی مسئلہ کسی مجہول کتاب سے ثابت نہ کیا جائے۔ غرائب کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۲) عذاب قبر پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے تواتر سے ثابت ہے منکر تواتر کا فر ہے۔

(۳) پورا پورا قرآن بھرا ہوا ہے کہ جہان دو ہیں، عالم الغیب اور عالم الشہادت جس طرح یہ دو جہاں مختلف ہیں ان کے احکام بھی مختلف ہیں۔ عالم شہادت محسوس اور مشہود ہے۔ اس کے احکام بھی کانوں سے سننا، زبان سے کلام کرنا، آنکھوں سے دیکھ لینا، تکلیف آرام کا محسوس کرنا۔

عالم الغیب نہ آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے، نہ اس زبان سے کلام ہو سکتی ہے، جہاں اول یعنی محسوس کا تعلق علمائے ظاہر اور علمائے باطن دونوں سے ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق علوم نبوت سے ہے اور جہاں ثانی کا تعلق علمائے باطن سے ہے۔ جس کا تعلق نور نبوت سے ہے عالم الغیب کے حالات مردوں کی قبور میں مشغول بالعذاب وثواب ہونا، ان کی قبور کا آباد ہونا، اہل قبور کے حالات واقوال، احوال سب معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ان کو جنہیں نور نبوت حاصل ہو۔ عارف باللہ کامل ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم غیب، عالم شہادت سے زیادہ آباد ہے۔ قرآن دونوں جہان آباد بتاتا ہے۔ مگر جس کی بصیرت کی آنکھیں پھٹ ہوں اسے اس جہان کی آبادی معلوم نہیں ہوتی۔ سوائے انکار کے کیا کر سکتا ہے۔ یاد رکھو کافر، فاسق، علوم نور نبوت حاصل نہیں کر سکتا۔ عالم محسوس کا تعلق نبوت کے ظاہری پہلو سے ہے اور عالم الغیب کا تعلق نبوت کے باطنی پہلو سے ہے۔ یہ مسئلہ اس لئے لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں عذاب نظر نہیں آتا۔ کیا نبوت کا باطنی پہلو تمہیں نظر آتا ہے جب جبرائیل آتا اور رسول کریم ﷺ سے بات کرتا وہ بات کسی اور کو سنائی نہیں دیتی تھی۔ مگر جب وہی بات رسول کریم ﷺ اپنی زبان سے ادا کرتے لوگوں کو سنائی دیتی۔

کشف حاشیہ درمختار (ج ۱ ص ۱۱۳ حاشیہ نمبر ۷) ''المطلوب فیما ذهب اليه طبع القاصر و ذهن الفاتر ان السماع لا مطلق لا ينكره احد وانما الخلاف في كيفيته النزاع نزاع اللفظى الله اعلم واعلى الكلام واقصى الحرام ان هذا المسئلة ليست مما يبحث الحافظون وينقله الناقلون بل هو من الانكشاف الصفاتى الذى ينكشفه الله تعالى اولياء فالاية يشير الى مقام والحديث يشير الى مقام'' اصل مطلوب جس کی طرف میری طبیعت قاصر اور دماغ فاتر گیا وہ یہ ہے کہ مطلق سماع موتی کا منکر کوئی بھی نہیں۔ ہاں کیفیت سماع میں اختلاف ہے اور یہ صرف نزاع لفظی ہے مقصودی بات تو یہ ہے کہ سماع موتی کا مسئلہ علمائے ظاہر کی سمجھ سے باہر ہے، نری لفاظی اور نقل سے کام نہیں بنتا۔ بلکہ یہ مسئلہ انکشاف صفاتی سے تعلق رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ قبور کے حالات اولیاء اللہ پر منکشف فرما دیتا ہے۔ آیت قرآنی اور مقام کی طرف اشارہ کرتی ہے یعنی سماع عدم نافع کی طرف اور حدیث دوسرے مقام کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

صاحب کشف الاستار نے ٹھیک فرمایا کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ مگر یہ چیز کہاں سے لائیں یہ تو نور نبوت سے حاصل ہوتی ہے جو نور نبوت کے قریب ہی نہ جائے۔ بلکہ نور نبوت کو ناجائز کہے، اس کو یہ کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ ''يهدى الله لنوره من يشاء (النور: ۳۵) اور من لم يجعل الله له نورا فماله من نور (النور: ۴۰)''

یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ عالم برزخ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے تمام احکام وافعال بھی اس قسم کے ہیں۔ امور غیبیہ پر دلائل ظاہر یہ پیش کر کے احکام غیبیہ ثابت کرنا نری حماقت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عالم غیب کی زبان کلام سماع سے واقف ہو اس سے دریافت کریئے کہ عالم برزخ والے کس طرح سنتے اور کس طرح کلام کرتے ہیں۔

تو نہ دیدی گہے سلیمان را چہ شناسی زبان مرغاں را

اور جب اس عالم سے واقفیت ہو جائے تو صورت یہ بنتی ہے کہ:

بینی اندر دل علوم انبیاءؑ بے کتاب وبے معیدا اوستا

اگر یہ سمجھنا چاہو تو ایسے آدمی سے پوچھو جو علوم نبوت کے علاوہ نور نبوت سے بھی بہرہ ور ہو۔ ورنہ سماع موتی اور اخذ فیض از ارواح کا انکار والا اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے۔

(فیض الباری ج ۱ ص ۱۴۹، ۱۵۰) ''لجمیع انواع البر الاذکار والاشغال وغیرھا والاذکار یقال للاوراد المسنونۃ واما ذکرہ المشائخ من الضربات الکیفیات واعلم ان لفظ الاحسان مثامل یقال لھا اشغال والنسبۃ فی اصطلاحھم ربط خاص سوی ربط الخالقیۃ والمخلوقیۃ فمن حصل لہ ربط سوی ربط العالم یقال صاحب النسبۃ والطرق المشھورۃ فی التصوف السھروردیۃ والقادریۃ والجشتیۃ والنقشبندیۃ وسلسلۃ السھروردیۃ تسلسلت فی اجدادنا من شرۃ متصلۃ'' اور جان لو کہ لفظ احسان کا شامل ہے تمام اقسام بر کو یعنی تمام نیکیوں کو خواہ اذکار ہوں یا اشغال، اذکار کا لفظ اوراد اور ادعیہ مسنونہ پر بولا جاتا ہے اور جو چیزیں مشائخ نے ضربات اور کیفیات کی صورت میں بیان فرمائیں ان کو اشغال کہتے ہیں اور ان کی اصطلاح میں نسبت ایک ربط خاص کو کہتے ہیں جو خالقیت اور مخلوقیت کے تعلق کے علاوہ ہے اور تصوف میں چار سلاسل بھی برحق ہیں۔ جیسے سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سلسلہ سہروردیہ ہمارے خاندان میں دس پشتوں سے مسلسل چلا آرہا ہے۔

فائدہ: حضرت شیخ انورؒ نے واضح کردیا کہ جس طرح ہمارے چار مذاہب برحق ہیں۔ اسی طرح چار سلاسل بھی برحق ہیں۔ چار مذاہب میں نبوت کا ظاہری پہلو سنبھال لیا اور چار سلاسل نے باطنی پہلو سنبھال لیا۔ جس مذہب نے نبوت کے یہ دونوں پہلو سنبھالے وہ مذہب اہل سنت ہے۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فرمایا کہ بغیر ضربات کے لطائف کا منور ہونا محال ہے۔ یہ بھی فرمایا بغیر ضربات لطائف روحانی کیفیات کا پیدا ہونا محال ہے۔

فیض از قبور

(فیض الباری ج ۴ ص ۴۳۴) ''فقد سألت مرۃ عنہ من الاستفاضۃ من اھل القبور ھل یجوز ذالک ام لا فقال اما المحدثون فلا اراھم یجوزونہ ولکن اجیز اما لکونہ ثابتا عند ارباب الحقائق غیر انہ ینبغی لمن لہ اھلا وامامن کان غرقا فی الظلمات فلا خیر لہ'' میں نے شیخ انور سے ایک دفعہ اہل قبور سے حصول فیض کے متعلق سوال کیا کہ یہ جائز ہے یا نہیں تو فرمایا کہ محدثین میں میں نہیں دیکھتا وہ جائز رکھتے ہوں۔ لیکن میں جائز رکھتا ہوں کیونکہ یہ قائم ثابت ہے صوفیاء، عارفین، ارباب حقائق سے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ قبر سے فیض لینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ بہرحال وہ شخص جو اندھیروں میں غرق ہو اس کے لئے کیا اچھائی ہے۔

پھر فقہاء کا رد فرماتے ہوئے (فیض الباری ج ۴ ص ۳۲۰) ''فینبغی ان یرجع فی مثالہ الی کلام العرفاء فانھم اعلم بھذا الموضوع لکل فن رجال'' حق یہ ہے کہ روح سے فیض حاصل کرنے کے مسئلہ میں اور اسی طرح کے سلوک و تصوف کے مسائل میں عارفین کے کلام کی طرف رجوع کی جائے وہ لوگ اس فن سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر فن کے مخصوص ماہر ہوتے ہیں۔

اس کی تحقیق کے لئے علمائے دیوبند کے بنیادی عقائد دیکھے جائیں تو ''المھند'' جو علمائے دیوبند کے بنیادی عقائد کی جان ہیں۔ اس میں لکھا ہے و وصول الفیوض من قبورھم و صدورھم صحیح یعنی اولیاء کے سینوں اور قبور سے فیض حاصل کرنا بالکل درست ہے۔

فائدہ: (۱) میرا یقین ہے کہ شیخ انورؒ علماء میں ایک سورج کی طرح تھے جو غروب ہو گیا۔

(۲) اگر میدان قیامت میں اللہ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے کوئی نیکی بھی کی تو میں جواب دوں گا یا خدایا میں نے حضرت انور شاہ محدث کو دیکھا تھا۔

(۳) اہلسنت کا عقیدہ ہے بغیر انبیاء علیہم کے کوئی معصوم نہیں ورنہ میں کہتا کہ انور شاہ معصوم تھے۔ بایں ہمہ اگر شیخ انور سلوک یا سیر الی اللہ یا سیر فی اللہ یا ان کیفیات جو سالک پر طاری ہوتی ہیں۔خود بخود دیکھنا چاہتے تو ہرگز ہرگز نہ سمجھ سکتے۔سلوک یہ نہیں کہ پانچ لطائف حاصل کر لئے یا مراقبات ثلاثہ یا دوائر ثلاثہ یا سیر کعبہ یا فنا فی الرسول یا فنا بقاء یا سالک المجذوبی کے منازل حاصل کر لئے یہ تو سلوک کے مبادی، اساس اور قواعد ہیں اصل تو عالم امر سے آگے چلنا ہے۔عالم حیرت تک اللہ تعالیٰ کی انتہاء نہیں نہ ابتداء ہے۔سلوک کی ابتداء ہے مگر اس کی انتہاء معلوم نہیں۔ میں کہتا ہوں دس ہزار سال عمر کسی کی ہو کسی کامل سے ملے جس کو اپنے نبی کی جوتیوں کے صدقے مکمل اتباع سنت کی وجہ سے رب العالمین سے فیض بالذات شروع ہو جائے وہ متبع شریعت بندہ مخلص ہو۔اس کا سلوک فیبی کشش، فیبی جذبہ، فیبی توجہ سے ملتا ہے۔ہاں یہ ختم نہیں ہوتا۔ ''اللھم اجعلنی من الحاضرین ولا تترکنی من الغائبین'' میرا دل تھا قدرے تفصیل سے لکھتا مگر کون سمجھے گا، کیا فائدہ؟ وہ تو بجائے حاصل کرنے کے اعتراض کریں گے۔

لباس فہم بربالائے او تنگ ۔۔۔ سمند ہم در صحرائے اولنگ
نہ چندی گنجد ایں جادہ چونی ۔۔۔ فرد بند لب از کم وزفتر ونی

اور

ایں آں سعادت ہست کہ حسرت برد برآں ۔۔۔ جویان تخت قیصر وملک سکندری

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور فیض از قبور

(القول الجمیل عربی ص ۱۶۱) ''اذا دخل المقبرۃ قرأ سورۃ انا فتحنا فی رکعتین ثم یجلس مستقبلا الی المیت مستدبرا الی الکعبۃ الی ان قال ویقرأ سورۃ الفاتحۃ احدی عشرۃ ثم یقرب المیت ویقول یا روح ویضرب فی القلب حتی یجد انشراحا ونورا ثم ینظر لما یفیض من صاحب القبر علی قلبہ'' جب قبرستان میں داخل ہو سورۃ انا فتحنا لک دو رکعتوں میں پڑھ کر کعبہ کی طرف پیٹھ کر کے میت کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے اور گیارہ مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر میت کے قریب ہو جائے اور کہے یا روح اور ضرب اس کی قلب پر لگائے حتیٰ کہ سینہ میں انشراح پیدا ہو جائے۔پھر انتظار کرے کہ روح کی طرف سے سالک کے دل پر کیا فیض آتا ہے۔

فائدہ: یہ طریقہ جو شاہ ولی اللہ نے فرمایا ہے یہ مبتدی کے لئے ہے، کامل کے لئے نہیں۔کامل کو تو فیض شروع ہو جاتا ہے۔بشرطیکہ قبر والا بھی اکمل ہو کہ نور رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے شروع ہو جائے اور یہ براہ راست رب العالمین سے ملنا شروع ہو جائے۔جس طرح انبیاء علیہم کو ملتا ہے فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم کو براہ راست ملتا ہے اور اولیاء اللہ کو اتباع نبی کے واسطہ سے ملتا ہے۔بغیر اتباع نبی کے کوئی کمال حاصل ہونا محال ہے۔

طریق اخذ فیض قبور

(القول الجمیل ص ۸۵) ''ان یجلس بین یدیہ ان کان حیا و عند قبرہ ان کان میتا ویفرغ نفسہ عن کل

نسبۃ و یفضی بروحہ الی روحہ'' اگر شیخ زندہ ہے تو سامنے بیٹھے اور اگر فوت شدہ ہو تو قبر کی طرف منہ کر کے کعبہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ جائے خالی الذہن ہو کر بیٹھے۔ پھر دیکھے کہ روح کی طرف سے طرح فیض آتا ہے۔

(فتاویٰ عزیزیہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ج ۱ ص ۹۳)

سوال: کسے صاحب باطن، صاحب کشف بر قبور، ایشاں مراقب بچیزے از باطن اخذمی تواں نمود یانہ؟

جواب: می تواں نمود۔

سوال: کسی صاحب باطن، عارف، کامل یا صاحب کشف کو قبور سے فیض حاصل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: حاصل ہو سکتا ہے۔

(فتاویٰ عزیزیہ ج ۱ ص ۶۴) ''بنائے طریقہ چشتیہ واویسیہ وقادریہ کہ ہمہ پیراں بارانند و حضرت نقشبند خواجہ انکار آں کرد و خود از روح حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی ذکر خفیہ و عمل برعزیمت گرفتہ بودند۔'' طریقہ چشتیہ قادریہ یہ تمام ہمارے پیر ہیں جس طرح نقشبندیہ ہیں۔ ذکر جلی کا خواجہ نقشبند انکار نہ کرتے تھے مگر انہوں نے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی روح سے فیض حاصل کیا تھا اور ان سے ذکر خفی حاصل کیا تھا۔ لہٰذا اس پر عمل کرتے تھے اور ان کا طریقہ بھی حاصل کیا تھا۔

اس مسئلہ کا تعلق تو علم تصوف سے تھا، میں نے اس بنا پر لکھا کہ یہ جو بے مغز خرافات منہ سے نکالتے ہیں کہ قبروں میں کوئی چیز نہیں ہے۔ فناء ہو گئے، مٹی ہو گئے تو پھر فیض ان سے کس طرح ہوتا ہے۔ یہ لکھو کھا نفوس مقدسہ جنہوں نے قبور سے فیض حاصل کیا جو علم میں جہاں جبال الراسیات اور وسعت میں سمندر کے برابر تھے کیا ان کو جھوٹا سمجھیں اور جو چار جماعت اردو پڑھنے والے شیخ القرآن اور مفسر قرآن بنے بیٹھے ہیں ان کو سچا سمجھیں۔ یہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وہ گھرانہ ہے جس سے دین ہم کو ملا۔ اگر وہ دین دار نہ تھے اور دین کو نہ سمجھ سکے تو آج کون سمجھ سکتا ہے۔

منکرین سماع کے پاس تین قسم کے دلائل ہیں۔ اوّل قیاس، دوم عقل اور سوئم آیات قرآنی جن کو وہ بتاویل پیش کرتے ہیں۔ قیاس یہ ہے کہ جب انسانی ڈھانچہ ہی ختم ہو گیا۔ کان زبان آنکھیں ختم ہو گئی تو سن کس سے لیتے ہیں؟

الجواب: سماع موتی حدیث سے متواتر اور اجماع امت سے ثابت ہے اور نص کے مقابلہ میں قیاس مردود ہے اور پھر یہ قیاس شخصی ہے قیاس شرعی بھی نہیں۔ نص کے مقابلے میں قیاس پیش کر کے ابلیس رجیم بن گیا۔ ہم تو اس سے ڈرتے ہیں۔ ہاں جس کو رجیم بننے کا ڈر نہ ہو پیش کرتا رہے۔

دوم: دلیل عقلی؟

الجواب: ''اذا جاء النقل بطل العقل'' جب نبی کریم ﷺ قبر کے باہر کھڑے ہوئے اندر کے عذاب وثواب دیکھ لیتے تھے تو عقل کے پاس اس کو رد کرنے کے لئے کیا دلیل ہے۔

(شفاء الصدور ص ۱۲) پر حضور ﷺ کے حق میں عقلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ جو لوگ عند قبری کا وظیفہ پڑھتے ہیں وہ بھی سن لیں تین بند دیواروں میں قبر شریف محفوظ ہے جہاں ہوا کا بھی گزر نہیں۔ چہ جائے کہ آواز جا سکے۔

الجواب: یہ بھی مجدد دین شرک کی پوتھیوں کی روایت ہے ورنہ کتب حدیث میں دفتر کے دفتر موجود ہیں، محدثین اسی سماع کے قائل ہیں، عقلی ڈھکوسلوں کی جگہ کوئی دلیل پیش کرو۔

عقائد علمائے دیوبند میں جہاں بھی دیوبند عقائد کے علماء موجود تھے اس رسالہ پر ان کے دستخط ثبت ہیں۔ بلکہ ہر چار مذاہب کی تصدیقات موجود ہیں۔ اس میں لکھا اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے جس طرح علوم نبوت ظاہریہ کا تعلق عقائد سے ہے اسی طرح علوم نبوت باطنیہ کا تعلق بھی عقائد سے ہے۔ تب ہی تو علمائے دیوبند نے ان علوم باطنیہ کو عقائد میں بیان کیا۔ اس کتاب میں دو لفظ استعمال فرمائے۔ باطنی فیض صدور رجال سے بھی ہوتا ہے اور قبور رجال سے بھی ہوتا ہے۔ یہ معلوم ہونا چاہئے سلوک کے علم کے حصول کے لئے واضع نے الفاظ وضع نہیں کئے۔ یہ علم القائی اور انعکاسی ہے۔ صوفیہ کرام کا موضوع ہی حال بروح رسول ہے۔ دوسرے لفظ سے معلوم ہوا کہ قبر آباد ہے اور صاحب قبر کو فہم، شعور، ادراک، سماع، کلام سب حاصل ہے اور سلوک جو دنیا میں حاصل کیا تھا وہ یاد ہے۔ معلوم ہوا کہ روح کا تعلق بھی بدستور ہے ورنہ قبر سے فیض نہ ہوتا۔ اب اس شخص کی طرف بھی دیکھیں جو جاہل مجہول علم سلوک نور نبوت کو بدعت کہتا ہے۔ اس جاہل کا مطلب یہ ہے کہ مولانا خلیل احمد محدث سہارن پوری سے لے کر آج تک ایک بدعت کو عقائد میں داخل کئے رکھا، یہ جاہل اتنا نہ سمجھا کہ پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے فتویٰ دیا تھا کہ حیات مسیح کا عقیدہ شرک فی الحیات ہے۔ یعنی تیرہ صدیوں تک یہ امت شرک میں ڈوبی رہی۔ پھر اس شرک گر گروہ نے فتویٰ دیا کہ حیات انبیاء کا عقیدہ شرک فی الحیات ہے۔ یہ توحیدی مرزائی غلام احمد قادیانی کے نقش قدم پر چلنے لگے۔ ''ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور''

(فتاویٰ عزیزیہ ج ا ص ۹۱) میت کے شعور اور ادراک کے متعلق فتویٰ دیا ہے: بالجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن اوشبہ نیست۔ اہل قبور کے ادراک اور شعور سے انکار کرنے والا اگر کافر نہیں تو ملحد تو یقیناً ہے۔

رسالہ تحقیق الکفر والایمان بآیات القرآن کے (ص ۱۳) پر بسلسلہ عقائد دیوبند سید مرتضیٰ حسن ناظم شعبہ تعلیمات فرماتے ہیں: مرزائیو! بدعتیو! نیچریو! وہابیو! سمجھ لو اور خوب سمجھ لو یہ ہے عقائد حقہ علماء دیوبند کے نہ یہ بدعتی ہیں، نہ نیچری ہیں، نہ وہابی ہیں، نہ غیر مقلد ہیں۔ سچے اور پکے کتب حنفیہ کے مطابق حنفی ہیں۔ بزرگوں کے معتقد ان کے مرید بحمد اللہ خود صاحب سلسلہ ہیں ذکر شغل بیعت طریقت کرنے والے۔

اسی رسالہ کے (ص ۱۴) پر قادیانی وغیرہ کے مذاہب کے مقابلہ میں لکھا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو بہت سے معجزات اور ان کی اتباع کی وجہ سے اولیاء کرام کو بے شمار کرامتیں دی گئیں۔ معجزہ اور کرامت دونوں خرق عادت ہیں۔ نبی کے ہاتھ سے ہو تو معجزہ اور ولی کے ہاتھ سے ہو تو کرامت ہے اولیاء اللہ کی جملہ کرامات جناب رسول اللہ ﷺ کے معجزات ہیں۔ ان حضرات کی دعاؤں کی برکت سے باذن اللہ مشکلیں حل ہوتی ہیں۔ مریض شفا پاتے ہیں اور نامراد اپنی مرادوں کو پہنچے ہیں۔ دوست آباد اور دشمن برباد ہوتے ہیں مگر یہ تمام باذن اللہ ہوتا ہے۔

پھر اسی رسالہ کے (ص ۱۵) پر ہے: بزرگان دین کی محبت ایمان کے ساتھ لازم ہے اور جو ان سے محبت نہ رکھے اسے ''گمراہ اور بے دین سمجھتے ہیں جو اولیاء سے دشمنی رکھے وہ خدا کا دشمن ہے اور اس کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔'' یہ ہیں علمائے دیوبند کے عقائد، مگر یہ ملحد جو اپنے آپ کو دیوبندی کہتے ہیں وہ اسے شرک اور علمائے دیوبند کو مشرک سمجھتے ہیں۔

تحریرات علمائے دیوبند سے دیوبندی عقائد اور رسالہ تحقیق الکفر والایمان بآیات القرآن سے ظاہر ہے کہ علمائے دیوبند علم سلوک وتصوف کو جزو دین سمجھ کر عقائد میں داخل فرماتے ہیں جیسا کہ پہلے فیض الباری شرح بخاری حضرت انور شاہ صاحب کی تحریر سے واضح ہوا کہ لفظ احسان ہر نیکی و بر کو شامل ہے۔ خواہ اوراد مسنونہ ہوں یا اشغال مشائخ۔ کتاب وسنت سے اخذ کئے گئے ہیں، طریقہ کار میں اختلاف ہوسکتا ہے، نفس ذکر اسم ذات میں کوئی اختلاف نہیں۔

محمد دین الحاد کا عقیدہ ہے کہ وقت حاضری روضہ رسول صلوٰۃ وسلام پڑھنے والا اگر یہ عقیدہ رکھے کہ آپ سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں تو وہ کافر ہے۔ تمام علمائے ربانی اس کے قائل ہیں کہ حضور ﷺ سنتے ہیں بالخصوص مندرجہ ذیل محدثین اور علماء کا بھی عقیدہ ہے۔ گویا ان محمد دین الحاد کے نزدیک یہ سب کافر ہیں۔ معاذ اللہ!

امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابوداؤد، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف، امام محمد، امام طحاوی، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد طیالسی، طبرانی، ابن شاہین، ابونعیم، ابن حبان، ابن عساکر، حکیم ترمذی، حاکم، ابن سعد وبیہقی، ابن خزیمہ، ضیاء مقدسی، ابویعلی، محی السنہ بغوی، دارمی، دار قطنی، خلیب، سعید بن منصور، ابن مردویہ، ابن ابی الدنیا، دیلمی، ابن ابی حاتم، ابن نجار بزار، ابن عدی، رافعی، ابن عرفہ، ابن الہویہ، ابن راہویہ، ابن جوزی، قاضی عیاض، عبد ابن حمید، ابونصر، امام سنجری، ہروی، ابن مندہ، رویانی، طبری، فی الریاض النضرہ، خطابی، ابن حجر عسقلانی، امام نووی، صاحب سراج الوہاج، علامہ سندھی، امام شعبی، امام منیر شارح بخاری۔ ان کے علاوہ مفسر اور محدث بھی ہیں کوئی پوچھے یہ جلیل القدر علمائے اسلام کافر ہیں یا ان کو کافر کہنے والے یہ چند ملحدین کافر ہیں۔

جسم مثالی

ان ملحدین کا ایک اختراعی عقیدہ یہ ہے عذاب وثواب جسم مثالی کو ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

۱...... ”فکیف اذا توفتھم الملائکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم (محمد:۲۷)“ پس کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کر رہے ہوں گے اور ان کی پیٹھوں پر اور منہ پر مار رہے ہوں گے۔

فائدہ: جن اجسام سے ملائکہ روحوں کو قبض کرتے ہیں انہی کے منہ اور پیٹھ پر مارتے ہیں موت کے وقت ہی جسم کو عذاب شروع ہوگیا۔

۲...... ”ولو تری اذ یتوفی الذین کفروا الملائکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم وذوقوا عذاب الحریق (الانفال:۵۰)“ اگر تو دیکھے فرشتے جب کفار کی روح قبض کرتے ہیں تو ان کی پیٹھ اور منہ پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔

فائدہ: اس آیت نے بھی جسم مثالی کا افسانہ ختم کردیا۔ جن اجسام سے روح نکالے جاتے ہیں، انہی کو مار پیٹ کر عذاب دیا جاتا ہے اور انہی اجسام سے کہا جاتا ہے آگ کا عذاب چکھو ثابت ہوا۔ جس جسم عنصری سے روح

نکالا جاتا ہے اسی جسم عنصری کو مار پڑتی ہے خود آیت پر غور کیا کرو جسم مثالی سے روح خارج ہوا کہ اس کو مار پڑتی ہے اور آگ کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔

۳...... ''یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ (ابراھیم:۲۷)'' اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو کلمہ توحید لا الہ الا اللہ پر دنیا میں بھی ثابت رکھتا ہے اور عالم برزخ عذاب قبر سے بھی۔

یہی تفسیر مسلم شریف میں خود رسول مقبول سے منقول ہے آیت میں لفظ بالقول ہے قول کے لئے قائل کا ہونا ضروری ہے قائل ہی قبر میں ''من ربک ومن نبیک ومن دینک'' کا جواب دے رہا ہے۔ اگر سنتا نہیں شعور اور ادراک نہیں رکھتا بات یاد نہیں تو جواب کیسے دیتا ہے۔

۴...... ''مما خطیئتم اغرقوا فادخلوا انارا (نوح:۲۵)'' گناہوں کی وجہ سے غرق کئے گئے۔ پھر دوزخ کی آگ میں داخل کئے گئے۔

فائدہ: روح غرق نہیں ہوئے جسم عنصری غرق ہوئے اور جو غرق ہوا وہی آگ میں داخل کیا گیا۔ اب نیلوی، پیلوی کا جسم مثالی کا من گھڑت افسانہ بس افسانہ ہی ہوا۔

۵...... ''وان الذین ظلموا عذابا دون ذالک ولکن اکثرھم لا یعلمون (طور:۴۷)'' جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے لئے قیامت سے پہلے ایک عذاب ہے یعنی عذاب قبر۔ مگر اکثر آدمی نہیں جانتے۔

۶...... ''حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحاً فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون (المومنون:۹۹، ۱۰۰)'' جب ان میں کسی پر موت آتی ہے تو کہتا ہے اے میرے رب مجھے دنیا میں لوٹا دے عمل صالح میں۔ میں نے جو کمی کی ہے وہ پوری کروں جواب ملتا ہے ہرگز نہیں یہ تو ایک کلمہ تھا جو تم نے منہ سے نکال دیا۔ اب ان میں اور آخرت میں برزخ حائل ہے قیامت تک۔

دنیا سے رخصت ہونے کا علم جسم عنصری کو بعد موت ہوتا ہے۔ پھر اسے اپنے اعمال صالح میں قصور بھی معلوم ہوتا ہے وہ کلام بھی کرتا ہے اور خالی کلام نہیں رب العالمین کے سامنے واپسی کی درخواست بھی کرتا ہے۔

''ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت والملائکۃ باسطو ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن آیاتہ تستکبرون (الانعام:۹۳)'' اگر تم ظالموں کو سکرات موت کی حالت میں دیکھو جب فرشتے ہاتھ لمبے کر کے کہتے ہیں ان روحوں کو باہر نکالو آج کے دن تمہیں سخت عذاب دیا جائے گا۔ کیونکہ تم اللہ تعالیٰ پر ناحق بہتان لگاتے تھے اور اللہ کی آیات سے تکبر کیا کرتے تھے۔

فائدہ: دنیا میں جس جسم عنصری نے ظلم کیا فرشتے ان سے کہہ رہے ہیں اور جسم عنصری سن رہا ہے اور جسم عنصری کو سنایا جا رہا ہے ''الیوم تجزون'' کیوں نیلوی صاحب کیا جسم مثالی ظلم کرتا رہا جب ظلم نہیں تو سزا کیسی کیا خدا ظالم ہے۔ نہ جسم مثالی دنیا میں آیا نہ وہ مکلف ہوا نہ اس سے کوئی برائی ہوئی سزا مفت میں۔

۸...... ''قال یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین (یٰس:۲۶، ۲۷)'' کہا کاش میری قوم کو علم ہوتا کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے بڑی عزت بخشی۔

فائدہ: میت کا کلام کرنا ثابت ہوا اور گزر چکا ہے کہ کلام اور سماع شے واحد ہیں۔

۲...... برزخ میں جا کر تمام حالات یاد ہوتے ہیں۔

۳...... غفرلی میں لی ضمیر جسم عنصری کے لئے یا جسم مثالی کے لئے۔

۹...... "النار یعرضون علیها غدوا وعشیاً ویوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب (المومن:۴۶)" صبح شام ان پر آگ پیش ہوتی ہے اور جب قیامت قائم ہوئی تو انہیں کہا جائے اے آل فرعون سخت ترین عذاب میں داخل ہو جاؤ۔

فائدہ: یہ صبح شام آگ جسد عنصری پر پیش کی جاتی ہے یا جسم مثالی پر جس پر اب آگ پیش ہوتی ہے اور وہ آگ پر پیش ہوتے ہیں وہ آل فرعون ہے یا آل فرعون مثالی جسم والی تھی اور جس پر برزخ میں آگ پیش ہوتی ہے وہی قیامت کے دن آگ میں داخل ہوگا۔

(ملفوظات ص ۳) پر مولوی احمد رضا خان صاحب: "وہ صرف روح کے سماع کے قائل ہیں اور جسم مثالی پر تعلق قائم رکھتے ہیں۔ سماع کے عرفی معانی ان آیات کے ذریعے سننا ہے اور یہ بعد مرنے کے صرف روح کے لئے ہیں۔ روح کو جسم مثالی دیا جاتا ہے روح اس جسم کے خول سے سنتی ہے۔"

شاباش! خان صاحب بریلوی کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ ان کے مذہب کے جزو ان سے لے کر اپنے مذہب میں داخل کر لیا۔ چنگیز خان کی طرح ماشاء اللہ آپ کا مذہب بھی چنگیز خانی سے کم نہیں اس نے بھی تمام ادیان سے اجزاء لے کر ایک دین بنا لیا تھا۔ آپ نے جسم مثالی کے مسئلے میں خان صاحب بریلوی کی اقتداء فرمائی۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھ گئے۔ جسم مثالی کو عذاب وثواب دیا جاتا ہے یہی تو تناسخ ہے۔ تناسخ یہ نہیں کہ صرف دنیا میں لوٹایا جائے بلکہ کسی دوسرے جسم میں اس روح کو جزاء سزا دینا تناسخ ہے۔ خواہ دنیا میں خواہ برزخ میں جسم مثالی والوں کو میرا چیلنج ہے کہ اس پر کوئی شرعی دلیل لائیں ورنہ یہ لازم آئے گا کہ وہ خدا کو ظالم مانتے ہیں۔

۱۰...... "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا (بنی اسرائیل:۱۵)" ہم کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے جب تک کہ اس میں رسول نہ بھیجیں۔

کیوں نیلوی اینڈ کمپنی کیا جسم مثالی کی طرف رسول آتے رہے کیا جسم مثالی دنیا میں مکلف تھا۔ کیا اس نے کوئی نیکی بدی کی۔ آپ نے تو اللہ کا قانون ہی بدل دیا۔

۱۱...... "ذالک ان لم یکن ربک مهلک القری بظلم واهلها غافلون (الانعام:۱۳۱)" اللہ تعالیٰ کسی شہر کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ اس میں رہنے والے غافل نہ ہوں شریعت سے۔

کیا جسم مثالی احکام شریعت سے غافل ہوا کرتا ہے۔

۱۲...... "وما کان ربک مهلک القری حتی یبعث فیها رسولا یتلوا علیهم آیاتنا (هود:۱۱۷)" اللہ تعالیٰ کسی شہر کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ اس شہر میں رسول نہ بھیجے جو انہیں ہمارے احکام سنائے۔

کیا رسول جب آتے تو جسم مثالی کو اس کے احکام سنایا کرتے تھے۔

"ولو انا اهلکناهم بعذاب من قبله لقالوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع آیاتک من قبل ان نذل ونخزی (طه:۱۳۴)" اگر ہم ان کو آپ کے آنے سے پہلے ہلاک کر دیتے تو کہتے یا خدایا ہمارے پاس رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے قبل اس کے ہم ذلیل خوار ہوئے۔

فائدہ: کیوں نیلوی صاحب! کیا آپ کا جسم مثالی اللہ تعالیٰ سے۔ کہے گا کہ کیوں نہ ہمارے پاس رسول بھیجا یا یہ کہے گا کہ میں نے کون سا گناہ کیا جس کی پاداش میں جہنم کے حوالے کیا جا رہا ہے۔

"فیقولوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع آیاتک ونکون من المؤمنین (القصص:۴۷)" پس وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ آپ کے احکام کی پیروی کرتے اور ایمان لے آتے۔

رسول بھیجنا اتمام حجت ہے بغیر بعثت رسول کے اتمام حجت نہیں ہوتا تو کیا دنیا میں جسم مثالی کے پاس رسول آیا کرتے تھے۔ اگر ایسا نہیں تو عذاب کیسا؟

قانون کلی: اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق کسی کو عذاب و ثواب نہیں دیتا، اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ابوجہل کافر مرے گا مگر اس نے اپنے علم کے مطابق نہ فرعون کو سزا دی، نہ ابوجہل کو بلکہ انسان کے عمل کے مطابق سزا دیتا ہے جو اس کے عقیدے سے وجود میں آتے ہیں تو جسم مثالی سے کون سا عمل نیک و بد دنیا میں ہوا۔ جب عمل ہی نہیں تو سزا کیسی۔

قرآن اور سماع موتی

اوّل خوب سمجھ لیں کہ قرآن میں کسی ایک جگہ بھی نہیں فرمایا کہ مردے نہیں سنتے۔ جہاں بھی عدم سماع کا ذکر فرمایا اس سے مراد کفار ہی ہے کہ وہ مردہ ہیں۔ ان محرفین قرآن نے کفار کے حق میں نازل شدہ آیات کو اولیاء اللہ پر چسپاں کر دیا۔

۱...... "صم بکم عمی فھم لا یرجعون (البقرۃ:۱۷۱)" (کفار) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں وہ نہیں لوٹتے۔

کہتے ہیں کیا کفار کی آنکھیں کان اور زبان تھی ہی نہیں۔ معلوم ہوا کہ حقیقت میں سننا قبول کرنے کے معانی میں ہے۔ لہٰذا ان کا سماع بھی عدم سماع ہے۔

۲...... "وجعلنا لھم سمعا وابصارا وافئدۃ فما اغنی عنھم سمعھم ولا ابصارھم ولا افئدتھم من شیءٍ اذ کانوا یجحدون بآیات اللّٰہ (الاحقاف:۲۶)" اور ہم نے انہیں کان آنکھیں اور دل دیئے مگر یہ چیزیں ان کے کوئی کام نہ آسکیں۔ کیونکہ وہ اللہ کے احکام کا انکار ہی کرتے رہے۔

معلوم ہوا کہ سمجھنے کے تینوں آلات موجود تھے مگر حق بات نہ تو کانوں سے سنتے تھے نہ کان اس طرف لگاتے تھے کافر حق بات قبول نہیں کرتا گویا وہ سنتا ہی نہیں۔ یعنی جحود کا نام ہی عدم سماع ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ کافروں کے چہروں پر نہ آنکھیں تھیں نہ کان تھے نہ سینے میں دل تھا یا یہ کہ آنکھیں تو تھیں مگر چٹ، کان تو تھے مگر بہرے، اور دل سرے سے تھا ہی نہیں۔

۳...... "لقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل (الاعراف:۱۷۹)" ہم نے بہت سے جن و انس جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل ہیں مگر حق قبول نہیں کرتے۔ ان کی آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں۔ ان کے کان ہیں مگر سنتے نہیں وہ ڈنگروں ڈھوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔

جس طرح کافر حقیقی حیوان نہیں اسی طرح حقیقی مردہ بھی نہیں۔ ہاں کفر موت ہے اور ایمان حیات ہے یعنی کافر حیوان ہے اور مردہ مومن زندہ ہے اور انسان ہے۔

۴...... ’’ولو نشاء اصبنٰهم بذنوبهم ونطبع علیٰ قلوبهم فهم لا یسمعون (الاعراف: ۱۰۰)‘‘ اگر ہم چاہتے ان کے گناہوں کے بدلے انہیں عذاب دیتے ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے سو وہ سنتے ہی نہیں۔

دل جب حق کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو کانوں سے سننا گویا نہ سننا ہے۔

۵...... ’’فاعرض اکثرهم فهم لا یسمعون (فصلت: ۴)‘‘ اکثر نے حق سے منہ موڑ لیا۔ پس وہ سنتے ہی نہیں۔

اعراض عن الحق کا مطلب ہی عدم سماع ہے۔

۶...... ’’ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا فهم لا یسمعون (الانفال: ۲۱)‘‘ ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جو کہتے ہیں ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔

۷...... ’’واذا تتلیٰ علیهم آیاتنا ولّی مستکبرا کان لم یسمعها کان فی اذنیه وقرا فبشره بعذاب الیم (لقمان: ۷)‘‘ اور جب ان کے سامنے ہماری آیت پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبر سے منہ پھیر لیتے ہیں گویا انہوں نے سنا ہی نہیں جیسے ان کے کانوں میں ثقل ہے تو اسے دردناک عذاب کی خبر دے دیں۔

۸...... ’’ام تحسب ان اکثرهم یسمعون او یعقلون ان هم الا کالانعام بل هم اضل (الفرقان: ۴۴)‘‘ کیا آپ کا گمان ہے کہ ان کافروں میں اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں یہ تو چوپائے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

۹...... ’’وما انت بهٰدی العمی عن ضلالتهم ان تسمع الا من یؤمن بآیاتنا فهم مسلمون (النمل: ۸۱)‘‘ آپ اندھوں کی رہنمائی نہیں فرما سکتے جب کہ وہ گمراہی پر جمے ہوں۔ آپ تو صرف ان کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ مسلمان ہیں۔

۱۰...... ’’الذین کانت اعینهم فی غطاء عن ذکری وکانوا لا یستطیعون سمعا (الکهف: ۱۰۱)‘‘ یہ وہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں اور وہ سن نہیں سکتے تھے۔

حق کی طرف سے آنکھیں موند لیں تو کانوں نے سننا چھوڑ دیا۔ یہ نہیں کہ وہ عرفی اندھے اور بہرے ہیں۔

۱۱...... ’’ونطبع علیٰ قلوبهم (الاعراف: ۱۰۰)‘‘ اور ہم نے ان کے دلوں پر مہر ماردی۔

۱۲...... ’’ان تدعوهم لا یسمعوا دعاءکم (فاطر: ۱۴)‘‘ اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو کچھ نہ سنیں۔

۱۳...... ’’وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر (الملک: ۱۰)‘‘ کفار کہیں گے اگر دنیا میں ہم سنتے اور سمجھتے تو آج اہل جہنم میں نہ ہوتے۔

کیا دنیا میں رہنے والے تمام کافر بہرے ہوتے ہیں؟

فائدہ: قرآن کی ان چند آیات سے واضح ہو گیا کہ کسی آیت سے یہ نہیں مفہوم ہوتا کہ میت نہیں سنتا بلکہ ان آیات اور ایسی بے شمار آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کافر نہیں سنتا۔ کیونکہ سننے کا مقصد فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ جب انہوں نے قبول حق سے انکار کیا تو ان کا سننا نہ سننے کے برابر ہے۔ مگر ہمارے ان طحدین نے قرآن کی معنوی تحریف کر کے نئی تفسیر تیار کردی اور ان کے بدھو داعقلوں نے چیخنا شروع کردیا کہ مردے نہیں سنتے۔ ان آیات کا خلاصہ یہ ہے:

۱...... اللہ تعالیٰ جس کے دل پر مہر مار دے وہ حق کو قبول کرنے سے بے بہرہ رہا۔ لہٰذا وہ حق سننے سے بھی بے بہرہ رہا۔ یارلوگوں نے بے بہرہ کو بہرا بنا کر میت کے ذمہ لگا دیا۔

۲...... جو شخص تکبر کی وجہ سے قرآنی آیات سے منہ موڑ لے اور ایمان نہ لائے اس کی سماعت بھی بے کار ہو جاتی ہے۔ وہ حق سننے پر آمادہ نہیں ہوتا اور سنی ان سنی کر دیتا ہے۔

۳...... احکام الٰہی سے مستغنی متکبر ہو کر ایمان نہ لائے وہ بھی کانوں سے بہرہ ہی ہے۔

۴...... جو آدمی کانوں سے حق سنتے نہیں، آنکھوں سے حق دیکھتے نہیں۔ دل سے حق سمجھنے کی کوشش نہ کی وہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔

نکتہ: حصول علم کے آلات دو ہیں۔ آنکھیں اور کان۔ ان کے فہم شعور، سمجھ کا محل و مقام قلب ہے فلاسفہ اور مسلمانوں میں اختلاف یہ ہے کہ فلاسفہ عقل کا محل دماغ کو بتاتے ہیں۔ مگر اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عقل فہم شعور سب کا محل دل ہے۔ دل سے جذبہ اٹھتا ہے۔ پھر دماغ کو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم جب قلب پر مہر مارنے کا ذکر کرتا ہے تو کان اور آنکھ کے بے کار ہونے کا ذکر بھی کر دیتا ہے۔ "ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ (البقرۃ:۷)" اللہ نے ان کے دلوں پر مہر ماردی تو کان کسی کام نہ آسکے اور آنکھوں پر گمراہی کا پردہ پڑ گیا۔

یہ دل پر مہر کانوں پر مہر اور آنکھوں کا پردہ نظر نہیں آتا۔ مگر جب تمام اوصاف زندوں والے سلب کر لئے تو انہیں میت اور مردہ سے تعبیر فرمایا اور "وما انت بمسمع من فی القبور (فاطر:۲۲)" اور "انک لا تسمع الموتی (النمل:۸۰)" فرمادیا۔ یعنی سننے سے جو فائدہ ہوتا تھا۔ ایمان لانا، نیکی کرنا، نماز، روزہ حج، زکوٰۃ حرام وحلال وغیرہ تمام احکام ان کے وجود سے سلب ہو گئے۔ لہٰذا اب تو یہ مردہ ہیں۔ ان کے وجود ان کی قبریں ہیں ان میں ان کی روح دفن ہیں۔ یہ مٹی کی قبریں نہیں ہاں یہ چلتی پھرتی قبریں ہیں تو ان مردوں کو تبلیغ کرنا اور اس پر یہ توقع رکھنا کہ یہ ایمان لائیں گے یا حق کی آواز سنیں گے، عبث ہے۔ ان تمام آیات میں یہی بات دہرائی گئی کہ کافر نہیں سنتا۔ مگر ان ملحدین نے قرآن کو کھلونہ بنالیا ہے اور بے دریغ تحریف کئے جارہے ہیں۔

ذکر موت

موت کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

۱...... "او من کان میتا فاحییناہ (الانعام:۱۲۲)" یہاں کافر کو میت فرمایا یعنی وہ کافر تھا پھر اس کو ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ گویا کفر کو موت سے اور اسلام کو حیات سے تعبیر فرمایا۔

۲...... فقدان نور معرفت الٰہی پر بھی موت کا لفظ بولا جاتا ہے اور کافر میں نور معرفت الٰہی کا وجود کہاں؟ لہٰذا کافر کے لئے میت کا لفظ بولا جاتا ہے۔

۳...... فقدان قوت نامیہ پر بھی موت کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسے "یحی الارض بعد موتھا (الحدید:۱۷)"

۴...... فقدان حس وحرکت قوت نامیہ پر بھی جیسے جمادات، نباتات، حیوانات پر۔

۵...... اس تعریف سے پتھر خارج ہیں۔ مگر پتھروں میں بھی ایک قسم کی حیات ہوتی ہے جیسے قرآن میں موجود

ہے۔''وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ (بنی اسرائیل:۴۴)''اور پتھر بھی شے ہیں۔

۶...... کفر موت اور اسلام حیات ہے۔قرآن کریم نے کہیں فرمایا کافر میں نور معرفت ختم ہے۔لہٰذا یہ مردہ ہے۔کہیں فرمایا یہ حیوان سے بھی بدتر ہے یوں تو حیوان سنتے ہیں۔جیسے کافر بھی سنتے ہیں۔مگر کافر میں سمجھنے کے آلات موجود تھے اس نے ان سے کام نہ لیا اور حیوان میں تو یہ آلات مفقود تھے وہ معذور بھی۔لیکن فرمایا کافر کے دل پر مہر ماردی دل پاور ہاؤس ہے،کان،آنکھ بلب ہیں۔جب پاور ہاؤس بیکار ہوگیا تو بلب کیسے روشن ہوں۔

قرآن نے ایمان شعور،فہم،عقل کا محل قلب بتایا ہے قلب جب ایمان شعور اور فہم سے عاری ہوگیا تو گویا وہ مرگیا۔اسی مردہ کے متعلق فرمایا''انک لا تسمع الموتی (النمل:۸۰)''اس موت یعنی کفر کے مقابلے میں حیات کا ذکر بھی فرمایا کہ''ان تسمع الا من یؤمن بایاتنا وھم مسلمون (النمل:۸۱)''ایمان حیات ہے اس لئے آپ ان زندوں کو سنا سکتے ہیں جن میں ایمان کی حیات موجود ہے مگر ان ملحدوں نے کہا ہم نہیں مانتے کہ کفر موت ہے اور کافر مردہ ہے بس مردہ وہ ہے جسے ہم مردہ کہیں۔جس کو اللہ کہے کہ مردہ ہے اسے ہم مردہ نہیں کہیں گے۔واقعی توحید کا حق بھی اسی طرح ادا ہوتا ہے کہ موحد اللہ کی بات بالکل نہ مانے کفار کے عذاب کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب تفسیر مظہری نے لکھا ہے:''عذاب الکفار الذین لا یسمعون او یعقلون البراھین الایات''(ج۱ ص۱۷) کفار کا عذاب،وہ کفار جو قرآنی آیات کے دلائل کو نہ سنتے ہیں یہ سمجھتے ہیں۔

مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر(معارف القرآن ج۶ ص۴۶۹)پر زیر آیت:''والذین اذا ذکروا بایات ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا (الفرقان:۷۳)''اور آیات پر عمل بھی کریں مگر ان کو اصول صحیحہ تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین کے خلاف سنی سنائی باتوں کے تابع کرکے غلط عمل کرے۔یہ بھی ایک طرح کے اندھے بہرے ہوکر ہی گرنے کا حکم میں ہی ہیں۔

ذرا آگے فرماتے ہیں:اصول کی بات یہ ہے کہ دنیا کا کوئی کام معمولی سے معمولی فن بھی نری کتاب کے مطالعہ سے معتد بہ حاصل نہیں ہوسکتا۔جب تک اس کو کسی استاد سے نہ پڑھا جائے۔معلوم نہیں قرآن اور علوم قرآن کو کیوں ایسا سمجھ لیا کہ جس کا جی چاہے خود ترجمہ دیکھ کر جو چاہے اس کی مراد متعین کرلے۔یہ بے اصولی مطالعہ جس میں کسی ماہر فن استاد کی رہنمائی شامل نہ ہو یہ بھی آیات الٰہیہ پر اندھے بہرے ہوکر گرنے کے مفہوم میں شامل ہیں۔

مفتی صاحب کی مراد یہ ہے کہ جس نے بغیر علوم عربیہ حدیث فقہ صرف نحو لغت وعلم معانی اور بغیر ماہر استاد کے علوم قرآنی پڑھے خود ترجمہ کیا وہ اندھا اور بہرہ ہی ہے۔ماخوذ ہوگا مولانا تھانوی ؒ نے اپنے ایک رسالہ الصالحون کے(ص۳۴)پر اس موضوع پر خوب بحث فرمائی ہے۔فرماتے ہیں:''پس آج کل عافیت اور دین کی سلامتی اسی میں ہے کہ قرآن وحدیث سے استنباط کی اجازت مطلق نہ دی جائے۔فقہ پر اعتبار نہ کرنے کا انجام چند روز میں یہ ہوگا کہ قرآن وحدیث پر بھی اعتبار نہ رہے گا۔کیونکہ ہر شخص ایک رائے رکھتا ہے اور ایک رائے کو دوسری رائے پر ترجیح نہیں بلکہ جو کسی شخص کا خیال ہے۔وہی اس کا دین اگر کسی کی رائے یہی ہو کہ قرآن وحدیث کی بھی ضرورت نہیں بلکہ جو اس کی رائے ہے وہی دین ہے۔''

پھر(ص۳۵)پر فرماتے ہیں:''اردو خوان کے لئے ترجمہ دیکھنا حرام ہے،آج کل اس فتویٰ پر لوگوں کو بڑی وحشت ہوتی ہے کہ قرآن کا ترجمہ دیکھنے کو حرام کہا جاتا ہے قرآن ہی تو مسلمانوں کی کتاب ہے اسے دیکھنے کو منع

کیا جاتا ہے۔ پھر اسلام کس طرح درست ہو میں کہتا ہوں، قرآن بے شک مسلمانوں کی کتاب ہے اور اسلام کو درست کرنے کو نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس سے اسلام درست کرنے کا طریقہ اردو ترجمہ دیکھنا نہیں ہے۔ البتہ قرآن سے اسلام کے درست کرنے کا طریقہ کسی ماہر قرآن سے اس کا پڑھنا اور سمجھنا پھر عمل کرنا ہے۔ اسی طرح قرآن سے کام لیجئے بے شک اسلام درست رہے گا۔"

پھر (ص ۷۳) پر فرماتے ہیں: "جنہوں نے راعنا کے متعلق سوال کیا تھا یہی کہا کہ آپ کو قرآن کا ترجمہ دیکھنا حرام ہے۔"

مفتی صاحب کا فرمان اپنی جگہ کہ صحابہ اور تابعین کی تفسیر کے خلاف قرآن کو سنی سنائی باتوں کے تابع بنا دیا۔ اس پر اندھے بہرے بن کر گرنے کے حکم میں ہیں۔ مگر شیخ القرآنی اور توحید کیسے چمکے جب تک آدمی اپنے آپ کو صحابہ اور تابعین کا پابند بنائے رکھے۔ آزادی کا زمانہ ہے اس لئے بھول جاؤ، صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھول جاؤ۔ اللہ کے رسول کی حدیث کو اور پلے باندھو اس اصول کو کہ: مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔

سماع موتی اور حدیث رسول ﷺ

"ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ وانہ یسمع قرع نعالھم فاتاہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک" آدمی کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی لوٹ رہے ہوتے ہیں اور وہ ان کی جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟

فائدہ: قبر جو زمین میں کھودی جاتی ہے اس میں آدمی کو دفن کرتے ہیں اور واضع یعنی قبر میں رکھنے والے انسان ہی ہوتے ہیں سب جانتے ہیں کہ فرشتے دفن نہیں کرتے۔ فی قبرہ ضمیر کا مرجع عبد ہے جسم مثالی نہیں اور تولی عنہ کی ضمیر کا مرجع بھی عبد ہے۔ تولی کے فاعل وہ دفن کرنے والے انسان ہیں نہ ملائکہ نہ جسم مثالی۔ لفظ اصحاب ہے جو جمع ہے اور فرشتے دو ہوتے ہیں اور جب وہ دفن کر کے واپس آتے ہیں تو وہ "عبد میت یسمع قرع نعالھم" میں ہم ضمیر جمع کی ہے۔ لہٰذا دو مراد نہیں ہوتے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جس بندہ کو انسان دفن کرتے ہیں سوال جواب اسی سے ہوتے ہیں وہی جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے۔

ایک اور بزرجمہر ڈاکٹر عثمانی کو کیا سوجھی کہ قرآن و حدیث کو لاوارث نعش سمجھ کر پوسٹ مارٹم کرنے لگے۔ انہیں چاہئے کہ لوگوں کے پیشاب پاخانہ ٹیسٹ کرنے کا شغل کرے۔ خیر سے فرماتے ہیں کہ میت فرشتوں کی جوتیوں کی آواز سن لیتا ہے۔ حدیث میں تمام ضمائر عبد کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ مگر یہ تو علم کی بات ہے۔ ڈاکٹر صاحب معذور ہیں مگر عقل سے ہی کام لیتے تو فرشوں کو جوتیاں نہ پہناتے۔ مگر عقل سے بھی پیدل ہی نظر آتے ہیں۔ ممکن ہے دماغی ہسپتال کے ڈاکٹر ہوں اور اس ماحول میں رہتے رہتے ہر کہ درکان نمک رفت نمک شد کے مصداق بن گئے ہوں۔

ڈاکٹر صاحب کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ملائکہ جوتے پہن کر آتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ فرشتے کہاں سے جوتے لیتے ہیں۔ کیا انسانوں کے ساتھ ہی لین دین کرتے ہیں یا فرشتوں میں ہی کوئی فرشتے موچی بھی ہوتے ہیں، یہ بھی معلوم ہوگا کہ فرشتوں کے جوتے کس میٹریل سے تیار ہوتے ہیں۔

یہ جو مثل مشہور ہے کہ ولی را ولی می شناسد تو ایسا معلوم ہوتا ہے کسی ایسے ہی ڈاکٹر کو اس طرح کی بے تکی

ہانکتے ہوئے ایک ڈاکٹر نے دیکھا ہوگا تو بے اختیار کہہ اٹھا:

تنگ بر ماراہ گزار دیں شدہ ہر لئیمے را زوار دیں شدہ

"قد عرفت هذه الاية بقصة بدر بالسلام على القبور وبما روى فى ذلك ان الارواح تكون على الشفير القبور فى اوقات وبان الميت يسمع قرع نعالهم اذا انصرفوا عنه الى غير ذالك فلو لم يسمع الميت لم يسلم عليه وهذا واضح وقد ذكرناه فى التذكره" حقیقت یہ ہے کہ تم نے بدر کے قصے سے پہچان لیا کہ قبور پر اسلام علیکم کہنا بہت بار اس پر روایت کی گئی ہے کہ روح قبروں کے کناروں پر ہوتے بعض اوقات میں اور ظاہر ہے کہ جب روح ہوا تو یقیناً باتیں سنتا ہے اور جوتوں کی آہٹ سنتا ہے جب دفن کرنے والے لوٹتے ہیں۔ اگر میت نہ سنتا تو اسلام علیکم نہ کہا جاتا۔ یہ واضح ہے اس کا ہم نے تذکرہ میں ذکر کیا ہے۔

اور (تفسیر قرطبی ج ۱۳ ص ۲۳۳) اور مستدرک حاکم جو علی شرط مسلم صحیح لکھا اور امام ذہبی متفق ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منقول ہیں: "والذى نفسى بيده انه يسمع خفق نعالهم" حق بات ہے کہ میت سنتا ہے جوتوں کی آہٹ جب لوگ اسے دفن کر کے لوٹتے ہیں۔

فائدہ: کیوں نیلوی صاحب! تمہارا جسم مثالی کہاں ہوتا ہے۔ یہ حدیثیں تو کھلا اعلان کر رہی ہیں کہ جو دفن کیا جاتا ہے وہی آواز بھی سنتا ہے۔ پھر اسی جسم کی پسلیاں قبر کے دبانے سے ٹوٹ جاتی ہیں۔ کیوں نیلوی صاحب جسم مثالی کی بھی کوئی بناوٹی پسلیاں ہوتی ہیں۔

ابتداء میں جو حدیث مشکوٰۃ (ص ۲۴) کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے یہ بخاری کی ہے۔

صحیح مسلم (ج ۲ ص ۳۸۳) پر الفاظ یہ ہیں: "تولى عنه العبد اذا وضع فى قبره واصحابه بمثله"

دوسری حدیث مسلم کی جس کے متعلق بشکہ فرمایا: "ان الميت اذا وضع فى قبر انه يسمع خفق نعالهم اذا انصرفوا" پھر ابوداؤد جو صحاح ستہ میں سے ہے (ج ۲ ص ۲۹۸) پر ہے: "تولى عنه اصحابه انه يسمع قرع نعالهم فياتيه ملكان" اور (سنن الکبریٰ بیہقی ج ۴ ص ۸۰)

میں اسی پر اکتفاء کرتا ہوں ورنہ سماع موتی کے متعلق حدیث کے دفتر بھرے ہیں شیخ بے مثل علامہ انور شاہ کشمیری کا قول فیض الباری کے حوالے سے لکھ چکا ہوں کہ آپ فرماتے ہیں: سماع موتی کی حدیثیں متواتر ہیں۔

اس کے علاوہ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸) "والسلف مجمعون على هذا قد تواترت الاثار عنهم بان الميت يعرف بزيارة الحى ويستبشر" سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے اور متواتر احادیث موجود ہیں کہ میت اس آدمی کو پہچانتا ہے اور خوش ہوتا ہے جو اس کی زیارت کو آئے۔

اور مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے (شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۵۳) حاشیہ پر فرمایا: "والروايات كثيرة فى كتب الحديث وامارد عائشة بعض تلك الاحاديث فلم يعتد به جمهور الصحابة ومن بعدهم" سماع موتی کے اثبات میں کثرت سے احادیث موجود ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رد کرنا اور بعض ایسی حدیثیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق آئی ہیں ان کو جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور تابعین نے قابل اعتبار نہیں سمجھا۔

فائدہ: اس سے یہ واضح ہو گیا کہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور بعد والے جن کے زمانہ کی خیریت کی شہادت خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی سب سماع موتی کے قائل تھے۔ اتباع صحابہ رضی اللہ عنہم میں نجات ہے: "ما انا عليه

واصحابی" سے دور ہونے والا قطعی جہنمی ہے۔

ان حضرات کے بعد امام شافعیؒ ان کے مقلدین، امام احمد بن حنبل سب سماع موتی کے قائل ہیں۔ احناف کا بڑا طبقہ اور علمائے دیوبند کثر ہم اور سب سماع موتی کے قائل ہیں۔ نیلوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کا یہ کہنا ہے کہ ابن کثیر کی یہ عبارت الحاقی ہے۔

الجواب: (۱) یہ بالکل غلط اور کذب ہے، بہتان ہے ہمارے پاس ایک ایک کتاب کے کئی نسخے موجود ہیں۔ اصل یہ ہے کہ تفسیر ابن کثیر مکتبہ امیریہ میں یہ عبارت ناپید ہے کیوں؟ اس لئے کہ آپ جیسے کسی مجدی عقیدہ کے دست کرم کا نتیجہ ہے۔ محقق نے (حاشیہ ص ۴۴۵) پر لکھا ہے: "ومن ھٰھنا الی الآیۃ التالیۃ زیارۃ من النسخۃ المکیۃ وھو غیر موجود فی النسخۃ الامیریۃ"

۲...... سماع موتی کے مسئلے کی بنیاد ابن کثیر کی عبارت پر نہیں بلکہ قرآن کریم اور متواتر احادیث پر ہے۔

۳...... اہل قبور کو اسلام علیکم کہنے کا ارشاد رسول ﷺ۔

۴...... جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور بعد والوں کا اجماع موتی پر ہے۔

۵...... بدر میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ "ما انتم باسمع منھم"

۶...... صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین، ائمہ مجتہدین اور علمائے دیوبند کا مذہب یہی ہے۔

ایک غیر مقلد مولوی سے سماع موتی کے مسئلہ پر میری بات ہوئی۔ میں نے کہا ذرا اپنا مسلک بتاؤ۔ کہا میں مسلمان ہوں شیعہ نہیں، قادیانی نہیں، پرویزی نہیں، میرا مسلک ظاہر ہے۔ میں نے کہا دیوبندی ہو یا اہل حدیث ہو؟ کہنے لگا اہل حدیث ہوں۔ میں نے کہا تم غلط کہتے ہو۔ اگر اہل حدیث ہوتے تو سماع موتی پر حدیثوں کے دفتر جو بھرے پڑے ہیں انہیں پڑھ لیتے۔ سوال کی کیا حاجت تھی۔ خیر چلو اب ایک حدیث خواہ ضعیف ہو، عدم سماع موتی پر پیش کرو۔ خاموش ہو گیا۔ میں نے پوچھا آپ منکرین کے میت کے ساتھ سوال جواب کے قائل ہیں یا نہیں اور کیا عذاب وثواب کے قائل ہیں یا نہیں۔ اگر میت سنتا نہیں تو سوال جواب کا کیا مطلب؟

کہنے لگا: اس وقت مردہ سنتا ہے۔ میں نے کہا کیا اس وقت وہ مردہ نہیں ہوتا بعد دفن اگر اس وقت مردہ ہوتا ہے پھر بھی سن لیتا ہے۔ پھر کیوں نہیں سنتا۔ دونوں حالتوں میں مردہ ہے۔ پھر میں نے کہا عذاب زندہ کو ہوتا ہے یا مردہ کو؟ جنت کے باغوں کی سیر زندہ کرتا ہے یا مردہ؟ اگر پتھر کو آگ میں ڈالیں تو کیا یہ کہیں گے کہ پتھر کو عذاب ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا تم اہل حدیث نہیں منکر حدیث ہو۔ کہنے لگا قبور کی زیارت سے شرک پھیلتا ہے۔ میں نے کہا رسول کریم ﷺ نے تعلیم دی کہ زیارت قبور کو جاؤ تو السلام علیکم کہو۔ تو کیا حضور ﷺ نے شرک کی تعلیم دی ہے۔ مرد بنو شرک کا فتویٰ پہلے تو نبی کریم ﷺ پر لگاؤ۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر۔ (معاذ اللہ)

نوٹ: تفسیر ابن کثیر مکتبہ امیریہ سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اب بھی ابن کثیر کے دو نسخے موجود ہیں۔ ایک مطبع الستار مصر کی جس پر تفسیر معالم التنزیل ہے۔ ابن کثیر حاشیہ پر ہے۔ دوسری وہ جسے مطبع دار الاحیاء الکتب العربیہ البابی الحلبی وشرکاؤہ نے طبع کیا۔ ان دونوں نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے اور ان دونوں نسخوں میں نسخہ مکیہ پر اعتبار کیا ہے۔ اب جو اردو ابن کثیر ہے یہ ترجمہ کسی غیر مقلد مجدی نے کیا ہے۔ اس میں بھی پوری عبارت چھوڑ گیا ہے اس بدتہذیب ٹولہ کا ایک سوال ہے ہم قرآن پیش کرتے ہیں تم ڈھکوسلے پیش کرتے ہو۔

الجواب: ہم نے سارا دین الفاظ قرآن اور معنی الفاظ حدیث اور ان کے معنی یہ تمام متواتر طریقہ سے لئے۔ جس کی ترتیب یہ ہے اوّل الفاظ معنی اس نے سکھائے جس کے لئے ﷺ کہنے کا حکم ہے اور ان کو سکھائے جن کو خود قرآن بھیجنے والے نے رضی اللہ عنہ ورضوان اللہ کا لقب استعمال فرمایا اور ان رضی اللہ عنہ کے لقب سے ملقب حضرات نے ان کو سکھائے جن کے لئے رحمۃ اللہ علیہ کا لقب استعمال ہوا۔ ہم اہل سنت کو اس ترتیب پر اور ان طبقوں پر پورا پورا اعتماد ہے۔ ان کے قول وفعل عمل پر اعتماد ہے۔ دین نقل اور خبر ہے ساقط منقول عنہ اور مخبر عنہ پر ان رحمۃ اللہ پر اعتماد نہ ہو تو دین کس سے لوگے۔

اصل بات یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ وہی ہیں جو تم پیش کرتے ہو اور جو ہم پیش کرتے ہیں، اختلاف آگے شروع ہوتا ہے ہم قرآن کے الفاظ کے معنی رحمتوں سے لیتے ہیں تم لعنتوں سے لیتے ہو۔ ہم اعتماد کرتے ہیں ان پر جن کے لئے رحمت اللہ کہا گیا ہے۔ تمہارا اعتماد ہے ان پر جو مغضوب علیہم اور والضالین کا مصداق ہیں۔ بتاؤ تو تم نے قرآن کس سے لیا۔ رحمۃ اللہ علیہ سے تو تم بدکتے ہو۔ لہٰذا ظاہر ہے تم نے قرآن کا مفہوم اس گروہ سے لیا جو لعنت اللہ علیہ اور مغضوب اور ضالین کا مصداق ہے۔ اگر نہیں تو کیا قرآن تم پر نازل ہوا یا غار سر من رائے سے چرا لائے ہو۔ اگر تمہیں رحمۃ اللہ علیہ کی بتائی ہوئی تفسیر پسند نہیں بلکہ اپنی رائے پر اعتماد ہے تو تمہارے ملحد اور زندیق ہونے میں کیا شک ہے۔

سماع موتی، مزید دلائل

۱...... ''واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الھۃ یعبدون (الزخرف:۴۵)''
اے نبی ان رسولوں سے پوچھئے جو آپ سے پہلے ہم نے بھیجے۔ کیا اللہ کے بغیر کوئی اور معبود ہے۔

یہ آیت بیت المقدس میں نازل ہوئی جب تمام انبیاء علیہم السلام جمع تھے ان ملحدین سے پوچھئے کہ رسولوں سے پوچھنے کا حکم کیا معنی رکھتا تھا۔ اگر وہ سنتے نہ تھے خدا نے تمام رسولوں کے سامنے بتایا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو سمجھتی کہ تمام برزخ والے سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ اب لگاؤ فتویٰ رسول خدا پر بلکہ خدا پر جس نے رسول کو یہ عقیدہ بتلایا جو تمہارے نزدیک کفر شرک ہے اور مرتد ہوتا ہے۔ جو عقیدہ آسمان سے جبرائیل لایا وہ ان ملحدین کے نزدیک شرک ہے۔

۲...... (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶) ''ثم دخلت بیت المقدس جمع لی الانبیاء فقدم جبرائیل حتی اممھم''
پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا اور تمام انبیاء علیہم السلام میرے لئے جمع کیے گئے پھر جبرائیل نے آکر مجھے کھڑا کیا حتی کہ میں نے ان کی امامت کرائی۔

جب رسول کریم ﷺ نے تکبیر اولیٰ کہی انبیاء علیہم السلام نے سنی، پھر رکوع سجود کی تکبیریں۔ پھر اب اعدائے انبیاء بتائیں تکبیریں سنے بغیر جماعت کیسے ہوئی۔ کہو تو حید یو! رسول کریم ﷺ کے متعلق تمہارا کیا فتویٰ ہے۔

۳...... (ابن کثیر ج ۳ ص ۱۸) تمام انبیاء علیہم السلام نے خدا کی صفت ثناء کی، نبی کریم ﷺ نے بھی ان کی سنی۔ ''الانبیاء اثنوا علی ربھم قال ابراھیم الحمدللہ الذی اتخذنی خلیلا'' تمام انبیاء علیہم السلام نے بعد نماز خدا کی صفت ثناء بیان کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تمام حمد اس کی جس نے مجھے خلیل بنایا۔

''ثم قال موسیٰ الحمدللہ الذی کلمنی تکلیما'' پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا تمام حمد اس کے لئے ہے جس نے مجھے کلیم اللہ بنایا۔

"ثم قال داؤد قال الحمدلله الذی جعل لی ملک عظیما" پھر داؤد علیہ السلام نے کہا سب حمد اس کے لئے ہے جس نے مجھے ملک عظیم دیا۔

"ثم قال سلیمان الحمدلله الذی سخرلی الریاح" پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تمام حمد اس کے لئے جس نے ہوائیں میرے لئے مسخر کر دیں۔

ابن کثیر کے علاوہ تمام کتب بھری پڑی ہیں حوالہ کی حاجت نہیں۔

"ثم فرضت الصلٰوۃ خمسین فنزلت حتی اتیت موسٰی فقال ما فرض ربک بامتک قلت خمسین صلٰوۃ قال ارجع الی ربک فسئل له التخفیف" پھر مجھ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ میں اتر آیا۔ آگے حضرت موسیٰ ملے۔ فرمایا آپ کے رب نے آپ کی امت کے لئے کیا فرض کیا۔ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ آپ نے فرمایا لوٹ جایئے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ حتی کہ بار بار لوٹا آخر پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

۵...... (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۸۶) "فرأیت ابراهیم فرحب لی ثم قال مر امتک فلیکثرین غراس الجنة الی ان فقلت ما غراس الجنة قال لا حول ولا قوة الا بالله" (بقدر ضرورت) پھر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، آپ نے فرمایا مرحبا۔ پھر فرمایا اپنی امت کو فرمانا۔ غراس جنت زیادہ پڑھیں۔ عرض کیا غراس جنت کیا ہے فرمایا کثرت سے لاحول الخ پڑھنا۔

فائدہ: یہ ہے فیض برزخ والوں کا ان سے فیض کس قدر ہوا جنت میں باغات لگانے کا طریقہ بتایا چونکہ فرمایا تھا کہ جنت چٹیل میدان ہے تمہارے عمل باغ اور نہریں بنیں گے۔

۶...... (زرقانی شرح مواہب لدنیہ ج ۶ ص ۱۹) "فانه فرض علی بنی اسرائیل صلاتان فما صلوها" امام زرقانی نے فرمایا کہ بنی اسرائیل پر صرف دو نمازیں فرض تھیں۔

۷...... (مسلم شریف و فتح الملہم ج ۱ ص ۱۱۸) "ففتح لنا فان آدم علیہ السلام فرحب لی ودعالی بخیر" آسمان اول کا دروازہ کھلا اچانک حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ مجھے مرحبا فرمایا اور میرے حق میں دعائے خیر کی۔

۸...... (ایضاً ج ۱ ص ۱۱۸) آسمان دوم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام سے ملاقات "قال ففتح لنا فاذا انا بابنی الخالة عیسٰی بن مریم ویحیٰی بن زکریا فرحبالی ودعوا الی بخیر" پھر دوسرے آسمان کا دروازہ کھلا اچانک خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام سے ملاقات ہوئی اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سے دونوں نے مرحبا کہا اور میرے حق میں دعائے خیر کی۔

۹...... (مسلم شریف) "ففتح لنا فاذا انا بیوسف علیہ السلام اذ قد اعطانی شطر الحسن رحب لی ودعا لی بخیر" تیسرے آسمان کا دروازہ کھلا تو حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ بڑا حسن کا دیا گیا، مرحبا کہا اور دعائے خیر کی۔

۱۰...... "ففتح لنا فاذا انا بادریس علیہ السلام فرحب لی ودعا لی بخیر" آسمان چہارم کا دروازہ کھلا، حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر کی۔

پانچواں آسمان: "ففتح لنا فاذا انا هارون علیہ السلام فرحب بی ودعالی بخیر" پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی آپ نے مرحبا کہا اور دعائے خیر فرمائی۔

چھٹا آسمان: "ففتح لنا فاذا انا بموسی علیہ السلام فرحب لی ودعالی بخیر" چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے مرحبا کہا اور دعائے خیر کی۔

ساتواں آسمان: "ففتح لنا فاذا انا بابراھیم علیہ السلام مسندا ظھرہ الی البیت المعمور" ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ بیت المعمور سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔

سماع موتی اور مذہب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

امام رازی نے اپنی تفسیر میں سورۃ کہف کے شروع میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کرامت بیان فرمائی ہے۔

"اما ابو بکر فمن کرامتہ لما حمل جنازتہ الی باب قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونودی السلام علیک یا رسول اللہ ھذا ابو بکر بالباب فاذا الباب قد انفتح فاذا بھاتف یھتف من القبر ادخلوا الحبیب الی الحبیب" بہرحال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کرامت میں سے ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھا کر روضہ اطہر کے دروازے کے سامنے رکھا گیا آواز دی گئی۔ اسلام علیک یا رسول اللہ یہ ابوبکر در اقدس پر حاضر ہے۔ اچانک دروازہ کھل گیا اور قبر رسول سے آواز آئی دوست کو دوست کے ہاں داخل کر دو۔

فائدہ: الافضل بعد الانبیاء علیہم السلام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جنازہ ہے خیال کرو کیا کوئی صحابی رضی اللہ عنہ رہ گیا ہوگا۔ ہزاروں کی تعداد میں ہوں گے۔ ان سب کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں کیا وہ دیوانے تھے کہ روضہ اطہر کے دروازے پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رکھ کر اندر دفن کرنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ دروازہ خود کیوں کھلا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کھلوایا اور خود قبر سے آواز دی کہ میرے حبیب کو میرے پاس اندر لاؤ ظاہر ہے کہ سماع موتی کا عقیدہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا۔

اس مسئلہ پر شیعہ عالم مولوی اسماعیل و دیگر علماء سے طولانی بحث ہوئی جو الفاروق میں شائع ہوتی رہی۔ شیعہ نے کہا یہ دو دخل فی الکان ہیں جو شرعاً ناجائز ہے۔

ہم نے جواب دیا دخل فی الکان اور چیز ہے جوار اور چیز ہے صدیق و فاروق جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دخل فی الکان تو اس وقت تصور ہوتا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھول کر اس میں دفن کئے جاتے۔ تفسیر کبیر سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا باجازت داخل ہونا اور اکمال سے فاروق اعظم کا داخل ہونا ثابت کیا۔ خوب سن لو مجدی کی معنوی اولاد ضرور شیعہ کی امداد کرے گی اور اس واقعہ کا انکار کر دے گی۔ حیات انبیاء علیہم السلام میں بھی غیر مقلدین نے شیعہ کی مدد کی اور یہ طحدین تو توہین صحابہ میں شیعوں کے شانہ بشانہ چلتے ہیں۔

سماع موتی اور مذہب تابعین

(مشکوٰۃ شریف باب الکرامات ص ۵۴۴) "عن سعید بن عبدالعزیز قال لما کان ایام الحرۃ لم یوذن فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثا لم یقم یبرح سعید بن المسیب المسجد وکان لا یعرف وقت الصلوٰۃ الا بھمھمۃ یسمعھا من قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم" سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ زمانہ یزید میں واقعہ حرہ کے دوران تین دن تک مسجد نبوی میں نہ اذان ہوئی نہ اقامت اور سعید ابن المسیب مسجد میں مقیم رہے، خوف سے باہر نہ نکلے۔ نماز کے اوقات کا علم اس وقت ہوتا جب قبر رسول سے اذان اور اقامت کی آواز آتی۔

فائدہ: حضرت سعید بن المسیب مدینہ منورہ کے جلیل القدر رئیس التابعین بلکہ افضل التابعین ہیں۔ انہوں نے کسی اور سے روایت نہیں بلکہ اپنے اوپر گزرا ہوا واقعہ بیان کیا۔ یہ طرین تو کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سنتے نہیں یہاں سننا چھوڑ، سنانا بھی ہے اور اذان و اقامت سے نماز کا سلسلہ بھی برزخ میں جاری ہے۔ نیز بخاری میں فرمان نبوی ﷺ موجود ہے کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔ بیت المقدس میں رسول کریم ﷺ نے نماز پڑھائی، اذان ہوئی، اقامت ہوئی۔ پھر انبیاء علیہم السلام کا آپ کو سلام کہنا اور حضور ﷺ کا ان کو جواب دینا بھی مذکور ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۹) "والہ ﷺ مر لجماعة فسلموا فقال له جبرائیل اردد علیهم والذین سلموا ابراهیم" "نبی کریم ﷺ ایک جماعت کے پاس سے گزرے انہوں نے آپ کو السلام علیک کہا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا آپ ﷺ سلام کا جواب دیں۔ سلام کہنے والے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے۔

فائدہ: دیکھ لیا حضرات انبیاء علیہم السلام برزخ میں بھی معطل نہیں نماز پڑھتے ہیں، جماعت ہوتی ہے، اقامت ہوتی ہے۔ پانچ اوقات محفوظ ہیں جیسا کہ حضرت سعید کے واقعہ سے معلوم ہوا خدا کی مدح ثنا کہتے ہیں۔ سوال جواب کرتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان نماز میں کمی کرانے کے سلسلے میں ہوتے رہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا حضور ﷺ کو سلام کہنا۔ یہ سب حدیثوں سے واضح ہے۔ یہی مذہب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا ثابت ہو گیا۔

(فتح الباری ج ۷ باب معراج) "فاذا فیها آدم فقال هذا ابوک آدم فسلم علیه فسلمت علیه فرد السلام ثم قال مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح" آسمان کے دروازہ میں داخل ہوئے تو اچانک حضرت آدم علیہ السلام ملے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے والد آدم علیہ السلام ہیں۔ انہیں سلام کہیے۔ میں نے سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور مرحبا کہا اور دعا دی۔

پھر "فلما خلصت اذا یحیی و عیسی الخ الی ان قال هذا یحیی و عیسی سلّم علیهما فسلمت فردا ثم قالا مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح" پھر آگلے آسمان پر "فلما خلصت اذا یوسف قال فسلم علیه ثم قال مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح" پھر اگلے آسمان پر "فلما خلصت فاذا ادریس قال هذا ادریس فسلّم علیه فسلمت علیه قال مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح" پھر آگلے آسمان پر "فلما خلصت فاذا هارون قال هذا هارون فسلم علیه فسلمت علیه قال مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح" پھر آگلے آسمان پر "فلما خلصت فاذا موسی قال هذا موسی فسلم علیه فسلمت علیه قال مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح"

فائدہ: یہ مسلمہ امر ہے کہ معراج رسول کریم ﷺ کو ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا۔ جس کو چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کیا۔ جس کو زرقانی نے شرح مواہب (ج ۶ ص ۱۰۶) پر تحریر فرمایا: "روت قصة الاسراء المعراج نحو اربعین صحابیا" معراج کے قصہ کی روایت کوئی چالیس صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیان کی۔

دوم: یہ امر بھی ظاہر باہر ہے قرآن دان پر، قرآن کریم کے سمجھنے والے کو یہ آیت جو قوم نوح، قوم صالح، قوم ہود یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے متعلق نازل ہوئیں۔ جن کو یہ شرک ساز کمپنی امت محمدیہ پر چسپاں کرتی ہے اور ان سے عدم سماع موتی کا استدلال کرتی ہے۔ چلو عدم سماع موتی تو اور چیز ہے۔ جب یہاں تک انہوں نے فتویٰ دے دیا کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ صلوٰۃ وسلام روضہ رسول ﷺ پر پڑھا جائے تو سنتے ہیں، یہ کفر شرک ہے اور ایسا کرنے

والا کافر، مشرک، مرتد ہے۔ خواہ روحانی کا قائل ہو، خواہ جسمانی کا اور جو اسے کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے اور ان آیات کے نزول کے بعد معراج ہوا اور معراج کے دوران جن انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی وہ برزخ میں ہیں۔ دنیا میں تو نہیں۔ ان برزخ والوں سے باتیں ہوئیں۔ ان سے کلام کی، ان کی کلام سنی، انبیاء علیہم السلام کو جماعت کرائی۔ جیسا (عقیدۃ الطحاوی ص ۲۴۴) "صلی بالانبیاء اماماً" امام بن کر رسول خدا نے تمام انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی تفصیل گزر گئی۔ انبیاء علیہم السلام کے حال کی۔ ایک ہی واقعہ جس کو پوری امت نے تسلیم کیا کہ پچاس نمازوں کی پانچ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنوائیں۔ یہ سننا اور کلام کرنا نہیں تو کیا ہے۔

جیسا ابی الشکور سالمی نے (التمہید عقائد کی کتاب ص ۱۹۴) "القول الخامس فی الفرق۔ اعلم بان الذین مع الجماعۃ ھم اھل السواد الاعظم" پانچویں بات فرقوں کے بارے میں، جان لے کہ دین جماعت کے ساتھ ہے اور جماعت سواد اعظم ہے۔

اور تمام سواد اعظم اس پر متفق ہیں سوائے پرویزیوں کے اور (شرح عقیدۃ الطحاوی ص ۴۳۰) پر فرمایا:

"فتتبع السنۃ والجماعۃ۔ السنۃ طریقۃ الرسول ﷺ والجماعۃ المسلمین وھم الصحابۃ والتابعون لھم باحسان الی یوم الدین" پس حق پر رہ، حق پر مرنا ہے تو سنت کا اور جماعت کا تبع ہو جا سنت نام ہے طریقہ رسول ﷺ کا اور جماعت ہے مسلمانوں کی اور وہ ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے وہ تبعین جو خلوص دل سے صحابہ کا اتباع کریں قیامت تک۔

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ دین اسلام نام ہی تعامل امت کا ہے یعنی جس عقیدہ اور عمل پر امت چلی آرہی ہے۔ دوم: یہ معلوم ہوا کہ حق اور دین پر صرف وہ جماعت ہے جو تبع اصحابہ ہو اور اتباع بھی احسان کے ساتھ ان سے جو دور ہوا وہ جہنمی ہے۔

(شرح عقیدۃ الطحاوی ص ۵۵۴) "وعلماء السلف من السابقین ومن بعدھم من التابعین اھل الخیر والاثر واھل الفقہ والنظر لا یذکرون الا بالجمیل ومن ذکرھم بسوء فھو علی غیر السبیل" علمائے سلف صحابہ کرام اور صحابہ کے تابع اہل خیر اور اہل اثر اور اہل علم اور اہل نظر ان سب کا ذکر اچھائی اور خوبی سے کیا جائے۔ ان کو برائی سے یاد کرنے والا یا برا کہنے والے مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہے۔

اور پھر "یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم (النساء:۱۱۵)" جو مسلمانوں کی راہ چھوڑ دے ہم اسے علیحدہ راہ پر چلائیں گے اور جہنم میں داخل کریں گے۔

فائدہ: اس پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ روضہ اقدس پر جو درود سلام پڑھا جائے خود رسول خدا ﷺ سن کر جواب فرماتے ہیں۔ مگر یہ مین فین نیلوی پیلوی پارٹی اس عقیدہ والے کو کافر کہتے ہیں۔ اب خود فیصلہ کرلو کہ ساری امت کو گمراہ کہیں یا ان ملحدوں کو گمراہ کہیں۔

دوم: معراج پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے سوائے قادیانیوں کے مگر وہ مسلمان ہی کب ہیں کافروں کا اسلامی عقائد پر اتفاق کیسے ہو سکتا ہے۔

سوم: اس پر پوری امت کا اتفاق ہے کہ رسول خدا کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بار بار لوٹا کر پچاس کی پانچ نمازیں مقرر کروائیں۔

چہارم: اس پر بھی اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شب معراج بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کرائی اور امام الانبیاء ﷺ نے اور انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں اور باتیں ہوئیں۔

اب جو ان متفقہ حقائق کو نہیں مانتا وہ مسلمانوں کی جماعت کا اور امت مسلمہ کا فرد نہیں۔ اسے اور جس نام سے چاہو پکارو۔ اب تین سوال حاضر خدمت ہیں۔ سابق قانون کو یاد رکھ کر سنو اور حق کو پہچانو۔

۱...... شرک گرٹولہ جن آیات سے عدم سماع موتی ثابت کر کے سماع موتی کے قائلین پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ یہ شب معراج سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔

۲...... جو ان آیات کا خلاف کر کے سماع موتی کا قائل ہو وہ مشرک مرتد ہو جاتا ہے۔ اب آپ لوگ بتائیں کہ شب معراج محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کی خلاف ورزی کیوں کی، فوت شدہ انبیاء علیہم السلام سے کلام کیوں کی ان کے سلام کا جواب کیوں دیا خود ان کو سلام کیوں دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بار بار نماز کے متعلق مکالمہ کیوں کیا حضور اکرم ﷺ نے یہ ساری آیات خوب پڑھی ہوئی تھیں۔ ان پر عمل کیوں نہ کیا ان کی مخالفت کیوں کی۔

اس کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں: اوّل رسول خدا ﷺ نے ان عدم سماع کی آیات کو یاد رکھتے ہوئے عمداً اللہ کی نافرمانی کی۔ (معاذ اللہ) یا ان آیات کا وہ مطلب نہیں جو شرک گرٹولہ بیان کرتا ہے۔ بلکہ ان آیات میں مذہب مشرکین عرب و کفار کی توہین اور ان کے معبودوں کی توہین اور برائی مذہب مشرکین بیان کی ہے۔

چونکہ یہ تمام آیات مکی، مگر کوئی شاذ و نادر ان آیات کا مطلب خود رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کر دیا۔ ان آیات کا تعلق مردوں کے سننے نہ سننے سے مطلق نہیں۔ بلکہ مردے تو سنتے ہیں۔ فعل رسول ﷺ نے ان آیات کی تفسیر کر دی۔ اگر آپ رسول کریم ﷺ کی تفسیر نہیں مانتے تو سب سے پہلے امام انبیاء علیہم السلام پر معاذ اللہ کفر کا فتویٰ لگاؤ۔ تمہارے منہ میں لگام دینے والا کوئی نہیں تم یہ بھی کر گزرو گے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو تمہارے فتویٰ کی زد میں آ گئے بلکہ تم نے تو صاف لفظوں میں کہہ دیا۔ لہٰذا ایک قدم آگے رکھنا تمہارے لئے کون سا مشکل کام ہے۔

سوم: یہ سوال ہے، میں حیران ہوں اس ملعون مسلمان سے جس نے یہ نہ سوچا کہ سماع موتی کے قائلین پر کفر کا فتویٰ لگانے سے ان کی زد کہاں جا پڑتی ہے۔ اگر شب معراج سے پہلے کوئی آیت بھی نازل نہ ہوتی تو قبل از نبوت بھی کفر شرک بلکہ گناہ کبیرہ سے عند الجمہور معصوم ہوتا ہے کسی سے کوئی ایسا فعل ہو جائے تو نبی ہو سکتا ہی نہیں۔

پھر یہ بتاؤ کہ آپ کے نزدیک جو یہ فعل کفر شرک ہے تو رسول کریم ﷺ نے کیوں کئے۔ پھر اللہ نے بذریعہ وحی منع کیوں نہیں فرمایا۔ تف ہے تمہاری قرآن دانی پر اور حیف ہے تمہاری مسلمانی پر۔

صحاح ستہ کی ان روایات سے ثابت ہو گیا کہ فوت شدہ سے ملاقات سلام کہنا برزخ والوں کا اہل دنیا کے لئے دعا خیر کرنا اہل برزخ سے اجرائے فیض انبیاء علیہم السلام کا برزخ میں نماز پڑھنا اسلامی عقیدہ ہے اور یہ تمام امور نبی کریم ﷺ کی قولی فعلی اور عملی سنت سے ثابت ہے۔ قحط الرجال کی وجہ سے عملاً یہ سنت مفقود ہو گئی۔ علمائے قشر رہ گئے صحیح علم ظاہری اٹھ گیا۔ علم باطنی کے ماہر عارفین ناپید ہو گئے۔ حق یہ تھا کہ علمائے ظاہر کہتے ہیں۔ هذا طور من وراء الطور العقل و طور العقل يعلم بالكشف و الكشف يؤخذ من نور النبوة لا من علوم النبوة۔

تمت بالخیر

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ (الحديث)

حیاتِ انبیاء علیہم السلام

از افادات:

حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ:

جناب حافظ عبدالرزاق (ایم اے)

حیاتِ انبیاءؑ

افادات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ

مرتبہ

حافظ عبدالرزاق ایم۔ اے

ناشر

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، دارالفرقان
منارہ ضلع جہلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

حضرت مولانا اللہ یار چکڑالوی رحمہ اللہ

پیدائش: ۱۹۰۴ء ...... وفات: ۱۸ فروری ۱۹۸۴ء

آپ اپنے دور کے نامور عالم اور مناظر اسلام تھے۔ فریق ثانی پر علمی گرفت کرنے میں دست آہنی استعمال کرتے تھے۔ مزاج میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی حدت وشدت کا پرتو تھا۔ آپ کے شاگرد حافظ عبدالرزاق صاحب نے آپ کے افادات علمی کو ''حیات انبیاء'' کے نام پر جمع کیا۔ یہ ستمبر ۱۹۸۲ء کی بات ہے۔ بیالیس سال قبل کی شائع شدہ کتاب کو ہم اس مجموعہ میں شامل کر رہے ہیں۔ اس کتاب میں حیات الانبیاء اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عنوان قائم کر کے بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

انسان جب اعتدال کی راہ سے ہٹ جائے تو لازماً افراط یا تفریط کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں حقیقت آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ بدقسمتی سے حیات انبیاء یا حیات بعد موت ایسی حقیقت ہے جس کی نشان دہی خواہ خالق انسان نے فرمادی کہ: ''بل احیاء'' اور ساتھ ہی اس حیات کی کیفیت کا کھوج لگانے کی سعی لاحاصل میں اپنی قوتوں کو صرف کرنے سے روکنے کے لئے اعلان فرمادیا کہ: ''ولکن لاتشعرون''

مگر انسان بھی خالق کے مقابلے میں اس جرأت کا اظہار کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا کہ اس کا شعور حاصل کر کے رہوں گا اور جب ایسا ہونا ممکن نہیں تو ظاہر ہے کہ اسے شعور حاصل نہیں ہوسکتا۔ مگر اس پر اپنی کسی نارسائی کا اعتراف کرنے کی جگہ اس حقیقت کا انکار کرنے کی حماقت کر بیٹھتا ہے۔ یہ حرکت اگر اتفاقاً ہو جائے تو خیر قابل درگزر ہی سہی۔ مگر ہماری انتہائی بدقسمتی یہ ہے کہ یہ حماقت لب عام ہوگئی ہے اور لطف یہ کہ اس پر فخر اور ناز بھی ہوتا ہے۔

اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کے خلاف محاذ آرائی سے روکنے کی کوئی تدبیر کی جائے۔ یہ کتاب اسی کوشش کی ایک صورت ہے۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه

(مرتب)

موت وحیات

موت وحیات کا الفاظ کا مفہوم ہر انسان کے ذہن میں مختلف نوعیت کا ہوتا ہے۔ عام اور سطحی مفہوم یہ ہے کہ جب تک سانس کی آمد وشد کا سلسلہ قائم ہے۔ اسے زندگی کہتے ہیں اور جب یہ سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اس حالت کو موت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے:

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترکیب   موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشان ہونا

مگر اس مفہوم سے ہٹ کر ان الفاظ کا دوسرا اور حقیقی مفہوم بھی ہے۔ آیئے قرآن حکیم سے اس مفہوم کا کھوج لگائیں۔

قرآن مجید کی دو آیات میں موت وحیات کا ذکر ایک ساتھ اور تقابلی انداز میں ہوا:

۱...... ''ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولٰکن لاتشعرون (البقرۃ:۱۵۴)''

۲...... ''ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون (آل عمران:۱۶۹)''

یہ دونوں آیتیں شہدائے بدر واحد کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ جب کفار ومشرکین عرب نے اپنی قوم کے جذبات کو برانگیختہ کر کے انہیں دین اسلام کی مخالفت پر آمادہ کرنے کی مہم چلائی تو یہ شور مچانا شروع کیا کہ دیکھو قوم کے نوجوان قوم کا قیمتی سرمایہ ان لڑائیوں میں لٹ گیا۔ انہوں نے خواہ مخواہ اپنی جانوں کو ہلاک کیا۔ انہیں جوانی کی بہاریں دیکھنے اور جوانی کے مزے لینے کی فرصت ہی نہ ملی اور تباہ وبرباد ہو گئے تو رب العالمین نے ان کے جواب میں اور شہداء کی شان میں یہ آیات نازل فرمائیں۔

پہلی آیت میں تاکید فرمائی کہ اپنی زبان پر بھی یہ لفظ نہ لاؤ کہ وہ مر گئے ہیں۔ وہ تو زندہ ہیں۔ دوسری آیت میں اس سے آگے بڑھ کر سوچ اور خیال پر پابندی عائد کر دی کہ اس انداز سے سوچنا بھی غلط ہے کہ وہ مر گئے۔ یعنی یہ تعلیم دی کہ مومن کی زبان اور اس کے انداز فکر میں یہ عقیدہ راسخ ہونا چاہئے کہ وہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ ان کی حیات کے عقیدہ کا تعلق صرف زبان تک نہ ہو بلکہ دل کی گہرائیوں میں یہ حقیقت راسخ ہو جائے کہ وہ زندہ ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں دو جملوں کے درمیان بل کا لفظ واقع ہوا ہے۔ جس کی اصل وضع اعراض کے لئے ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب بل کے بعد جملہ ہو۔ مفرد نہ ہو تو بل پہلے جملے کا ابطال کرے گا اور دوسرے جملہ کا اثبات کرے گا یا یوں کہئے کہ اس سے مقصد انتقال من الغرض الیٰ غرض آخر ہوگا۔ یہ دونوں یعنی ابطال اوّل واثبات ثانی اور ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال اس کے نوع ہیں۔ پہلے کی مثال ''بل عباد مکرمون (الانبیاء:۲۶)'' دوسرے کی مثال ''بل تؤثرون الحیاۃ الدنیا (الاعلیٰ:۱۶)'' ہے۔ ان دونوں مثالوں میں بل کا لفظ اضرابیہ ابطالیہ ہے اور عاطفہ اور ان دونوں آیتوں میں کلام قصری ہے اور قصر قلب ہے۔ دونوں جملوں میں قصر موصوف کا صفت پر ہے۔ چونکہ مشرکین ومنافقین شہداء کو جو موصوف ہیں۔ صفت موت پر بند کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے قصر قلب کر دیا اور موصوف کو دوسری صفت پر بند کر دیا۔ انہوں نے کہا ھم اموات۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بل ھم احیا یعنی مشرکین نے انہیں صفت موت پر بند کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے صفت حیات پر۔

طرق قصر میں سے ایک قصر بالعطف بھی ہے جس میں متکلم پر واجب ہے کہ نص علی المثبت والمنفی کرے۔ چونکہ متکلم کا اہم قصری صرف خطا وثواب میں امتیاز کرنے کے لئے بولتا ہے تا کہ مخاطب کے عقیدہ میں ثواب وخطا اور حق وباطل کے درمیان جو غلطی یا غلط فہمی واقع ہو چکی ہے وہ نکل جائے اور قصر بالعطف میں بالخصوص اس تصریح کا ترک کرنا جائز ہی نہیں۔

ان دونوں آیتوں کے نزول سے واضح ہو گیا کہ منافقین اور مشرکین اس غلط عقیدہ کا شکار تھے کہ وہ مر گئے اور موت ان کے نزدیک عدمی چیز تھی۔ یعنی وہ بالکل نابود ہو گئے۔ اس اعتقاد کا رد متکلم بلیغ نے یوں فرمایا کہ "اول: ولا تقولوا اموات بل احیاء" "دوم: ولا تحسبن اموات بل احیاء" یعنی موت کی نفی واضح الفاظ میں فرما دی۔

ان آیتوں میں موت کی نفی اور حیات کا اثبات تو ہو گیا مگر دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بدر اور احد کے میدان میں صحابہ شہید ہوئے، جنازے ہوئے دفن ہوئے اور خود قرآن مجید ان کا قتل ہونا واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے تو اس عقدے کا حل کیا ہے۔ اس حل تک پہنچنے سے پہلے چند حقائق کی وضاحت ضروری ہے۔

۱...... قتل کون ہوا؟ ظاہر ہے کہ تلوار نیزہ تیر وغیرہ کا نشانہ یہ بدن ہی تو بنا جو گوشت پوست ہڈی اعصاب وغیرہ کا مجموعہ ہے جو بدن نشانہ بنا وہی قتل ہوا اور منافقین نے بھی اسی کو مقتول، میت اور مردہ کہا۔ قرآن حکیم نے احیاء یعنی زندہ اسی کو کہا جو قتل ہوا۔ ظاہر ہے کہ روح پر نہ تلوار چلی نہ زخم آیا نہ مری۔ اس لئے روح پر لفظ احیاء کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جسم مثالی بھی نہ قتل ہوا، نہ زخمی ہوا، نہ دفن ہوا تو احیاء کا اطلاق اس پر بھی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جسم قتل ہوا۔ مقتول ہی دفن ہوا اور مقتول ہی کو قرآن کریم نے احیاء قرار دیا ہے۔

نفس آیت کے الفاظ پر غور کیا جائے تو ظاہر ہے کہ یقتل فعل کا فاعل ضمیر ہوا ہے جس کا مرجع من موصولہ ہے۔ جس پر فعل قتل واقع ہوا۔ اسی مقتول کے حق میں فرمایا: "بل احیاء ای بل ھم احیاء" ضمیر ہم کا مرجع بھی من موصولہ ہے۔ چونکہ باعتبار لفظ کے من مفرد ہے اور باعتبار معنی کے جمع ہے۔ لہٰذا دونوں کا مرجع بن سکتا ہے۔ سو آیت قرآنی کا اپنا واضح مفہوم یہ ہے کہ من موصولہ سے جو مراد ہے جس پر بوجہ قتل کے موت واقع ہوئی وہی "بل احیاء" یعنی زندہ ہے۔ لہٰذا دونوں آیات قرآنی کا تعلق حیات بدن وجسد عنصری ظاہری سے ہے۔ ان میں حیات روح کا اشارہ تک نہیں۔ یہاں مقتول بدن کے حالات بیان ہوئے، روح کا ذکر نہیں۔

اب ہم پوری آیت نمبر ۲ کے الفاظ پر غور کرتے ہیں الفاظ یہ ہیں: "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اٰتھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم (اٰل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰)" آیت میں انسانوں کے قول کا مقولہ امواتا رد کیا گیا اور فرمایا اصل مقولہ ہم احیاء ہے۔ پھر حیات کے دلائل دیئے۔

۱...... "یرزقون" یعنی وہ صرف زندہ نہیں بلکہ ان کی حیات کو قائم رکھنے کے لئے انہیں رزق دیا جاتا ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ غذا یا رزق صرف زندہ لوگ ہی کھاتے ہیں۔

۲...... "احیاء عند ربھم" ظاہر ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ زندہ ہے: "ماعندکم ینفد وما عنداللہ باق (النحل: ۹۶)" اس لئے "ولما کان بدن المقتول الشھید عنداللہ باق فھو حی لصیرورتہ فی ملک الباقی" بدن شہید اللہ کے پاس ہے پس وہ زندہ ہے۔

۳...... ''فرحین بما اتھم اللہ'' خوشی اور غم دونوں زندوں کی صفات ہیں مردوں کی نہیں۔

۴...... ''یستبشرون بالذین'' اس امر کی خوشی کہ ہمارے بھائی بھی بہت جلد شہید ہو کر ہمارے پاس آ جائیں گے۔

یہاں الذین سے مراد بدن ہے یا روح تو جس طرح قتلوا کا نائب فاعل بدن ہے۔''ھم اموات'' سے مراد بدن ہیں۔''ھم احیاء'' سے مراد بدن ہیں''عند ربھم'' ضمیر کا مرجع بدن ہیں''یرزقون'' کا نائب فاعل بدن''بما اتھم'' ضمیر کا مرجع بدن''یستبشرون'' کا فاعل بدن اور''لم یلحقوا بھم'' ضمیر کا مرجع بھی ابدان ہیں تو آیات قرآنی سے مقتولین کے بدنوں کی حیات ثابت ہوتی ہے۔حیات روح کا آیات میں اشارہ تک نہیں۔حیات روح اور حالات روح سے ساکت ہے۔لیکن عدم ذکر روح سے عدم روح لازم نہیں آئے گا۔اسی طرح یہ سوال بھی غلط ہوگا کہ اگر بدن کو زندہ مان لیا جائے تو اس کے مال میراث میں تقسیم جاری نہ ہوگی۔اس کی منکوحہ نکاح ثانی نہ کرے گی۔کیونکہ نکاح و میراث کا تعلق حیات دنیا سے ہے اور ان کی زندگی کا تعلق برزخ سے، وہ ملک ہی دوسرا ہے،اس کے احکام دوسرے ہیں۔

ایک اور سوال یہ ہوتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہداء سے پوچھتا ہے مانگو جو چاہتے ہو وہ کہیں گے''الا ان ارددنا انک اعدت ارواحنا فی اجسادنا حتی نقاتل فنقتل مرۃ اخری''یعنی الٰہی ہماری روحوں کو ہمارے بدنوں میں لوٹا تاکہ ہم دوبارہ آپ کی راہ میں لڑ کر شہید ہوں۔اس لئے جسم زندہ ہوتا تو روح کو لوٹانے کی درخواست کیوں کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بلغاء کے نزدیک کلام میں آخری جملہ مقصود بالذات ہوتا ہے،علم معانی کا قانون ہے کہ کلام نفی صفت پر وارد ہو کر اس صفت کو اڑاتی ہے۔جیسے''ماجاءنی زید راکبا'' مطلب یہ ہے سوار ہو کر نہیں آیا۔یہ نہیں کہ سرے سے آیا ہی نہیں''مارأیت زیدا کلا'' یعنی میں نے زید کو کھاتے ہوئے نہیں دیکھا یہ نہیں کہ مطلق دیکھا ہی نہیں۔اسی طرح اس حدیث کے آخری الفاظ پر غور کرنے سے بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ:''حتی نقاتل فنقتل مرۃ اخری،''یعنی ارواح کو اس طرح لوٹا کہ ہم دنیا میں جا کر جہاد کر سکیں۔اس سے برزخ میں عود روح الی الجسد کی نفی نہیں۔(دراصل کلام الٰہی میں جو قیودات ہوتی ہیں کلام میں مقصود بالذات وہی ہوتی ہے۔جیسے آیت مذکورہ میں یرزقون،فرحین اور یستبشرون کی قیود)

مولانا سجاد صاحب نے (اقامۃ البرہان ص ۱۰۵) پر لکھا ہے کہ:''قرآن کی تفسیر وہ معتبر ہوگی جو خود رسول کریم ﷺ نے کی یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین خیر القرون نے کی۔''

اصول تو صحیح ہے مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔آپ نے یہ اصول بتا دینے کے بعد (ص ۱۲۹) تک جو دلائل پیش کئے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ ارواح شہداء طیوری قالبوں میں ہوتے ہیں اور جنت سے کھاتے ہیں یعنی ان کے دعوے اور دلیل میں دور کی نسبت بھی نہیں جو عبارتیں سجاد صاحب نے پیش کی ہیں ان میں تقریب تام نہیں۔دلائل کے مطابق دعویٰ نہیں۔ان عبارتوں میں قرآن کی ان دو آیتوں کی تفسیر کی طرف اشارہ تک نہیں۔ان عبارتوں میں تو روح کے برزخی حالات مذکور ہیں۔ان میں مقتول شہید کے بدن کا ذکر تک نہیں اور قرآن مجید میں بدن مقتول کی حیات کا ذکر ہے اور قرآن میں یہاں عدم ذکر روح سے عدم روح یا عدم حیات روح لازم نہیں آتا۔اسی طرح حدیث میں عدم ذکر حیات بدن سے عدم حیات بدن لازم نہیں آتا۔قرآن نے حیات بدن

بیان کی۔ حدیث نے حیات روح بیان کی۔ اگر قرآن کی تفسیر ہوتی تو یوں ہونا چاہئے تھا: ''بل اروا حھم احیاء عندربھا یابل اروا حھم احیاء عندربھا فی اجسام المثالیۃ اذالیس فلیس''

حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح روح قتل نہیں ہوئی اسی طرح آپ کا فرضی اور مصنوعی جسم مثالی بھی قتل نہیں ہوا۔ اس لئے بل احیاء میں حیات اس کے لئے جس پر موت بوجہ قتل فی سبیل اللہ واقع ہوئی۔ جسم مثالی نے نہ جہاد کیا، نہ قتل ہوا، پھر عالم برزخ اور جنت میں انعام، ثواب تلذذ کا مستحق جسم مثالی کیونکر ٹھہرا۔ عجیب انصاف ہے۔ مشقت کوئی اٹھائے اور انعام دوسرے کو ملے۔ جو لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے برزخ میں جسم مثالی تسلیم کرتے ہیں وہ بعد از انتقال انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک برزخ میں جسم مثالی نبی ہوگا۔

ان آیات میں ''یقتل، قتلوا، یرزقون'' وغیرہ فعلوں کا فاعل جسم مثالی نہ تو رسول کریم ﷺ نے سمجھا نہ صحابہ نے، نہ تابعین نے، نہ تبع تابعین نے، نہ مفسرین، محدثین اور مجتہدین نے۔ ہاں! ایک مختصر سے مبتدعین اور ملحدین کے گروہ نے قرآن کے الفاظ کے اندر اپنی طرف سے من مانے معانی داخل کرنے کی ذلیل کوشش کی ہے جو درخور اعتناء نہیں۔ اس سلسلے میں صالحین کی چند تصریحات پیش کی جاتی ہیں۔

۱...... (تفسیر کشاف ج ۱ ص ۴۲۹) زیر آیت: ''ولاتحسبن الذین قتلوا الخ۔ ھم احیاء لدلالۃ الکلام علیھا قولہ تعالٰی یرزقون کسائر الاحیاء یأکلون ویشربون وھو تاکید لکونھم احیاء ووصف حالھم التی ھم علیھا من التنعم برزق اللہ تعالٰی'' یعنی وہ یوں زندہ ہیں کہ انہیں اسی طرح رزق دیا جاتا ہے۔ جیسا تمام زندوں کو دیا جاتا ہے کہ کھاتے پیتے ہیں۔ لفظ یرزقون ان کی زندگی کے وصف کی تاکید ہے۔ اللہ کے رزق سے انعام پانے کی جس حالت میں وہ ہیں اس کی تاکید کرتا ہے۔

۲...... (ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۱۸) بسند جید مروی ہے: ''نبی اللہ حیٌ یرزق'' اس کی شرح میں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ترجمان حنفیت ملّا علی قاری نے لکھا ہے: ''ولاینافیہ ان یکون ھناک رزق حسّی ایضاً وھو الظاھر المتبادر رواہ ابن ماجہ باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرۃ بالفاظ مختلفۃ'' اور اس میں کوئی ہرج نہیں کہ رزق سے مراد حسّی اور مادی رزق ہو جیسا کہ قرآن کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے سند جید سے ذکر کیا ہے۔ میرک نے محدث منذری سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کے اور بھی اسناد اور طرق ہیں۔

۳...... (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۲۷۰) ''بل احیاء دلیل علٰی حیاتھم وانھم یرزقون ولا یرزق الا الحی'' بل احیاء ان کی حیات کی دلیل ہے اور یہ کہ انہیں رزق دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ رزق زندہ کو ہی دیا جاتا ہے۔

۴...... (بخاری ج ۲ ص ۹۱۴) ''عن عدی بن ثابت قال سمعت البراء قال لما مات ابراھیم قال رسول اللہ ﷺ ان لہ مرضعاً فی الجنۃ'' عدی بن ثابت کہتے ہیں میں نے براء سے سنا فرمایا۔ جب ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کے لئے جنت برزخی میں دودھ پلانے والی موجود ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم کے لئے دنیا میں بدن عنصری کے لئے دودھ ہی مادی غذا تھا۔ بعد موت برزخ میں بھی اسی بدن کو وہی حسّی غذا ملی۔ جسم مثالی کے لئے تو دودھ کی حاجت نہ تھی۔ جس بدن ابراہیم پر موت واقع ہوئی۔ دودھ پلانے والی اسی کو دودھ پلانے پر مقرر ہوئی۔

۵...... (بخاری ج ۱ ص ۲۶۳) حضور ﷺ نے صحابہؓ کو صوم وصال سے منع فرمایا تو انہوں نے کہا ''انک تواصل

یا رسول اللہ قال انی لست کاحد کم ان یطعمنی ربی و یسقینی'' دوسری روایت یہ ہے ''ایکم مثلی انی ابیت یطعمنی و یسقین'' کسی حدیث میں ہے ''انی لست مثلکم انی اطعم و اسقی'' اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غذا کھانے پینے کو ملتی تھی اور غذا بدن مادی کو درکار ہوتی ہے۔ اسی غذا سے خون پیدا ہوتا ہے۔ بدن میں طاقت آتی ہے۔ وہی غذا جو حضور ﷺ کو ملتی تھی۔ اسی کی وجہ سے خون اور طاقت قائم رہتی تھی۔ بدن کمزور نہیں ہوتا اور وہ غذا کسی کو نظر بھی نہیں آتی تھی۔ یہی حال شہداء کے بدنوں کا ہوتا ہے۔ مادی اور حسی غذا انہیں ملتی ہے اور غذا کی خاصیت ہے کہ خون پیدا ہوا اور بدن کی طاقت بحال رہے۔

۶...... (سیرت ابن ہشام مع روض الانف ج ۱ ص ۳۵) ''ان رجلاً من اھل نجران کان فی زمن عمر بن الخطاب حضر خربۃ من خرب نجدان لحاجتہ فوجدوا عبداللہ بن تامر تخت دفن منھا قاعدا واضعا یدہ علی ضربتہ فی رأسہ ممسکا علیھا بیدہ فاذا اخرت یدہ عنھا تنبعث دما و اذا ارسلت یدہ ردھا علیھا فامسکت دمھا'' حضرت فاروق اعظم ؓ کے زمانے میں نجران کے ایک آدمی نے ایک غیر آباد زمین میں گڑھا کھودا اس میں عبداللہ بن تامر شہید کو پایا کہ سر کے زخم پر ہاتھ رکھا تھا جب ہاتھ ہٹایا گیا تو خون بہنے لگا۔ جب ہاتھ چھوڑا تو زخم پر رکھ دیا اور خون بند ہو گیا۔

اس سے پہلے (۳۴) پر فرمایا کہ عبداللہ بن تامر کے واقعہ کی تصدیق قرآن کریم میں موجود ہے۔ ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا'' اور اس کی تصدیق شہدائے احد کے واقعہ سے ہوتی ہے۔ ''یصدقہ قولہ تعالٰی ولا تحسبن الذین قتلوا الخ۔ وما وجد فی صدر ھذہ الامۃ من شھداء احد و غیرھم علی ھذہ الصورۃ ولم یتغیروا بعد الدھور الطویلۃ کحمزہ بن عبدالمطلب فانہ وجد حین حضر معاویۃ العین صحیحاً لم یتعوذ اصابت انعام اصبعہ فدمیت و کذالک ابو جابر عبداللہ بن حرام و عمر و بن الجموع و طلحۃ بن عبیداللہ الی ان قال فاستخرجتہ من موضعہ بعد ثلاثین سنۃ لم یتغیر ذکرہ ابن قتیبۃ فی المعارف و الاجنا بذالک صحیحۃ''

اس کی تصدیق شہدائے احد کے واقعہ سے ہوتی ہے جو امت محمدیہ کے قرن اوّل میں پیش آیا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ طویل زمانہ گزرنے کے باوجود ان کے بدن متغیر نہیں ہوئے۔ اسی طرح جب امیر معاویہ ؓ نے چشمہ کھودا تو حضرت امیر حمزہ ؓ کا وجود ملا۔ ان کے بدن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ جب ان کی انگلی پر بیلچہ لگا تو خون بہنے لگا۔ اسی طرح عبداللہ بن حرام کے والد، عمر بن جموع اور طلحہ بن عبداللہ ؓ کہ ان کو ۳۰ برس کے بعد نکالا گیا تو بدن صحیح و سلامت تھے کوئی تغیر نہیں آیا تھا اس کو ابن قتیبہ نے معارف میں ذکر کیا ہے۔ یہ سب روایات صحیح ہیں۔

۷...... (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۹۹) علامہ شوکانی جن کو غیر مقلد ابن تیمیہ کے بعد دوسرے نمبر پر سمجھتے ہیں: ''معنی الأیۃ عند الجمھور انھم احیاء حیاۃ محققۃ ثم اختلفوہ فمنھم من یقول انھا ترد الیھم ارواحھم فی قبورھم فیتنعمون و قال مجاھد یرزقون من ثمر الجنۃ و ذھب من عدا الجمھور الی انھا حیاۃ مجازیۃ و الصحیح اوّل ثم قال و المراد بالرزق ھنا الرزق المعروف فی العادات علی ما ذھب الیہ الجمھور کما سلف۔ والحمل علی المجازاۃ بعیدۃ۔ و المراد بما أتاھم اللہ ما ساقہ اللہ الیھم من الکرامۃ بالشھادۃ و ما صاروا فیہ من الحیاۃ و مایصل الیھم من رزق اللہ''

جمہور کے نزدیک اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ شہداء زندہ ہیں۔ یہ زندگی حقیقی ہے۔ پھر بعض علماء نے اختلاف کیا ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ موت کے بعد ارواح کو قبروں میں ان کی طرف لوٹایا جاتا ہے کہ وہ کھاتے پیتے اور لذت اٹھاتے ہیں اور مفسر مجاہد کا قول ہے کہ انہیں جنت کے پھلوں سے رزق ملتا ہے۔ جمہور کے خلاف بعض کا کہنا ہے کہ یہ زندگی مجازی ہے۔ مگر پہلا قول صحیح ہے۔ پھر یہاں رزق سے مراد ہی معروف عادی رزق ہے جو حسّی ہے لوگ دنیا میں کھاتے ہیں جیسا کہ جمہور سلف کا مذہب ہے۔ اسے مجازی رزق پر محمول کرنا بعید ہے۔ حق یہ ہے کہ رزق حسّی مادی ہے جس سے ان کے بدن میں خون پیدا ہوتا ہے، "ما اٰتٰھم اللہ" سے جو حیات حقیقی برزخ میں عنایت فرمائی اور رزق بھی عنایت فرمایا۔

یہ خیال رہے کہ یہ رزق حسّی اہل برزخ کے نزدیک حسّی ہوگا اہل دنیا کے ہاں وہ حسّی نہیں ہوگا۔

مولوی محمد حسین نیلوی صاحب نے ندائے حق میں کہا ہے: "بل احیاء عند ربھم یرزقون (آل عمران: ۱۶۹)" میں ضمیر دال بر ذات ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ حسب زعم روح معہ جسد عنصری کو رزق ملتا ہے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بطریق تواتر جو حدیث آئی ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں کہ: "جعل ارواحھم فی اجواف طیر خضر الخ" (ص ۸۶)

اس غلط فہمی کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر نہیں ہے۔ آیت تو نص صریح ہے اس میں رزق بدن عنصری میں بدن عنصری کا بیان ہو رہا ہے۔ حدیث میں انعام روح کا جدا بیان ہے۔ سوال یہ تھا کہ جنت میں بدن کو بغیر روح کے انعام ملتا ہے یا نہیں تو جواب ملا: ہاں! ملتا ہے۔ نیز اس حدیث کو متواتر کہنا سینہ زوری ہے۔ کسی نے اس کو متواتر نہیں کہا۔ آپ اسے متواتر کہہ بھی دیں تو آپ کے موقف کو مفید نہیں کیونکہ آپ لوگ (شفاء الصدور ص ۱۶۳) پر حدیث کا انکار کر چکے ہیں اور لکھا ہے کہ کوئی حدیث متواتر نہیں نہ کوئی حدیث صحیح ہے۔

۸...... (مؤطا امام مالک ص ۱۷۷) "عن عبدالرحمن بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی صعصعہ انہ بلغہ ان عمرو بن الجموح و عبداللہ بن عمر الانصاریین ثم السلمیین کانا قد حضرہ السیل من قبرھما مما یلی السیل و کانا فی قبر واحد وھما ممن استشھد یوم احد فحفر عنھا لیغیروا من مکانھما فوجدا لم یتغیرا کانھما ماتا بالامس و کان احدھما قد جرح فوضع یدہ علی جرحہ فدفن وھو کذالک فاحیطت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت کما کانت و کان بین احد و بین یوم حضر عنھما ستۃ و اربعون سنۃ"

عمرو بن الجموح اور عبداللہ انصاری ؓ دونوں سلمی قبیلہ کے تھے۔ سیلاب نے ان کی قبریں ننگی کر دیں دونوں ایک قبر میں مدفون تھے اور دونوں شہدائے احد میں سے تھے۔ ان کی قبریں کھودی گئیں کہ میت دوسری جگہ منتقل کریں تو ان کے جسموں کو اس حالت میں پایا جیسے کل دفن ہوئے ہوں کوئی تغیر نہیں تھا۔ ان میں سے ایک زخمی ہوا تھا زخم پر اس کا ہاتھ تھا اس کو ہٹایا گیا جب ہاتھ کو چھوڑا تو لوٹ کر زخم پر آ گیا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب واقعہ احد کے بعد ۴۶ برس کا عرصہ گزر چکا تھا۔

۹...... (فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۲) عمرو بن جموح اور عبداللہ انصاری کے واقعہ کے مزید شواہد کے طور پر "و کان بین احد و یوم حضر منھما ست و اربعون سنۃ۔ کانھما دفنا بالامس و لہ شاھد باسناد صحیح عند ابن سعد من طریق ابی الزبیر من جابر و اخرج الطبرانی من طریق عتبان بن حضر عن ابی مسلمہ بلفظ وھو کیوم

دفنته۔ وفيه كرامته بكون الارض لم تبلی جسده مع لبثه فيها والظاهر ان ذالك لمكان الشهادة"

۱۰...... (تفسیر خازن ص ۲۲۸) "عن عبدالله بن ابی بكر ان خربته احتفرت فی زمن عمر بن الخطاب فوجدوا عبدالله بن تامر واضعا يده علی ضربته فی رأسه اذا احيطت عنها انبعث دما واذا دركت رددمكانها"

۱۱...... یہی عبارت (معالم التنزیل ص ۲۲۹) پر درج ہے۔ آیت قرآنی کی تفسیر میں یہ سب نکات وواقعات صاف ظاہر کرتے ہیں کہ شہداء کو جو رزق برزخ میں ملتا ہے۔ اس سے ان کے اجسام کی حیات قائم رہتی ہے۔ جسم گلتے سڑتے نہیں۔ رگوں میں خون دوڑتا ہے اور یہ سب رزق حسی کی بدولت ہوتا ہے۔

۱۲...... (عقیدۃ السفارینی ج ۲ ص ۴۳) "فان الله تعالٰی ارسل جبرائیل فقبض قبضة من الارض ثم خمرها حتی صارت طينا ثم صوره ثم نفخ فيه الروح بعد ان صوره فلما دخلت الروح فيه صار لحما ودما حيا" جب اللہ تعالٰی نے جبرائیل کو بھیجا انہوں نے مٹھی بھر مٹی لی، اسے خوب گوندھا۔ پھر اس کی صورت بنائی۔ پھر روح پھونکی۔ جب روح اس بدن کی صورت میں داخل ہوئی تو وہ گوشت اور خون والا زندہ آدمی بن گیا۔

معلوم ہوا کہ خون اور گوشت کے لئے بدن کے ساتھ روح کے تعلق کی ضرورت ہے۔ بغیر روح کے بدن میں خون اور گوشت کا موجود ہونا محال ہے۔

بدن کے لئے غذا کی ضرورت ہے ورنہ بدن خشک ہو جاتا ہے۔ خون باقی نہیں رہتا۔ اس لئے ان شہداء کے وجود سے روح کا قوی تعلق تھا اور غذا بھی حسی مادی ملتی تھی۔ ورنہ بدن میں تازہ خون کہاں سے آتا اور بدن کیسے محفوظ رہتا۔

۱۳...... (عقیدۃ السفارینی ج ۲ ص ۳۹) "ان الموت ليس بعدم محض وانما هو انتقال من حال الی حال ويدل علی ذالك ان الشهداء بعد موتهم وقتلهم احياء عند ربهم يرزقون فرحين وهذه صفة الاحياء فی الدنيا واذا كان هذا فی الشهداء كان الانبياء بذالك احق واولٰی" حقیقت یہ ہے کہ موت عدم محض نہیں بلکہ موت نام ہے ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے کا اور اس پر شہداء کا وجود دلالت کرتا ہے کہ شہداء بعد موت اللہ تعالٰی کے ہاں زندہ ہیں رزق کھاتے ہیں۔ خوش ہیں اور یہ دنیوی زندگی کے اوصاف ہیں۔ جب شہداء میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں تو انبیاء میں بدرجہ اولٰی پائے جاتے ہیں۔

۱۴...... (اکلیل شرح مدارک التنزیل ج ۲ ص ۲۹) "بل احياء: حياة الشهداء ثابتة فی الايات والاحاديث وقد اختلفوا فيها وذهب كثير من السلف الی انها حياة حقيقة بالروح والجسد ولكن لا ندركها ولا نعلم حقيقتها ولانها من احوال البرزخ التی لا يطلع عليها" شہداء کی حیات قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ پھر علماء نے اس حیات میں اختلاف کیا ہے۔ سلف صالحین کی کثیر جماعت کا عقیدہ ہے کہ شہداء کی حیات حقیقی ہے روح اور جسد کے ساتھ ہے۔ لیکن ہم اس حیات کا ادراک نہیں کر سکتے اور اس کی حقیقت معلوم نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا تعلق احکام برزخ سے ہے جو ہمارے ادراک سے باہر ہیں۔

۱۵...... (روح المعانی ج ۲ ص ۲۰) "واختلف فی هذه الحياة وذهب كثير من السلف الی انها حقيقة بالروح والجسد ولكنا لا ندركها فی هذه النشاة واستدلوا السياق قوله تعالٰی عند ربهم يرزقون" اس حیات شہداء میں اختلاف ہے اور سلف صالحین کی بڑی جماعت کا عقیدہ ہے کہ یہ حقیقی حیات ہے جو جسم مع روح سے ہے لیکن ہم

اس دنیا میں اس حیات کا ادراک نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اس کی دلیل آیت قرآنی کے سیاق سے لی ہے۔

دوسرا قول ہے کہ حیات روحانی ہے مگر یہ قول مرجوح اور ضعیف ہے۔ "المشھور ترجیح القول الاوّل" خیال رہے کہ جب جسد حقیقی یا جسد اصلی یا میت کا جسد بولا جائے تو جسد سے مراد جسد عنصری ہوتا ہے جو دنیا میں زندہ انسان کا ہوتا ہے جس پر موت وارد ہوتی ہے موت سے موصوف یہی جسد عنصری ہوتا ہے۔

"ونسب (القول الاوّل) الی ابن عباس، قتادہ، مجاھد والحسن وعمرو بن عبید وواصل بن عطاء والجبائی والروحانی وجماعت من المفسرین" یعنی مفسرین کی یہ عظیم جماعت یہی عقیدہ رکھتی ہے کہ شہداء کی حیات حقیقی ہے جو جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہے۔

مولانا سرفراز صاحب نے روح المعانی سے یہ اقتباس پیش کیا تو قاضی شمس الدین صاحب ان پر خوب برسے۔ (تسکین القلوب ص ۵۷) کہ روح المعانی کی عبارت سے دھوکا دیا ہے۔ صاحب روح المعانی کا مسلک ہضم کر گئے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا سرفراز صاحب نے حیات فی القبر کے اثبات کے لئے یہ عبارت پیش کی ہے انہوں نے علماء کے مسالک بیان نہیں کئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت قاضی صاحب کے ذہن سے وہ حصہ کیوں اتر گیا جو روح المعانی نے سلف کے مسلک کے بیان میں لکھا ہے۔ پھر یہ کہ مسلک سلف مقدم ہے یا روح المعانی کا مسلک سلف صالحین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین تبع تابعین تو شہداء کے لئے حقیقی حیات جسم مع الروح ثابت کر رہے ہیں اور آپ اس کے خلاف چل رہے ہیں۔ آپ سلف کے مسلک کو ہضم کر جائیں تو مضائقہ نہیں اور جو شخص سلف صالحین کا مسلک بیان کرے وہ دھوکا باز۔ اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں۔

۱۶ ...... (شرح الصدور ص ۸۵) مفسر ابن حبان کا قول: "وذھب آخرون الی ان الشھید حی الجسد والروح ولا یقدم فی ذالک عدم شعورنا بہ ونحن نراھم علی صفۃ الاموات وھم احیاء کما قال تعالٰی وتری الجبال تحسبھا جامدۃ وھی تمر مر السحاب وکما یرا النائم علی ھیئۃ وھو یرا فی نومہ ما یتنعم بہ او یتألم قلت ولذالک قال تعالٰی بل احیاء ولکن لا تشعرون فنبہ بقولہ ذالک خطابا للمؤمنین علی انھا لا یدر کون ھذہ الحیاۃ بالمشاھدۃ والحس" دوسری جماعت کہتی ہے کہ شہید جسد اور روح کے ساتھ زندہ ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں کہ ہم نہ سمجھ سکیں ہم ان کو مردہ سمجھتے ہیں اور وہ زندہ ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو دیکھتا ہے کہ پہاڑ جمے کھڑے ہیں۔ حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہیں اور جیسے ایک سوتا آدمی کہ وہ نیند کی حالت میں خوشی اور غمی کے منظر دیکھتا ہے۔ ہم اسے ویسے ہی پڑا پاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں ان کی اس حیات کا شعور نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تنبیہ فرمائی کہ وہ حیات تو ہے لیکن تم اسے حواس اور مشاہدہ سے نہیں سمجھ سکتے۔

"ولکن لا تشعرون" سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ عدم شعور کا تعلق حیات بدن سے ہے۔ کیونکہ حیات روح کا تو سب کو علم ہے اور مشاہدہ یہ ہے کہ بدن قتل ہوئے، دفن ہوئے، میراث تقسیم ہوئی تو پھر زندہ کیسے ہیں۔ اس لئے بتایا کہ بدن زندہ تو ہیں مگر تم نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ تم حواس اور مشاہدہ کے محدود دائرے سے باہر جا نہیں سکتے اور برزخ کا عالم لطیف وہاں کے احکام لطیف مادی حواس لطیف مخلوق کا ادراک کیسے کرے۔

۱۷...... (نیل الاوطار شوکانی ج ۳ ص ۲۱۱) "ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون و ان الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء المرسلین" قرآن کریم کی صریح آیات شہداء کی حیات کے متعلق وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ ان کی زندگی جسمانی ہے جب ان کے وجود زندہ ہیں تو انبیاء کرام علیہم کی حیات کی کیفیت کیا ہوگی۔

قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ کے ذخیرہ میں بارہا تصریح سے بیان ہوا ہے کہ موت وحیات دونوں صفتیں یکے بعد دیگرے جسد عنصری کی ہیں۔ روح کے لئے تو موت سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس کے لئے حیات ہی حیات ہے۔ اس حقیقت کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اصول کے طور پر بیان کیا ہے۔

"والصواب ان یقال موت الروح ھو مفارقتھا الجسد فان اریا بموتھا ھذالقدر فھی ذائقۃ الموت وان اریدانھا تعدم وتضمحل فھی لاتموت بل تبقی وفارقتہ ماشاء اللہ" (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۹)

حق بات یہ ہے روح کی موت بس بدن سے جدا ہونا ہے (یعنی بدن سے اس کا تعلق تدبر اور تصرف کا توڑنا ہے۔ تعلق تاثیر توڑنا نہیں) اس جدائی کا نام ذائقہ موت ہے اور اگر یہ خیال ہو کہ روح معدوم ہو جاتی ہے یا مٹ جاتی ہے تو ایسی موت اس کے لئے نہیں بلکہ روح ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

زندہ اسے کہا جاتا ہے جس کے بدن میں حیات ہو خواہ دخول فی البدن سے یا تاثیر وتعلق روح بالبدن سے صرف روح کے زندہ ہونے کو زندہ نہیں کہا جاتا ہے۔ کیونکہ روح تو ہوتی ہی زندہ ہے۔ روح محل موت نہیں نہ موصوف موت نہ درود موت ہے روح تو کافر کی بھی ہوتی ہے۔ پس ہر انسان کی زندگی کا معیار اس کا جسم ہے جسم زندہ ہے تو اسے زندہ کہیں گے۔ جسم مردہ ہے تو مردہ۔ اس لئے جہاں بھی موت وحیات کا ذکر آتا ہے وہاں مراد جسم ہوتا ہے جو موت وحیات کا محل ہے جو لوگ جسم مثالی مراد لیتے ہیں وہ ثبوت پیش کریں کہ پہلے جسم مثالی پر موت آئی پھر اسے قبر میں زندہ کیا گیا ہے۔ نکیرین کا سوال تو اسی سے ہونا چاہئے جسے مکلف بنایا گیا۔ جس کے ساتھ روح کو جوڑا گیا۔ جس نے عمل کیا جسم مثالی کے لئے تو ان اوصاف میں سے کوئی ایک وصف بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا موت بھی بدن کے لئے ہے اور حیات بھی بدن کے لئے ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ حیات صرف روح ہے یا روح کے بغیر کوئی اور چیز ہے تو اس سلسلے میں (عقیدۃ السفارینی ج ۲ ص ۳۸) پر ایک بحث ملتی ہے۔ "قالت طائفۃ الروح ھو الحیاۃ وبہ قال الباقلانی ومن وافقہ وکما قال ابو الھذیل المعتزلی"

حضرت انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے تحیۃ الاسلام میں فیصلہ کن بات لکھی ہے۔ "والاخصر ان یقال الحیوۃ فی اللغۃ شئی مغائر الروح لاعینہ بل ثمرۃ تعلقہ وقد زعم بعض الناس انہ نفس الحیاۃ ولیس کذالک ففی النصوص ذکر الحیاۃ ولیست روحا" مختصر بات یہ ہے کہ کتب لغت میں کہ حیات روح کے علاوہ ایک چیز ہے عین روح نہیں بلکہ حیات ثمرہ ہے روح کے تعلق کا جو بدن سے ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ روح ہی حیات ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ قرآنی آیات میں حیات کا ذکر ہے مگر وہاں روح نہیں ہوتا۔ (جیسے "یحیی الارض بعد موتھا" وغیرہ) (ص ۳۶)

۱۸...... "الجوھر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف النبی المکرم" (ابن حجر مکی ص ۲۵)

"وجمهور العلماء ان حياة الشهداء حقيقية ثم انه فى قول انها الروح فقط وفى قول وللجسد ايضا اى بمعنى لا يبلى وانه تستمر فيه امارة الحياة من الدم واطراوة البدن وهذه هو المشاهد فى بدانهم كما مرّ" اور جمہور علمائے اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور ان کی حیات حقیقی ہے۔ جمہور کے علاوہ پھر دو قول ہیں۔ اوّل صرف روح زندہ ہے۔ دوم جسد مع روح زندہ ہے۔ کیونکہ بدن متعفن بوسیدہ نہیں ہوتا اور اس میں زندگی کے آثار خون اور بدن کا تروتازہ رہنا ہمیشہ موجود ہوتے ہیں۔ ان دو چیزوں کا مشاہدہ شہداء کے ابدان میں سر کی آنکھ سے کیا گیا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

ان اٹھارہ اقتباسات میں مفسرین، محدثین، متکلم اور فقہاء ہر قسم کے علماء کے اقوال اور تحقیق شامل ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور ان کی حیات حقیقی ہے اور وہ جسد عنصری کی حیات ہے۔

اب ہم ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جو شیخ القرآن کے رسالہ تعلیم القرآن بابت ماہ اگست ۱۹۶۴ء میں چھپا ہے۔ عنوان ہے۔ ناقابل انکار صداقت اور عبارت ہے: "مذہب کی سچائی اور اچھائی کی سب سے بڑی دلیل عام فہم ثبوت اور ناقابل انکار حقیقت، مشاہدہ چشم دید واقعہ ہے۔ آیئے! اب ہم صداقت دین اسلام اور حقانیت قرآن پر اپنے ہی زمانہ کا ایک مشاہدہ چشم دید واقعہ پیش کرتے ہیں تاکہ حق پرست اور انصاف پسند اہل وفہم طرفداری سے بلند ہو کر سوچیں اور حقیقت تک پہنچیں۔"

قصبہ سلیمان پاک جو بغداد سے ۴۰ میل کے فاصلہ ہے زمانہ قدیم میں جس کا نام مدائن تھا جہاں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گورنری کے عہدے پر فائز رہے۔ یہاں ایک شاندار مقبرے میں حضرت سلمان فارسی مشہور صحابی مدفون ہیں اور آپ کے گنبد مزار سے متصل نبی آخر الزمان کے دو صحابہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مزارات ہیں۔ ان دونوں صحابہ رسول کے مزارات پہلے سلمان پاک سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر ایک غیر آباد جگہ پر تھے اور ہوا یہ کہ حضرت حذیفہ نے کواب میں ملک شاہ فیصل اوّل شاہ عراق سے فرمایا کہ ہم دونوں کو موجودہ مزاروں سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر دفن کر دیا جائے۔ اس لئے کہ میرے مزار میں پانی اور حضرت جابر کے مزار میں نمی شروع ہوگئی ہے۔ یہ خواب مسلسل دو راتوں میں شاہ دیکھتا رہا۔ شاید بے پرواہی یا انہماک امور سلطنت کے باعث بھول گیا۔ تیسری شب حضرت موصوف نے عراق کے مفتی اعظم کو خواب میں یہی ہدایت فرمائی کہ ہم دو راتوں سے شاہ کو کہہ رہے ہیں لیکن اس نے اب تک اس کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ اب تمہارا کام ہے کہ اس کو متوجہ کر کے اس کا فوری بندوبست کراؤ۔

چنانچہ اگلے روز صبح صبح ہی مفتی اعظم نوری السعید پاشا وزیر اعظم کو ہمراہ لئے بادشاہ سے ملے اور اس سے اپنا خواب بیان کیا۔ شاہ نے کہا میں بھی دو راتوں سے یہ خواب دیکھ رہا ہوں۔ آخر کافی غور و مشورہ کے بعد شاہ نے مفتی اعظم سے کہا آپ مزارات کھولنے کا فتویٰ دے دیں۔ اس کی تعمیل کے لئے تیار ہوں۔ جب مفتی اعظم نے مزارات کھولنے اور نعشوں کو منتقل کرنے کا فتویٰ دے دیا تو یہ فتویٰ اور شاہی اعلان اخباروں میں شائع کر دیئے گئے کہ بروز عید قربان بعد نماز ظہر ان دونوں اصحاب رسول ﷺ کے مزارات کھولے جائیں گے۔

اخبارات میں یہ اعلان شائع ہوتا تھا کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ رائٹر اور دوسری خبر رساں ایجنسیوں نے اس خبر کو تمام دنیا میں پہنچا دیا۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ ان دنوں موسم حج ہونے کے باعث تمام

دنیا کے مسلمان حج کے لئے حرمین شریفین میں جمع تھے۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا تو انہوں نے شاہ عراق سے یہ خواہش ظاہر کی کہ مزارات حج کے چند روز بعد کھولے جائیں تاکہ وہ بھی شرکت کر سکیں۔ اسی طرح حجاز، مصر، شام، لبنان، فلسطین، ترکی، ایران، بلغاریہ، افریقہ، روس اور ہندوستان وغیرہ کے ملکوں نے شاہ عراق کے نام بے شمار درخواستیں بھیجیں کہ ہم بھی جنازہ میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ مہربانی فرما کر مقررہ تاریخ چند دن بڑھادی جائے۔

چنانچہ دنیا کے مسلمانوں کی خواہش پر دوسرا فرمان جاری کر دیا گیا کہ اب یہ رسم حج کے دس دن بعد ادا کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی خواب میں ان مزارات کی عجلت کی تاکید کے پیش نظر احتیاطی تدابیر بھی کی گئیں کہ پانی مزارات کے قریب نہ آئے۔ آخر کار وہ دن بھی آ گیا۔ جس کی آرزو میں لوگ جوق در جوق سلمان پاک میں جمع ہو گئے۔ دوشنبہ کا دن تھا۔ بارہ بجے دن کے بعد لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں مزارات کھولے گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار میں پانی آ چکا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مزار میں نمی پیدا ہو چلی تھی۔ حالانکہ دریائے دجلہ وہاں سے دو فرلانگ دور تھا۔ آخر کار ان نعشوں کو نکالا گیا۔ ان کی نعشوں کو کرین کے ذریعہ اٹھایا گیا اور خود بخود سٹریچر پر آ گئیں۔ اب کرین سے سٹریچر کو علیحدہ کر کے ہز مجسٹی شاہ فیصل، مفتی اعظم عراق اور وزیر مختار جمہوریہ ترکی اور پرنس فاروق ولی عہد مصر نے کندھا دیا اور ایک شیشے کے صندوق میں رکھ دیا۔ دونوں نعشوں مبارک کے کفن حتی کہ ریش مبارک کے بال تک بالکل صحیح سلامت حالت میں تھے۔ نعشوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ نعشیں تیرہ سو سال سے قبل کی ہیں۔ بلکہ گمان یہ ہوتا تھا کہ شاید انہیں رحلت کئے ہوئے دو تین گھنٹے سے زائد وقت نہیں گزرا۔

سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ان دونوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پراسرار چمک تھی کہ بہتوں نے چاہا کہ ان کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر دیکھیں لیکن ان کی نظریں اس چمک کے سامنے ٹھہرتی نہیں تھیں۔ بڑے بڑے ڈاکٹر یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ایک جرمن ماہر چشم جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا اس تمام کارروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ اس نے جو یہ منظر دیکھا اتنا بے اختیار ہوا، آگے بڑھ کر مفتی اعظم عراق کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ آپ کے مذہب اسلام اور بزرگی صحابہ کا اور کیا ثبوت ہونا چاہئے اور مفتی اعظم عراق کا ہاتھ پکڑتے ہی کہا: ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اس واقعہ کے بعد بغداد میں کھلبلی مچ گئی اور بے شمار یہودی اور نصرانی خاندان جوق در جوق مسجدوں میں قبول اسلام کے لئے آتے، مسلمان ہو کر واپس جاتے رہے، ان کی تعداد کا اندازہ لگانا آسان نہ تھا یہ کسی کتاب کا لکھا ہوا واقعہ نہیں ہے بلکہ اسلام کا چشم دید معجزہ ہے۔ یہ واقعہ ۱۹۳۲ء میں پیش آیا۔''

یہ حال شہداء کا ہے کہ انہیں دیکھ کر کفار بھی مسلمان ہوئے لیکن کتنا بڑا المیہ ہے کہ جناب شیخ القرآن صاحب اسلام کا دعویٰ کر کے خود اس حقیقت کا انکار کر بیٹھے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہوتے ہیں اور یہ انکار اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ قریہ بہ قریہ اس گمراہی کو پھیلانے کے لئے کمربستہ ہو گئے اور اس پر مستزاد یہ کہ جو لوگ ان کے لکھے ہوئے واقعہ کے مطابق حیات انبیاء کا عقیدہ رکھتے ہیں انہیں بھی شیخ القرآن گمراہ اور مشرک کہتے ہیں۔ ماہنامہ میں یہ واقعہ نقل کرنے کی غرض یہ لکھی کہ حق پرست، انصاف پسند، اہل علم وفہم طرفداری سے بلند ہو کر سوچیں اور حقیقت تک پہنچیں۔ مگر آپ کو سوچنے اور حقیقت تک پہنچنے کی توفیق نہ ملی۔ پھر کوئی آپ کو حق پرست کہے تو کیونکر انصاف پسند کہے تو کیسے اہل علم وفہم کہے تو کس بنا پر اور طرفداری سے بلند ہو کر سوچنے والا سمجھے تو کس دلیل سے۔ آپ تو ان میں سے کسی وصف کے مستحق نہیں۔

باب: ۲

مسئلہ حیات النبی ﷺ

اہل سنت والجماعت کے نزدیک حیات النبی ﷺ کا مسئلہ کبھی مختلف فیہ نہیں رہا۔ مگر اس صدی کا یہ ایک المیہ ہے کہ گنتی کے چند افراد نے اجماعی عقیدے سے انحراف کرتے ہوئے پہلے تو بر سبیل تذکرہ یہ مسئلہ چھیڑا۔ پھر اختلاف سے ترقی کر کے مخالفت تک پہنچایا۔ پھر عوام میں افتراق پیدا کر کے یہاں تک پہنچایا کہ اس اجماعی مسئلہ سے اتفاق کرنے والوں کو تکفیر کا نشانہ بنایا۔ اتفاق یہ کہ گنتی کے یہ چند افراد اپنے آپ کو دیو بند مکتب فکر سے منسوب کرتے ہیں بلکہ اب تو اس مکتب فکر کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے ہیں اس طرح یہ مکتب فکر نشانہ ملامت بننے لگا تو دارالعلوم دیو بند کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند نے اس گتھی کو سلجھانے کے لئے اپنی سی کوشش کر ڈالی۔ اس کی کچھ تفصیل دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اس نئی تحریک کا پس منظر سامنے آ جائے۔

شیخ القرآن مولوی غلام اللہ صاحب کے جاری کردہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ اگست ۱۹۶۲ء میں مولوی صاحب نے مولانا قاری محمد طیب صاحب کا ایک مکتوب شائع کیا اس کے کچھ اقتباس یہاں دیئے جاتے ہیں۔ اس پر حضرت قاری صاحب کے علاوہ مولوی غلام اللہ خان، قاضی شمس الدین، مولوی نور محمد قلعہ دیدار سنگھ اور مولوی محمد علی جالندھری کے دستخط ثبت ہیں۔

مضمون مکتوب کے کچھ حصے یہ ہیں: ''برزخ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کا مسئلہ مشہور و معروف اور جمہور علماء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ علمائے دیو بند حسب عقیدہ اہلسنت والجماعت برزخ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کے اس تفصیل سے قائل ہیں کہ نبی ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد اپنی پاک قبروں میں حیات جسمانی سے زندہ ہیں اور ان کے اجسام کے ساتھ ارواح مبارکہ کا ایسا ہی تعلق قائم ہے جیسا کہ دنیوی زندگی میں قائم تھا۔ وہ عبادت میں مشغول ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ قبور پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام بھی سنتے ہیں۔ وغیرہ! علمائے دیو بند نے یہ عقیدہ کتاب وسنت سے وراثۃً پایا ہے اور اس بارہ میں ان کے سوچنے کا طرز بھی متوارث ہی رہا ہے۔''

علمائے دیو بند اور مسئلہ حیاۃ النبی کے سلسلے میں ایک اور المیہ کا حوالہ دینا بھی مناسب ہوگا وہ یوں کہ بریلوی مکتب فکر کے کچھ حضرات نے یہ الزام لگایا کہ علمائے دیو بند برزخ میں حیات انبیاء کے قائل نہیں اور الزام کو تقویت پہنچانے کے لئے ان حضرات نے حق وانصاف کی روش سے ہٹ کر علمائے دیو بند کے خلاف فتویٰ بھی حاصل کر لیا تو مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری نے ایک مفصل جوابی فتویٰ ''المهند علی المفند'' کے نام سے مرتب فرما کر علمائے حرمین کو ارسال کیا۔ اس میں مولانا نے اس خاص مسئلہ پر علمائے دیو بند کا نقطہ نظر غیر مشتبہ الفاظ میں تحریر فرمایا جس کا حاصل یہ ہے۔

نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور برزخ میں ان کی حیات حیات دنیوی ہے اور اس نقطہ نظر کی تائید کے لئے بانی دیوبند حضرت مولانا محمد قسم نانوتوی کی کتاب آب حیات کا حوالہ بھی دیا کہ علمائے دیوبند کا یہ عقیدہ حیات انبیاء انہیں ان کے اسلاف سے بطور توارث کے ملا ہے کوئی انفرادی رائے یا وقتی ہنگامی فتویٰ نہیں جو حوادثات کے پیش آنے سے اتفاقاً سامنے آ گیا ہو۔ پھر اس مسئلہ کے بارے میں حضرت نانوتوی کے رسالہ کی تائید میں اس وقت تمام اکابر علمائے دیوبند کے توثیقی دستخط بھی اس میں ثبت کرائے جس سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ مسئلہ حیات انبیاء کے بارے میں یہ مذکورہ عقیدہ صرف ان کے سلف کا نہیں بلکہ خلف بھی اس کے اسی طرح قائل ہیں۔ جس طرح سلف قائل تھے اور اس طرح یہ مسئلہ اثبات حیات انبیاء بطرز مذکور سلف سے لے کر خلف تک یکسانی کے ساتھ مسلمہ اور متفقہ رہا ہے اور تمام علمائے دیوبند کا یہ اجماعی مسلک ہے جس سے کوئی فرد بھی منحرف نہیں ہے۔

حضرت قاری صاحب کے متذکرہ مکتوب میں آگے قاری صاحب بیان فرماتے ہیں: ''۲۲ر جون ۱۹۶۲ء جمعہ کے دن دونوں جانب سے یہ سب بزرگ احقر کی قیام گاہ میں جمع ہو گئے۔ مدرسہ عثمانیہ حنفیہ میں اس مجلس میں اس احقر نے اسی معاملہ کی ساری روئیداد بیان کر کے مسئلہ کا وہ منقح قدر مشترک دونوں جانب کے ذمہ دار حضرات کے سامنے رکھا۔ گفتگو نہایت دوستدارانہ مخلصانہ ماحول میں ہوئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں حلقوں نے احقر کی پیش کردہ قدر مشترک کے عنوان کو قبول کر لیا اور اس قدر مشترک کی تحریری یادداشت پر جو احقر نے اپنے دستخط سے پیش کی، فریقین نے دستخط فرما دیئے۔ اس تحریری یادداشت کا متن بلفظہ حسب ذیل ہے۔

عامۃ المسلمین کو فتنہ نزاع وجدال سے بچانے کے لئے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلے میں ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارت ذیل پر دستخط فرما دیں یہ عنوان مسئلہ کا قدر مشترک ہوگا۔ ضرورت پڑنے پر اس کو عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

عبارت حسب ذیل ہے: وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ قبر شریف میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔''

دستخط	دستخط	دستخط	دستخط
احقر محمد طیب حال وارد راولپنڈی ۲۲ر جون ۱۹۶۲ء	قاضی شمس الدین	قاضی نور محمد	لاشئ غلام اللہ خان

اس کے بعد قاری صاحب نے عنایت اللہ شاہ کے متعلق فرمایا کہ وہ مؤول نہیں منکر ہیں گو ان کی یہ تاویل بمقابل جمہور اس ناچیز اور ہر دو دستخط کنندگان بزرگان ممدوحین بالا کے نزدیک قابل تسلیم نہیں ہے۔ مولوی غلام اللہ خان، قاضی شمس الدین اور قاضی نور محمد تینوں حضرات نے عہد کیا کہ ہم آئندہ حیات النبی ﷺ کے مسئلہ میں کسی قسم کی غلط بیانی نہیں کریں گے۔ ان امور کا اعلان کیا گیا:

۱...... یہ کہ مسئلہ حیات انبیاء جمہور کا اجماعی مسئلہ ہے۔

۲...... یہ کہ حیات انبیاء کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

۳...... یہ کہ حضرات انبیاء برزخ میں حیات دنیوی سے زندہ ہیں عبادت میں مشغول ہیں۔

۴...... یہ کہ علمائے دیوبند نے عقیدہ حیات انبیاء کا کتاب وسنت سے وراثتاً پایا ہے۔

۵...... یہ کہ علماء کو یہ عقیدہ ان کے اسلاف سے بطور میراث کے ملا ہے کوئی انفرادی رائے یا ہنگامی فتویٰ نہیں ہے۔

۶...... یہ کہ مسئلہ حیات انبیاء کا عقیدہ سلف سے لے کر خلف تک یکسانی سے مسلمہ ومتفقہ رہا ہے اور تمام علمائے دیوبند کا یہ اجماعی مسلک ہے جس سے کوئی فرد بھی منحرف نہیں۔

۷...... یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو برزخ میں ان کے اجسام عنصریہ کے ساتھ ارواح مبارکہ کو ایسا تعلق ہے جیسا دنیا میں تھا۔ اسی وجہ سے انبیاء کو برزخ میں دنیوی جسمانی حیات حاصل ہے۔

ان مسائل پر مولوی غلام اللہ خان اور قاضی شمس الدین صاحب نے دستخط کر دیئے۔ مگر افسوس کہ یہ دستخطی عہد نامہ بس کاغذ کی زینت بن کر رہ گیا اور عہد کی پابندی کی صورت یہ ہوئی کہ اس عقیدہ کے خلاف تصنیف وتالیف کا مستقل کاروبار شروع کر دیا گیا۔ ماہنامہ تعلیم القرآن اگست ۱۹۶۲ء کے پرچے میں یہ خوش خبری سنائی گئی کہ علمائے دیوبند کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ مسئلہ حیات النبی میں یہ مژدہ کیا ہے، ایک معمہ ہے کیونکہ قاری صاحب فرمائیں کہ علمائے دیوبند سلف سے خلف تک متفق رہے ہیں اور آپ کہیں کہ دو گروہ بن گئے۔ قاری صاحب کہیں کہ علمائے دیوبند کا یہ اجماعی مسلک ہے، کوئی فرد بھی منحرف نہیں تو کیا فرد کے بغیر بھی گروہ بن جایا کرتے ہیں۔ ہاں! ایک صورت ہو سکتی ہے کہ دستخط کرنے والے مسلک دیوبند سے منحرف ہو گئے ہوں۔ اسلاف واخلاف سے بغاوت کر لی ہو۔ مگر اس صورت میں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ گندم نما جو فروش نہ بنیں۔ اپنے آپ کو اہلسنت والجماعت سے منسوب نہ کریں۔ دیوبند اور مسلک دیوبند کا نام نہ لیں اور ان بزرگوں کو بدنام نہ کریں۔

قاری صاحب نے فرمایا کہ جمہور علماء کے مقابلہ میں عنایت اللہ شاہ کی تاویل قابل قبول نہ ہوگی۔ بات تو درست ہے مگر عنایت اللہ شاہ اچھے واعظ سہی لیکن اہلسنت کو خیر باد کہہ دیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ممکن ہے ان کے مطالعہ سے نہ گزرا ہو کہ:

(الف) ''ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولّی ونصلیہ جھنم (النساء:۱۱۵)''

(ب) ''من شذ شذ فی النار''

(ج) ''من فارق الجماعۃ ثم مات مات میتۃ الجاھلیۃ''

(د) ''اتبعوا اسواد الاعظم''

(ر) ''علیکم بالجماعۃ''

اب ہم اس مسئلہ پر اہلسنت والجماعت کے اجماع کی کچھ تفصیل پیش کرتے ہیں:

۱...... (الفتاویٰ الکبریٰ الفقہیہ ابن حجر مکی ج ۲ ص ۱۳۵) بقدر ضرورت: ''سئل عن حدیث احمد وابی داؤد بیھقی مامن احد یسلم علیّ الی رد اللہ الیّ روحی حتی ارد علیہ السلام ما الجواب عنہ مع الاجماع علی حیاۃ الانبیاء

کما تواترت الاخبار بہ" ابن حجر مکی سے ان تین حدیثوں کے متعلق سوال ہوا کہ جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے اور میں سلام کا جواب دیتا ہوں تو کیا جواب ہے باوجودیکہ انبیاء کی حیات پر امت کا اجماع ہے جیسا کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

۲...... (القول البدیع علامہ سخاوی ص ۱۶۷)" السادس رسول اللہ ﷺ حیّ علی الدوام یؤخذ من هذه الاحادیث انه ﷺ حیّ علی الدوام وذالک انه محال عادۃ ان یخلوا الوجود کله من واحد یسلم علیه فی لیل ونهار ونحن نؤمن ونصدق بانه ﷺ حیّ یرزق فی قبره وان جسده الشریف لاتاکله الارض والاجماع علی ذالک" نبی کریم ﷺ کو دائمی زندگی حاصل ہے۔ یہ بات ان مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتی ہے اور یہ کیوں ہے؟ اس لئے یہ عادۃ محال ہے کہ کوئی وقت رات دن میں ایسا نہیں گزرتا جس میں آپ پر صلوٰۃ وسلام کہنے والا کوئی نہ ہو۔ ہم ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں۔ ان کو رزق ملتا ہے۔ آپ کے وجود کو مٹی نہیں کھاتی اور اسی حیات پر اجماع ہے۔

۳...... (الجوہر المنظم فی زیارت القبر الشریف النبی المکرم ص ۲۴) پر بعینہٖ وہی الفاظ ملتے ہیں جو القول البدیع میں علامہ سخاوی نے فرمائے ہیں۔

۴...... (زرقانی ج ۵ ص ۳۳۴)" وحیاۃ النبی فی قبره وهو وسائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلة فی ذالک وتواتر الاخبار به" قبر شریف میں حضور اکرم ﷺ و دیگر انبیاء کی زندگی علم قطعی سے معلوم ہے۔

۵...... (شرح شفاء قاضی عیاض معہ نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۹)" فمن المعتقد المعتمد انه ﷺ حیّ فی قبره کسائر الانبیاء فی قبورهم" قابل اعتماد اور معتمد علیہ عقیدہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جیسے دوسرے انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۶...... (نور الایمان بزیارت آثار حبیب الرحمن مولانا عبدالحلیم لکھنوی ص ۱۶) حیات انبیاء کا اجماعی عقیدہ ہے۔

۷...... (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۷ واشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳) وحیاۃ انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس درو ے خلاف نیست حیاۃ جسمانی دنیوی حقیقی نہ روحانی ومعنوی۔ حیات انبیاء پر تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کسی کو اختلاف نہیں وہ حیات جسمانی حقیقی ہے روحانی معنوی نہیں۔

۸...... (جذب القلوب ص ۱۸۴) استاد منصور بغدادی میگوید محققین متکلمین برانند کہ رسول خدا ﷺ حی است بعد از وفات ومسرور می شود بطاعت امت واجساد انبیاء بوسیدہ نمی شود در قبر۔ یعنی تمام محققین کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

۹...... (جذب القلوب ص ۱۸۶) بدانکہ تمام اہل سنت وجماعہ اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراکات مثل علم، سمع مر سائر اموات را از احاد بشر خصوصاً انبیاء علیہم السلام وقطع میکنم بعود حیات مر ہر میت را در قبر چنانکہ در احادیث ورود یافتہ است وواردنشد است کہ بعد از عود حیات در قبر بار دیگر موت عود میکند بلکہ نعیم قبر وعذاب آنرا تا قیامت ادراک می کند وشک نیست کہ ادراک مشروط بحیات است" الی ان قال ولیکن ادلہ" کہ بر حیات انبیاء دلالت دارند مقتضائی آں حیات ابدان است۔ چنانچہ در دنیا بود باوجود استغناء از غذا۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ ہر میت کو قبر میں ادراک ہوتا ہے۔ مثلاً سننا، جاننا، دیکھنا وغیرہ بالخصوص انبیاء کرام کو۔ اہل سنت قطعی یقین رکھتے ہیں کہ بعد موت ہر میت کو حاصل ہوتا ہے اور یہ ثابت نہیں کہ عود روح کے بعد جو حیات حاصل ہوتی ہے اس کے بعد بھی موت ہے بلکہ عود روح کے بعد جو حیات حاصل ہوتی ہے اس پر عذاب وثواب قیامت تک ہوتا ہے اور الم اور تلذذ کے لئے حیات شرط ہے اور حیات کے بغیر نہ سماع اور نہ الم اور درد اور لذت جو حدیثیں حیات انبیاء پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کا مفہوم یہ ہے کہ انبیاء اپنے عنصری دنیوی بدنوں سے قبروں میں زندہ ہیں اور کھانے پینے سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

۱۰...... (تفسیر روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۸) "وانا اقول بھا فی حق الانبیاء علیہم وقد الف البیھقی جزأ فی حیاتھم فی قبورھم" (میں حیات انبیاء کا عقیدہ رکھتا ہوں) امام بیہقی نے قبر میں حیات انبیاء پر ایک کتاب لکھی۔

۱۱...... (الوار المحمود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۶۱۰) "انھم اتفقوا علی حیاتہ ﷺ جل حیاۃ الانبیاء علیہم متفق علیہ لا خلاف لاحد فیہ" (جمہور علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ اور انبیاء کرام ﷺ زندہ ہیں کسی ایک کو بھی اس میں اختلاف نہیں)

۱۲...... (تیسیر القاری شرح بخاری شیخ نورالحق محدث دہلوی ج ۳ ص ۲۶۲) پوشیدہ نماند کہ دیدن آنحضرت ﷺ انبیاء علیہم وتکلم آنہا چنانکہ در حدیث مذکور بوضوح پیوستہ ناظر دراں است کہ آنہا باشخاص واجساد دیدہ وقول مختار ومقرر جمہور اینست کہ انبیاء بعد اذاقت موت زندہ اند بحیات دنیوی یعنی حیات انبیاء در برزخ مانند حیات دنیوی است بلکہ حیات برزخی آں بزرگاں اعلیٰ وافضل است واقویٰ است از حیات دنیوی بمراتب کہ عقل از تصور قاصر است۔ ظاہر ہے کہ شب معراج نبی کریم ﷺ کا انبیائے کرام کو دیکھنا اور ان سے کلام کرنا ان کے اشخاص اور جسموں کے ساتھ تھا جیسا کہ واضح طور پر احادیث میں مذکور اور جمہور علماء کا مذہب مختار یہ ہے کہ انبیاء کرام موت کے بعد زندہ ہوتے ہیں۔ ان کی حیات برزخی ٹھیک ٹھیک حیات دنیوی کی مانند ہے۔ بلکہ ان کی برزخی زندگی دنیا کی زندگی سے افضل ہے اور اس قدر قوی ہے کہ اس کے تصور سے عقل عاجز ہے۔

۱۳...... (وفاء الوفاج ۲ ص ۵۵۹) صدیق اکبر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ حیاۃ النبی کا تھا: "وقال ابوبکر لا ینبغی رفع الصوت علی نبی حیاً ومیتاً" نبی کریم ﷺ کے پاس آواز اونچی کرنا جائز نہیں خواہ اس دنیا میں ہوں یا بعد وفات۔ "ان کانت عائشۃ تسمع صوت الوتد یوتد والمسمار یضرب فی بعض الدور الطیفۃ بمسجد النبی ﷺ فترسل الیھم لا یؤذوا رسول اللہ" یعنی مسجد نبوی کے قرب وجوار میں کسی گھر میخ گاڑی جاتی تو اس کی آواز سن کر حضرت عائشہ کہلا بھیجتی تھیں کہ نبی ﷺ کو ایذاء مت دو۔

۱۴...... (وفاء الوفاج ۲ ص ۵۵۹) فاروق اعظم کا عقیدہ حیات النبی کا تھا "وقد تقدم قول عمر ان مسجدنا ھذا لا ترفع فیہ الاصوات" یعنی حضرت کا فرمان تھا کہ مسجد نبوی ﷺ میں آواز بلند نہ کی جائے۔

معلوم ہوا کہ صدیق وفاروق اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ یہی تھا کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں۔

۱۵...... (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۵۶) حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زندہ ہیں انبیاء قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی ہے، دنیا کی سی نہ حیات روحانی معنوی۔ اموات بھی سنتے ہیں سلام اور کلام اور عرض ہوتے ہیں، اعمال اقرباان کے بعض ایام میں۔

۱۶...... (رسالت حیات نبوی ص ۲۲) مولانا محمد ادریس بحوالہ مولانا محمد قاسم نانوتوی: اہلسنت والجماعت کے تمام سلف سے خلف تک کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور مشغول عبادت ہیں۔

۱۷...... (بذل المجہود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۱۱۷) مولانا خلیل احمد محدث: "ان نبی ﷺ حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم ولا فرق ان یکونوا فوق الارض او تحت الارض حجابھا کما لا فرق فی حضورہ وغیبتہ فی زمان حیاتہ" نبی کریم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں جیسے تمام انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ نبی کریم ﷺ سطح زمین پر ہوں یا زمین کے پردوں کے نیچے ہوں جیسا اس دنیوی زندگی میں حضور ﷺ کے گھر میں موجود ہونے اور سفر پر گھر سے باہر ہونے میں کوئی فرق نہیں۔

۱۸...... (عون المعبود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۴۰۵) "فاکثروا علی الصلوٰۃ فیہ (ای فی یوم الجمعۃ) فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ قال وقالوا یارسول اللہ وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت قال ان اللہ حرّم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فان الانبیاء فی قبورھم احیاء قال قال ابن الحجر المکی وما افادہ من ثبوت حیاۃ الانبیاء حیاۃ بھا التعبدون ویصلون فی قبورھم مع استغنائھم عن الطعام والشراب کالملائکۃ امر لا حیرۃ فیہ ثم قال انھا (ای صلوٰۃ) تعرف علیہ ﷺ وانہ حی فی قبرہ وقد اخرج ابن ماجہ باسناد جید انہ ﷺ قال لابی الدرداء ان اللہ حرّم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء وفی روایت الطبرانی لیس من عبد یصلی علیّ الابلغنی صلوتہ قلنا بعد وفاتک قال وبعد وفاتی ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ وقد ذھب جماعۃ من المحققین الی ان رسول اللہ ﷺ حیّ بعد وفاتہ وانہ یسر بطاعۃ امتہ وان الانبیاء لا یبلون مع ان مطلق الادراک کالعلم والسمع ثابت لسائل الموتیٰ وقد صح عن ابن عباس مرفوعاً مامن احد یمر علی قبر اخیہ المؤمن وفی روایت بقبر الرجل کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الاعرفہ رد علیہ السلام۔

وصح انہ کان یخرج الی البقیع لزیارۃ الموتیٰ ویسلم علیھم وورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون وان حیاتھم متعلقۃ باجسادھم فکیف بالانبیاء والمرسلین وقد ثبت فی الحدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم رواہ المنذری وصححہ البیھقی وفی صحیح مسلم عن النبی ﷺ قال مررت بموسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ" اسی طرح (سنن الکبریٰ بیہقی ج ۳ ص ۲۴۸) پر موجود ہے۔

جمعہ کے دن میری ذات پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ تمہارا درود وسلام میرے سامنے پیش ہوتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کیسے ہوگا۔ جب کہ آپ کا وجود بوسیدہ ہو چکا ہوگا فرمایا انبیاء کے وجود کو کھا جانا اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور علامہ ابن حجر مکی نے فرمایا جس کا مفاد یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے لئے ثابت ہے اور ایسی حیات جس کے ساتھ وہ عبادت کر لیتے ہیں اور اپنی قبروں میں نمازیں پڑھ لیتے ہیں باوجود اس کہ وہ کھانے پینے سے مستغنی ہیں۔ جیسے ملائکہ۔ یہ ایسی بات ہے جس میں کوئی شک نہیں اور صلوٰۃ وسلام آپ پر پیش کیا جاتا ہے۔ آپ قبر میں زندہ ہیں۔ ابن ماجہ اور ابوداؤد سے جید اسناد سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زمین پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے وجودوں کا کھانا حرام کر دیا ہے اور طبرانی میں نبی

کریم ﷺ کا فرمان یوں ہے کہ جو شخص مجھ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچتا ہے تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی وفات کے بعد بھی صلوٰۃ و سلام پہنچے گا۔ فرمایا ہاں بعد وفات بھی پہنچے گا۔ کیونکہ اللہ نے انبیاء کے وجود کو کھانا حرام کر دیا ہے۔ محققین علماء کی جماعت کا مذہب ہے کہ نبی کریم ﷺ بعد وفات زندہ ہیں اور امت کے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور زمین انبیاء کو بوسیدہ نہیں کرتی باوجودیکہ مطلق ادراک جیسا دنیا والوں کی کلام کا سننا۔ ان کو دنیا کا اور دنیا والوں کا علم ہوتا ہے۔ یہ تو تمام مردوں کے لئے ثابت ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے صحیح حدیث مرفوع میں مروی ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر سے گزرے یا کسی شخص کی قبر کے پاس سے گزرے جسے وہ دنیا میں جانتا تھا اور اسے سلام کہے تو وہ میت اس کو پہچانتا بھی ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور علامہ ابن ابی الدنیا نے بیان کیا کہ زندہ شخص میت بھائی یا کسی کی قبر سے گزرے جو دنیا میں اسے جانتا تھا اور میت کو سلام کہے تو میت اس زندہ کو پہچان بھی لیتا ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ اگر نہ پہچانتا ہو تو صرف جواب سلام کہتا ہے اور مسلم شریف میں صحیح حدیث میں آچکا ہے کہ نبی کریم ﷺ جنت البقیع میں جاتے تھے اور قبر والوں کو سلام کہتے تھے اور قرآن کریم کی صحیح نص میں وارد ہوا کہ شہداء زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور ان کی حیات ان کے جسموں کی ہے صرف روحوں کی نہیں۔ جب یہ جسموں سے زندہ ہیں تو انبیاء کی حیات کا کیا کہنا اور صحیح حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ روایت کیا اس کو محدث منذری نے اور صحیح کہا اس کو محدث بیہقی نے اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرا سرخ ٹیلہ کے پاس وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اپنی قبر میں۔

اب ہم عقائد علمائے دیوبند اس کتاب سے نقل کرتے ہیں جو مرکزی اور اجماعی کتاب ہے۔ اس پر تمام علمائے دیوبند اور علمائے ممالک اسلامیہ کا اتفاق ہے۔ اکابر دیوبند نے یہ کتاب علمائے حرمین شریفین اور علمائے ممالک اسلامیہ کے سامنے پیش کی۔ ان میں علمائے مصر، شام، حلب اور ہندوستان شامل ہیں۔ ان میں چاروں مذاہب فقہ تھے اور ان سب نے ان عقائد کی تحقیق کی اور مہر تصدیق ثبت فرمائی۔ اس اجماعی عقیدہ کی تحریری اور مصدقہ دستاویز کی موجودگی میں اگر کوئی شخص ان عقائد کے برعکس کوئی عقیدہ علمائے دیوبند سے منسوب کرے تو اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ دھوکہ باز اور فتنہ پرداز ہے اور اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مسلک دیوبند سے منسوب کرے اور ان اجماعی متفقہ عقائد کے خلاف عقیدہ رکھے اور اسے پھیلائے تو ظاہر ہے کہ وہ جھوٹا اور فریبی ہونے کے علاوہ خود فریبی اور ابلہ فریبی کا شغل اختیار کئے ہوئے ہے اور اگر اس کا یہ جنون بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ جائے کہ ان مسلمہ اکابر کو گمراہ ثابت کرنے لگے تو اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ نفاق کے مرض میں بری طرح مبتلا ہے۔

ہاں! یہ ایک فطری بات ہے کہ اس مرکزی دستاویز کے متفقہ مسائل میں فقہی جزئیات، توجیہات و تعبیرات کا اختلاف ہو سکتا ہے۔ کیونکہ دیوبندیت کسی واحد شخصیت کا نام نہیں نہ ہی کسی خاص شخصیت کی تقلید کا نام ہے بلکہ یہ تو علمائے دیوبند کے اجماعی مسلک کا مظہر ہے۔

دیوبندی ہونے کا دعویٰ کرنے والے اگر اس اجماعی مسلک سے ہٹ کر اپنی تجویز کردہ پگڈنڈی پر چل نکلے ہیں تو اپنی اس بدعت کے ثبوت میں طرح طرح کے سہارے تلاش کرتے ہیں۔ منجملہ یہ کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی

کا عقیدہ حیات انبیاء کے متعلق دیوبندیوں کے خلاف ہے جیسا کہ آب حیات میں مذکور ہے تو یاد رکھنا چاہئے کہ عقائد دیوبند کا مدار ''آب حیات'' پر نہیں بلکہ علمائے دیوبند کا اجماعی عقیدہ وہ ہے جو ''المہند'' میں درج ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کیا آب حیات میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو وہ مبتدع مشرک اور کافر ہے۔ اگر نہیں تو ان توحیدیوں نے اس کا سراغ کہاں سے پایا۔ پھر یہ بات ہے اگر واقعی آپ کے خیال کے مطابق علمائے دیوبند کا عقیدہ غلط ہے تو اپنے آپ کو اس مسلک سے منسوب کرنے میں کیا تک ہے اور اس شتر گربگی کا آخر مقصد کیا ہے۔

گو مسئلہ حیات النبی ﷺ کوئی اصولی مسئلہ نہ تھا۔ مگر اس کی آڑ میں ایک اصولی مسئلہ پامال کیا جا رہا ہے اور وہ ہے اعتماد علی السلف چنانچہ اس نومولود گروہ نے اپنے باطل عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے احادیث رسول کا مذاق اڑایا۔ احادیث کی تکذیب کی۔ حدیثوں کے صریح مدلولات میں غلط تاویلات سے کام لیا اور اپنی سی کوشش کر ڈالی کہ حدیث پر سے ائمہ حدیث، مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین اور سب سلف صالحین پر سے امت کا اعتماد اٹھ جائے۔ بلکہ ان کی کوشش کا ماحصل یہ ہے کہ کسی کی نہ سنو۔ ہماری سنو۔ قرآن و حدیث کو بھول جاؤ، ہماری بات پلے باندھو اور حقیقت یہ ہے کہ دین نقل اور خبر ہے۔ نقل میں منقول عنہ پر اور خبر میں مخبر عنہ پر اعتماد ضروری ہے ورنہ نقل اور خبر کی صداقت کا کیا اعتبار۔ لہٰذا دین سے اعتبار اٹھ گیا اور تاریخ شاہد ہے کہ ہر باطل فرقہ نے ہمیشہ اسی کامیاب ہتھیار سے کام لیا اور سلف صالحین کی سیرت اور صداقت و امانت پر حملہ کر کے اسے مجروح کیا اور نتیجۃً صراط مستقیم سے خود ہٹے دوسروں کو ہٹایا پھر جس وادی میں چاہیں ہلاک ہوں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب ناقلین دین قابل اعتبار نہ رہے تو ایسے دین سے کون چمٹا رہے۔

اجماعی عقیدہ علمائے دیوبند (المہند ص ۲۹) حرمین کے علماء کے سوال خامس کے جواب میں: ''ما قولکم فی حیاۃ النبی ﷺ فی قبرہ الشریف ھل ذالک امر مخصوص بہ ام مثل سائر المؤمنین حیاۃ برزخیۃ'' نبی کریم ﷺ کی قبر میں حیات کے متعلق آپ کا کیا قول ہے۔ کیا خاص حیاۃ حضور ﷺ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے؟

الجواب: ''عندنا و عند مشائخنا حضرت الرسالۃ ﷺ حی فی قبرہ الشریف و حیاتہ ﷺ دنیویۃ من غیر تکلیف وھی مختصۃ بہ ﷺ وبجمیع الانبیاء علیہم والشھداء لا برزخیۃ کما ھی حاصلۃ لسائر المؤمنین بل جمیع الناس کما نص علیہ علامۃ السیوطی فی رسالۃ انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء حیث قال الشیخ تقی الدین سبکی حیاۃ الانبیاء والشھداء فی القبر کحیاتھم فی الدنیا ویشھد لہ صلوٰۃ موسٰی فی قبرہ فان الصلوٰۃ تستدعی جسداً حیاً الٰی آخر ما قال ثبت بھذا ان حیاتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونھا فی عالم البرزخ''

ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضور اکرم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیوی حیات جیسی ہے جو بغیر تکلف کے ہے اور یہ دنیوی حیات نبی کریم ﷺ باقی انبیاء کرام علیہم اور تمام شہداء کے ساتھ خاص ہے اور یہ برزخی نہیں ہے جیسا تمام مسلمانوں کو حاصل ہے جیسا کہ نص کی علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ انباہ الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء میں اور کہا کہ شیخ تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ حیاۃ انبیاء اور شہداء قبر میں دنیوی حیات کی طرح

ہے اوراس کی شاہد ہے وہ حدیث جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے، چونکہ نماز چاہتی ہے زندہ وجود کو پس اس دلیل سے ثابت ہوا کہ آپ کی حیات دنیویہ برزخیہ ہے اس بناء پر کہ آپ عالم دنیا سے عالم برزخ میں جا چکے ہیں۔

اس جواب سے صاف ظاہر ہے کہ علمائے دیوبند کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ انبیاء کرام اور شہداء کی برزخی زندگی حیات دنیوی کی طرح ہے اور دنیا میں انسان کو روح اور بدن سے حیات حاصل ہوتی ہے۔

علمائے دیوبند کا متفقہ عقیدہ بیان کرنے کے بعد اب ہم اکابر دیوبند کے خیالات فرداً فرداً بیان کرتے ہیں جو اس فتویٰ پر رائے دیتے ہوئے ان حضرات نے لکھے ہیں۔

۱...... مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند: انبیاء کرام علیہم السلام کو انہی اجسام دنیوی کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ (لطائف قاسمیہ ص ۳)

پھر فرمایا: انبیاء کو ابدان کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔ پر حسب ہدایت ''کل نفس ذائقۃ الموت'' اور ''انک میت و انھم میتون'' تمام انبیاء کرام خاص کر سرور انام ﷺ کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے۔ (لطائف قاسمیہ ص ۴)

مراد یہ ہے جسد نبوی ﷺ میں عالم برزخ میں حیات دنیوی ہے۔ دنیوی حیات کا تعلق بدن نبی کریم ﷺ سے برزخ میں ہے یہ نہیں کہ من کل الوجوہ حیات دنیوی ہے اور اس عالم دنیا میں زندہ ہیں۔ بلکہ وہ حیات دنیوی کی طرح برزخ میں زندہ ہیں۔

۲...... مولانا عبدالقدوس گنگوہی بروایت مولانا رشید احمد گنگوہی: مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا انبیاء علیہم السلام کی حیات خصوصاً سرور انبیاء ﷺ کا حیات ہونا تو مسلم ہے اور آیت کریمہ ''انک میت و انھم میتون'' سے میت ہونا معلوم ہوتا ہے اس کے جواب میں ایسی پرتاثیر تقریر فرمائی کہ جو مشاہدہ اور سماع پر موقوف ہے۔ مگر خلاصہ اس کا کچھ ایسا تھا کہ موت سب کو شامل ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے ارواح مشاہدہ جلال و جمال حق تعالیٰ و تقابل اکتساب وجود باری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اجزائے بدن پر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین ادراک و عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہے۔ یعنی جس میں غذا کی احتیاج نہیں ہوتی ہے نہ پانی کی۔ اس تحقیق سے نکتہ ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد'' سے ظاہر ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۸)

۳...... شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی: ''وھو معتقدنا و معتقد مشائخنا جمیعاً لاریب فیہ'' ہمارا اور ہمارے جملہ مشائخ کا بے شک یہی عقیدہ ہے۔

۴...... مولانا الحاج احمد حسن امروہی: ''وھو حق صریح لا ریب فیہ فھذا ھو الحق وما ذا بعدالحق الا الضلال و کل ذالک ھو معتقدنا و معتقد مشائخنا و سادتنا اماتنا اللہ علیہ'' اور یہ صریح حق ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ حق یہی ہے اور حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے اور یہی ہمارا ہمارے مشائخ اور ہمارے پیشواؤں کا عقیدہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس عقیدہ پر ہی موت دے۔

۵...... مولانا عزیز الرحمن دیوبندی: ''ولی تحقیق المسائل ھو الحق عندی ومعتقدی ومشائخی'' مسائل کی تحقیق میں میرے نزدیک وہی حق ہے میرا اور میرے مشائخ کا یہی عقیدہ ہے۔

۶...... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی: ''نقر بہ ونعتقدہ واکل امر المفترین الی اللہ وانا اشرف علی التھانوی الحنفی الجشتی'' میں اسی حقیقت کا اقرار کرتا ہوں اور یہی عقیدہ رکھتا ہوں، افتراء پردازوں کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

۷...... شاہ عبدالرحیم دیوبندی: ''الذی کتب فی ھذہ الرسالۃ حق صحیح وثابت فی الکتب بنص صریح ومعتقدی ومعتقد مشائخنا'' جو کچھ رسالہ المہند میں لکھا گیا ہے کتب میں نص صریح سے صحیح ثابت ہے میرا اور میرے مشائخ کا یہی عقیدہ ہے۔

۸...... حضرت مولانا حکیم محمد حسین دیوبندی ''ھو الحق عندنا ومعتقدنا ومعتقد مشائخنا رضوان اللہ علیہ'' اس رسالہ میں جو لکھا ہے حق ہے ہمارا اور ہمارے مشائخ کا یہی عقیدہ ہے۔

۹...... حضرت مولانا حبیب الرحمن دیوبندی: ''ھو معتقدنا ومعتقد مشائخنا جمیعاً'' ہمارا اور ہمارے مشائخ کا یہی عقیدہ ہے۔

۱۰...... حضرت مولانا غلام رسول دیوبندی: ''وھو معتقدنا ومعتقد جمیع مشائخنا'' میرے اور ہمارے تمام مشائخ کا یہی عقیدہ ہے۔

۱۱...... مولانا محمد افضل مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند: ''ھو معتقدنا ومعتقد مشائخنا''

۱۲...... حضرت مولانا عبدالصمد صاحب دیوبندی: ''وھذہ عقائدنا وعقائد مشائخنا ونحن نرجوا من اللہ ان یحیینا ویمیتنا علیھا'' ہمارے اور ہمارے مشائخ کے یہی عقائد ہیں اور ہم خدا سے امید رکھتے ہیں کہ اسی پر زندہ رکھے گا اور مارے گا۔

۱۳...... حضرت مولانا واستاذنا مفتی محمد کفایت اللہ مدرس مدرس امینیہ دہلی ''رأیت الاجوبۃ کلھا فوجدتھا حقۃ صریحۃ لایحول حول سرا وقاتھا شک ولاریب وھو معتقدنا ومعتقد مشائخنا'' میں نے تمام جوابوں کو دیکھا پڑھا اور حق پایا اور ایسا حق جس کے گرد شک وشبہ کا گزر بھی نہیں ہوسکتا۔ میرا اور ہمارے تمام مشائخ کا یہی عقیدہ ہے۔

۱۴...... حضرت مولانا محمد یحییٰ دیوبندی: ''فرأیت ھذا الاجوبۃ فوجدتھا قولا حقا مطابقا للواقع'' میں نے ان جوابوں کو دیکھا اور مطابق واقعہ کے حق پایا۔

۱۵...... مولانا شیخ محمد صدیق افغانی مہاجر مکی: ''الذی کتب مولانا الشیخ خلیل احمد فی ھذہ الرسالۃ فھو حق صریح لاریب فیہ وماذا بعد الحق الا الضلال وھو معتقدنا ومعتقد مشائخنا'' جو کچھ مولانا خلیل احمد صاحب نے رسالہ المہند میں لکھا ہے وہ حق ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ ہمارا اور ہمارے مشائخ کا یہی عقیدہ ہے۔

۱۶...... شیخ سلیم البشری جامع ازہر: ''فقد اطلعت علی ھذہ الرسالۃ الجلیلۃ فوجدتھا مشتملۃ علی العقائد الصحیحۃ وھی عقائد اھلسنۃ والجماعۃ'' میں نے اس جلیل القدر رسالہ کا مطالعہ کیا اسے صحیح عقائد اہل سنت والجماعت پر مشتمل پایا۔

۱۷...... علامہ ابوالخیر محمد عابدین دمشق: ''ھو معتقد اھل السنۃ والجماعۃ''

۱۸...... علامہ شیخ محمد بوشی دمشق: ''فوجدتھا ھذہ الرسالۃ لما علیہ السواد الاعظم من اھل السنۃ والجماعۃ'' اس رسالہ میں میں نے وہ عقائد پائے جس پر اہل السنۃ الجماعۃ کا سواد اعظم حامل ہے۔

۱۹...... علامہ شیخ محمد سعید حموی شام: ''فوجدتھا مطابقۃ لاعتقادنا واعتقاد مشائخنا''

۲۰...... شیخ علی بن محمد دمشقی: ''ھذا مایوافق اعتقادنا واعتقاد مشائخنا من معتقدات اھل السنۃ والجماعۃ''

۲۱...... حضرت مولانا انور شاہ کشمیری: ''یرید بقولہ الانبیاء احیاء بمجموع الاشخاص لا الارواح فقط ولعل المراد بحدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون انھم ابقوا علی ھذہ الحالۃ ولم تسلب عنھم فلا یرد ان الروح بنفسہ یستطیع الصلوٰۃ ورد السلام فکیف وجہ فی الحدیث بقاء الحیاۃ فعل الصلوٰۃ وکذا رد السلام برد الروح'' پھر فرمایا: ''قولہ فنبی اللہ حی یرزق واحیاء فی قبورھم یصلون وفی ذکر الحیاۃ افعالھا لا اصلھا اوارادمع الاجساد فان اجسادھم حرمت علی الارض'' (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جسم عنصری اور روح کے ساتھ زندہ ہیں۔ صرف روح زندہ نہیں۔ شاید اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام شغل عبادت واعمال پر ہی باقی چھوڑے گئے ہیں۔ ان سے یہ حالت (مشغول بالعبادت ہونا) سلب نہیں کی گئی۔ یہ مت خیال کرنا کہ اکیلی روح نماز پڑھنے اور سلام کا جواب دینے کی طاقت رکھتی ہے تو حیات انبیاء کے ساتھ نماز پڑھنے اور سلام کا جواب دینے کے لئے بدن کی طرف لوٹائے جانے کی قید نہ لگائی جاتی، اس قید سے مقید کرنا ظاہر کرتا ہے کہ روح اکیلی نماز نہیں پڑھ رہی ہوتی۔ پس خدا کا نبی زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے صرف حیات انبیاء ہی ثابت نہیں ہوتی بلکہ زندوں والے کاموں میں مشغول ہونا بھی ثابت ہے کیونکہ انبیاء کے وجود کو کھا جانا زمین کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔

اس اقتباس سے ذیل کے امور ثابت ہوئے:

۱...... لفظ مجموعہ اشخاص، فرمایا، شخص تب ظاہر ہوگا جب تشخص سے متشخص ہو اور تشخص حالت بدن سے وضع قطع ڈیل ڈول اور وہ بغیر بدن عنصری کے محال ہے۔

۲...... معلوم ہوا کہ دنیا میں بدن نبی جو اعمال صالحہ کرتا ہے۔ انہی میں وہ بدن برزخ میں مشغول ہے اور ظاہر ہے کہ بدن بغیر روح کے تعلق کے حرکت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا روح معہ بدن زندہ ہیں۔

۳...... انبیاء علیہم السلام کی صرف حیات ثابت نہیں ہوئی بلکہ حیات معہ اعمال وعبادات ثابت ہے۔

۴...... چونکہ حیات بدن رزق کے بغیر نہیں ہو سکتی اسی لئے فرمایا کہ انبیاء کو رزق دیا جاتا ہے۔

۵...... بعد وفات بدن کی حیات اعادہ روح سے ہوتی ہے۔

مذکورہ دلائل کا خلاصہ

۱...... موت کا محل بدن عنصری ہے حیات بعد از وفات بھی بدن عنصری کے لئے ہے۔ قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔

۲...... علماء کا اقرار موجود ہے کہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔

۳...... علماء کا اقرار موجود ہے کہ حیات انبیاء علیہم السلام کی بنیاد احادیث متواترہ پر ہے۔ تواتر ثابت ہونے سے جرح و تعدیل کا سوال باقی نہ رہا اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ تواتر کا انکار کفر ہے۔

۴...... علماء کی تصریحات موجود ہیں کہ حیات انبیاء پر پوری امت کا اجماع ہے۔

۵...... پوری اسلامی دنیا کے علمائے اسلام کا حیات انبیاء پر اجماع اور اتفاق ہے جن میں علمائے دیوبند، علمائے حرمین شریفین شامل ہیں۔

۶...... حیات انبیاء علیہم السلام کسی ایک فقہی مکتب کے نزدیک نہیں بلکہ تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا متفق علیہ ہے۔

۷...... علماء کا اتفاق ہے کہ احادیث نبوی سے پوری وضاحت سے ثابت ہے کہ عالم برزخ میں انبیاء کرام علیہم السلام زندوں کی طرح عمل کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، کلام سنتے ہیں سلام کا جواب دیتے ہیں۔

۸...... علمائے امت کا اقرار ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام عالم برزخ میں اعادہ روح الی الجسد سے زندہ ہیں اور اعادہ روح کی احادیث متواتر ہیں۔

۹...... علمائے امت کی تصریح موجود ہے کہ انہی روایات واحادیث کے مطابق ہمارا عقیدہ ہے۔

حیات انبیاء علیہم السلام پر جب دلائل قطعیہ احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے تو جو شخص اس عقیدہ کو غلط قرار دے وہ خود صراط مستقیم سے ہٹ گیا ہے۔ اس کے کہنے سے پوری امت سلف خلف سب کو گمراہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص چند اشخاص بضد ہوں تو ان کا فرض ہے کہ اسی پایہ کا ثبوت اپنے عقیدہ کی تائید میں پیش کریں اور مثبت پہلو میں ثبوت پیش کریں اور اس تفصیل سے پیش کریں۔

۱...... ثابت کریں کہ روح کی موت بدن کی موت کی طرح ہے اور روح ہی مر کر عالم برزخ میں حیات روحانی سے زندہ ہوتے ہیں۔

۲...... اقرار علماء پیش کریں کہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وجود اجسام بغیر تعلق روح کے عالم برزخ میں مردہ پڑے ہیں۔

۳...... متواتر احادیث پیش کریں کہ عالم برزخ میں اجسام انبیاء میں کسی قسم کی حیات نہیں ہوتی۔

۴...... پوری امت کا اجماع پیش کریں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام برزخ میں مردہ پڑے ہیں۔

۵...... علمائے امت، علمائے ممالک اسلامیہ اور علمائے دیوبند کا اس پر اتفاق پیش کریں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام برزخ میں مردہ پڑے ہیں۔

۶...... علمائے امت کی تصریح پیش کریں کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام میں عالم برزخ میں کسی قسم کی حیات نہیں ہے۔

۷...... متواتر احادیث سے ثبوت پیش کریں کہ روح کا اعادہ بدن کی طرف سے نہیں ہوتا۔

نیلوی صاحب اور اسی قبیل کے چند افراد یہ گمراہ کن عقیدہ لے کر اٹھے ہیں بلکہ ایک مہم شروع کر دی ہے۔ نورالحسن شاہ صاحب نے ان لوگوں کو شرذمۃ قلیلہ کہہ دیا تو نیلوی صاحب اپنی تصنیف (ردمنکرات ص ۳۴) میں ان پر خوب برسے اور کہا کہ واقعی ہم شرذمۃ قلیلہ ہیں اور ان کے مقابلے میں تمام امت کو فرعون قرار دیا۔ کیونکہ قرآن کریم

سے یہ فرعون کا قول مذکور ہوا ہے۔ مگر اس تقابل کی تفصیل یہ ہے کہ شرذمہ قلیلہ یہودیوں کو کہا گیا ہے اور یہودی کے امتیازی اوصاف ہیں۔ انبیاء کو قتل کرنا، انبیاء کی توہین کرنا، آسمانی کتاب میں تحریف کرنا، جھوٹ بولنا، صلحائے امت کو نا قابل اعتبار بلکہ برا جاننا اور یہی اوصاف اس گروہ میں پائے جاتے ہیں۔ جن کے متعلق نیلوی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ ہم شرذمہ قلیلہ ہیں۔ قرآن کریم کی تحریف کرنا۔ جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان کو اہل ایمان پر چسپاں کرنا، علماء کی عبارتوں کو غلط معنی پہنانا، صلحاء اور اولیائے امت کی توہین کرنا۔ ان حضرات کے امتیازی وصف ہیں۔

عود روح کی بحث

کتاب الٰہی، سنت نبوی اور اجماع امت سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ دنیا میں جس پر موت آتی ہے۔ وہ بدن ہے اور برزخ میں حیات اسی کو ملتی ہے جس پر پہلے موت آ چکی ہے۔ لہٰذا وہ حیات جسد عنصری برزخی ہوتی ہے۔ اب ہم اس امر کی وضاحت کریں گے کہ بعد موت حیات برزخی کی ابتداء کیسے ہوتی ہے۔ اس بحث کا عنوان ہے: اعادہ روح۔ یہ دیکھنا ہے کہ روح کا اعادہ جسد عنصری کی طرف ہوتا ہے یا مثالی کی طرف تا کہ اس دعویٰ کی حقیقت واضح ہو جائے کہ جسم مثالی کی طرف روح کا اعادہ ہوتا ہے جیسا کہ حال کے چند افراد نے شور مچا رکھا ہے۔

۱...... (مشکوۃ ص ۱۴۲، مسند امام احمد کتاب الروح اور شرح حدیث النزول) ''فیقول اللہ تعالٰی اکتبوا کتاب عبدی فی علیین و اعیدوہ الی الارض فانی منھا خلقتھم و فیھا اعیدھم و منھا اخرجھم تارۃ اخری قال فتعاد روحہ فیأتیہ ملکان یجلسانہ فیقولان لہ من ربک الخ'' اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میرے بندے کا نامہ اعمال علیین میں لکھو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے اسے زمین سے پیدا کیا۔ پھر اسی زمین میں لوٹاؤں گا۔ پھر دوبارہ اسی زمین سے اٹھاؤں گا۔ پھر فرمایا پھر روح کو لوٹایا جاتا ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ الخ اس حدیث سے کئی امور کی وضاحت ہوتی ہے:

۱...... روح کو لوٹایا جاتا ہے۔ مگر کس کی طرف؟ لوٹانا کا لفظ بتاتا ہے کہ جہاں سے روح کو نکالا گیا تھا اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور وہ بدن کے بغیر اور کیا ہے۔

۲...... دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور یہ عمل روح کے لوٹانے کے بعد ہوتا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ جو قبر میں لیٹا ہوا ہے اسی کو بٹھاتے ہیں اور وہ جسد عنصری ہے جسے دفن کے وقت قبر میں لٹایا گیا تھا۔

۳...... مٹی سے انسان کو پیدا کیا گیا اور اسی زمین سے پھر اٹھایا جائے گا اور اسی میں اسے دفن کیا گیا۔ قبر میں جسم مثالی کو دفن نہیں کیا گیا اور ارواح کا اعادہ بھی جسم مثالی کی طرف نہیں بلکہ جسد عنصری کی طرف ہوتا ہے۔

یعنی اس بارے میں شک کی گنجائش تک باقی نہیں رہی کہ روح کا اعادہ جسد عنصری کی طرف ہوتا ہے۔ سوال و جواب روح مع الجسد سے ہوتے ہیں قبر اسی زمین میں ہے اور اسی میں جسد عنصری کو دفن کیا جاتا ہے اس ساری کارروائی میں جسم مثالی کا کہیں ذکر تک نہیں۔

۴...... زاذان نے جو حدیث براء بن عازب سے بیان کی ہے مشہور حدیث ہے۔ پوری امت نے اس کو قبول کیا ہے۔ یہ حدیث اصول دینی سے ہے اس کے متعلق علامہ ابن قیم نے (کتاب الروح ص ۵۸) پر لکھا ہے: ''وھذا

حديث ثابت مشهور مستفيض صححه جماعة من الحفاظ ولا نعلم احداً من ائمة الحديث طعن فيه بل رووه في كتبهم وتلقوه بالقبول وجعلوه اصلا من اصول الدين في عذاب القبر ونعيمه ومسألة المنكر والنكير وقبض الارواح وصعودها الى بين يدى الله ثم رجوعها الى القبر وقول ابى محمد (اى ابن حزم) لم يروه عن زاذان فوهم منه"

یہ حدیث براء بن عازب سے ثابت ہے مشہور ہے، مستفیض ہے اس کو حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے صحیح کہا ہے۔ ائمہ حدیث میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث میں طعن نہیں کیا بلکہ تمام محدثین نے قبول کر کے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ عذاب وثواب قبر، سوال نکیرین، ارواح کے قبض، ان کے اللہ کے پاس حاضر ہونے۔ پھر روحوں کے قبر میں لوٹنے میں اس کو اصول دین قرار دیا ہے۔ رہا ابن حزم کا قول کہ: "زاذان کے سوا کسی نے یہ حدیث براء بن عازب سے بیان نہیں کی۔" تو یہ ان کو وہم ہوا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت براء سے (۱) عدی بن ثابت نے بیان کیا عود روح کی حدیث کو (۲) مجاہد بن جبیر نے (۳) محمد بن عقبہ نے۔ اس کے علاوہ اوروں نے بھی۔ اسی زاذان سے مسلم نے حدیثیں بیان کی ہیں اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ زاذان ثقہ راوی ہے۔

پھر (اغاثۃ اللھفان ج ۱ ص ۲۷۷) پر ابن قیم فرماتے ہیں: "ولم يضع من قدح في صحته هذا الحديث شيئا كابن حزم للنصرة المذهبه الباطل" اس حدیث کی صحت پر ابن حزم ظاہری کی قدح کا کوئی اثر نہیں۔ جو اس نے اپنے باطل مذہب کی تائید کے لئے رائے ظاہر کی ہے۔

اور (شرح حدیث النزول ص ۸۲) پر مذکور ہے "وحديث زاذان مما اتفق السلف والخلف على روايۃ وتلقيها بالقبول" حدیث زاذان پر تمام امت کے سلف وخلف کا اتفاق ہے اور اسے سب نے قبول کیا ہے۔

پھر لکھا ہے "وكان يتبع الكرابيسى" کہ زاذان علامہ کرابیسی کا متبع تھا اور علامہ کرابیسی کے متعلق حضرت انور شاہ صاحب نے (فیض الباری ج ۳ ص ۳۲۷) پر لکھا ہے: "الكلام على الكرابيسى هذا حسين ابن على الكرابيسى وهو رجل عظيم الشان من تلامذة الشافعى معاصر لاحمد وشيخ للبخارى ومنه تعلم البخارى ان عقائد البخارى اكثرها ماخوذة من الكرابيسى" علامہ کرابیسی بڑا عظیم الشان آدمی ہے۔ امام شافعی کا شاگرد ہے۔ امام احمد بن حنبل کا ہم عصر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا استاد ہے۔ امام بخاری کے عقائد اکثر اسی سے ماخوذ ہیں۔

اور (شرح حدیث النزول ص ۷۶) "واما حديث البراء رواه المنهال بنع مرو عن زاذان عن البراء فحديث مشهور رواه عن المنهال الجم الغفير وهو حديث اجمع رواه الاثر على شهرته راستفاضة" حدیث براء کو منہال نے زاذان سے بیان کیا یہ حدیث مشہور ہے منہال سے جم غفیر نے بیان کی ہے یہ ایسی حدیث ہے کہ اس کی شہرت اور ا[illegible] تمام راویوں کا اتفاق ہے۔

[illegible] یمیہ، ابن یم، علامہ سیوطی، نواب صدیق حسن خان نے اعادہ روح اور بدن کے ساتھ روح کے تعلق کو ثابت کیا ہے اور متواتر احادیث سے ثبوت پیش کیا ہے اور علامہ ابن حجر نے اعادہ روح کے عقیدہ کے انکار کا ماخذ بھی بیان کر دیا۔

"وقد اخذ ابن حریر و جماعۃ من لکرامیۃ و ذھب ابن حزم و ابن ھبیرہ" (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲)
یعنی اعادہ روح کا انکار کرامیہ، معتزلہ اور ابن حزم ظاہری کا مذہب ہے۔ اس کے برعکس علمائے اسلام خواہ وہ محدثین ہوں، مفسرین ہوں، متکلمین ہوں یا فقہاء نے ہمیشہ اعادہ روح کا عقیدہ اپنایا اور پیش کیا۔ محدثین اور مفسرین کے چند اقوال پیش کئے جا چکے ہیں۔ فقہاء اور متکلمین وغیرہ کے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

۱...... (فتاویٰ الکبریٰ الفقہیہ، ابن حجر مکی ج ۲ ص ۷) کسی نے سوال کیا میت کے بدن پر کافور ملنے میں کیا حکمت ہے "وما الحکمۃ فی جمیع البدن المیت و اجزائہ صائرۃ الی البلٰی الحمکۃ ما ھو مقرر عند اھل السنۃ والجماعۃ من ان البدن ینعم بانواع النعیم کالروح و حیثما بقی اتصل بہ النعیم الی ان فان البدن بینہ و بینھا عنایۃ الارتباط والمناسبۃ" میت کے تمام اجزائے بدن پر خوشبو لگانے میں کیا حکمت ہے، حالانکہ آخر کار بدن خراب ہو جاتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک اس کی حکمت یہ ہے کہ میت کے بدن کو اسی طرح قسم قسم کی نعمتیں ملتی ہیں جیسے اس کی روح کو۔ روح اور بدن کے درمیان بڑا ارتباط اور مناسبت ہوتی ہے۔

ظاہر ہے روح کی طرح میت کے بدن پر بھی برزخ میں انعام ہوتا ہے اور یہ بدن وہی جسم عنصری ہے جسم مثالی نہیں اور روح کا تعلق بھی اسی جسم عنصری کے ساتھ ہوتا ہے۔

پھر اسی صفحے پر ذکر ہے: "سئل عن المیت ھل سئل فی قبرہ جالسا او راقدا فاجاب الذی فی البخاری انہ یسئل قاعدا و کذا فی ابن ماجہ" علامہ ابن حجر سے پوچھا گیا قبر میں میت کو بٹھا کر سوال کرتے ہیں یا لیٹے ہوئے؟ تو جواب دیا کہ بٹھا کر سوال کرتے ہیں جیسا کہ بخاری اور ابن ماجہ میں بیان ہوا۔ ظاہر ہے کہ بیٹھنا اور لیٹنا بدن کے اوصاف ہیں اور وہ تعلق روح سے ہی ہوتے ہیں۔

پھر اسی صفحے پر ہے: "سئل اذا سئل المیت ھل تلبس روحہ الجثۃ کما کان فی الدنیا فاجاب انہ تعاد الیہ روحہ ثم یسئل" ابن حجر سے پوچھا گیا کہ جب قبر میں میت سے سوال ہوتا ہے کیا اس وقت میت کے بدن سے روح کا تعلق قائم کیا جاتا ہے جواب دیا اور روح کا اعادہ ہوتا ہے پھر میت کے بدن سے سوال و جواب ہوتے ہیں۔

پھر اسی کے (ص ۹) پر ہے: "سئل اذا نقل المیت یعنی جسد المیت من القبر ھل تنتقل معہ الروح وھل الاوّل تراب المیت او الثانی فاجاب تنتقل معہ لانھا تابعۃ لہ ای للجسد لا للقبر ثم سئل اذا دفنت الرقبۃ فی مکان و الجثۃ فی مکان آخر فاین تکون الروح قال ان قلنا فی الجثۃ فظاھر و علی القبر فھی متعلقۃ بجمیع الجسد و ان تفرقت اجزائہ ثم رأیت بعض المحققین افتی بذالک فقال الروح و ان لم تکن داخلۃ جسد المیت لکن لھا بہ تعلق بکل جزو منہ و اتصال الروح و ان لم تکن داخلۃ جسد المیت لکن لھا بہ تعلق بکل جزو منہ و اتصال مستمر فاذا فرقت بین الجسد و الراس اتصلت الروح بکل منھا"

ابن حجر سے سوال ہوا کہ جب میت کے جسم کو ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل کیا جائے تو روح کا تعلق پہلی قبر سے ہوگا یا دوسری قبر سے؟ تو جواب دیا کہ دوسری قبر سے کیونکہ روح کا تعلق میت کے بدن سے ہوتا ہے قبر سے نہیں۔ پھر ان سے سوال ہوا کہ ایک قبر میں میت کا سر دفن ہوا دوسری طرف میں دھڑ تو روح کا تعلق کس سے ہوگا جواب دیا کہ تمام بدن سے روح کا تعلق ہوگا یعنی سر سے بھی اور دھڑ سے بھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ بعض محققین نے

بھی یہی فتویٰ دیا کہ روح کا تعلق تمام اجزائے بدن سے ہوتا ہے۔ پھر کہا کہ گو روح بدن میت میں داخل نہیں۔ مگر اس کا تعلق بدن سے بدستور ہوتا ہے اور روح کا اتصال بدن سے ہمیشہ رہتا ہے۔ جب سر اور دھڑ الگ الگ دفن ہوں تو دونوں سے روح کا تعلق ہوگا۔

ظاہر ہے کہ روح کا تعلق جسد عنصری سے ہوتا ہے جسم مثالی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

۲...... (شرح الصدور ص ۱۰۰) ''وللروح بالبدن خمسة انواع من التعلق'' یعنی جسد عنصری سے روح کا تعلق پانچ قسم کا ہوتا ہے۔

۳...... (عقیدہ سفارینی ج ۲ ص ۲۸) ''والروح لم تزل متعلقة ببدنها وان بلی تمذق وسرّ ذالک ان الروح بها بالبدن خمسة انواع من التعلق متغائر الاحکام'' روح کا تعلق بدن عنصری سے ہمیشہ رہتا ہے خواہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہوجائے اور اس میں یہ راز یہ ہے کہ بدن عنصری سے روح کا تعلق پانچ قسم کا ہوتا ہے اور ہر قسم کے احکام جدا ہیں۔

اس تعلق کی تفصیل علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں دی ہے: ''والروح لم تنزل متعلقة ببدنها وان بلی وتمزق وسر ذالک ان الروح بها بالبدن خسمة انواع من التعلق متغائرة الاحکام احدها تعلقها به فی بطن الام جنینا الثانی تعلقها به بعد خروج الی وجه الارض الثالث تعلقها به فی حال النوم فلها تعلقها من وجه ومفارقته من وجه الرابع تعلقها به فی البرزخ فانها وان فارقته وتجردت عنه فانها لم تفارقه فراقا کلیا بحیث لا یبقی لها التفات الیه البتة'' روح اپنے بدن سے پانچ قسم کا دائمی تعلق رکھتا ہے اگرچہ بدن بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہوجائے اور روح کا تعلق پانچ قسم کا ہوتا ہے اور ہر قسم کے احکام جدا ہیں۔ پہلا تعلق بدن عنصری سے اس وقت ہوتا ہے جب جنین کی حالت میں ماں کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے۔ دوسرا تعلق پیدائش کے بعد دنیا میں۔ تیسرا تعلق نیند کی حالت میں بدن سے ہوتا ہے۔ اس حالت میں روح کا بدن سے اتصال اور تعلق بھی رہتا ہے اور ایک قسم کی جدائی بھی ہوتی ہے۔ چوتھی قسم کا تعلق وہ ہے جو عالم برزخ میں جسد عنصری سے روح کا ہوتا ہے۔ اگرچہ روح بدن سے جدا ہوجائے اس کا تعلق ختم نہیں ہوتا اور یہ جدائی ایسی نہیں ہوتی کہ روح کی توجہ ہی بدن کی طرف نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ جنین کی حالت میں روح کا تعلق جسد عنصری سے ہوتا ہے۔ بعد پیدائش دنیا میں روح کا تعلق جسد عنصری سے ہوتا ہے، پھر نیند کی حالت میں بھی جسد عنصری سے ہوتا ہے تو برزخ میں پہنچ کر کیسے کانٹا بدل گیا۔ جسد عنصری سے قطع تعلق ہوا اور جسم مثالی سے یارانہ گانٹھ لیا اور ہمارے نیلوی صاحب، سجاد صاحب اور قاضی صاحب ایمان بالغیب کی سعادت حاصل کرنے کے لئے لپک کے آگے بڑھے۔ پھر یہ دیکھنا ہے کہ فرقہ کرامیہ، بعض معتزلہ اور زاغونی وغیرہ نے جو عدم اعادہ روح کا اثبات کیا ہے وہ عدم اعادہ کا حکم الی الجسد کا لگایا ہے یا جسم مثالی کا؟ پھر یہ دیکھنا ہے کہ نیلوی گروہ نے اس اثبات کا جو حکم لگایا ہے وہ وحی سے ہے یا غیر وحی سے؟ اگر وحی سے ہے تو وحی متلو سے ہے جیسے قرآن کریم یا غیر متلو سے جیسے احادیث؟ اگر غیر وحی سے ہے تو ظاہر ہے رائے سے ہوگا۔ پھر وہ رائے صحیح سے یا غیر صحیح سے؟ اگر رائے صحیح سے ہے تو یہ رائے کل کی ہے یا بعض کی؟ اگر کل کی ہے تو اجماع ہوگا اور اگر بعض کی ہے تو قیاس ہوگا۔ اگر غیر صحیح ہے تو فاسد ہے اس لئے ادلہ اربعہ سے جسم مثالی کا ثبوت دیں اور عدم اعادہ روح کا حکم اگر رائے غیر صحیح سے ہوا اور غیر صحیح فی نفسہ ان کے نزدیک صحیح بھی ہو تو ادلہ اربعہ کے مقابلے میں غیر صحیح شمار ہوگی خواہ مطلقاً نہ ہو۔

جسم مثالی کے متعلق مولانا تھانوی نے (اشرف الجواب ج ۳ ص ۲۱۳) پر لکھا ہے: برزخ میں روح کے لئے کون سا جسم ہوگا آیا یہی جسم عنصری ہے یا کوئی دوسرا جسم ہے اس کی تحقیق کے لئے کشف کی ضرورت ہے۔ کیونکہ نص اس سے ساکت ہے اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے جو اس جسم عنصری کا مشابہ ہوتا ہے۔

اشرف الجواب سے ظاہر ہے کہ:

۱...... جسم مثالی سے نص ساکت ہے یعنی کتاب وسنت اور اجماع امت اس سے ساکت ہے تو نص سے نہ اس کا ثبوت ملتا ہے اور نہ اس کا وجود ثابت ہے۔

۲...... اس کی تحقیق کے لئے کشف کی ضرورت ہے۔ اہل کشف کے بغیر اس سلسلے میں بات کرنا جائز نہیں اور جو دل کے اندھے ہیں اور کشف کو شرک قرار دیتے ہیں انہیں کب یہ حق پہنچتا ہے کہ کشف کو حجت کے طور پر پیش کریں۔

۳...... جب کوئی حکم شریعت سے متصادم نہ ہو تو صاحب کشف اپنے کشف پر عمل کر سکتا ہے۔ دوسروں کے لئے اس کا کشف حجت نہیں۔ مگر آپ کو کسی کے کشف پر اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھنے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا جواز کہاں سے ملا۔

تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ الحمدللہ! میں صاحب کشف ہوں بلکہ میرے سینکڑوں شاگرد صاحب کشف زندہ موجود ہیں۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ حضرت تھانویؒ صاحب کشف نہیں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ جسم مثالی ہے۔ مگر آپ نے کسی صاحب کشف کا نام نہیں لیا۔ جس کی طرف اسے منسوب کیا گیا ہو۔ اب حقیقت سنئے: برزخ میں جسم مثالی روح کو نہیں ملتا بلکہ روح کا اپنا جسم بعینہ اس جسم عنصری کی شکل کا ہوتا ہے جس حالت میں انسان کی موت واقع ہوتی ہے روح کے جسم کی شکل بعینہ وہی ہوتی ہے جو شخص خلوص دل سے ہماری ہدایات کے مطابق ذکر الٰہی شروع کر دے ان شاء اللہ تعالیٰ اس حقیقت سے خود واقف ہو جائے گا۔

صوفیائے کرام جس عالم مثال کے قائل ہیں اس کی حقیقت بس اتنی ہے کہ ایک چیز کے دو نام ہیں۔ علمائے ظواہر ایک نام سے پکارتے ہیں اور صوفیہ دوسرے نام سے۔ علامہ انور شاہ صاحب نے فیض الباری میں فرمایا ہے:

”اما عند علماء الشرع فلیس ھناک الا عالمان عالم الارواح و عالم الاجساد و قد یحظر بالبال ان ما سماہ الصوفیۃ عالم المثال ھو الذی سماہ اھل الشرع عالم الارواح ای ان قال و لم یبق فرق الا فی التسمیۃ اما ما سماہ الصوفیۃ الارواح المجردۃ فلم یبحث عنھا العلماء“

علمائے شرع کے نزدیک صرف دو عالم ہیں عالم اجساد اور عالم ارواح اور میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ جس عالم کو صوفیہ عالم مثال کہتے ہیں۔ علمائے شرع اسی کو عالم روحانی کہتے ہیں۔ فرق صرف نام کا ہے۔ صوفیہ جس کو ارواح المجردۃ کہتے ہیں۔ علمائے شرع نے اس سے بحث نہیں کی۔

معلوم ہوا کہ صوفیہ جس کو عالم مثال کہتے ہیں، علمائے شرع اسی کو عالم ارواح کہتے ہیں اور اسی کا نام عالم برزخ ہے۔

اس سلسلے میں تعدد امثال کا معاملہ قابل غور ہے۔ اس کا ورود اولیاء اللہ سے عالم اجسام میں واقع ہوتا رہتا ہے۔ مگر بطور خرق عادت اور کرامت کے ہوتا ہے جیسا کہ (فتاویٰ الکبریٰ الفقیہ ج ۲ ص ۹)”والذی قالہ المحققون

الصوفية ان الامر في عالم البرزخ والآخرة على خلاف عالم الدنيا فيحضر الانسان في صورة واحدة الا الاولياء كما نقل عن قضيب البان وغيره انه روى في صور مختلفة والسر في ذالك ان روحانيتهم غلبت على جسمانيتهم فجاز ان يظهر في صور كثيرة'' محققین صوفیہ نے فرمایا کہ عالم برزخ اور عالم آخرت کے امور عالم دنیا کے امور سے مختلف ہیں۔ ہر انسان ایک صورت میں محدود ہوتا ہے۔ ہاں اولیاء اللہ کو مختلف صورتوں میں دیکھا گیا ہے جیسا قضیب البان وغیرہ اس میں راز یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی روحانیت ان کی جسمانیت پر غالب آجاتی ہے اور روح کئی صورتوں میں ظہور کرتا ہے ان کے بارے میں یہ ہوسکتا ہے۔

اور (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۷) ''والذي يغلب على الظن ان رويته ﷺ بعد وفاته بالبصر ليست كالروية المتعارفة عند الناس من رويته بعضهم لبعض وانما هي جمعية حالية وحالة برزخية وامر وجداني لا يدرك حقيقة الا من باشره'' ظن غالب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو بعد وفات آنکھوں سے دیکھنا ایسا نہیں جیسا دنیا میں متعارف طریقے سے آدمی ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ یہ دیکھنا تو ایک خاص برزخی حالت ہے جو وجدانی امر ہے اس کی حقیقت وہی سمجھ سکتا ہے جس کو یہ رویت حاصل ہو۔

یعنی تعدد امثال کا ظہور اولیاء اللہ سے بھی ہوتا ہے۔ مگر وہ صورت مثالی ہوتی ہے جسم مثالی نہیں ہوتا کہ اس کو برزخ میں جزا وسزا بھی ہو۔

اور (فتاوی الکبری الفقہیہ ج ۲ ص ۹) ''وقالوا ان الروح اذا كانت كلية كروح نبينا ﷺ ربما تظهر في سبعين الف صورة وهم اصحاب كشف واطلاع فيسلم لهم ما قالوه'' علمائے نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کے روح کی طرح جب روح تمام کمالات میں کلی ہو تو اکثر ستر ہزار صورتوں میں ظاہر ہوسکتا ہے۔ یہ کلی روح والے لوگ صوفیہ اصحاب کشف والہام ہیں۔ پس ان کا معاملہ انہیں کو سونپ دو۔

اور (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۷) ''ولا مانع ان يتعدد الجسم المثالي'' تعدد امثال میں کوئی امر مانع نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ کثیر التعداد مثلاً ستر ہزار مثالی صورتیں ہوتی ہیں جسم مثالی نہیں ہوتے۔

اور (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۷) شیخ ابوالعباس طنجی سے نقل کیا کہ اس نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ''انه رای السماء والارض والعرش والكرسي مملوة من رسول الله ﷺ وينحل به السؤال عن كيفيته رويته المتعددين له عليه الصلوة والسلام في زمان واحد في اقطار متباعدة وقد سئل عن ذاك فانشد''

كالشمس في كبد السماء وضوءها يغشى البلاد شارقا ومغاربا

اس سے آسمان زمین عرش وکرسی کو دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کی صور مثالیہ سے بھری ہیں اس سے یہ سوال بھی حل ہوگیا کہ متعدد انسانوں کا متعدد مقامات پر نبی کریم ﷺ کو ایک ہی وقت میں دیکھنا بعید نہیں۔ جب علامہ طنجی سے سوال ہوا تو آپ نے یہ شعر پڑھا: آفتاب کی مانند وہ آسمان میں ہے اور اس کی روشنی مغرب ومشرق کو منور کر رہی ہے۔

تعدد امثال کے سلسلے میں یہ حقیقت سامنے آگئی کہ نبی کریم ﷺ اور اولیاء کرام متعدد مثالی صورتوں میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ مگر ان مثالی صورتوں کو مثالی جسم قرار دینا کہاں جائز ہوا؟

شیخ ابوالعباس نے جس ذاتی تجربہ کا اظہار کیا وہ نبی کریم ﷺ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ اولیاء اللہ سے

اسی امر کے اظہار کے متعلق علامہ عارف عبدالرحمن جامیؒ نے درۃ الفاخرہ میں فرمایا: ''وکذالک ارواح الکمل کما یروی عن قضیب البان الموصلی انہ کان یری فی زمان واحد فی مجالس متعدد مشتغلا فی کل امر غیر مافی الاخر ''اسی طرح کاملین کے ارواح کے متعلق بیان کیا جاتا ہے جیسے قضیب البان کا واقعہ کہ لوگوں نے ان کو ایک وقت میں کئی مقامات پر مختلف کاموں میں مشغول پایا۔

بنیادی قانون تو یہ ہے کہ ایک وجود کی ایک ہی صورت ہوتی ہے۔ مگر جن اولیائے کرام کی روحانیت ان کی جسمانیت پر غالب آجاتی ہے ان کے وجود خرق عادت یا کرامت کے طور پر کئی صورتوں میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور یہ بھی قانون ہے کہ امور تکوینیہ اور امور خرق عادت سے امور شرعیہ واحکام شرعیہ اٹھ نہیں جاتے نہ قانون شرعی بدلتا ہے۔ مگر کرامت کے طور پر مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا ان کے وجود کی اصل اور حقیقت نہ ہوگی کہ ان کے لئے ضروریات زندگی اہل وعیال کا وجود بھی تسلیم کرلیا جائے یا حقیقت نفس الامری بن کر ظاہر ہو۔ پھر ان مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے سے یہ کہاں لازم آیا کہ جسم مثالی کو جزا وسزا بھی ملے گی۔ ظاہر ہے کہ صورت مثالی صرف شے دیدنی ہے بودنی نہیں۔

قضیب البان کے واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک ہی شکل کے ستر آدمی زندہ نظر آتے تھے، چل پھر رہے تھے باتیں کرتے تھے اور روح کے بغیر زندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور روح کا مرکز تو صرف اصلی جسد عنصری میں تھا روح اپنے مرکز پر رہ کر باقی صورتوں سے تعلق رکھتا تھا جبھی تو وہ چل پھر رہے تھے اسی طرح برزخ میں روح اپنے مرکز میں قیام پذیر ہوکر مقبور کے جسد عنصری سے تعلق رکھ کر اسے زندگی بخش سکتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے بدن میت قبر میں نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔

جیسے (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵) ''واما روحہ علیہ السلام التی ھی اکمل الارواح تجردا وتقدسا بان تکون قد تطورت وتظہرت بصورۃ مرئیۃ قبلک الرؤیۃ مع بقاء تعلقھا بجسدہ الشریف الحی فی القبر السامی المنیف الی ان قال واما جسد مثالی تعلقت بہ روحہ ﷺ المجریۃ القدسیۃ ولا مانع ان یتعدد الجسد المثالی الی مالا یحصی من الاجساد مع تعلق روحہ القدسیۃ علیہ من اللہ الف الف صلوٰۃ وتحیۃ بکل جسد منھا ویکون ھذا التعلق من قبیل تعلق الروح الواحد باجزاء بدن واحد''

اور نبی کریم ﷺ کا روح مبارک جو تجرد اور تقدس کے اعتبار سے تمام ارواح سے اکمل ہے کئی مرئی صورتوں میں ظہور پذیر ہوا باوجودیکہ روح کا تعلق جسد عنصری کے ساتھ ہے جو قبر شریف میں مدت سے زندہ ہے۔ رہا جسد مثالی کا سوال تو اس کے ساتھ بھی تعلق ہے جو لوگوں نے کئی مقامات پر دیکھا اور اس میں کوئی شرعی وعقلی دلیل مانع نہیں کہ جسد[1] مثالی متعدد ہوگئے۔ جن کی تعداد شمار میں نہیں آسکتی۔ روح کا تعلق ان اجساد مثالیہ سے بھی ایسا ہے جیسے روح کا تعلق جسم واحد میں مختلف اجزائے بدن سے ہوتا ہے۔

---

1 یہاں اجساد مثالیہ سے مراد صور مثالیہ ہیں ورنہ جسم مثالی کے قائلین پر ایسے اعتراضات وارد ہوتے ہیں جن کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔

معلوم ہوا کہ روح کا تعلق اصل میں مرکزی وجود عنصری سے ہوتا ہے ان اجسام مثالیہ مرئیہ سے جو تعلق ہے وہ ایسا ہے جیسے روح کا اجزائے بدن سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معراج کی رات حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مختلف مقامات پر دیکھا۔

چنانچہ (فتح الباری ج ٦ ص ١٤٩) ''عن انس ان النبی ﷺ قال رأیت موسیٰ لیلۃ اسری بی قائما یصلی فی قبرہ فدل ذالک علی انہ اسریٰ بہ لما مرّ بہ قلت ولیس ذالک بلازم بل یجوز ان یکون لروحہ اتصال بجسدہ فی الارض فلذلک یتمکن من الصلٰوۃ وروحہ مستقرۃ فی السماء''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس رات معراج کرایا گیا۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ دوسرا احتمال یہ ہے کہ زمین میں قبر کے اندر جسد سے روح کا اتصال ہوا اور اس اتصال کی وجہ سے بدن میں قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ قبر میں نماز پڑھنے پر قادر ہو جائے اور روح کی قرارگاہ آسمان ہی ہو۔

اور ابن الہادی نے الصارم میں علامہ سبکی کے رد میں فرمایا: ''وقول اھل السنۃ من الفقہاء والمحدثین وغیرھم ان الروح ذاۃ قائمۃ بنفسھا لھا صفات تقوم بھا ونھا تفارق البدن الی ان قال وقد تعلقت بانبدن تعلقا یقتضی رد السلام علی من سلم وھی فی مستقرھا فی علیین مع الرفیق الاعلٰی وقد مر النبی ﷺ لیلۃ الاسراء علٰی موسٰی قائما یصلی فی قبرہ الی ان قال بل ھی فی مستقرھا ولھا تعلق بالبدن قوی حتی حملہ علی الصلٰوۃ'' (ص ٨٨، ٨٩)

اور ''ومن لم ینشرح صدرہ لفھم ھذا والتصدیق بہ فلا یبادر الی ردہ وانکارہ بغیر علم فان الارواح شان آخر غیر شان الابدان'' (ص ٩١)

اہل السنۃ والجماعت کے فقہاء محدثین اور علمائے متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ روح ایک قائم بالذات وجود ہے اس کے اوصاف ہیں موت کے وقت بدن سے جدا ہو جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس جدائی کے بعد بھی بدن سے اس کا اتنا تعلق رہتا ہے کہ سلام کا جواب دیتا ہے (نماز پڑھتا ہے) اپنے مرکز میں رہ کر بھی بدن سے اتنا قوی تعلق ہوتا ہے کہ نماز پر قادر ہوتا ہے۔

جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کے سمجھنے کے لئے نہیں کھولا وہ انکار کرنے میں جلدی نہ کرے (جہالت کی وجہ سے) کیونکہ روح کی شان اور ہے بدن عنصری کی شان اور ہے۔

روح المعانی میں اس اتصال کے متعلق ایک اصولی بات بیان ہوئی ہے: ''اما فی اصل التعلق او فی نفس الحیاۃ بناء علی انھا من المشکک لا المتواطی'' بہرحال بدن سے روح کا تعلق یا حیات بدن کلی مشکک ہے کلی متواطی نہیں ہے۔

یعنی کسی مکان میں تعلق زیادہ ہو جائے یا کسی زمانہ میں زیادہ ہو جائے جیسے قبور انبیاء اور بیت المقدس میں مکان کے اعتبار سے اور معراج کی رات میں زمانہ کے اعتبار سے تعلق زیادہ ہو جائے۔

گزشتہ صفحات میں پانچ قسم کا تعلق بیان ہوا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ روح کا تعلق قبر میں جسد عنصر سے ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسے بدن مادر میں جنین سے تھا یعنی جسد انسانی بغیر روح ۴ ماہ دس دن تک نشوونما پاتا رہا۔ پھر روح جسد جنین میں داخل ہوئی۔ مگر اس کے بعد بھی متعارف طریقہ سے نہ بولتا ہے نہ متعارف طریقہ سے اسے غذا ملتی ہے نہ بول و براز کی نوبت آتی ہے۔ گو اس میں بولنے، رونے چلانے وغیرہ کی قوت موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح قبر میں جسد انسانی دیکھتا سنتا اور غذا حاصل کرتا ہے۔ مگر متعارف طریقہ سے نہیں بلکہ غیر متعارف طریقہ سے اور قبر میں زندہ ہوتا ہے جیسے جنین بطن مادر میں زندہ ہوتا ہے اس لئے قبر میں جسمانی زندگی اور روح اور جسم کے تعلق سے انکار کرنا نری جہالت ہے۔

اعادہ روح اور جسم مثالی کے متعلق مزید معلومات درکار ہوں تو ہماری کتاب حیات برزخیہ کا مطالعہ کیجئے۔

قرآن کریم اور حیات انبیاء علیہم السلام

''قال اللہ تعالیٰ واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا (الزخرف:۴۵)'' اس آیت کی تفسیر میں دو امور پر بحث کی جائے گی۔ اوّل مقام نزول آیت۔ دوم انبیاء کرام علیہم السلام سے پوچھنے کی صورت۔

۱...... مقام نزول آیت: (تفسیر برہان علامہ بدرالدین زرکشی ج ۱ ص ۱۹۳) ''ما نزل ببیت المقدس قولہ تعالیٰ واسئل الخ نزلت علیہ لیلۃ اسریٰ بہ'' قرآن کریم کا جو حصہ بیت المقدس میں نازل ہوا وہ آیت واسئل الخ ہے۔ معراج کی رات میں نازل ہوئی۔

۲...... (تفسیر اتقان ج ۱ ص ۷۰) ''قال ابن حبیب نزل ببیت المقدس لیلۃ الاسراء'' ابن حبیب نے کہا کہ یہ آیت بیت المقدس میں معراج کی رات میں نازل ہوئی۔

۳...... (تفسیر درمنثور ص ۱۹) ''عن سعید بن جبیر قال لیلۃ اسریٰ بہ لقی الرسل وفی وعن زید فی قولہ واسئل الخ قال جمعوا لہ اسریٰ بہ ببیت المقدس'' سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات انبیاء کرام علیہم السلام سے شب معراج میں ہوئی اور زید سے روایت ہے کہ بیت المقدس میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمع کیا گیا۔

ثابت ہوا کہ یہ آیت بیت المقدس میں نازل ہوئی اور معراج کی رات میں نازل ہوئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ پوچھنے کا جو حکم ملا اس کی تعمیل کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کا اجتماع ہوا۔ چنانچہ:

۱...... (تفسیر فتح القدیر علامہ شوکانی ص ۵۵۷) ''واسئل من ارسلنا الخ قال الزہری وسعید بن جبیر وابن زید ان جبرئیل قال ذالک النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما اسریٰ بہ فالمراد سوال الانبیاء علیہم السلام فی ذالک الوقت عند ملاقاتہ لھم علیہم السلام وبہ قال جماعۃ من السلف'' زہری، سعید بن جبیر اور ابن زید نے کہا کہ شب معراج جبرئیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ انبیاء علیہم السلام سے سوال کریں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاء سے ملاقات کے وقت یہ سوال کرنے کو کہا۔ سلف صالحین کی ایک جماعت کا یہی عقیدہ ہے۔

۲...... (تفسیر روح المعانی ج ۲۳ ص ۱۵۰) ''کما یدعی لنفسہ الشیخ محی الدین قدس سرہ مع غیر واحد من

الانبیاء ویدعی ان الامر بالسؤال المستدعی للاجتماع ایضاً" شیخ اکبر نے دعویٰ کیا کہ کئی انبیاء سے میری ملاقات ہوئی۔ ظاہر ہے کہ انبیاء سے سوال کرنا اجتماع کو چاہتا ہے۔ ملاقات کے بغیر سوال کیا معنی؟

۳...... (تفسیر خازن ومعالم ص ۳۶۶، ۳۷) "فروی عن ابن عباس وفی روایت عنہ لما اسری بہ ای بالنبی ﷺ بعث اللہ آدم واولادہ من المرسلین فاذن جبرئیل ثم اقام وقال تقدم یا محمد فصل بھم فلما فرغ من الصلوۃ قال لہ جبرائیل اسئل یا محمد من ارسلنا ھکذا قول الزھری وسعید بن جبیر وابن زید قالوا جمع لہ الرسل لیلۃ اسری بہ امر ان یسأل وقال بعضھم ھذہ الایۃ نزلت بیت المقدس" ابن عباس سے مروی ہے کہ جس رات حضور اکرم ﷺ کو معراج ہوا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں کے تمام انبیاء کو اٹھایا اور بیت المقدس میں اکٹھا کیا۔ جبرئیل نے اذان کہی پھر اقامت کہی اور کہا اے محمد آگے بڑھئے اور انبیاء کو نماز پڑھائیے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ انبیاء سے سوال کریں۔ یہی قول زہری سعید بن جبیر اور ابن زید کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بیت المقدس میں تمام انبیاء کو حضور اکرم ﷺ کی خاطر جمع کیا گیا تھا اور حضور ﷺ سے کہا گیا تھا کہ ان سے پوچھئے۔ بعض نے کہا کہ یہ آیت ہی بیت المقدس میں نازل ہوئی۔

۴ (تفسیر مظہری ص ۳۶۳) "عن ابن عباس قال لما اسری بالنبی ﷺ بعث اللہ لہ آدم واولادہ من المرسلین الی ان قال جبرئیل تقدم یا محمد فصل بھم فلما فرغ من الصلوۃ قال جبرئیل سل یا محمد من ارسلنا الخ"

۵ (تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۹) "قال عبدالرحمن بن زید بن مسلم واسئلھم لیلۃ الاسراء فان الانبیاء علیہم جمعوا لہ وفی حلالین قیل ھو علی ظاہرہ بان جمع لہ الرسل لیلۃ الاسراء۔

وفی تفسیر کبیر قال الزھری وسعید بن جبیر وابن عباس وفی روایۃ ابن عطاء ان اللہ لما جمع لہ الرسل لیلۃ المعراج فی بیت المقدس وفرغ من الصلوۃ نزلت ھذہ الایۃ والانبیاء حاضرون لدیہ" خلاصہ یہ کہ معراج کی رات انبیاء کو حضور اکرم ﷺ کی خاطر جمع کیا گیا یہ آیت اپنے ظاہری معنوں پر ہے یعنی انبیاء کرام کی ذات سے سوال کیا گیا اور یہ آیت بیت المقدس میں اس وقت نازل ہوئی جب حضور اکرم ﷺ انبیاء کرام علیہم کو نماز پڑھا چکے۔

۶ تفسیر جمل: "وفی روایۃ ابن عباس فصلوا خلف رسول اللہ سبعۃ صفوف المرسلین ثلاثۃ صفوف والنبیون اربعۃ صفوف وکان یلی ظھر رسول اللہ ابراھیم خلیل اللہ وعلی یمینہ اسماعیل علیہ السلام وعلی یسارہ اسحق ثم موسی ثم سائر المرسلین فصلی بھم رکعتین فلما انفتل قام فقام ان ربی اوحی الی ان اسئلھم" ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے انبیاء کی سات صفیں تھیں۔ تین صفیں رسولوں کی اور چار صفیں نبیوں کی تھیں۔ نبی کریم ﷺ کی پشت کے ٹھیک پیچھے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کھڑے تھے۔ ان کے دائیں جانب حضرت اسمٰعیل اور بائیں جانب حضرت اسحٰق تھے۔ پھر باقی رسول تھے۔ آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے وحی کی ہے کہ آپ حضرات سے توحید کے متعلق سوال کروں۔

۷...... (تفسیر کشاف زمخشری ص ۲۵۴) "وقیل ان النبی ﷺ جمع له من الانبیاء لیلة الاسراء فی بیت المقدس فامهم"

۸...... (تفسیر مدارک التنزیل، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۳۰، تفسیر قرطبی ج ۱۶ ص ۹۴) "قال ابن عباس و ابن زید لما اسری برسول الله من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ وهو مسجد بیت المقدس بعث الله له آدم ومن ولد من المرسلین و جبرائیل مع رسول الله ﷺ فاذن جبرئیل ثم اقام الصلوٰة ثم قال یا محمد تقدم فصلی بهم فلما فرغ رسول الله ﷺ قال له جبرئیل یا محمد سل من ارسلنا من قبلک الی ان قال ابن عباس و کانوا اسبعین نبینا منهم ابراهیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام فلم یسئالهم و من غیر ابن عباس فصلوا خلف رسول الله سبعة صفوف المرسلون ثلاثة صفوف و النبیون اربعة و کان یلی ظهر رسول الله ﷺ ابراهیم خلیل الله و عن یمینه اسماعیل و علی یساره اسحق ثم موسیٰ ثم سائر المرسلین فامهم رکعتین فلما انفتل فقال ان ربی اوحی الیّ ان اسئلکم و قال سعید بن جبیر فی قوله تعالیٰ و اسئل من ارسلنا الخ قال لقی الرسل لیلة اسری به و قال ولید بن مسلم فی قوله تعالیٰ و اسئل من ارسلنا قال ساکت عن ذالک خلید بن دعلج فحدثنی عن قتادة قال سألهم لیلة اسری به لقی الانبیاء و لقی آدم و خازن النار قلت هذا هو الصحیح فی تفسیر هذه الایة"

خلاصہ ترجمہ روایت گزر چکا ہے آخر میں امام قرطبی کہتے ہیں کہ آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے یعنی آیت اپنے ظاہری معنی پر رکھی جائے اور ملاقات روح مع الجسم ہوئی صرف ارواح سے ملاقات نہیں تھی اور حضور ﷺ کی اقتداء میں انبیائے کرام نے جو نماز پڑھی وہ روح مع الجسم پڑھی۔

ظاہر ہے کہ انبیائے سابقین کو دنیا میں مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا اور روح مع الجسد بھیجے گئے تھے اور مخلوق کو دین کی دعوت ان کے اجسام مع الارواح نے دی۔ ان تمام تفاسیر میں کہیں یہ اشارہ تک نہیں پایا جاتا کہ ارواح جمع ہوئے ارواح نے نماز پڑھی۔ ارواح سے ملاقات کی بلکہ ہر جگہ انبیاء کا لفظ آیا ہے اور جب اسے اپنے ظاہری معنوں پر رکھیں گے تو روح مع الجسد ہی مراد ہوگا۔

رہا یہ سوال کہ حضور اکرم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا اور اس کی تعمیل کی صورت یہ تھی سابقہ انبیاء کی امتوں سے پوچھیں یا سابقہ کتب آسمانی دیکھیں۔ یہ دونوں احتمال اوّل تو قرآن کریم کو اپنے ظاہر سے پھیرنا ہے اور بغیر دلیل کے محض ایک فرضی احتمال کی بناء پر قرآن کریم کے الفاظ کو من مانے معنی پہنانا صرف جرأت بے جا نہیں بلکہ دیدہ دلیری ہے۔

امام رازی نے ایک اصولی بات کہہ دی کہ "و کذالک کل ما ورد فی کتاب الله بل القانون انه یجب حمل کل لفظ ورد فی القرآن علی حقیقة الا اذا قامت دلالة عقلیة قطعیة توجب الانصراف عنه و لم یعرف شئاً لم یخض فیه" (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵)

اور اسی طرح جو کتاب اللہ میں وارد ہے بلکہ قانون یہ ہے کہ ہر لفظ قرآن کو اپنے ظاہری محل پر محمول کیا جائے اور حقیقی معنوں پر رکھا جائے ہاں کوئی قرینہ یقینی اور قطعی تقاضا کرے تو اور بات ہے جو شخص ان باتوں کو نہیں جانتا وہ اس بحث میں نہ پڑے یعنی عدول کا قرینہ کوئی نہیں تو لفظ کو اپنے ظاہری حقیقی معنوں پر رکھا جائے۔

اور تفسیر اتقان اور تفسیر البرہان میں یہی اصول لکھا ہے کہ قرآن کریم کے حقیقی و متبادر معنی سے اس وقت عدول کیا جائے۔ جب کوئی عقلی یا نقلی قرینہ ایسا کرنے پر مجبور کردے اور یہاں نہ کوئی قرینہ ہے نہ مجبوری۔ ان دونوں احتمالات کا تجزیہ کیا جائے تو سوال ابھرتا ہے کہ کتب یہود و نصاریٰ کے سوا کوئی آسمانی کتاب موجود نہیں تھی اور یہ کتاب محرف و متغیر ہو چکی تھیں۔ پھر ان کے مطالعہ سے کون سی حقیقت سامنے آسکتی تھی اور امتیں بھی یہی دو موجود تھیں۔ ان سے توحید کا سوال کرنے سے یہی جواب مل سکتا تھا۔ عزیر ابن اللہ اور مسیح ابن اللہ ہے تو اس سے حاصل کیا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں احتمال باطل ہیں اور اس موقع پر انبیاء روح معہ جسم جمع ہوئے تھے۔

۲...... ''قال تعالٰی ولقد آتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ'' اس آیت کی تفسیر میں متقدمین اور متاخرین مفسرین کا حاصل تحقیق یہ ہے:

۱...... (تفسیر روح المعانی: ج ۲۱ ص ۱۳۷) ''فلا تکن فی مریۃ من لقائہ واخرج الطبرانی وابن مردویہ وایضاً فی المختارۃ بسند صحیح من ابن عباس انہ قال فی الایۃ ای من لقاء موسٰی وخرج ابن ابی حاتم عن ابی العالیۃ انہ قال کذالک فقیل لہ او لقی علیہ الصلوٰۃ والسلام موسیٰ؟ قال نعم الا تریٰ الی قولہ تعالٰی واسئل من ارسلنا الخ واراد بذالک لقائہ ﷺ ایاہ لیلۃ الاسراء کما ذکر فی الصحیحین وغیرھما وروی نحو ذالک عن قتادۃ وجماعۃ من السلف وقالہ المبرد حین امتحن الزجاج بھذہ الایۃ وکان المراد من قولہ فلا تکن فی مریۃ من لقائہ علی وعدہ تعالٰی بنبیہ ﷺ بلقاء موسیٰ وتکون الآیۃ نازلۃ قبل الاسراء''

طبرانی ابن مردویہ اور مختارہ نے سند صحیح سے ابن عباس سے روایت کی لقا سے مراد ہی ملاقات موسیٰ ہے۔ ابوالعالیہ سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی؟ فرمایا ہاں ہوئی۔ کیا تم نے نہیں دیکھا فرمان باری ہے ''واسئل من ارسلنا الخ'' سے مراد شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہے۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ اسی طرح قتادہ اور ایک جماعت سلف صالحین سے بھی مروی ہے۔ اسی طرح جب زجاج نے مبرد سے اس آیت کے متعلق امتحان لیا تو مبرد نے بھی یہی کہا اور آیت میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا وعدہ ہے اور یہ آیت معراج سے پہلے نازل ہوئی۔

یعنی اس آیت میں ملاقات موسیٰ علیہ السلام کا وعدہ ہے جو معراج کی رات میں پورا ہوا۔

۲...... (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۶۳) ''قال قتادۃ حدثنی ابن عم نبیکم یعنی ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ رأیت لیلۃ اسری بی موسی بن عمران رجلا آدم طوالا وقال ابن عباس فلا تکن فی مریۃ من لقائہ انہ قد رأی موسی ولقی موسی لیلۃ اسری بہ'' یعنی ابن عباس کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا شب معراج میری ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی وہ گندم گوں لمبے قد کے ہیں۔ نیز کہا کہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی ملاقات ہوئی۔

۳...... (تفسیر فتح القدیر شوکانی ص ۲۵۶) ''وقال الواحدی قال المفسرون وعد رسول اللہ ﷺ انہ سیلقی موسیٰ قبل ام یموت ثم لقیہ فی السماء وبیت المقدس حین اسری بہ'' مفسرین کا بیان ہے کہ حق تعالٰی نے نبی کریم سے وعدہ کیا تھا کہ عنقریب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوگی۔ چنانچہ آپ کی ملاقات آسمان پر بھی ہوئی اور بیت المقدس میں بھی ہوئی۔ جب حضور ﷺ معراج پر گئے۔

۴...... (تفسیر قرطبی ص ۱۶۸) "فلا تکن یا محمد فی شک من لقاء موسیٰ و قد لقیہ لیلۃ اسری بہ" اے محمد! آپ موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات میں شک نہ کریں اور شب معراج میں آپ کی ملاقات ہوئی۔

۵...... (تفسیر کبیر ص ۵۶۵) "معناہ فلا تکن فی شک من لقاء موسیٰ فانک تراہ و تلقاہ" یعنی یقیناً آپ انہیں دیکھیں گے ان سے ملیں گے۔

۶...... (تفسیر معالم) "معناہ فلا تکن فی شک من لقاء موسیٰ لیلۃ المعراج"

۷...... "فلا تکن فی مریۃ من لقائہ ای من لقاء موسیٰ لیلۃ المعراج"

ان آیات قرآنی سے موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا وعدہ، پھر ملاقات کا ہونا انبیاء کا جمع ہونا، بیت المقدس میں حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنا ثابت ہو گیا۔ صورت ملاقات میں جو اختلاف ہے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

۸...... (فتح الملہم مع مسلم شریف ج ۱ ص ۳۲۹) "ولقد آتینا موسی الکتاب الخ قال قد کان قتادۃ یفسرھا ان نبی اللہ ﷺ قد لقی موسیٰ و فی الکتاب قیل لقائک موسیٰ لیلۃ الاسراء و کان قتادہ یفسرھا ان نبی اللہ قد لقی موسیٰ و وافقہ علیہ جماعۃ منھم المجاھد و الکلبی و السدی و معناہ فلا تکن فی شک من لقائک موسیٰ الی ان قال و قد جمع البیھقی کتابا لطیفا فی حیاۃ الانبیاء فی قبورھم اورد فیہ حدیث انس الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ اخرجہ من طریق یحیی من کثیر و ھو من رجال الصحیح عن المسلم بن سعید و قد وثقہ احمد و ابن حبان عن الحجاج الاسود و ھو ابن ابی زیاد البصری و قد وثقہ احمد و ابن معین عن ثابت عنہ و اخرجہ ایضاً ابو یعلی فی مسندہ من ھذا الوجہ و شاھد ھذا الحدیث ما ثبت فی صحیح مسلم من روایۃ حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس رفعہ مررت بموسی لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر و ھو قائم یصلی فی قبرہ و اخرجہ ایضا من وجہ آخر عن انس فان قیل ھذا خاص لموسی قلنا قد وجدنا لہ شاھدا من حدیث ابی ھریرۃ و اخرجہ مسلم ایضا من طریق عبداللہ بن فضل عن ابی سلمہ عن ابی ھریرۃ رفعہ لقد رأیتنی الی ان قال و رأیتنی فی جماعۃ من الانبیاء فاذا قائم یصلی و اذا عیسی بن مریم قائم یصلی و اذا ابراھیم قائم یصلی الی ان قال و من شواھد الحدیث ایضاً ما اخرجہ ابو داؤد و من حدیث ابی ھریرۃ رفعہ و قال فیہ و صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم سندہ صحیح و اخرجہ ابو الشیخ فی کتاب الثواب سندہ جید من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی نائیا ابلغتہ و عند ابی داؤد و النسائی و صححہ ابن خزیمۃ و غیرہ عن اوس بن اوس رفعہ فی فضل یوم الجمعہ فاکثروا علی فیہ من الصلوۃ فان صلوتکم معروضۃ علی قالوا یا رسول اللہ و کیف تعرض صلوتنا علیک و قد ارمت قال ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل الاجساد الانبیاء"

خلاصہ یہ کہ اس آیت کی تفسیر قتادہ اور مفسرین کی ایک جماعت نے یہی کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور امام بیہقی نے حیات انبیاء کے بارے میں ایک عمدہ کتاب لکھی ہے۔ اس میں یہ حدیث لکھی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ اس کے شواہد بھی موجود ہیں اور یہ ملاقات صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مختص نہیں بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نماز پڑھتے دیکھا اور حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی حیرت کو دور

کرتے ہوئے وضاحت فرمادی، زمین کو اس امر کی اجازت نہیں کہ انبیاء کے بدن بوسیدہ کر دے۔ لہٰذا بدن انبیاء سلامت روح کا تعلق قائم لہٰذا جمعہ کو کثرت سے درود بھیجا کرو وہ تحفہ حضور ﷺ کو پیش کیا جاتا ہے۔

۹...... (فتح الملہم ج ا ص ۳۳۰) حضرت یونس اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے بعد موت حج کرنے پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''الانبیاء احیاء عند ربھم یرزقون فلا مانع ان یحجون قال القرطبی حببت الیھم العبادۃ فھم یتعبدون بما یجحدون من دواعی انفسھم'' انبیاء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ پھر اس امر میں کوئی مانع نہیں کہ وہ حج کریں۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو عبادت بڑی محبوب ہے جب اپنے اندر داعیہ پاتے ہیں عبادت کرتے ہیں۔

اس روایت میں جہاں ''اخرجہ ایضاً ابو یعلی فی مسندہ من ھذا الوجہ'' لکھا ہے۔ دوسرے مقام پر (ص ۳۱۱، ۳۱۲) میں اس کے بعد لکھا ہے۔ ''واخرجہ البزار لکن وقع عندہ عن حجاج بن الصواف وھو وھم والصواب حجاج الاسود کما وقع التصریح بہ فی روایۃ البیھقی''

اس کے بارے میں (ندائے حق ص ۲۵۶) پر لکھا ہے کہ: ''ربما وھم مسلم بن سعید'' کے متعلق ابن حجر نے فتح میں لکھ دیا کہ یہ وہم محدث بزار کو ہوا حجاج الاسود لکھنا تھا۔ مگر حجاج الصواف لکھ دیا تو یہ وہم راوی کو ہوا خود مسلم بن سعید صاحب وہم نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو رجال بخاری سے شمار کیا ہے۔ امام احمد رئیس المحدثین نے اس کی توثیق کی۔ ابن حبان اور ابن معین نے توثیق کی۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس حدیث کے اور شواہد بھی موجود ہیں۔ پھر سند پر اعتراض کیسا؟

بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کا جمع ہونا

۱...... (فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۶، ۱۴۷) ''واما الذین صلوا معہ فی بیت المقدس فیحتمل الارواح خاصۃ ویحمل الاجساد بارواحھا'' بیت المقدس میں انبیاء کے نماز پڑھنے میں احتمال ہے کہ صرف روحوں نے نماز پڑھی اور یہ احتمال بھی ہے کہ روح مع جسم نے نماز پڑھی۔

۲...... (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱۱ ص ۱۵۷) ''الذین صلوا معہ فی بیت المقدس ثم اجسادھم کارواحھم لطیفۃ غیر کشفیۃ فلا مانع لظھورھم فی عالم الملک والملکوت علی وجہ الکمال بقدرۃ ذی الجلال ومما یؤید تشکل الانبیاء ولقوھم علی وجہ الجمع بین اجسادھم وارواحھم قولہ فاذا موسیٰ قائم یصلی فان حقیقۃ الصلوۃ وھی الاتیان بالافعال المختلفۃ انما تکون للاشباح لا للارواح'' ان انبیاء کے جسم ان کی روحوں کی مانند لطیف تھے۔ لہٰذا اس میں کوئی امر مانع نہیں کہ وہ اجسام عالم دنیا اور عالم ملکوت میں ظاہر ہوں جیسا کہ معراج کی رات میں انبیاء مع اجساد پھرتے رہے اس کی دلیل فرمان رسول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ پس نماز کی حقیقت مختلف اعمال کا بجالانا ہے اور ان کا بجالانا جسموں کا کام ہے روح کا نہیں۔

۳...... (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۱۴۵) ''قال الحافظ استشکل رویۃ الانبیاء فی السموات مع ان اجسادھم مستقرۃ فی قبورھم واجیب بان ارواحھم تشکلت بصور اجسادھم او احضرت اجسادھم لملاقاۃ النبی ﷺ تلک اللیلۃ تشریفا لہ وتکریما لہ'' علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ انبیاء کے جسم تو قبروں میں تھے وہ آسمان پر کیسے گئے تو

جواب یہ ہے کہ یا تو روح نے بدن کی شکل اختیار کی یا حضور ﷺ کی تعظیم کے لئے جسموں سمیت حاظر کئے گئے۔

۴...... (فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۷) ''وقد استشکل رویۃ الانبیاء فی السموات مع احسادھم مستقرۃ فی قبورھم بالارض واجیب بان ارواحھم تشکلت بصور اجسادھم او احضرت اجسادھم لملاقاۃ النبی ﷺ تلک اللیلۃ تشریفا لہ وتکریما ویؤیدہ حدیث عبدالرحمن بن ھاشم عن انس ففیہ وبعث لہ آدم ومن دونہ من الانبیاء'' یعنی وہی بات ہے جو علامہ سیوطی کہہ چکے ہیں۔ اضافہ یہ ہے کہ عبدالرحمن بن ہاشم کی حدیث جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ اس کی تائید کرتی ہے کہ حضور ﷺ کی خاطر حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو اٹھا کر حاضر کیا گیا۔

ان عبارات سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

۱...... بیت المقدس میں جو انبیاء جمع ہوئے اور نماز پڑھی وہ ان کے روح تھے یا روح معہ جسم تھے۔

۲...... اور علی القاری نے دوسرے احتمال کی تائید کی ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ نماز پڑھنا نرے روح کا کام نہیں نماز کے مختلف اعمال اسی صورت میں بجالائے جاسکتے ہیں جب روح اور جسم کا اتصال ہو۔

۳...... ایک احتمال یہ ہے کہ روح نے بدن کی شکل اختیار کر لی۔ اس سے جسم مثالی کا عقیدہ لغو ثابت ہوتا ہے۔

۴...... برزخ میں جسم عنصری بھی روح کی طرح لطیف ہو جاتا ہے۔ اس کے احکام بھی لطیف ہوتے ہیں، کیونکہ وہ عالم لطیف میں ہوتا ہے۔

۵...... شب معراج میں انبیاء کرام مع اجساد حاضر ہوئے اس کی تائید آیات قرآنی سے ہوتی ہے جو پیش کر دی گئی ہیں۔

اب ہم وہ اقوال پیش کریں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ برزخ میں روح مع الجسم کا زندہ موجود ہونا نہ تو عقلاً محال ہے نہ نقلاً شک کی گنجائش ہے۔

۱...... (فتح الباری ج ۶ ص ۳۱۲) ''فیحمل علی انہ رأی موسیٰ قائم یصلی فی قبرہ ثم عرج بہ ھو من ذکر من الانبیاء الی السموات فلقیھم النبی ﷺ ثم اجتمعوا فی بیت المقدس فحضرت الصلوٰۃ فامھم نبینا قال وصلوتھم فی اوقات مختلفۃ وفی اماکن مختلفۃ لا یردہ العقل وقد ثبت بہ النقل فدل ذالک علی حیاتھم''

خلاصہ یہ ہے کہ جیسے حضور ﷺ کو معراج کرایا گیا ایسے ہی ان انبیاء کو معراج کرایا گیا جن کا ذکر ہوا ہے اور مختلف وقتوں میں مختلف جگہوں میں حاضر ہونا عقلاً جائز ہے اور نقلاً ثابت ہے اور یہ چیز حیات انبیاء پر دلالت کرتی ہے۔

۲...... (مرقاۃ ج ۳ ص ۲۴۱) ''وحلولھم فی اوقات مختلفۃ فی اماکن متعددۃ جائز عقلا کما ورد بہ خبر الصادق'' شب معراج میں انبیائے کرام کا مختلف وقتوں میں اور مختلف مکانوں میں حلول کرنا، حاضر ہونا عقلاً جائز ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے۔

۳...... (الجوہر المنظم علامہ ابن حجر مکی ص ۲۵) ''وفی آخری انہ ﷺ لقیھم فی جماعۃ الانبیاء بالسموات فکلمھم وکلموہ وقال البیھقی کل ذالک صحیح وقد یری موسیٰ قائما یصلی فی قبرہ ثم یسری بموسیٰ وغیرہ الی بیت المقدس کما اسریٰ نبینا فیراھم فیہ ثم یعرج بھم الی السموٰات کما عرج نبینا فیراھم فیھا کما

اخبرھم و حلولھم فی اوقات مختلفة بامکنة مختلفة جائز عقلاً کما ورد بہ خبر الصادق وفی کل ذالک دلالة علی حیاتھم ''یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کا مختلف اوقات میں مختلف مکانوں میں موجود ہونا عقلاً جائز ہے اور نقلاً ثابت ہے اور یہ بات ان کی حیات پر دلالت کرتی ہے۔

۴...... (القول البدیع علامہ سخاوی ص۱۶۸)''وفی حدیث ابی ذر و مالک بن صعصعہ فی قصة المعراج انہ لقیھم فی جماعة من الانبیاء بالسمٰوات فکلمھم و کلموہ و کل ذالک صحیح لایخالف بعضہ بعضا فقد موسیٰ قائما یصلی فی قبرہ ثم یسری بموسیٰ وغیرہ الی بیت المقدس کما اسریٰ بنبینا فیراھم فیہ ثم یعرج بہ الی السمٰوات کما عرج نبینا فیراھم فیھا کما اخبر قال و حلولھم فی اوقات مختلفة و مواضع مختلفة جائز عقلا کما وردہ بہ خبر الصادق وفی کل ذالک دلالة علی حیاتھم'' الجوہر المنظم کی عبارت یہی ہے یہاں راویان حدیث کا نام بیان ہوا ہے اور اس واقعہ کی تفصیلات سے صاف طور پر حیات انبیاء ثابت ہوتی ہے۔

۵...... (دلائل النبوۃ بیہقی ج ۲ ص ۱۳۵)''فی الحدیث الصحیح عن انس بن مالک عن مالک بن صعصعہ وعن انس وعن ابی ذر ان النبی ﷺ رأی موسیٰ بن عمران فی السماء السادسة ولیس بین ھذہ الاخبار منافاة فقد تراہ فی میسرہ وانما یصلی فی قبرہ لما یساربہ الی بیت المقدس کما اسری بالنبی ﷺ فیراہ فی السماء و کذالک سائر من راہ من الانبیاء فی الارض ثم فی السماء والانبیاء احیاء عند ربھم کالشھداء فلا ینکر حلولھم فی اوقات بمواضع مختلفات کما ورد بہ خبر الصادق'' یعنی موسیٰ کو آسمان پر بھی دیکھا اور قبر میں نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھا۔ اس میں کوئی منافات نہیں اور انبیاء کرام اپنے رب کے پاس زندہ ہیں جیسے شہداء، پس اس امر کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

نبی کریم ﷺ کی ملاقات کے لئے اجساد انبیاء مع الارواح حاضر ہوئے وہی اجساد جو زمین سے مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کا مستقر بھی حدیث میں اجسادھم مستقرة فی قبورھم سے بیان ہوا اور قرآن کریم میں ''منھا خلقناکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارة اخری (طٰہٰ:۵۵)'' ان الفاظ سے حقیقت تو ظاہر ہے۔ مگر جن کے ذہن میں کجی ہو جن کی سوچ ٹیڑھی ہو اور جو برخود غلط ہوں وہ کوئی راہ نکال ہی لیتے ہیں۔ چنانچہ نیلوی صاحب نے ندائے حق میں زمین سے برزخ کی زمین مراد لی ہے۔

مگر ایک معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا کہ: ''منھا خلقناکم وفیھا نعیدکم (طٰہٰ:۵۵)'' ظاہر ہے کہ جس زمین سے پیدا کیا اسی میں لوٹایا جاتا ہے۔ کیا کوئی انسان ایسا بھی پایا جاتا ہے جو برزخ کی زمین سے پیدا کیا گیا ہو تاکہ اسی میں اس کو لوٹایا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی مزید توثیق فرمادی کہ ''الم نجعل الارض کفاتا احیاء وامواتا (المرسلٰت:۲۵، ۲۶)'' تو کیا زندگی میں وہ برزخی زمین پر رہتے بستے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی وہی برزخی زمین اس کا ٹھکانا ہو جو زمین زندہ اور مردہ دونوں کے لئے کافی ہے وہ تو یہی زمین ہے جسے ہر شخص جانتا ہے برزخی زمین مراد لینا اسی کا کام ہے جس کے سر میں بھیجا نہ ہو۔

نیلوی صاحب نے (ندائے حق ص۷۷) پر حدیث: ''اکتبوا کتابی عبدی فی علیین واعیدوہ الی الارض الخ'' نقل کی ہے مگر حدیث کا مفہوم بیان کرتے وقت ایسے بے راہ ہوئے ہیں کہ ارض کو برزخ کی زمین

قرار دے دیا۔ حالانکہ حدیث کا مفہوم وہی ہے جو مذکورہ بالا قرآنی آیات کا ہے، پھر یہ نہیں سمجھا کہ عبد سے کیا مراد ہے۔ یہ لفظ روح مع الجسم پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً: ''سبحن الذی اسری بعبدہ (بنی اسرائیل: ۱) تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ (الفرقان: ۱)'' وغیرہ ہر جگہ روح مع الجسم مراد ہے۔

لہٰذا ''وفیھا نعیدکم'' اور ''اعیدوہ'' سے مراد جسم کو اپنے مستقر یعنی قبر میں ہی رکھنا ہے۔ اسی زمین سے جسم پیدا ہوا اور اسی میں لوٹایا گیا۔

اب ہم حیات انبیاء کے ثبوت میں ایک اور پہلو سے بحث کرتے ہیں۔ گزشتہ احادیث قرآن کریم کی آیات کی تفسیر کے سلسلے میں بیان ہوئی ہیں۔ اب ہم وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن سے حیات انبیاء اور زیادہ واضح ہو جاتی ہیں۔

حیات انبیاء علیہم السلام کا ثبوت نبی کریم ﷺ کی زبانی

۱...... (ابوداؤد مع شرح بذل المجہود ص ۱۶۰) ''قال رسول اللہ ﷺ فاکثروا علیّ من الصلوۃ فیہ فان صلوتکم معروضۃ علیّ قال قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت فقال ان اللہ عزوجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' نبی کریم ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، تمہارا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ (کا جسم مبارک) تو اس وقت بوسیدہ ہو جائے گا پھر صلوٰۃ وسلام آپ پر کیسے پیش ہوگا تو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے وجود کو کھا جائے۔

ظاہر ہے کہ صحابہ کا عقیدہ تھا کہ درود وسلام جسم مع الروح پر پیش ہوگا۔ اس لئے حیرت کا اظہار کیا کہ جسم تو بوسیدہ ہو جائے گا تو جواب ملا کہ سالم رہے گا اور روح کا تعلق قائم رہے گا۔ جبھی تو صلوٰۃ وسلام پیش ہوگا۔ ورنہ جسد بے روح کو یہ ہدیہ پیش کرنے کا کیا مطلب؟

۲...... (عون المعبود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۴۰۵) ''وفی روایۃ الطبرانی لیس من عبد یصلی علیّ الا بلغنی صلوتہ قلنا بعد وفاتک قال وبعد وفاتی ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' محدث طبرانی نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص میری ذات پر درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچتا ہے۔ ہم نے عرض کیا آپ کی وفات کے بعد بھی؟ فرمایا ہاں بعد وفات بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے حرام قرار دیا ہے کہ انبیاء کے بدنوں کو کھائے۔

۳...... (وفاء الوفا علامہ سمہودی ج ۴ ص ۱۳۵۳) حضرت ابوالدرداء سے مروی ہے: ''وان احد یصلی علیّ الا عرضت علیّ صلوٰۃ حین یفرغ منہا قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' وہی بات ہے فرق اتنا ہے کہ نمبر ۲ میں ''بعدہ وفاتک'' کے لفظ ہیں یہاں بعد الموت کے اصول دونوں جگہ ایک ہے کہ انبیاء کے جسم بوسیدہ نہیں ہوتے اور وہ زندہ رہتے ہیں جبھی تو صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی تاکید ہے۔

حیات الانبیاء اور نزول عیسیٰ

۱...... (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۹) ''اخرجہ ابو یعلی فی مسندہ عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ ﷺ

یقول والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسیٰ ابن مریم ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لا جیبنہ" ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے عیسیٰ ابن مریم ضرور نازل ہوں اگر میری قبر پر کھڑے ہو کر مجھے آواز دیں گے تو میں انہیں ضرور جواب دوں گا۔

ظاہر ہے کہ آواز دینے پر جواب دینا زندہ ہی کا کام ہے۔

۲...... اسی کتاب کے اسی صفحے پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کا اخراج ابن عساکر نے کیا: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیھبطن اللہ عیسیٰ ابن مریم حکما عادلا و اماماً مقسطا فلیسلکن فج الروحا حاجاً او معتمرا ولیقفن علی قبری فلیسلمن علی ولا ردن علیہ" اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم کو حاکم عادل بنا کر نازل کرے گا وہ روحا کے راستے حج یا عمرہ کرے گا اور لازماً میری قبر پر کھڑے ہو کر سلام کہے گا اور میں ضرور اس کو جواب دوں گا۔

۳...... (فتاویٰ ابن حجر مکی ج ا ص ۱۵۴) پر بعینہٖ ابویعلیٰ سے یہی روایت موجود ہے۔

۴...... (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۹۱)"وصح انہ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ علی موسیٰ وھو یصلی فی قبرہ وصح انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الانبیاء احیاء یصلون[1] فکذالک عیسیٰ اذا نزل الی الارض یری الانبیاء ویجمع بھم ومن جملتھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیأخذ عنہ ما احتاجہ الیہ من احکام الشریعۃ" یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبیاء سے ملاقات کریں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام شریعت اخذ کریں گے۔ یہ ملاقات اور اخذ احکام حیات انبیاء کی واضح دلیل ہے۔

۵...... (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵)"انہ علیہ السلام یأخذ الاحکام من نبینا شفاھا نزولہ وھو صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ الشریف واید بحدیث ابی یعلیٰ والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسیٰ ابن مریم ثم لئن قام علی قبری وقال یا محمد لاجیبنہ" حضرت عیسیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر کھڑے ہو کر بالمشافہ کلام کریں گے اور شریعت محمدیہ کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کریں گے۔ حدیث ابویعلیٰ اس کی تائید کرتی ہے۔ (اور وہ حدیث صحیح ہے)

حیات انبیاء اور مفسرین و محدثین کے واضح اعلان

۱...... (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۸)"والاخبار المذکورۃ بعد فیما سبق المراد منھا کلھا اثبات الحیاۃ فی القبر بضرب من التاویل والمراد بتلک الحیاۃ نوع من الحیاۃ غیر معقول لنا وھی فوق حیاۃ الشھداء بکثیر وحیاۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اکمل واتم من سائرھم علیہم السلام" اخبار مذکورہ میں حیات نبی فی القبر مراد ہے اور قدرے تاویل سے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں ایک قسم کی حیات ہے جو ہماری عقل کی دسترس سے باہر ہے اور یہ حیات انبیاء شہداء کی حیات سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات سے زیادہ کامل اور اتم ہے۔

۲...... (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۶)"فحصل من مجموع ھذا الکلام النقول والاحادیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی بجسدہٖ وروحہ وانہ یتصرف ویسیر حیث شاء فی اقطار الارض وفی الملکوت وھو بھیئۃ التی کان علیھا قبل وفاتہ ولم یتبدل منہ شیئ وانہ مغیب من الابصار کما غیبت الملائکۃ مع کونھم احیاء باجسادھم فاذا

---

[1] بدور السافرہ فی احوال الاخرہ میں علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ انبیاء کو جو غسل دیا جاتا ہی ان کا دائمی وضو ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سوال بے محل ہے کہ نماز پڑھتے ہیں تو وضو کیسے کرتے ہیں۔ انہیں وضو کی ضرورت نہیں پڑتی جیسے "نوم الانبیاء غیر ناقض"

اراد اللہ رفع الحجاب عمن اراد اکرامہ برویتہ راٰہ علی ھیئتہ التی ھو علیہ الصلوٰۃ والسلام ولا مانع من ذالک ولا داعی الی التخصیص برویۃ المثال" پس مجموعہ کلام منقول اور احادیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنے جسد اطہر عنصری مع روح کے ساتھ زندہ ہیں۔ آپ جہاں چاہتے ہیں کائنات میں چلے جاتے ہیں اور آپ اس حالت میں ہیں اور اسی شکل میں ہیں جس پر وفات سے پہلے تھے، ان کے وجود میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوا۔ وہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ جیسے فرشتے کہ زندہ خلوق ہیں اور ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے جس ولی کو حضور ﷺ کی زیارت کرانا چاہے حجاب اٹھا دیتا ہے اور وہ شخص حضور ﷺ کو اپنی اصلی صورت وشکل میں دیکھتا ہے اور اس رویت میں کوئی امر مانع نہیں اور جسم مثالی کو دیکھنے کی کوئی دلیل نہیں۔

۳...... (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۵)"ودلت النصوص الصحیحۃ علی حیات الانبیاء علیہم السلام" یعنی کتاب وسنت کی صحیح نصوص حیات انبیاء پر دلالت کرتی ہیں۔

۴...... (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۹)"ان الانبیاء افضل من الشھداء والشھداء احیاء عند ربھم فکذالک الانبیاء فلا یعبد ان یصلون ویحجبون ویتقربوا الی اللہ بما استطاعوا مادامت الدنیا وھی دار تکلیف باقیۃ" انبیاء کرام علیہم السلام شہداء سے افضل ہیں جب شہداء زندہ ہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام بطریق اولیٰ زندہ ہیں کوئی بعید نہیں کہ وہ حج کریں نماز پڑھیں اور جب تک دنیا موجود ہے قرب الٰہی حاصل کرتے رہیں۔

۵...... نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر دوبارہ جنازہ پڑھنے کی اجازت کیوں نہیں؟

اس کی وجہ نیلوی صاحب (ندائے حق میں ص ۲۶۰) پر یہ لکھی ہے کہ جیسا باقی میتوں پر جائز نہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کا دوبارہ جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ بھی میت ہیں اور میت پر دوبارہ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔

یہ نیلوی صاحب کا اجتہاد ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ ان کے اجتہاد کا رخ ہمیشہ باطل کی طرف ہی رہتا ہے۔ حالانکہ ان کو اجتہاد کی ضرورت نہیں تھی نہ وہ اس کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے بات واضح ہو چکی ہے۔

(فتح الملہم ج ۱ ص ۴۹۸)"قال علمائنا والدلیل علی عدم شرعیۃ الصلوٰۃ علی القبر ترک الناس عن اخرھم الصلوٰۃ علی قبر النبی ﷺ وھو حیٌ فی قبرہ الشریف" ہمارے علمائے اہل السنت کا فیصلہ ہے کہ شروع سے اخیر تک لوگوں کا نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر جنازہ نہ پڑھنے اور اس کے عدم مشروعیت کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور زندہ کا جنازہ نہیں پڑھا جاتا۔

صاحب فتح الملہم مولانا شبیر احمد عثمانی نے علمائے اہل سنت کی تحقیق کے مطابق عدم جواز جنازہ کی علت یہ بتائی کہ چونکہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں۔ لہٰذا جائز نہیں۔ مگر نیلوی صاحب کو جب دھن سمائی ہے کہ مخالفت کرنی ہے قرآن کی مخالفت، حدیث کی مخالفت، فقہاء کی مخالفت، تو بیچارے کیوں نہ الٹی سمت چلے مگر بر خود غلط آدمی بھلا کیا کچھ نہیں کرتا۔

حیات انبیاء حقیقی ہے یعنی جسد عنصری سے زندہ ہیں

قرآن وحدیث، شارحین حدیث اور فقہاء کے اقوال سے مطلق حیات ثابت کی جا چکی ہے۔ گو ضمناً یہ ذکر بھی آ گیا کہ یہ حیات جسد معہ روح کی ہے۔ مگر اب ہم ایسی عبارات پیش کرتے ہیں جن سے جسد عنصری سے حیات کا ثبوت ملتا ہے۔

۱...... (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۸) "ثم ان تلک الحیاۃ فی القبر ان کانت یترتب علیھا بعض ما یترتب علی الحیاۃ فی الدنیا المعروفۃ لنا من الصلوۃ والاذان والاقامۃ ورد السلام المسموع ونحو ذالک الا انھا یترتب علی تلک الحیوۃ والمعروفۃ ولا یحس بھا ولا یدرکھا کل احد ولو فرض انکشاف قبر نبی من الانبیاء علیہم السلام لا یری الناس النبی الا کما یرون سائر الاموات الذین لم تاکل الارض اجسادھم وربما یکشف اللہ تعالٰی علی بعض عبادہ فیری ما لا یری الناس ولولا ھذا لاشکل الجمع بین الاخبار الناطقۃ بحیاتھم فی قبورھم وخبر ابی یعلٰی وغیرہ بسند صحیح"

انبیاء کی قبر کی زندگی پر دنیوی زندگی کے سارے تو نہیں مگر بعض احکام مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے اذان، اقامت، سلام کا جواب دینا، نماز پڑھنا وغیرہ (کھانا پینا بول و براز وغیرہ کے احکام مترتب نہیں ہوتے) اور ان کی اذان نماز وغیرہ کو ہر آدمی محسوس نہیں کر سکتا۔ بالفرض اگر کسی نبی کی قبر کو کھودیں تو ان کے جسم باقی ایسے لوگوں کے جسموں کی طرح معلوم ہوں گے جو بوسیدہ نہیں ہوئے۔ اکثر اوقات اللہ تعالٰی اپنے خاص بندوں پر ان کے حالات منکشف کر دیتا ہے۔ یہ اولیاء اللہ ان کو نماز پڑھتا دیکھ لیتے ہیں۔ ان کی اذان، اقامت اور سلام کا جواب سن لیتے ہیں۔ مگر ہر آدمی کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوتا۔ اگر یہ حقیقت نہ ہو تو حدیثوں میں تطبیق دینا مشکل ہے جو صاف صاف حیات انبیاء پر دلالت کرتی ہیں اور ابو یعلٰی وغیرہ کی احادیث صحیح سند سے بیان ہو چکی ہیں کہ انبیاء زندہ ہیں قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

قبر میں جسمانی زندگی کے بعض احکام مترتب ہونا قدرتی امر ہے کیونکہ عالم دنیا مادی ہے اور برزخ کی دنیا لطیف عالم ہے۔ لہٰذا اس کے احکام بھی لطیف ہیں اور ظاہر ہے لطیف چیزیں مادی آلات سے ادراک کی حدود میں نہیں آتیں۔ مادی آنکھوں سے وہ حالات دکھائی نہیں دیتے، مادی کانوں سے وہ آوازیں سنائی نہیں دیتیں۔ لہٰذا کسی نبی کی قبر میں اس کا جسم دوسرے لوگوں کے جسموں کی مانند نظر آئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ قبر میں میت کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے ماں کے پیٹ میں جنین کی حالت ۴ ماہ ۱۰ دن تک جنین میں روح داخل نہیں ہوتی۔ مگر وہ برابر پرورش پاتا ہے۔ قرآن حکیم میں تخلیق کے تمام مدارج کا ذکر متعدد مقامات پر آیا ہے، معلوم ہوا کہ روح کے بغیر بدن کو غذا ملتی ہے۔ جس سے نشوونما پاتا ہے، روح سے حیات تو صرف امر عادی ہے۔

اس فرق کو سمجھنے کے لئے دوسری مثال نیند کی حالت کی ہے "قال تعالٰی: اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا (الزمر: ۴۲)" اللہ تعالٰی نے موت اور نیند کو ایک ہی سلک میں منسلک فرمایا دونوں کی حقیقت توفی اور امساک فرمائی اور عام انسانوں کو نیند کی حالت میں توفی اور امساک روح کی وجہ سے ادراک وشعور میں جو تعطل آ جاتا ہے وہ انبیاء کو بحالت خواب نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کی خواب اور بیداری میں وحی کے نزول میں کوئی فرق نہیں ہوتا کہ نبی کی نیند میں بھی بیداری پوشیدہ ہے۔ اسی وجہ سے نبی پر نیند کی حالت میں بھی اسی طرح وحی نازل ہوتی ہے جس طرح بیداری میں نازل ہوتی ہے اور نیند کی حالت میں کی جانے والی وحی نبی کے پاس اس طرح محفوظ ہوتی ہے جیسے حالت بیداری والی وحی۔ اسی طرح موت انبیاء میں حیات پوشیدہ ہے نیند کی حالت میں نبی اور غیر نبی دیکھنے والے کو یکساں نظر آتے ہیں۔ آنکھیں بند ہیں خراٹے لے رہے ہیں۔ مگر نبی کی نیند ظاہری

ہے باطن میں وہ بیدار ہے مگر غیر نبی ایسا نہیں ہوتا۔ اسی طرح نبی کی موت بظاہر صورت موت معلوم ہوتی ہے حقیقت میں حیات ہوتی ہے نیند کی حالت میں نبی کے قویٰ ظاہر معطل معلوم ہوتے ہیں۔ مگر درحقیقت وہ معطل نہیں ہوتے۔ اسی لئے نوم انبیاء ناقض وضو نہیں۔

۲...... (اشعۃ اللمعات ج۱ ص ۶۱۳) ''وحیات انبیاء متفق علیہ است و ہیچ کس را دروے خلاف نیست حیات جسمانی دنیوی حقیقی نہ حیات معنوی وروحانی۔'' یعنی انبیاء کی حیات جسمانی میں کسی کو اختلاف نہیں۔

۳...... (مدارج النبوۃ ج۱ ص ۱۶۹) ونیز آمدہ است کہ حق تعالیٰ حرام گردانیدہ است اجساد انبیاء را بر ارض۔ آنحضرت ﷺ زندہ است بحیات جسمانی دنیوی بہد نے کہ حیات داشت وایں اکمل است از حیات شہداء الیٰ ان قال واما ارواح انبیاء اعادہ کردہ میشود در ہماں ابدان کہ در دنیا بود و بوسیدہ نشد وخاک نگشت وحق تعالیٰ قادر است کہ نگاہ دارد ارواح را بے ابدان ولیکن نقل وارد شدہ است بوجود آں در ابدان چنانکہ بودن موسیٰ نماز گزارندہ در قبر وچہ گزاردن نماز تقاضائے بجسد حی میکند وصفات مذکورہ در انبیاء در شب معراج ہمہ صفات اجسام است ولازم نمی آید از بودن آن حقیقت حیات کہ باشند برصفتے کہ در دنیا بودہ ودر احتیاج بطعام وشراب وغیر ذالک از صفات اجسام چنانکہ مشاہدہ میکنیم در دنیا بلکہ آنرا در برزخ احکام دیگر باشد واحتیاج بطعام وشراب وامثال آں امر عادی است در آنجا بخلاف عادت باشد۔

یعنی انبیائے کرام برزخ میں دنیوی بدنوں سے زندہ ہیں حیات حقیقی بدنی ہے۔ انبیاء کرام کے وجود محفوظ وسالم رہتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کے روحوں کو جسم مثالی کی حاجت نہیں۔ جب اصل موجود ہے تو نقل کی کیا حاجت۔ اجسام مثالیہ کے قائلین میں پہلا نام علاؤالدین قونوی کا آتا ہے۔ انہوں نے بھی سہارا صوفیہ کا لیا کہ صوفیہ کہتے ہیں جیسا کہ (جذب القلوب ص ۱۹۳) پر منقول ہے۔ مگر وہ بھی کہتے ہیں کہ انبیاء کے اجسام جو موجود ہیں محفوظ ہیں تو انہیں اجسام مثالیہ کی کیا حاجت۔

۴...... (مرقاۃ ج۱۱ ص ۱۴۲) شب معراج میں حضور ﷺ جب آسمان اوّل پر پہنچے تو جبرئیل نے عرض کیا: ''ھذا ابوک فسلم علیہ ثم قال وفیہ دلیل علی ان الانبیاء احیاء حقیقۃ'' یہ آپ کے والد ہیں انہیں سلام کہئے۔ یہ بات حیات انبیاء پر دلالت کرتی ہے اور حیات حقیقی ہے۔

۵...... (مرقاۃ ج۱۱ ص ۱۴۳) ''قلت وقد قدمت ان الانبیاء لا یموتون کسائر الاحیاء بل ینتقلون من دار الفناء الی دار البقاء'' جیسا کہ میں پہلے بیان کر آیا ہوں کہ دوسرے لوگوں کی طرح انبیاء مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوجاتے ہیں۔

۶...... (مرقاۃ ج۲۵ ص ۲۶۳) ''فدل علی ان الانبیاء احیاء حقیقۃ ویریدون ان یتقربوا الی اللہ فی عالم البرزخ من غیر تکلیفھم کما یتقربون الی اللہ بالصلوٰۃ فی قبورھم الی ان رأی موسی قائما یصلی فی قبرہ'' یہ دلیل ہے کہ حضرات انبیاء حقیقۃً زندہ ہیں یعنی جسم عنصر کے ساتھ اور عالم برزخ میں بھی قرب الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ غیر مکلف ہوتے ہوئے بھی نمازیں پڑھتے ہیں (اپنی قبروں میں) جیسا حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔

ان اقتباسات سے ثابت ہو گیا کہ انبیائے کرام کے وجود قبر میں محفوظ ہیں۔ روح سے ان کا تعلق ہے خواہ وہ کسی نوعیت کا ہو اور یہ بھی اہل السنت والجماعت کا مسلمہ اور متفقہ عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جس طرح دنیا میں نبوت و رسالت کے وصف سے موصوف ہیں اسی طرح برزخ میں بھی نبی اور رسول ہیں اور ظاہر ہے کہ دنیا میں مکلف بالذات بدن ہے اور روح بالتبع ہے۔ لہٰذا موصوف و محل نبوت اوّل بالذات بدن ہوا، روح بالذات موصوف نہیں۔

جن علماء نے ایمان و نبوت کو روح کی صفت مانا ہے انہوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اللہ انہیں معاف کریں اس امر کا ثبوت نہ پیش کیا جا سکتا ہے نہ آج تک پیش کیا گیا کہ صحابہ کرام جسد محمد رسول اللہ ﷺ کو نبی اور رسول نہیں مانتے تھے۔ بلکہ ایمان و نبوت کو روح کی صفت مانتے تھے اور اگر برزخ میں روح انبیاء کے لئے جسم مثالی مانا جائے تو ماننا پڑے گا کہ جسد عنصری برزخ میں پہنچ کر نبوت سے معزول کر دیا گیا۔ جس جسم نے صعوبتیں سہیں، زخم کھائے، تکلیفیں اٹھائیں اور عبادتوں میں راتیں گزاریں۔ اس کو صلہ یہ ملا جب دار الجزاء کی طرف سفر شروع کیا اوّل قدم پر ہی اس جسم کو نبوت سے معزول کر دیا گیا۔

اگر ایسا ہے تو اب کلمہ اسلام یہ ہونا چاہئے کہ لا الہ الا اللہ جسم مثالی رسول اللہ! محمد نام ذات رسول ﷺ سے جو عبداللہ کے گھر مائی آمنہ کے بطن سے پیدا ہوا اور جس ذات اور جس وجود کو دیکھ کر اہل ایمان کہتے تھے کہ محمد رسول اللہ اور کفار جسے رسول تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ نیلوی صاحب بھی اسی طرح نبوت کو روح کی صفت تسلیم کرتے ہیں اور کراتے ہیں۔ (ندائے حق ص ۲۶۰، ۲۶۱) پر اس عقیدے پر بڑا زور قلم صرف کیا ہے اور جسم محمد ﷺ کی نبوت سے انکار ہے اور اگر دنیا میں جسم کو مجازاً نبی تسلیم کرتے بھی ہیں تو برزخ میں یہ منصب جسم عنصری سے چھین کر موہومہ جسم مثالی کو عطاء کرتے ہیں اور ان کی انوکھی توحید پر آنچ بھی نہیں آتی۔

بدن عنصری سے روح کا تعلق

اس دنیا میں جب روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے تو جسم کو قبر میں دفن کر دیتے ہیں اور عوام یہی سمجھتے ہیں کہ جسم زیر زمین دفن ہے اور روح خواہ علیین میں چلی گئی یا سجین میں بہرحال جسم سے اس کا تعلق ختم ہو گیا اور وہ خواص جو ذہنی طور پر عوام کی سطح پر ہی ہیں وہ بھی یہی کچھ سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے یعنی روح خواہ کہیں ہو اس کا تعلق جسد عنصری سے بدستور قائم رہتا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن القیمؒ نے اس کی وضاحت کی ہے: ''وبعد وفاته استقرت فى الرفيق الاعلى مع ارواح الانبياء ومع هذا فلها اشراف على البدن واشراق وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلّم عليه وبهذا التعلق رأى موسى قائما يصلى فى قبره ورأه فى السماء السادسة الى ان قالَ وانما ذالك مقام روحه واستقرارها وقبره مقام بدنه الى ان قال كما انه ﷺ فى ارفع مكان فى الرفيق الاعلى مستقرا هنالك وبدنه فى ضريحه غير مفقود واذا سلم عليه المسلم رد الله روحه حتى يرد عليه السلام ولم يفارق الملاء الاعلى ومن كشف ادراكه وغلظت طباعه من ادراك هذا فلينظر الى الشمس فى علو محلها وتلعقها وتأثيرها فى الارض وحيات النبات والحيوان بهاهذه وشان الروح فوق هذا ولهاشان وللابدان شان وهذا نار تكون فى

محلھا و حرارتھا واثرھا فی الجسم البعید مع ان الارتباط والتعلق الذی بین الروح والبدن اقویٰ واکمل من ذالک واتم'' (زادالمعاد ج ۲ ص ۴۹)

وفات کے بعد حضور اکرم ﷺ کا روح رفیق اعلیٰ میں انبیاء علیہم السلام کے ارواح کے ساتھ قرار پذیر ہوا اس کے باوجود روح کے بدن پر اشراف واشراق ہے اور اس سے تعلق ہے جس کی وجہ سے آپ سلام کا جواب فرماتے ہیں اور اسی تعلق کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ پھر انہیں چھٹے آسمان پر دیکھا۔ روح کی قرارگاہ علیین ہے اور بدن کی قرارگاہ قبر ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ رفیق اعلیٰ میں قرار پذیر ہیں اور بدن قبر مبارک میں ہے اور جب کوئی شخص سلام کہتا ہے تو حضور ﷺ جواب دیتے ہیں۔ روح ملاء اعلیٰ کو چھوڑتی بھی نہیں اور بدن سے تعلق بھی ہوتا ہے۔ ہاں! جو شخص غبی اور کند ذہن ہو بلید الطبع ہو اور اس کی سمجھ میں یہ حقیقت نہ آئے تو سورج کو ہی دیکھ لے کہ کس بلندی پر ہے۔ مگر اس کا اثر زمین پر دکھائی دیتا ہے۔ نباتات میں بالیدگی اور حیوانات میں زندگی اسی اثر کی وجہ سے ہے اور روح کی شان تو سورج سے بھی بلند ہے، روح کی اپنی شان ہے اور بدن کی اپنی۔ پھر یہ دیکھئے کہ آگ اپنے محل میں جل رہی ہے۔ مگر اس کی حرارت دور تک اجسام میں اپنا اثر پہنچاتی ہے اور بدن سے روح کا تعلق تو اس سے بھی زیادہ قوی کامل بلکہ اکمل ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ روح اقدس کا اصل مرکز تو اعلیٰ علیین جنت ہے۔ مگر بدن مدفونہ سے اتنا قوی تعلق ہے کہ اس میں شعور وادراک اسی درجے کا پایا جاتا ہے۔ علم، فہم، دیکھنا، سننا، نماز پڑھنا، سب اسی تعلق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ سرور، راحت، تلذذ سب کچھ محسوس ہوتا ہے۔ اسی کو حیات جسمانی دنیوی اور حیات حقیقی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہل دنیا سر کی آنکھوں سے دیکھیں اور ان اجسام پر دنیوی قانون غذا وغیرہ لاگو ہو۔ ہاں! خرق عادت کے طور پر کسی ولی اللہ کو نظر آ جائے تو یہ جدا معاملہ ہے۔

(فتح الملہم ج ۳ ص ۴۲۱) پر یہی عبارت موجود ہے۔ صرف ابتداء میں چند الفاظ کا فرق ہے۔ مثلاً: ''واما بعد وفاته ﷺ فروحه المقدس ﷺ قد استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء ولا یتموھم من ھذا انکار حیاته فی قبره الشریف'' اس کے بعد کی عبارت بعینہٖ وہی ہے جو حافظ ابن قیم نے زادالمعاد میں درج کی ہے۔

ان دو اقتباسات میں علماء کے اس قول کی وضاحت ہوئی کہ روح کا اصل مرکز اعلیٰ علیین ہے بدن مدفونہ سے اس کا تعلق رہتا ہے اور نہایت قوی تعلق ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا قول یہ ہے کہ روح کی قرارگاہ تو قبر اور بدن ہے۔ مگر اس کا تعلق رفیق اعلیٰ سے بدستور رہتا ہے۔ پہلے روح کو علیین میں لے جا کر بارگاہ رب العالمین میں حاضری کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ پھر قبر میں بدن کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ اعادہ روح کے سلسلے میں اس کا ذکر ہو چکا ہے کہ احادیث صحیحہ متواترہ بدن کی طرف اعادہ روح پر دلالت کرتی ہیں۔ یعنی یہ قول نص صریح یعنی حدیث متواترہ پر مبنی ہے اور قول اوّل جو اوپر بیان ہوا ہے اس کی بناء اجتہاد پر ہے۔ اسی وجہ سے اس کے قائلین اتصال روح، تعلق روح، اشراف روح وغیرہ کے قائل ہوئے۔ پہلے قول کو اختیار کرنے میں کئی خرابیاں لازم آتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اجتہاد محض کو نص صحیح متواتر پر تقدیم اور ترجیح دی جائے اور یہ صحیح نہیں۔ یہ درست ہے کہ روح ایک دفعہ اعلیٰ علیین میں داخل ہوا۔ پھر اس کا اعادہ قبر کی طرف ہو گیا۔ جیسا کہ حدیث

متواتر سے ثابت ہے۔ (تذکرہ قرطبی ص ۴۳) پر کہا گیا ہے کہ: ''ویحمل علی رجوعھم بعد الرجع ای الی الرفیق الاعلی'' یہ الگ بحث ہے کہ عود روح کے بعد قبر میں بدن سے روح کا تعلق دخولاً ہو۔ کسی حصہ بدن میں ہو یا ویسے اتصال واشراف سے قوی تعلق ہو۔ بہرحال قول راجح یہی ہے کہ مرکز روح قبر اور بدن ہے۔

اس پر ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے آخری کلمات حدیث میں یہ ملتے ہیں: ''اللھم رفیق الاعلی'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرکز روح رفیق اعلیٰ علیین ہے قبر اور بدن اس کا مرکز نہیں۔

اس سوال کا جواب ذرا تفصیل سے بیان ہوتا ہے تا کہ کسی قسم کا تردد نہ رہ جائے۔

۱...... یہ ایک مسلمہ قانون ہے کہ جس مٹی سے انسان پیدا ہوا اسی میں دفن ہوتا ہے۔ علامہ سمہودی نے (وفاء الوفا ج۱ ص ۷۳) اور (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۹) پر یہ بیان ملتا ہے: ''ان جبرئیل اخذ التراب الذی خلق منہ ﷺ من تراب الکعبۃ نعلی ھذا فالبقعۃ التی ضمت اعضاہ من تراب الکعبۃ'' یعنی حضور ﷺ کے جسم اطہر کی پیدائش کعبہ کی مٹی سے ہوئی اور یہ مسلم ہے کعبہ تمام زمین سے افضل ہے۔

اس بیان سے ایک مشکل پیدا ہوتی ہے کہ اگر حضور ﷺ کے جسم اطہر کے لئے کعبہ کی مٹی لی گئی تو دفن مدینہ منورہ میں کیسے کیا گیا تو اس عقدے کا حل ان ہی دو کتابوں کے انہی صفحات پر یوں ملتا ہے: ''بان الماء الذی کان علیہ العرش لما تموج رمی الذبد الی النواحی فوقعت طینۃ النبی ﷺ بالمدینۃ'' یعنی جس پانی پر عرش الٰہی تھا جب اس میں تموج پیدا ہوا تو نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر کے حصے کی مٹی مدینہ منورہ میں جا پڑی۔ حاصل یہ ہوا کہ کعبہ کی مٹی سے حضور ﷺ کا جسم اطہر بنا اور اسی مٹی میں دفن ہوا اور کعبہ ساری زمین سے افضل ہے۔

۲...... صحیحین میں فرمان نبی موجود ہے کہ: ''ما بین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ ومنبری علی حوضی'' یعنی میرے مکان اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر حوض کوثر پر ہے۔

پھر حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ: ''موضع سوط فی الجنۃ خیر من الدنیا ومافیھا'' یعنی ایک کوڑا رکھنے کی مقدار جنت میں جگہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔

پھر (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۸) پر یہ بیان کہ: ''قبر النبی ﷺ افضل من الکعبۃ والعرش والکرسی'' کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک، کعبہ، عرش اور کرسی سے افضل ہے۔ پھر اس کے افضل ہونے پر مزید غور وخوض ہوتا رہا جس کا تھوڑا سا بیان (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۹) پر ملتا ہے۔

''وھل البقعۃ المذکورۃ افضل من منزلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی الجنۃ او منزلہ فیھا افضل کما یسبق الی الفھم وقد یقال ھذہ افضل مادام فیھا فاذا صار فی الجنۃ صار منزلہ افضل وقد یقال یجوز ان یکون ھذہ منقولۃ من منزلہ فی الجنۃ او ینقل الیھا فلھا حکمہ'' یعنی سوال پیدا ہوا کہ یہ جگہ جہاں حضور ﷺ اب قبر شریف میں مقیم ہیں اس جنت سے افضل ہے جو آخرت میں حضور ﷺ کو ملے گی یا اس آخرت کی جنت کی شان اس سے بلند ہے۔ جواب میں کہا گیا کہ قبر شریف کی جنت میں جب تک حضور ﷺ مقیم ہیں یہ جگہ اخروی جنت سے افضل ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ ارضی جنت جس میں حضور ﷺ اب مقیم ہیں یہ جنت فردوس سے نقل کر کے یہاں لائی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ ارضی جنت کو نقل کر کے فردوس میں لے جایا جائے گا اور آپ اسی میں مقیم ہوں گے۔ اب بھی اس جگہ کا نام حکم فردوس ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۱۹۱) ''والروضة قطعة نقلت من الجنة وسيعود اليها وليست كسائر الارض تفنى وتذهب قال ابن حجر وهذا عليه الاكثر وهى من الجنة الآن حقيقة''

پھر (تذکرہ قرطبی ص ۲۷) میں قبر شریف کی فضیلت کا بیان اس طرح ہوا ہے ''ما من فجر يطلع الّا وسبعون الف ملك من الملائكة يحفون بالقبر يضربون باجنحتهم ويصلون على النبى ﷺ حتى يمسوا فاذا عرجوا اهبط سبعون الف ملك كذالك ولا يزالون كذالك سبعون الفا بالنهار وسبعون الفا بالليل '' ہر صبح سحر کے وقت ستر ہزار فرشتے آسمان سے نازل ہوکر قبر شریف کو پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ درود پڑھتے ہیں شام کو وہ چلے جاتے ہیں اتنے ہی نئے آجاتے ہیں۔

ان احادیث اوران اقوال سے ثابت ہوگیا کہ روضہ اطہر کی شان کعبہ، عرش، کرسی اور جنت سے افضل ہے۔ اگر قول اوّل کے مطابق روح کا مستقر علیین تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ افضل جگہ کو ترک کر کے مفضول کو روح کا مستقر مانا جائے۔ لہٰذا قول دوم ہی راجح قرار پایا اور یہی جگہ رفیق اعلیٰ ہے۔ یہی اعلیٰ علیین ہے یہی جنت فردوس ہے۔ یہی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، جہاں جسم اطہر قیام پذیر ہے اور روح کا مرکز اصلی بدن رسول ہی ہے:

اگر فردوس بر روئے زمین است ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

''والذين هاجروا فى الله من بعد ما ظلموا لنبوئنهم فى الدنيا حسنة ولاجر الاخرة اكبر لو كانوا يعلمون (النحل: ۴۱)'' ظاہر ہے کہ روضہ اطہر سے اعلیٰ اور افضل جگہ کائنات میں کوئی نہیں (اسی میں صدیق اور فاروق رضی اللہ عنہما بھی ہیں) اسی وجہ سے روضہ اطہر کی شان بیت اللہ عرش معلّٰی، جنت اور کرسی سے اعلیٰ وارفع قرار دی گئی ہے۔

حیات انبیاء بعد وفات دائمی ہے

گزشتہ باب میں علماء کے دو اقوال میں سے راجح قول کا ذکر کیا گیا کہ روح کا مرکز قبر اور بدن ہے۔ اس سے یہ مسئلہ تو خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ جب روح اپنے مرکز بدن میں ہے تو حیات کے ثبوت ڈھونڈنے کی ضرورت کیا رہ گئی۔ مگر بہتر یہ ہے کہ بات کی وضاحت ہو جائے۔

(بحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۸ ص ۱۸۳) میں یہ بحث چھیڑی گئی ہے کہ لفظ میت کا اطلاق کس پر ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ میت کا لفظ اس پر بولا جاتا ہے جس میں پہلے روح تھا پھر خارج ہوا۔ ظاہر ہے کہ معاملہ تو جسم کا ہے کہ پہلے اس میں روح موجود ہوتا ہے تو اسے زندہ کہتے ہیں۔ جب روح نکل جاتا ہے تو اسے میت کہتے ہیں۔ کیونکہ روح میں روح کا آنا اور روح سے روح کا نکلنا ایسی بات ہے کہ کسی ذی ہوش نے آج تک کبھی نہ سوچی۔ لہٰذا میت کا لفظ جب بھی بولا جائے گا۔ اس سے مراد بدن ہوگا۔

چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''ولا بأس باكل دود الزيتون قبل ان تنفخ فيه الروح لان اسم الميت انما يطلق على من له روح'' مطلب یہ جس جسم میں روح پھونکا نہیں گیا اسے میت کہہ ہی نہیں سکتے۔ میت اسے کہیں گے جس میں پہلے روح ہو پھر خارج ہو جائے۔ لہٰذا جہاں بھی موت و حیات کا ذکر ہوگا۔ اس سے مراد بدن کی موت اور بدن کی حیات ہوگی۔

اس اصول کی وضاحت علامہ سیوطی نے ایک حدیث کے سلسلے میں کی ہے: ''وقد صح ان الارض لاتاکل اجساد الانبیاء وانه ﷺ اجتمع بالانبیاء لیلة الاسراء فی بیت المقدس وفی السماء رأی موسٰی قائما یصلی فی قبره واخبر ﷺ بانه یرد السلام علی کل من یسلم علیه الی غیر ذالک لما یصل من جملته القطع بان موت الانبیاء انما هو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لاندرکهم وان کان موجودین احیاء ذالک کالحال فی الملائکة فانهم موجودون احیاء ولا یراهم احد من نوعنا الا من خصه الله بکرامته من اولیائه''

(فتاویٰ ج ۲ ص ۲۶۷)

حدیث صحیح میں ہے کہ انبیاء کے وجود کو مٹی نہیں کھاتی اور یہ بھی صحیح ہے کہ شب معراج میں حضور ﷺ بیت المقدس میں انبیاء سے ملے اور آسمانوں پر بھی ملے اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا اور حضور ﷺ نے یہ خبر بھی دی کہ جو شخص قبر مبارک پر سلام دے۔ حضور ﷺ اس کا جواب دیتے ہیں۔ ان تمام دلائل سے قطعی یقین ہو جاتا ہے کہ انبیاء کی موت صرف یہ ہے کہ وہ دنیا سے غائب ہوئے۔ کیونکہ ہم انہیں مادی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ اگرچہ وہ زندہ ہیں جیسے فرشتوں کا حال ہے کہ وہ زندہ موجود ہیں۔ مگر ہم میں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں! جسے اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے خاص کر دے وہ کرامت کے طور پر دیکھ سکتا ہے۔

اسی (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۶۸) میں علامہ بارزی کے متعلق مرقوم ہے: ''وسئل البارزی عن النبی ﷺ هل هو حی بعد وفاته فاجاب انه حی'' علامہ سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ بعد وفات زندہ ہیں؟ جواب دیا: ہاں زندہ ہیں اور اس کے (۲۷۲) پر علامہ تقی الدین سبکی سے نقل کرتے ہیں۔

''حیاة الانبیاء والشهداء فی القبر کحیاتهم فی الدنیا ویشهد له صلٰوة موسٰی فی قبره فان الصلٰوة تستدعی جسدا حیاً وکذالک للصفات المذکورة فی الانبیاء لیلة الاسراء کلها صفات الاجسام ولا یلزم من کونها حیاة حقیقة ان تکون الابدان معها کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب واما الادراکات کالعلم والسماع فلاشک ان ذالک ثابت لهم'' انبیاء و شہداء کی قبر کی زندگی ایسی ہی ہے جیسی دنیا میں تھی۔ اس کی شہادت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں کھڑے نماز پڑھنا ہے، نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔ اسی طرح شب معراج میں انبیاء کرام علیہم السلام کی جو صفات بیان ہوئیں یہ سب اجسام کی صفات ہیں۔ ہاں! یہ حیات ہر کام اور ہر فعل میں حیات دنیا کی طرح نہیں کہ کھانے پینے کی بھی ضرورت رہے۔ البتہ باقی ادراکات مثلاً علم اور سماع وغیرہ ان کے لئے ثابت ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عالم برزخ، دنیا اور آخرت کے بین بین ہے۔ لہٰذا حیات برزخی کے احکام بھی دنیا و آخرت کے احکام کے بین بین ہیں۔ بعض احکام دنیا کے احکام کی طرح بجا لائیں گے۔ جیسے اذان، اقامت، نماز، جماعت، ذکر الٰہی وغیرہ اور جسم کا صحیح و سالم رہنا۔ فہم کلام، سماع وغیرہ اور بعض احکام مثل احکام آخرت کے ہوں گے جیسے غذا کی حاجت نہ ہونا بول و براز کی حالت نہ ہونا[۲]

[۱] موت چار قسم کی ہوتی ہے: (۱) موت اخراج روح عن البدن پر بولا جاتا ہے (۲) فقدان نور معرفت پر جیسے کفار کو مردہ کہا جاتا ہے (۳) فقدان قوت نامیہ کے لئے جیسے زمین کے متعلق ''یحیی الارض بعد موتها'' (۴) عدم تحریک پر جیسے پتھر وغیرہ۔

[۲] اس کی مثال دنیا میں موجود ہے۔ انسان اور حیوان کا بچہ نو دس مہینے ماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔ اسے غذا ملتی ہے نشو و نما ہوتی ہے۔ بول و براز کی حاجت نہیں ہوتی۔

حافظ ابن قیم نے کتاب الروح میں وہ ساری عبارت درج کی ہے جو اوپر (فتاویٰ سیوطی ص۲۶۷) کے حوالہ سے درج کی جا چکی ہے۔ اس کے آخر میں اتنا اضافہ ہے: ''واذا تقرر هذا انهم احياء فاذا نفخ فی الصور نفخة الصعق صعق كل من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء الله فاما صعق الانبياء فالاظهر فانه غشية فاما صعقة غير الانبياء'' (کتاب الروح ص۴۳)

معلوم ہوا کہ جب نفخ بعث ہوگا تو وہ لوگ زندہ ہوں گے جن پر موت وارد ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام صرف غشی سے افاقہ میں آ جائیں گے۔

(مدارج النبوۃ ج۱ ص۱۶۹) میں یہی بات ایک اور انداز سے کہی گئی ہے: ''واما ارواح انبیاء اعادہ کردہ می شوند در ہماں ابدان کہ در دنیا بود و بوسیدہ نشد وخاک نگشت وحق تعالیٰ قادر است کہ نگاہ دارد ارواح را بے ابدان ولیکن نقل وارد شدہ است بوجود آں در ابدان چنانکہ بودن موسیٰ نماز گزارندہ در قبر وچہ نماز گزاردن تقاجائے جسد حی می کند وصفات مذکورہ در انبیاء شب معراج ہم صفات اجسام است ولازم نمی آید آن بودن حقیقت حیات کہ باشد بر صفتے کہ در دنیا بودہ در احتیاج طعام وشراب وغیرہ ذالک از اجسام۔ چنانکہ مشاہدہ می کنم در دنیا بلکہ آنہا۔ اور برزخ احکام دیگر باشد واحتیاج بطعام وشراب وامثال آں امر عادی است وحال در آنجا بخلاف عادت باشد۔''

علامہ تقی الدین سبکی نے حیات دائمی کے ثبوت میں بیان کیا ہے: ''فان الصلوٰة تستدعى جسدا احياء وكذالك للصفات المذكورة فی الانبياء ليلة الاسراء كلها صفات الاجسام ولا يلزم من كونها حيات حقيقة ان يكون الابدان معها كما كانت فی الدنيا من الاحتياج الى الطعام والشراب و لا امتناع عن النفوذ فی الحجاب الكثيب وغير ذالك من صفات الاجسام التی نشاهدها بل قد يكون لها حكم آخر فليس فی العقل ما يمنع من اثبات الحياة الحقيقت لهم واما الادراكات كالعلم والسماع فلا شك ان ذالك ثابت وسنذكر ثبوته لسائر الموتى فكيف بالانبياء'' (شفاء السقام ص۱۹۱)

خلاصہ یہ ہے کہ نماز پڑھنا زندہ جسم کی صفت ہے، شب معراج میں انبیاء کی دوسری صفات جو مذکور ہوئیں وہ بھی زندہ جسم کے اوصاف ہیں حیات برزخی کے بعض احکام دنیوی ہیں۔ مثلاً ادراک علم وسماع وغیرہ اور بعض اخروی ہیں۔ مثلاً کھانے پینے بول و براز کی حاجت نہ ہونا وغیرہ۔

علامہ ابن حجر نے (الجوہر المنظم ص۲۴) میں نبی کریم ﷺ کی حیات ابدی کے متعلق فرمایا: ''والموت الواقع له غير مستمر لعود الحياة الكاملة له واستمدادها'' یعنی جو موت نبی کریم ﷺ پر واقع ہوئی وہ دائمی نہیں۔ قبر میں کامل اور دائمی حیات لوٹ آئی۔

پھر اسی کتاب کے (ص۲۹) پر فرمایا: ''ولما ادلة حياة الانبياء فمقتضاها حياة الابدان كحالة الدنيا مع الاستغناء عن الغذاء'' یعنی انبیاء کے ابدان حالت برزخ میں اسی طرح ہوتے ہیں جیسے دنیا میں تھے۔ ہاں! غذا سے مستغنی ہوتے ہیں۔

پھر (روح المعانی ج۲۲ ص۳۷) ''وانه ﷺ مغيب عن الابصار كما غيبت الملائكة مع كونهم احياء باجسادهم'' یعنی انبیاء کی موت صرف یہی ہے کہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے جیسے ملائکہ زندہ موجود ہیں مگر نظر نہیں آتے۔

اور (تحفۃ الذاکرین ص ۳۴) "انہ ﷺ حی فی قبرہ وروحہ لا تفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم" یعنی نبی کریم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ آپ کے وجود سے روح کی کلی مفارقت نہیں ہوتی۔ یہ صحیح ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور (وفاء الوفاج ۴ ص ۱۳۵۴) "المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حی بعد وفاتہ یسر بطاعات امتہ" یعنی محققین متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور امت کے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں۔

اسی کتاب کے (۱۳۵۲) پر "ولحیاۃ الانبیاء علیہم السلام بعد موتھم شواھد من الاحادیث الصحیحۃ اور ولا شک فی حیاتہ ﷺ بعد وفاتہ کسائر الانبیاء احیاء فی قبورھم حیاۃ اکمل من حیاۃ الشھداء"

اور (وفاء الوفاج ۴ ص ۱۳۵۵) پر بلفظہ وہی عبارت ہے جو اوپر (الجوہر المنظم ص ۲۹) کے حوالے سے درج کی جا چکی ہے۔

مولانا عبدالعلی لکھنوی نے اپنی کتاب نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن کے (ص ۱۶) پر امام مالک سے نقل کیا ہے: "ونقل من الامام مالک انہ کان یکرہ ان یقول الرجل زرت قبر النبی ﷺ او زرت النبی ﷺ ابن رشد من اتباعہ ان الکراھۃ لغلبۃ استعمال لفظ وقال الزیارۃ فی الموتی وھو ﷺ احیاہ اللہ تعالٰی بعد موتہ حیات قائمۃ واسمرۃ تلک الحیاۃ الی الآن وھی مستمرۃ فی المستقبل ولیس ھذا خاصا بہ ﷺ بل یشارکہ الانبیاء علیہم السلام فھو حی بالحیاۃ الکاملۃ وکذا سائر الانبیاء الی ان قال عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون وکذا قال زرقانی والی ان قال والا فھو حیٌ مستمر ادائما"

امام مالک سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اسے مکروہ جانتے تھے کہ کوئی کہے میں نے قبر رسول کی زیارت کی یا رسول ﷺ کی زیارت کی۔ ابن رشد نے کہا کہ یہ کراہت اسی وجہ سے ہے کہ زیارت کا لفظ عموماً مردوں پر بولا جاتا ہے اور نبی کریم ﷺ کو تو اللہ تعالٰی نے بعد موت زندہ فرمایا اور دائمی حیات دے دی اور یہ حیات قیامت تک چلی جائے گی اور اس حیات میں باقی انبیاء کرام بھی شریک ہیں۔ حضور اکرم ﷺ حیات کاملہ سے زندہ ہیں اسی طرح باقی انبیاء بھی۔ حضرت انس بن مالک ؓ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں۔ اسی طرح زرقانی نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ حیات دائمی اور استمراری کے ساتھ زندہ ہیں۔

زرقانی نے (شرح مواہب لدنیہ ج ۸ ص ۳۰۹) میں یہ مسئلہ نہایت بسط سے بیان کیا ہے: "واورد ان رد السلام علی المسلم لا یختص بہ ﷺ ولا بالانبیاء علیہم السلام فقد صح مرفوعا من احمد یمر بقبر اخیہ المؤمن ومن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام واجیب بان الرد من الانبیا رد حقیقی وانما ھو بواسطۃ اتصال الروح بالجسد لان بینہ وبینھا اتصالا یحصل بواسطۃ التمکن من الروح کون اروا حھم لیست فی اجسادھم ولا شک ان حیاۃ الانبیاء ثابتۃ معلومۃ مستمر ثابتۃ فی الاستمرار ونبینا ﷺ افضلھم بالنصوص والاجماع واذا کان کذالک فینبغی ان تکون حیاتہ واکمل واتم من حیات سائر الانبیاء فان قال سقیم الطبع ردی الفھم لو کانت حیاتہ ﷺ مستمرۃ ثابتۃ لما کان رد روحہ معنی کما قال فی الحدیث

الا رد اللہ علی روحی فان مقتضاہ انفصالها عنه وهو الموت۔ یجاب عن ذالک بوجوہ احدها ان هذا اعلام بثبوت وصف الحیاۃ دائما لثبوت رد السلام دائما لاستحالۃ خلو الوجود کله عن مسلم علیه عادۃ فوصف الحیاۃ لازم رد السلام اللازم لصفۃ الحیاۃ و اللازم یجب وجودہ عند ملزومه او ملزوم ملزومه فاطلق اللازم هنا وهو رد الروح واراد لازمه وصفۃ الحیاۃ الملزومۃ لرد السلام فاکنه قال الا وجدنی حیا فوصف الحیاۃ ثابتۃ دائما لان ملزوم ملزومه ثابت دائما وهذا من نفائات واجب بان امور الاخرۃ لاتدرک بالعقل واحوال البرزخ اشبه باحوال الاخرۃ"

پھر (ج ۸ ص ۳۰۱۰) پر فرمایا: "ان رد الروح مجاز عن المسرۃ فانه یقال لمن سر عادت روحه ولضدہ ذهبت فهو عبارۃ عن دوام سرورہ ﷺ علیه لان الکون لا یخلو اعن مسلم علیه بل قد یتعدد فی ان واحد مالا یحصی" خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی ناسمجھ یہ سوال کرے کہ حدیث میں ہے: "الا رد اللہ علی روحی" یعنی رد روح کا تعلق عالم برزخ سے ہے جو عالم غیب ہے اور عالم غیب کے احکام پر عقلی دلائل قائم کرنا نری جہالت ہے اور وہ شخص جاہل ہے جو خطابت اور برہان کے درمیان فرق نہیں جانتا۔

حضور اکرم ﷺ نے رد روح کا استعمال مختلف مواقع پر فرمایا۔ اگر ان سب کو پیش نظر رکھا جائے تو بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ مثلاً:

۱...... "مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی"

۲...... بیدار ہوتے وقت حضور ﷺ نے فرمایا: "الحمد للہ الذی رد علی روحی"

۳...... لیلۃ التعریس میں فرمایا: "ان اللہ رد ارواحکم حین شاء ورد علی حین شاء"

پہلی دو حدیثوں میں ضمیر متکلم ہے تیسری میں ضمیر مخاطب ہے تینوں میں مواقع مختلف ہیں۔ یہ باتیں صحابہ سے اس وقت فرمائیں جب حضور ﷺ اس دنیا میں عین عالم حیات دنیوی میں تھے۔

حدیث نمبر ۲، اور نمبر ۳ سے ظاہر ہے، رد روح بدن مردہ میں نہیں ہوا دونوں حالتوں میں بدن زندہ تھے نیند کی حالت میں تھے جب زندہ تھے تو رد روح سے کیا مراد ہوئی۔ پھر پہلی دو حدیثوں میں ضمیر متکلم سے حضور ﷺ کا بدن اطہر مراد ہے جو کلام کرتا ہے مگر پہلی حدیث میں رد روح کا تعلق عالم برزخ سے ہے دوسری میں عالم دنیا سے ہے۔ لہٰذا رد روح نہ یہاں بدن مردہ میں ہوا نہ برزخ میں بلکہ دونوں جگہ رد روح کو زندہ جسم کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح تیسری حدیث میں مخاطبین مردہ نہیں تھے زندہ تھے سو رہے تھے۔ مگر ان کے لئے رد روح کے الفاظ حضور اکرم ﷺ نے خود فرمائے۔ اس لئے اگر برزخ میں رد روح سے تو رد روح اس وقت انفصال روح یعنی موت ہو تو حیات دائمی کیسے ثابت ہوئی۔

جواب اوّل یہ ہے کہ حدیث میں ذکر ہے رد روح کا جو ملزوم ہے وصف حیات کا اور حیات، رد روح کو لازم ہے۔ پھر حیات ملزوم ہے رد سلام کی اور رد سلام لازم ہے حیات کا تو یہاں ذکر ملزوم کا ہے جو رد روح ہے! اور ارادہ ہے لازم کا جو حیات ہے اور حیات کو رد سلام لازم ہوگا۔ مطلب یہ ہوا کہ رد روح سے مراد ہی جب حیات ہے تو سلام کا جواب دیتے وقت حیات موجود ہوگی۔ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اس وقت

میں زندہ موجود ہوتا ہوں اور سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اس سے تو حیات دائمی ثابت ہوئی۔

دوسرا جواب یہ ہے حضور ﷺ کو حیات جسمانی عالم برزخ میں حاصل ہے اور سلام کا جواب بھی برزخ میں فرماتے ہیں اور عالم برزخ مشابہ ہے۔ عالم آخرت کے اور عالم آخرت کے احکام عقل سے حل نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا عقل سے حل کئے بغیر حدیث پر ایمان لانا فرض ہے کہ حضور ﷺ کو عالم برزخ میں حیات جسمانی حاصل ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ رد روح سے مراد سرور ولذت ہے۔ جیسے عام بول چال میں جب کوئی شخص کسی بات سے خوش ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میری روح لوٹ آئی یا میری روح تازہ ہوگئی۔ جب کوئی المناک خبر سنتا ہے تو کہتا ہے میری روح نکل گئی تو اس سے مراد دائمی سرور ہوا۔

شیخ انورؒ نے (فیض الباری ج ۱ ص ۴۷۶) میں ایک اور جواب دیا ہے: ''قال النبی ﷺ الا رد اللہ علی روحی ما معناہ اقول فالاسھل فی الجواب ان یقال انہ من عالم الغیب و اقامۃ الدلائل العقلیۃ علیہ جھل و من یطیق ذالک و انما یشغل بد من لا یعرف الفرق بین الخطابۃ و البرھان'' مراد مردہ جسم میں روح کو لوٹانے کے لئے جائیں تو اس دنیا میں یہی معنی لئے جائیں گے کیا کوئی ذی ہوش انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ حدیث نمبر ۲، ۳ میں رد روح مردہ اجسام میں ہوا۔ اگر نہیں تو پہلی حدیث میں یہ معنی لینے کی کیا وجہ ہے۔

علامہ انور شاہؒ نے تو بات ہی صاف کر دی: ''وقد تخایل ان رد الروح ینافی الحیاۃ و ھو یقررھا فان الرد انما یکون الی الحی لاالی الجماد کما وقع فی حدیث لیلۃ التعریس یرید بقولہ الانبیاء احیاء المجموعۃ الاشخاص لاالارواح فقط وما المراد بضمیر المتکلم فی قولہ الا رد اللہ علی و من ھو غیر الروح'' یعنی موت کا خیال بھی نہ کیا جائے۔ یہ جملہ تو حیات کو مضبوط کرتا ہے۔

رد روح ہوتا ہی جسم زندہ کی طرف ہے جیسا حدیث لیلۃ التعریس سے ظاہر ہے اور انبیاء جسم اور روح کے مجموعہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ صرف روح سے نہیں اور ضمیر متکلم جو علیّ میں مذکور ہے دونوں جگہ موجود ہے دونوں جگہ بدن اطہر رسول مراد ہے جو کلام کر رہا ہے مگر حالتیں دو ہیں ایک عالم دنیا ایک عالم برزخ۔ لہٰذا دونوں میں حیات ثابت ہے اور رد روح سے موت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ برزخ میں حیات دائمی ثابت ہوتی ہے۔

اب چند وہ حدیثیں بیان کی جاتی ہیں جن کا تعلق بلوغ سلام سے ہے۔

۱...... ''اکثروا الصلوٰۃ علیّ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ''

۲...... ''من صلیٰ علی عند قبری سمعتہ و من صلّی علیّ نائیا و کل اللہ بھا ملکا یبلغنی''

۳...... ''من صلیٰ علیّ عند قبری سمعتہ و من صلی علی نائیا ابلغتہ''

۴...... ''ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام''

ان سب احادیث میں ضمیر متکلم استعمال ہوئی ہے اور حضور ﷺ نے اس وقت فرمائی جب اس دنیا میں عین حیات میں تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سامنے موجود تھے۔ لہٰذا جس طرح درود وصلوٰۃ آپ کی ذات پر اس دنیا میں پیش ہوتا تھا، اسی طرح برزخ میں پیش ہوتا ہے۔

معروضۃ علی اور تبلغنی سے حضور ﷺ کی ذات مراد ہے اس لئے یا تو دونوں جگہ زندہ جسم ماننا پڑے گا یا دونوں جگہ میت ماننا پڑے گا۔ ایک جگہ زندہ اور ایک جگہ مردہ ماننا اس کی گنجائش نہیں اور دونوں جگہ مردہ ماننا نری حماقت ہے۔ لہٰذا اس کے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں حالتوں میں جسم زندہ تسلیم کرو۔ پس دونوں حالتوں میں حیات ثابت ہے۔

بلوغ صلوٰۃ وسلام اور سماع عندالقبر

اس عنوان کو زیر بحث لانا دو لحاظ سے ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ اس مسئلہ میں شرذمہ قلیلہ نے عوام کو گمراہ کرنے اور مسلمانوں کو کافر اور مشرک قرار دینے کی باقاعدہ مہم چلا رکھی ہے۔ دوسرا اس لحاظ سے ضروری ہے کہ اس کے ثابت ہو جانے سے حیات انبیاء کا ایک اور ثبوت منظر عام پر آ جائے گا۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ روضہ اطہر کے پاس مسجد نبوی میں درود پڑھا جائے۔ جس کو عرفاً قریب کہا جاتا ہے تو حضور اکرم ﷺ خود بہ نفس نفیس سن کر جواب دیتے ہیں اور اگر دور سے پڑھا جائے جسے عرفاً بعید کہا جاتا ہے تو ملائکہ کے ذریعہ درود وسلام پہنچایا جاتا ہے۔

اس اجماعی مسلک کے برعکس ایک چوردروازے سے اس کی تردید کی راہ نکالی گئی ہے کہ جس حدیث سے سماع عندالقبر کے قائلین استدلال کرتے ہیں۔ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن مروان سدی صغیر ہے جو متروک الحدیث ہے۔ لہٰذا یہ مسئلہ غلط ہے۔ الالی المصنوعہ کے حوالہ سے وہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

''عن ابی ہریرۃ مرفوعاً من صلی علیّ عندقبری مرفوعا سمعتہ الخ لا یصح محمد بن مروان ہو السدی الصغیر کذاب۔ قال العقیلی لا اصل لہذا الحدیث'' (ج ۱ ص ۲۸۳)

پہلی بات تو یہ ہے کہ علامہ سیوطی نے عقیلی کا قول رد کر دیا اور اپنے پلے باندھ لیا کہ اپنی پسند کا تھا مگر اسی کتاب کا ایک صفحہ چھوڑ کر اگلے صفحے پر علامہ سیوطی کے یہ الفاظ کیوں نہ دکھائی دیئے کہ: ''قلت ہذا الحدیث اخرجہ الطبرانی وابو نعیم فی الحلیۃ ولہ شواہد یرتقی بہا الی درجۃ الحسن'' (ج ۱ ص ۲۸۵)

خط کشیدہ الفاظ کے ہوتے ہوئے اس حدیث کو ناقابل التفات یا بے اصل کہنا بس جرأت رندانہ ہے۔

دوسری بات یہ کہ جمہور علماء محدثین متکلمین اور صوفیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو الحافظ ابی محمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الاصفہانی المعروف بابی الشیخ المتوفی ۳۶۹ھ کی کتاب ''ثواب اعمال'' میں درج ہے جس کی سند جمہور محدثین اہل السنۃ کے نزدیک جید وصحیح ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ مناسک حج (ص ۳۹۱) میں قریب وبعید کی تصریح فرمائی ہے: ''صلوا علیّ حیثما کنتم فان صلوٰتکم تبلغنی قال فاخبر انہ ﷺ یسمع الصلوٰۃ والسلام من القریب وانہ یبلغہ ذالک من البعید''

اس حدیث کے متعلق محدثین وشراح حدیث کی آراء:

۱...... (فتح الباری ج ۶ ص ۳۱۲) ''ومن شواہد الحدیث ما اخرجہ ابو داؤد من حدیث ابی ہریرہ رفعہ وقال فیہ صلوا علیّ فان صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم۔ سندہ صحیح واخرجہ ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید بلفظ من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی نائیا ابلغتہ وعند ابی داؤد والنسائی وصححہ

ابن خزیمہ وغیرہ عن اوس الی ان قال فان صلٰوتکم معروضۃ علیّ فقالوا کیف تعرض وقدارمت الخ"

۲...... (القول البدیع ص ۱۵۴)"قلت سندہ جید"

۳...... (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)"واخرجہ ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی نائیا بلغتہ"

۴...... (اللآلی المصنوعہ ج ۱ ص ۲۸۵)"قلت ھذا الحدیث اخرجہ الطبرانی وابو نعیم فی الحلیلہ ولہ شواھد یرتقی بھا الی درجۃ الحسن"

۵...... (التنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۳۳۵)"من صلّ علیہ عند قبری سمعتہ الخ من حدیث ابو ھریرۃ ولا یصح فیہ محمد بن مروان السدی الصغیر وقال العقیلی لا اصل لھذا الحدیث تعقب بان البیھقی اخرجہ فی الشعب من ھذا الطریق وتابع عن الاعمش فیہ ابو معاویۃ اخرجہ ابو الشیخ فی الثواب قلت سندہ جید کما نقلہ السخاوی عن شیخہ الحافظ ابن حجر ولہ شواھد من حدیث ابن مسعود وابن عباس وابی ھریرۃ اخرجھا البیھقی ومن حدیث ابی بکر الصدیق اخرجہ الدیلمی ومن حدیث عمار بن یاسر الی ان قال قلت منھا ای من شواھد حدیث انس الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون واخریٰ من طرق وصححہ من بعضھا وقال فی کتاب الاعتقاد الانبیاء احیاء بعد ما قبضوا اردالیھم ارواحھم فھم احیاء عندربھم"

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے اپنے رسالہ السعی المشکور فی رد المذاہب الماثور میں اس مسئلے پر بحث فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں: روضہ اطہر پر حاضر ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو نبی کریم ﷺ خود سن کر جواب دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ سنت رسول اور اجماع امت سے ثابت ہے۔"وکذا جواب النبی ﷺ الزائر ثابت بالسنۃ واجماع الامۃ"

(ص ۴۵۲)

پھر (ص ۴۵۷) پر فرماتے ہیں: غایۃ الامر یہ ہے کہ وہ طریقہ جس میں محمد بن مروان سدی واقع ہے۔ ضعیف ہے اس وجہ سے کہ اس کے حق میں نقادوں سے بہت سے کلمات جرح کے واقع ہیں۔ جیسا صارم میں مذکور ہے اور اگر بالفرض یہ حدیث بجمیع طرق قابل اعتبار نہ ہوتو بھی کچھ حرج نہیں۔ اس وجہ سے میت کا اس سلام کو جو قبر کے نزدیک ہوسننا اور اس کا جواب دینا کوئی میت ہو اَدلہ واضح سے ثابت ہے اور تحقیق اس کی اپنے مقام پر بشرح وبسط مع رد اقوال مخالفین مذکور ہے۔

پس آنحضرت ﷺ کا اس سلام کو جو آپ کی قبر کے پاس ہو سننا اور اس کا جواب دینا بدرجہ اولیٰ ثابت ہے۔ گو کوئی نص خاص اس باب میں نہ پائی جائے اور ان نصوص سے جو کہ حیات انبیاء بالخصوص حیات نبینا ﷺ قبر میں اور ان کا عبادت میں مشغول ہونا ان سے ثابت ہے زیادہ تر تاکید ہوتی ہے۔

مولانا نے سدی کی حدیث کو ضعیف کہا ہے اور صارم کا حوالہ دیا ہے مگر ابن عبدالہادی نے (الصارم المنکی ص ۱۷۹) پر سدی کی حدیث کو موضوع لکھا ہے اور وہ بلادلیل جب اس کے شواہد موجود ہیں تو زیادہ سے زیادہ درجہ ضعف میں داخل ہوگی۔ موضوع لکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بہرحال وہ حدیث جیسی بھی ہو جب ہمارا استدلال ہی اس سے نہیں تو اس کو زیر بحث لانا فضول ہے بلکہ استدلال تو ابوالشیخ کی سند سے ہے جو جید سند ہے اور اس کے حق میں ثبوت پیش کردیئے گئے ہیں۔

اب ہم علماء کے وہ اقوال پیش کرتے ہیں جن میں اس سننے اور پہنچانے کے معاملے کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے اور اس سے حیات النبی ﷺ کا مسئلہ ثابت کیا ہے۔

۱...... (الجوہر المنظم علامہ ابن حجر مکی ص ۲۲، ۲۳) ''وفی اخری للطبرانی لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوتہ قلنا یا رسول اللہ وبعد وفاتک قال وبعد وفاتی ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ای فسمعھم الحسی کبقیۃ حواسھم الظاھریۃ والباطنیۃ باقیۃ بحالھا کما کانت علیہ قبل وفاتھم علی نبینا ﷺ لکن اللہ تعالی اغناھم عن الاحتیاج الی الغذاء الحسی کرامۃ لھم کالملائکۃ''

اس کا حاصل یہ ہے کہ:

الف: روضہ اطہر پر حاضر ہو کر سلام پڑھنے والے کی آواز حضور ﷺ خود سنتے ہیں۔

ب: حضور ﷺ نے تصریح فرمادی کہ جس طرح میں اس دنیوی زندگی میں سنتا ہوں اسی طرح بعد وفات بھی سنوں گا۔

ج: انبیاء کے اجساد صحیح و سالم رہتے ہیں۔

د: ان کے حواس ظاہری و باطنی بعد موت صحیح رہتے ہیں جیسے دنیا میں تھے۔

ر: ملائکہ کی طرح انہیں غذائے حسی کی حاجت نہیں ہوتی۔

۲...... (ایضاً ص ۲۳) ''انہ ﷺ یبلغہ الصلوٰۃ والسلام اذا صدر من بعید ویسمعھما اذا کان عند قبر الشریف بلاواسطۃ''

۳...... (ایضاً ص ۲۴) ''ینال الزائرون بقبر النبی ﷺ فضیلۃ عظیمۃ فیجمع اللہ تعالی لھم بین سماع رسول اللہ ﷺ لاصواتھم من غیر واسطۃ وبین ردہ علیہ السلام بنفسہ'' یعنی زائر کا سلام وصلوٰۃ حضور ﷺ خود سنتے ہیں اور بلاواسطہ سنتے ہیں۔ مگر نئے توحیدی کہتے ہیں کہ نہیں بس صرف ثواب پہنچتا ہے۔

۴...... (ایضاً ص ۲۴) ''وعلم من تلک الاحادیث ایضا انہ ﷺ حیّ علی الدوام اذ من المحال العادی ان یخلو الوجود کل عن واحد یسلم علیہ فی لیل او نہار فنحن نؤمن ونصدق بانہ ﷺ حی یرزق وان جسدہ الشریف لاتأکلہ الارض وکذا سائر الانبیاء علیہم السلام والاجماع علی ھذا'' حضور ﷺ کا سننا اور حیات امت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

۵...... (ایضاً ص ۲۵) ''فھو ﷺ حی علی الدوام ونحوھا کما مر ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون''
یعنی حضور ﷺ کی یہ حیات دائمی ہے عارضی اور وقتی نہیں۔

۶...... (ایضاً ص ۲۵) ''ومعنی رد الروح الیہ انھا ردت الیہ عقیب دفنہ ﷺ لاجل سلامھم واستمرت فی جسدہ الشریف لا انھا تعاد لرد السلام ثم تنزع'' یعنی رد روح بعد دفن ہوا پھر حضور ﷺ کے جسد اطہر میں یہی ہمیشہ کے لئے روح موجود ہے۔ یہ نہیں کہ سلام کے لئے بار بار نکالا اور لوٹایا جاتا ہے۔

۷...... (ایضاً ص ۲۹) ''اما ادلۃ حیات الانبیاء علیہم السلام فمقتضاھا حیات الابدان کحالۃ الدنیا مع الاستغناء عن الغذاء'' یعنی حیات سے مراد ہی حیات بدن ہے۔

۸...... (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۲۳) ''وفیہ اشارۃ الی حیاتہ الدائمۃ وفرحہ ببلوغ سلام امتہ''

۹...... (السعی المشکور ص ۴۵۵) ''ومن اعظم فوائد الزائر والزیارۃ ان زارہ ﷺ اذا صلی وسلم علیہ عند قبرہ سمعہ سماعا حقیقیا ورد علیہ من غیر واسطۃ وناھیک بذالک'' یہی الفاظ ملا علی القاری نے ''درۃ المفیدہ فی زیارۃ المصطفویہ'' میں لکھے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا ''وجاء عنہ ﷺ بسند جید من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ من بعید سمعتہ''

۱۰...... منح مکیہ از ابن حجر مکی: ''ماقتضاہ کلامہ من ان زائرہ ﷺ اذا صلی وسلم علیہ عند قبرہ سمعہ سماعا حقیقیا ویرد علیہ من غیر واسطۃ''

۱۱...... (نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۳) ''وبما تقرر فی ھذہ الاحادیث علم انہ ﷺ تبلغہ الصلٰوۃ والسلام اذا صدر من بعید ویسمعھا اذا کان عند قبرہ الشریف بلاواسطۃ''

۱۲...... (مرقاۃ الشریف ج ۳ ص ۵۲۵) ''انہ قد ثبت من صلی علیہ نائیاً بلغہ ومن صلی علیہ عند قبرہ سمعہ''

۱۳...... (تحقیق حق المبین ص ۳۱ شاہ احمد سعید مجددی) ''وقد اتفق العلماء علی انہ علیہ السلام حی فی قبرہ الشریف یعلم بزائرہ''

۱۴...... (زرقانی ج ۵ ص ۳۳۴) ''ممایحصل من جملۃ القطع بان موت الانبیاء انما ھو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لاندرکھم وان کانوا موجودین احیاء ولا یراھم احد من نوعنا الا من خصہ اللہ تعالٰی بکرامتہ من الاولیاء'' یعنی انبیاء کرام کی موت یہی ہے کہ ہم سے غائب کردیے گئے ہیں۔

۱۵...... (زرقانی ج ۵ ص ۳۳۵) ''ولذا جعلوا من ادلۃ الحیاۃ علی الدوام وان روحہ لاتفارقہ ابدا قولہ ﷺ ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ'' یعنی یہ حدیث حضور ﷺ کی دائمی حیات کی دلیل ہے روح کبھی بدن سے جدا نہیں ہوتا۔

۱۶...... (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۴۳) ''قلت قد قدمنا ان الانبیاء لایموتون کسائر الاحیاء بل ینتقلون من دار الفناء الی دار البقاء وقد ورد بہ الاحادیث والاخبار انھم احیاء فی قبورھم یصلون''

۱۷...... (زرقانی ج ۶ ص ۳۰) ''ولانھم احیاء عند ربھم یرزقون حیاۃ حقیقۃ والصلٰوۃ تستدعی جسدا حیا قلنا انھا الشرعیۃ او اللغویۃ ولا یلزم من ذالک من کونھا حقیقۃ ان تکون الابدان معھا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب ونحوھما من صفات الاجسام التی نشاھدھا لان ذالک عادی لا عقلی وھذہ الملائکۃ احیاء ولا یحتاجون الی ذالک''

۱۸...... (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۵۶) ''لاعدۃ علیھم لانہ ﷺ حی فی قبرہ وکذالک سائر الانبیاء''

۱۹...... (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۹) ''ان رسول اللہ ﷺ قال من رانی بعد موتی کانما رانی فی حیاتی لانہ حی فی قبرہ یعلم من یزورو یرد السلام''

اس روایت کے متعلق بعض لوگ اعتراض کر دیتے ہیں کہ زیارت ہوئی تو صحابی ہو گیا۔ حالانکہ صحابی ہونے کے لئے دیکھنے والے کا مادی آنکھوں سے دیکھنا شرط ہے اور حضور ﷺ کا دارالتکلیف مادی دنیا میں ہو شرط ہے۔

۲۰...... (زرقانی ج۸ ص۳۰۵) آداب زیارت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''یقف عند الشباک بالمنشوع والادب کما کان یفعل بین یدیه فی حیاتی اذهو حی ویستحضر عمله بوقوفه بین یدیه وسماعه لسلامه کما هو فی حیاته اذ لا فرق بین موته وحیاته فی مشاهدته لامته ومعرفته باحوالهم دنیاتهم وعزالهم وخواطرهم وذالک عنده جلی ظاهر لاحقابه باطلاع الله تعالیٰ له علی ذالک''

یعنی روضہ اطہر کی حاضری کے وقت وہی صورت اختیار کرے۔ جیسا حضور ﷺ کی اس دنیوی زندگی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت اختیار کی جاتی تھی۔ کیونکہ حضور ﷺ کی دنیوی زندگی اور بعد موت کی زندگی میں کوئی فرق نہیں۔

۲۱...... (زرقانی ج۵ ص۳۳۴) ''وقد ثبت ان اجساد الانبیاء لا قبلی وعود الروح الی الجسد ثابت فی الصحیح کسائر الموتی فضلاً عن الشهداء وفضلاً من الانبیاء وانما النظر فی استمرارها فی البدن وفی ان البدن یصیر حیا کحالته فی الدنیا او حیا بدونها وهی حیث شاء الله تعالیٰ فان ملازمة الروح للحیاة امر عادی اجر الله العادة به فیجوز تخلفه لاعقلی فیمتنع تخلفه فهذا الحیاة بلاروح ممر تجوزه العقل وقد ذکر جماعة من العلماء ویشهد له صلوٰة موسیٰ فی قبره کما ثبت فی الصحیح واختلف فیها فقیل الصلوٰة للغویة ای یدعو الله ویذکر الله ویثنی علیه وقیل الشرعیة ولا مانع من ذالک لانه الیٰ الآن فی الدنیا وهی دار تعبد وعلیٰ هذا اجری القرطبی فقال الحدیث یدل بظاهره علی انه ﷺ راٰه (ای موسیٰ) رویته حقیقة فی الیقظة وانه حی فی قبره یصلی الصلوٰة التی کان یصلیها فی الحیاة وذالک ممکن فان الصلوٰة تستدعی جسد حیا سواء انها الشرعیة او اللغویة وکذالک الصفات المذکورة فی الانبیاء لیلة الاسراء کلها صفات الاجسام ولایلزم من کونها حیاة حقیقة ان تکون الابدان معها کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب الی ان قال وفی الفتاویٰ الانبیاء احیاء والشهداء والعلماء لایبلون والانبیاء والشهداء یاکلون ویشربون فی قبورهم ویصلون ویصومون ویحجون الیٰ ان قال فلیس فی العقل مایمنع من اثبات الحیاة الحقیقة لهم واما الادراکات کالعلم والسماع فلاشک ثابت لهم وسائر الموتیٰ''

۲۲...... (السعی المشکور ص۴۵۲) ابن عبدالہادی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وکذا جواب النبی ﷺ الزائر ثابت بالسنة واجماع الامة وجواب غیر الزائر مختلف فیه'' اسی طرح بار بار کثرت سے زیارت کرنے کے لئے جانا اور صلوٰۃ وسلام پڑھنا صحابہ کے اجماع سکوتی سے ثابت ہے۔

۲۳...... (السعی المشکور ص۴۵۳) ''علی ان الاکثار ایضاً کما مروی عن ابن عمر ولم ینکر علیه احد من الصحابة ولا زجر فکان اجماعا سکوتیا علی جوازه وذالک کاف واف فی بابه'' یعنی حضرت ابن عمر کثرت سے زیارت کو جاتے کسی صحابی نے نہ اس کا انکار کیا نہ زجر۔ لہٰذا یہ صحابہ کا اجماع سکوتی ہوا۔ اس سلسلے میں یہ کافی ہے اور حضرت انور شاہ صاحب اس ضمن میں ایک اصولی بات فرماتے ہیں۔ دین نام ہے تعامل امت کا ایک دور روایتوں کا نام دین نہیں۔

''ولیس الطریق ان یبنی الدین علی لفظ جدید بدون النظر الی التعامل'' (فیض الباری ج۲ ص۲۶۶)
یعنی دیکھنا یہ ہے کہ امت محمدیہ میں کسی خاص مسئلے میں عمل کس طرح ہوتا رہا ہے۔

ان روایات اقوال اور آراء سے یہ ظاہر ہے کہ دو مسئلے قانون کلی کا حکم رکھتے ہیں۔ اوّل: حضرات انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں، عبادت میں مشغول ہیں۔ دوم: زائر جو روضہ اطہر پر جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھے۔ حضور ﷺ سن کر جواب دیتے ہیں یہ دونوں مسئلے اجماعی اور امت محمدیہ میں متفقہ ہیں۔ کسی فرد کو ان میں اختلاف نہیں رہا۔ ان دو مسائل کے ثابت ہونے اور ان پر امت کا اجماع ثابت ہونے سے تیسرا مسئلہ ازخود ثابت ہو گیا کہ روح کا تعلق بدن سے ہے اور انبیاء کی حیات استمراری ہے۔

آج سے چند برس پیشتر ایک قلیل سے گروہ نے اس اجماعی مسئلہ کے خلاف آواز اٹھائی اور یہاں تک چیخ و پکار کی کہ حقیقت نگاہوں سے اوجھل ہونے لگی۔ انہیں چیلنج کیا گیا کہ ایک روایت ہی پیش کرو جو صاف اعلان کرے کہ انبیاء قبروں میں زندہ نہیں ہیں۔ نمازیں نہیں پڑھتے بلکہ ان کے وجود قبروں میں معطل ہیں اور بوسیدہ ہو گئے ہیں۔ دوسرا جو شخص روضہ اطہر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو حضور ﷺ نہ سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں۔

مگر اس چیلنج کے جواب میں ایک آواز بھی نہ اٹھی۔ مگر میرا تعلق چونکہ کسی سیاسی جماعت سے نہیں اور دین کو ذریعہ معاش کبھی بنایا نہیں۔ اس لئے شہرت نہ ہوئی اور اس قلیل گروہ نے میرے چیلنج کو درخور اعتناء نہ سمجھا اور شغل تکفیر میں مگن رہے۔ جب ان کے رد میں احادیث وروایات بعض علماء نے اپنے رسائل میں جمع کر کے دیں تو ان لوگوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کسی حدیث کا انکار کیا، کسی کو موضوع، کسی کو منکر، کسی کو مضطرب، کسی کو ضعیف کہا، کسی کو تعارض سے ساقط کیا۔ مگر ساری کارروائی کے لئے اس کے بغیر اور کوئی دلیل پیش نہیں کی: مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔

ان حضرات کی اس مبتدعانہ سینہ زوری کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو اور اس میں تدریجی ترقی دیکھتے چلے جائیں۔

۱...... (ندائے حق ص ۷۲) اگر کوئی غیر مجتہد ہے تو اس کی تشریح غیر مقبول ہے۔

۲...... (شفاء الصدور ص ۱۰۰) ''واما الملاّعلی القاری فکثیر الغلط فی کتبہ'' یعنی مفسر، محدث، متکلم فقیہ جسے ترجمان حنفیت کہا جاتا ہے ان کی کتابوں میں اکثر غلط باتیں ہیں گویا کتابوں کی صحت کے لئے نیلوی نسبت ہونا شرط ہے باقی سب غلط۔

۳...... (شفاء الصدور ص ۱۰۰) صاحب تفسیر روح المعانی کو مردود القول لکھا۔

۴...... (شفاء الصدور ص ۱۰۱) علامہ شامی، علامہ سیوطی اور علامہ سبکی کو مردود القول لکھا۔ اب دیکھئے غیر مجتہد کی قید بھی اٹھتی ہے۔

۵...... (ندائے حق ص ۱۴) کسی سلف یا خلف اکابر یا اصاغر، جماہیر ہوں یا مشاہیر کا قول و فعل حجت نہیں۔

۶...... (ندائے حق ص ۱۵) تمام سلف صالحین کو فرضی جمہور فرضی اکابر لکھا۔

۷...... (ندائے حق ص ۱۸) جمہور سلف اکابر کے کشکولوں میں زہر بھری ہے۔

(ندائے حق ص ۱۴۹) جمہور کا خلاف کوئی عیب نہیں۔ مجتہد بھی گئے ایک قدم آگے بڑھئے۔

۸...... (ندائے حق ص ۱۸) مولانا سرفراز کو لکھتے ہیں کیا تسکین لکھتے وقت یہ قاعدہ بھول گیا تھا کہ صحابی کا قول و فعل حجت نہیں۔ یعنی اب قافلہ منزل کے قریب پہنچ رہا ہے۔

۹...... (شفاء الصدور ص ۱۰۳) ''ویعلم ان الحجۃ ھی قول النبی ﷺ او فعلہ او تقریرہ دون اقوال الرجال

والھامھم وما ذکرنا فی ھذا الباب منھا اقوال الرجال ومنھا افعالھم ومنھا کشوفھم ومنھا منامھم ثم منھا موضوعۃ ومنھا منکرۃ واما اخبار الرسول الصحیحۃ فقلیلۃ جدا فاین التواتر وتلک القلیلۃ ایضا ساقطۃ او مؤلۃ اذھی تخالف النصوص وعمل الصحابۃ''

یعنی دعویٰ یہ ہے کہ:

الف: حجت صرف قول رسول ہے اقوال رجال نہیں۔

ب: صحیح اقوال رسول نہایت قلیل ہیں۔

ج: جو قلیل ہیں وہ بھی ساقط الاعتبار ہیں کیونکہ نصوص اور عمل صحابہ کے خلاف ہیں لوگ بڑے بڑے معمے حل کر کے ہزاروں روپے انعام لیتے ہیں۔ یہ معمہ بھلا کوئی حل کر کے تو دکھائے۔

قول رسول حجت ہے، صحیح اقوال رسول نہایت قلیل ہیں جو ہیں وہ ساقط الاعتبار ہیں۔ پھر وہ جو حجت ہے وہ کہاں سے ملے گا؟ کیا قلیل اور ساقط الاعتبار قول رسول پر سارے دین کی عمارت استوار ہوئی ہے۔ اب آپ اس مثلث میں سے اصل نقطہ تلاش کریں۔ اس کے بغیر کیا ہے کہ قول رسول بھی حجت نہیں۔ مگر صاف لکھنے میں شاید شرم محسوس ہوتی تھی کوئی رمق ابھی باقی ہوگی۔ اس لئے اس زہر پر شکر کے دوکوٹ کر دیئے۔ ظاہر ہے کہ کتب حدیث اقوال وافعال رسول اور تقریر رسول پر ہی زیادہ تر مشتمل ہیں۔ جب ان میں صحیح اقوال رسول نہایت قلیل ہیں اور وہ بھی ساقط الاعتبار ہیں تو انکار حدیث کس جانور کا نام ہوا اور منکر حدیث کے سر کوئی سینگ ہوتے ہیں یا اس کے چہرے پر کوئی لیبل لگا ہوتا ہے جب دل کی بات زبان پر آگئی کہ رسول کا کوئی صحیح قول قابل اعتبار موجود ہی نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ انکار حدیث کا اعلان ہو گیا۔

اب ذرا ان کی اپنی زبانی ان کی حیثیت ملاحظہ ہو: (ندائے حق ص ۱۳۳) پر لکھا کہ اجماع کا منکر کافر ہے منکر تواتر کافر ہے۔ منکر حدیث رسول بھی کافر ہے۔

اور یہ تینوں اوصاف جمیلہ ان کی کتب سے خود انہیں کے اندر دکھائی دیتے ہیں بلکہ یہ خود اعلان کرتے ہیں تو ان کی حیثیت کیا ہوئی۔ جب کسی غیر مجتہد کی تشریح مقبول نہیں۔ جمہور فرضی ہیں، جمہور کا قول حجت نہیں، سلف کے کشکول میں زہر بھرا ہے، صحابی کا قول وفعل حجت نہیں، رسول کا قول حجت نہیں۔ کیونکہ صحیح اور قابل اعتبار قول کا وجود نہیں۔ پھر اسلام کہاں سے ملے اور کفر کسے کہتے ہیں۔

ہاں! لے دے کے ایک قرآن رہ گیا۔ مگر اس میں بیان کردہ اصولوں اور تعلیمات کی تشریح تفسیر تفصیل کی ضرورت لازماً ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس کی صحیح تعبیر وہی ہوگی جو قرآن لانے والے نے بتائی۔ مگر اس عظیم مفسر قرآن کا کوئی صحیح اور معتبر قول ملتا نہیں۔ رہے اس کے براہ راست شاگرد تو ان کا قول وفعل حجت نہیں تو ان کی تفسیر قرآن کیسے حجت ہوگی۔ باقی مفسرین خود مردود القول ہیں۔ ان کے کشکول میں زہر بھرا ہے۔ ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ جس پر یہ چھوٹا سا گروہ لوگوں کو جمع کرنا چاہتا ہے کہ لوگو! قرآن ہم سے سمجھو، تفسیر ہم سے سیکھو، تعبیر ہماری قبول کرو، یعنی اور کسی کو نہ سنو ہماری سنو۔ مفسرین کی نہ سنو، محدثین کی نہ سنو، فقہا کی نہ سنو، سب نے زہریلا مواد بغل میں دبا رکھا ہے۔ ہمارے پاس آؤ آب زلال بلکہ آب حیات سپلائی کرنے کے واحد ٹھیکہ دار ہم ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ

ہماری پرستش کرو ہاں یہ ضرور کہتے ہیں کہ ہمارے بغیر کسی کی بات نہ سنو، نہ مخلوق کی نہ خالق کی۔ کیونکہ مخلوق سب نا قابل اعتبار اور خالق کی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ جب تک ہم نہ سمجھائیں۔ کیونکہ خالق اور مخلوق کے درمیان واحد واسطہ ہماری جماعت ہے اور کان کھول کے سن لو'' یہ ہے اصلی تے وڈی توحید۔''

ہائے افسوس! خود پرستی کے مرض نے ان لوگوں کو کہاں پہنچایا۔ افسوس کہ دوسروں کو بھی اسی اندھیرے کھڈ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔

ان حضرات نے حدیث کا انکار تو کر دیا مگر بڑی پرکاری سے مگر انکار بہرحال انکار ہے۔ خواہ کسی رنگ میں ہو منکرین حدیث کے متعلق علامہ ابن قیم کیا خوب کہہ گئے ہیں: ''انزل (اللہ) علی رسوله وحيين و اوجب علی عباده الايمان بهما و العمل بما فيها وهما الكتاب و الحكمة الی ان قال و الكتاب هو القرآن و الحكمة هی السنة باتفاق السلف الی ان قال هذا اصل متفق عليه بين اهل الاسلام لا ينكره الا من ليس منهم ای من اهل الاسلام'' یعنی سنت رسول کا انکار وہی کر سکتا ہے جس کا اسلام سے دور کا رشتہ بھی نہ ہو۔ (کتاب الروح ص ۹۲)

علامہ علی القاری حدیث ''فمن رغب عن سنتی فليس منی'' کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''وفيه اشار بان من خالف السنة و ان كان فی الظاهر مزيّنا خطيبا مكرما عندالناس فهو فی الحقيقة نجس اخس من الكلب'' (مرقاۃ ج ۲ ص ۴۷)

سنت کی مخالفت تو ایک طرف رہی جو صحیح حدیث کے وجود سے انکار کر دے وہ سنت کہاں سے تلاش کرے گا اور اسے موافقت یا مخالفت کی فکر یا تمیز کیونکر ہوگی۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ کر دینا بھی ضروری ہے۔ مولانا قاضی شمس الدین صاحب نے (تسکین القلوب ص ۹۳) پر مولانا سرفراز صاحب کو جواب دیتے ہوئے اور اس بات کا رد کرتے ہوئے کہ روح کا تعلق بدن رسول سے ہمیشہ ہوتا ہے۔ فرمایا: کوئی نہیں ہوتا اور بے سر و پا لکھا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے کسی قرآن کے حاشیہ سے نقل کیا ہے۔

حالانکہ قاضی صاحب کا دعویٰ بھی غلط اور ان کی تحقیق بھی غلط، شاہ صاحب نے میزان العقائد شرح شرح عقائد النسفیہ کے (۹۸) پر فرمایا اور اصول بتایا کہ روح اور جسد کا تعلق کتنا ہی نہیں۔

''فيعذب اللحم متصلاً بالروح و الروح متصلاً بالجسد و كذا اذا صار ترابا يكون روحه بترابه و الروح و التراب يتالمان'' لطف کی بات یہ ہے کہ قاضی صاحب اپنی کتاب مسالک العلماء میں لکھ چکے ہیں کہ روح کو مع بدن عذاب ہوتا ہے اور روح بدن سے متصل ہوتا ہے۔ خدا جانے اس حافظے کو ایسے حضرات سے چڑ کیوں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا قبور میں نماز با جماعت پڑھنا

حدیث لیلۃ الاسراء سے یہ بات واضح طور پر سامنے آ چکی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ اب ہم اس امر کے دلائل پیش کریں گے کہ نماز با جماعت بھی ہوتی ہے۔

ا...... (مشکوٰۃ باب الکرامات) ''عن سعيد بن المسيب قال لما كان ايام الحرة لم يؤذن فی مسجد النبی ﷺ

ثلاثا ولم يقم ولم يبرح سعيد بن المسيب المسجد وكان لا يعرف وقت الصلوٰة الا بهمهمة يسمعها من قبر النبی ﷺ رواه الدارمی"

۲ ...... (دارمی ج ۱ ص ۴۴) پر ان ہی الفاظ میں یہ روایت سعید بن عبدالعزیز سے مروی ہے۔

۳ ...... (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳) "وقد ثبت فی القبور کالاذان والاقامة عند الدارمی وهی قرأة القرآن عند الترمذی والحج عند البخاری"

۴ ...... (دلائل النبوۃ ابونعیم ص ۴۹۶) "قال سعید ابن المسیب ما فی مسجد رسول اللہ غیر وما یأتی وقت الصلوٰة الا سمعت الاذان والاقامة من القبر ثم اتقدم فاقیم واصلی وان اهل الشام لیدخلون المسجد زمرا ویقولون انظروا الی هذا الشیخ المجنون"

۵ ...... (الجوہر المنظم ص ۲۷، ۲۹، ۴۴ و فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۹) "ان النبی ﷺ حی کما تقرر وانه یصلی فی قبره باذان واقامة"

۶ ...... رسالہ (نور الایمان ص ۱۶) اور (خصائص الکبریٰ سیوطی ج ۳ ص ۴۰۵) صلوٰۃ نبی باذان اور اقامۃ فرمایا۔

۷ ...... (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۴) "اذهی حی فی قبره یصلی باذان واقامة کما مر"

۸ ...... (زرقانی ج ۵ ص ۳۳۳) "قال (ای سعید بن المسیب) فکنت اذا حانت الصلوٰة اسمع اذانا من القبر الشریف" خلاصہ یہ ہے کہ ایام حرہ میں تین دن تک مسجد نبوی میں اذان نہ ہوئی اور حضرت سعید بن المسیب اکیلے مسجد نبوی میں رہ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ نماز کے اوقات کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ مگر ہر نماز کے وقت حضور ﷺ کی قبر مبارک میں سے اذان کی آواز آتی، اقامۃ ہوتی تو وقت پہچان لیتا اور نماز پڑھتا تھا اور اہل شام گروہ در گروہ مسجد میں آتے اور مجھے دیکھ کر کہتے کہ دیکھو اس پاگل بڈھے کو مراد یہ تھی کہ یہاں حشر برپا ہے اور یہ دیوانہ یہاں بے فکر پڑا ہے۔

علامہ انور شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ دارمی سے اذان اور اقامۃ ثابت ہے۔ ترمذی سے قرآۃ القرآن ثابت ہے اور بخاری سے حج ثابت ہے۔

ابو نعیم، ابن حجر مکی، علامہ سیوطی اور زرقانی نے صاف لکھا کہ حضور ﷺ زندہ ہیں اور آپ قبر مبارک میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

ان احادیث اور اقوال محدثین کے مقابلے میں ایک سوال اٹھایا جاتا ہے کہ قرآن کریم انبیاء کی موت کا اعلان کرتا ہے۔ حدیث بھری پڑی ہے کہ انبیاء دنیا سے رخصت ہو گئے تو مرنے کے بعد نماز پڑھنا کیسا؟ پہلے تو انبیاء کے مرجانے کی نفی کے دلائل پیش کئے جائیں، نماز پڑھنا اور باجماعت پڑھنا تو بعد کی بحثیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے آیات قرآنی مثلاً "انک میت وانهم میتون" وغیرہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے ایک مرتبہ اس عالم آب وگل کو خیرباد کہنا ہے اور عالم برزخ اور عالم بقا کی طرف جانا ہے ان آیات کی دلالت اسی پر ہے کہ ایک دفعہ دنیا فانی کو چھوڑنا ہے۔ یہ چھوڑنا ایسا فعل ہے کہ اسے موت کہو، ہجرت کہو یا نقل مکانی کہو۔ پھر یہ بات ذہن میں رہے کہ موت عدمی چیز نہیں وجودی ہے۔ مخلوق ہے اور اس کی حقیقت اتنی ہے کہ "الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب" ان آیات سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ وہ برزخ میں زندہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس دنیا سے وہ چلے گئے اور عرف عام میں اسی جانے کو موت کہا جاتا ہے اور اسی امر کا اعلان ہے کہ چلے جانا ہے۔ مگر ان سے

یہ ثابت کرنا کہ وہ برزخ میں بھی مردہ ہیں۔ اگر کسی کو یہ ضد ہو تو قرآن و حدیث سے کوئی آیت یا حدیث پیش کرے کہ وہ برزخ میں بھی مردہ ہیں۔ تمام امت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام اس دنیا فانی سے رخصت ہو گئے اور عالم برزخ میں زندہ ہیں۔

ان حضرات نے وفات انبیاء کے سلسلے میں یہ آیات قرآنی پیش کرنے کا سبق اور فن مرزائیوں سے سیکھا ہے۔ انہوں نے اپنا کاروبار چمکانے کے لئے جو تجاویز سوچی تھیں۔ ان میں سے ایک تجویز یہ تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کی جائے تا کہ مثیل مسیح یا ''مسیح موعود'' کے چور دروازے سے اپنا مقصد پورا کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے یہی آیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے ثبوت میں ہمیشہ پیش کی ہیں اور آج ان ماڈرن توحیدیوں نے وہ بے کار ہتھیار اٹھا کر نبی کریم ﷺ کی موت ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔

انبیاء کی برزخی زندگی پر گزشتہ ابواب میں تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔ اب ہم اس نئے استدلال کے ضمن میں چند ایک ثبوت اور پیش کرتے ہیں۔

۱...... (زرقانی ج ۸ ص ۲۷۹) ''قال ابو بکر والذی نفسی بیدہ لا یذیقک اللہ الموتتین ابدا لانہ یحیا فی قبرہ ثم لا یموت کما ھو احد الوجوہ المتقدمۃ قال الحافظ وھذا احسن ولعلّ ھذا ھو الحکمۃ فی تعریف الموتتین یعنی فی ھذہ الروایۃ المعروفتین المشھورتین الواقعتین لکل احد غیر الانبیاء فبطل تمسک بہ الانکار الحیاۃ فی القبر '' یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قسم کھا کر کہنا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتیں ہرگز نہیں دے گا۔ ظاہر ہے کہ قبر میں آپ کو زندہ کیا جائے گا، پھر موت نہ ہوگی اور آپ کی زندگی ابدی زندگی ہوگی۔

۲...... (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰) ''قال ابو بکر والذی نفسی بیدہ لایذیقک اللہ الموتتین ابدا وقد تمسک بہ من انکر الحیاۃ فی القبر واجیب عن اھل السنۃ المثبتین لذالک بان المراد نفی الموت اللازم من الذی اثبتہ عمر بقولہ ویبعثنا اللہ فی الدنیا لیقطع ایدی القائلین بموتہ ولیس فیہ تعرض لمایقع فی البرزخ واحسن ھذا الجواب ان یقال ان حیاتہ ﷺ فی القبر لا یعقبہا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم ولعل ھذا ھو الحکمۃ فی تعریف الموتتین حیث قال لایذیقک اللہ الموتتین المعروفتین المشھورتین الواقعتین لکل احد غیر الانبیاء '' یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول سے مراد یہ ہے کہ آپ نے موت لازم کی نفی کر دی جس کا اثبات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔

۳...... (عینی شرح بخاری ج ۱۵ ص ۱۸۵) ''قول ابی بکر لا یذیقک اللہ الموتتین واراد بالموتتین الموت فی الدنیا والموت فی القبر وھما الموتتان المعروفتان المشھورتان فلذالک ذکرھما بالتعریف وھما الموتتان الواقعتان لکل احد غیر الانبیاء فانھم لا یموتون فی قبورھم بل احیاء ھم واما سائر الخلق فانھم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیامۃ ومذھب اھل السنۃ والجماعت ان فی القبر وموتہا فلابد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء وقد تمسک بقولہ لا یذیقک اللہ الموتتین من انکر الحیاۃ فی القبر وھم المعتزلۃ ومن سخا نحوھم واجاب اھل السنۃ عن ذالک بان المراد بہ نفی الحیاۃ اللازم من الذی اثبتہ عمر بقولہ لیبعثہ اللہ فی الدنیا لیقطع ایدی القائلین بموت فلیس فیہ نفی موت عالم البرزخ''

۴...... (تیسیر القاری شرح بخاری ج ۳ ص ۴۲۵) علامہ نورالحق محدث دہلوی "لایذیقک اللہ الموتتین ابدا" یعنی بعد از موت بحیات ابدی زندہ خواہی بود از انکہ وی رضی اللہ عنہ دانستہ بود کہ انبیاء در عالم برزخ زندہ اند بخلاف سائر مسلمانان کہ در وقت سوال منکر نکیر زندہ می کنند آنہا را باز میرانند۔"

۵...... (ایضاً ج ۳ ص ۲۶۲) قول مختار و مقرر جمہور ہمیں است کہ انبیاء بعد از ذاقت موت زندہ اند بحیات دنیوی۔

۶...... (کتاب المغازی ج ۴ ص ۲۱۷) "موت دوم آنست کہ سائر الناس را در قبر بعد از سوال وجواب منکر نکیر خواد بود وایں جواب موافق جمہور علماء است کہ قائل اند بحیاۃ سائر انبیاء در عالم برزخ وبایں معنی ناطق است آثار واحادیث چنانکہ بر متتبعان پوشیدہ نیست وایں قول نزد ما احسن اقوال است۔"

۷...... (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۸۹۰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی) "حدیث لایذیقک اللہ" کی شرح میں: "مراد ایں است کہ نمی میرد بموت در قبر ہمچو دیگراں کہ زندہ گردانیدہ می شود برائے سوال جواب باز میرانیدہ می شود وظاہر آنست کہ بعد موت دیگر نیست برائے او بعد از جریان سنت الٰہی بر اذاقت موت وزندہ گردانیدن بعد ازاں حیات باقی ومستمر خواہد بود ومماۃ براں طاری نخواہد شد۔ پس ایں سخن اشارہ است بحیات آنحضرت ﷺ۔"

۸...... (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۵۱۷ مولانا احمد علی سہارنپوری) "والاحسن ان یقال ان حیاتہ ﷺ لا یعقبھا موت بل یستمر حیاً والانبیاء احیاء فی قبورھم" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی توجیہ مختلف محدثین اور شارحین حدیث نے جو کی ہے، اس کی مذکورہ بالا تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ:

۱...... موت اوّل سے حیات ثانی یعنی برزخی کی نفی پر دلیل نہ پکڑے۔

۲...... اجلّہ محدثین حنفی وشافعی مثلاً علامہ بدالدین عینی، علامہ ابن حجر عسقلانی، مولانا نورالحق محدث دہلوی، مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مولانا احمد علی محدث سہارن پوری، محدث زرقانی نے اس حدیث کا مطلب مراد اور توجیہ بیان کی ہے کوئی ذاتی رائے نہیں۔

۳...... ان حضرات نے کسی خاص محدث کا قول پیش نہیں کیا بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب بیان کیا۔

۴...... جو شخص حیات انبیاء کا قائل نہیں وہ اہل سنت والجماعۃ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا وہ معتزلہ کی جماعت کا فرد ہو سکتا ہے۔

۵...... اس عقیدہ سے انکار کرنے والا مذہب اہل السنۃ کو غلط قرار دیتا ہے۔ لہٰذا یہ بدترین گمراہ ہے۔

اب ہم وہ دلائل پیش کرتے ہیں جو علماء اور محدثین نے اس حیات دائمی کے سلسلے میں مختلف انداز سے پیش کئے ہیں۔ ان میں نماز باجماعت کا ذکر بھی آئے گا اور دوسرے امور کا تذکرہ بھی ہوگا۔

۱...... (زرقانی ج ۶ ص ۴۴) "وفی روایۃ عبدالرحمن بن ھاشم عن انس عند الطبرانی والبیھقی، ثم بعث لہ آدم فمن دون من الانبیاء فامھم تلک اللیلۃ ای جمعوا حولی عبر من ذالک بالنشر او المعنی اخرجوا من قبورھم عبر عنہ بالنشر تشبیھا لہ ببعثھم من قبورھم وسعیھم الی المحشر وحضورھم فیہ" یعنی انبیاء جمع ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے امامت کے فرائض انجام دیئے اور نماز باجماعت ادا ہوئی۔

۲...... (زرقانی ج ۶ ص ۵۲) "وحشر اللہ لہ المرسلین فصلی النبی بالملائکۃ والمرسلین"

۳...... (زرقانی ج۶ ص۵۲) ''ویحتمل الاجساد بارواحھا بان یکون اسری باجسادھم من قبورھم لملاقات النبی ﷺ تلک اللیلۃ تشریفا لہ وتکریما ویؤیدہ حدیث عبدالرحمن بن ھاشم عن انس بعث لہ آدم فمن دونہ من الانبیاء فامھم''

اس مقام پر سوچنے کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ اگر قبروں سے نکلتے تو قبریں پھٹ جاتیں لوگ دیکھتے پھر یہ کہ قبر سے نکل کر جانا پھر لوٹ کر قبر میں آنا مشکل ہے۔ کیونکہ میدان حشر میں جب لوگ قبروں سے اٹھ کر جائیں گے تو لوٹ کر قبروں میں نہیں آئیں گے اور اگر لوٹ کے پھر قبر میں آئیں تو یہ تیسری موت ہوگی جو ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ بات ناممکن ہے۔

اس کے جواب میں علامہ زرقانی فرماتے ہیں۔ (زرقانی ج۶ ص۷۳) ''وجوابہ کما انہ اذایتم ما قالہ لو کانت ارراحھم مفارقۃ لاجسادھم فی قبورھم لیس کذالک بل ھم احیاء فی قبورھم بحیاۃ حقیقیۃ یأکلون ویشربون ویتمتعون فیھا وخروجھم من القبور ومجیئھم لھا لیس الخروج المقتضی للبعث بہ ھو کخروج الانسان من منزلہ لحاجۃ یقتضیھا ویعود الیہ فلا یعد بذالک مفارقا لہ والذی یعد مفارقا بحیث لایعود الیہ بل یقوم للقیامۃ''

پھر اسی کے (ج۵ ص۳۳۵) پر فرماتے ہیں: ''وجعلوا من ادلۃ حیاتہ علی الدوام وان لاتفارقہ روحہ ابدا'' یعنی انہیں جب حیات دوام حاصل ہے اور حیات بھی حقیقی ہے تو ظاہر ہے کہ روح اور بدن ایک دوسرے سے جدا تو نہیں ہیں۔ لہٰذا قبروں سے ان کا نکلنا ایسا نہیں جیسے مردے کا جی اٹھنا بلکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی ضرورت کے تحت گھر سے نکلے اور کام کر کے گھر لوٹ آئے۔

۴...... (زرقانی ج۵ ص۳۳۲) ''ومنھا انہ حی فی قبرہ قال البیھقی لان الانبیاء بعد ما قبض رد الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم الی ان قال وکذالک الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون وروی ابویعلی والبیھقی عن انس ان النبی ﷺ قال الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون وروی احمد ومسلم والنسائی ان النبی ﷺ قال مررت علی موسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب وھو قائم یصلی فی قبرہ ولھذا قیل لاعدۃ علی ازواجہ لانہ حی فتزوجھن باقیۃ''

۵...... (شفاء السقام ص۲۰۲) امام سبکی فرماتے ہیں: ''وقد اجمع اھل السنۃ علی اثباۃ الحیاۃ فی القبر قال امام الحرمین فی الشامل اتفق سلف الامۃ علی اثبات عذاب القبر واحیاء الموتیٰ فی قبورھم ورد ارواحھم فی اجسادھم الی ان قال ان احیاء المکلفین فی القبر وسؤالھم جمیاً لاخلاف فیہ بین اھل السنۃ''

۶...... (ایضاً ص۲۰۳) ''العلم والسماع ھما مشروطتان بالحیاۃ قد وردت بھا الاخبار الصحیحہ فیجب التصدیق بھا ویقطع بان الحیاۃ تعود الی المیت اما انہ ھل یموت بعد ذالک موتۃ ثانیۃ لم یرو فی الاحادیث التصریح بذالک''

۷...... (نور الایمان ص۱۶ مولانا عبدالحلیم لکھنوی) ''وھو ﷺ احیاہ اللہ تعالیٰ بعد موتہ حیاۃ تامۃ واستمرت تلک الحیاۃ الی الآن وھی مستمرۃ فی المستقبل وشارکہ الانبیاء صلوات اللہ علیھم اجمعین وھو حی بالحیوۃ الکاملۃ مع الاستغناء عن الغذاء'' یعنی حضور ﷺ کی حیات تامہ ہے دائمی ہے نماز پڑھتے ہیں سلف امت

کا اس پر اجماع ہے اہل السنۃ میں سے کسی ایک نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا اور تعجب کی بات ہے کہ کچھ لوگ آج اس حقیقت کا انکار بھی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اہل السنۃ بھی کہتے ہیں۔

ایسے لوگوں کی صحیح حیثیت معلوم کر لینا ضروری امر ہے۔ چنانچہ علامہ سبکی نے کچھ وضاحت کی ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۳۰) ''من ادّعا ان قبر النبی ﷺ وغیرھم من المسلمین سواء فقد اتی امرا عظیما فقط ببطلانه و خطائه فیه و فیه حط لدرجة النبی ﷺ الی درجة من سواه من المسلمین و ذٰلک کفر متیقن فان من خط درجة النبی ﷺ عما علیه و یجب له فقد کفر''

۲...... (نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض ج ۱ ص ۳۱۶) ''وقد حرم اللہ جسده علی الارض و احیاه فی قبره کسائر الانبیاء و قد رأیت بعض الکتب ان السلف اختلفوا فی کفر من قال ان النبی ﷺ لما انتقلت روحه لملاء الاعلیٰ تغیر بدنه و روی ان وکیع بن جراح حدث عن اسماعیل بن ابی خالد ان رسول اللہ ﷺ لما توفی لم یدفن حتی ابابطنه و انثنی خنصره و اخضرت اظفاره لانه ﷺ توفی یوما لاثنین و ترکه لیلة الاربعاء لا شفالهم بامر الخلافة و اصلاح امر الامة و حکمته ان جماعة من الصحابة قالوا الم یمت فاراد اللہ ان یریهم آیة الموت فبه و لما حدث وکیع لهذا بمکة رفع الی الحاکم العثمانی فاراد صلبه علی خشبة لضبهاله خارج الحرام فشفع فیه سفیان بن عینیه و اطلقه ثم ندم علی ذالک ذهب وکیع الی المدینه فکتب الحاکم لاهلها اذا قدم الیکم فارجموه حتی یقتل فابرد له بعض الناس بریدا اخبره بذالک فرجع لکوفة خیفة من القتل و کان المفتی بقلته عبدالمجید بن رواد و قال سفیان لا یجب علیه القتل و انکر هذا الناس و قالوا راینا بعض الشهداء نقل من قبره بعد اربعین سنة فوجد رطبا و لم یتغیر منه شئ فکیف بسید الشهداء ﷺ و هذا زلة قبیحة لا ینبغی التحدث بها''

ان دو اقتباسات کا حاصل یہ ہے کہ:

۱...... جو شخص یہ کہے کہ انبیاء اور بقایا مخلوق موت کے بعد برابر ہیں یا موت کے بعد نبی کے بدن اور روح کا تعلق اور بقایا مخلوق کے بدن عنصری اور روح کے تعلق میں کوئی فرق نہیں۔

۲...... جو شخص یہ کہے کہ موت کے بعد انبیاء کے بدن متغیر ہو جاتے ہیں تو ایسے شخص کے متعلق دو حکم شرعی ہیں۔ اوّل یہ وہ شخص قطعی کافر ہو گیا۔ دوسرا یہ کہ وہ واجب القتل ہے۔ اس دوسرے حکم میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ آیا کفر اور قتل دونوں سزاؤں کا مستحق ہے یا صرف قتل ہی واجب ہے اور یہ دونوں اس بناء پر مترتب ہوئے کہ ایسے شخص نے نبی کی توہین کی۔ نبی کی کسی صفت کی توہین کفر ہے نبی کے لباس اس کے بال حتیٰ کہ اس کے جوتے کی توہین بھی کفر ہے۔

حیرت ہے کہ جو لوگ اتنی جرأت کر لیتے ہیں اور برملا کر لیتے ہیں کہ مرنے کے بعد نبی غیر نبی بلکہ مسلمان کافر سب ایک جیسے ہوتے ہیں بس مر گئے مٹی ہو گئے۔ (معاذ اللہ)

امام رازی نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: ''من اذی شعرة من شعر اتک او جزأ من نعلک اکفر'' (تفسیر کبیر ص ۴۲۳)

علامہ انور شاہ کشمیری نے (خزائن الاسرار ص ۱۹) میں حجاج بن یوسف کے کفر کے متعلق لکھا ہے: ''ولی

الکامل للمبرد ومما کفر به الفقهاء الحجاج انه رای الناس یطوفون حول حجرة رسول الله ﷺ فقال انما تطوفون باعواد و رمة قلت وانما کفروه بهذا لان فی هذا الکلام تکذیبا لرسول الله ﷺ نعوذ بالله من اعتقاد ذلک فانه صح عنه ﷺ قال ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ اخرجه ابو داؤد‘‘

یعنی حجاج نے ایک صحیح حدیث کی تکذیب کی تو فقہاء نے اس پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیا اور یہاں یہ عالم ہے کہ ایک چھوڑ کئی حدیثوں کا انکار ہی نہیں استہزاء بھی ہے اور اپنے آپ کو صرف معیاری مسلمان سمجھنے ہی پر کفایت نہیں کرتے بلکہ جو ان لوگوں کی طرح توہین انبیاء اور تکذیب حدیث کی جرأت نہ کر سکے اس کو کافر کہتے ہیں اور یہ شغل تکفیر آج کل جوبن پر ہے۔

آیئے کلیجے پر پتھر رکھ کر یہ منظر بھی دیکھ لیں: ان اصلی مسلمانوں اور ان سکہ بند اہل سنت کے ایک بزرگ نے ایک کتاب اربعین کے نام سے لکھی ہے اور اس میں چالیس حدیثیں جمع کی ہیں اور حدیث بیان کرنے کے بعد اپنے قلم کی جولانی کچھ اس انداز سے دکھاتے ہیں کہ: من چہ می سرایم وطنبورہ من چہ می سراید کا سماں نظر آتا ہے۔

۱...... (اربعین ص ۳۰) حیات انبیاء کا عقیدہ یہودیوں کا تھا مسلمان گویا ان کے تابع ہیں۔ اب پلٹ کے ان آیات احادیث اور فقہاء محدثین مفسرین کے بیان پڑھیے جنہوں نے صاف صاف لکھا ہے کہ حیات انبیاء کا عقیدہ اہل السنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ جھوٹ بولنے کا بھی سلیقہ ہوتا ہے۔ مگر جسے ہر حال بولنا ہی ہو وہ سلیقہ کی پرواہ کب کرتا ہے۔

۲...... (اربعین ص ۴۲) جس قبر کی پوجا کی جائے چاہے نبی کی ہو یا غیر نبی کی بمنزلہ بت کے ہے جیسے بت نہیں سنتا نہیں دیکھتا اور جواب نہیں دیتا ہے اسی طرح قبر میں دفن کئے گئے بزرگ۔ یہ بڑا اس لئے ماری کہ جو لوگ روضہ اطہر کے پاس جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں وہ بت پرست ہیں اور نبی کریم ﷺ کی قبر بت ہے اور نبی ﷺ بھی بت ہیں۔ (معاذ اللہ)

۳...... (مسالک العلماء ص ۹۷) موت کے بعد نبی، ولی، مومن، کافر کے ساتھ تعلق روح واتصال روح مساوی اور برابر ہے۔

۴...... (اربعین ص ۴۹) رسول خدا نے منع فرمایا کہ میری قبر پر (یعنی روضہ اطہر پر) حاضری نہ دینا اور نہ آنا۔

۵...... ذرا تفصیل درکار ہو تو (ندائے حق ص ۲۸۳، ۲۸۴) مطالعہ فرما لیجئے۔

۶...... (ندائے حق ص ۲۷۹) رد سلام سو وہ برحق ہے مگر قضیہ مطلقہ عامہ ہے وہ نہ دائمہ مطلق نہ ضرور یہ مطلقہ جس کا مطلب یہ ہے کہ رد سلام نہ ضروری ہے نہ دائمی ہے۔ ہاں! بالفعل ہے اور مشیت ایزدی پر موقوف ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں کہ رد سلام برحق کون سلام کا جواب دیتا ہے آپ کے بڑے بزرگ تو اربعین کے (ص ۴۲) پر فرما رہے ہیں کہ قبر میں دفن کئے ہوئے بزرگ (نبی ہو یا ولی) نہ سنتا ہے نہ جواب دیتا ہے۔ جھوٹے گواہ بھی شہادت دینے سے پہلے بیان ملا لیا کرتے ہیں کہیں اختلاف نہ ہو جائے اور مقدمہ ہار کر مادی نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ ان لوگوں سے سبق سیکھا ہوتا۔ مگر اس کی فکر وہ کرے جسے ایمان کی دولت کی قدر ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ نمائشی علم کے زور سے جہالت کا ریکارڈ مات کیا جا رہا ہے۔ جیسے کوئی جھوٹا آدمی چیخ چیخ کر بات کرتا ہے کہ اس کی آواز کی بلندی اس کے جھوٹ پر پردہ ڈال سکے اور وہ سچ معلوم ہو سکے منطق جاننے والے دنیا سے نابود نہیں ہو گئے۔

سنئے قضیہ مطلقہ عامہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ موضوع کو ہر سہ زمانوں میں سے کسی زمانہ میں حکم حاصل ہو جائے گا جیسے زید ضاحک بالفعل یعنی زید کو ماضی حال یا مستقبل میں سے کسی زمانہ میں ضحک حاصل ہو جائے گا تو نیلوی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نبی کریم ﷺ کے روضہ اطہر پر جا کر درود وسلام پڑھتے ہیں وہ فی الحال تو نبی کریم ﷺ نہیں سنتے۔ ہاں! کسی وقت سن لیں گے یعنی آواز زبان سے نکل رہی ہے اس وقت تو نہیں سنتے ہاں جب سنانے والا چپ ہو جائے گا تو سنیں گے یا پڑھنے والے سے پہلے ماضی میں سن لی ہو۔ جب اس نے درود وسلام پڑھا ہی نہیں تھا۔

معلوم ہوتا ہے نیلوی صاحب سائنس کی جدید ترین تحقیق سے بھی واقف ہیں کہ ہماری آواز یعنی ہر بات فضا میں گم نہیں ہو جاتی بلکہ ایتھر میں محفوظ ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے تحقیق جاری ہے کہ یہ محفوظ آوازیں ریکارڈ کرنے کا انتظام ہو جائے۔ اس تحقیق سے ہزاروں برس پہلے کی باتیں معلوم کی جا سکیں گی۔ بہر حال علم آخر علم ہی ہے منطق ہو یا سائنس اور کسی مقام پر ان کی سرحدیں مل جائیں تو بعید بھی نہیں۔

پھر نیلوی صاحب نے ایک قید اپنی طرف سے بڑھائی کہ مشیت ایزدی پر موقوف ہے۔ چلئے یہ تو درست ہے ہر کام مشیت ایزدی پر ہی موقف ہے۔ مگر مشیت ایزدی کو اپنی مشیت کا پابند کر دینا کون سی منطق ہے۔ آپ کی مشیت یہ ہے کہ اب نہ سنیں۔ پھر کبھی سنتے رہیں۔ اس لئے مشیت ایزدی بھی اسی طرح ہونی چاہئے کہ اب نہ سنیں۔ حدیث کے الفاظ سے تو قضیہ مطلقہ عامہ ہرگز نہیں بن سکتا۔ ہاں! پیوندکاری سے کام لیں تو اور بات ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں: ''من صلی علی عند قبری سمعتہ'' یہ مادہ قضیہ موجبہ کلیہ دائمہ مطلقہ میں ہے یا ضروریہ مطلقہ میں ہے مفہوم حدیث یہ ہے: ''کل من صلی علی عند قبری سمعتہ بالدوام او بالضرورۃ''

قضیہ ضروریہ مطلقہ وہ ہوتا ہے جس میں ثبوت محمول کا موضوع کے لئے ضروری جب ہے جب تک ذات موضوع کی متصف ہو وصف عنوانی موضوع سے جیسا کل انسان حیوان بالضرورۃ یعنی جب تک انسان وصف انسانیت سے موصوف ہے اس کے لئے حیوانیت ضروری ہے۔

اور دائمہ مطلقہ وہ ہوتا ہے جس کے لئے ثبوت محمول کا موضوع کے لئے دائمی ہو جیسا کہ: ''کل فلک متحرک بالدوام'' یعنی ہر فلک جب تک فلک ہے اس کے لئے حرکت دائمی ہے۔

تو حدیث کا مفہوم ظاہر ہو گیا کہ جب روضہ رسول ﷺ کے پاس کوئی درود پڑھتا ہے رسول خدا ﷺ سنتے ہیں اور ظاہر ہے کہ: ''لایخلوا ولا تذھب الوقت من الاوقات الا یصلی علیہ صلی اللہ علیہ وسلم بالدوام او بالضرورۃ'' اب بتائیے یہ قضیہ مطلقہ عامہ ہے یا دائمہ مطلقہ۔ اگر حضور اکرم ﷺ پر درود کسی کسی وقت پڑھا جاتا تو مطلقہ عامہ ہوتا۔ مگر جب صلوٰۃ وسلام حضور اکرم ﷺ پر ہر وقت پڑھا جاتا ہے تو سماع بھی ہر وقت ضروری اور دائمی ہے۔

کیوں صاحب منطق کے زور سے حدیث رسول ﷺ کا تمسخر اڑانا بھی کوئی منطق کی قسم ہے؟ آدمی درود وسلام اب پڑھ رہا ہے اور نیلوی صاحب کی منطق کے مطابق ممکن ہے۔ دس سال بعد نبی کریم ﷺ سنیں اور رد سلام برحق کا موقعہ خدا جانے کب آئے:

علم را برتن زنی مارے بود
علم را بر جاں زنی یارے بود

اولیاء اللہ کا بیداری میں انبیاء کرام علیہم السلام کی زیارت کرنا اور ہم کلام ہونا

یہ حقیقت قرآن وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہوگئی کہ بعد موت برزخ میں انبیائے کرام کی حیات تامہ ہوتی ہے دائمی ہوتی ہے اور بالکل ایسی جیسے دنیوی زندگی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ کھانے پینے اور اس سے متعلق دوسری ضروریات سے مستغنی ہوتی ہے۔ اس سے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ اولیاء کرام کو خرق عادت کے طور پر انبیائے کرام علیہم السلام کی زیارت بھی ہوسکتی ہے اور ان سے ہم کلام بھی ہوسکتے ہیں۔

آئندہ صفحات میں ایسے شواہد پیش کئے جائیں گے کہ معاملہ صرف ہوسکتے کا نہیں بلکہ واقعتاً ہوتے ہیں۔

۱...... (الحاوی للفتاوی علامہ سیوطی، تفسیر روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵) ''انہ علیہ السلام (ای عیسی بن مریم) یاخذ الاحکام من نبینا ﷺ شفاھا بعد نزولہ وھو ﷺ فی قبرہ الشریف وابد بحدیث ابی یعلی والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسی ابن مریم ثم لئن قام علی قبری وقال یامحمد لاجیبنہ'' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو حضور اکرم ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہوں گے۔ حضور ﷺ سے ہم کلام ہوں گے تو احکام لیں گے۔ حضور ﷺ جواب دیں گے اور بالمشافہ گفتگو ہوگی۔

۲...... (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵) ''وجوز ان یکون ذالک بالاجتماع معہ علیہ السلام روحانیۃ ولا بدع فی ذالک فقد وقعت رویتہ ﷺ بعد وفاتہ لغیر واحد من الکاملین من ھذہ الامۃ والاخذ منہ یقظۃ قال الشیخ سراج الدین بن الملقن فی طبقات الاولیاء قال الشیخ عبدالقادر الکیلانی قدس سرہ رأیت رسول اللہ ﷺ قبل الظھر فقال یابنی لم لا تکلم قلت یاابتاہ انا رجل اعجم کیف اتکلم علی فصحاء بغداد فقال افتح فاک ففتحتہ فتفل فیہ سبعا وقال تکلم علی الناس وادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ فصلیت الظھر وجلست وحضر فی خلق کثیر فارتج علیّ فرأیت علیا کرم اللہ وجھہ قال ما باراني فی المجلس فقال لی یا بنی لم لا تکلم قلت یا ابتاہ قد ارتج علیّ فقال افتح فاک ففتحتہ فتفل فیہ ستا فقلت لم لاتکملھا سبعا فقال ادبا لرسول اللہ ﷺ ثم تواری عنی''

یعنی یہ کوئی علمی بحث نہیں کہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔ بلکہ امر واقعہ ہے کہ شیخ عبدالقادر گیلانی بیان کرتے ہیں حضور ﷺ کی زیارت قبل ظہر ہوئی گفتگو بھی ہوئی۔

۳...... (ایضاً ج ۲۲ ص ۳۵) ''وقال ایضاً فی ترجمۃ الشیخ خلیفۃ بن موسی النھر ملکی کان کثیر الرویۃ لرسول اللہ ﷺ یقظۃ ومناما فکان یقال ان اکثر افعالہ یتلقاہ منہ ﷺ یقظۃ ومناما رواہ فی لیلۃ واحدۃ سبع عشرۃ مرۃ''

۴...... (ایضاً) ''وقال الشیخ تاج الدین بن عطاءاللہ فی لطائف المنن قال رجل للشیخ ابی العباس المرسی یا سیدی صافحنی بکفک ھذہ لقیت رجالا وبلادا فقال واللہ ما صافحت بکفی ھذہ الا رسول اللہ ﷺ ثم قال الشیخ لو حجب عنی رسول اللہ ﷺ طرفۃ عین ما عدرت نفسی من المسلمین ومثل ھذہ النقول کثیر من کتب القوم جدا''

۵...... (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۶) ''اخرج البخاری واخرج ابوداؤد ومسلم عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من رأنی فی المنام فسیرانی فی الیقظۃ ولا یتمثل الشیطان بی واخرج الطبرانی مثلہ واخرج

الدارمی مثلہ من حدیث ابی قتادۃ وقال ھذا الحدیث یدل علی ان من یراہ ﷺ فی النوم فسیراہ فی الیقظۃ الی ان قال وقد ذکر من السلف والخلف وھلم جرا فمن کانوا رأوہ ﷺ فی النوم وکانوا ممن یصدقون بھذا الحدیث فراوہ بعد ذالک فی الیقظۃ وسالوہ عن اشیاء کانوا امنھا متشوشین فاخبرھم بتصریحھا ونص لھم علی الوجوہ التی منھا یکون فرجھا فجاء الامر کذالک بلا زیادۃ ولا نقصان''

یعنی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا اور سلف وخلف میں اس حدیث کے عملاً تصدیق کرنے والے بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت کی اور بعض ایسے مسائل پوچھے جن کے متعلق انہیں تشویش تھی۔

۶...... (روح المعانی ج ۲۲ ص ۴۰ بحوالہ امام غزالیؒ) ''ثم انھم وھم فی یقظۃ انھم یشاھدون للملائکۃ وارواح الانبیاء ویسمعون الکلام منھم واصواتا وتقتسبون منھم فوائد ثم یترقی الحال من مشاھدۃ الصور والامثال ابی درجات یضیق منھا نطاق النطق الی ان قال اذا حصل للانسان طہارۃ النفس وتزکیۃ القلب وقطع العلائق وحسم مادۃ الباب الدنیا من الجاہ والمال والخلطۃ بالجنس والاقبال علی اللہ تعالٰی بالکلیۃ علما دائما وعملاً مستمراً کشفت لہ القلوب ورأی الملائکۃ وسمع کلامھم واطلع علی ارواح الانبیاء والملائکۃ وسماع کلامھم ممکن للمؤمن وعقوبۃ للکافر والظاھر من کلامھم ان الاجتماع بھم والاخذ منھم لایکون الا للکاملین ذی النفوس القدسیۃ''

یعنی یہ مشاہدہ ممکن ہے ہاں تزکیہ قلب، قطع علائق اور علماً وعملاً ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف قلبی توجہ رہنے سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔

۷...... (المنقذ من الضلال ص ۵۰) ''ومن اول الطریقۃ تبتدا المشاھدات والمکاشفات حتی انھم فی الیقظۃ یشاھدون الملائکۃ وارواح الانبیاء ویسمعون منھم اصواتا ویقتسبون منھم فوائد''

۸...... (ایضا ص ۵۹) ''قال الشیخ الکبیر لو حجب عنی رسول اللہ طرفۃ عین ما عددت نفسی مرد المؤحدین''

۹...... (مقدمہ المنقذ من الضلال) ''وقال سیدی الشیخ محمد ابو المواھب الشاذلی رأیت رسول اللہ ﷺ فقال لی عن نفسہ لست بمیت وانما موتی عبارۃ عن تستری عمن لا یفقہ عن اللہ تعالٰی واما من یفقہ من اللہ تعالٰی فھا انا اراہ ویرانی'' یعنی شیخ شاذلی نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں مردہ نہیں ہوں میری موت کا مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے فہم وبصیرت عطا نہیں فرمائی ورنہ اہل فہم وبصیرت تو مجھے دیکھتے ہیں اور میں انہیں دیکھتا ہوں۔ یعنی باہمی ملاقات ہوتی ہے۔

۱۰...... علامہ شعرانی نے (طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۷۵) میں شیخ کا قول بعینہٖ انہی الفاظ میں بیان فرمایا۔

۱۱...... (طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۷۳) شیخ شاذلی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وکان رضی اللہ عنہ کثیر الرؤیا لرسول اللہ ﷺ وکان یقول قلت لرسول اللہ ﷺ ان الناس یکذبوننی فی صحت رؤیتی لک فقال رسول اللہ عزت اللہ عظمتہ من لم یؤمن بھا او کذبک فیھا لا یموت الا یھودیا او نصرانیا او مجوسیا''

۱۲...... (ایضا ج ۲ ص ۷۵) شیخ شاذلی کے متعلق لکھتے ہیں: ''کان یقول تفل رسول اللہ فی فمی فقلت یا رسول اللہ ما فائدۃ ھذا التفل فقال لا تتفل بعدھا علی مریض الا ویبرأ''

صاحب روح المعانی کاملین کے مذکورہ بالا واقعات بیان کرنے کے بعد ایک بات لکھ گئے ہیں: ''ثم انی اقول بعد ھذا کلہ ان ما نسب الی بعض الکاملین من ارباب الاحوال من رؤیۃ النبی ﷺ بعد وفاتہ و سوالہ والاخذ عنہ لم نعلم وقوع مثلہ فی الصدر الاوّل الخ'' (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۸،۳۹)

یعنی جو کچھ صوفیہ کاملین کی طرف منسوب ہے کہ بیداری میں زیارت رسول ﷺ ہونا، ان سے ہم کلام ہونا، ان سے مسائل پوچھنا وغیرہ۔ اس قسم کی باتوں کا ثبوت دور صحابہ میں نہیں ملتا۔ ظاہر ہے کہ سلاسل اربعہ کی انتہاء حضرت صدیق اکبر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ہوتی ہے۔ ان سے یہ چیز عمومی طور پر منقول نہیں۔

یہاں ایک سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ پھر اس کیوں؟ کی دو قسمیں ہیں: اوّل یہ کہ اس تفاوت میں حکمت کیا ہے؟ تو اس کا تفصیلی جواب ہماری کتاب دلائل السلوک میں چھٹے اعتراض کے جواب میں (ص ۱۹۳ تا ۲۰۰) مطالعہ کیا جائے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ جب دور صحابہ میں ایسا نہیں ہوا تو صوفیہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ غلط ہے اور ناممکن ہے۔ ''کیوں'' کی یہ قسم ان لوگوں کی زبان پر آتی ہے جو یا تو تصوف وسلوک اور اولیاء اللہ کے مقام ومرتبہ کے منکر ہیں یا وہ لوگ کہتے ہیں جو منکر تو نہیں مگر خود اس نعمت سے محروم ہیں۔ اس لئے ان کی انا کو ٹھیس لگتی ہے یا وہ لوگ کہتے ہیں جن کو قرآن وحدیث کا علم نہیں اور اصول سے ناواقف ہیں۔

ایسے لوگوں کے لئے جواب یہ ہے کہ:

۱...... جیسے فقہ میں ہر مسئلہ کی ہر جزئی نص سے ثابت کرنا محال ہے اسی طرح معاملہ یہاں بھی ہے۔ اس لئے صرف یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی کوئی اصل ہے یا نہیں۔ جب اصل ہے تو جواز ثابت ہو گیا۔ ''اذا جاء النقل ذھب العقل'' جب شرعی اصل مل جائے تو عقلی موشگافیاں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔

روح سے کلام ہونا، عذاب وثواب کا معلوم ہونا، ملائکہ کو دیکھنا ان سے کلام کرنا، روح سے فیض ملنا وغیرہ۔ ایسی باتیں ہیں کہ کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ اصولی طور پر تو ایک حدیث معراج ہی تمام مسائل کے جواب میں کافی ہے۔

۲...... کاملین صوفیہ نے اپنے متعلق جو بیان کیا ہے یا جن اکابر علماء نے ان کے متعلق حالات بیان کئے ہیں۔ ان کو ناقابل تسلیم خیال کرنا صرف اسی شخص کا کام ہے جو ان حضرات کے تعلق باللہ سے ناواقف ہے اور ان واقعات کو افسانوی حیثیت صرف وہی دے سکتا ہے جو نرا ادیب ہو اور بس۔

طبقات الکبریٰ میں علامہ شعرانی نے شیخ ابوعثمان ولی اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''ومن العباد من تولی اللہ تربیتہ بنفسہ بغیر واسطۃ ومنھم من تولاہ بواسطۃ بعض اولیائہ ولو میت فی قبرہ فیربی مریدہ وھو فی قبرہ ویسمع مریدہ صوتہ من القبر ومن عباد اللہ یتولا اللہ تربیۃ النبی ﷺ بنفسہ من غیر واسطۃ بکثرۃ صلوتھم علیہ ﷺ وکان رضی اللہ عنہ یقول سمعت شیخنا ابا عثمان یقول بالدرس علی رؤس الاشھاد لعن اللہ من انکر علی ھذا الطریق ومن کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلیقل لعنۃ اللہ علیہ وکان یقول من اعترض علی ھذا الطریق لا یفلح ابدا وسمعت شیخنا ابا عثمان یقول انھما جاءت الم نشرح لک صدرک من بعد واما بنعمۃ ربک فحدث اشارۃ الی ان من حدث بالنعمۃ فقد شرح اللہ صدرہ کانہ یقول تعالٰی اذا حدثت بنعمتی ونشرتھا فقد شرحت صدرک'' (طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۷۲)

۳...... (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۶۶) حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے خوردسالہ بچوں کا خیال آیا۔ پدری شفقت نے جوش مارا دل میں صدمہ ہوا تو اسی وقت جناب رسول کریم ﷺ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں: ''تو کاہے کا فکر کرے ہے جیسے تیری اولاد ویسے میری اولاد'' آپ کو اطمینان ہو گیا۔

۴...... (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۹۷) بندہ کو آنکھیں بند کرنے کی حاجت نہیں ہے میرا حاجی یعنی حاجی امداد اللہ صاحب کے ساتھ برسوں یہ تعلق رہا ہے کہ بغیر آپ کی اجازت اور مشورہ کے میری نشست و برخاست نہیں ہوئی۔ حالانکہ حاجی صاحب مکہ میں تھے اور اس کے بعد جناب رسول خدا ﷺ کے ساتھ یہی تعلق رہا۔ یعنی بغیر آپ کے حکم کے کوئی کام نہ کرتا تھا۔

۵...... (جذب القلوب ص ۲۲۳ و القول البدیع ص ۱۷۳) ایک ولی اللہ کا واقعہ درج ہے کہ ان پر قرض ہو گیا۔ ادا نہ ہو سکا تو قرض خواہ نے قاضی کی عدالت میں دعویٰ کر دیا۔ قاضی نے حکم دے دیا کہ فلاں تاریخ کو رقم عدالت میں پیش کرو۔ تین ہزار دینار کی رقم تھی۔ ولی اللہ سخت پریشان ہوا۔ اس حالت پریشانی میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ علی بن عیسیٰ وزیر کے پاس جاؤ۔ میرا اسلام کہو اور کہو کہ رسول خدا نے فرمایا کہ یہ رقم دے دے۔ دل میں خیال آیا کہ وزیر میری بات کیسے مان لے گا۔ دوسرے دن بھی حضور ﷺ نے یہی فرمایا۔ تیسرے دن فرمایا کہ وزیر کو یہ کہنا کہ تم ہمیشہ بعد نماز فجر طلوع آفتاب سے پہلے پانچ ہزار بار درود شریف حضور اکرم ﷺ پر بھیجتے ہو۔ اس کا علم اس کے بغیر کسی کو نہیں۔ جب وہ ولی اللہ وزیر کے دروازے پر پہنچا وزیر کو پیغام دیا تو کہا: مرحبا برسول اللہ ﷺ! بعد ازاں سہ ہزار دینار برمن بیاوردہ وگفت ایں را در قضائے دین خود بدہ و سہ ہزار دیگر آورد گفت ایں را نفقہ عیال خود کن و سہ ہزار دیگر داد کہ ایں را سرمایہ تجارت خود کن ومرا سوگند داد کہ رابطہ مودت از من قطع نہ کنی۔

اس قسم کے ہزاروں واقعات تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ مگر: نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

ان حقائق کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جس کا ذہن مادیات سے آگے کچھ سوچ نہ سکتا ہو اور جس کی نگاہ مادیت سے ماوراء کچھ دیکھ نہ سکتی ہو اور جس کا قلب مادیات کی دلدل میں پھنس کر روح کی قوت اور اس کی وسعت سے آشنا نہ ہو سکا ہو۔

صفیر شاہبازاں کم شناسد | کہ گوشش باطنین پشہ خو کرد

کیونکہ

کر گساں را رسم و آئیں دیگر است | سطوت پرواز شاہیں دیگر است

''ان عقیدۃ سماع الموتی واجب لان سماع الموتی ثبت بالاجماع و کل حکم یثبت بالاجماع الایمان بہ واجب ھذا عقیدۃ سماع الموتی واجب الایمان بحیاۃ الانبیاء واجب لان حیاتھم تثبت بالاجماع والتواتر و کل شیء یثبت بالاجماع والتواتر فالایمان بہ واجب لھذا الایمان بحیاۃ الانبیاء واجب الانکار بحیاۃ الانبیاء کفر لان حیاتھم ثبتت بالاجماع والتواتر و کل حکم یثبت بالاجماع والتواتر فانکارہ کفر۔ لھذا انکار حیاۃ الانبیاء کفر کما قال مولانا ادریس کاندھلوی فی درس البخاری والترمذی و کما فی نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض فی الجلد الاول''

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

القول المشہور فی

احوال القبور

از افادات:

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

تالیف:

مولانا بشیر احمد نقشبندی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

ان کے آگے پردہ ہے اس دن تک جب اٹھائے جائیں

القول المشہور فی

احوال القبور

تالیف
بشیر احمد نقشبندی

از افادات
پیر حقیقت
اللہ یار خان

حنیفہ اکیڈمی
مکتبہ صدیقیہ نور محل روڈ
بہاولپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

مولانا بشیر احمد نقشبندی

آپ لودھراں کے علاقہ کے تھے۔ معروف نحوی استاذ حضرت مولانا غلام رسول پونٹوی رحمہ اللہ کے شاگرد اور خوب ذی استعداد استاذ تھے۔ جامعہ دارالعلوم مدنیہ بہاولپور میں مدرس بھی رہے۔ آپ مولانا اللہ یار خان چکڑالوی رحمہ اللہ کے مرید تھے۔ حاصلپور ضلع بہاولپور میں خطیب بھی رہے۔ آپ نے "القول المشہور فی احوال القبور" نامی رسالہ لکھا جو حضرت مولانا اللہ یار خان چکڑالوی کے افادات پر مشتمل تھا۔ اس کو بھی اس مجموعہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش نظر رسالہ مسئلہ حیات النبی ﷺ اور سماع موتی کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔ مؤلف رسالہ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب نقشبندی زید مجدہ نے قوی دلائل سے ان مسائل کو ثابت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی مشکور فرمائے۔ اور اس رسالہ کو شرف قبولیت سے نوازے۔

جماعت دین پور شریف حیات النبی ﷺ کے بارے وہی عقیدہ رکھتی ہے، جو اسلاف دیوبند حضرات کا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس عقیدے پر قائم ودائم رکھے۔ آمین! مسعود عفی عنہ

دین پور شریف

۳ر جمادی الاوّل ۱۴۱۴ھ

❖❖❖

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

پیش نظر رسالہ مسئلہ حیات النبی ﷺ اور سماع موتی کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔ مؤلف رسالہ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب نقشبندی زید مجدہ نے قوی دلائل سے ان مسائل کو ثابت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی مشکور فرمائے۔ اور اس رسالہ کو شرف قبولیت سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عقیدہ پر زندہ رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ بروز حشر حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے سرفراز فرمائے۔ احقر نفیس الحسینی

حال وارد خانقاہ شریف بہاول پور

۱۵ر ربیع الاوّل ۱۴۱۴ھ

❖❖❖

انتساب

اس تالیف کی نسبت میں اپنے عظیم المرتبت، رہبر شریعت کے نام کرتا ہوں جن سے میں نے روحانی وایمانی راہبری حاصل کی۔ آپ شریعت کے احکام وعلوم کے روشن مینار حضرت مولانا اللہ یار خان ﷫ نقشبندی اویسی تھے۔ آپ شہر چکڑالہ (ضلع میانوالی) کے رہنے والے تھے۔ خدا تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

آج کے مادی دور نے انسان کو جہاں بہت زیادہ سہولیات سے نوازا ہے وہاں اس نے بہت سے فتنوں کو بھی جنم دیا ہے۔ نت نئے فتنے عوام الناس کو گمراہ کرنے کے در پے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علم دین میں لوگوں کی دل چسپی روز بروز کم ہو رہی ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں علمائے کرام پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کہ وہ ان چیلنجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔

آج کل سماع موتی کے متعلق بعض حضرات بالخصوص منکرین حیات کے درج ذیل چار قسم کے نئے عقائد کو رواج دینے کی کوشش میں ہیں۔

(۱) سماع موتی کا انکار: ان کا خیال ہے کہ اس دار فانی سے رخصت کے بعد مردوں میں سننے اور دیکھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔

(۲) حیات قبر کا انکار: یعنی اس ظاہری قبر میں زندگی کا وجود ناممکن ہے۔

(۳) عذاب قبر کا انکار: یہ لوگ کہتے ہیں کہ عذاب وثواب اس قبر (گڑھے) میں نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق علیین یا سجین سے ہے۔

(۴) قبر کا انکار: ان کا کہنا ہے کہ قبر یہ نہیں جو کہ زمین پر گڑھا بنایا جاتا ہے اور جس میں انسان کو دفن کیا جاتا ہے۔ بلکہ قبر سے مراد علیین یا سجین ہے۔

میں نے اپنی بساط واستعداد کے مطابق اس کتاب میں نہایت سادہ زبان میں واضح کر دیا ہے کہ قرآن واحادیث کی روشنی میں اور صحابہ کرام وفقہائے امت کے حوالے سے مندرجہ بالا چاروں قسم کے عقائد سراسر غلط ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فتنوں سے محفوظ فرمائے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! بشیر احمد نقشبندی

***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عالم برزخ کے اصول

"قال اللہ تعالٰی، حتّی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلّی اعمل صالحا فیما ترکت کلّا انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورآئھم برزخ الی یوم یبعثون (مومنون: ۹۹، ۱۰۰)" یعنی یہاں تک کہ جب پہنچے گی ان میں سے کسی کو موت کہے گا اے میرے رب مجھ کو پھر بھیج دے (دنیا میں) شاید میں کچھ نیک عمل کرلوں، اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ ہرگز نہیں! یہ ایک بات ہے کہ وہی کہتا ہے اور ان کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں۔

"عن مسروق قال ساء لنا عبداللہ ابن مسعود عن ھذا الآیت ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون، فقال ارواحھم فی اجواف طیر خضر لھا قنادیل معلقۃ بالعرش تسرح یعنی تسیر و ترعٰی من حیث شاءت ثم تاوی الی تلک القنادیل" یعنی حضرت مسروق سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں ہم نے سوال کیا ابن مسعود سے اس آیت کے متعلق "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا...." "آپ نے فرمایا ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں۔ ان کے لیے جنت میں عرش کے نیچے قندیل لٹکے ہوئے ہیں۔ جنت میں سیر کرتی ہیں اور چرتی ہیں جہاں چاہتی ہیں۔ اس کے بعد ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں۔ (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۳۰)

"قال رسول اللہ ﷺ ان ارواح المؤمنین فی طیر خضر تعلق یعنی ترعٰی بشجر الجنۃ..." پیغمبر ﷺ نے فرمایا مؤمنین کی روحیں سبز پرندوں میں چرتی ہیں جنت کے درختوں میں۔ (رواہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۳)

فائدہ جلیلہ: ان دونوں آیتوں میں انعام روحانی کا ذکر ہے۔ اور حدیثوں میں انعام جسمانی کا ذکر ہے جن کا بیان آگے آرہا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ برزخ صرف روح کے لیے ہے۔ حالانکہ روح جنت میں سیر کرتی ہے اور چرتی ہے۔

اصل نمبر ۱: برزخ کی تعریف اہل لغت کے نزدیک اجمالاً "البرزخ الحاجز والحد بین الشئین" یعنی برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ ہے۔ (مفردات امام راغب ص ۴۲)

"ویقال ما بین الدنیا والآخرۃ من وقت الموت الی البعث فمن مات دخل البرزخ" ترجمہ: اور یہ کہا جاتا ہے کہ برزخ اس زمان اور مکان پر مشتمل ہے جو موت کے وقت سے لے کر حشر تک ہے۔ پس جو شخص مرگیا وہ برزخ میں داخل ہوگیا۔ (صراح)

برزخ کی شرعی حیثیت

"البرزخ علٰی للغۃ القسام مکان وزمان وحال فالمکان من القبر الی علیین تعمرہ ارواح السعداء ومن القبر الی سجین تعمرہ ارواح الاشقیاء اما الزمان وھو مدۃ بقاء الخلق فیہ من اوّل من مات ویموت ۔

الجن و الانس الی یوم یبعثون و اما الحال فاما منعمة و اما معذبة او محبوسة حتی تخلص بالسوال من الملکین " ترجمہ: برزخ تین چیزوں سے عبارت ہے، مکان، زمان وحال۔ پس مکان قبر سے علیین تک جسے نیک روحیں آباد کرتی ہیں اور قبر سے سجین تک جسے بدکار لوگوں کی روحیں آباد کرتی ہیں اور زمان اس میں مخلوق کی بقا کی مدت جو کسی جن یا انسان کے مرنے سے شروع ہو کر اس وقت تک ہے جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا اور رہا حال وہ انعام یافتہ ہوگا یا عذاب دیا جائے گا یا بند کیا جائے گا حتیٰ کہ سوال و جواب نکیرین سے خلاصی پائے گا۔

(الحاوی للفتاوی ص ۲۷ علامہ سیوطی)

اصل نمبر ۲: قبر کی تعریف اہل لغت کے نزدیک: "القبر مقرّ المیت" یعنی قبر میت کے قرار کی جگہ ہے۔

(مفردات امام راغب)

"قال اللہ تعالی: ثم اماته فاقبره قیل معناه الھم کیف یدفن" ترجمہ: فرمان باری تعالیٰ ہے "ثم اماته فاقبره" اس کے معنی ہیں کہ اللہ نے انسان کو الہام کیا کہ کیسے دفن کرے۔ (مفردات)

"القبر گور و در گور کردن مقبرہ بالفتح والضم گورستان" (صراح)

ترجمہ: قبر کے معنی گڑھا اور گڑھے میں دفن کرنا ہے اور مقبرہ بہ فتح میم یا بہ ضمہ میم قبرستان کو کہتے ہیں۔

قبر کی تعریف علماء مفسرین کے نزدیک

۱...... امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں "ثم اماته فاقبره" کے تحت فرماتے ہیں: "فلم یقل فقبره لان القابر ھو الدافن بیده و المقبر ھو اللہ تعالی یقال قبر المیت اذا دفنه و اقبر المیت اذا امر غیره بان یجعله فی القبره" ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے "قبرہ" نہیں فرمایا بلکہ "فاقبرہ" فرمایا کیونکہ "قابر" وہ ہوتا ہے جو اپنے ہاتھوں سے دفن کرے اور "اقبر المیت" اس وقت کہا جاتا ہے جب دوسروں کو دفن کرنے کا حکم کرے۔

۲...... صاحب روح المعانی (ج ۳۰ ص ۴۴) میں فرماتے ہیں: "قال اللہ تعالی ثم اماته فاقبره ای جعله ذا قبر تواری فیه جیفته تکرمة له و لم یجعله مطروحاً علی الارض یتقذر من یراه و تقسمه السباع و الطیر اذا ظفرت کسائر الحیوان یقال قبر المیت اذا دفنه بیده و اقبر المیت اذا امر غیره بدفنه" ترجمہ: قول باری تعالیٰ "ثم اماته فاقبره" یعنی اس کو صاحب قبر کیا، جس میں میت کی نعش کو چھپا دیا جاتا ہے اس کے اکرام کی خاطر اور اسے زمین پر نہیں پھینک دیا گیا کہ اس طرح جو دیکھے برا محسوس کرے اور پرندے و درندے جب اسے پائیں تو اسے نوچ نوچ کر کھائیں جیسا کہ دوسرے حیوانوں سے کرتے ہیں "قبر المیت" اس وقت کہا جاتا ہے۔ جب اسے اپنے ہاتھوں سے دفن کرے اور "اقبر المیت" اس وقت کہا جاتا ہے جب اسے دفن کرنے کا حکم کرے۔

۳...... صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: "قال اللہ تعالی و لا تقم علی قبره و المراد و لا تقف عند قبره للدفن او الزیارة و القبر فی المشھور مدفن المیت و یکون بمعنی الدفن" ترجمہ: فرمان باری تعالیٰ ہے "ولا تقم علی قبره" اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس کی قبر کے پاس دفن کرنے یا زیارت کے لئے مت کھڑے ہوں۔ قبر کا مشہور مفہوم ہے کہ میت کو دفن کرنے کی جگہ اور دفن کرنے کے معنی بھی ہیں۔

فائدہ جلیلہ: برزخ و قبر کی تعریف سے وضاحت ہو گئی کہ برزخ قبر سے شروع ہوتی ہے علیین اور سجین تک اور قبر برزخ میں داخل ہے۔ اس وضاحت سے ان لوگوں کی تردید ہو گئی جو کہتے ہیں کہ علیین اور سجین صرف برزخ ہے اور قبر برزخ سے علیحدہ ہے اور قبر کا تعلق برزخ سے نہیں۔ صاحب اقوال مرضیہ محمد امیر بندیالوی لکھتے ہیں کہ حیات روحانی ہے نہ کہ دنیاوی بالاجساد۔ (اقوال مرضیہ ص ۲۷)

یعنی برزخ صرف وہ ہے جہاں روح رہتی یعنی علیین یا سجین اور یہ قبر برزخ سے خارج ہے۔ گویا ان کے نزدیک برزخ تنگ دائرہ ہے۔ حالانکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں برزخ وسیع دائرہ ہے قبر سے لے کر علیین یا سجین تک نہ کہ صرف علیین یا سجین برزخ ہے۔ منکرین حیات کا عقیدہ برزخ کے بارے میں اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے رذیل عقیدے سے محفوظ رکھے۔ (آمین ثم آمین)

اب قبر کے بارے میں ان کا عقیدہ سنیں ان کے محقق محمد حسین نیلوی القول المرضی میں لکھتے ہیں کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے کہ دنیا و آخرت میں واسطہ ہے۔ مراد یہاں مدفن نہیں۔ پھر (ص ۱۰۸) پر لکھتے ہیں کہ اس سجین اور علیین کو عالم قبر کہتے ہیں۔ حالانکہ علماء اہل لغت اور علماء مفسرین اور علماء محدثین اور علماء صوفیاء سب کہتے ہیں کہ قبر میت کے دفن ہونے کی جگہ ہے اور قبر کے معنی دفن کرنا ہے۔ دفن میت ہوتی یا روح؟ ظاہر ہے کہ جس کو ہم دفن کرتے ہیں وہ میت ہے نہ کہ روح۔ یہ عقیدہ ہے اہل سنت و جماعت کا۔ اللہ تعالیٰ اس عقیدے پر قائم و دائم رکھے۔ (آمین ثم آمین)

منکرین حیات صرف برزخ اور قبر کے منکر نہیں بلکہ پانچ اصولوں کے منکر ہیں: (۱) برزخ کا انکار، (۲) قبر کا انکار، (۳) حیات میت قبر کا انکار، (۴) عذاب و انعام قبر کا انکار، (۵) سماع میت کا انکار۔

برزخ اور قبر کی وضاحت ہو چکی ہے۔ حیات میت، عذاب و انعام قبر، سماع میت ان تینوں کی اب وضاحت کی جائے گی۔ ان شاء اللہ!

اگر منکرین حیات سے مناظرہ کریں تو پہلے برزخ پر بحث کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ نہیں دکھا سکتے کہ برزخ صرف علیین یا سجین ہے۔ پھر مناظرہ کریں قبر پر وہ نہیں دکھا سکتے کہ قبر علیین یا سجین ہے۔ لہٰذا اس ترتیب کے ساتھ مناظرہ کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ مار کھا جائیں گے۔

احادیث نبوی ﷺ میں قبر کی تعریف

حدیث نمبر ۱: "عن عائشة صديقة قالت قال رسول الله ﷺ لعن الله اليهود و النصارى اتخذوا قبور انبياءهم مساجد" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۷)

فائدہ جلیلہ: ظاہر ہے کہ یہود اور نصاریٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے جو زمین پر موجود تھیں۔ علیین میں قبروں کو سجدہ کرنے کے لئے جانا بھلا کب ان کے بس کا روگ تھا۔ لہٰذا جو اس قبر کا منکر ہے وہ اس حدیث کا منکر ہے۔ اللہ تعالیٰ انکار حدیث سے بچائے۔ آمین ثم آمین!

حدیث نمبر ۲: "نهى رسول الله ﷺ ان يقعد على القبر و ان يجصص و يبنى عليه رواه ابو داؤد باب

بناء علی القبور "یعنی رسول اللہ ﷺ نے قبر پر بیٹھنے سے اور اسے پختہ کرنے سے اور اس پر قبہ بنانے سے منع فرمایا۔ (بحوالہ مشکوٰۃ مترجم ج۱ ص۳۲۶)

فائدہ: جلیلہ: قبر پر بیٹھنا اسے چونے گچ کرنا یا اس پر قبہ بنانا کوئی علیین میں تو جا نہیں سکتا۔ حالانکہ آپ نے منع فرمایا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہی قبر ہے جو زمین میں کھودی جاتی ہے گویا منکرین حیات اس حدیث کے منکر ہوئے جب کہ وہ کہتے ہیں قبر علیین یا سجین ہے۔

حدیث نمبر ۳: "عن عمرو بن حزم قال رآنی النبی ﷺ متکئاً علی قبر فقال لا تؤذ صاحب هذا القبر "یعنی عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے دیکھا تو فرمایا کہ صاحب قبر کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۴۹)

فائدہ: قبر پر تکیہ لگا کر بیٹھنا یہ دنیا میں ہوسکتا ہے نہ کہ علیین یا سجین میں۔ منکرین حیات اس حدیث کے منکر ہیں۔ بیشمار حدیثیں ہیں کہ حضور ﷺ نے اسی دنیا کی قبر کو قبر فرمایا ہے۔ ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملتی کہ آپ نے فرمایا ہو کہ قبر علیین ہے یا سجین۔ یہ منکرین حیات کی اپنی اصطلاح ہے کہ قبر علیین ہے یا سجین۔ اللہ تعالیٰ ایسے رذیل عقیدے سے محفوظ فرمائے۔ آمین ثم آمین!

اصل نمبر ۳: اعادہ روح کا محل قبر ہے۔

حدیث نمبر ۱: "ویعاد روحه فی جسده ویاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان من ربک فیقول هاه هاه لاادری الخ "یعنی پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے جس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں تیرا رب کون ہے وہ جواب دیتا ہے افسوس افسوس امیں نہیں جانتا۔ یہ حدیث کافر کے بارے میں ہے۔ (مشکوٰۃ شریف باب اثبات عذاب القبر ص ۱۴۲)

حدیث نمبر ۲: "فیقول اللہ عزوجل اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوه الی الارض فانی منها خلقتهم وفیها اعیدهم ومنها اخرجهم تارة اخری قال تعاد روحه فی جسده فیاتیه ملکان فیقولان له من ربک۔ الخ" (مشکوٰۃ شریف ج۱ ص ۱۴۲)

یعنی یہاں تک کہ مومن کی روح کو ساتویں آسمان تک پہنچایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کا نام اور اعمال علیین میں درج کردو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے اسے زمین سے پیدا کیا اور اسی میں لوٹا دوں گا اور اسی میں سے دوبارہ اسے اٹھاؤں گا۔ پس اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ یہ حدیث مومن کے بارے میں ہے۔ ان دو حدیثوں سے چند امور ثابت ہوتے ہیں:

۱...... علیین سجین دفتر اعمال ہیں۔

۲...... روح کو جسم میں لوٹایا جاتا ہے ظاہر ہے کہ جسم زمین پر ہے اور قبر میں ہے نہ کہ علیین یا سجین میں۔

۳...... اس اعادہ کے بعد جسم مع الروح کو بٹھایا جاتا ہے اور فرشتے سوال کرتے ہیں۔ حدیث کی حیثیت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم سمیت تمام محدثین کرام اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں اور اس کی سند کے تمام راویوں سے

احتجاج کرتے ہیں کسی راوی کو مجروح نہیں کہا اور تمام محدثین نے ثواب اور عذاب قبر اور دیگر اہم مسائل قبر کے بارے میں احادیث کو حجت اور دلیل تسلیم کیا ہے۔ منکرین حیات اعادہ روح کے انکار کی وجہ سے احادیث صحیحہ متواترہ کے منکر ہوتے ہیں۔ حدیث صحیح متواتر کا انکار کفر ہے۔ آگے ان شاء اللہ العزیز بیان آئے گا۔

اصل نمبر ۴: اعادہ روح پر پوری امت کا اجماع ہے۔

۱...... امام سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث میں اعادہ روح جسم کی طرف کی تصریح ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۹۸)

۲...... علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث نص صریح ہے کہ اعادہ روح کا بدن کی طرف۔ (کتاب الروح ص ۵۲)

۳...... مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ صاحب نبراس فرماتے ہیں احادیث اعادہ روح پر صحیحہ ناطقہ ہیں۔ (نبراس ص ۳۲۲)

۴...... علامہ سیوطی رحمہ اللہ (شرح الصدور ص ۶۰) پر لکھتے ہیں: ''ان الاحادیث مصرحة باعادة الروح الی البدن عندالسوال'' یعنی قبر میں روح کا جسم میں لوٹایا جانا صحیح حدیث سے ثابت ہے جو تمام مردوں کے لئے ہے۔

فائدہ جلیلہ: عود روح کے متعلق احادیث متواترہ صاف اور صریح موجود ہیں اس پر اہلسنت و جماعت کا اجماع ہے عود روح کا منکر صحیح حدیث کا منکر ہے۔ اس کا اہلسنت و جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

اصل نمبر ۵: سوال و جواب نکیرین کا محل قبر ہے۔

۱...... ''قال رسول اللہ ﷺ اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل۔ متفق علیہ'' یعنی حضور ﷺ نے فرمایا اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، بٹھلاتے ہیں اور کہتے ہیں اس شخص یعنی محمد ﷺ کے بارے میں تو کیا کہتا تھا۔ (مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر ص ۴۴ مترجم)

۲...... ''قال رسول اللہ ﷺ یاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک فیقول ربی اللہ فیقولان لہ ما دینک فیقول دینی الاسلام۔ الخ'' (مشکوۃ مترجم ص ۴۸)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں تیرا رب کون ہے وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے، پھر وہ فرشتے سوال کرتے ہیں تیرا دین کیا ہے وہ جواب دیتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ (مشکوۃ شریف باب اثبات عذاب القبر)

ان حدیثوں میں منکرین حیات کی سخت تردید ہوگی، کیونکہ وہ کہتے ہیں نکیرین کا سوال و جواب علیین یا سجین میں روح سے ہوتا ہے نہ اس کی قبر میں میت سے اس عقیدہ سے انکار حدیث لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انکار حدیث سے بچائے۔ آمین ثم آمین!

اصل نمبر ۶: ثواب و عذاب قبر کا محل یہ دنیا والی قبر ہے۔

''فلما صلّی علیہ یعنی سعد بن معاذ رسول اللہ ﷺ ووضع فی قبرہ وسوّی علیہ سبح رسول اللہ ﷺ فسبحنا طویلاً ثم کبر فکبرنا فقیل یا رسول اللہ لم سبحت ثم کبرت قال لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ عنہ'' (مشکوۃ مترجم باب اثبات عذاب القبر ص ۴۸)

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے سعد بن معاذ کا جنازہ پڑھا اور ان کو قبر میں رکھ دیا گیا اور اس پر مٹی ڈالی گئی، تسبیح کہی رسول اللہ ﷺ نے اور تسبیح کہی ہم نے دیر تک پھر تکبیر کہی آپ نے اور تکبیر کہی

ہم نے۔ کہا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے تسبیح کیوں کہی، پھر تکبیر۔ آپ نے فرمایا کہ اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو گئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قبر کو فراخ کر دیا۔

اور بھی کافی حدیثیں ہیں اس مضمون پر۔ جو شخص اس قبر کا منکر ہے وہ اس قبر کے عذاب وثواب کا منکر ہے جو عذاب وثواب قبر کا منکر ہے وہ کافر ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اس کا آگے بیان آ رہا ہے۔

اصل نمبر ۷: عذاب وثواب قبر کا عقیدہ رکھنا ضروریات دین سے ہے۔

۱...... ''لاتجوز الصلوۃ خلف منکر الشفاعۃ والرویۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتواتر ھذہ الامور عن الشارع ﷺ'' حضرات فقہائے کرامؒ فرماتے ہیں یعنی شفاعت رویت باری تعالیٰ اور عذاب قبر اور کراماً کاتبین کے منکر کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ کیونکہ وہ کافر ہے۔ ان امور کا انکاری ہے جو بطور تواتر اور توارث کے شارع ﷺ سے ثابت ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۴۹)

۲...... علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا منکرین عذاب قبر کو معتزلہ میں شمار کیا جاتا ہے: ''جھل المبتدع کالمعتزلۃ ما نفی ثبوت الصفات الزائدۃ وعذاب القبر والشفاعۃ'' (شامی ج ۱ ص ۴۰۵)

معتزلہ مبتدعین کی جہالت ہے کہ ثبوت زائدہ صفات باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں عذاب قبر (یعنی دنیا والی قبر) اور شفاعت کے منکر ہیں گویا مفتیوں کا فتویٰ ہے کہ حیات قبر کا منکر جو ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ کیونکہ وہ کفر کے درجہ تک پہنچ چکا ہے۔ لہٰذا آج کل جو منکرین حیات ہیں ان کے پیچھے نماز قطعاً جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

اصل نمبر ۸: عذاب وثواب قبر کا اجماعی عقیدہ ہے۔

۱...... ''انعقد الاجماع علی ان عذاب القبر علی روح وجسد معاً'' یعنی امت بر حق کا اجماعی عقیدہ ہے کہ عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۷۷)

۲...... ''وقد سئل شیخ الاسلام عن ھذہ المسئلۃ ونحن نذکر لفظ جوابہ فقال بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعاً'' (کتاب الروح ص ۶۲)

یعنی اس مسئلہ کے بارے میں شیخ الاسلام (ابن تیمیہ) سے سوال کیا گیا اور ہم ان کے الفاظ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا عذاب اور انعام روح اور بدن دونوں کے لئے ہیں۔

۳...... ''وفی القبور یشترک الروح والجسد فی العذاب'' (شرح الصدور ص ۹۴ مصنفہ علامہ سیوطی)

یعنی قبروں میں روح اور جسم عذاب میں شریک ہیں۔

۴ ''ان عذاب القبر ونعیمہ للجسد والروح جمیعاً'' یعنی عذاب قبر اور قبر کی نعمتیں جسم اور روح دونوں کے لئے ہیں۔ (شفاء السقام ص ۱۹۴، مصنفہ علامہ سبکی)

فائدہ جلیلہ: جو شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ عذاب وثواب صرف روح کو ہوتا ہے بدن کو نہیں ہوتا اجماع امت کا منکر ہے۔ جو اجماع امت کا منکر ہے وہ کافر ہے اور اہل سنت وجماعت سے خارج ہے۔

اصل نمبر ۹: تعلق روح کا جسم کے ساتھ ہمیشہ رہتا ہے۔

۱...... ''اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا یختص بجزء دون جزء بل متصلة مشرقة علی سائر اجزائه وان تفرقت وکان جزء بالمشرق وجزء بالمغرب'' (روح المعانی ج ۱۵، ص ۱۹۳)

یعنی خوب سمجھ لو کہ بدن کے ساتھ روح کا اتصال ایک کو چھوڑ کر دوسرے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ یہ اتصال متصل ہے اور تمام اجزاء بدن میں پہنچ جاتی ہے خواہ ایک جزو مشرق میں ہے اور ایک مغرب میں یعنی اجزاء بدن خواہ کتنے ہی باریک بکھرے ہوئے ہوں روح کا تعلق واتصال ان تمام اجزاء سے ہوتا ہے۔

۲...... ''قال اصحابنا ولا یمنع من ذالک کون المیت قد تفرقت اجزائه کما نشاهده فی العادة او اکله السباع او حیتان البحر او نحو ذالک فکما یعیده للحشر وهو سبحانه وتعالٰی قادر علی ذالک فکذا یعید الحیات الی اجزاء بدنه وان اکله السباع والحیتان'' (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۰۵)

ہمارے اہلسنت وجماعت کے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس امر میں کوئی منع نہیں کہ اگر میت کے اجزاء بدن بکھر جائیں جیسا کہ ہمارے مشاہدے میں آتا ہے یا اسے درندے کھا جائیں یا مچھلیاں نگل جائیں یا ایسی ہی کوئی بات یا صورت پیش آئے تو جس طرح اللہ تعالیٰ حشر میں روح کو لوٹائے گا اور اس پر قادر ہے اسی طرح وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ بدن کے کسی حصے میں حیات پیدا کر دے۔ اگرچہ اسے درندے کھا گئے ہوں یا مچھلیاں نگل گئی ہوں۔

فائدہ جلیلہ: سلف صالحین کا عقیدہ جو مندرجہ بالا اقوال میں پیش کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱...... عود روح الی البدن حق ہے۔

۲...... سوال نکیرین اور عذاب قبر حق ہے۔

۳...... روح کا تعلق بدن مدفونہ کے ساتھ ہوتا ہے اور تمام اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے اگرچہ اجزاء بکھر جائیں۔

۴...... صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کرام اور سلف امت کا اس پر اتفاق ہے۔

۵...... اہل سنت وجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قبر میں اجساد مدفونہ میں عود روح ہوتا ہے اور عذاب وثواب قبر حق ہے۔ منکرین حیات کا قاعدہ کلیہ ختم ہو گیا جس پر ان کی بنیاد ہے کہ وہ جل کر راکھ ہو جائے یا پانی میں ڈوب جائے یا مچھلیاں نگل جائیں یا درندے کھا جائیں اس کی قبر کہاں ہے۔ جب ان کی قبر ہی نہیں حیات قبر ختم۔ جب حیات قبر ختم عذاب اور ثواب قبر ختم۔ لہٰذا علیین یا سجین وہ ہے جہاں روح رہتی ہے۔ کیونکہ روح کو بقاء ہے۔ عذاب وثواب اسی کو ہوگا۔ بدن کو بقا نہیں اس لئے اس کو کوئی عذاب وثواب نہیں۔ یہ عقیدہ ہے منکرین حیات کا العیاذ باللہ! سراسر مخالف ہے اہل سنت وجماعت کے جو اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بدن کے ہر جزو کے ساتھ روح کا تعلق ہے۔ خواہ اجزاء بکھرے ہوئے ہوں یا جمع ہوں۔ خواہ ایک جزو مشرق میں ہو دوسری جزو مغرب میں ہو۔ صاحب روح المعانی اور علامہ نووی اس نقطہ کو نہ پہنچ سکے جس کو آج کل کے منکرین حیات پہنچ گئے۔ منکرین حیات کو اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ صاحب روح المعانی اور علامہ نووی کی ایک خاص رائے ہے جو ہمارے لئے حجت نہیں۔ ہم یوں جواب دیں گے کہ آج کل جو منکرین حیات ہیں ان کی خاص رائے ہے جو ہمارے لئے حجت نہیں۔ صاحب روح المعانی اور علامہ نووی تو اہل سنت وجماعت کے ترجمان ہیں۔

اصل نمبر ۱۰: صحت حیات کے لئے انسانی ڈھانچہ محفوظ ہونا شرط نہیں۔ اہل سنت وجماعت کی تحقیق کے مطابق علم، کلام، تلذذ، درد وغیرہ کے لئے وجود کا پورا ڈھانچہ ہونا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ بدن کے ذرات سے روح کا تعلق قائم کرا کے سنا سکتا ہے لیکن معتزلہ منکرین حیات کا مذہب یہ ہے کہ ان تمام امور کے لئے وجود کا صحیح ہونا شرط ہے۔

سماع موتی پر اہل سنت کے دلائل

۱...... "قال اللہ تعالیٰ واستمع یوم ینادی المناد من مکان قریب یوم یسمعون الصیحة بالحق قال یقف اسرافیل علی صخرة بیت المقدس ویقول یا ایتها العظام النخرة والجلود المتفرقة والاشعار المنقطعة ان اللہ یأمر کم ان تجتمعن لفصل الخطاب" (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۷۷)

اور توجہ سے سنئے! جس دن پکارنے والا پاس سے پکارے گا۔ جس دن وہ ایک چیخ کو بخوبی سنیں گے۔ فرمایا کہ اسرائیل بیت المقدس کے صخرہ پر کھڑے ہو کر کہیں گے اے بوسیدہ ہڈیو اور چورہ چورہ کھالو اور بکھرے ہوئے کٹے ہوئے بالو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ حساب کے لئے اکٹھے ہو جاؤ۔

۲...... "قال اللہ تبارک وتعالیٰ رب ارنی کیف تحی الموتٰی قال اولم تؤمن قال بلٰی۔ الخ (بقرہ: ۲۶۰)"

اے میرے رب مجھ کو دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا فرمایا کیا تم یقین نہیں لاتے کہا کیوں نہیں۔ لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسکین ہو جائے۔ فرمایا تو چار پرندے پکڑ لے پھر انہیں اپنے ساتھ مانوس کر، پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے۔ الخ!

علامہ فخر الدین رازی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں: "احتج اصحابنا بھٰذہ الآیة علی ان البنیة لیست بشرط فی صحت الحیات وذالک لانہ تعالیٰ جعل کل واحد من تلک الاجزاء والابعاض احیاء فاھما لنداء قادراً علی السعی والعدو فدلّ ذالک علی ان البنیة لیست بشرط فی صحت الحیات ولما دلت الآیة علی حصول فھم النداء والقدرة علی سعی تلک الاجزاء حال تفرقھا کان دلیلا قاطعاً علی ان البنیة لیست بشرط للحیات۔" (تفسیر کبیر ج ۲۲ ص ۹۱۲)

علامہ فخر الدین رازی فرماتے ہیں ہمارے اہل سنت نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ صحت حیات کے لئے انسانی ڈھانچہ کا محفوظ ہونا شرط نہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اجزاء اور حصوں کو زندہ کیا انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کی آواز سنی، دوڑنے پر قدرت حاصل ہوئی۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حیات کے لئے پورے جسم کا محفوظ ہونا شرط نہیں اور جب یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ان اجزاء میں نداء کا فہم اور دوڑنے کی قدرت حاصل ہوئی جب کہ وہ بکھرے ہوئے تھے تو یہ قطعی دلیل ہے اس امر کی کہ حیات کے لئے انسانی ڈھانچہ کا محفوظ ہونا شرط نہیں۔ منکرین حیات کی خوب تردید ہو گئی جو کہتے ہیں کہ علم، سماع، کلام، درد اور تلذذ کے لئے وجود کا صحیح ہونا شرط ہے۔ حالانکہ وجود کا صحیح ہونا شرط نہیں علم، سماع وغیرہ کے لئے۔ جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کو نداء کی۔ اس وقت ان کا ڈھانچہ صحیح سالم نہیں تھا بلکہ بکھرے ہوئے تھے ان کے اجزاء اور اسی طرح اسرائیل علیہ السلام بیت المقدس

کے صحرہ پر کھڑے ہوکر کہیں گے۔ اے بوسیدہ ہڈیو اور چورہ چورہ کھالو اور بکھرے ہوئے کٹے ہوئے بالو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ حساب کے لئے اکٹھے ہوجاؤ۔ حالانکہ یہاں بھی ڈھانچہ صحیح سالم نہیں۔ لیکن اسرائیل نداء کررہے ہیں ان کو۔ لہٰذا اہل سنت و جماعت کا عقیدہ صحیح ہوگیا کہ عذاب وثواب وسماع وکلام وتلذذ و درد کے لئے دھانچہ کا صحیح سالم ہونا شرط نہیں۔

حوالہ نمبر ۱۱ سماع موتی: ''جعل لکل دار احکام تختص بھا رکب ھذا الانسان من بدن ونفس وجعل احکام دار الدنیا علی الابدان والارواح تبعاً لھا وجعل احکام البرزخ علی الارواح والبدن تبعاً لھا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر عالم کے احکام جدا بنائے ہیں جو اسی عالم سے مختص ہیں اور انسان کو روح اور جسم سے مرکب کیا اور دنیا کے احکام بدن پر جاری کئے اور ارواح اس کے تابع ہیں اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری کئے اجسام ان کے تابع ہیں جیسا کہ احکام دنیا میں ارواح تابع اجسام ہیں۔ (کتاب الروح علامہ ابن قیم ص ۷۸)

سماع موتی پر قرآن سے دلائل

۱...... ''واذقال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتٰی سے عزیز الحکیم تک'' (ج ۱ ص ۳۲۹)

یعنی یاد کر جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار مجھ کو دکھا کہ تو مردے کس طرح زندہ کرے گا فرمایا تم یقین نہیں لاتے، کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسکین ہوجائے۔ فرمایا تو پرندے پکڑ لے۔ پھر انہیں اپنے ساتھ مانوس کرلو۔ پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے، پھر ان کو بلا تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ الخ!

اس کے تحت علامہ فخرالدین رازی فرماتے ہیں: ''لانہ تعالٰی جعل کل واحد من تلک الاجزاء والابعاض احیاء فاھماً لنداء قادر علی السعی والعدو'' یعنی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر جزو میں حیات پیدا کی۔ آواز کی سمجھ پیدا کی اور دوڑ کر آنے کی قدرت پیدا کی۔

فائدہ: ان پرندوں کے اجزاء جو متفرق تھے ندا کو سنا، سمجھا اور دوڑ کر حاضر ہوئے۔ اگر سننے اور سمجھنے کی نفی کریں گے تو دوڑ کر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر اجزاء کا حاضر ہوجانا تسلیم کریں تو سننا بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ منکرین حیات کی خوب تردید ہوگئی کہ کہتے ہیں جب انسان ہڈیاں ہوگیا وہ کیسے سن سکتا ہے۔ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو سوال نہیں کیا کہ اے باری تعالیٰ! میں کیسے نداء کروں وہ تو ٹکڑے ٹکڑے ہوئے پڑے ہیں اور میری بات کو کس طرح سن سکتے ہیں۔ اگر یہ جرأت ہوئی تو آج کل کے منکرین حیات کو ہوئی کہ مردے کس طرح سن سکتے ہیں۔ جب کہ انسان چورے چورے ہوگیا اور اس کا ڈھانچہ باقی نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ ایسے رذیل عقیدے سے محفوظ فرمائے۔ مندرجہ بالا آیت سے واضح ہوگیا مسئلہ سماع موتی۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیفیت دریافت کررہے ہیں کہ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا اے باری تعالیٰ نہ کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا جس طرح کہ منکرین سماع موتی تاویل کرلیتے ہیں کہ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

۲...... ''وتولّٰی عنھم وقال یاقوم لقد ابلغتکم رسالت ربی ونصحت لکم ولکن لا تحبون الناصحین

(اعراف: ۹۳) ''یعنی حضرت صالح علیہ السلام ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمایا اے میری قوم میں نے تمھیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی، لیکن تم نے خیر خواہوں کو پسند نہیں کیا۔

اس آیت کے تحت علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''قال لھم صالح علیہ السلام ذالک بعد ھلا کھم تو بیخاً وھم یسمعون ذالک کما فی الصحیحین ان رسول اللہ ﷺ قال یا ابا جھل بن ھشام یا عقبۃ بن ربیعۃ یا شیبۃ بن ربیعۃ یا فلان بن فلان ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا وجدت ما وعدنی حقاً فقال لہ عمر یا رسول اللہ! ما تکلم من اقوام قد جیفوا فقال والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم ولکن لا یجیبون''

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۳۰)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کی ہلاکت کے بعد ان سے یہ خطاب بطور توبیخ کیا وہ سن رہے تھے جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا اے ابوجہل! اے عتبہ! اے شیبہ! اے فلاں کے بیٹے فلاں! کیا تم کو جو وعدہ دیا اللہ تعالیٰ نے، حق پایا۔ جو مجھے وعدہ دیا اللہ تعالیٰ نے میں نے تو حق پایا۔ پس عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا آپ کلام کرتے ہیں ان قوموں سے جو مر چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں۔

فائدہ: اگر قوم حضرت صالح علیہ السلام کی یہ توبیخ نہیں سن رہی تھی تو آخر اس کہنے سے غرض کیا تھی۔ اگر وہ مر کر پتھر ہو گئے تھے تو پتھر کو خطاب کرنے کا فائدہ کیا تھا۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی وضاحت کر دی۔ حدیث سے آپ ﷺ نے بدر کے مقام پر کافروں کو خطاب وندا کر کے پوچھا اے کافرو! کیا تم کو جو وعدہ دیا اللہ تعالیٰ نے حق پایا، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: کیا یہ کافر مردار سن رہے ہیں یا رسول اللہ! جن کو آپ خطاب وندا کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا قسم اٹھا کر تم زیادہ نہیں سنتے ان سے بلکہ وہ زیادہ سن رہے ہیں۔ دونوں حضرات سے مسئلہ سماع موتی حل ہو گیا۔ منکرین سماع موتی کا ایک دھوکا ہے اس سے چوکنا رہنا چاہئے۔ عوام الناس تو کہتے ہیں جو آپ ﷺ نے کلام فرمائی بدر کے مردوں سے یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا ہم ان سے سوال کرتے ہیں۔

۱...... بدر کے مقام پر معجزہ کا طالب کون تھا؟ اس کی وضاحت کریں۔

۲...... اگر یہ معجزہ تھا، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیوں کیا؟ کیا معجزے پر اعتراض کرنا کفر نہیں۔ واقعی کفر ہے۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایمان کہاں گیا۔ کچھ تو شرم وحیا کرو۔ ہماری بات نہیں مانتے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی بات تو مانو۔

۳...... اگر یہ معجزہ تھا تو آپ ﷺ خود بیان فرما دیتے کہ مردے تو نہیں سنتے لیکن یہ میرا معجزہ ہے۔ اگر کسی حدیث میں یہ مفہوم ہے تو آپ سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ دکھائیں۔

۴...... اگر یہ معجزہ تھا تو آپ ﷺ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں قسم اٹھا کر یوں کیوں فرمایا تم کم سنتے ہو وہ زیادہ سنتے ہیں۔ بلکہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اجماع امت ثابت کیا سماع موتی پر۔ عربی عبارت کا مفہوم یہ ہے موتی کو سلام کہنا مشروط کیا گیا ہے اور ایسے شخص کو سلام کہنا جو نہ شعور رکھتا ہو نہ سلام کہنے والے کو جانتا ہو یہ تو محال ہے اور آپ ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے کہ جب قبروں پر گزرا کرو تو سلام کہو یہ سلام خطاب وندا ہے۔ یہ دونوں

موجود کے لئے ہیں جو سنیں اور سمجھیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ خطاب وندا معدوم اور پتھر کو ہوگا۔ یہ محال ہے بلکہ سلف صالحین کا سماع موتی پر اجماع ہے۔ کیونکہ متواتر روایات میں آچکا ہے کہ میت زندہ زیارت کرنے والوں کو پہچانتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

دلیل نمبر ۳: حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب اس قسم کا ہے ''یٰقوم لقد ابلغتم رسلت ربی ونصحت لکم فکیف اسی علی قوم کافرین (اعراف: ۹۱)'' یعنی اے میری قوم تحقیق میں نے اپنے کے احکام پہنچا دیئے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی۔ پھر میں قوم کافرین پر کیونکر غم کھاؤں۔

''فان قیل کیف خاطبھم بقولہ ابلغتکم بعدما اھلکو بالرجفۃ قیل کما خاطب النبی ﷺ قتلی بدر بعدما القوا فی القلیب رواہ البخاری ومسلم'' یعنی سوال اگر یہ کہا جائے کہ ہلاکت کے بعد یہ خطاب کیسے کیا۔ جواب دیا جائے گا جیسے کہ حضور ﷺ نے مقتولین بدر سے خطاب کیا جب کہ وہ قلیب بدر میں ڈالے گئے۔ منکرین حیات کی خوب تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ سماع موتی کے قائل کافر ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک! تین انبیاء علیہم السلام نے جو مردوں کو خطاب ندا کے ساتھ جو کلام کیں وہ قائل تھے سماع موتی کے کیا وہ کافر ہوئے۔ اگر ہاں کہتے ہیں تو کافر بنتے ہیں۔ اگر نہ کہتے ہیں تو مسئلہ سماع ثابت ہوتا ہے۔

دلیل نمبر ۴: ''قالوا یویلنا من بعثنا من مرقدنا (یٰسین: ۵۲)'' یعنی کہیں گے کافر اے افسوس! کس نے ہمیں خواب گاہ سے اٹھایا۔

''فھو یشعر الحیاۃ لان الرقاد للحیٔ'' (شفاء السقام ص ۲۰۴)

علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قول میت کی حیات کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ نیند زندہ کے لئے ہے۔

فائدہ: جب حیات ہے تو مدرکات حیات فہم کلام سماع ثابت ہو گئے۔ سماع موتی پر اور بھی کافی آیات ہیں لیکن ان چار آیات پر اکتفا کیا گیا ہے۔ العاقل تکفیہ الاشارۃ یعنی عقل مند کو اشارہ کافی ہے۔

احادیث نبوی اور سماع موتی

دلیل نمبر ۱: ''عن عائشۃ صدیقہ قالت: قال رسول اللہ ﷺ ما من رجل یزور قبر اخیہ ویجلس عندہ الا استانس بہ ورد علیہ حتی یقوم'' (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کی قبر پر جائے زیارت کے لئے اور اس کے پاس بیٹھے تو صاحب قبر اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اٹھ کھڑا ہو۔

فائدہ: منکرین حیات سماع موتی کا سہارا لیتے تھے۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا وہ سماع موتی کے قائل نہیں تھیں وہ سہارا بھی ختم ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا خود حضور ﷺ کا قول نقل فرما رہی ہیں میت مانوس ہوتا ہے اس شخص سے جو اس کی قبر کی زیارت کرے اور اس کو سلام کا کا جواب دیتا ہے مانوس ہونا اور جواب دینا یہ دونوں دلالت کرتے ہیں سماع موتی پر گویا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ کا رجوع ثابت ہو گیا سماع موتی کی طرف۔

ودریں حدیث دلیلے واضح است بر حیات میت نزد زیارت وے خصوصاً صالحان۔ (لمعات ج ۱ ص ۷۶۷)

اور اس حدیث میں واضح دلیل ہے میت کی حیات پر۔

دلیل نمبر ۲: "عن عائشة صديقة قالت كنت ادخل البيت فاضع ثوبي فاقول هو ابي وزوجي فلما دفن عمر معهما مادخلته الا و انامشدودة على ثيابي حياء من عمر" (مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۱۵۴)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں حجرے میں پردہ کے بغیر داخل ہوا کرتی تھی اور کہتی کہ ایک میرے خاوند ہیں اور دوسرے میرے والد ماجد ہیں۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کی وجہ سے بغیر پردہ کبھی داخل نہیں ہوتی۔ "حياء من عمر اوضح دليل على حياة الميت" (حاشیہ مشکوٰۃ)

حیاء من عمر میں میت کی زندگی کی واضح ترین دلیل ہے۔

"قال الطيبي فيه ان احترام الميت كاحترامه حيا" طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس حدیث میں دلیل ہے اس امر کی کہ میت کا احترام اس طرح کیا جائے جیسا کہ زندگی میں کیا جاتا تھا۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۱۱۷)

اس امر کی دلیل ہے کہ زیارت میت کے وقت اس کا احترام کیا جائے بالخصوص نیکوکاروں کا۔

منکرین حیات کی خوب تردید ہوگئی، کیونکہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا حیات میت کی قائل ہیں اور علم میت کی قائل ہیں۔ جب حیات میت اور علم میت دونوں ثابت ہوگئے، سماع میت خود بخود ثابت ہوگیا۔ کیونکہ جاننا موقوف ہے سننے پر۔ جب کوئی سنتا نہیں وہ جانے کیسے۔ گویا چار اشیاء تو ثابت ہوگئی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے۔ (۱) حیات میت (۲) عذاب قبر و انعام قبر (۳) سماع موتی (۴) قبر یہی ہے جو دنیا میں کھودی جاتی ہے نہ کہ علیین یا سجین۔ منکرین حیات ان چاروں چیزوں کے منکر ہیں۔

دلیل نمبر ۳: "عن ابي هريرة قال قال ابو رزين يارسول الله ﷺ ان طريقي على الموتى فهل من كلام اتكلم به اذا مررت عليهم قال قل السلام عليكم يا اهل القبور من المسلمين والمؤمنين انتم لنا سلف و نحن لكم تبع وانا ان شاء الله بكم لاحقون۔ قال ابو رزين يسمعون قال يسمعون ولكن لا يستطيعون ان يجيبوا اى جوابا يسمعه الحي والا فهم يردون حيث لا نسمع" (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۱۴)

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے ابو رزین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میرا گزر مردوں کے پاس سے ہوتا ہے کیا کوئی کلام ہے کہ وہاں سے گزرتے وقت پڑھوں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا السلام علیکم......الخ کہا کرو۔ حضرت ابو رزین رضی اللہ عنہ نے کہا کیا وہ سنتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا وہ سنتے ہیں لیکن جواب کی طاقت نہیں رکھتے ایسا جواب جو زندہ آدمی سن سکے ورنہ وہ جواب دیتے ہیں۔ مگر ہم سن نہیں سکتے۔

فائدہ: اس حدیث میں آپ ﷺ نے سماع موتی کی وضاحت کردی اس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن منکرین حیات اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک راوی محمد بن اشعث ہے جو غیر معروف ہے اور عقیلی نے کہا ہے کہ اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔ اعتراض کرنے والا صاحب شفاء الصدور ہے۔ (ص ۸۵)

جواب نمبر ۱: یہ جرح مبہم ہے جب تک جرح مفصل نہ ہو صرف لا یعرف کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

جواب نمبر ۲: عقیلی کی جرح قابل اعتبار نہیں۔ دیکھئے (السعی المشکور ص ۳۷۳، ۳۷۴)

جواب نمبر ۳: خود عقیلی نے اس حدیث کا استخراج کیا ہے اگر یہ غیر محفوظ تھی تو عقیلی نے ایسا کیوں کیا چنانچہ (شرح الصدور ص ۸۴) پر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: ''اخرج العقیلی عن ابی ھریرۃ قال قال ابو رزین یا رسول اللہ ﷺ ان طریقی علی الموتی الی آخرہ''

دلیل نمبر ۴: ''عن انس عن النبی ﷺ قال العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی وذھب اصحابہ حتی انہ لیسمع قرع نعالھم'' (رواہ البخاری ج ۱ ص ۱۷۸ باب المیت یسمع خفق النعال)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب میت کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی گھر کو لوٹتے ہیں وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔

''وفیہ دلالۃ علی حیات المیت فی القبر لان الاحساس بدون الحیاۃ ممتنع عادۃ'' (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۸) اور اس حدیث میں قبر میں میت کی حیات کی دلیل ہے کیونکہ احساس بغیر حیاۃ کے عادۃ مشکل ہے اس حدیث میں منکرین حیاۃ کی خوب تردید کی گئی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سماع موتی کا باب باندھ کر سماع موتی کی حدیث بیان کر کے ثابت کیا ہے کہ میت قبر میں اوپر والوں کی بات سنتی ہے اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے۔ منکرین حیات کو اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ منکرین حیات ایک حدیث پیش کریں جس میں لفظ لا یسمع المیت ہو۔ ہم ان کے مسلک کو قبول کریں گے اور ان کے مشکور ہوں گے۔

دلیل نمبر ۵: حضرت عمرو بن العاص نے بیٹوں کو وصیت فرمائی: ''ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر الجزور ویقسم لحمھا حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع رسل ربی'' (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۱۴۹)

یعنی پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر رکنا جتنی دیر اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انس پکڑوں اور جان لوں کہ میرے رب کے بھیجے ہوئے کیسے لوٹتے ہیں۔

اس حدیث میں دو لفظ ہیں انس اور علم جو موقوف ہیں سننے پر۔ جب سننا ثابت نہیں تو انس اور علم کا کیا مطلب ہے؟ منکرین حیات وسماع موتی کو توبہ کرنی چاہئے۔ واضح آیات اور حدیثوں کا انکار لازم آتا ہے۔

دلیل نمبر ۶: ''فمرّ علی قبرھا فقال ما ھذا القبر فقالوا ام محجن قال التی تقم المسجد قالوا نعم وصف الناس فصلی علیھا ثم قال ای العمل وجدت افضل قالوا یا رسول اللہ اتسمع فقال ما انتم باسمع منھا اجابتہ تقم المسجد'' (الترغیب ج ۱ ص ۱۹۷)

آپ ﷺ کا ایک نئی قبر پر گزر ہوا۔ پوچھا یہ کس کی قبر ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یہ قبر ام محجن کی ہے۔ فرمایا وہی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ عرض کیا جی ہاں! پھر صف باندھی اور نماز جنازہ پڑھا۔ پھر آپ ﷺ نے ام محجن سے سوال کیا تو نے کون سا عمل افضل پایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ آپ ﷺ کی آواز سن رہی ہے۔ فرمایا تم اس سے زیادہ نہیں سنتے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جواب دے رہی ہے کہ مسجد میں جھاڑو دینے کو افضل عمل پایا۔ کتنی واضح دلیل ہے سماع میت پر اگر منکرین حیات نہ مانیں تو ان کی بدقسمتی ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سماع موتی پر اجماع ثابت کیا ہے "وقد شرع السلام علی الموتی والسلام علی من لم یشعر ولا یعلم بالمسلم محال وقد علّم النبی ﷺ امته اذا رأو القبور ان یقول دار قوم مؤمنین۔ الخ فهذا السلام والخطاب والنداء لموجود یسمع ویخاطب ویعقل ولولا هذا الخطاب لکانوا بمنزلة الخطاب المعدوم واجماع السلف مجموعون علی هذا وقد تواترت الآثار عنهم بالمیت یعرف بزیارة الحی له ویستبشر" (ابن کثیر ص ج ۳ ص ۴۳۸)

اور موتی کو سلام کہنا مشروع کیا گیا ہے اور ایسے شخص کو سلام کہنا جو شعور نہ رکھتا ہو اور سلام کہنے والے کو نہ جانتا ہو محال (یعنی مشکل) ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے کہ جب قبریں دیکھو تو سلام کہو یہ سلام خطاب اور ندا ہے، موجود کے لئے جو سنے اور سمجھے اور اسے خطاب کیا جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ خطاب معدوداور پتھر کو ہوگا اور سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے اور متواتر روایات میں آچکا ہے کہ میت زندہ زیارت کرنے والوں کو پہچانتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔

فائدہ جلیلہ: علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی محقق نہیں۔ آپ فرما رہے ہیں پوری امت کا اجماع ہے سماع موتی پر۔ منکرین حیات کے پاس ایک حدیث صریح نہیں عدم سماع موتی پر۔ ہمارے پاس درجن کے درجن احادیث ہیں اور قرآن مجید میں دس آیات ہیں جو دلالت کر رہی ہیں سماع موتی پر۔ بڑا افسوس کہ وہ الٹا ہمیں کافر اور مشرک کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود منکر ہیں۔ ایک دعوکا ان کا یہ بھی ہے کہ قبر میں مردے کو حیات اور سماع نہیں خواہ نبی ہے یا غیر نبی۔ دلائل پیش کرتے ہیں کہ دنیا میں موت آچکی ہے۔ حالانکہ موت کا کون منکر ہے موت تو اگلے جہان میں پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اگر آپ میں دم خم ہے تو عدم حیات قبر اور سماع میت پر کوئی واضح دلیل پیش کریں کہ کوئی قبر والا زندہ نہیں اور کوئی قبر والا نہیں سنتا۔

دلیل نمبر ۷: علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں ایک نوعمر جوان کا، جس کا مفہوم یہ ہے ایک جوان مسجد میں عبادت کیا کرتا تھا۔ ایک عورت اس پر مائل ہوگئی اور اس نوجوان کو برائی کی دعوت دی۔ یہ سلسلہ جاری رہا حتی کہ قریب تھا کہ اس کے گھر میں داخل ہوتا پس اس نوجوان کو یہ آیت یاد آئی: "ان الذین اتقوا اذا مسهم طائف الخ (اعراف: ۲۰۱)" تو غشی کھا کر گر پڑا۔ پھر کچھ افاقہ ہوا۔ پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا اور فوت ہوگیا۔ پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے باپ کے پاس تعزیت کے لئے آئے وہ رات کو دفن کیا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی قبر پر گئے اور اپنے ساتھیوں سمیت دعا کی۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آواز دی اے جوانؔ جو شخص اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو باغ ہیں تو قبر سے اس نے جواب دیا کہ اے عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ دونوں چیزیں میرے رب نے جنت میں مجھے دو دفعہ دی ہیں۔ (ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۲۷۴)

اس واقعہ میں تردید ہوگئی منکرین حیات وسماع میت کی کہ کہتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سماع موتی کے قائل نہیں تھے۔ حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ ندا کر رہے ہیں میت کو جو قبر میں جاچکا ہے اور میت نے قبر سے جواب دیا۔

دلیل نمبر ۸: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بعد وفات کے دیکھا اور پوچھا ابا جان آپ

پر کیا گزری حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے پاس دو فرشتے آئے قبر میں مجھے کہا تیرا رب کون ہے، تیرا نبی کون ہے؟ میں نے کہا اللہ میرا رب ہے اور محمد ﷺ میرا نبی ہے اور بتاؤ تمہارا رب کون ہے؟ تو ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا تو اس نے کہا یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ وہ لوٹ گئے۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱ ۳۴)

فقہائے کرام کا عقیدہ سماع موتی کے بارے میں

حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی کا عقیدہ سماع موتی کے بارے میں:

۱...... منکرین سماع موتی کا قول احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جو دلالت کرتی ہیں کہ میت سلام کہنے والے کا سلام سنتا ہے سلام کا جواب دیتا ہے اور زندہ آدمیوں کی کلام سمجھتا ہے اور ایسی احادیث صحیحین وغیرہ میں روایت کی گئی ہیں۔ (حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۵۳)

۲...... مختصر یہ کہ میت کے سماع اس کے ادراک فہم اور علم کی نفی کی کوئی قوی دلیل موجود نہیں ہے نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ سنت رسول ﷺ میں بلکہ احادیث صحیحہ اور صریحہ تو سماع میت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ نفی سماع کی ساری باتیں مشائخ کی تقریریں ہیں اور ان کی توجیہات ہیں اور محض تکلفات ہیں ان پر کوئی اعتبار نہیں جب کہ احادیث صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار صریحہ ان کی مخالفت میں موجود ہیں۔

(حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۵۴)

فائدہ جلیلہ: ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ فقہاء کرام نے جس سماع کی نفی کی ہے وہ سماع عرفی ہے۔ یمین کے بارے میں جس کا تعلق اس دنیا سے ہے۔ سماع حقیقی کی نفی نہیں۔ فقہاء کے ان عبارات کو نفی سماع حقیقی پر محمول کرنا صریح دھوکا ہے۔

۳...... اور جہاں تک ہمارے ائمہ کرام کا معاملہ ہے وہ ان امور کے انکار سے بیزار ہیں۔ انہوں نے میت کو مارنے، اس سے کلام کرنے وغیرہ افعال کی صورت میں حانث نہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ قسموں کی بنا عرف پر ہے اور عرف پر ہی ان امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد حالی زندگی ہی لی جاتی ہے نہ کہ بعد موت اور میت سے جو کلام کی جائے اگرچہ وہ کلام حقیقی ہوتی ہے اور اس میں اسماع وافہام پایا جاتا ہے لیکن عرف کی رو سے اس کے قول کا تعلق کہ میں کلام نہیں کروں گا۔ حالت حیات سے ہے اور یہی صورت تکلیف کے بارے میں بھی ہے۔ خواہ اس کا تحقق میت میں ہو جائے لیکن عرف کا فیصلہ یہ ہے کہ اس قول سے مراد کہ میں اسے نہیں ماروں گا حیات سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ بعد موت کے۔ منکرین سماع نے آیت قرآنی ''انک لا تسمع الموتی'' سے استدلال کیا ہے ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رجوع بیان ہو چکا ہے سماع موتی کی طرف۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا عقیدہ سماع موتی پر ہے۔ دلیل یہ ہے: علامہ ابن عبدالبر نے استذکار اور تمہید میں اخراج کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جو اسے دنیا میں پہچانتا تھا۔ وہ اسے سلام کہے تو میت اسے پہچان لیتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔ اس حدیث کو عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صحیح کہا اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۱۶)

میت کا پہچاننا اور جواب دینا یہ دونوں موقوف ہیں سماع پر، اگر سماع نہیں تو پہچاننے اور جواب دینے کا کیا مقصد ہے۔

اوپر والی عبارت منکرین حیات نے بیان کر کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو اپنے ساتھ ملایا ہے۔ بحوالہ فتاویٰ الغرائب فی المذاہب۔

اس پر ہمارے کچھ سوالات ہیں:

۱...... اس کتاب کا مصنف کون ہے؟

۲...... حوالہ بقید صفحہ لکھیں۔

۳...... من یاتی القبور میں من سے مراد کون شخص ہے؟

۴...... اس حکایت کا بیان کرنے والا اس کی سند امام صاحب تک پیش کرے۔

حیرت ہے کہ ایک مجہول شخص کی مجہول حکایت بیان کر کے اسے امام صاحب کا مذہب قرار دے رہے ہیں۔ امام صاحب کا مذہب بیان کرنا ہے تو متون فقہ سے کریں۔ کتب معتبرہ، معتمدہ، متداولہ اور مفتی بہ فتاویٰ میں سے امام صاحب کا مذہب بیان کریں۔ اگر عقل سلیم سے کام لیا جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ اگر یہ امام صاحب کا مذہب ہوتا تو یقیناً اصحاب امام اور مشائخ مذہب محل گفتگو میں لاتے اور یہ مسئلہ عامۃ الورود ہوتا۔ ان حضرات کا کمال یہ ہے کہ مجہول روایت کو بنیاد مذہب قرار دے رہے ہیں مگر متواتر احادیث کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اجماع امت کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ مگر اتباع ہویٰ انسان سے کیا کچھ نہیں کراتی۔

"فقال عمر فاروق یا رسول اللہ ﷺ اتنادیهم بعد ثلاث وهل یسمعون ویقول تعالی انک لا تسمع الموتی فقال والذی نفسی بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم ولکن لا یستطیعون ان یجیبوا" (فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۴) حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ تین روز کے بعد ان سے مخاطب ہو رہے ہیں کیا وہ سنتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے یعنی وہ جواب جسے تم سن سکو۔ الخ!

منکرین حیات کے سوالات کے جوابات

سوال نمبر ۱: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سماع موتی کے قائل نہ تھے اوپر والی حدیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔

جواب: یہ استدلال الٹا ہے۔

۱...... حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے "انک لا تسمع الموتی" کے تحت اظہار تعجب کیا۔

۲...... حضور ﷺ نے بقید حلف بیان فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کہا حدیث میں یہ نہیں ملتا۔ تو سوچنے کی بات ہے کہ آپ ﷺ کے اس حلفیہ بیان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا رد یہ کیا ہونا چاہئے۔

۱...... کیا یہ کہ میں قرآن کو حضور ﷺ سے بھی زیادہ سمجھتا ہوں اس لئے میرا کہنا ٹھیک ہے۔
۲...... یا یہ کہ قرآن لانے والا مجھ سے زیادہ قرآن کو سمجھتا ہے اس لئے اپنی غلط فہمی کے احساس کے بعد اس پر اڑے رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اگر پہلا ردعمل صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ ثابت تو ہو جاتا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سماع کے قائل نہیں تھے۔ مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان کا ثبوت کہیں تلاش کرنا پڑے گا۔

اگر دوسرا ردعمل تسلیم کیا جائے تو ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سچے مومن تھے۔ جب کسی بات میں شک ہوتا ہے اور حضور ﷺ اس غلط فہمی کو دور کر دیتے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سچے مومن کی طرح حضور ﷺ کی بات کو حرف آخر سمجھتے تھے۔ مگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو میت کے سننے کے متعلق جو حیرت تھی وہ ختم ہو گئی اور یقین کامل ہو گیا کہ واقعی وہ ہم سے بہتر سنتے ہیں۔ منکرین حیات اب بھی اڑے ہوئے ہیں کہ مردے نہیں سنتے۔ مگر اس سے ایک اور نتیجہ بھی نکلتا ہے اس پر بھی غور فرمالیں کہ آیت ''انک لا تسمع الموتی'' مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور غزوہ بدر سن ۲ھ میں ہوا۔

اتنی طویل مدت میں آپ کو اس آیت کا صحیح مفہوم معلوم نہ ہو سکا اور کفار بدر کو پکارنا شروع کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سمجھانے پر حضور ﷺ کو اتنی مدت کے بعد قرآن کی ایک آیت کا مطلب معلوم ہوا (معاذ اللہ) یا اگر معلوم تھا تو عمداً قرآن کے خلاف مردوں کو پکارنا شروع کیا۔ (معاذ اللہ) کیا اس کا تصور کوئی مومن کر سکتا ہے؟ یہ ہے منکرین حیات کے نزدیک نبوت اور رسالت کا مقام اور یہ ہے ان کے نزدیک حضور ﷺ کے متعلق عقیدہ۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ ایک مسلمان اپنے عقیدہ مزعومہ کو ثابت کرنے کے لئے ایسی حرکت کرے جس سے نبوت اور رسالت کی توہین لازم آتی ہو۔ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔

سوال نمبر ۲: حضور ﷺ نے مقتولین بدر کو خطاب فرمایا تھا اس سلسلے میں یہ پیش کیا جاتا ہے منکرین حیات کی طرف سے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس سے انکار کیا تھا کیونکہ وہ بھی آیت ''انک لا تسمع الموتی'' کا مفہوم وہی سمجھتی تھیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے وجہ حیرت بنا۔

جواب: اس موقعہ پر پھر وہی صورت قابل غور ہے کہ آیت ''انک لا تسمع الموتی'' کی ایک تفسیر وہ ہے جو آپ ﷺ جانتے تھے دوسری تفسیر وہ ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سمجھتی تھیں۔ آپ ﷺ نے اس آیت کے مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے مقتولین بدر کو خطاب کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کے معنی وہ نہیں جو اوّل نظر میں لوگ سمجھ بیٹھے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سمجھے اور قرآن کی کسی آیت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لئے معیار فہم رسول ﷺ ہوگا اور قول رسول ﷺ کے مقابلہ میں کوئی قول حجت نہیں ہوگا۔

رہی یہ بات کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رد کرنا اور اس بارے میں جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو قبول کیا۔ کیونکہ وہ دوسری روایات کے موافق ہے۔ (فتح الباری ج ۲، ۳ ص ۱۵۲) بہرحال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایسی بعض احادیث کے رد کرنے میں معاملہ ایسا ہے کہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے اسے غیر معتبر قرار دیا۔ (حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۵۴ مولانا عبدالحی لکھنوی)

۲...... اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اجتہادی غلطی کی بنا پر اس موقع پر عقیدہ عدم سماع موتی ہی رکھتی تھیں تو بعد کی روایات سے ان کا رجوع ثابت ہے جیسا کہ گزشتہ بحث میں بیان ہو چکا ہے۔

۳...... اگر کوئی ضدی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رجوع تسلیم نہ کرے اور اسی پر اصرار کرے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ کے لئے اسی عقیدے پر قائم رہیں تو پھر یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ایک طرف متواتر احادیث اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہے، دوسری طرف یہ صرف قول عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا۔ کون سا پہلو راجح ہوگا اور کون سا مرجوح۔ چنانچہ سلف صالحین کی رائے یہ ہے۔

۴...... اور علماء کے نزدیک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح ہے۔ کیونکہ وجوہ کثیرہ سے اس کی صحت کے شواہد موجود ہیں۔ اس سے بھی زیادہ مشہور وہ روایت ہے جو عبدالبر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کی ہے اور اسے کہا۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

۵...... سلف صالحین امت کا اس (سماع موتی) پر اجماع ہے ان سے متواتر روایات آ چکی ہیں کہ میت زندہ زیارت کرنے والے کو پہچانتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔ (کتاب الروح ص ۴ علامہ ابن قیم)

۶...... امام مروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ پس کس چیز سے ام المومنین کے قول کا رد کیا جائے تو امام صاحب نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے قول سے تو حضور ﷺ کا قول کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا، حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے قول سے بہت بڑا ہے۔ امام صاحب نے ایک اصول بیان کر دیا کہ حضور ﷺ کا قول ہر قول کو رد کر سکتا ہے اور یہ نہیں کہ آپ کے قول کو دوسرے کا قول رد کرے۔ لہٰذا ایک طرف آپ ﷺ کا قول کہ مردے سنتے ہیں اور دوسری طرف ام المومنین رضی اللہ عنہا کا قول کہ مردے نہیں سنتے۔ آپ ﷺ کے قول کو ترجیح ہوگی۔ (فتح الملہم ص ۳۴۷)

پہلا زریں اصول

جب تمام علماء ایک دینی حکم پر جمع ہو جائیں اور ایک یا دو آدمی مخالفت کریں تو ان کے اختلاف کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے گی اور نہ ان کے دعویٰ کی تصدیق کی جائے گی۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۷۴)

یہ اصول ہے جسے منکرین حیات تسلیم کر چکے ہیں۔ (شفاء الصدور ص ۹۰)

دوسرا زریں اصول

ثانی یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جب کوئی بات کہیں تو اور کوئی ایک ان کی مخالفت کرے تو یہ قول حجت نہ ہوگا[1]

---

[1] عجیب بات ہے کہ اصل نمبر ۱ میں ہے تمام علماء کے مقابلہ میں ایک دو کے قول کا اعتبار نہیں۔ مگر صحابہ کی ایک آدمی بھی مخالفت کرے تو صحابہ کا قول حجت نہیں۔ اصل نمبر ۲، ۳ "اصحابی کالنجوم" کے خلاف ہے۔

تیسرا زریں اصول

اور صحابی رضی اللہ عنہ کا قول جو جمہور صحابہ کے خلاف ہو وہ قابل حجت نہیں ہوگا۔ (ایضاً ص ۵)

منصفانہ مشورہ

جس قانون کو آدمی خود تسلیم کرے اسی قانون کے مطابق اپنے من گھڑت عقیدے پر زد پڑے تو بگڑ جائے۔ یہ صورت تو موزوں نہیں کہ لینے کے باٹ اور، دینے کے باٹ اور۔ جب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مقابل جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم سماع موتی کے قائل رہے تو جمہور کا اجماعی عقیدہ رد کرتے ہوئے اسی قانون کا خیال نہ کیا۔

سوال نمبر ۳: منکرین حیات ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے ایک اور قول کا سہارا لیتے ہیں کہ ام المؤمنین نے یسمعون کا معنی یعلمون کیا ہے۔ لہٰذا سماع موتی کی آپ قائل نہیں تھیں۔

جواب: رہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ تو انہوں نے میت کے علم کا اقرار کیا اور کہا وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ میں انہیں کہتا تھا حق ہے اور جب علم جائز ہوا تو سماع بھی جائز ہوا۔ کیونکہ دونوں کے لئے حیات شرط ہے۔

فائدہ جلیلہ: حصول علم موقوف ہے سماع اور بصر وغیرہ پر۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول سے علم ثابت ہوا تو سماع بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔

سوال نمبر ۴: منکرین حیات کہتے ہیں کہ مقتولین بدر کو خطاب خاص وقت کا معجزہ تھا۔ (اقوال مرضیہ ص ۸۸)

جواب نمبر ۱: کیا سماع موتی کے متعلق صرف یہی حدیث ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو چلو ایک خاص وقت کے لئے معجزہ تسلیم کرنے میں معقولیت بھی ہوتی لیکن سماع موتی کے متعلق متواتر اور صحیح حدیثیں بیسیوں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے۔

۲...... اگر اسے معجزہ تسلیم کرنے میں معقولیت بھی ہوتی لیکن سماع موتی کے متعلق متواتر اور صحیح حدیثیں بیسیوں موجود ہیں جن میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے۔ نیز اگر اسے معجزہ تسلیم کیا جائے تو فرمائیں کہ معجزہ کس نے طلب کیا تھا قریش مکہ نے، جو بھاگ گئے تھے یا مسلمانوں نے جو موجود تھے۔ اس کا جواب بحوالہ کتاب لکھیں۔

۳...... اگر یہ معجزہ تھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیوں کیا اور اختلاف کیوں کیا۔

۴...... اگر یہ معجزہ تھا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اظہار حیرت کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے کہ آیت کا مطلب تو وہی ہے لیکن یہ کام میں بطور معجزہ کر رہا ہوں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا: "ما انتم باسمع لما اقول منھم" یعنی میرے قول کو تم زیادہ سننے والے نہیں بلکہ وہ زیادہ سننے والے ہیں۔

۵...... کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اتنی تمیز نہ تھی کہ معجزہ اور غیر معجزہ میں فرق معلوم کر لیتے اور یہ معجزہ ہوتا تو اس واقعہ کے متعلق نہ بحثیں ہوتیں نہ آیت "انک لاتسمع الموتی" کی تاویلیں کی جاتیں۔

سوال نمبر ۵: منکرین سماع کبھی یہ کہتے ہیں کہ معجزہ کے طور پر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور کافروں کے لئے حسرت کی زیادتی کا سبب۔

جواب: میں کہتا ہوں: یہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور رد کرتی ہے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو یہ بات کہ تخصیص صحیح نہیں بغیر دلیل کے۔ دلیل تخصیص کی یہاں موجود نہیں۔ (مرقات ج ۸ ص ۱۱)

سوال نمبر ۶: منکرین حیات کہتے ہیں کہ تین آیات وضاحت کرتی ہیں کہ مردے نہیں سنتے۔

۱...... ''انک لاتسمع الموتی ولاتسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین'' (النمل: ۸۰)

۲...... ''وما انت بمسمع من فی القبور'' (فاطر: ۲۲)

۳...... ''فانک لاتسمع الموتی الخ'' (روم: ۵۲)

نفی سماع پر قرآن مجید کی یہ تین آیات دلیل حجت ہیں۔ ان آیت کو وقتاً فوقتاً صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک نفی سماع پر بطور دلیل و برہان پیش کیا جاتا ہے۔ یہ سوال ہے منکرین حیات کا۔

جواب: ان آیات کی صحیح تفسیر پیش کرنے سے پہلے یہ وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منکرین حیات کے نزدیک قرآن مجید میں صرف یہ تین آیتیں نفی سماع پر دلیل حجت ہیں اور کوئی آیت نہیں۔ ان آیات کو نفی سماع پر بطور دلیل صحابہ رضی اللہ عنہم سے آج تک پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ نفی سماع کے حق میں ان آیات کے علاوہ دوسری آیات کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ ان کی ذاتی رائے ہے۔ چونکہ وہ چودہ سو سال کے دوران دلیل کے طور پر کبھی پیش نہیں کی گئیں۔ لہٰذا مجتہدین کے نزدیک یہ قول مردود ہے۔ اب ان آیات کی تفسیر ملاحظہ ہو:

۱...... ''انک لاتسمع الموتی ای الکفار شبههم باالموتی لعدم الانتفاع لهم بتسامع ما یتلی علیه ان تسمع یعنی لاتسمع ولا ینفع اسماعک القرآن احداً الا من یؤمن بآیتنا من قدرنا'' یعنی آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی کافروں کو۔ ان کو (یعنی کافروں کو) مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جو کچھ انہیں سنایا جائے اسے سن کر نفع حاصل نہیں کر سکتے۔ ان تسمع یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنا سکتے اور آپ کے قرآن سنانے کا فائدہ صرف وہی اٹھا سکتا ہے جسے ہماری آیات پر ایمان ہو یعنی جس کے لئے ہم نے ایمان لانا مقدر کر دیا ہو۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۱۳۰)

۲...... ''انک لاتسمع الموتی لاتسمعهم شیئاً ینفعهم'' یعنی مردوں کو کوئی چیز نہیں سنا سکتے جو انہیں نفع پہنچا سکے۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۳۷۴)

۳...... ''لاتسمع سماعاً ینفعهم'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں سنا سکتے جو انہیں نفع پہنچائے۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۵۰)

۴...... ''انک لاتسمع الموتی معناه لاتسمع سماعاً ینفعهم'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں سنا سکتے جو انہیں کچھ نفع پہنچائے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲)

۵...... ''و مراد سماع عدم اجابت است حق را'' سماع سے مراد یہ ہے کہ حق کو قبول نہیں کر سکتے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۰)

۶...... ''انک لاتسمع الموتی یعنی موت القلوب وهم الکفار'' یعنی آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی ان کو جن کے دل مر چکے ہیں اور وہ کفار ہیں۔ (تفسیر خازن)

۷...... ''انک لاتسمع الموتی یعنی الکفار'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی کفار کو۔ (معالم التنزیل)

۸...... "ان الصحیح ان المراد بہا الموتی ھناک موت القلوب وھم الکفار لا الاموات العرفیۃ" درست بات یہ ہے کہ اس جگہ موتی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں اور وہ کفار ہیں۔ وہ مردے مراد نہیں جو عرف عام میں ہوتے ہیں۔ (شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۲۵)

آیات کی تفسیر کا خلاصہ

ان آیات کی تفسیر مفسرین، محدثین اور فقہاء نے جو بیان فرمائی اور جو سمجھی اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱...... موتی سے مراد کفار ہیں اور موت سے مراد دل کی موت ہے۔ موت عرفی نہیں۔

۲...... سماع سے مراد سماع نافع ہے، سماع مطلق نہیں۔ اس آیت میں اطلاق مطلق علی المقید ہے۔

۳...... یہ آیتیں کفار کو دعوت ایمان دینے اور ان کے حق کو قبول نہ کرنے کے سلسلے میں نازل ہوئیں۔

۴...... دعوت ایمان زندوں کو دی جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام مردوں کو دعوت ایمان دینے کے لئے مبعوث نہیں ہوئے۔ آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقابل موت اور حیات کا ہے۔ اسلام اور موت کا نہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی تبلیغ مومن سنتا ہے۔ کافر نہیں سنتا۔ ان دو آیات کے علاوہ قرآن کی کئی آیات میں یہ قرینہ موجود ہے۔ "وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین" تبلیغ کا نفع مؤمنین ہی کو ہوتا ہے۔

اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قبر وہی ہے جو انسان اپنے ہاتھوں سے کھودتے ہیں۔ اس زمین میں اور میت کا بدن جہاں قرار پکڑتا ہے۔ نکیرین کے سوال اسی زمینی گڑھے میں ہوتے ہیں۔ عذاب وثواب قبر اسی گڑھے میں ہوتا ہے اور جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے۔ علیین وسجین کی حدود اسی گڑھے سے شروع ہوتی ہیں۔

سوال نمبر ۶: منکرین حیات سوال کرتے ہیں کہ اگر یہ امور تسلیم کئے جائیں تو متعدد حدیثوں کا انکار لازم آتا ہے۔ مثلاً جانور کھا جائے یا آگ میں جل جائے یا پانی میں غرق ہو جائے تو ان صورتوں میں میت کے لئے قبر کھودی ہی نہیں گئی تو پھر اس قبر میں عذاب وثواب کیسا؟

جواب نمبر ۱: جانور کے کھا جانے کا واقعہ

"قال اللہ تعالی ولو لا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون" ترجمہ: اگر یونس علیہ السلام تسبیح بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ٹھہرتے۔ (صافات: ۱۴۳، ۱۴۴) اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک جانور زندہ ہے اس کا پیٹ قبر ہے جانور مرنے کے بعد زمین پر ہی قرار پکڑے گا اور وہی قبر ہو گی جو لازماً زمین پر ہی ہو گی۔

۲......آگ میں جل جانے کا واقعہ

بخاری اور مسلم میں ایک واقعہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو اسے جلا دینا اس کی راکھ آدھی تو خشکی پر اڑا دینا، آدھی سمندر میں پھینک دینا۔ پھر اللہ تعالی نے اسے فرمایا: تو نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟ اس نے کہا اے پروردگار تیرے ڈر سے۔ (مشکوۃ شریف ص ۲۰۷)

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ سمندر و جنگل سے راکھ جمع ہوئی بحکم رب العالمین۔ پھر اس بدن سے (جو جمع شدہ راکھ سے بنا تھا) روح کا تعلق قائم کیا گیا۔ پھر روح مع البدن سے سوال کیا گیا۔ اے منکرین حیات اذرا فکر کرو اگر بقول تمہارے سوال علیین یا سجین میں صرف روح سے ہوتا ہے تو راکھ کے ذرات کو جمع کرنے کا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین!

۳...... پانی میں غرق ہونے کا واقعہ

''قال اللہ تعالیٰ اغرقوا فادخلوا نارا'' (نوح:۲۵)

فادخلوا میں فا تعقیب بلا مہلت کے لئے ہے جونہی پانی میں غرق ہوئے آگ میں داخل کئے گئے اور ظاہر ہے کہ پانی میں ارواح غرق نہیں کئے گئے تھے بلکہ اجسام غرق کئے گئے تو غرق ہوئے وہی آگ میں جھونکے گئے اور یہ سارا معاملہ وہیں ہوا جہاں غرق کئے گئے۔ سجین میں تو غرق نہیں کئے گئے تھے کہ وہاں ان سے یہ معاملہ ہوا اور اجسام سجین میں غرق کیونکر ہوئے۔ یہی زمین ان کی قبر بنی۔ اسی میں عذاب روح مع الجسم دیا گیا۔

''النار یعرضون علیها غدوًا وعشیاً ویوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب (المؤمن ۴۶) '' یعنی فرعون اور فرعونی آگ پر صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کو حکم ہوگا اے آل فرعون بڑے عذاب میں داخل ہو جاؤ۔

تشریح: فرعونی بمع فرعون کے بھی اسی بحر قلزم میں غرق ہوئے جو زمین پر موجود تھا اور اب بھی ہے۔ غرق ہونے کے بعد زمین ان کے لئے قبر بنی۔ صبح وشام، دوام واستمرار، ان سب کا تعلق زمین ہی سے ہے۔ سجین میں صبح وشام کا کوئی تعلق نہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا: جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں اہل سنت کے استدلال کی بہت بڑی بنیاد اور اصل ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے قرآن سے ثابت کر دیا کہ آدمی خواہ جل جائے یا غرق ہو جائے یا اسے جانور کھا جائے اس کے بدن کے اجزاء منتشر ہو جائیں۔ ہر حال میں زمین ہی اس کی قبر ہوگی۔

فائدہ جلیلہ: عذاب وثواب صرف روح کو ہوتا ہے یہ عقیدہ ابن حبیرہ اور ابن میسرہ اور ابن حزم ظاہری کا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے وضاحت کی اور فرمایا یہ قول کہ عذاب اور راحت صرف روح کے لئے ہے، بدن کو نہ عذاب ہے، نہ راحت۔ یہ قول ان فلاسفہ کا ہے جو حشر جسمانی کے منکر ہیں اور مسلمانوں نے بالاتفاق ان کو کافر قرار دیا ہے۔ (کتاب الروح ص ۶۲)

سوال نمبر ۷: منکرین حیات عدم سماع موتی پر یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا۔ اگر فوت ہونے کے بعد کلام کرلے تو حانث نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ سنتا نہیں۔ اگر مردہ سنتا تو حانث ہو جاتا۔ کیونکہ ان کے نزدیک نفی سماع عرفی اور نفی سماع حقیقی دونوں مراد ہیں۔

جواب نمبر ۱: ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''القول هذا منهم بنی علی ان مبنی الایمان علی العرف فلا یلزم منه'' یعنی میں کہتا ہوں کہ ایمان یعنی قسموں کی بنیاد عرف پر ہے۔ اس لئے یمین (قسم) سے حقیقت سماع کی نفی لازم نہیں آئے گی۔ (مرقات ج ۶ ص ۱۱)

۲...... شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وبنا ایمان برعرف وعادت است نہ برحقیقت۔ فافہم!''
یعنی ایمان (قسموں) کی بنیاد عرف اور عادت پر ہے حقیقت پر نہیں خوب سمجھ لو۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۰)

۳...... مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اور مسئلہ یمین جس کو شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے نفی سماع پر پیش کیا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہے تو جب کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا تو عرف میں اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس کی زندگی کی حالت میں کلام نہیں کرے گا۔ اس لئے بعد موت کے اگر کلام کر لے تو حانث نہ ہوگا۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)

۴...... مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے دریا کو تمہارے تابع کر دیا کہ اس سے تازہ گوشت کھاؤ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے دلیل لی ہے کہ جس نے قسم کھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا۔ وہ مچھلی کھانے سے حانث نہ ہوگا۔ امام صاحب کی طرف سے جواب دیا گیا ہے کہ مطلق گوشت سے مچھلی نہیں سمجھی جائے گی۔ کیونکہ ایمان یعنی قسموں کی بنیاد عرف پر ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے شرالدواب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب کوئی شخص قسم کھائے کہ دابہ پر سوار نہ ہوں گا تو کافر پر سوار ہونے سے حانث نہیں ہوگا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار شریر جانور ہیں۔ (تفسیر مظہری ج ۵ ص ۳۴۰)

''وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا'' (النحل: ۱۴)

فائدہ جلیلہ: علماء امت کے نزدیک نفی سماع عرفی کی ہے۔ حقیقی کی نہیں جو شخص نفی سماع حقیقی کو تسلیم کرتا ہے وہ اجماع امت کا منکر ہے۔ اللہ تعالیٰ منکرین حیات وسماع کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین!

۵...... مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بعض لوگوں نے عدم سماع موتیٰ کا مسئلہ امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے۔ مگر امام صاحب کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں۔ امام صاحب سے صراحتاً یہ امر منقول نہیں ہے اور جس مسئلہ سے لوگوں نے اس کو مستنبط کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب کا جواب عدم سماع موتیٰ کو مستلزم ہے وہ مسئلہ یمین ہے اور ایمان کا مبنیٰ عرف پر ہے۔ اس لئے امام صاحب کی کلام اس بارہ میں صریح نہیں۔ (التکشف بر اقۃ المیت ص ۱۱)

۶...... علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ مبنی ایمان (قسموں کا) عرف عام پر ہے۔ (شفاء الصدور ص ۵۶)

قول فیصل: کفار کو میت سے تشبیہ کی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وجہ شبہ کیا ہے۔

سوال نمبر ۸: منکرین سماع موتیٰ کہتے ہیں کہ وجہ شبہ مطلق عدم سماع ہے جس طرح کفار نہیں سنتے۔ اسی طرح مردے بھی نہیں سنتے۔

جواب: یہی وہ مغالطہ ہے جو حقیقت کے قریب نہیں آنے دیتا۔ اصل یہ ہے کہ وجہ شبہ اتفاقی چاہئے اختلافی نہیں اور مشبہ اور مشبہ بہ ایک وصف میں مشترک ہوں۔ اگر عدم سماع کو وجہ شبہ قرار دیا جائے تو یہ غلط ہے۔ وصف دونوں میں مشترک نہیں ہے، کیونکہ کافر بہرے تو نہیں ہوتے اس لئے سنتے ہیں تو عدم سماع وجہ شبہ نہیں ہو سکتی، بلکہ وجہ شبہ عدم اجابت وعدم انتفاع وصف مشترک ہے اور یہی وجہ شبہ ہے۔ پھر منکرین سماع سوال کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۹: کہ وجہ شبہ مشبہ بہ میں حقیقت ہوتی ہے۔

جواب: عدم انتفاع میت میں حقیقت ہے۔ میت کو تبلیغ کا کوئی نفع نہیں ہوتا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ وجہ شبہ عدم انتفاع اور عدم اجابت ہے۔ پس یہ آیات عدم سماع کی دلیل میں پیش کرنا قرآن مجید کے مدلول، مفسرین کی وضاحت محدثین کے بیان اور فقہاء کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔

عذاب وثواب قبر کے متعلق فرق باطلہ کے عقائد

اہل سنت وجماعت کا اجماعی عقیدہ بیان ہو چکا ہے کہ قبر سے مراد زمینی گڑھا ہے سوال وجواب اسی قبر میں ہوتے ہیں اور عذاب وثواب قبر روح مع الجسم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اہل باطل نے مختلف عقائد کا اعلان اور پرچار کیا ہے۔ ان کی کچھ تفصیل دی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو لوگ عقائد تو اہل باطل کے رکھتے ہیں مگر اپنے آپ کو اہل سنت ظاہر کرتے ہیں۔ اپنے رویے پر نظر ثانی کر کے خود فریبی سے بچ جائیں اور اللہ کے بندوں کو گمراہ نہ کریں۔

(۱) عذاب وثواب قبر کا مطلق انکار

یہ عقیدہ ضرار بن عمرو بشر المریسی اور متاخرین کا ہے: "وانکرہ مطلقاً ضرار بن عمرو و بشر المریسی واکثر المتاخرین من المعتزلۃ" (شرح مواقف ص ۵۱۵)

ضرار بن عمرو اور بشر مریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے اور ایک جماعت نے عذاب قبر کا انکار کر دیا۔ مثلاً ضرار، یحییٰ بن کامل، بشر مریسی۔ پس یہ اقوال اہل حیرت اور اہل ضلال کے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۷۱)

(۲) عذاب وثواب صرف روح کو ہوتا ہے

یہ عقیدہ ابن حبیرہ، ابن میسرہ اور ابن حزم ظاہری کا ہے۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں اور یہ قول کہ عذاب وراحت صرف روح کے لئے ہے بدن کو نہ عذاب ہے نہ راحت ہے اور یہ قول ان فلاسفہ کا ہے جو حشر جسمانی کے منکر ہیں اور مسلمانوں نے بالاتفاق ان کو کافر قرار دیا ہے۔ (کتاب الروح ص ۶۲)

(۳) سوال جواب اور عذاب وثواب دو نفخوں کے درمیان ہوں گے

یہ عقیدہ ابو ہذیل اور مریسی کا ہے۔ (کتاب الروح ص ۷۰)

(۴) عذاب قبر صرف کفار کے لئے ہے

یہ عقیدہ جبائی اور اس کے بیٹے بلخی کا ہے۔

(۵) سوال وجواب اور عذاب وثواب قبر صرف بدن کو ہوتا ہے

یہ عقیدہ ابن جریر اور کرامیہ کی ایک جماعت ہے۔ ابن جریر کرامی ہے۔ ابن جریر مفسر قرآن نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ میلٹھ نے ان کی خوب تردید کی ہے۔ (شرح حدیث النزول ص ۸۲)

(۶) بدن کو عذاب ہوتا ہے، مگر حیات بسیط سے یعنی بدن کو عذاب ہے بغیر تعلق روح کے

یہ عقیدہ کرامیہ وصالحیہ اور صالح قبہ کا ہے۔ (کتاب الروح ص ۷۱)

حیات انبیاء ﷩ کے بارے میں احادیث نبویہ ﷺ

۱...... "عن انس ان رسول اللہ ﷺ قال اتیت وفی روایة اخری مررت علی موسیٰ لیلة اسری عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ" (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۶۸)

یعنی حضرت انس ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں معراج والی رات میں موسیٰ ﷤ پر سے گزرا۔ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

فائدہ جلیلہ: قبر میں نماز پڑھنا واضح دلیل ہے حیات انبیاء ﷩ پر۔ حیات مع الجسم نہ صرف روح نہ صرف بدن۔ منکرین حیات کی خوب تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ کوئی نبی دنیا والی قبر میں زندہ نہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ نے موسیٰ ﷤ کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا کیونکہ نماز میں قیام، رکوع، سجود، قعود ہوتا ہے اور یہ اوصاف بدن کے ہیں نہ کہ روح کے۔ پھر ایک حیلہ بناتے ہیں کہ قبر میں جو وجود دیکھا جاتا ہے وہ اصلی وجود نہیں بلکہ ایک مثالی وجود ہوتا ہے۔ یہ حیلہ عقلاً و نقلاً خلاف ہے۔ اس لئے جو عمل کرے جزا اسے ملتی ہے نہ کہ عمل ایک کرے جزا دوسرے کو ملے۔ اللہ تعالیٰ ایسے رذیل عقیدہ سے محفوظ فرمائے۔

۲...... "عن سعید ابن مسیب لما کان ایام الحرة لم یؤذن فی مسجد النبی ﷺ ثلاثاً و لم یقم و لم یبرح سعید بن المسیب فی المسجد و کان لا یعرف وقت الصلوٰة الا بھمھمة یسمعھا من قبر النبی ﷺ" یعنی سعید بن مسیب ﷫ فرماتے ہیں کہ حرہ کے دنوں میں حضور ﷺ کی مسجد میں متواتر تین روز آذان نہ ہوئی اور تکبیر بھی نہ ہوئی۔ حضرت سعید بن مسیب ہمیشہ مسجد نبوی میں رہتے تھے۔ نماز کا وقت معلوم نہ ہوتا مگر آواز سے جو حضور ﷺ کی قبر مبارک سے آتی تھی۔ (مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۵۴۵)

فائدہ: قبر مبارک سے آواز کا آنا یہ دلالت کرتا ہے حیات انبیاء ﷩ پر۔ یعنی حیات روح مع الجسم۔ اس حدیث مبارک میں خوب تردید ہوگئی منکرین حیات کی جو کہتے ہیں زندگی قبر کی کسی کو حاصل نہیں۔ خواہ نبی ﷤ یا غیر۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے ایسے غلط عقیدہ سے۔

۳...... "وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ رواہ ابو یعلی" حضرت انس ﷛ فرماتے ہیں: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تمام انبیاء ﷩ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ حدیث مبارک واضح دلیل ہے حیات انبیاء ﷩ واضح دلیل ہے حیات انبیاء ﷩ پر۔ منکرین حیات انبیاء ﷩ اس حدیث کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے انکار حدیث سے۔ (بحوالہ ترجمان السنہ ج ۳ ص ۳۰۰)

۴...... "وقد ثبت فی القبور الاذان والاقامة عند الدارمی وقرأة القرآن عند الترمذی والحج عند البخاری" یعنی انبیاء ﷩ کا قبروں میں آذان اور اقامت اور قرآن پڑھنا اور حج کرنا ثابت ہو چکا ہے۔
(فیض الباری ج ۱ ص ۴۴)

فائدہ جلیلہ: اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے۔ مسئلہ حیات النبی ﷺ پر کہ اذان اور اقامت دارمی میں ہے۔ قرآن کا پڑھنا ترمذی میں ہے اور انبیاء ﷩ کا حج کرنا بخاری میں ہے۔

۵...... "قال سعید ابن المسیب مالی مسجد النبی ﷺ غیری وما یعلم وقت الصلوٰۃ الا سمعت الاذان والاقامۃ من القبر ثم اتقدم فاقیم واصلی " یعنی سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے علاوہ مسجد نبوی ﷺ میں کوئی نہیں تھا، نماز کا وقت معلوم نہ ہوتا تھا مگر میں آذان اور تکبیر حضور ﷺ کی قبر مبارک سے سنتا تھا۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر تکبیر کہتا اور نماز پڑھتا۔ (دلائل النبوۃ ابو نعیم ص ۴۹۴)

فائدہ جلیلہ: آذان نماز کے لئے ہوتی ہے اور تکبیر جماعت کے لئے ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روضہ اطہر میں آذان اس لئے ہوتی ہے کہ نماز پڑھتے ہیں اور تکبیر اس لئے کہ جماعت ہوتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ امام ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مقتدی ہیں اور اس حدیث میں وضاحت ہے مسئلہ حیات النبی ﷺ پر۔

۶...... "ان النبی ﷺ حیٌ کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامت" (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۱۹)

یعنی یقینی طور پر حضور ﷺ زندہ ہیں اپنی قبر میں جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے اور آپ اپنی قبر میں آذان اور تکبیر کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

۷...... "قال سعید بن المسیب فکنت اذا حانت الصلوٰۃ اسمع آذانا من القبر" یعنی حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں آذان سنتا تھا حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک سے جب کہ نماز کا وقت آجاتا۔

(زرقانی ج ۵ ص ۳۳۴)

حیات الانبیاء و نزول عیسیٰ علیہ السلام

۱...... "قال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسٰی ابن مریم ثم یقول علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ رواہ ابو یعلی بحالہ" (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۹۰، روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵)

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے، میری قبر پر کھڑے ہو کر کہیں گے یا محمد ﷺ! میں ان کو جواب دوں گا۔

فائدہ: آپ قبر میں زندہ نہیں تو یا محمد! سن کر جواب کیسے؟

۲...... "حضرت عیسٰی علیہ السلام یاخذ الاحکام من نبینا ﷺ شفاھا بعد نزولہ وھو ﷺ فی قبرہ الشریف"

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی کریم ﷺ سے احکام لیں گے، ظاہراً اترنے کے بعد۔ حالانکہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں ہوں گے۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵)

فائدہ: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے دو گروہوں کی تباہی ہوگی، ایک عیسائی، دوسرے منکرین حیات انبیاء علیہم السلام۔ اگر عیسائی مسلمان ہوں گے بچ جائیں ورنہ برباد ہو جائیں گے۔ اسی طرح منکرین حیات اگر حیات النبی ﷺ کے قائل ہو جائیں گے تو بچ جائیں گے ورنہ تباہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام جب حضور علیہ السلام کے روضہ اطہر پر آکر سلام پڑھیں گے۔ یا محمد ﷺ کہہ کر۔ منکرین حیات فتویٰ دیں گے۔ یہ شرک ہے تو عیسیٰ علیہ السلام ان سے جہاد کریں گے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام براہ راست احکام لیں گے حضور ﷺ سے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے رذیل عقیدے سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین!

بلوغ صلوٰۃ وسلام اور سماع عند القبر

۱...... ”عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملٰئکتہ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔ رواہ النسائی والدارمی بحوالہ مشکوٰۃ شریف“ (مشکوٰۃ شریف ج۱ ص۸۶)

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے لئے فرشتے ہیں جو زمین میں چلتے ہیں اور مجھے میری امت کی طرف سے سلام پہنچا دیتے ہیں۔

۲...... ”وعن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول وصلوا علیّ فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم۔ رواہ النسائی بحوالہ مشکوٰۃ“ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا درود پڑھو مجھ پر یقینی طور پر تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔ جہاں تم ہو۔ (ج۱ ص۸۶)

۳...... ”وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی نائیا ابلغتہ۔ رواہ البیھقی بحوالہ مشکوٰۃ“ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر درود پڑھے میری قبر کے پاس تو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود پڑھے تو میرے پاس اس کا درود پہنچایا جاتا ہے۔

فائدہ: یہ تین حدیثیں وضاحت کر رہی ہیں درود کے سننے کے بارے میں۔ اب بھی کوئی شک ہے کہ حضور ﷺ نہیں سنتے۔ یہ صحیح احادیث ہیں۔ ہمارا منکرین حیات سے مطالبہ ہے کوئی ایک حدیث ضعیف پیش کریں کہ حضور ﷺ نہیں سنتے روضہ اطہر میں۔ اللہ ہدایت نصیب فرمائے۔

حیات انبیاء علیہم السلام پر محدثین ومفسرین کا واضح اعلان

۱...... مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”عندنا وعند مشائخنا حضرت الرسالۃ ﷺ حیّ فی قبرہ الشریف“ ہمارے اور ہمارے تمام مشائخ کے نزدیک حضور ﷺ زندہ ہیں اپنی قبر مبارک میں۔ (المہند ص۲۸،۲۹)

یہ عقیدہ ہے تمام علماء دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کا اگر یہ عقیدہ کوئی نہیں رکھتا تو وہ علماء دیوبند رحمۃ اللہ علیہ سے خارج ہے۔ لہٰذا وہ اپنے آپ کو اگر دیوبندی کہتا ہے تو وہ دھوکہ دیتا ہے۔ ایسے دھوکے باز سے بچنا چاہئے۔ اکثر اوقات منکرین حیات علماء دیوبند کی کتب سے حوالہ دیتے ہیں اور دعوٰی کرتے ہیں کہ ہمارا علماء دیوبند والا عقیدہ ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک! اگر یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ علماء دیوبند کے مطابق ہے تو المہند کے مطابق عقیدہ رکھیں اور اعلان کریں کہ المہند کتاب میں اجماعی عقیدہ ہے علماء دیوبند کا۔ لہٰذا ہمارا عقیدہ اس کتاب کے مطابق ہے۔ اگر المہند کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے، اپنے آپ کو دیوبندی کہتا تو یہ بڑا دھوکے باز ہے، بہت بڑا فریبی ہے۔ بڑا افسوس ہے عقیدہ خارجیوں اور معتزلیوں والا رکھتا ہے۔ دعوٰی کرتا ہے دیوبندی ہونے کا۔ لہٰذا اہل سنت وجماعت کو چاہئے کہ ان سے علیحدہ رہیں اور ان کی تقریریں نہ سنیں ورنہ گمراہ کر دیں گے۔

۲...... ”قلت قدمت ان الانبیاء لا یموتون کسائر الاحیاء بل ینقلون من دار الفناء الی دار البقاء“ یعنی ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں اور مقدم کر چکا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام فوت نہیں ہوتے، مانند تمام زندوں کے ہیں بلکہ منتقل ہوتے ہیں فنا کے گھر سے بقا کی طرف۔ (مرقاۃ ج۱۱ ص۱۴۳)

یہ ہیں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمان مسلک حنفی جو فرما رہے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی موت عوام جیسی موت نہیں بلکہ ادنیٰ مقام سے اعلیٰ مقام کی طرف منتقل ہو گئے۔

۳...... "انہم اتفقوا علی حیات الانبیاء علیہم السلام متفق علیہ لا خلاف لا حد فیہ" تمام محدثین نے اتفاق کیا ہے کہ حضور ﷺ کی حیات بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی زندگی قبر میں متفق علیہ ہے اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں۔
(انوار المحمود شرح ابی داؤد ج ۵ ص ۷۱۰)

منکرین حیات پر بڑا افسوس ہے کہ تمام امت کو مشرک کہتے ہیں، حیات الانبیاء علیہم السلام کا مسئلہ اجماعی ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ جو حیات النبی ﷺ کا قائل ہے وہ مشرک ہے۔ اللہ تعالیٰ امان دے ایسے غلط عقیدے سے۔ آمین ثم آمین!

۴...... "حیات النبی فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ علما قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذالک وتواتر الاخبار بہ" ہمارے نبی ﷺ کی زندگی قبر میں اور تمام انبیاء علیہم السلام کی زندگی معلوم ہو چکی ہے علم قطعی کے ساتھ اس لئے کہ دلائل قائم ہو چکے ہیں۔ ہمارے نزدیک حدیثیں تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ (زرقانی ج ۱ ص ۳۴۴)

۵...... "قال علمائنا النبی ﷺ حیٌ فی قبرہ الشریف" یعنی کہا ہمارے علماء نے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۴۹۸)

گویا حیات النبی ﷺ کا عقیدہ اجماعی ہے۔ جو اجماع کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے رذیل عقائد سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین!

حیات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں صحابہ کرام، تابعین، ائمہ کرام و علماء سلف کے عقائد

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ حضور ﷺ کے حجرہ مبارک کے سامنے رکھ دینا۔ اگر دروازہ کھل جائے اور قبر انور سے آواز آئے کہ ابوبکر کو اندر لے آؤ تب تو مجھے حجرہ مبارک میں دفن کر دینا ورنہ عام مؤمنین کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب حجرہ مبارکہ کے سامنے جنازہ رکھا گیا تو دروازہ کھل گیا اور قبر انور سے آواز آئی "ادخلوا الحبیب الی الحبیب" لے آؤ محبوب کو اپنے محبوب کی طرف۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۸۳)

منکرین حیات کی خوب تردید ہو گئی جو کہتے ہیں کہ نبی ﷺ قبر میں زندہ نہیں۔ یہ عقیدہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔ آپ کا عقیدہ حیات النبی ﷺ پر تھا اس لئے وصیت فرمائی۔ کہا اگر روضہ اطہر سے آواز آئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اندر لے آؤ تب تو مجھے حجرہ مبارک میں دفن کر دینا ورنہ عام مؤمنین کے قبرستان میں دفن کرنا۔ یہ الفاظ واضح دلالت کر رہے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کو زندہ سمجھتے تھے قبر مبارک میں۔

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام سے جس وقت تشریف لائے سب سے پہلے مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوئے اور

حضور ﷺ کے حضور میں سلام عرض کیا۔ (درة الانصاف ص ۸۴، خلاصۃ الوفاء ص ۹۹)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو قبر مبارک میں زندہ سمجھتے تھے۔ اس لئے پہلے آ کے سلام عرض کرتے۔ پھر گھر تشریف لے جاتے۔ منکرین حیات کا عقیدہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔

(۳) حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

''قال من زار قبر رسول اللہ ﷺ کان فی جوار رسول اللہ ﷺ'' یعنی آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو حضور ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضر ہو وہ اس وقت حضور ﷺ کی ہمسائیگی میں ہوتا ہے۔ (جذب القلوب ص ۱۸۰)

فائدہ: اگر آپ قبر مبارک میں زندہ نہیں تو ہمسائیگی کا کیا مطلب ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ بھی حیات انبیاء علیہم السلام کا تھا۔

(۴) حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب کبھی ان گھروں سے جو مسجد نبوی کے قریب تھے کسی گھر میں میخ یا کیل کے لگائے جانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ حضور ﷺ کو اس آواز سے تکلیف نہ دو۔

(شفاء السقام ص ۷۳)

فائدہ جلیلہ: حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا عقیدہ رکھتی تھیں حیات النبی ﷺ پر۔ منکرین حیات ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔ اپنے جھوٹے مسلک پر دلائل ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین!

(۵) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عقیدہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی سفر پر روانہ ہوتے تو مسجد نبوی میں حاضر ہوتے، نماز پڑھتے اور پھر روضہ اطہر پر حاضر ہوتے اور عرض کرتے ''السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابو بکر'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حیات النبی ﷺ کے قائل تھے۔ اگر قائل نہیں تو آج کل کے منکرین حیات نہیں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

(ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۸)

(۶) مشہور تابعی حضرت سعید ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ اور مشاہدہ

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کئی راتیں مسجد نبوی ﷺ میں اس طرح گزاریں کہ سوائے میرے کوئی بھی انسان مسجد میں نہ ہوتا تھا۔ جب شامی بدبخت مسجد میں بے ادبی کے لئے آتے تو مجھے دیکھ کر کہتے ''اس بوڑھے پاگل کو دیکھو'' جب نماز کا وقت ہوتا تو روضہ اقدس سے آذان کی آواز آتی اور پھر اقامت بھی کہی جاتی۔ میں اکیلے نماز پڑھتا۔ (وفاء الوفاء ج ۱ ص ۱۲۴)

(۷) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

حیات النبی ﷺ کے بارے میں آپ کا مسلک کئی مشہور کتابوں میں تحریر ہے کہ آپ ﷺ صلوٰۃ وسلام کو

اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جا رہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جا رہا ہو۔ (طحاوی شریف ص ۲۰۵)

(۸) حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

حضور ﷺ وفات شریفہ کے بعد آپ ﷺ حیات تامہ سے زندہ ہیں اور یہ حیات آئندہ بھی اسی طرح رہے گی۔ یہ صرف آپ ﷺ کا خاصہ نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام اس وصیت میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔
(مقام حیات ص ۱۹۶، ۱۹۷)

(۹) حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک

آپ کے مسلک کی مشہور کتاب (روضۃ البھیہ ص ۱۴) میں تحریر ہے کہ حضرت ابن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ (مقام حیات ص ۹۹)

(۱۰) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

آپ کے مسلک کی کتاب (طبقات شافعیہ ج ۲۲ ص ۲۸۲) میں تحریر ہے کہ ہم شافعیہ کے نزدیک حضور ﷺ زندہ ہیں اور آپ ﷺ میں احساس شعور موجود ہے۔ آپ ﷺ کے حضور میں امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ (مقام حیات ص ۱۹۸)

(۱۱) حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا مسلک

آپ خود فرماتے ہیں مجھ کو سالک بنایا خود رسول اللہ ﷺ نے اور آپ نے میری تربیت فرمائی۔ پس میں اویسی ہوں اور شاگرد ہوں حضرت ﷺ کا بلا کسی واسطہ کے۔ (مشاہدہ ۷ الفیوض الحرمین، رحمت کائنات ص ۲۴۵)

(۱۲) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا عقیدہ

آپ فرماتے ہیں قبر کے پاس انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

(۱۳) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا عقیدہ

آپ فرماتے ہیں میں انبیاء کرام علیہم السلام کو انہیں اجسام دنیاوی کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ (قصائد قاسمیہ ص ۳)

(۱۴) حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی رحمہ اللہ تھانوی کا عقیدہ

آپ نے نشر الطیب میں فرمایا: دوسری روایت مشکوٰۃ میں ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد کو کھا سکے۔ پس خدا کے پیغمبر علیہم السلام زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اور آپ آگے فائدہ بیان کرتے ہیں: (ف) پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لئے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل واقویٰ ہے۔ (حوالہ کتاب نشر الطیب ص ۲۵۷، ۲۵۸)

آپ ﷺ کے عالم برزخ میں تشریف رکھنے کے متعلق ایک مستقل فصل قائم کی۔

(۱۵) حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا عقیدہ

حضرت مولانا مفتی مشتاق احمد مالیر کوٹلہ والے بیان کرتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ گیا تو مشائخ وقت سے یہ تذکرہ سنا کہ اس سال روضہ اطہر سے عجیب کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ ایک نوجوان نے جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا تو دربار رسالت سے وعلیکم السلام کے پیارے الفاظ سے اس کو جواب ملا۔ جانتے ہو یہ ہندی نوجوان کون تھا۔ یہ تمہارے استاد مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تھے۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام)

(۱۶) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا عقیدہ

آپ فرماتے ہیں بے شک حضور ﷺ زندہ ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف (روضہ اطہر) میں آذان واقامت سے نمازیں پڑھتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۹)

(۱۷) مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا عقیدہ

آپ فرماتے ہیں احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو المہند وغیرہ میں بالتفصیل مرقوم ہے یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام بجسد عنصری زندہ ہیں جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔ (مقام حیات ص ۲۵۵)

(۱۸) فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ کا عقیدہ

آپ فرماتے ہیں یقیناً نبی کریم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جیسے کہ سب انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۱۷)

(۱۹) حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا عقیدہ

آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابرین دیوبند کا مسلک اور متفقہ اعلان

سب انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہٖ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں لیکن وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں بطور لذت کے اور روضہ اقدس پر درود پڑھا جائے تو بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل سنت وجماعت کا مسلک ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے ہیں ان کا رسالہ المہند علی المفند متفق عند علماء دیوبند بھی اہل انصاف واہل بصیرت کے لئے کافی ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے تو اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ (مقام حیات ص ۲۷۲)

عذاب قبر کی ہولناک قسمیں

۱...... حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ اکثر اپنے صحابہ سے دریافت فرمایا کرتے تھے کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ایک دن صبح کو آپ نے از خود بیان کرنا شروع کر دیا کہ آج رات میرے پاس دو آدمی آئے اور مجھ کو بیت المقدس کی طرف لے گئے اور ہم ایک آدمی پر گزرے جو لیٹا ہوا تھا اور ایک دوسرا آدمی اس کے سر کو پتھر سے کچل رہا تھا۔ پتھر مارتا تو سر چور چور ہو جاتا اور پتھر دور لڑھک جاتا۔ پھر وہ آدمی پتھر لینے جاتا اتنے میں اس کا سر صحیح سالم ہو جاتا اور وہ واپس آ کر پھر پتھر سے مارنے لگتا۔ اسی طرح برابر ہوتا رہا۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا سبحان اللہ! یہ دونوں کون شخص ہیں؟ میرے ساتھی نے کہا ابھی اور آگے چلئے۔ تو دیکھا کہ ایک آدمی گدی پر لیٹا ہوا ہے اور ایک شخص لوہے کے آرہ سے اس کی باچھوں کو گدی تک چیرتا ہے۔ ایک طرف سے اس کا منہ چیر کر جب دوسری طرف سے چیرنے لگتا ہے تو پہلا چیرا ہوا درست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بار بار چیرتا ہے اور پھر درست ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ! یہ کون ہیں؟ مجھ سے کہا گیا ابھی اور آگے چلئے۔

چنانچہ ہم آگے بڑھے تو ایک تنور ملا اس میں بڑا شور و غل ہو رہا تھا۔ تنور میں ننگے مرد اور عورتیں تھیں۔ آگ کی لپٹیں ان کے نیچے سے لپکتیں اور شور مچانے لگتے۔ وہاں بدبو نا قابل برداشت تھی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں۔ مجھ کو حکم ہوا کہ ابھی اور آگے چلئے۔ ہم ایک نہر پر گزرے جس کا پانی خون کی طرح سرخ تھا۔ اس میں ایک آدمی تیر رہا تھا اور ایک دوسرا آدمی نہر کے کنارے پر بہت سے پتھر لئے کھڑا تھا۔ وہ تیرنے والا جب کنارے پر آتا ہے تو اپنا منہ کھول دیتا اور کنارے والا آدمی اس کے منہ میں لقمہ کے طور پر ڈال دیتا۔ اسی طرح بار بار ہوتا رہا۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا ابھی اور آگے چلئے۔

ہم چلے تو ایک انتہائی بدصورت آدمی پر گزرے، اس کے پاس آگ تھی وہ آگ کو سلگاتا اور اس کے گرد چکر لگاتا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا ابھی اور آگے چلئے۔ ہم آگے تو ایک سرسبز و شاداب باغ پر گزرے اور باغ کے بیچ میں ایک اتنا لمبا شخص تھا کہ میں اس کے سر کو نہیں دیکھ پایا تھا۔ اس دراز قد شخص کے گرد بہت سے بچے تھے۔ میں نے ان بچوں کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا ابھی اور آگے چلئے۔ پھر ہم ایک ایسے وسیع اور حسین باغ میں پہنچے کہ میں نے ایسا باغ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اپنے ساتھی کے حکم میں اندر داخل ہوا۔ اس میں ایک ایسا شہر تھا کہ سونے چاندی کی اینٹوں سے اس کی تعمیر ہوئی تھی۔ ہم شہر کے دروازے پر آئے۔ دروازہ کھلوایا اور ہم اس میں داخل ہو گئے۔ اندر پہنچے تو ہمارے سامنے چند آدمی آئے جن کا آدھا جسم نہایت خوبصورت اور آدھا جسم بدصورت تھا۔ میرے ساتھی نے ان سے کہا کہ تم اس سامنے والی نہر میں کود پڑو۔ وہ جا کر کود پڑے۔ وہ نہر بہت وسیع تھی اور اس کا پانی دودھ کی طرح سفید تھا۔ جب وہ نہر سے نکل کر واپس آئے تو ان کی بدصورتی ختم ہو گئی اور پورا جسم نہایت حسین ہو گیا۔

میرے ساتھی نے مجھ سے کہا کہ یہ جنت عدن ہے اور یہی تمہارا ٹھکانا ہے۔ میں نے نگاہ اٹھائی تو ایک سفید محل نظر آیا۔ ساتھی نے کہا یہ بھی تمہارا ٹھکانا ہے۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے۔ مجھے اپنے اس ٹھکانے میں ذرا داخل ہونے دو۔ انہوں نے کہا ابھی تو نہیں، مگر تم ضرور اس محل میں داخل ہو گے۔ میں نے شروع سے اب تک جو حیرت ناک مناظر دیکھے تھے ان کے بارے میں اپنے ساتھی سے حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ:

۱...... پہلا شخص جس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا وہ شخص ہے جس نے قرآن کی تعلیم حاصل کر کے اس کو بھلا دیا اور فرض نماز ترک کر کے سوتا رہتا تھا۔ یہ برتاؤ اس کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

۲...... اور وہ دوسرا شخص جس کا جبڑا چیرا جا رہا تھا وہ آدمی ہے جو کہ صبح کو اپنے گھر سے چلتا ہے جھوٹ بولتا پھرتا ہے یہ برتاؤ اس کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

۳...... تیسرے وہ مرد و عورت جو تنور میں ننگے جل رہے ہیں وہ زنا کار لوگ تھے۔

۴...... چوتھا شخص جو نہر میں تیرتا ہے اور کنارے پر پتھر کا لقمہ پاتا ہے وہ شخص ہے جو سود کھایا کرتا تھا۔

۵...... پانچواں شخص جو آگ سلگا رہا ہے، دراوغہ جہنم ہے۔

۶...... اور چھٹا لمبا آدمی جو کہ باغ میں نظر آیا وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے گرد وہ بچے ہیں جن کی موت فطرت پر یعنی اسلام پر ہوئی۔

۷...... ساتویں قسم کے لوگ جن کا آدھا جسم خوبصورت ہے آدھا بدصورت ہے وہ لوگ ہیں جنھوں نے نیک اعمال کے ساتھ برے اعمال بھی کئے ہیں۔ مگر پھر ان کو رحمت نے اپنے دامن میں لے لیا اور برائی کا داغ صاف ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کے بعد ان دونوں ساتھیوں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں جبرائیل علیہ السلام ہوں اور یہ میکائیل علیہ السلام ہیں۔ (بخاری و بیہقی بحوالہ موت کا منظر ص ۱۱۱)

علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عذاب برزخ کے ثبوت میں نص صریح ہے۔ کیونکہ انبیاء کا خواب سچا ہوتا ہے اور واقعہ کے مطابق ہوتا ہے۔ حدیث میں جو یہ فرمایا کہ ان کے ساتھ قیامت تک یہ برتاؤ ہو گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ برزخ کے واقعات ہیں۔

۲...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے مذکورہ بالا روایت میں مزید یہ بھی ہے کہ جو شخص آگ سلگا کر چکر لگا رہا ہے وہ دروغہ جہنم ہے جب کوئی چیز اس آگ سے باہر نکلتی ہے تو فوراً وہ دراوغہ اس کو آگ میں لوٹا دیتا ہے۔ نیز جو ننگے مرد و عورت تھے وہ زانی تھے اور بدبو ان کی شرم گاہوں سے نکلتی تھی اور ایک گروہ موٹے پیٹ والوں کا بھی نظر آیا تھا جن کی مقعدوں میں آگ بھری جاتی اور منہ سے باہر نکالی جاتی تھی۔ یہ قوم لوط کا عمل کرنے والے تھے اور وہ نہر جو دودھ کی طرح سفید تھی وہ کوثر کی نہر تھی۔ (ابن عساکر بحوالہ موت کا منظر ص ۱۱۲)

۳...... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کا گزر ایک دسترخوان پر بھی ہوا جہاں بھنا ہوا عمدہ گوشت تھا، مگر کھانے والا کوئی نہ تھا اور ایک دسترخوان ایسا تھا جس پر بدبودار گوشت تھا۔ وہاں کچھ لوگ تھے۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کو پسند کرتے ہیں۔

آنحضور ﷺ ایک ایسے گروہ پر بھی گزرے جن کے شکم گھر کی طرح وسیع و عریض تھے۔ جب وہ اٹھنا چاہتے تو گر پڑتے اور حسرت سے کہتے۔ اے خدا تو قیامت کو نہ قائم کر، وہ گریہ وزاری کیا کرتے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا یہ امت محمد یہ کے سود خوار ہیں۔ ایسے گروہ پر بھی گزر ہوا جن کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے ان کے منہ میں پتھروں کا لقمہ دیا جاتا اور پتھر مقعد سے باہر آ جاتے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ناحق کھا لیا کرتے تھے۔ ایسے گروہ پر بھی گزر ہوا جن کی پسلیوں سے گوشت کاٹ کر خود انہیں کو کھلوایا جاتا اور یہ کہا جاتا کہ کھالے جس طرح اپنے بھائی کا گوشت کھایا کرتا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا یہ ھمازون یعنی غیبت کرنے والے اور لمازون ہیں یعنی لوگوں کی عیب جوئی کرنے والے۔ یہ برتاؤ ان لوگوں کے ساتھ قیامت تک رہے گا۔ (بیہقی، دلائل النبوۃ، موت کا منظر ص ۱۱۲)

۴...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ معراج کی رات ایسے گروہ پر گزرے جن کے سر پتھر سے کچلے جاتے اور پھر صحیح سالم ہو جاتے۔ اسی طرح بار بار ہوتا رہا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر نماز سے بوجھل ہو جاتے تھے۔ یعنی نماز کو بڑا بوجھ سمجھ کر اتار پھینکتے، ایسے تیسے ادا کرتے یا یہ کہ ادا ہی نہ کرتے تھے۔

اس کے بعد گروہ ایسا نظر آیا جن کی شرمگاہوں پر صرف پتے تھے۔ اونٹ بکریوں کی طرح چرتے تھے اور تھوہر، گرم پتھر وغیرہ کھا رہے تھے۔ دریافت کرنے پر بتایا گیا یہ وہ لوگ ہیں مالوں سے زکوۃ وصدقات نہیں نکالتے تھے۔ پھر ایک گروہ عورتوں اور مردوں کا نظر آیا جن کے سامنے پکا ہوا عمدہ گوشت تھا اور ساتھ ہی کچا اور خراب گوشت تھا۔ وہ لوگ عمدہ اور پکے ہوئے گوشت کو چھوڑ کر کچے اور خراب گوشت کو کھانے لگے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا یہ وہ مرد ہیں جو اپنی حلال بیویوں کو چھوڑ کر بدکار عورتوں کے پاس جاتے اور یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کو چھوڑ کر غیر مردوں کے پاس جاتی ہیں۔

اس کے بعد ایک شخص نظر آیا جس نے ایک اتنا بڑا گٹھڑ جمع کر رکھا تھا اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں تھی۔ اس کے باوجود اور زیادہ بوجھ لا درہا تھا دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں جمع ہیں اور ان امانتوں کا ادا کرنے کی قدرت اس میں نہیں ہے۔

اس کے بعد حضور ﷺ ایک گروہ پر گزرے جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کترے جا رہے تھے۔ کترنے کے بعد صحیح سالم ہو جاتے اور پھر کترے جاتے۔ بار بار اسی طرح ہوتا رہا۔ دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ فتنہ اور فساد برپا کرنے والے واعظ وخطیب ہیں۔ (ابن عدی، بیہقی، بحوالہ موت کا منظر ص ۱۱۳)

۵...... حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آنحضرت ﷺ کے خواب کا واقعہ مذکور ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور یہ سچا خواب ہے تم اس کو خوب سمجھ لو۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لے کر چلا۔ راستہ میں ایک بڑا پہاڑ نظر آیا۔ اس نے مجھ کو چڑھنے کے لئے کہا میں نے کہا اس لمبے پہاڑ پر میں کیسے چڑھوں۔ اس نے کہا میں تمہارے لئے

اس پر چڑھنا آسان کردوں گا۔ پھر میں نے قدم اٹھایا تو ایک زینہ پر رکھا۔ اسی طرح قدم آگے بڑھاتا گیا اور ہر قدم پر زینہ ملتا گیا۔ پہاڑ پر چڑھ کر کچھ دور گئے تو کئی مرد اور عورتیں ایسے نظر آئے کہ ان کی باچھیں کٹی ہوئی تھیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا عمل ان کے قول کے خلاف ہوا کرتا تھا۔ پھر آگے چل کر عورت اور مرد ایسے ملے جن کے کانوں اور آنکھوں میں میخیں ٹھکی ہوئی تھیں، دریافت کرنے پر بتایا گیا یہ وہ لوگ ہیں کہ ناجائز باتوں کے سننے اور ناجائز چیزوں کے دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ پھر آگے چل کر کئی عورتیں لٹکی ہوئی نظر آئیں۔ ان کے سر نیچے اور پیر اوپر تھے اور سانپ ان کی چھاتیوں کو ڈس رہے تھے۔ پوچھنے پر بتایا گیا یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنی اولاد کو دودھ پلانے سے روکتی تھیں۔ آگے چل کر کئی عورتیں و مرد ایسے نظر آئے جو سر نیچے کر کے لٹکائے گئے تھے اور زمین کے کیچڑ کو چاٹ رہے تھے۔ پوچھنے پر یہ بتایا گیا یہ وہ روزہ دار ہیں جو وقت سے پہلے روزہ کھول دیتے تھے۔

آگے چل کر تین آدمی شراب طہور پیتے ہوئے اور خوشی کے نغمے گاتے ہوئے ملے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا یہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ (ابن خزیمہ، ابن حبان وغیرہ بحوالہ موت کا منظر ص ۱۱۴)

قبر میں لوگوں کی مختلف حالتیں

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا میں نے آج کی رات عجیب وغریب چیزیں دیکھیں۔ میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا۔ پس اس شخص کا اپنے والدین کے ساتھ سلوک واحسان کرنے کے لئے آگے بڑھا اور ملک الموت کو اس کے پاس سے لوٹا دیا۔ میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ قبر کا عذاب اس کے آس پاس گھیرے ہوئے تھا لیکن اس کا وضو آیا اور اس نے عذاب سے نجات دی۔ میں نے اپنی امت کے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کو شیاطین نے گھیر لیا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ذکر آگے بڑھا اور شیاطین سے نجات دلائی۔ میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ عذاب کے فرشتوں نے اس کو گھیر رکھا تھا لیکن نماز نے ان کے عذاب سے اس کو بچا لیا۔ میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کے پیاس کے مارے زبان نکالے ہوئے ہے اور جس حوض پر جاتا ہے ناکام لوٹا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا روزہ آیا اور اس نے اس کو سیراب کر دیا۔

میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے حلقے بنا کر بیٹھے ہیں اور یہ شخص جب ان کے حلقے کے قریب پہنچتا ہے تو اس کو نکال کر باہر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کا غسل جنابت آیا اور اس نے اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر میرے قریب بٹھا دیا۔ میں نے اپنی امت کے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کے دائیں بائیں آگے پیچھے اور اوپر نیچے تاریکی ہی تاریکی ہے۔ وہ شخص اس تاریکی کی وجہ سے حیران و پریشان تھا کہ اس کا حج اور عمرہ آیا اور اس تاریکی سے اس کو نجات دلا کر نور میں داخل کیا۔ میں نے اپنی امت کے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ مومنوں سے بات کرتا ہے لیکن وہ اس سے بے رخی برت رہے ہیں چنانچہ اس کا صلہ رحم آیا اور اس نے کہا کہ اے مومنو! اس شخص سے بے رخی نہ کرو۔ اس سے بات چیت کرو۔ پھر اس سے باتیں کیں۔

میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے ہاتھ سے آگ کی لپٹ کو اور شراروں کو روک رہا تھا کہ منہ نہ جلے۔ چنانچہ اس کا صدقہ آیا اور اس نے اس کے منہ اور سر کی حفاظت کی۔ میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ ملائکہ عذاب نے اس کے ہر عضو کو گرفت میں لیا۔ لیکن اس کی دعوت و تبلیغ نے ان سے بچا کر ملائکہ رحمت سے ملا دیا۔ میں نے اپنی امت کے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کے نامہ اعمال نے ترازو کے بائیں پلڑے کو جھکا دیا۔ چنانچہ اس کا خوف خداوندی آیا اور اس نے اس ترازو کے دائیں پلڑے کو جھکا دیا۔ میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی ترازو و اعمال سے ہلکی پھلکی رہ گئی تو اس کے پاس وہ بچے آگئے جو بچپن میں مر گئے تھے۔ انہوں نے آ کر اس ترازو کو وزنی کر دیا۔ میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ جہنم کے کنارے پر کھڑا ہے اس کا اللہ سے ڈرنا آیا اور اس نے جہنم کے کنارے سے دور کر دیا۔ میں نے اپنی امت کے ایک آدمی کو دیکھا وہ آگ میں گر پڑا۔ اس کا وہ آنسو وہاں آیا جو اللہ کے ڈر سے اس کی آنکھ سے بہا تھا۔ اس آنسو نے اس کو آگ سے نکالا۔

میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ پل صراط پر کھڑا ہے اور تھر تھر کانپ رہا ہے۔ چنانچہ اللہ کے ساتھ جو اس کو حسن ظن تھا اس حسن ظن نے بڑھ کر اس کی تھر تھری دور کی اور پل سے گزار دیا۔ میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ پل صراط پر کبھی چوتڑوں کے بل چلتا ہے اور کبھی گھٹنوں کے بل۔ چنانچہ مجھ پر اس کا درود بھیجنا آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ پھر وہ پل صراط پر سیدھا چلا گیا۔ میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ جنت کے دروازوں کی طرف جب وہ پہنچا تو اس پر جنت کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ پھر اس کا کلمہ شہادت آیا اور دروازوں کو کھول کر اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ میں نے کئی آدمیوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ کترے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ یہ چغل خور لوگ ہیں۔ میں نے کئی آدمیوں کو دیکھا کہ وہ اپنی زبانوں کے سہارے لٹکے ہوئے ہیں میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا یہ مسلمان مردوں اور عورتوں پر تہمت لگانے والے ہیں۔ (طبرانی، نوادر الاصول، ترغیب بحوالہ موت کا منظر ص ۱۱۶)

مومن سے فرشتوں کا کہنا کہ دلہن کی طرح سوجا اور منافق و کافر کو زمین کا بھینچنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جن کا رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں جن میں سے ایک کو منکر دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ وہ دونوں اس سے پوچھتے ہیں کہ تو کیا کہتا ہے۔ ان صاحب کے بارے میں (جو تمہاری طرف بھیجے گئے) وہ اگر مومن ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہ سن کر وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم تو جانتے تھے کہ تو ایسا ہی جواب دے گا۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ مربع کشادہ کر دی جاتی ہے۔ پھر منور کر دی جاتی ہے۔ پھر اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ (اب تو) سو جا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے تو اپنے گھر والوں کو (اپنا حال) بتانے کے لئے جاتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ (یہاں آ کر جانے کا قانون نہیں ہے) تو سو جا جیسا کہ دلہن سوتی ہے جسے اس کے شوہر کے سوا کوئی نہیں اٹھا سکتا (لہٰذا وہ آرام سے قبر میں رہتا ہے) یہاں تک کہ اللہ اسے قیامت کے روز اس جگہ سے اٹھائے گا۔

اور اگر مرنے والا منافق (یا کافر) ہوتا ہے تو وہ منکر نکیر کو جواب دیتا ہے کہ میں نے جو لوگوں کو کہتے سنا وہی کہا (اس سے زیادہ میں نہیں جانتا) وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم تو خوب جانتے تھے کہ تو ایسا ہی جواب دے گا۔ پھر زمین سے کہا جاتا ہے کہ اس کو بھینچ دے۔ چنانچہ زمین اسے بھینچ دیتی ہے جس کی وجہ سے اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر چلی جاتی ہیں۔ پھر وہ قبر کے اندر عذاب ہی میں رہتا ہے۔ یہاں تک کہ (قیامت کو) خدا اسے وہاں سے اٹھائے گا۔ (بحوالہ موت کا منظر)

قبر کا مردوں سے خطاب

۱...... حضرت ابو سعید ﷜ سے روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: لوگو! لذتوں کو ختم کرنے والی موت کو یاد کیا کرو۔ قبر ہر دن اپنی مردوں سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کرتی ہے۔ میں غربت اور تنہائی کا گھر ہوں، مٹی اور کیڑوں کا گھر ہوں۔ جب مومن کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس کو مرحبا کہتی ہوئی خوشخبری سناتی ہے کہ میری پشت پر چلنے والوں میں تو بڑا محبوب تھا۔ آج میں تیری ہوگئی ہوں اور تو میری طرف آ گیا۔ تو اب میرے احسان کو بس دیکھ لے گا۔ یہ کہہ کر قبر تا حد نگاہ کشادہ ہو جاتی ہے اور جنت کا دروازہ کھلا نظر آتا ہے۔ (ترمذی بحوالہ موت کا منظر ص ۲۲)

عذاب قبر جان و تن پر ہوتا ہے

ایک مجوسی امیر المومنین حضرت عمر ﷜ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے پاس تین مردہ سروں کی کھوپڑیاں تھیں۔ اس نے کہا کہ اے عمر! تمہارے صاحب (پیغمبر ﷺ) فرماتے ہیں کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین پر مرے گا وہ آگ میں جلایا جائے گا۔ اس مجوسی نے یہ آیت بھی پڑھی "النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا" حضرت عمر ﷜ نے فرمایا بیشک ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کا فرمان صحیح ہے۔ یہ سن کر اس مجوسی نے وہ تینوں سر نکالے اور کہا یہ سر میرے باپ کا ہے۔ یہ سر میری ماں کا ہے اور یہ سر میری بہن کا ہے۔ یہ تینوں مجوسی دین پر مرے ہیں۔ میں اپنا ہاتھ ان کھوپڑیوں پر رکھتا ہوں تو مجھے گرمی محسوس نہیں ہوتی۔ (یعنی تمہارے پیغمبر کے قول کے مطابق ان کھوپڑیوں کو گرم ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ آگ پر پیش کی جاتی ہیں)

یہ سن کر حضرت عمر ﷜ نے اپنے خادم کو بھیج کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا۔ جب حضرت علی ﷜ تشریف لائے تو حضرت عمر ﷜ نے مجوسی سے کہا کہ اچھا اب تو ذرا اپنے اعتراض کو دہرا دے۔ اس نے اعتراض دہرایا۔ اعتراض سن کر حضرت علی ﷜ نے ایک لوہا اور پتھر منگوایا۔ جب حاضر کیا گیا تو آپ نے مجوسی سے کہا کہ تو اس لوہے اور پتھر پر ہاتھ رکھ کر بتا کہ گرم ہے یا سرد۔ مجوسی نے ہاتھ رکھا کہ کہا یہ تو سرد ہیں۔ حضرت علی ﷜ نے پھر فرمایا: اچھا تو لوہے کو پتھر پر مار۔ جب مجوسی نے لوہے کو پتھر پر مارا تو اس میں چنگاری نکل پڑی۔ اس پر حضرت علی ﷜ نے مجوسی کو مخاطب کر کے فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ٹھنڈے پتھر اور لوہے کے درمیان آگ پیدا کر دی ہے۔ اسی طرح وہ اس چیز پر بھی قادر ہے کہ جن کھوپڑیوں میں تجھ کو گرمی محسوس نہیں ہوتی ان کے اندر گرمی پیدا کر دی ہو اور تجھے محسوس و معلوم نہ ہو رہی ہو۔ یہ کھوپڑیاں جن کو سرد محسوس کر رہے ہو۔ ان کو اللہ تعالیٰ

اس طرح آگ پر پیش کرتا ہے کہ تو اس کی گرمی محسوس نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آگ میں جلتی رہتی ہیں۔ یہ بات سن کر مجوسی لاجواب ہوگیا۔ (موت کا منظر ص ۱۴۷)

قصہ ایک بادشاہ کی کھوپڑی کا

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جارہے تھے۔ راستہ میں کسی مردے کی ایک کھوپڑی نظر آئی۔ آپ کے ساتھیوں نے درخواست کی کہ اے روح اللہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اس کھوپڑی کو قوت گویائی عطاء فرمادے اور یہ کھوپڑی گزرے ہوئے واقعات ہم کو سنادے۔ اس سے ہم کو عبرت حاصل ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ آپ کی دعا قبول ہوئی اور کھوپڑی بول اٹھی کہ اے روح اللہ پوچھئے! کیا پوچھتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں آپ کی باتوں کا جواب دوں۔

آپ نے پوچھا تو اس زمین میں کون سی شخصیت رکھتا تھا۔ کھوپڑی نے جواب دیا۔ میں اس زمین کا بادشاہ تھا۔ ہزار برس زندہ رہا، ہزار اولاد مجھ سے ہوئی، ہزار شہر فتح کیے، ہزار لشکروں کو شکست دی اور ہزار بادشاہوں قتل کیا۔ بالآخر اس فاتح زمانہ کو موت آئی۔ میں نے اچھی طرح معلوم کرلیا کہ زہد و تقویٰ سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں اور حرص و طمع میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنے میں سب سے بڑی عزت ہے۔ (مختصر......)

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہمراہ ہم لوگ مدینہ کے قبرستان میں گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قبر والوں پر سلام کرکے کہا تم اپنی خبر بتاؤ گے یا ہم بتائیں؟ اے امیر المؤمنین! تم ہم کو خبر دو، ہمارے بعد کیا ہوا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا سن لو! تمہاری بیویوں نے شادی کرلی، تمہارے مال بٹ گئے۔ تمہاری اولاد یتیموں میں شامل ہوگئی اور جس مکان کو تم نے بڑا مستحکم بنایا تھا، اس میں تمہارے دشمن آباد ہوگئے۔

یہ سن کر ایک مردہ نے اپنے یہاں کی خبر بتاتے ہوئے کہا: ہمارے کفن پارہ پارہ ہوگئے۔ بال جھڑ کر بکھر گئے، کھالیں ریزہ ریزہ ہوگئیں۔ آنکھیں بہہ کر رخسار پر آگئیں اور نتھنوں میں سے پیپ بہہ رہی ہے۔ ہم نے جو کچھ آگے بھیجا اس کو پایا اور جو پیچھے چھوڑا اس میں نقصان ہوا۔ ہم تو اپنے اعمال ہی کے ممنون کرم ہیں۔

(تاریخ نیشاپور، موت کا منظر ص ۱۵۰)

◆◆◆

حق و باطل کا معرکۃ الآراء

مُقدّمۂ مرزائیّہ بہاولپور

رُوداد ۱۹۲۶ء لغایت ۱۹۳۵ء

جس میں

جناب جج محمد اکبر خان صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاول پور

نے مرزائیت کو اِرتداد قرار دے کر مسمّاۃ غلام عائشہ کا نکاح

عبدالرزّاق مرزائی سے فسخ فرمایا

مکمل سیٹ 3 جلدیں

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت

حضوری باغ روڈ، ملتان۔ 061-4783486